تاریخ احمدیت

جلد نہم

تقویم ہجری شمسی کے اجرائے سے لیکر حضرت
امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دعویٰ
مصلح موعود تک

۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء تا ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء

مؤلفہ
دوست محمد شاہد

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد ہشتم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-115-1

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-8 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt. Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-115-1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جابجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے موٴرخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۹ کو جلد نمبر ۸ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر و اشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد ہشتم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر و اشاعت قادیان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
—— وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ ——

تاریخ احمدیت جلد نہم

(رقم فرمودہ مکرم و محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب)

یہ امر میرے لئے باعث خوشی ہے کہ امسال ادارۃ المصنفین کی طرف سے تاریخ احمدیت کی نویں جلد احباب کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ عنوانات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلد سلسلہ کے بہت ہی اہم واقعات پر مشتمل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو قومیں اپنی تاریخ کو زندہ رکھتی ہیں اُن کی تاریخ انہیں زندہ رکھنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ اور اپنے اسلاف کو بھلا دینے والی قومیں رفتہ رفتہ بھولی بسری قوموں کے انبوہ میں شامل ہو کر اپنی انفرادیت کو کھو دیتی ہیں۔ لیکن وہ قومیں جو دُنیاوی رشتوں اور بندھنوں سے تالیف پاتی ہیں اُن سے کہیں زیادہ مذہبی قوموں کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی تاریخ اور اپنے اسلاف کے اعمال اور کردار کو زندہ و پائندہ رکھیں۔

دنیاوی قوموں کی تاریخ تو بسا اوقات یاد رکھنے کے قابل واقعات سے ہی خالی ہوتی ہے بلکہ اکثر و بیشتر ظلم، حق تلفی، خود فراموشی اور خدا فراموشی کے واقعات کی کثرت کے باعث انتہائی بدزیب اور بھیانک نظر آتی ہے اس کے باوجود دُنیاوی قومیں اپنے اسلاف کی یادوں کو زندہ رکھنے کے لئے کثیر اموال صرف کر کے اپنی تاریخ کے مٹتے ہوئے باریک نقوش کو محفوظ کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہتی ہیں پھر کیا مذہبی اقوام کا اس سے کہیں زیادہ یہ فرض نہیں کہ حقائق پر مشتمل اپنی قیمتی تاریخ کو محفوظ کرنے کی پوری کوشش کریں۔

جماعتِ احمدیہ کی تاریخ کا یہ دَور جو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا اوّلین دَور ہے اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم، تابعین اور تبع تابعین کی تاریخ کے بعد دُنیا کی ہر دوسری تاریخ سے زیادہ بلند مرتبہ اور ذی شان ہے۔ اور یقیناً اس لائق ہے کہ مقدور بھر کوشش کے ساتھ اس کے تمام حسین خدّ و خال کو علمی اور عملی دونوں لحاظ سے زندہ رکھا جائے۔

میری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ادارۃ المصنّفین کو یہ مقدس فریضہ کماحقہٗ عمدگی اور احتیاط کے ساتھ سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قدم پر ان کارکنان کی راہنمائی فرمائے جو اِس عظیم الشّان خدمت پر مامُور ہیں۔

جماعت کے تمام ذِی استطاعت اصحاب کو چاہیئے کہ وہ جلد از جلد اس قیمتی سرمایہ کو اپنے گھروں اور سینوں میں محفوظ کرنے کی کوشش کریں۔ خود بھی اس سے استفادہ کریں اور اپنے اعزاء اور اقرباء کو بھی اس سے استفادہ کرنے کی پُر زور تحریک کریں۔

موجودہ زمانہ میں اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ ہماری نئی نسل اپنے اسلاف کے کارناموں، اخلاق اور اطوار سے پُوری طرح واقف ہو اور ان تمام نیک روایات کو اپنے کردار میں محفوظ کرے جن کے باعث ہمارے بزرگ۔ اسلاف آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اپنے فرائض کو سمجھنے اور پُوری طرح ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

والسّلام

خاکسار

محمد ظفر اللہ خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

— وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود —

پیش لفظ

یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ تاریخ احمدیت کی نویں جلد طبع ہو کر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ کئی سالوں سے ہر جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ادارۃ المصنفین تاریخ احمدیت کی ایک ضخیم جلد احباب کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ تقریباً سات صد صفحات پر مشتمل کتاب کا مرتب کرنا، اس پر نظر ثانی کرنا، اس کو لکھوانا اور طبع کرانا بہت ہی محنت شاقہ کو چاہتا ہے اور اس کا اندازہ وہی اصحاب کر سکتے ہیں جو تصنیف و طباعت کا تجربہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مکرم مولوی **دوست محمد** صاحب **شاہد** کو جزائے خیر دے اور اپنی برکتوں اور فضلوں سے نوازے کہ وہ نہایت ہی محنت اور جانفشانی سے ہر سال ایک جلد کا مواد اکٹھا کرتے اُسے مرتب کرتے اور لکھتے ہیں۔ اور مواد اکٹھا کرنے اور تصاویر حاصل کرنے کے لئے انہیں کئی سفر بھی کرنے پڑتے ہیں ادارۃ المصنفین کے عملہ کو تاریخ کی طباعت کے سلسلہ میں بہت جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ مضمون کو لکھوانا، پروف پڑھنا اور تصاویر کے بلاک تیار کر چھپوانا کافی تگ و دو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری محنت ٹھکانے لگ رہی ہے اور ہر سال ہم اپنی منزل مقصود کے قریب پہنچ رہے ہیں۔

تاریخ احمدیت کی ہر جلد ہی اہم واقعات پر مشتمل ہوتی ہے لیکن یہ جلد اس لحاظ سے خصوصیت رکھتی ہے کہ اس میں تین ایسے اہم واقعات کا ذکر آرہا ہے جو رہتی دنیا تک اثر انداز ہوں گے (۱) سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ مصلح موعود اور اس کے اثرات (۲) تفسیر کبیر جلد سوم کی تصنیف اور اس کی اشاعت (۳) مجلس انصار اللہ کا قیام۔ یہ تینوں واقعات تاریخ سلسلہ میں بہت ہی اہم واقعات ہیں اور بڑے دُور رس نتائج کے حامل ہیں۔ اس جلد میں جس قدر واقعات کا ذکر ہے ان سب کا خاکسار عینی شاہد ہے جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دعویٰ مصلح موعود فرمایا تو وہ دن جماعت کے لئے عید کا دن تھا اور ہر شخص کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی صداقت کا زندہ ثبوت دُنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ پیشگوئی جو تلمود میں ہزاروں سال سے موجود تھی اور پھر اس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور پھر اولیائے اُمت نے اُسے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اس زمانہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مفصل خبر پا کر لوگوں کو اس کی اطلاع دی۔ وہ پیشگوئی پوری ہو رہی تھی۔ دعویٰ مصلح موعود کے بعد ہوشیارپور، لاہور، لدھیانہ اور دہلی میں جلسے ہوئے

لاہور میں حضور نے تقریر فرماتے ہوئے جب یہ فرمایا کہ اس وقت میں نہیں بول رہا بلکہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے۔ آج بھی ان الفاظ کی گونج کانوں میں موجود ہے۔ دعویٰ مصلح موعود کے بعد حضور نے ہر روز مغرب کی نماز کے بعد مسجد مبارک میں بیٹھنا شروع کیا۔ تاکہ آپ لوگوں کا تزکیہ نفوس اور تربیت کر سکیں۔ تقریباً روزانہ یہ مجلس ہوتی۔ گرمیوں میں مسجد مبارک کی چھت پر اور سردیوں میں مسجد مبارک کے اندرونی حصہ میں جب حضور مسند پہ رونق افروز ہوتے تو گویا یوں نظر آتے جیسے چاند ستاروں کے درمیان چمک رہا ہو۔ عشاق تکلیف کی پرواکئے بغیر سردیوں اور گرمیوں میں دُور دُور سے مجلس میں پہنچتے۔ حضور اپنے نکتوں سے نوازتے۔ رؤیا و کشوف و الہامات سُناتے۔ قرآن مجید کے معارف بیان فرماتے اور علمی گفتگو سے ایسا محظوظ کرتے کہ وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی جب حضور نے تفسیر کبیر تصنیف فرمائی تو ازراہ شفقت خاکسار کو کتابت وطباعت کے انتظام و انصرام کے لئے منتخب فرمایا۔ خاکسار وقتاً فوقتاً حضور کی خدمت میں مضمون لینے کے لئے حاضر ہوتا۔ بعض اوقات حوالہ جات کے ضمن میں یا اور کوئی بات پوچھنے کے لئے جانا پڑتا تو دیکھا کہ حضور صبح آٹھ بجے سے کام شروع کر کے رات تین چار بجے تک اور بعض اوقات پانچ بجے تک تصنیف کے کام میں مشغول ہوتے اور اس ضمن میں آپ نے اپنی صحت کا بھی خیال نہ رکھا۔ اور اپنی صحت کو خطرے میں ڈال کر آپ نے قرآن مجید کی وہ تفسیر دُنیا کے سامنے پیش کر دی جو قیامت تک قرآن مجید کی سچائی پر شاہد ناطق ہوگی۔ مجلس علم و عرفان میں بھی انتظام کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور ہر روز حضور کے بیٹھنے کے لئے مسندوں کو رکھوانے، باہر سے آنے والے احباب کی ملاقات کروانے اور دیگر متعلقہ انتظامات کرنے کا موقعہ ملتا رہا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

کتاب کے مسودہ پر نظر ثانی بھی کافی محنت چاہتی ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے امسال بھی مسودہ پر نظر ثانی کرنے کی توفیق دی۔ اللہ تعالیٰ مکرم سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآبادی کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے قیمتی وقت خرچ کر کے اوّل سے آخر تک مسودہ کو دیکھا اور مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب اور مکرم شیخ نور احمد صاحب منیر نے مسودہ کے بعض حصوں کو دیکھا اور مکرم قاضی محمد نذیر صاحب ناظر اصلاح و ارشاد بھی قابل شکریہ ہیں کہ انہوں نے مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو مفید اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔ مکرم شیخ خورشید احمد صاحب نے کاپیاں پڑھنے اور پروف ریڈنگ کا اہم فریضہ ادا کیا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء

ہر سال کوشش کی جاتی ہے کہ کتاب میں بیان ہونے والے واقعات کے ساتھ تعلق رکھنے والی تصاویر بھی محفوظ کر دی جائیں۔ ان تصاویر کے حصول کے لئے کافی جدّوجہد کرنی پڑتی ہے۔ امسال مواد اور تصاویر مہیا کرنے میں مندرجہ ذیل اصحاب نے ہمارے ساتھ تعاون فرمایا:۔

۱۔ مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل

۲۔ مکرم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لائل پور

۳۔ مکرم شیخ محمد حنیف صاحب امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ

۴۔ الحاج خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب کوئٹہ

۵۔ مکرم میجر سید سعید احمد صاحب لاہور

۶۔ مکرم میاں بشیر احمد صاحب نائب امیر جماعت احمدیہ و ناظم علاقائی انصاراللہ کوئٹہ

۷۔ مکرم عبدالرحمٰن خاں صاحب کوئٹہ

۸۔ مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور فاضل

۹۔ مکرم جناب شیخ بشیر احمد صاحب سابق جج ہائیکورٹ لاہور

۱۰۔ مکرم جناب عزیز احمد صاحب اینزنک سٹوڈیو لاہور

۱۱۔ مکرم پیر فضل احمد صاحب گولیکی

۱۲۔ مکرم چوہدری غلام حیدر صاحب تعلیم الاسلام کالج ربوہ

۱۳۔ مکرم عبدالرشید صاحب ساٹری ناظم اشاعت خدام الاحمدیہ کراچی

۱۴۔ مکرم قائد صاحب مجلس خدام الاحمدیہ کراچی

مندرجہ ذیل احباب نے مسودہ نقل کرنے میں مدد دی:۔

(۱) مکرم قاضی منیر احمد صاحب ادارۃ المصنفین (۲) چوہدری نذیر احمد صاحب اکونٹنٹ سی۔ ایم۔ اے کراچی (۳) عزیزم منیرالحق صاحب شاہد ایم۔ اے۔ اسی طرح چوہدری محمد صدیق صاحب ایم۔ اے انچارج خلافت لائبریری اور اُن کے رفقاء کار مکرم راجہ محمد یعقوب صاحب، ملک محمد اکرم صاحب اور مبارک احمد صاحب خاص شکریہ کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے مکرم مولانا دوست محمد صاحب کے ساتھ خاص تعاون فرمایا۔ مکرم چوہدری شاہ محمد صاحب اور مکرم محمد اسمٰعیل صاحب کاتب نے نہایت توجہ اور عمدگی سے کتابت کی۔ قاضی منیر احمد صاحب اور لطیف احمد صاحب کارکنان ادارہ نے نہایت محنت اور توجہ سے کتاب کی طباعت کا کام سرانجام دیا۔ الغرض سب احباب جنہوں نے مواد مہیا کیا۔ کتابت عمدگی سے کی۔ کاپیاں اور پروف پڑھے۔ کتاب کو عمدگی سے چھاپا۔ سبھی قابلِ شکریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے فضلوں، احسانوں اور برکتوں سے نوازے۔ آمین۔

فہرست مضامین "تاریخ احمدیت" جلد نہم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
تقویم ہجری شمسی کے اجراء سے لیکر تفسیر کبیر (جلد سوم) کی اشاعت تک	
خلافت ثانیہ کا ستائیسواں سال	
۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء	
فصل اوّل	
خلافت جوبلی سے پیدا شدہ نئی ذمہ داریوں کو پورے اخلاص اور جذبہ کے ساتھ ادا کرنے کی تلقین	۲
تقویم ہجری شمسی کا اجراء	۸
سیدنا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں سنہ ہجری کی بنیاد	۹
ہجری شمسی تقویم کی ضرورت	۱۰
ہجری شمسی تقویم جاری کرنے کی اسلامی کوششیں	۱۰
حضرت سیدنا فضل عمرؓ کی توجہ تقویم ہجری شمسی کی طرف	۱۱
تقویم کے لئے کمیٹی کی تشکیل	۱۲
تقویم ہجری شمسی کی ترتیب و تجویز	۱۴
ہجری شمسی سال کا آغاز اور اس کے دنوں کی اس کے مہینوں پر تقسیم	۱۵
ہجری شمسی مہینوں کے نام	۱۵
قمری مہینوں کی تعیین	۱۸
تقویم قمری کا اجمالی خاکہ	۱۸
ہجری شمسی تقویم (کیلنڈر) بابت ۱۳۱۹ ہش مطابق ۱۹۴۰ء	۱۹
نشر و اشاعت کی طرف سے پہلے کیلنڈر کی اشاعت	۲۵
دائمی ہجری شمسی کیلنڈر	۲۵
حضرت مولانا غلام حسن خاں صاحبؓ پشاوری کی بیعت خلافت اور ہجرت	۲۶
فصل دوم	
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کا سفر سندھ و دہلی	۳۲
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی تقریر بمبئی ریڈیو اسٹیشن سے	۳۸
نواب بہادر یار جنگ مرحوم اور جماعت احمدیہ	۴۳
نواب صاحب کے تاثرات حضرت مصلح موعودؓ کی ذات مبارک کے متعلق	۴۴
مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں شرکت کے بعد قادیان میں آمد	۴۷
نواب صاحب کے تاثرات قادیان کے متعلق	۴۷
چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں	۴۹

عنوان	صفحہ
فصل سوم	
غیر مبائعین کو محبت وخلوص سے تبلیغ کرنے کی تحریک خاص اور اس کے ثمرات	۵۱
ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس قادیان میں	۵۴
ایک اندرونی فتنہ	۵۴
صاحبزادی امۃ الودود بیگم صاحبہؓ کی وفات کا المناک حادثہ	۶۰
حضرت مسیح موعودؑ کے احاطہ مزار مبارک کی توسیع	۶۷
حضرت امیر المؤمنینؓ کی وصیت	۶۷
فصل چہارم	
مجلس انصاراللہ کا قیام	۷۰
مجلس انصاراللہ اور دوسری مجالس کے بنیادی اغراض و مقاصد	۷۴
انصاراللہ کی حیثیت جماعتی نظام میں	۷۸
مجلس انصاراللہ کا پہلا دور	۷۸
انصاراللہ کے اولین فرائض	۸۰
بیرونی مقامات کی ابتدائی مجالس	۸۰
مجلس انصاراللہ کا دوسرا دور	۸۱
مرکزی دفتر کا قیام	۸۱
مرکزی سکرٹریوں کو شعبوں کی تفویض	۸۲
قادیان میں انصاراللہ کی تبلیغی جدوجہد	۸۳
قادیان میں مجلس انصاراللہ کے اجلاسوں کی ابتداء	۸۳
زعماء انصاراللہ اور گروپ لیڈروں کے مشاورتی اجلاس	۸۴
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کا اہم خطبہ انصاراللہ کے متعلق	۸۴
مجلس انصاراللہ کا دستور اساسی	۸۸
زعیم اعلیٰ کا عہدہ	۹۲
انصاراللہ کا عہد	۹۲
مجلس انصاراللہ کا پہلا بجٹ	۹۲
انصاراللہ کا پہلا سالانہ اجتماع اور حضرت امیر المؤمنینؓ کی تقریر	۹۳
دورِ ثانی کے بعض متفرق کوائف	۹۷
مجلس انصاراللہ کا دوسرا سالانہ اجتماع	۹۸
مجلس انصاراللہ کا تیسرا دور	۹۹
مجلس انصاراللہ کی تنظیم کا چوتھا سنہری دور	۹۹
حضرت امیر المؤمنینؓ سے اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" اور "سٹیٹسمین" کے نامہ نگاروں کی ملاقات	۱۰۰
ضلع کانگڑہ میں تبلیغ اسلام کی خاص مہم	۱۰۲

عنوان	صفحہ
فصل پنجم	
کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی کا وفد قادیان میں	۱۰۲
نقشہ ماحول قادیان	۱۰۴
قادیان کے قریب اکالی کانفرنس اور احمدیوں کا امن پسند رویہ	۱۰۴
سکھ اخبار "ریاست" کی طرف سے احمدیوں کی امن پسندی کا اعتراف	۱۰۹
اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی جھوٹی خبر	۱۱۰
اخبار "الفضل" کا چیلنج	۱۱۲
حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال رضؓ کا وضاحتی بیان	۱۱۲
مرزا سلیم بیگ صاحب کارکن اعلیٰ ہائیکورٹ حیدرآباد دکن و سیاح بلاد اسلامیہ قادیان میں	۱۱۴
مرزا سلیم بیگ صاحب کا تحریری بیان	۱۱۹
مولوی محمد رفیق صاحبؓ مجاہد تحریک جدید کا انتقال	۱۲۲
فصل ششم	
تفسیر کبیر جلد سوم کی اشاعت	
۱۹۲۸ء کا مشہور درس القرآن اور (۳۱) کے نوٹ	۱۲۳
حضرت امیر المومنینؓ کا بے مثال مجاہدہ	۱۲۷
دعائے خاص کی تحریک	۱۲۷
مسودہ پر نظر ثانی کی تکمیل	۱۲۹
تفسیر کبیر کا نام اور اس کی وجہ تسمیہ	۱۳۱
"کچھ تفسیر کبیر کے متعلق" (دیباچہ تفسیر کبیر جلد سوم)	۱۳۲
تفسیر کبیر کی پہلی جلد حضرت امیر المومنینؓ کی خدمت میں	۱۳۷
تفسیر کبیر جلد سوم کی جناب الٰہی میں مقبولیت	۱۴۰
تفسیر کبیر جلد سوم کا انڈیکس	۱۴۲
تفسیر کبیر کی دوسری جلدوں کی اشاعت	۱۴۲
آخری پارہ کی تفسیر کے لئے اخراجات	۱۴۳
تفسیر کبیر کے مسودات کی حفاظت کا خاص اہتمام	۱۴۴
تفسیر کبیر کی دوسری جلدوں کی اشاعت	۱۴۵
"کلام اللہ" (دیباچہ تفسیر کبیر جلد اول)	۱۴۶
تفسیر کبیر کی تالیف کے دوران القاء	۱۴۷
تفسیر کبیر کی نو اہم خصوصیات	۱۵۱
تفسیر کبیر کے انقلاب انگیز اثرات	۱۵۷
تفسیر کبیر اور علامہ نیاز فتحپوری مدیر "نگار"	۱۵۷
تفسیر کبیر اور نواب بہادر یار جنگ	۱۵۸
تفسیر کبیر اور پروفیسر عبدالمنان بیدل سابق صدر شعبہ فارسی پٹنہ کالج	۱۵۸
تفسیر کبیر اور سید جعفر حسین صاحب ایڈووکیٹ حیدرآبادی	۱۵۹

عنوان	صفحہ

فصل ہفتم

حضرت امیر المومنین ؓ کی طرف سے تصفیۂ مسائل کے بعض آسان طریق ۱۶۳

جناب مولوی محمد علی صاحب کے ایک مضمون کی معہ جواب "الفضل" میں اشاعت ۱۶۶

جناب مولوی محمد علی صاحب کو قادیان آنے اور لیکچر دینے کی دعوت ۱۶۸

سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں حضرت امیر المومنین ؓ کا خطاب ۱۷۹

حضرت امیر المومنین ؓ کی تقریر کا ذکر اخبار "سٹیٹسمین" میں ۱۸۰

مختلف مذاہب اور مختلف فرقوں کے معززین کی سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں شرکت ۱۸۱

سالانہ جلسہ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد ۱۸۳

فصل ہشتم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال ۱۸۳

فصل نہم

۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان مسیح موعود ؑ میں خوشی کی تقاریب ۱۹۶

اناطولیہ (ترکی) میں ہولناک زلزلہ اور جماعت احمدیہ ۱۹۷

سناتن دھرم سبھا شام چوراسی میں ایک احمدی مبلغ کی تقریر ۱۹۹

فرقہ ست سنگ (بنگال) کے مرکز میں تبلیغ احمدیت ۱۹۹

سب سے پہلا احمدی ہوا باز ۱۹۹

ونجواں کے احمدیوں پر پولیس کے مظالم ۲۰۰

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا دوبارہ تقرر اور اخبار "انقلاب" ۲۰۰

محلہ دارالانوار کی مسجد کا افتتاح ۲۰۱

ملک غلام محمد صاحب قادیان میں ۲۰۱

نمائندہ اخبار "لائف" (نیویارک) کی حضرت اقدس ؓ سے ملاقات ۲۰۱

مسجد احمدیہ مونگھیر بتی (بہار) کا افتتاح ۲۰۱

ایک احمدی طالب علم کی شاندار کامیابی ۲۰۲

مکانات کے سنگ بنیاد ۲۰۲

بدھوں کے جلسہ میں ایک احمدی کا پیغام احمدیت ۲۰۲

جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا ایک دلچسپ مشورہ ۲۰۳

زکریہ صنعتی سکول قادیان ۲۰۴

بچوں کو تیراکی سکھانے کیلئے تالاب کی تعمیر ۲۰۴

احمدیہ مسجد سرینگر کی بنیاد ۲۰۵

سناتن دھرم سبھا لاہور کی مذہبی کانفرنس میں احمدی مبلغ کی کامیاب تقریر ۲۰۶

عنوان	صفحہ
انگلستان میں پہلا کامیاب مناظرہ	۲۰۷
مولانا رحمت علی صاحبؓ کی جزائر شرق الہند کو روانگی	۲۱۰
مشرقی جاوا کے پہلے احمدی کا انتقال	۲۱۰
۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کی نئی مطبوعات	۲۱۰
اندرونِ ملک کے مشہور مباحثات	۲۱۴
شیخ روشن الدین صاحب تنویر کا قبول احمدیت	۲۲۱

دوسرا باب

اشاعت احمدیت کی خصوصی تحریک سے لیکر واقعہ ڈلہوزی تک

خلافت ثانیہ کا اٹھائیسواں (۲۸) سال

۱۳۲۰ہش / ۱۹۴۱ء

فصل اوّل

عنوان	صفحہ
صحابہ کرام کو اشاعت احمدیت کے لئے سرگرم عمل ہونے کی تحریک	۲۲۵
حضرت امیر المومنینؓ کا خطاب خدام الاحمدیہ کے تیسرے سالانہ اجتماع پر	۲۲۶
سفر سندھ	۲۲۷
حضرت امیر المومنینؓ کی آل انڈیا ریڈیو سٹیشن سے حالات عراق کی نسبت تقریر	۲۲۷
اخبار "ریاست" دہلی کا تبصرہ	۲۳۰

فصل دوم

عنوان	صفحہ
حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کا وصال	۲۳۱
حضرت امیر المومنینؓ کی زبان مبارک سے حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور کپورتھلہ کے دوسرے عشاق احمدیت کا مفصل تذکرہ	۲۳۳

فصل سوم

عنوان	صفحہ
حضرت امیر المومنینؓ کی طرف سے افغانستان سے حیدرآباد تک پھیلی ہوئی مخلص احمدی جماعتوں کا ذکر	۲۴۲
حافظ آباد، گکھڑ، چنیوٹ اور کوئٹہ میں مسجدوں کی تعمیر	۲۴۵

فصل چہارم

عنوان	صفحہ
واقعہ ڈلہوزی	۲۴۸
واقعہ ڈلہوزی کی تفصیل حضرت امیر المومنینؓ کے الفاظ میں	۲۴۹
مخلصین جماعت کا ردِّ عمل	۲۶۰
اخبارات کا احتجاج	۲۶۱
حکومت پنجاب کی طرف سے کمشنر صاحب لاہور کو معذرت کرنے کی ہدایت	۲۶۷
حکومت پنجاب کا تحریری معذرت نامہ	۲۶۸
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اعلان	۲۶۹
واقعہ ڈلہوزی میں حکومت کے اعلیٰ حکام کے ملوث ہونے کا ثبوت	۲۷۰

فصل پنجم

عنوان	صفحہ
قادیان سے ہجرت کر کے پہاڑیوں کے دامن میں نیا مرکز تعمیر کرنے کا آسمانی انکشاف	۲۷۳
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۲۷۶
حضرت امیر المومنینؓ کی تقریریں سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء پر	۲۸۰

فصل ششم

۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

عنوان	صفحہ
خاندان مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب	۲۸۰
مہاراجہ صاحب بہادر آف ریاست پٹیالہ قادیان میں	۲۸۱
عبدالرحمن صاحب سماٹری کی وفات	۲۸۲
فلسطین کے معمر ترین احمدی کا انتقال	۲۸۲
بیرونی مبلغین احمدیت کی آمد اور روانگی	۲۸۳
۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء کی نئی مطبوعات	۲۸۵
اندرون ملک کے بعض مشہور مناظرے	۲۸۵

تیسرا باب

رسالہ "فرقان" کے اجراء سے لیکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے لیکچر "نظام نو" تک

خلافت ثانیہ کا انتیسواں سال[۲۹]

۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء

فصل اوّل

عنوان	صفحہ
ماہنامہ "فرقان" کا اجراء	۲۹۱
مرکزی اسمبلی میں "قاضی بل" اور جماعت احمدیہ کا احتجاج	۲۹۳
حکومت انگریزی سے شیخ الاسلام مقرر کرانے کی درخواست اور اخبار "الفضل"	۲۹۴
علامہ محمود شلتوت کا فتویٰ وفات مسیحؑ	۲۹۶
ردّ عمل	۳۰۸
علامہ محمود شلتوت کی طرف سے مدلّل اور مسکت جواب	۳۱۲
کتاب "الفتاویٰ" میں اشاعت	۳۱۳

فصل دوم

عنوان	صفحہ
قادیان کے غرباء کیلئے غلّہ کی تحریک اور اس کا شاندار اثر	۳۱۳
غلّہ کی تحریک کے دو اہم اغراض	۳۱۶
قادیان کی دیگر احمدی آبادی کے لئے غلّہ کا انتظام اور مخلصین کا شاندار نمونہ	۳۱۸
مجلس ارشاد کے ماتحت علمی تقریروں کا سلسلہ	۳۲۰
نماز باجماعت کیلئے حضرت امیر المومنینؓ کا تاکیدی ارشاد	۳۲۱
شعار اسلامی کی پابندی کے لئے اہم ارشاد	۳۲۲

فصل سوم

عنوان	صفحہ
مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لئے دُعا کی تحریک	۳۲۴

عنوان	صفحہ
احمدی نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی تحریک	۳۳۱
بیرونی مبلغین کے لئے خصوصی دعا کی تحریک	۳۴۱
مبلغینِ سلسلہ کو ذکرِ الٰہی کے لئے اہم تحریک	۳۴۵
چینی مسلمانوں کے نمائندہ شیخ عثمان صاحب قادیان میں	۳۴۸
ہندوستان میں پیغامِ حق کی منظم اشاعت کے لئے "تبلیغِ خاص" کی تحریک	۳۴۹
حضرت امیرالمومنینؓ سے پروفیسر سید اختر احمد صاحب اورینوی کی ایک ملاقات	۳۵۳
مولوی محمد الدین صاحب مجاہد البانیہ کی المناک شہادت	۳۵۸

فصل چہارم

عنوان	صفحہ
تحریک جدید کے جاری کرنے کی ایک غرض	۳۵۹
سلسلہ احمدیہ کے مصنفوں اور ناشروں کے لئے فرمان	۳۶۲
حضرت امیرالمومنینؓ کا لیکچر "نظامِ نو"	۳۶۵

فصل پنجم

عنوان	صفحہ
جلیل القدر صحابہؓ کا انتقال	۳۷۱

فصل ششم

۱۳۲۱ہش / ۱۹۴۲ء کے متفرق اہم واقعات

عنوان	صفحہ
خاندانِ مسیح موعودؑ میں پُرمسرت تقاریب	۳۸۷
نامدھاری سکھوں کی اتحاد کانفرنس میں احمدی مبلغین کی شمولیت	۳۸۸
میجک لینٹرن کے ذریعہ تبلیغی لیکچر	۳۸۸
آل اڑیسہ احمدیہ کانفرنس سونگڑہ	۳۸۹
آل انڈیا مسلم گوجرہ کانفرنس میں احمدی مبلغ کی کامیاب تقریریں	۳۸۹
طلباء تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی نمایاں کامیابی	۳۸۹
آریہ سماج کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی اور اخبار "شیر پنجاب"	۳۹۰
سرینگر میں مذاہب کانفرنس	۳۹۰
بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات	۳۹۱
مشرق بعید کی احمدی جماعتوں اور مبلغوں کے لئے دورِ ابتلاء	۳۹۱
۱۳۲۱ہش / ۱۹۴۲ء کی نئی مطبوعات	۳۹۵
اندرونِ ملک کے بعض مشہور مناظرے	۳۹۷
۱۳۲۱ہش / ۱۹۴۲ء کے قادیان پر ایک اچٹتی نظر	۳۹۷

چوتھا باب

ترکی وفد سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے وضاحتی خطبہ سے لیکر سالانہ جلسہ کے لیکچر "اسوۂ حسنہ" تک

خلافت ثانیہ کا تیسواں سال

۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء

فصل اوّل

عنوان	صفحہ
ترکی وفد سے متعلق حضرت امیرالمومنینؓ کا وضاحتی خطبہ	۴۰۱
حضرت امیرالمومنینؓ کا خطاب سندھ کی صوبائی انجمن احمدیہ کے سالانہ اجلاس میں	۴۰۶

عنوان	صفحہ
ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ کی گرفتاری اور رہائی	۴۰۷
مخلوط تعلیم کی ممانعت اور اسلامی پردہ کی ترویج کے متعلق پُرشوکت پیشگوئی	۴۰۷
مشتقی مباحثات پر اظہار ناپسندیدگی	۴۱۲
فصل دوم	
حادثہ بھامڑی	۴۱۶
حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا پیغام جماعت احمدیہ کے نام	۴۲۸
ملکی پریس میں ذکر	۴۲۹
مظلوم احمدیوں کے خلاف مقدمہ کا تکلیف دہ سلسلہ	۴۲۹
حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کا مقدمہ بھامڑی میں مبارک طرز عمل	۴۳۰
فصل سوم	
سفر ڈلہوزی	۴۳۴
احمدیہ لائبریری یادگیر	۴۳۶
بنگال اور اڑیسہ کے قحط زدگان کی امداد	۴۳۷
مدراس یونیورسٹی میں ظہور اسلام پر کامیاب لیکچر	۴۳۹
تبلیغ اسلام کے جہاد کی خاص تحریک اور مباحثات سے ممانعت	۴۴۰
حضرت امیر المومنینؓ کی خفگی ایک غیر اسلامی حرکت پر اور مجلس خدام الاحمدیہ کا ریزولیوشن	۴۴۶
فصل چہارم	
حضرت امیر المومنینؓ کی ایک اہم نصیحت	۴۴۸

عنوان	صفحہ
حضرت امیر المومنینؓ کی طرف سے سلسلہ احمدیہ کی تاریخ محفوظ کرنے والے تین بزرگوں کو خراج تحسین	۴۵۱
افتاء کمیٹی کا قیام	۴۵۴
حضرت امیر المومنینؓ کی شاندار تقاریر سالانہ جلسہ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء	۴۵۶
فصل پنجم	
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۴۵۸
فصل ششم	
۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	
خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب	۴۶۷
مرکزی مبلغین کا تبلیغی وفد صوبہ یوپی میں	۴۶۷
بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں	۴۶۸
جاوا۔ ہانگ کانگ۔ سنگاپور اور اٹلی کے مجاہدین کی نسبت اطلاعات	۴۷۲
نئی مطبوعات	۴۷۲
مباحثہ ہیزم	۴۷۵
پانچواں باب	
حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دعویٰ المصلح موعود سے لیکر مجلس علم و عرفان کے قیام تک	
خلافت ثانیہ کا اکتیسواں سال ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء	

عنوان	صفحہ
فصل اوّل	
پیشگوئی متعلقہ مصلح موعود کے مصداق ہونے کا اعلان اور جماعت احمدیہ کیلئے ایک نئے اور مبارک دور کا آغاز	
پیشگوئی مصلح موعود کا پس منظر	۴۷۶
سفر ہوشیارپور	۴۷۷
مصلح موعود کے عطا کئے جانے کی بشارت	۴۸۰
پنڈت لیکھرام کا اشتہار	۴۸۲
مصلح موعود کے متعلق مزید انکشافات	۴۸۲
سبز اشتہار کے موعود کی ولادت	۴۸۳
بزرگانِ سلسلہ کا مسلک	۴۸۴
غیر مبائع اصحاب کا مطالبہ	۴۸۵
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کا موقف	۴۸۶
خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر انکشاف	۴۹۰
سیدنا المصلح الموعودؓ کا پُرشوکت دعویٰ کہ میں ہی پیشگوئی مصلح موعود کا مصداق ہوں	۴۹۱
قادیان میں جشنِ مسرت و شادمانی	۵۰۶
بیرونی جماعتوں کو اطلاع اور مبارکباد کے خطوط اور تاریں	۵۰۷
انکشاف کے متعلق مخلصین جماعت کی خوابیں	۵۰۸
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی رویا مصلح موعود سے متعلق	۵۰۹
رسالہ "فرقان" کا مصلح موعود نمبر	۵۱۲
حضرت خلیفہ اوّلؓ کی ایک حیرت انگیز پیشگوئی کا انکشاف	۵۱۴
بعض سعید الفطرت غیر مبائعین کا قبول حق	۵۱۸

عنوان	صفحہ
مولوی محمد علی صاحب اور ان کے بعض دوسرے رفقاء کا ناروا طرز عمل	۵۱۸
مولوی عزیز بخش صاحب کی چٹھی اور حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کا رُوح پرور جواب	۵۲۱
فصل دوم	
حضرت اُمّ طاہر سیدہ مریم بیگمؓ اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی المناک وفات	۵۲۳
حضرت سیدہ امّ طاہرؓ کے جنازہ اور تجہیز و تکفین کے رقت انگیز حالات	۵۲۳
سیدنا المصلح الموعودؓ کی طرف سے جماعت کو رضا بالقضاء کی تلقین	۵۲۶
حضرت مصلح موعودؓ کے قلم مبارک سے حضرت سیدہ امّ طاہرؓ کا ذکر خیر	۵۲۷
حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا المناک وصال	۵۳۹
حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۴ء میں علالت اور وصیت	۵۴۰
بیماری کا آخری شدید حملہ اور وفات	۵۴۶
حضرت امیر المومنینؓ کی درد انگیز تقریر	۵۴۸
تدفین کا رُوح فرسا اور دلخراش منظر	۵۵۱
حضرت میر صاحبؓ کی بلند پایہ اور انقلاب انگیز تصانیف و تالیف	۵۵۲
فصل سوم	
سیدنا المصلح الموعودؓ کی جاری فرمودہ مبارک تحریکیں	۵۵۳
جماعت کو عظیم الشان قربانیوں کے لئے تیار ہوجانے کا ارشاد	۵۵۵
خاندانِ مسیح موعودؑ کو خدمت دین کیلئے وقف ہوجانے کی تحریک	۵۵۸
تحریک وقفِ جائیداد	۵۵۸
تحریک وقفِ زندگی	۵۵۹
تعلیم الاسلام کالج کیلئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ چندہ کی تحریک	۵۶۱

عنوان	صفحہ
جماعت کو ماہرین علوم پیدا کرنے کی تحریک	۵۶۱
حفاظ پیدا کرنے کی تحریک	۵۶۴
رضاکارانہ تبلیغ کرنے کی ولولہ انگیز تحریک	۵۶۴
تسبیح و تحمید اور درود شریف پڑھنے کی تحریک	۵۶۵
اصلاح نسواں کے لئے الہامی تحریک	۵۶۶
بھوکوں کو کھانا کھلانے کی تحریک	۵۶۶
تحریک حلف الفضول	۵۶۶
نوجوانان احمدیت کو بالالتزام نماز تہجد پڑھنے کی تحریک	۵۶۸
ہندوستان میں سات مراکز بنانے کی تحریک	۵۶۸
بیویوں میں عدل و انصاف کرنے کی تحریک	۵۶۸
دنیا کی مشہور زبانوں میں تراجم قرآن اور دوسرا تبلیغی لٹریچر شائع کرنے کی تحریک	۵۶۹
کمیونسٹ تحریک کا مطالعہ کرنے اور اس کا رد سوچنے کی تحریک	۵۷۳
خدا تعالیٰ کا پیغام جماعت احمدیہ کے نام "روز جزا قریب ہے اور رہ بعید ہے"	۵۷۵
فصل چہارم	
ہوشیارپور، لاہور، لدھیانہ اور دہلی میں عظیم الشان جلسوں کا انعقاد	
جلسہ ہوشیارپور	۵۷۸
قادیان سے ہوشیارپور جانے والوں کا پہلا اور دوسرا قافلہ	۵۷۹
حضرت مصلح موعودؓ کی ہوشیارپور میں تشریف آوری	۵۸۳

عنوان	صفحہ
حضرت سیدنا المصلح الموعود کی تقریر	۵۸۳
جلسہ لاہور	۵۸۴
حضرت امیرالمومنینؓ کی ابتدائی تقریر	۵۹۳
مبلغین کی تقریریں	۵۹۵
حضرت سیدنا المصلح الموعود کا حلفیہ اعلان	۵۹۶
اخبار "ٹریبیون" میں جلسہ لاہور کی خبر	۵۹۹
جلسہ لدھیانہ	۶۰۰
چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی مختصر تقریر	۶۰۴
سیدنا المصلح الموعود کی آخری تقریر	۶۰۶
جلسہ دہلی	۶۰۹
حضرت امیرالمومنینؓ کی دہلی میں آمد	۶۱۱
حضرت امیرالمومنین کی ایمان افروز تقریر	۶۱۱
دہلی کی بعض سعید روحیں احمدیت کی آغوش میں	۶۱۴
جلسہ دہلی کے تفصیلی حالات سیدنا المصلح الموعود کی زبان مبارک سے	۶۱۴
فصل پنجم	
مجلس علم و عرفان کا آغاز	۶۲۱
مسجد مبارک کی توسیع	۶۲۶
غلبہ اسلام کے لئے چالیس روزہ دعاؤں کا سلسلہ	۶۲۷
ضمیمہ "تاریخ احمدیت" جلد نہم	۶۳۰

فہرست تصاویر

نمبر شمار		بالمقابل صفحہ
	جلسہ مصلح موعود دہلی	۱۰
	حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ کی زیرِ صدارت جلسہ	۹۸
	اجتماع انصار اللہ ۱۳۳۴ھش / ۱۹۵۵ء (دو عدد)	
	دیباچہ تفسیر کبیر رقم فرمودہ سیدنا المصلح الموعودؓ	۱۴۶
	مبلّغین سلسلہ عالیہ احمدیہ	۲۲۰
	سالانہ جلسہ قادیان	۲۲۱
	عکس مکتوب سیدنا المصلح الموعودؓ بنام جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر	۲۳۲
	حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا سفر ڈلہوزی	۲۳۳
	حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ گورنمنٹ میں	۳۴۰
	عکس اخبار "ریاض ہند" یکم مارچ ۱۸۸۶ء (چھ صفحات)	۴۸۰
	جلسہ ہوشیارپور کے مناظر	۵۸۲
	حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ اور مبلّغین کی تقاریر	۵۸۴ ۵۸۶ ۵۹۲
	جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور کے مکان کا کمرہ جہاں سیدنا المصلح الموعودؓ پر انکشاف ہوا	۴۹۱
	حضرت مصلح موعودؓ جماعت احمدیہ لاہور کے ساتھ	۴۹۰
	گروپ فوٹو قدیم اساتذہ و طلبہ مدرسہ احمدیہ قادیان	۵۴۰
	حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا کمرہ مدرسہ احمدیہ قادیان میں	۵۴۱

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ جلسہ دہلی کو خطاب فرمارہے ہیں (۱۶ شہادت ۱۳۲۳ ہش/اپریل ۱۹۴۴ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ⁂ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

پہلا باب

تقویم ہجری شمسی کے اجراء سے لیکر تفسیر کبیر (جلد سوم) کی اشاعت تک

— خلافت ثانیہ کا ستائیسواں (۲۷) سال —

ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ (مطابق صلح ۱۳۱۹ہش / جنوری ۱۹۴۰ء) تا ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ (مطابق فتح ۱۳۱۹ہش / دسمبر ۱۹۴۰ء)

فصلِ اوّل

"تاریخ احمدیت" کی آٹھویں جلد خلافت جوبلی (منعقدہ دسمبر ۱۹۳۹ء) کے ایمان افروز حالات پر ختم ہوئی تھی۔ اب اس جلد سے ۱۹۴۰ء کے واقعات کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ یہ سال اپنے اندر بہت سی خصوصیتیں رکھتا ہے جن میں سے درج ذیل تین خصوصیات کو بالخصوص شہرتِ دوام حاصل رہے گی۔

(۱) تقویم ہجری شمسی کا اجراء

(۲) مجلس انصار اللہ کا قیام

(۳) تفسیر کبیر (جلد سوم) کی اشاعت

علاوہ ازیں اس سال متعدد ایسے اہم واقعات پیش آئے جو مستقبل میں بڑے دُور رس نتائج کے حامل ثابت ہوئے اور بالآخر جماعت احمدیہ کی ترقی اور عروج کا موجب بنے۔

۱۹۴۰ء کا ایک نہایت رنجدہ اور تکلیف دہ پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ اس میں حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلالپوری، حضرت ماسٹر عبدالرؤف صاحبؓ بھیروی، حضرت مولوی امام الدین صاحبؓ گولیکی، حضرت میاں معراجدین صاحب عمرؓ اور دوسرے کئی اکابر صحابہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشانوں کے عینی گواہ تھے ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گئے۔

۱۹۴۰ء کے واقعات و حوادث کا نہایت مختصر سا خاکہ پیش کرنے کے بعد اب اس سال کے تفصیلی امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

خلافت جوبلی سے پیدا شدہ نئی ذمہ داریوں کو پورے اخلاص اور جذبہ کیساتھ ادا کرنے کی تلقین

جماعت احمدیہ چونکہ ۱۹۳۹ء کی خلافت جوبلی کی عظیم الشان تقریب کے بعد اپنی زندگی کے پہلے پنجاہ سالہ دَور سے گذر کر اگلی نصف صدی میں داخل ہو چکی تھی اور ساتھ ہی الٰہی سُنّت و قانون کے مطابق نئی ذمہ داریوں اور نئے فرائض کا بارگراں بھی اس کے کندھوں پر آن پڑا تھا، اس لئے جونہی یہ پُر وقار مگر تصنع اور تکلف سے خالی اور اسلامی سادگی کا آئینہ دار رُوحانی جشن بخیر و خوبی ختم ہوا، قافلۂ احمدیت کے اولوالعزم سپہ سالار اور آسمانی قائد حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۹۴۰ء کے آغاز میں ۱۲ر صلح ۱۳۱۹ہش (مطابق ۱۲ر جنوری ۱۹۴۰ء) کو ایک نہایت پُر معارف اور لطیف خطبہ خاص اسی موضوع پر ارشاد فرمایا جس میں جماعت احمدیہ پر عائد ہونے والی نئی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے پہلے تو یہ بتایا کہ:-

"دُنیا میں جب کسی شخص کو کوئی خوشی پہنچتی ہے یا جب کوئی شخص ایسی بات دیکھتا ہے جو اُس کے لئے راحت کا موجب ہوتی ہے تو اگر وہ اللہ تعالےٰ پر یقین رکھتا ہے تو وہ ایسے موقعہ پر یہی کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا بڑا شکر ہے کہ ہم کو یہ بات حاصل ہوئی اور جب کسی مسلمان کو ایسی خوشی پہنچتی ہے تو وہ اس مفہوم کو عربی زبان میں ادا کرتا اور کہتا ہے الحمدللہ۔ تو اس جلسہ پر ہماری جماعت نے جو خوشی منائی اس کا اگر خلاصہ بیان کیا جائے تو وہ یہی بنے گا کہ پیغام نبوت

اور پیغامِ خلافت کی کامیابی پر ہماری جماعت نے اس سال اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا۔ مگر باقی دنیا اور اسلام کی تعلیم میں ایک فرق ہے۔ باقی دنیا الحمد للہ کو اپنی آخری آواز سمجھتی ہے مگر اسلام الحمد للہ کو نہ صرف آخری آواز قرار دیتا ہے بلکہ اس کو ایک نئی آواز بھی قرار دیتا ہے۔" [1]

اس ایمان افروز تمہید کے بعد حضور نے بتایا کہ :-

" پس یہ جو خوشی کا جلسہ ہوا اس نے درحقیقت ہماری ذمہ داریوں کو بہت بڑھا دیا ہے . . . . . ایک خاص جلسے کے منانے کے معنے ہی یہ ہیں کہ وہ ایک منزل پر پہنچ گئے ہیں اور انہوں نے اپنے کام میں ایک درجہ کو حاصل کر لیا ہے۔ پس اس کے بعد ایک نئی ولادت کی ضرورت ہے گویا پہلا سلسلہ ختم ہوا۔ اور اب ایک نیا سلسلہ شروع ہوگا۔ جیسے ایک دانہ بویا جاتا ہے تو اُس سے مثلاً ستر یا سَو دانے نکل آتے ہیں۔ اب ستر اور سَو دانوں کا نکل آنا اپنی ذات میں ایک بڑی کامیابی ہے مگر وہ پہلے بیج کا ایک تسلسل ہوتا ہے اور زمیندار اُسے کوئی نیا کام نہیں سمجھتا بلکہ وہ سمجھتا ہے میرے پہلے کام کا ہی سلسلہ جاری ہے۔ لیکن جب زمیندار اُن نئے دانوں کو پھر زمین میں ڈال دیتا ہے تو اُسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اب میرے کام کا نیا دَور شروع ہوا . . . . . اسی طرح جب ہماری جماعت نے اس جلسہ کو خوشی کا جلسہ قرار دیا تو بالفاظ دیگر انہوں نے یہ اعلان کیا کہ ہمارا پہلا بیج جو بویا ہوا تھا اس کی فصل پک گئی۔ اب ہم نیا بیج بو رہے ہیں اور نئی فصل تیار کرنے میں مصروف ہو رہے ہیں۔ یہ اقرار بظاہر معمولی نظر آتا ہے لیکن اگر جماعت کی حالت کو دیکھا جائے تو اس اقرار کی اہمیت بہت بڑھ جاتی اور اس پر ایسی ذمّہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ اگر اس کے افراد رات دن کوشش نہ کریں تو اس ذمہ داری سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اس پچاس سالہ دَور کے متعلق ہم نے جو خوشی منائی، ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اس دَور کی پہلی فصل کس طرح شروع ہوئی تھی۔ جب ہم اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ اس پہلی فصل کا بیج صرف ایک انسان تھا۔ رات کو دُنیا سوئی۔ ساری دُنیا اس بات سے ناواقف تھی کہ خدا اُس کے لئے کل کیا کرنے والا ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی مشیّت کل کیا ظاہر کرنے والی ہے۔ یہ آج سے پچاس سال پہلے کی بات ہے کہ

[1] " الفضل " ۲۵ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ ۔

ایک خود بھی دنیا کا نہیں تھا جسکو معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یکدم بغیر اس کے کہ پہلے کوئی اشتباہ ہو، بغیر اس کے پہلے کوئی انذار ہو، بغیر اس کے کہ پہلے کوئی اعلان ہو، ایک شخص جس کو خود بھی یہ معلوم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے خدا نے اُس کو جگایا اور کہا کہ ہم دنیا میں ایک نئی زمین اور نیا آسمان بنانا چاہتے ہیں اور تم کو اُس زمین اور آسمان کے بنانے کے لئے معمار مقرر کرتے ہیں۔"

"نبی کے بُلائے جانے کے بعد دُنیا میں جو بیج بوئے ہوئے ہوتے ہیں وہ پھر نئی جد وجہد شروع کر دیتے ہیں۔ نبوت خلافت کا جامہ پہن لیتی ہے اور خلافت کے ذریعہ پھر خدا کے لئے نئے قلوب کی فتح شروع ہو جاتی ہے۔ یہی اِس زمانہ میں ہوا۔ اور جب ہم نے ایک جشن منایا، ایک خوشی کی تقریب سرانجام دی تو کسان کی زبان میں ہم نے یہ کہا کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ لی۔ مگر کیا جانتے ہو کہ دوسرے لفظوں میں ہم نے کیا کہا؟ دوسرے لفظوں میں ہم نے یہ کہا کہ آج سے پچاس سال پہلے جو ایک بیج بویا گیا تھا، اُس بیج کی فصل ہم نے کاٹ لی۔ اب ہم اِن بیجوں سے جو پہلی فصل سے تیار ہوئے تھے ایک نئی فصل بونے لگے ہیں۔ اِس عظیم الشان کام کے آغاز کے بعد تم سمجھ سکتے ہو کہ تم پر کتنی عظیم الشان ذمہ داریاں عائد ہو گئی ہیں۔ تم نے اب اپنے اوپر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ جس طرح ایک بیج بڑھ کر اتنی بڑی فصل ہو گیا اِسی طرح اب تم ان بیجوں کو بڑھاؤ گے جو اِس فصل پر تم نے بوئے ہیں اور اِسی رنگ میں بڑھاؤ گے جس رنگ میں پہلی فصل بڑھی۔ پس ہم نے جشنِ مسرت منا کر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ جس طرح ایک بیج سے لاکھوں نئے بیج پیدا ہو گئے تھے۔ اسی طرح اَب ہم ان لاکھوں بیجوں کو از سرِ نَو زمین میں بوتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ پچھلے پچیس۲۵ یا پچاس سال میں جس طرح سلسلہ نے ترقی کی ہے اسی طرح اتنے ہی گُنے اگلے پچیس۲۵ یا پچاس سال میں ہم آج کی جماعت کو بڑھا دیں گے۔ یہ کوئی معمولی ذمہ داری نہیں جو تم نے اپنے اُوپر عائد کی۔ گذشتہ پچاس سال میں ایک بیج سے لاکھوں بیج بنے تھے۔ اب جب تک اگلے پچاس سال میں اِن لاکھوں سے کروڑوں نہیں بنیں گے اس وقت تک ہم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں سمجھے جائیں گے . . . . . . غرض اِس جشن کے منانے سے ہم نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہم نے پہلی فصل کاٹ لی اور نئے سرے سے اِس سے حاصل شدہ بیجوں کو زمین میں ڈال دیا۔ پھر اتو جسم کا ذرّہ ذرّہ کانپ جاتا ہے۔ جب مجھے یہ خیال آتا ہے

کہ کتنی اہم ذمہ داری ہے جو جماعت نے اپنے اُوپر عائد کی۔ اگر ہم پہلی فصل نہ کاٹتے تو ہماری ذمہ داریاں کم تھیں۔ مگر جب ہم نے اس فصل کو کاٹ کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا سامان بھی ہمیں مہیا کرنا پڑا۔ پس مَیں جماعت کے دوستوں کو اُن کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اِس جلسہ کے نتیجہ میں ہم نے لاکھوں نئے بیج زمین میں بو دیئے ہیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اگلے پچیس[۲۵] یا پچاس[۵۰] سال میں ہم جماعت میں حیرت انگیز طور پر تغیر پیدا کریں۔ کیا بہ لحاظ آدمیوں کی تعداد کے اور کیا بہ لحاظ مالی قربانی کے اور کیا بہ لحاظ تبلیغ کے اور کیا بلحاظ تربیت کے اور کیا بلحاظ تعلیم کے۔ آج سے مثلاً پچیس[۲۵] یا پچاس[۵۰] سال کے بعد اگر ہم نئی فصل کے ویسے ہی شاندار نتائج نہ دکھائیں جیسے پہلی پچاس سالہ فصل کے نتائج نکلے تو ہماری اَلْحَمْد بے معنی اور ہماری اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن جھوٹی ہو جاتی ہے۔ پس مَیں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس جلسہ کے بعد ان کو اپنی نئی ذمہ داریاں بہت جوش اور توجہ کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں۔ اب ہماری پہلی فصل کے جو نتائج رونما ہوئے ہیں ہماری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اگر اِس سے زیادہ نہیں تو کم سے کم اتنے ہی گُنے نتائج نئی فصل کے ضرور رونما کر دیں۔ اور اگر پہلے ایک سے لاکھوں ہوئے تو۔ آج سے پچاس سال بعد وہ کروڑوں ضرور ہو جائیں۔ اگر آج سے پچیس[۲۵] سال پہلے جماعت دس بارہ گُنے بڑھی تھی، تو اگلے پچیس[۲۵] سال میں کم سے کم دس بارہ گُنے ضرور بڑھ جانی چاہیئے۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب تک ہر احمدی کیا مرد اور کیا عورت اور کیا بچہ اور کیا بوڑھا، اور کیا کمزور اور کیا مضبوط، اپنے ذمہ یہ فرض عائد نہ کر لے کہ مَیں احمدیت کی ترقی کے لئے اپنے اوقات صرف کروں گا اور اپنی زندگی کا اوّلین مقصد اشاعتِ دین اور اشاعتِ احمدیت سمجھوں گا۔ اسی طرح علمی طور پر کب ترقی ہو سکتی ہے جب تک ہماری جماعت کا ہر فرد دین سیکھنے اور دینی باتیں سُننے اور پڑھنے کی طرف توجہ نہ کرے۔ اسی طرح مالی قربانی میں کب ترقی ہو سکتی ہے جب تک ہماری جماعت نہ صرف قربانیوں میں بیش از پیش ترقی کرے بلکہ اپنے اخراجات میں بھی دیانتداری سے کام لے۔ مال ہمیشہ دونوں طرح سے بڑھتا ہے۔ زیادہ قربانیوں سے بھی بڑھتا ہے اور زیادہ دیانتداری سے خرچ کرنے سے بھی بڑھتا ہے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک

شخص کو ایک دینار دیا اور فرمایا جا کر قربانی کے لئے کوئی عمدہ سا بکرا لا دو۔ اس نے کہا۔ بہت اچھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ یا رسُول اللہ یہ بکرا موجود ہے اور ساتھ ہی اس نے دینار بھی رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دیا۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم حیران ہوئے اور فرمایا "یہ کس طرح؟" وہ کہنے لگا۔ یا رسُولَ اللہ مدینہ میں شہر کی وجہ سے چیزیں گراں ملتی ہیں۔ مَیں دس بارہ میل باہر نکل گیا۔ وہاں آدھی قیمت پر بکرے فروخت ہو رہے تھے مَیں نے ایک دینار میں دو بکرے لے لئے اور واپس چل پڑا۔ جب مَیں آ رہا تھا تو رستہ میں ایک شخص مجھے ملا۔ اسے بکرے پسند آئے اور کہنے لگا اگر فروخت کرنا چاہو تو ایک بکرا مجھے دے دو۔ مَیں نے ایک بکرا ایک دینار میں اُسے دے دیا۔ پس اب بکرا بھی حاضر ہے اور دینار بھی۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس سے بہت ہی خوش ہوئے اور آپؐ نے اس کے لئے دعا فرمائی کہ "خدا تجھے برکت دے" صحابہؓ کہتے ہیں کہ اس دُعا کے نتیجہ میں اُسے ایسی برکت ملی کہ اگر وہ مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا تو وہ سونا بن جاتی اور لوگ بڑے اصرار سے اپنے روپے اُسے دیتے اور کہتے کہ یہ روپیہ کہیں تجارت پر لگا دو۔ غرض کروڑوں کروڑ روپیہ اُسے آیا۔ تو اچھی طرح خرچ کرنے سے بھی مال بڑھتا ہے۔ مال بڑھنے کی صرف یہی صورت نہیں ہوتی کہ ایک کے ڈیڑھ بن جائیں بلکہ اگر تم ایک روپیہ کا کام اٹھنّی میں کرتے ہو تو بھی تمہارے دو بن جاتے ہیں۔ بلکہ اگر تم روپیہ کا کام اٹھنّی میں کرتے ہو اور ایک روپیہ زائد بھی کما لیتے ہو تو تمہارے ڈیڑھ نہیں بلکہ چار بن جائیں گے پس صرف یہی کوشش نہیں ہونی چاہیئے کہ مالی قربانیوں میں زیادتی ہو بلکہ اخراجات میں کفایت کو بھی مدِّنظر رکھنا چاہیئے اور مَیں کارکنوں کو بالخصوص اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ایک روپیہ کا کام اٹھنّی میں کرنے کی کوشش کیا کریں۔

غرض اب جو ہمارے پاس جماعت موجود ہے، اب جو ہمارے پاس روپیہ ہے، اب جو ہمارے پاس تبلیغی سلسلہ ہے، اب جو ہمارے دنیا میں مشن قائم ہیں، اب جو ہماری تعلیم اور اب جو ہماری تربیت ہے، ان سب کو نیا بیج تصور کرکے آئندہ پچاس سال میں جماعت کی ترقی کے لئے سرگرم جدوجہد کرنی چاہیئے تاکہ آئندہ پچاس سال میں موجودہ حالت سے ہماری تعداد بھی بڑھ جائے، ہمارا مال بھی بڑھ جائے، ہمارا علم بھی بڑھ جائے، ہماری تبلیغ بھی بڑھ جائے۔ اور اسی نسبت سے بڑھے جس نسبت سے وہ پہلے پچاس سال

میں بڑھا۔"

حضرت امیرالمومنین نے اپنے اس پُر شوکت خطبہ کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ :-

"اگر ہم اس رنگ میں کوشش نہیں کریں گے تو اس وقت تک ہماری نئی فصل کبھی کامیاب نہیں کہلا سکتی۔ مگر یہ کام ویسا ہی ناممکن ہے جیسا آج سے پچاس سال پہلے نظر آتا تھا۔ پھر اس وقت خدا کا ایک نبی کھڑا تھا۔ بے شک اس وقت کوئی احمدی نہ تھا مگر خدا کا نبی دُنیا میں موجود تھا جو اس پیغام کو لے کر دُنیا میں کھڑا تھا۔ مگر آج وہ نبی ہم میں موجود نہیں اور اس وجہ سے ہماری آواز میں وہ شوکت نہیں جو اس کی آواز میں شوکت تھی۔ پس آج ہمیں اس سے زیادہ آواز بلند کرنی پڑے گی اور ہمیں اس سے زیادہ قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ اس کے لئے دُعائیں بھی کرو اور اللہ تعالیٰ کے دروازہ کو کھٹکھٹاؤ اور یاد رکھو کہ جب تک جماعت دُعاؤں پر یقین رکھے گی جب تک تم ہر بات میں اللہ تعالیٰ سے امداد کے طالب رہو گے اس وقت تک تمہارے کاموں میں برکت رہے گی۔ مگر جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ کام تم نے کیا، جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ نتائج تمہاری محنت سے نکلے اور جس دن تم یہ سمجھو گے کہ یہ ترقی تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے اُس دن تمہارے کاموں میں سے برکتیں بھی جاتی رہیں گی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آج دنیا میں تم سے بہت زیادہ طاقتور قومیں موجود ہیں مگر ان سے کوئی نہیں ڈرتا اور تم سے سب لوگ ڈرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ تمہاری مثال اس تار کی سی ہے جس کے پیچھے بجلی کی طاقت ہوتی ہے۔ اب اگر تار یہ خیال کرے کہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں تو یہ اس کی حماقت ہوگی۔ کیونکہ لوگ تار سے نہیں بلکہ اس بجلی سے ڈرتے ہیں جو اس تار کے پیچھے ہوتی ہے۔ جب تک اس میں بجلی رہتی ہے ایک طاقتور آدمی بھی اگر تار پہ ہاتھ رکھے تو وہ اس کے ہاتھ کو جلا دے گی۔ لیکن اگر بجلی نہ رہے تو ایک کمزور انسان بھی اُس تار کو توڑ پھوڑ سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھو اور اس بجلی کو اپنے اندر سے نکلنے نہ دو۔ بلکہ اُسے بڑھاؤ اور ترقی دو۔ تبھی تم کامیابی کو دیکھ سکتے اور نئی فصل زیادہ شاندار اور زیادہ عمدگی کے ساتھ پیدا کر سکتے ہو۔ لیکن اگر یہ بجلی نکل گئی تو پھر تم کچھ بھی نہیں رہو گے۔ ہاں اگر یہ بجلی رہی تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور اس صورت میں تمہارا یہ عزم کہ تم اگلے پچاس سال میں تمام دُنیا پہ چھا جاؤ، ناممکن نہیں ہوگا۔ کیونکہ کام خدا نے کرنا ہے اور خدا

کے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں" ؎۱

تقویم ہجری و شمسی کا اجراء

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ اگرچہ اہلِ مغرب کو حلقہ بگوشِ اسلام کرنے کے بہت فکرمند اور اسی وجہ سے ان کے دلی خیر خواہ اور مخلص و غمخوار تھے۔ مگر آپ کو فطری طور پر مغربیت سے شدید نفرت تھی اور اس کا اظہار اپنی تقریروں اور تحریروں میں ہمیشہ برملا فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی یہ بھی قلبی خواہش تھی کہ جماعتِ احمدیہ کا ایک ایک فرد مغربیت کی ایک ایک یادگار کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر اُن کی جگہ اسلامی تہذیب اور اسلامی تعلیم کی شاندار عمارت استوار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو جائے۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس سلسلہ میں اپنے زمانۂ خلافت کے آغاز ہی سے مختلف عملی اقدامات کرتے آرہے تھے۔ نومبر ۱۹۳۴ء میں حضور نے تحریک جدید کی بنیاد رکھی جس کے متعدد مطالبات میں مغربیت سے بغاوت کی رُوح نمایاں طور پر کارفرما تھی۔ بعد ازاں حضور نے سالانہ جلسہ ۱۹۳۷ء کے موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام اور الہامات کی روشنی میں جماعت احمدیہ کے سامنے غلبۂ اسلام کا یہ واضح تصور پیش فرمایا کہ :-

"جس طرح آج باوجود مذاہب کے اختلاف کے مغربی تہذیب دُنیا پر غالب آئی ہوئی ہے اسی طرح ہمارا کام ہے کہ ہم اسلامی تمدّن اور اسلامی تہذیب کو اس قدر رائج کریں کہ لوگ خواہ عیسائی ہوں مگر اُن کی تہذیب اور اُن کا تمدّن اسلامی ہو۔ لوگ خواہ یہودی ہوں مگر اُن کی تہذیب اور اُن کا تمدّن اسلامی ہو۔ لوگ خواہ مذہباً ہندو ہوں مگر اُن کی تہذیب اور اُن کا تمدّن اسلامی ہو۔ یہ چیز ہے جس کے پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا۔ کہ تہذیب اسلامی کو اتنا رائج کیا جائے اتنا رائج کیا جائے کہ اگر کچھ حصہ دنیا کا اسلام سے باہر بھی رہ جائے پھر بھی اسلامی تہذیب اُن کے گھروں میں داخل ہو جائے۔ اور وہ وہی تمدّن قبول کریں جو اسلامی تمدّن ہو۔ گویا جس طرح آجکل لوگ کہتے ہیں کہ مغربی تمدّن بہتر ہے۔ اسی طرح دُنیا میں ایسی رَو چل پڑے کہ ہر شخص یہ کہنے لگ جائے کہ اسلامی تمدّن ہی سب سے بہتر ہے"۔ ؎۲

؎۱ اخبار "الفضل" قادیان دارالامان مورخہ ۲۵ رجنوری سنہ ۱۹۴۰ء بمطابق ۱۵ر ذوالحجہ سنہ ۱۳۵۸ھ

؎۲ "انقلاب حقیقی" صفحہ ۹۹-۱۰۰ (تقریر فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۷ء برموقعہ جلسہ سالانہ قادیان)

مروّجہ عیسوی کیلنڈر

مغربیت کے عالمگیر ورثوں میں سے مروّجہ عیسوی سنہ بھی ہے جو دراصل قدیم رُومی کیلنڈر (ROMAN CALENDAR) ہے جسے پہلے اگسٹس (AUGUSTUS) پھر جولین (JULIAN) نے ترمیم کیا اور جولین کیلنڈر کہلانے لگا۔ اس کے بعد بھی کئی بار اس میں ترمیم کی گئی۔ آخری بار مارچ ۱۵۸۲ء میں پاپائے گریگوری سیزدہم (POPE GREGORY XIII) کے حکم سے اس میں ترمیم ہوئی۔ جولین کے چھ سو سال بعد ایک عیسائی راہب ڈینس ایگزیگوس (DIONYSIOUS EXIGUUS) نے اس رومن کیلنڈر سے حضرت مسیحؑ کی پیدائش کے زمانہ سے قبل کے سال خارج کرکے اسے مسیحی سنہ قرار دے دیا[1]

سیدنا حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں سنہ ہجری کی بنیاد

جہانتک اسلامی کیلنڈر کا تعلق ہے اس کا آغاز خلیفہ ثانی سیدنا حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہوا۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی نے اپنی مشہور تالیف "الفاروق" میں لکھا ہے:-

"عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سنہ کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک زمانہ تک کعب بن لوئی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا۔ پھر عام الفیل قائم ہوا۔ یعنی جس سال ابراہتہ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سنہ قائم ہوئے حضرت عمرؓ نے ایک مختلف سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ۱۶ھ میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چیک پیش ہوئی جس پر شعبان کا لفظ تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کیونکر معلوم ہو کہ گذشتہ شعبان کا مہینہ مراد ہے یا موجودہ۔ اُسی وقت مجلس شوریٰ منعقد کی۔ تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اکثروں نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ ہرمزان جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لاکر مدینہ منوّرہ میں مقیم تھا۔ طلب کیا گیا۔ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اس کو ماروز کہتے ہیں اور اس میں مہینہ

---

[1] امریکن پیپل انسائیکلوپیڈیا (زیرِ لفظ کیلنڈر) بحوالہ "تقویم تاریخی" صفحہ م۔ن مرتبہ عبدالقدوس صاحب ہاشمی مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کراچی ۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مسیحی جغرافیہ نویسوں نے تسلیم کیا ہے کہ مسیحی کیلنڈر میں غلطی ہو گئی ہے چنانچہ آرچ بشپ اشرز (USHERS) نے اپنی کتاب علم تاریخ (CHRONOLGY) میں اور ڈاکٹر کٹو (KITTO) نے اپنی کتاب "ڈیلی بائبل السٹریشنز" (DAILY BIBLE ILLUSTRATIONS) میں ثابت کیا ہے کہ جو تاریخ مسیحی کیلنڈر میں واقعہ صلیب کی دی گئی ہے وہ غلط ہے اور یہ غلطی ۲۷ھ میں لگی ہے۔

اور تاریخ دونوں کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتدا کب سے قرار دی جائے۔ حضرت علیؓ نے ہجرت نبوی کی رائے دی اور اسی پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ آنحضرتؐ نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ سال میں دو مہینے آٹھ دن گذر چکے تھے۔ اس لئے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا"[1]

ہجری شمسی تقویم کی ضرورت

ہجری تقویم کی بنیاد چاند کی تاریخوں پر رکھی گئی تھی۔ مگر جیسا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ[2] یعنی سورج اور چاند دونوں ہی حساب کے لئے مفید ہیں۔ اور عقلی طور پر بھی اگر دیکھا جائے تو ان دونوں میں فوائد نظر آتے ہیں چنانچہ عبادتوں کو شرعی طریق پر چلانے کے لئے چاند مفید ہے۔ چاند کے لحاظ سے موسم بدلتے رہتے ہیں اور انسان سال کے ہر حصہ میں اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے والا قرار پا سکتا ہے۔ پس عبادت کو زیادہ وسیع کرنے کے لئے اور اس لئے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر لحظہ کے لئے کہہ سکے کہ وہ اس نے اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے گذارا ہے۔ عبادت کا انحصار قمری مہینوں پر رکھا گیا ہے لیکن وقت کی صحیح تعیین کے لئے سُورج مفید ہے اور سال کے اختتام یا اس کے شروع ہونے کے اعتبار سے انسانی دماغ سُورج سے ہی تسلّی پاتا ہے۔

ہجری شمسی تقویم جاری کرنے کی اسلامی کوششیں

یہی وہ ضرورت تھی جس کی وجہ سے ہجری تقویم کے اجراء کے بعد قرونِ اوّل کے مسلمان بادشاہوں میں یہ خیال بڑی شدّت سے اُٹھا کہ ہجری قمری کی طرح ہجری شمسی بھی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ خلفائے عباسیہ مثلاً ہشام بن عبدالملک، ہارون الرشید، معتضد باللہ، متوکل الطائع للہ نے ہجری شمسی تقویم جاری کرنے کی پے در پے کوششیں کیں۔[3] مگر اس میں بعض رکاوٹیں پیدا ہوگئیں۔ ازاں بعد دولتِ عثمانیہ نے ۱۲۰۹ھ میں تقویم بنائی مگر وہ بھی رائج نہ ہوسکی۔

---

[1] "الفاروق" جلد دوئم صفحہ ۲۰۳-۲۰۴ (ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور۔

[2] سورۃ الرحمٰن آیت ۵ پارہ ۲۷۔

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تقویمنا الشمسی" (از محب الدین خطیب) صفحہ ۱۰ تا ۱۵۔ (ناشر "المطبعۃ السلفیہ و مکتبتہا" قاہرہ ۱۳۴۶ھ۔

ہندوستان میں سلطنت خداداد میسور کے آخری تاجدار سلطان ابوالفتح فتح علی ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۵۲ء – ۱۷۹۹ء) نے ہجری شمسی تقویم کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ایک نئی تقویم تیار کی۔ چنانچہ محمود خاں محمود بنگلوری اپنی کتاب "تاریخ سلطنت خداداد" میں لکھتے ہیں:-

"سلطان سے پہلے ملک میں مغلیہ زمانے سے سنہ ہجری کا رواج چلا آتا تھا اور اُس میں یہ نقص تھا کہ لگان کی وصولی میں بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس لئے کہ لگان فصلوں کی تیاری کے بعد لیا جاتا تھا۔ سنہ ہجری کے مہینے آگے پیچھے ہو جاتے تھے۔ اس نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک نئی تقویم بنائی جس کی وجہ سے ہر مہینہ ٹھیک اسی موسم میں آتا تھا، جیسے اگلے موسم میں تھا۔ تقویم بنانے کے بعد اس نے مہینوں کے نام ابجد و ابتث کے حساب پر رکھے۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ حروف تہجی کی ترتیب یا ابجد کے حساب پر اگر نام رکھے جائیں تو لوگوں کو یاد رکھنے میں زیادہ سہولت ہوگی۔"

سلطان شہیدؒ نے حروف ابجد کے حساب سے بارہ مہینوں کے حسب ذیل نام رکھے۔

احمدی۔ بہاری۔ جعفری۔ دارائی۔ ہاشمی۔ واسعی۔ زبرجدی۔ حیدری۔ طلوعی۔ یوسفی۔ یازدی بیاسی۔ بحساب ابتث انہی مہینوں کو بالترتیب مندرجہ ذیل ناموں سے موسوم کیا۔ احمدی۔ بہاری۔ تقی۔ ثمری۔ جعفری۔ حیدری۔ خسروی۔ دینی۔ ذکری۔ رحمانی۔ راضی۔ ربانی۔[1]

سلطان ٹیپو کی شہادت کے بعد یہ تقویم جاری نہ رہ سکی۔ تاہم مسلمان مدبّروں کے دلوں میں یہ خیال برابر پرورش پاتا رہا کہ تقویم شمسی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ مصر کے مشہور عالم السید محب الدین خطیب نے ۱۳۴۶ھ میں قاہرہ کے المطبعۃ السلفیہ سے "تَقْوِیْمُنَا الشَّمْسِیُّ" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں ہجری شمسی تقویم کے لئے گزشتہ مسلم سلاطین کی جدوجہد کی تاریخ بیان کی اور آخر میں اس کے اجراء کی ضرورت و اہمیت واضح کی۔

حضرت فضلِ عُمرؓ کی توجہ تقویم ہجری شمسی کی طرف

مگر جو سعادت ازل سے حضرت فضل عمرؓ کے عہد زرّیں کے ساتھ وابستہ تھی اس کی تکمیل کسی اَور دَور میں کیسے ہو سکتی۔ واقعہ یہ ہوا کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۹۳۸ء میں اپنے سیر

---

[1] "تاریخ سلطنت خداداد" (میسور) صفحہ ۴۹۹ ... ۵۰۰ مؤلفہ محمود خاں محمود بنگلوری ناشر پبلشرز یونائیٹڈ لاہور طبع چہارم ۱۹۴۷ء

رُوحانی" والے مشہور سفر کے دَوران جب دہلی میں رصدگاہیں اور جنتر منتر دیکھے تو اسی وقت سے تہیہ کرلیا کہ اس بارہ میں کامل تحقیق کرکے عیسوی شمسی سنہ کی بجائے ہجری شمسی سنہ جاری کر دیا جائے اور آئندہ کے لئے عیسوی سنہ کا استعمال چھوڑ دیا جائے۔ خواہ مخواہ عیسائیت کا ایک طوق ہماری گردنوں میں کیوں پڑا رہے۔[۱]

تقویم کے لئے کمیٹی کی تشکیل

چنانچہ حضور نے جنوری ۱۹۳۹ء کے شروع میں تقویم ہجری شمسی کی ترویج سے متعلق ایک کمیٹی قائم فرمادی اور اس کے لئے مندرجۂ ذیل ممبر نامزد فرمائے:-

۱۔ حضرت سید محمد اسحاق صاحب فاضل ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ قادیان (صدر کمیٹی)

۲۔ حضرت صاحبزادہ حافظ میرزا ناصر احمد صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان۔

۳۔ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حلالپوری (سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان)

۴۔ مولوی ابوالعطاء صاحب فاضل سابق مبلغ بلاد عربیہ[۲]

چونکہ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کمیٹی کی تشکیل سے قبل از خود ایک قمری تقویم تیار کر رہے تھے اس لئے ارکان کمیٹی کی طرف سے تقویم کا ڈھانچہ تجویز کرنے کا اہم فریضہ آپ ہی کے سپرد کیا گیا۔

تقویم کی منظوری اور اجراء

آپ نے اس کا ایک خاکہ کمیٹی کے سامنے رکھ دیا جو کمیٹی نے اپنی رائے کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ جس کی منظوری حضرت امیر المومنین سیدنا فضل عمرؓ نے جنوری ۱۹۴۰ء کے آغاز میں دے دی۔

حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلالپوری نے "الفضل" ۲۶ صلح/جنوری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں یہ تقویم شائع کردی اور جماعت احمدیہ کے اولوالعزم امام ہمام کی برکت اور توجہ سے عالم اسلام کی ایک قدیم ضرورت پوری ہوئی۔ اور ہجری شمسی تقویم جاری ہوگئی۔

تقویم ہجری شمسی کی امتیازی حیثیت

خلافت عثمانیہ نے ۱۲۰۹ھ میں جو ہجری شمسی تقویم رائج کی وہ شمسی مہینہ مارچ سے شروع ہوتی تھی[۳] مگر موجودہ تقویم مروجہ

---

[۱] "سیر روحانی" (تقریر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۸ء) صفحہ ۹۹، ۱۰۱۔ [۲] "الفضل" قادیان ۲۶ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ [۳] "تقویمنا الشمسی" صفحہ ۱۷ (از محب الدین الخطیب) ناشر "المطبعۃ السلفیہ ومکتبتہا" القاہرہ ۱۳۴۶ھ۔

عیسائی کیلنڈر کے بالکل متوازی چلتی تھی۔ یعنی اُس کے ہر نئے سال کا آغاز اور اس کے مہینوں کی تقسیم بالکل رومن کیلنڈر کی طرح تھی۔ دولتِ عثمانیہ کے ہجری شمسی کیلنڈر میں مہینوں کے نام رومن سے مخلوط سُریانی زبان سے اخذ کئے گئے تھے۔ جو یہ تھے:۔

مارت ، نیسان ، مایس ، حزیران ، تموز ، اغسطس ، ایلول ، تشرین الاوّل ،
تشرین الثانی ، کانون الاوّل ، کانون الثانی ، شباط [1]

اس کے مقابل حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے جاری فرمودہ تقویم ہجری شمسی کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مہینوں کے نام ایسے مناسب تجویز کئے گئے جو اسلامی تاریخ کے مشہور واقعات کے لئے بطور یادگار تھے تا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیضان اور دنیا کے لئے دینِ کامل کی یاد قیامت تک ہر لحظہ تازہ ہوتی رہے۔ بالفاظ دیگر ہجری شمسی سال کے بارہ۱۲ مہینوں میں زمانہ نبوی کے بارہ۱۲ ایسے ضروری واقعات آنکھوں کے سامنے پھر جاتے تھے جو تاریخ اسلام کا نقطۂ مرکزیہ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کی جان ہیں۔ بہر حال حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تقویم ہجری شمسی کے مہینوں کے مندرجہ ذیل نام تجویز فرمائے:۔

(۱) صلح (جنوری) (۲) تبلیغ (فروری) (۳) امان (مارچ)
(۴) شہادت (اپریل) (۵) ہجرت (مئی) (۶) احسان (جون)
(۷) وفاء (جولائی) (۸) ظہور (اگست) (۹) تبوک (ستمبر)
(۱۰) اخاء (اکتوبر) (۱۱) نبوت (نومبر) (۱۲) فتح (دسمبر)

ہجری شمسی کی نسبت تفصیلی معلومات حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے قلم سے

تقویم ہجری شمسی میں کیا کیا امور مدّنظر رکھے گئے، ہجری شمسی مہینوں کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ نیز اس تقویم کے عملی نفاذ کے سال اوّل کا کیلنڈر کیا ہے؟ ان سب امور پر حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ حلالپوری کے ایک مضمون میں (جو "الفضل" ۲۶ صلح ۱۳۱۹ھش مطابق ۲۶ جنوری ۱۹۴۰ء میں شائع ہو چکا ہے) بڑی شرح و بسط سے روشنی پڑتی ہے جسے بجنسہٖ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔ [2]

---

[1] "تقویمنا الشمسی" صفحہ ۱۷

[2] حضرت مولوی صاحبؓ نے ۲ ماہ تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کے "الفضل" میں اپنے مضمون کے بعض الفاظ کی اصلاح کی تھی جس کے مطابق متن میں بھی ترمیم و تصحیح کر دی گئی ہے۔ (ناقل)

ہجری شمسی تقویم (کیلنڈر)

(منظور فرمودہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز)

تقویم ہجری شمسی کی ترتیب و تجویز:-

ہجری شمسی تقویم کے مرتب کرنے کے ساتھ تعلق رکھنے والے ضروری امور پر غور کرکے اس بارے میں رپورٹ پیش کرنے کے لئے حضرت سیدنا و امامنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۹۳۹ء کے اوائل میں ایک کمیٹی مقرر فرمائی اور اس کے چار ممبر متعین فرمائے حضرت سید محمد اسحاق صاحب فاضل ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ قادیان (صدر کمیٹی)، حضرت صاحبزادہ حافظ میرزا ناصر احمد صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان، مولوی ابو العطاء صاحب فاضل مبلغ سلسلہ احمدیہ، خاکسار محمد اسمٰعیل (سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان) اور ارشاد فرمایا کہ اس کیلنڈر کا ڈھانچہ تیار کرکے پیش کیا جائے اور اس میں دوسرے مروّجہ شمسی کیلنڈروں کی نسبت مروّجہ عیسوی کیلنڈر کو مقدم طور پر سامنے رکھا جائے (جو درحقیقت عیسوی کیلنڈر نہیں بلکہ رُومی کیلنڈر ہے جسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے ۵۲۷ سال بعد صرف اس قدر تبدیلی کے ساتھ کرسچین کیلنڈر بنا لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے سالوں کے اعداد اس میں سے کم کر دیئے اور بس) لیکن چونکہ اس کے کئی ایک مہینوں کے نام مشرکانہ ہیں اس لئے مہینوں کے نام کوئی اَور تجویز کئے جائیں جو مناسب اور موزوں ہوں اور عیسوی کیلنڈر کی اصلاح کے لئے جو تبدیلی اس میں عیسائیوں نے کی ہے جس کے ماتحت اس کیلنڈر کو اب چلایا جا رہا ہے اس مجوزہ کیلنڈر میں شروع سے ہی ملحوظ رکھا جائے۔

چونکہ اس کمیٹی کے ارکان کو معلوم تھا کہ خاکسار راقم ایک قمری تقویم تیار کر رہا ہے اس لئے کمیٹی نے قرار دیا کہ ہجری شمسی تقویم کا ڈھانچہ بھی خاکسار ہی تجویز کرے۔ اور اُسے کمیٹی کے سامنے پیش کرے۔ چنانچہ مَیں نے اس کا ایک خاکہ مرتب کرکے کمیٹی کے آگے پیش کیا۔ اور کمیٹی نے اس کے ساتھ اپنی رائے شامل کرکے اُسے حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور نے اس کے متعلق تمام ممبران کی آراء سُنکر حسب ذیل فیصلہ فرمایا:-

ہجری شمسی سال کا آغاز اور اس کے دنوں کی اس کے مہینوں پر تقسیم :-

مروجہ عیسوی کیلنڈر کا کوئی نیا سال جس روز سے شروع ہوگا اسی روز سے ہجری شمسی سال کا آغاز شمار ہوگا۔ اور سال کے دنوں کی تقسیم بھی مہینوں پر مروجہ عیسوی کیلنڈر کی طرح ہی ہوگی اور لیپ سال بھی وہی شمار ہوں گے جو مروجہ عیسوی کیلنڈر میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور پہلے ہجری شمسی سال کا آغاز بھی ۶۲۲ء کے آغاز کے وقت سے محسوب ہوگا۔ لیکن چونکہ عیسوی کیلنڈر کے سابقہ طریق شمار میں غلطی سے ہر صدی میں لیپ کے ۲۵ سال گنے جاتے تھے اور ساتویں صدی عیسوی کے آغاز کے وقت تک اس غلطی کی وجہ سے تین دن زائد شمار ہو چکے تھے اس لئے ۱ ہش (ہجری شمسی) کے آغاز کے دن کی عیسوی تاریخ یکم جنوری ۶۲۲ء نہیں بلکہ ۲۹ دسمبر ۶۲۱ء محسوب ہوگی۔ اور چونکہ اس کے بعد بھی ۱۵۸۲ء تک یہ غلط طریق شمار برابر جاری رہا اس لئے یہ فرق بڑھتا چلا گیا اور سولھویں صدی عیسوی میں دس دن تک پہنچ گیا اور ۱۵۸۲ء میں آکر اس غلطی کی اصلاح کی طرف توجہ کی گئی مگر وہ بھی بیک وقت نہیں بلکہ مختلف ممالک میں ۱۵۸۲ء سے لے کر قریباً ساڑھے تین سو سال کے لمبے عرصہ میں مختلف اوقات میں مختلف طریقوں سے اس کی اصلاح کی گئی حتیٰ کہ بعض اقوام نے اب بیسویں صدی میں آکر اس اصلاح کا اجرا کیا ہے جبکہ یہ فرق تیرہ دن تک پہنچ چکا تھا۔ ہاں اب چونکہ اس فرق کا ازالہ کیا جا چکا ہے اس لئے مروجہ عیسوی کیلنڈر کے کسی سال اور کسی مہینہ کے آغاز کے دن اور اس کے مقابل کے ہجری شمسی سال اور مہینہ کے آغاز کے دن میں اب کوئی فرق نہیں ہوگا اور ۱۳۱۹ ہش کے آغاز کا دن وہی محسوب ہوگا جو ۱۹۴۰ء کے آغاز کا دن تھا۔

ہجری شمسی مہینوں کے نام :-

ہجری شمسی سنہ کے مہینوں کے نام حضور نے حسب ذیل منظور فرمائے ہیں :-

۱۔ ماہ صلح بمقابل جنوری۔ اس مہینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک رؤیا کی بناء پر تین ہزار صحابہ کرامؓ کی معیت میں عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہوئے مگر کفار قریش

مزاحم ہوئے۔ اس وجہ سے حدیبیہ کے مقام سے آپ کو واپس ہونا پڑا۔ لیکن اس موقعہ پر ان لوگوں کے ساتھ آپ کا ایک صلح کا معاہدہ ہوگیا جس کا نام اللہ تعالیٰ نے فتح مبین رکھا ہے۔ اس صلح کے نتیجہ میں لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے۔ گویا دریا کا بند ٹوٹ گیا۔

۲۔ ماہ تبلیغ بمقابل فروری۔ اس مہینہ میں حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بادشاہوں کی طرف تبلیغی خطوط ارسال فرمائے اور انہیں اسلام کی دعوت پہنچائی۔

۳۔ ماہ امان بمقابل مارچ۔ اس مہینہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری جانوں، تمہارے مالوں اور تمہاری عزت و آبرو کو ویسی حرمت بخشی ہے جیسی کہ اس نے حج کے دن کو، حج کے مہینہ کو اور حج کے مقام مکہ معظمہ کو حُرمت عطا کی ہے۔

۴۔ ماہ شہادت بمقابل اپریل۔ اس مہینہ میں دشمنانِ اسلام نے دھوکہ اور غدّاری سے کام لے کر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست کر کے کہ ہمیں دینِ اسلام کی تعلیمات سکھانے کے لئے ہمارے ہاں معلّم اور مبلّغ بھیجے جائیں اور اس طرح اکابر صحابہؓ کو اپنے ہاں بلا کر بے دردی کے ساتھ انہیں شہید کیا اور ایک مہینہ میں دو بار یہ غدّاری کی۔ ایک تو رجیع کے مقام پر جہاں آپؐ نے چھ یا سات اکابر صحابہ کرام کو بھیجا تھا جن میں سے ایک یا دو کو تو ان لوگوں نے پکڑ کر کفار قریش کے پاس جا کر بیچ دیا اور باقی سب کو شہید کر دیا۔ اور دوسرے بئر معونہ کے مقام پر، جہاں آپؐ نے ابو براء کلابی رئیس بنی کلاب کی درخواست پر اور اس کی ذمہ داری پر ستّر انصار کو جو نہایت مقدس لوگ اور قرآن کریم کے حافظ اور ماہر تھے، ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کی غرض سے بھیجا۔ ان لوگوں نے سوائے ایک انصاری کے جسے وہاں کے سردار نے ایک غلام کو آزاد کرنے کے متعلق اپنی ماں کی نذر پُوری کرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا باقی تمام کو شہید کر دیا۔

۵۔ ماہ ہجرت بمقابل مئی۔ اس مہینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں قیام اختیار فرمایا۔

۶۔ ماہ احسان بمقابل جُون۔ اس مہینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی طی کے اسیروں کو

حاتم کے ساتھ ان کی قومی نسبت کی وجہ سے ازراہِ کرم و احسان آزادی بخشی۔

۷۔ ماہ وفا بمقابل جولائی۔ اس مہینہ میں غزوہ ذات الرقاع ہوا تھا جس میں سفر کی شدت اور سواری کی کمی کی وجہ سے پیدل چلنے کے باعث صحابہ کرامؓ کے پاؤں چھلنی ہو گئے اور صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہؓ کے تو پاؤں کے ناخن بھی جھڑ گئے اور انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر اور پاؤں پر لپیٹ لپیٹ کر اس کا راستہ طے کیا اور اسی وجہ سے اس مہم کا نام ذات الرقاع مشہور ہو گیا اور اسی موقع پر صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل ہوا۔ غرض اس جنگ میں بھی صحابہ کرامؓ نے خارق عادت طور پر اپنے صدق و وفا اور تسلیم و رضا کا نمونہ دکھایا تھا۔

۸۔ ماہ ظہور بمقابل اگست۔ اس مہینہ میں جنگ موتہ کے سلسلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے بیرونِ عرب میں اسلام کی اشاعت اور ظہور یعنی غلبہ کی بنیاد رکھوائی۔ اس واقعہ سے قبل آپ نے ہرقل کے مقرر کردہ امیر بصری کی طرف حضرت حارث ابن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک تبلیغی خط بھیجا تھا۔ جب وہ موتہ کے مقام پر پہنچے تو شرحبیل غسانی نے انہیں باندھ کر قتل کر دیا جس پر حضورؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی امارت کے ماتحت تین ہزار صحابہ کرام کی فوج وہاں بھیجی۔ اور ارشاد فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائے تو اس کی جگہ جعفرؓ بن ابی طالب لے لے۔ وہ شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہؓ اس کی جگہ پر کھڑا ہو جائے اور وہ شہید ہو جائے تو مسلمان اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لیں اور اسی ترتیب سے وہ اس جنگ میں شہید ہوئے۔

۹۔ ماہ تبوک بمقابل ستمبر۔ اس مہینہ میں جنگ تبوک کے موقعہ پر مخلصین کے اخلاص کا مختلف صورتوں میں امتحان ہوا۔ اور انہوں نے اپنے اپنے رنگ میں اعلیٰ سے اعلیٰ جوہر ایمان دکھائے۔

۱۰۔ ماہ اخاء بمقابل اکتوبر۔ اس مہینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں سے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کے درمیان خاص طور پر اخوت کا تعلق قائم کیا جس کے نتیجہ میں مہاجرین اور انصار کے تعلقات سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر ہو گئے۔

۱۱۔ ماہ نبوت بمقابل نومبر۔ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصب نبوت و رسالت بخشا۔

۱۲۔ ماہ فتح بمقابل دسمبر۔ اس مہینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر اپنے خونخوار دشمنوں کو لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر عفو عام کا اعلان فرمایا۔

قمری مہینوں کی تعیین

ان واقعات کو ان شمسی مہینوں کی طرف منسوب کرتے وقت اس بات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ آئندہ ہر ایک قمری سال بارہ مہینوں کا شمار ہوگا۔ اس سے پہلے عرب میں جو تاریخ شماری کا یہ طریق قریباً دو اڑھائی سَو سال سے جاری تھا کہ مہینے قمری گنے جاتے تھے اور سال شمسی۔ اور ان دونوں شماروں کو ملانے کے لئے ہر آٹھ سال میں تین سال ۱۳ - ۱۳ ماہ کے شمار کئے جاتے تھے۔ اس کی بناء پر ہجرت کے ابتدائی دس سالوں میں چار سال ۱۳ - ۱۳ مہینوں کے گنے گئے تھے اور وہ اس طور پر کہ نویں اور دسویں سنہ کے درمیان یعنی ان میں ایک سال کے اختتام اور دوسرے سال کے آغاز کے موقعہ پر ایک مہینہ زائد شمار کیا گیا جس سے پہلے، ساتویں اور آٹھویں سال کے درمیان اور ان سے پہلے، چوتھے اور پانچویں سال کے درمیان اور اس سے قبل پہلے اور دوسرے سال کے درمیان ایک ایک مہینہ زائد شمار کیا گیا تھا۔ پس ابتدائی دس ہجری سالوں کا عرصہ ۱۲۰ قمری مہینوں کا نہیں بلکہ ۱۲۴ قمری مہینوں کا شمار ہوا تھا۔

تقویم قمری کا اجمالی خاکہ

اس تقویم میں نئے قمری دَور کا آغاز سنہ ہجری کے شروع سے شمار کیا گیا ہے۔ اور ۳۰ - ۳۰ دنوں کے اور ۲۹ - ۲۹ دنوں کے قمری مہینوں کی تعیین کے لئے قمری مہینہ کی اوسط مقدار کو سامنے رکھا گیا ہے اور تواریخ کی تعیین کے لئے ایک طرف اس بات کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ حجۃ الوداع کے دن یعنی ۹ ذوالحجہ سنہ ہجری کو جمعہ تھا۔ اور دوسری طرف یہ کہ ابتدائی دس ہجری سالوں میں سے پہلا مہینہ جمعہ کے روز شروع ہوا تھا۔ اور پانچواں مہینہ (جو ہر ایک سال کو بارہ ماہ کا شمار کرنے کی صورت میں سنہ ہجری کا پہلا مہینہ ہوتا ہے) پنجشنبہ کو یعنی جمعرات کے روز اور طول البلد کی رو سے بیت اللہ

شریف اور حرمین شریفین کی رؤیت کو معیار قرار دیا گیا ہے۔

حرمین شریفین کی رؤیت میں اور ہندوستان کی رؤیت میں بعض اوقات طول البلد کے اختلاف کی وجہ سے ایک دن کا فرق پیدا ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کی نسبت عرب میں سورج کسی قدر دیر سے غروب ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں چاند بعض دفعہ ایک دن پہلے نظر آجاتا ہے۔

اب ذیل میں سنہ ۱۳۱۹ھش مطابق سنہ ۱۹۴۰ء موافق ۱۳۵۸ھ اور ۱۳۵۹ھ کا کیلنڈر دیا جاتا ہے۔

ہجری شمسی تقویم (کیلنڈر) بابت سنہ ۱۳۱۹ھش مطابق سنہ ۱۹۴۰ء

ماہ صلح سنہ ۱۳۱۹ھش مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
اتوار یکشنبہ	✤	۷ / ۲۶ ذیقعدہ	۱۴ / ۴ ذوالحجہ	۲۱ / ۱۱ ذوالحجہ	۲۸ / ۱۸ ذوالحجہ
سوموار دوشنبہ	۱ / ۲۰ ذیقعدہ	۸ / ۲۷ ذیقعدہ	۱۵ / ۵ ذوالحجہ	۲۲ / ۱۲ ذوالحجہ	۲۹ / ۱۹ ذوالحجہ
منگل سہ شنبہ	۲ / ۲۱ ذیقعدہ	۹ / ۲۸ ذیقعدہ	۱۶ / ۶ ذوالحجہ	۲۳ / ۱۳ ذوالحجہ	۳۰ / ۲۰ ذوالحجہ
بدھ چہارشنبہ	۳ / ۲۲ ذیقعدہ	۱۰ / ۲۹ ذیقعدہ	۱۷ / ۷ ذوالحجہ	۲۴ / ۱۴ ذوالحجہ	۳۱ / ۲۱ ذوالحجہ
جمعرات پنجشنبہ	۴ / ۲۳ ذی قعدہ	۱۱ / یکم ذوالحجہ ۱۳۵۸ھ	۱۸ / ۸ ذوالحجہ	۲۵ / ۱۵ ذوالحجہ	✤
جمعہ	۵ / ۲۴ ذیقعدہ	۱۲ / ۲ ذوالحجہ	۱۹ / ۹ ذوالحجہ	۲۶ / ۱۶ ذوالحجہ	✤
ہفتہ شنبہ	۶ / ۲۵ ذیقعدہ	۱۳ / ۳ ذوالحجہ	۲۰ / ۱۰ ذوالحجہ	۲۷ / ۱۷ ذوالحجہ	✤

ماہ تبلیغ سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اول	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
اتوار یکشنبہ	✣	۴ ۲۵؍ ذوالحجہ	۱۱ ۲؍ محرم	۱۸ ۹؍ محرم	۲۵ ۱۶؍ محرم
سوموار دوشنبہ	✣	۵ ۲۶؍ ذوالحجہ	۱۲ ۳؍ محرم	۱۹ ۱۰؍ محرم	۲۶ ۱۷؍ محرم
منگل سہ شنبہ	✣	۶ ۲۷؍ ذوالحجہ	۱۳ ۴؍ محرم	۲۰ ۱۱؍ محرم	۲۷ ۱۸؍ محرم
بدھ چہار شنبہ	✣	۷ ۲۸؍ ذوالحجہ	۱۴ ۵؍ محرم	۲۱ ۱۲؍ محرم	۲۸ ۱۹؍ محرم
جمعرات پنجشنبہ	۱ ۲۲؍ ذوالحجہ	۸ ۲۹؍ ذوالحجہ	۱۵ ۶؍ محرم	۲۲ ۱۳؍ محرم	۲۹ ۲۰؍ محرم
جمعہ "	۲ ۲۳؍ ذوالحجہ	۹ ۳۰؍ ذوالحجہ	۱۶ ۷؍ محرم	۲۳ ۱۴؍ محرم	✣
ہفتہ شنبہ	۳ ۲۴؍ ذوالحجہ	۱۰ یکم محرم سنہ ۱۳۵۹ھ	۱۷ ۸؍ محرم	۲۴ ۱۵؍ محرم	✣

ماہ امان سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اول	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم	ہفتہ ششم
اتوار یکشنبہ	✣	۳ ۲۳؍ محرم	۱۰ یکم صفر	۱۷ ۸؍ صفر	۲۴ ۱۵؍ صفر	۳۱ ۲۲؍ صفر
سوموار دوشنبہ	✣	۴ ۲۴؍ محرم	۱۱ ۲؍ صفر	۱۸ ۹؍ صفر	۲۵ ۱۶؍ صفر	✣
منگل سہ شنبہ	✣	۵ ۲۵؍ محرم	۱۲ ۳؍ صفر	۱۹ ۱۰؍ صفر	۲۶ ۱۷؍ صفر	✣
بدھ چہار شنبہ	✣	۶ ۲۶؍ محرم	۱۳ ۴؍ صفر	۲۰ ۱۱؍ صفر	۲۷ ۱۸؍ صفر	✣
جمعرات پنجشنبہ	✣	۷ ۲۷؍ محرم	۱۴ ۵؍ صفر	۲۱ ۱۲؍ صفر	۲۸ ۱۹؍ صفر	✣
جمعہ "	۱ ۲۱؍ محرم سنہ ۱۳۵۹ھ	۸ ۲۸؍ محرم	۱۵ ۶؍ صفر	۲۲ ۱۳؍ صفر	۲۹ ۲۰؍ صفر	✣
ہفتہ شنبہ	۲ ۲۲؍ محرم	۹ ۲۹؍ محرم	۱۶ ۷؍ صفر	۲۳ ۱۴؍ صفر	۳۰ ۲۱؍ صفر	✣

ماہ شہادت سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
یکشنبہ (اتوار)	✤	۷ ۲۹ر صفر	۱۴ ۶ر ربیع الاوّل	۲۱ ۱۳ر ربیع الاوّل	۲۸ ۲۰ر ربیع الاوّل
دوشنبہ (سوموار)	۱ ۲۳ صفر ۱۳۵۹ھ	۸ ۳۰ صفر	۱۵ ۷ر ربیع الاوّل	۲۲ ۱۴ر ربیع الاوّل	۲۹ ۲۱ر ربیع الاوّل
سہ شنبہ (منگل)	۲ ۲۴ر صفر	۹ یکم ربیع الاوّل	۱۶ ۸ر ربیع الاوّل	۲۳ ۱۵ر ربیع الاوّل	۳۰ ۲۲ر ربیع الاوّل
چہارشنبہ (بدھ)	۳ ۲۵ صفر	۱۰ ۲ر ربیع الاوّل	۱۷ ۹ر ربیع الاوّل	۲۴ ۱۶ ربیع الاوّل	✤
پنجشنبہ (جمعرات)	۴ ۲۶ر صفر	۱۱ ۳ر ربیع الاوّل	۱۸ ۱۰ر ربیع الاوّل	۲۵ ۱۷ر ربیع الاوّل	✤
جمعہ	۵ ۲۷ر صفر	۱۲ ۴ر ربیع الاوّل	۱۹ ۱۱ر ربیع الاوّل	۲۶ ۱۸ر ربیع الاوّل	✤
شنبہ (ہفتہ)	۶ ۲۸ر صفر	۱۳ ۵ر ربیع الاوّل	۲۰ ۱۲ر ربیع الاوّل	۲۷ ۱۹ر ربیع الاوّل	✤

ماہ ہجرت سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
یکشنبہ (اتوار)	✤	۵ ۲۷ر ربیع الاوّل	۱۲ ۵ر ربیع الثانی	۱۹ ۱۲ر ربیع الثانی	۲۶ ۱۹ر ربیع الثانی
دوشنبہ (پیر)	✤	۶ ۲۸ر ربیع الاوّل	۱۳ ۶ر ربیع الثانی	۲۰ ۱۳ر ربیع الثانی	۲۷ ۲۰ر ربیع الثانی
سہ شنبہ (منگل)	✤	۷ ۲۹ر ربیع الاوّل	۱۴ ۷ر ربیع الثانی	۲۱ ۱۴ر ربیع الثانی	۲۸ ۲۱ر ربیع الثانی
چہارشنبہ (بدھ)	۱ ۲۳ر ربیع الاوّل	۸ یکم ربیع الثانی	۱۵ ۸ر ربیع الثانی	۲۲ ۱۵ر ربیع الثانی	۲۹ ۲۲ ربیع الثانی
پنجشنبہ (جمعرات)	۲ ۲۴ر ربیع الاوّل	۹ ۲ر ربیع الثانی	۱۶ ۹ر ربیع الثانی	۲۳ ۱۶ر ربیع الثانی	۳۰ ۲۳ر ربیع الثانی
جمعہ	۳ ۲۵ر ربیع الاوّل	۱۰ ۳ر ربیع الثانی	۱۷ ۱۰ر ربیع الثانی	۲۴ ۱۷ر ربیع الثانی	۳۱ ۲۴ر ربیع الثانی
شنبہ (ہفتہ)	۴ ۲۶ر ربیع الاوّل	۱۱ ۴ر ربیع الثانی	۱۸ ۱۱ر ربیع الثانی	۲۵ ۱۸ر ربیع الثانی	✤

ماہ احسان ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ جون ۱۹۴۰ء

ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم	ہفتہ ششم	
✤	۲ ۲۶ر ربیع الثانی	۹ ۳ر جمادی الاولیٰ	۱۶ ۱۰ر جمادی الاولیٰ	۲۳ ۱۷ر جمادی الاولیٰ	۳۰ ۲۴ر جمادی الاولیٰ	۱
✤	۳ ۲۷ر ربیع الثانی	۱۰ ۴ر جمادی الاولیٰ	۱۷ ۱۱ر جمادی الاولیٰ	۲۴ ۱۸ر جمادی الاولیٰ	✤	۲
✤	۴ ۲۸ر ربیع الثانی	۱۱ ۵ر جمادی الاولیٰ	۱۸ ۱۲ر جمادی الاولیٰ	۲۵ ۱۹ر جمادی الاولیٰ	✤	۳
✤	۵ ۲۹ر ربیع الثانی	۱۲ ۶ر جمادی الاولیٰ	۱۹ ۱۳ر جمادی الاولیٰ	۲۶ ۲۰ر جمادی الاولیٰ	✤	۴
✤	۶ ۳۰ر ربیع الثانی	۱۳ ۷ر جمادی الاولیٰ	۲۰ ۱۴ر جمادی الاولیٰ	۲۷ ۲۱ر جمادی الاولیٰ	✤	۵
✤	۷ یکم جمادی الاولیٰ	۱۴ ۸ر جمادی الاولیٰ	۲۱ ۱۵ر جمادی الاولیٰ	۲۸ ۲۲ر جمادی الاولیٰ	✤	۶
۱ ۲۵ر ربیع الثانی	۸ دو ۲ جمادی الاولیٰ	۱۵ ۹ر جمادی الاولیٰ	۲۲ ۱۶ر جمادی الاولیٰ	۲۹ ۲۳ر جمادی الاولیٰ	✤	۷

ماہ وفا ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
یکشنبہ (اتوار)	✤	۷ ۲ر جمادی الاخریٰ	۱۴ ۹ر جمادی الاخریٰ	۲۱ ۱۶ر جمادی الاخریٰ	۲۸ ۲۳ر جمادی الاخریٰ
دوشنبہ (پیر)	۱ ۲۵ر جمادی الاولیٰ	۸ ۳ر جمادی الاخریٰ	۱۵ ۱۰ر جمادی الاخریٰ	۲۲ ۱۷ر جمادی الاخریٰ	۲۹ ۲۴ر جمادی الاخریٰ
سہ شنبہ (منگل)	۲ ۲۶ر جمادی الاولیٰ	۹ ۴ر جمادی الاخریٰ	۱۶ ۱۱ر جمادی الاخریٰ	۲۳ ۱۸ر جمادی الاخریٰ	۳۰ ۲۵ر جمادی الاخریٰ
چہارشنبہ (بدھ)	۳ ۲۷ر جمادی الاولیٰ	۱۰ ۵ر جمادی الاخریٰ	۱۷ ۱۲ر جمادی الاخریٰ	۲۴ ۱۹ر جمادی الاخریٰ	۳۱ ۲۶ر جمادی الاخریٰ
پنجشنبہ (جمعرات)	۴ ۲۸ر جمادی الاولیٰ	۱۱ ۶ر جمادی الاخریٰ	۱۸ ۱۳ر جمادی الاخریٰ	۲۵ ۲۰ر جمادی الاخریٰ	✤
جمعہ	۵ ۲۹ر جمادی الاولیٰ	۱۲ ۷ر جمادی الاخریٰ	۱۹ ۱۴ر جمادی الاخریٰ	۲۶ ۲۱ر جمادی الاخریٰ	✤
شنبہ (ہفتہ)	۶ یکم جمادی الاخریٰ	۱۳ ۸ر جمادی الاخریٰ	۲۰ ۱۵ر جمادی الاخریٰ	۲۷ ۲۲ر جمادی الاخریٰ	✤

ماہ ظہور سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۴۰ء

ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم	
✣	۴ ۳۰ر جمادی الاخریٰ	۱۱ ۷ر رجب	۱۸ ۱۴ر رجب	۲۵ ۲۱ر رجب	۱
✣	۵ یکم رجب	۱۲ ۸ر رجب	۱۹ ۱۵ر رجب	۲۶ ۲۲ر رجب	۲
✣	۶ ۲ر رجب	۱۳ ۹ر رجب	۲۰ ۱۶ر رجب	۲۷ ۲۳ر رجب	۳
✣	۷ ۳ر رجب	۱۴ ۱۰ر رجب	۲۱ ۱۷ر رجب	۲۸ ۲۴ر رجب	۴
۱ ۲۷ر جمادی الاخریٰ	۸ ۴ر رجب	۱۵ ۱۱ر رجب	۲۲ ۱۸ر رجب	۲۹ ۲۵ر رجب	۵
۲ ۲۸ر جمادی الاخریٰ	۹ ۵ر رجب	۱۶ ۱۲ر رجب	۲۳ ۱۹ر رجب	۳۰ ۲۶ر رجب	۶
۳ ۲۹ر جمادی الاخریٰ	۱۰ ۶ر رجب	۱۷ ۱۳ر رجب	۲۴ ۲۰ر رجب	۳۱ ۲۷ر رجب	۷

ماہ تبوک سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
یکشنبہ (اتوار)	۱ ۲۸ر رجب	۸ ۶ر شعبان	۱۵ ۱۳ر شعبان	۲۲ ۲۰ر شعبان	۲۹ ۲۷ر شعبان
دوشنبہ (پیر)	۲ ۲۹ر رجب	۹ ۷ر شعبان	۱۶ ۱۴ر شعبان	۲۳ ۲۱ر شعبان	۳۰ ۲۸ر شعبان
سہ شنبہ (منگل)	۳ یکم شعبان	۱۰ ۸ر شعبان	۱۷ ۱۵ر شعبان	۲۴ ۲۲ر شعبان	✣
چہار شنبہ (بدھ)	۴ ۲ر شعبان	۱۱ ۹ر شعبان	۱۸ ۱۶ر شعبان	۲۵ ۲۳ر شعبان	✣
پنجشنبہ (جمعرات)	۵ ۳ر شعبان	۱۲ ۱۰ر شعبان	۱۹ ۱۷ر شعبان	۲۶ ۲۴ر شعبان	✣
جمعہ	۶ ۴ر شعبان	۱۳ ۱۱ر شعبان	۲۰ ۱۸ر شعبان	۲۷ ۲۵ر شعبان	✣
شنبہ (ہفتہ)	۷ ۵ر شعبان	۱۴ ۱۲ر شعبان	۲۱ ۱۹ر شعبان	۲۸ ۲۶ر شعبان	✣

ماہ اخاء سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء

ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم	
✤	۶ ۴ر رمضان	۱۳ ۱۱ر رمضان	۲۰ ۱۸ر رمضان	۲۷ ۲۵ رمضان	۱
✤	۷ ۵ر رمضان	۱۴ ۱۲ر رمضان	۲۱ ۱۹ر رمضان	۲۸ ۲۶ رمضان	۲
۱ ۲۹ر شعبان	۸ ۶ر رمضان	۱۵ ۱۳ر رمضان	۲۲ ۲۰ر رمضان	۲۹ ۲۷ر رمضان	۳
۲ ۳۰ر شعبان	۹ ۷ر رمضان	۱۶ ۱۴ر رمضان	۲۳ ۲۱ر رمضان	۳۰ ۲۸ر رمضان	۴
۳ یکم رمضان	۱۰ ۸ر رمضان	۱۷ ۱۵ر رمضان	۲۴ ۲۲ر رمضان	۳۱ ۲۹ر رمضان	۵
۴ ۲ر رمضان	۱۱ ۹ر رمضان	۱۸ ۱۶ر رمضان	۲۵ ۲۳ر رمضان	✤	۶
۵ ۳ر رمضان	۱۲ ۱۰ر رمضان	۱۹ ۱۷ر رمضان	۲۶ ۲۴ر رمضان	✤	۷

ماہ نبوت سنہ ۱۳۱۹ ہش مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۴۰ء

ایام ہفتہ	ہفتہ اوّل	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم
یکشنبہ (اتوار)	✤	۳ ۳ر شوال	۱۰ ۱۰ر شوال	۱۷ ۱۷ر شوال	۲۴ ۲۴ر شوال
دوشنبہ (پیر)	✤	۴ ۴ر شوال	۱۱ ۱۱ر شوال	۱۸ ۱۸ر شوال	۲۵ ۲۵ر شوال
سہ شنبہ (منگل)	✤	۵ ۵ر شوال	۱۲ ۱۲ر شوال	۱۹ ۱۹ر شوال	۲۶ ۲۶ر شوال
چہارشنبہ (بدھ)	✤	۶ ۶ر شوال	۱۳ ۱۳ر شوال	۲۰ ۲۰ر شوال	۲۷ ۲۷ر شوال
پنجشنبہ (جمعرات)	✤	۷ ۷ر شوال	۱۴ ۱۴ر شوال	۲۱ ۲۱ر شوال	۲۸ ۲۸ر شوال
جمعہ	۱ یکم شوال	۸ ۸ر شوال	۱۵ ۱۵ر شوال	۲۲ ۲۲ر شوال	۲۹ ۲۹ر شوال
شنبہ (ہفتہ)	۲ ۲ر شوال	۹ ۹ر شوال	۱۶ ۱۶ر شوال	۲۳ ۲۳ر شوال	۳۰ ۳۰ر شوال

ماہ فتح ۱۳۱۹ سنہ ہش مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۰ء					
ہفتہ اول	ہفتہ دوم	ہفتہ سوم	ہفتہ چہارم	ہفتہ پنجم	
۱ یکم ذیقعدہ	۸ ۸ر ذیقعدہ	۱۵ ۱۵ر ذیقعدہ	۲۲ ۲۲ر ذیقعدہ	۲۹ ۲۹ر ذیقعدہ	۱
۲ ۲ر ذیقعدہ	۹ ۹ر ذیقعدہ	۱۶ ۱۶ر ذیقعدہ	۲۳ ۲۳ر ذیقعدہ	۳۰ یکم ذوالحجہ	۲
۳ ۳ر ذیقعدہ	۱۰ ۱۰ر ذیقعدہ	۱۷ ۱۷ر ذیقعدہ	۲۴ ۲۴ر ذیقعدہ	۳۱ ۲ر ذوالحجہ	۳
۴ ۴ر ذیقعدہ	۱۱ ۱۱ر ذیقعدہ	۱۸ ۱۸ر ذیقعدہ	۲۵ ۲۵ر ذیقعدہ	٭	۴
۵ ۵ر ذیقعدہ	۱۲ ۱۲ر ذیقعدہ	۱۹ ۱۹ر ذیقعدہ	۲۶ ۲۶ر ذیقعدہ	٭	۵
۶ ۶ر ذیقعدہ	۱۳ ۱۳ر ذیقعدہ	۲۰ ۲۰ر ذیقعدہ	۲۷ ۲۷ ذیقعدہ	٭	۶
۷ ۷ر ذیقعدہ	۱۴ ۱۴ر ذیقعدہ	۲۱ ۲۱ر ذیقعدہ	۲۸ ۲۸ ذیقعدہ	٭	۷

نشر و اشاعت کی طرف سے پہلے کیلنڈر کی اشاعت

ہجری شمسی تقویم کا یہ پہلا کیلنڈر تھا جو اسی سال کے آغاز میں نظارت دعوت و تبلیغ کے شعبہ نشر و اشاعت[۱] کی طرف سے نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب صورت میں شائع کر دیا گیا۔ اس کیلنڈر کی خصوصیات یہ تھیں:۔

(۱) اس میں سنہ ہجری شمسی، سنہ ہجری قمری اور سنہ عیسوی تینوں دیئے گئے تھے۔

(۲) دن، مہینے اور سال اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی لکھے گئے۔

(۳) کیلنڈر کے درمیان لوائے احمدیت کا خوشنما بلاک تھا۔

(۴) کیلنڈر اعلیٰ آرٹ پیپر پر چار رنگوں میں شائع کیا گیا اور اس کا سائز ۱۸ × ۲۲ تھا۔ کیلنڈر پر سبز رنگ میں اسلامی تعطیلات، سرخ رنگ میں سرکاری تعطیلات اور سیاہ رنگ میں عام تاریخیں درج تھیں[۲]

دائمی ہجری شمسی کیلنڈر

اس پہلے کیلنڈر کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مختلف سالوں کے کیلنڈر شائع ہوتے رہے۔ مگر ضرورت اس امر کی تھی کہ سالانہ کیلنڈروں کی اشاعت کے علاوہ پوری تحقیق و تفحص

---

[۱] ان دنوں خلیفہ صلاح الدین صاحب ناظم نشر و اشاعت تھے۔ [۲] الفضل ۴ ماہ شہادت ۱۳۱۹ ہش / اپریل ۱۹۴۰ء۔ الفضل ۵ ہجرت ۱۳۱۹ ہش / مئی ۱۹۴۰ء

کے ساتھ ایک دائمی شمسی ہجری کیلنڈر بھی تیار کیا جائے۔ اس نہایت کٹھن، دشوار اور محنت طلب کام کا بیڑا جمعدار فضل الدین صاحب کمبوہ[۱] نے اُٹھایا۔ اور نہایت درجہ محنت شاقہ اور دیدہ ریزی کے بعد ۱۹۶۰ء میں "فضلِ عمر ہجری شمسی دائمی تقویم" کے نام سے ایک مستقل تقویم شائع کر دی۔ جس میں چودہ کیلنڈر ہیں جن کی مدد سے ہزاروں سال قبل اور ہزاروں سال آئندہ کی صحیح تاریخ، دن، مہینہ اور سال بڑی آسانی سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے "مجمع البحرین" کے نام سے اس تقویم کا ایک ضمیمہ بھی شائع کیا۔ جس میں ہجری سال سے عیسوی اور عیسوی سال سے ہجری سال معلوم کرنے کا بہترین فارمولا پیش کیا[۲]

حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب پشاوری کی بیعتِ خلافت

۱۹۴۰ء کا ایک نہایت اہم واقعہ حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب پشاوری کی بیعت خلافت ہے۔ حضرت مولوی صاحب ۱۷ رمئی ۱۸۹۰ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہوئے[۳] اور صوبہ سرحد میں جماعتِ احمدیہ کے ایک بھاری ستون بن گئے۔ جولائی اگست ۱۸۹۱ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لدھیانہ تشریف لے گئے تو آپ بھی محض زیارت کے لئے حضور کی خدمت میں پہنچے۔ چنانچہ حضور نے "ازالہ اوہام" میں اپنے دوسرے مبائعین و محبین کا نام بنام ذکر کرتے ہوئے ۳۲ نمبر پر آپ کی نسبت مندرجہ ذیل تعریفی کلمات تحریر فرمائے:۔

"حبی فی اللہ مولوی غلام حسن صاحب پشاوری اس وقت لدھیانہ میں میرے پاس موجود ہیں محض ملاقات کی غرض سے پشاور سے تشریف لائے ہیں۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ وفادار مخلص ہیں اور لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ میں داخل ہیں۔ جوش ہمدردی کی راہ سے دو روپیہ ماہواری چندہ دیتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ بہت جلد للّٰہی راہوں اور دینی معارف میں ترقی کریں گے کیونکہ فطرت نورانی رکھتے ہیں۔"[۴]

---

[۱] ۸ را کتوبر ۱۸۸۳ء کو بمقام حمزہ (تحصیل امرتسر) پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کا شرف خواجہ کمال الدین صاحب کی کوٹھی (واقع برانڈرتھ روڈ لاہور) میں مئی ۱۹۰۸ء میں حاصل کیا۔ اگست ۱۹۱۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے دست مبارک پر بیعت کی۔

[۲] دونوں کتابچے میسرز فورٹین کیلنڈر پبلشرز کوارٹر ۱۶/۲ بلاک جی ٹمپل روڈ لاہور نے شائع کئے۔ آپ نے ایک معلومات افزا کتاب "تطبیقات لدنیہ" کے نام سے بھی لکھی ہے جس میں نہایت تحقیق کے ساتھ ۱ء سے ۲۰۰۰ء کی تقویم سنہ عیسوی کے ساتھ درج کی ہے۔ مگر یہ کتاب ابھی شائع نہیں ہوئی۔

[۳] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے بیعت رجسٹر میں آپ کا نام ۱۹۲ نمبر پر درج ہے۔

[۴] "ازالہ اوہام" طبع اوّل صفحہ ۸۱۲، ۸۱۳۔

جنوری ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ضمیمہ انجام آتھم میں اپنے ۳۱۳ اصحاب کبار کی فہرست شائع فرمائی تو آپ کا نام نمبر اکاون پر درج کیا۔ ۱۹۰۲ء میں آپکی ایک صاحبزادی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے عقد میں آئیں۔ ۱۹۰۶ء کے اوائل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو صدر انجمن احمدیہ کے معتمدین میں شامل فرمایا۔

حضرت مولوی غلام حسن صاحب خلافت اولیٰ کے عہد میں سلسلہ کی خدمات بجا لاتے رہے۔ مگر ۱۹۱۴ء کے شروع میں جماعت میں آئندہ نظامِ خلافت کے خاتمہ کی نسبت مولوی محمد علی صاحب کے خیالات سے متاثر ہو کر ان کے زبردست موید و ہمنوا بن گئے۔ چنانچہ جب مولوی محمد علی صاحب نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی زندگی کے آخری ایام میں "ایک نہایت ضروری اعلان" کے نام سے براہمن سٹیم پریس لاہور سے جو خفیہ ٹریکٹ شائع کیا تو اس پر آپ کی مندرجہ ذیل مصدقہ عبارت درج تھی کہ

"مذکورہ بالا مضمون کی میں تصدیق اور تائید کرتا ہوں اور سلسلہ کی بھلائی اسی پر عامل ہونے میں یقین رکھتا ہوں۔ غلام حسن سب رجسٹرار پشاور" [۱]

حضرت مولوی صاحب ایک لمبے عرصہ تک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے نہایت ممتاز رکن رہے اور دیانتداری سے سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ لیکن اپنی فطرتِ نورانی کے باعث بالآخر لاہوری فریق سے بھی الگ ہو گئے۔

اسی دوران میں ۱۹۳۹ء کا جلسہ قریب آگیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس تقریب سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے حضرت مولوی صاحب کو قادیان تشریف لانے کی دعوت دی۔ نیز لکھا کہ پشاور سے قادیان تک آنے کے لئے موٹر وغیرہ کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ مگر اُن کی طرف سے قریباً نفی میں جواب آیا۔ ایک، تو انہوں نے بیماری اور کمزوری کا عذر کیا اور لکھا کہ اب ایسی حالت ہے کہ ڈرتا ہوں کہ کہیں سفر میں ہی پیغام آخرت نہ آجائے۔ دوسری بات انھوں نے جوبلی کی تقریب کے متعلق لکھی کہ یہ ایک بدعت ہے۔ [۲]

اس پر حضرت میاں صاحبؓ نے ادب کے طریق پر جواب لکھا اور اس میں جوبلی کی تقریب سے متعلق

---

[۱] ٹریکٹ "ایک نہایت ضروری اعلان" صفحہ ۲۱ (شائع کردہ مولوی محمد علی صاحب) مارچ ۱۹۱۴ء۔

[۲] یہ تفصیلات حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ایک مکتوب سے ملتی ہیں جو آپ نے ۱۷ دسمبر ۱۹۳۹ء کو قاضی محمد یوسف صاحب (امیر جماعت احمدیہ سابق صوبہ سرحد) کے نام لکھا تھا اور جس میں انہیں تاکید کی تھی کہ وہ مولوی صاحب سے دوبارہ ملیں اور وعدہ یاد دلا کر کوشش فرمائیں کہ آپ تشریف لانے کے لئے تیار ہو جائیں۔

وضاحت فرمائی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ آپ خدا کے فضل و کرم سے قادیان تشریف لے آئے اور اس مبارک جلسہ پر خلافت کے تازہ انوار اور اس کی زندہ برکات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور ۲۲ جنوری ۱۹۴۰ء کو دوبارہ خلافت سے وابستہ ہوگئے اور تبلیغ ۱۳۱۹ ہش (فروری ۱۹۴۰ء) کو "میری بیعت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں اپنی بیعتِ خلافت کے مختصر وجوہ لکھے۔ آپ کا یہ مضمون ۷ تبلیغ ۱۳۱۹ ہش (۷ فروری ۱۹۴۰ء) کو اخبار الفضل میں شائع ہوا جو آپ نے اپنے سارے بیٹوں اور سرکردہ غیر مبائعین کے نام بھجوا دیا۔ بیعت نامہ کی اشاعت پر مولوی محمد علی صاحب نے سخت تنقید کی اور پیغام صلح میں مضامین لکھے جس پر حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب نے دوبارہ قلم اُٹھایا اور ایک اور مضمون لکھا جس میں اپنی بیعت کے اہم وجوہ پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی اور لکھا کہ:۔

"مَیں نے جو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی بیعت اختیار کی ہے۔ تو جیسا کہ مَیں اپنے سابقہ مضمون میں تشریح کر چکا ہوں۔ وہ تین وجوہات پر مبنی ہے:۔

اوّل یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کے بعض الہامات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صدر انجمن کا انتظام وقتی اور عارضی تھا جو حضرت مسیح موعودؑ نے اُس وقت کے حالات کے ماتحت اپنی رائے سے قائم کیا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس انتظام کو مٹا کر اس کی جگہ اپنے پسند کردہ نظام خلافت کو قائم کر دیا اور ایسا تصرّف فرمایا کہ خود ارکانِ صدر انجمن کے ہاتھ سے ہی یہ تبدیلی عمل میں آئی جس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا احترام بھی قائم رہا اور خدا کی مشیّت بھی پوری ہوگئی۔ اس کی تائید میں مَیں اپنے سابقہ مضمون میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو واضح الہامات جو حقیقۃ الوحی (صفحہ ۱۰۵ طبع دوم) میں بالکل پاس پاس درج ہیں، بیان کر چکا ہوں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انجمن کے نظام کو مٹا کر اس کی جگہ خلافت کے نظام کو قائم کر دیا۔

دوسری دلیل:۔ جو مجھے قادیان میں آکر نظر آئی، وہ اس تائید اور نُصرتِ الٰہی سے تعلق رکھتی ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی قیادت میں مرکزی جماعت کو حاصل ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ اور چونکہ مذہبی اختلافات میں سب سے بڑی دلیل خدا تعالےٰ کی عملی اور فعلی شہادت ہوا کرتی ہے، اس لئے میں نے اسی شہادت کو قبول کر کے بیعت اختیار کی۔ مولوی محمد علی صاحب کا یہ فرمانا کہ ان کی انجمن کو قرآن مجید کا ترجمہ چھاپنے اور بعض اور کتب کی اشاعت کی توفیق ملی ہے، میری اس دلیل کو باطل نہیں کرتا۔ محض بعض کتب کی

اشاعت کوئی فیصلہ کن امر نہیں ہے۔کیونکہ قرآن مجید کے ترجمے اور تفاسیر تو بعض غیر مسلموں نے بھی شائع کئے ہیں۔ اور دوسری طرف قادیان کی جماعت کی طرف سے بھی نہایت عمدہ لٹریچر شائع ہو رہا ہے اور قرآنی علوم کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور خدا نے چاہا تو تفسیر کی صورت میں بھی ترجمہ قرآن کریم کی اشاعت ہو جائے گی۔مگر جس بات کو مَیں نے لیا ہے وہ خدا تعالےٰ کی فعلی شہادت ہے جو نُصرت اور تائیدِ الٰہی کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہے جس کی وجہ سے مولوی محمد علی صاحب کے رفقاء تو اب بھی اسی جگہ کھڑے ہیں جس جگہ وہ آج سے چھبیس سال پہلے کھڑے تھے بلکہ شاید بعض لحاظ سے گر گئے ہیں۔ مگر مرکزی جماعت کو اللہ تعالیٰ ہر رنگ میں ترقی دے رہا ہے اور بارومند کر رہا ہے۔

تیسری وجہ:۔میری بیعت کی یہ ہوئی ہے کہ میری توجہ اس طرف مبذول ہوئی کہ اسلام کا یہ منشاء ہے کہ باوجود اختلاف رکھنے کے انسان کو چاہیئے کہ وہ جماعت میں منسلک ہو کر رہے چنانچہ حضورؐ نے فرمایا ہے اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمِ نیز فرمایا تَلْزِمُ الْجَمَاعَۃَ ۔ مولوی محمد علی صاحب کا یہ کہنا ، کہ مَیں قادیان میں جا کر کثرت سے مرعوب ہو گیا ہوں ، خوش فہمی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔کیونکہ جو دلائل میری بیعت کے ہیں وہ بیّن اور واضح ہیں۔جن میں کسی بات سے مرعوب ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

ضمناً مَیں یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ مولوی محمد علی صاحب نے جو اصول کثرت اور قلّت کے متعلق بیان کیا ہے اس میں اُن کو سخت غلطی لگی ہے۔ قرآن شریف کے جس اصول کو انہوں نے جماعت کی اندرُونی حالت پر لگایا ہے وہ مرسلین کے ماننے والوں اور انکار کرنے والوں کے باہمی مقابلہ سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ ایک مامور کی جماعت کے اندرونی اختلافات سے۔اگر مولوی صاحب کے اصول کو اس قدر وسعت حاصل ہے جو مولوی صاحب نے بیان کی ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ ہر حال میں ہر کثرت ہر قلّت کے مقابل پر غلطی خوردہ ہوتی ہے جو بالبداہت باطل ہے۔مثلاً کیا مولوی صاحب اس بات کو ماننے کے لئے تیار ہیں کہ ان کی انجمن میں ہر فیصلہ قلت رائے سے طے پانا چاہیئے۔یا یہ کہ صحابہؓ نے جو فیصلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات پر کثرت رائے سے ایک خلیفہ کے انتخاب کے متعلق کیا۔اس کے مقابل پر بعض انصار کی یہ قلت رائے درست تھی کہ دوؔ خلیفے ہونے چاہئیں؟ مجھے افسوس ہے کہ جو نتیجہ مولوی صاحب نے قرآن شریف کی آیات سے نکالا ہے وہ ایک سطحی خیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔" [۵]

---

[۵] "الفضل" ۱۳ر تبلیغ ۱۳۱۹ ہش / ۱۳ر فروری ۱۹۴۰ء

آخر میں جناب مولوی محمد علی صاحب (امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) کو یہ دردمندانہ تحریک فرمائی کہ اگر ان کو بعض مسائل میں شرح صدر نہیں تو پھر بھی آپ اختلافات کو حوالہ بخدا کرتے ہوئے مرکز کے ساتھ پیوند کرلیں۔ چنانچہ لکھا :-

"مَیں دیانتداری کے ساتھ یہ ظاہر کرچکا ہوں کہ مجھے ابھی تک بعض مسائل میں حضرت خلیفہ ثانی سے اختلاف ہے۔ لیکن باوجود اس قلیل اختلاف کے مَیں اُن کے اصول کے مطابق اور اپنی ضمیر سے ہدایت لینے کے بعد خدا کی قولی اور فعلی شہادت کو دیکھ کر اُن کی بیعت میں داخل ہوا ہوں . . . . حضرت خلیفہ ثانی تو مامور نہیں ہیں۔ حضرت مسیح موعود نے بھی جو مامور اور مرسل تھے نواب محمد علی خاں صاحب کو بعض اختلافات کے باوجود بیعت کی اجازت دی تھی حالانکہ نواب صاحب شیعہ خیالات رکھتے تھے۔ . . . . تو پھر میرے معاملہ میں یہ صورت کس طرح قابلِ اعتراض ہوسکتی ہے اور اس کی بناء پر اعتراضات اُٹھانا کس طرح جائز سمجھا جاسکتا ہے بلکہ مَیں بڑی ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ مولوی محمد علی صاحب سے بھی تحریک کروں گا کہ اب جبکہ وہ بھی اپنی آخری عمر میں پہنچ رہے ہیں وہ اپنا محاسبہ کرکے اس بات پر غور فرمائیں کہ کیا جماعت کا اتحاد اور وحدت کی برکات اور خدائی نصرتوں سے مستفید ہونے کے مواقع اس قابل نہیں کہ اپنے بعض اختلافی عقائد کے باوجود جماعت کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہونے دیا جائے۔ مولوی محمد علی صاحب کے جذبات خواہ میرے متعلق کچھ ہوں، میری ہمدردی اور نیک نیتی صرف اسی ایک بات سے ظاہر ہے کہ جب بیعت کے بعد مَیں نے حضرت خلیفہ ثانی سے پہلی ملاقات کی تو اس ملاقات میں مَیں نے حضرت خلیفہ صاحب سے مولوی صاحب کی ہدایت کے متعلق خصوصیت کے ساتھ دعا کے لئے عرض کیا تھا اور میں خود بھی دُعا کرتا ہوں کہ خدا تعالےٰ مولوی صاحب کو پھر مرکزی سلسلہ کے جھنڈے کے نیچے لے آئے اور "الوصیت" کے منشاء کے ماتحت سب کو مل کر کام کرنے کی توفیق دے" [1]

قادیان کے قیام کے دوران میں حضرت مولوی صاحب نے بیعت کے بعد انشراح و انبساط کے معاملہ میں بہت جلد جلد ترقی کی۔ خود اپنی خوشی سے وصیت بھی کردی اور اس کے بعد طوعاً چندہ تحریک جدید میں بھی شرکت فرمائی۔ حضرت مولوی صاحب کو یہ بہت خوشی تھی کہ حضرت خلیفہ ثانی کے عہد میں جماعت نے ہر

[1] "الفضل" ۱۳ تبلیغ ۱۳۱۹ھش/۱۳ فروری ۱۹۴۰ء صفحہ ۵-۶

رنگ میں ترقی کی ہے۔"[۱]

حضرت مولوی صاحب کی پشاور کی طرف واپسی اور قادیان کی طرف ہجرت

حضرت میرزا بشیر احمد صاحبؓ کا منشاء تھا کہ اب حضرت مولوی صاحب قادیان ہی میں رہیں اور وہ بھی یہاں رہنے میں خوش تھے مگر آپ کے عزیزوں کی طرف سے تقاضا تھا کہ واپس پشاور آجائیں مگر آپ کے مشورہ سے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے انہیں لکھ دیا کہ اب انہیں خدمت کا موقعہ ملنا چاہیئے "البتہ کبھی مناسب وقت پر حسب ضرورت عارضی طور پر پشاور جانے کا انتظام ہو تو اور بات ہے"[۲] خود حضرت مولوی صاحب نے یہ ارادہ فرمایا کہ محرم کی چھٹیوں میں کچھ عرصہ کے لئے پشاور واپس تشریف لے جائیں اور اسی غرض کے لئے اُن کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب قادیان آگئے اور حضرت مولوی صاحب قریباً دو ماہ تک قادیان کی برکات سے متمتع ہونے کے بعد ۱۸ تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو بذریعہ موٹر پشاور روانہ ہو گئے اور اگلے روز بخیریت پشاور پہنچ گئے۔ اس سفر میں صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب کے علاوہ محترم ملک محمد عبداللہ صاحب مولوی فاضل بھی آپ کے ہمراہ تھے۔[۳]

حضرت مولوی صاحب نے پشاور پہنچتے ہی یہ جد و جہد شروع کر دی کہ کسی طرح دوسرے بچھڑے ہوئے غیر مبائع اصحاب بھی سلسلہ احمدیہ کے اتحاد کی خاطر نظام خلافت سے وابستہ ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے انہی دنوں قاضی محمد یوسف صاحب کے نام ۲۶ تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو ایک مکتوب میں اطلاع دی کہ

> "جو خط آج میرے نام حضرت مولوی صاحب کا آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کامل انشراح ہے۔ اور وہ اپنے دوستوں میں بھی اس بات کی کوشش فرما رہے ہیں کہ وہ ادھر کھینچے آئیں۔ مگر جیسا کہ مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں چھبیس سال کی دُوری کی وجہ سے بعض لوگوں کے ذہنوں میں ایک رنگ کی تاریکی آگئی ہے جو اب خاص کوشش سے ہی نکلے گی"

---

[۱] واوین کے الفاظ تبرکاً حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے ایک مکتوب سے اخذ کئے گئے ہیں (۲۶ تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء بنام قاضی محمد یوسف صاحب احمدیہ مسجد پشاور)۔

[۲] مکتوب حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب بنام قاضی محمد یوسف صاحب پشاور محررہ ۲۷ صلح/جنوری ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء

[۳] الفضل ۲۰ فروری/تبلیغ ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

حضرت مولوی صاحب نبوت/نومبر ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء کے آخر میں مستقل طور پر پشاور سے ہجرت کر کے قادیان آ گئے[۱] اور بالآخر یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو ساڑھے دس بجے شب انتقال کیا[۲] جیسا کہ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے حالات میں ذکر آئے گا۔

فصل دوم

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا سفر سندھ و دہلی

اس سال کے اہم واقعات میں سے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا سفر سندھ و دہلی ہے جو حضور نے شروع سال میں اختیار فرمایا۔ حضرت امیر المومنین صلح/جنوری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے آخر میں قادیان سے روانہ ہوئے اور ۲۶ صلح/جنوری کو کراچی پہنچے[۳]

۵ تبلیغ/فروری کو سندھ سے دہلی تشریف لے گئے اور آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کوٹھی میں فروکش ہوئے[۴] اور دو روزہ قیام کے بعد واپس کراچی تشریف لے آئے۔ واپسی کے وقت دہلی اسٹیشن پر دہلی اور شملہ کے بکثرت احمدی احباب (جن میں آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب، چودھری بشیر احمد صاحب سب جج، شیخ اعجاز احمد صاحب سب جج، حافظ عبد السلام صاحب امیر جماعت احمدیہ شملہ، بابو نذیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ دہلی بھی شامل تھے) مشایعت کے لئے موجود تھے۔ حضور نے سب سے مصافحہ فرمایا اور دعا کی۔[۵]

قیام کراچی کے دوران حضور کے اعزاز میں دو پُر تکلف دعوتیں دی گئیں۔ پہلی دعوت کپتان سلطان احمد

۱۔ "الفضل" ۲۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی قاضی خیل ہوتی مردان نے "تاریخ احمدیہ سرحد" میں تحریر فرمایا ہے کہ اس دفعہ آپ میری تحریک پر قادیان تشریف لے گئے تھے صفحہ ۲۹۔

۲۔ "الفضل" ۳ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۳۔ "الفضل" ۲۸ صلح/جنوری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ اس سفر میں حضرت سیدہ ام ناصر اور صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ بھی حضور کے ہمراہ تھیں۔

۴۔ "الفضل" ۸ تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۵۔ "الفضل" ۱۳ تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء

صاحب کھتانہ نے ۱۶ تبلیغ ۱۳۱۹ ہش (مطابق ۱۶ فروری ۱۹۴۰ء) کو چار بجے شام دی جن میں دوسرے بہت سے معززین شہر کے علاوہ مندرجہ ذیل احباب بھی شامل ہوئے۔

۱۔ کرنل بگم (ملک معظم جارج ششم کے طبّی مشیر)
۲۔ میجر ایس۔ دی پامر کمانڈنگ سنسر ڈیپارٹمنٹ
۳۔ مسٹر ویورٹ کارنک
۴۔ مسٹر نائیٹن ایجنٹ بجرین پٹرولیم کمپنی
۵۔ مسز نائیٹن
۶۔ مسٹر ہیلی فیکس آئی سی ایس ریٹائرڈ کمشنر
۷۔ مس کریچیٹ
۸۔ حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب ناظر بیت المال قادیان
۹۔ حضرت نواب محمد عبد اللہ خاں صاحب رض آف مالیر کوٹلہ
۱۰۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب رض (خصوصی طبی مشیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض)
۱۱۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے پرائیویٹ سکرٹری حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رض
۱۲۔ عبد الکریم صاحب آئی۔ ایم۔ ایس۔ ایم پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ کراچی
۱۳۔ محمد نواز صاحب کٹکی سیکرٹری انجمن احمدیہ کراچی
۱۴۔ الشیخ کاظم الدجیلی عراق قونصل
۱۵۔ مسٹر رؤف آفندی سیکرٹری عراق قونصل
۱۶۔ مسٹر محمد ابراہیم خاں صاحب
۱۷۔ خاں صاحب محمد اکبر خانصاحب سول سنسر آفیسر
۱۸۔ خانصاحب اللہ بخش خاں صاحب سول سنسر آفیسر
۱۹۔ لیفٹیننٹ خالد حمید سنسر آفیسر
۲۰۔ لیفٹیننٹ غلام سرور سنسر آفیسر
۲۱۔ محمد عبد اللہ صاحب بی۔ اے ایل ایل بی پریذیڈنٹ خوجہ فرقہ
۲۲۔ محمد قاسم خاں صاحب
۲۳۔ نصیر احمد صاحب کھتانہ
۲۴۔ مسٹر ڈی سوزا صاحب
۲۵۔ قریشی محمد یوسف صاحب

چائے نوشی کے بعد کپتان سلطان احمد صاحب کھتانہ نے ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں حضور نے مختصر تقریر فرمائی جس میں دوسری جنگ عظیم میں حکومت سے اہل ہند کے تعاون کی ضرورت و اہمیت واضح فرمائی۔[۱]

دوسری پارٹی ۲۹ تبلیغ/فروری کو خاں بہادر اللہ بخش صاحب وزیر اعظم سندھ کی طرف سے دی گئی مدعوین میں سر غلام حسین ہدایت اللہ صاحب وزیر قانون، پیر الٰہی بخش صاحب وزیر تعلیم، مسٹر حاتم علوی،

۱؎ "الفضل" ۲۳ تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔

مسٹر جمشید این آر مہتہ ایم ایل اے، حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحبؓ آف مالیر کوٹلہ، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب بی۔اے، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ، ملک صلاح الدین صاحب ایم اے اور عبدالکریم صاحب پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ شامل تھے۔[1]

ناصر آباد میں قیام

پارٹی کے بعد حضور معہ قافلہ کراچی سے روانہ ہوئے اور اگلے روز یکم امان/مارچ کو بذریعہ گاڑی کنجیجی پہنچے اور کنجیجی سے ناصر آباد تشریف لے گئے۔

یکم امان/مارچ کو مسجد ناصر آباد کا افتتاح کرتے ہوئے پہلی نماز جمعہ کی پڑھائی اور ایک لطیف خطبہ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

مسجد کا حق ہے کہ اُسے آباد اور صاف رکھا جائے۔اس میں بدبودار چیز کے ساتھ نہیں آنا چاہیئے اگر اس بات پر عمل کیا جائے تو ہمارے دیہات میں صفائی پیدا ہو سکتی ہے۔دیہاتی لوگ اس وقت تک بدن سے کپڑا نہیں اُتارتے جب تک پھٹ نہ جائے۔مگر عرب کے لوگ خواہ امیر ہوں یا غریب کپڑے صاف رکھتے ہیں۔اب جبکہ مسجد بن گئی ہے اس کا حق ادا کرنا چاہیئے۔ازاں بعد بتایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک نابینا صحابی (حضرت عتبان بن مالکؓ) نے اجازت چاہی تھی کہ وہ گھر میں نماز پڑھ لیا کریں۔مسجد آتے وقت ٹھوکریں لگتی ہیں۔آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا اذان کی آواز سُنائی دیتی ہے۔عرض کیا۔ہاں۔اس پر حضور نے فرمایا۔پھر گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں[2]

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضور نے فرمایا کہ

چونکہ زمینداروں کو باہر جا کر کام کرنا ہوتا ہے اس لئے انہیں وقت مقرر کر لینا چاہیئے تا اُن کے کام میں حرج نہ ہو اور وہ نماز باجماعت بھی ادا کر سکیں۔[3]

قادیان میں تشریف آوری

ناصر آباد میں چند روز قیام کے بعد حضور کنجیجی سے بذریعہ گاڑی عازم قادیان ہوئے۔گاڑی ۱۱ امان/مارچ کو ۶ بجے شام لاہور پہنچی جہاں سے بذریعہ کار پورے سات بجے روانہ ہوئے اور نو بج کر چالیس منٹ پر قادیان میں رونق افروز ہوئے۔احمدیہ چوک میں بہت

---

[1] "الفضل" ۶ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[2] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۴۳ پر حضرت عتبانؓ بن مالک کی یہ روایت درج ہے۔

[3] "الفضل ۶ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ (کچھ خفیف سے لفظی تغیر کے بعد)

سے اصحاب استقبال کے لئے جمع تھے جنہیں حضور نے شرف مصافحہ بخشا۔[1]

دوبارہ روانگی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی قادیان میں قریباً دو ماہ کے قیام کے بعد ۵ ہجرت (مئی) ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو دوبارہ کراچی تشریف لے گئے۔[2] اور ۲۵ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ½۹ بجے شب بخیریت قادیان پہنچے۔[3] اس سفر میں خاندان مسیح موعودؑ میں سے حضرت سیدہ ام متین صاحبہ، صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ، صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ، صاحبزادی امۃ العزیز بیگم صاحبہ، صاحبزادی امۃ الودود بیگم صاحبہ اور صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب اور بعض خدام و حباب میں سے حضرت مولوی فرزند علی خاں صاحب ناظر بیت المال، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ، ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے پرائیویٹ سکرٹری، منشی فتح دین صاحب، خاں میر صاحب افغان بھی حضور کے ہمرکاب تھے۔[4]

سمندر کی سیر اور عارفانہ کلام اس سفر میں حضور ایک شب کلفٹن کی سیر کے لئے بھی تشریف لے گئے جہاں سمندر کے کنارے پر چاند کا دلکش نظارہ کرتے ہوئے حضور کی توجہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مشہور شعر کی طرف منعطف ہوگئی کہ

؎ چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بیکل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

اس شعر کا خیال آتے ہی حضور پر محبوب حقیقی کی یاد میں ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور حضور کے قلب صافی سے عارفانہ کلام جاری ہوگیا۔ چنانچہ حضور خود ہی فرماتے ہیں:۔

"سمندر کے کنارے چاند کی سیر نہایت پُرلطف ہوتی ہے۔ اس سفر کراچی میں ایک دن ہم رات کو کلفٹن کی سیر کے لئے گئے۔ میری چھوٹی بیوی صدیقہ بیگم سلمہا اللہ تعالےٰ میری تینوں لڑکیاں ناصرہ بیگم سلمہا اللہ تعالےٰ، امۃ الرشید بیگم سلمہا اللہ تعالےٰ، امۃ العزیز سلمہا اللہ تعالےٰ، امۃ الودود مرحومہ اور عزیزم منصور احمد سلمہ اللہ تعالےٰ میرے ساتھ تھے۔ رات کے گیارہ بجے چاند سمندر کی لہروں میں ہلتا ہوا بہت ہی بھلا معلوم دیتا تھا اور اُوپر آسمان پہ وہ اُدھر بھی اچھا معلوم دیتا تھا۔

---

[1] "الفضل" ۱۳ / امان / مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

[2] "الفضل" ۷ / ہجرت / مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء

[3] "الفضل" ۲۸ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء

[4] "الفضل" ۷ / ہجرت / مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱

جوں جوں ریت کے ہموار کنارہ پر ہم پھرتے تھے لُطف بڑھتا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت نظر آتی تھی۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر ٹہلنے کے بعد ناصرہ بیگم سلمہا اللہ اور صدیقہ بیگم جن دونوں کی طبیعت خراب تھی تھک کر ایک طرف ان چٹائیوں پر بیٹھ گئیں جو ہم ساتھ لے گئے تھے۔ اُن کے ساتھ عزیزم منصور احمد سلمہ اللہ تعالیٰ بھی جا کھڑے ہوئے اور پھر عزیزہ امۃ العزیز سلمہا اللہ تعالیٰ بھی وہاں چلی گئی۔ اب صرف مَیں عزیزہ امۃ الرشید بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ اور عزیزہ امۃ الودود مرحومہ پانی کے کنارے پر کھڑے رہ گئے۔ میری نظر ایک بار پھر آسمان کی طرف اُٹھی اور مَیں نے چاند کو دیکھا جو رات کی تاریکی میں عجیب انداز سے اپنی چمک دکھا رہا تھا۔ اس وقت قریباً پچاس سال پہلے کی ایک رات آنکھوں میں پھر گئی جب ایک عارف باللہ محبوب ربانی نے چاند کو دیکھ کر ایک سرد آہ کھینچی تھی۔ اور پھر اس کی یاد میں دوسرے دن دُنیا کو یہ پیغام سُنایا تھا ؎

چاند کو کل دیکھ کر مَیں سخت بیکل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا

پہلے تو تھوڑی دیر مَیں یہ شعر پڑھتا رہا۔ پھر مَیں نے چاند کو مخاطب کر کے اسی جمالِ یار والے محبوب کی یاد میں کچھ شعر خود کہے" [1]

اس موقعہ پر حضور نے کل آٹھ اشعار کہے جن کو حضور نے لطیف اور پُر معارف تشریح کے ساتھ "چاند میرا چاند" کا عنوان دے کر اخبار "الفضل" (۶ وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء) میں شائع فرما دیا اور جو بعد کو "کلام محمود" میں بھی شامل کر دیئے گئے۔

بطور نمونہ حضور کے قلم سے اس پاکیزہ کلام کے دو شعر اور ان کی وضاحت درج کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"میری نظر سمندر کی لہروں پر پڑی جن میں چاند کا عکس نظر آتا تھا اور مَیں اس کے قریب ہوا۔ اور چاند کا عکس اور پرے ہو گیا۔ مَیں اور بڑھا اور عکس اور دُور ہو گیا۔ اور میرے دل میں ایک درد اُٹھا اور مَیں نے کہا۔ بالکل اسی طرح کبھی سالک سے سلوک ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے کوشش کرتا ہے مگر بظاہر اس کی کوششیں ناکامی کا مُنہ دیکھتی ہیں۔ اُس کی

[1] "الفضل" ۶ وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱-۲۔

عبادتیں، اُس کی قربانیاں ، اُس کا ذکر، اُس کی آہیں کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُس کے استقلال کا امتحان لیتا ہے اور سالک اپنی کوششوں کو بے اثر پاتا ہے۔ کئی تھوڑے دل والے مایوس ہو جاتے ہیں اور کئی ہمت والے کوشش میں لگے رہتے ہیں یہانتک کہ اُن کی مُراد پوری ہو جاتی ہے۔ مگر یہ دن بڑے ابتلاء کے دن ہوتے ہیں اور سالک کا دل ہر لحظہ مرجھایا رہتا ہے اور اس کا حوصلہ پست ہو ہو جاتا ہے۔ چونکہ چاند کے عکس کا اس طرح آگے آگے دوڑتے چلے جانے کا بہترین نظارہ کشتی میں بیٹھ کر نظر آتا ہے جو میلوں کا فاصلہ طے کرتی جاتی ہے مگر چاند کا عکس آگے ہی آگے بھاگا چلا جاتا ہے، اس لئے مَیں نے کہا ؎

بیٹھ کر جب عشق کی کشتی میں آؤں تیرے پاس
آگے آگے چاند کی مانند تُو بھاگا نہ کر

مَیں نے اس شعر کا مفہوم دونوں بچیوں کو سمجھانے کے لئے اُن سے کہا کہ آؤ ذرا میرے ساتھ سمندر کے پانی میں چلو اور مَیں انہیں لے کر کوئی پچاس ساٹھ گز سمندر کے پانی میں گیا اور مَیں نے کہا۔ دیکھو چاند کا عکس کس طرح آگے آگے بھاگا جاتا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھی بندہ کی کوششیں اللہ تعالےٰ کی ملاقات کے لئے بیکار ہو جاتی ہیں اور وہ جتنا بڑھتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور اس وقت سوائے اس کے کوئی علاج نہیں ہوتا کہ انسان اللہ تعالےٰ ہی سے رحم کی درخواست کرے اور اسی کے کرم کو چاہے تاکہ وہ اس ابتلاء کے سلسلہ کو بند کر دے اور اپنی ملاقات کا شرف اُسے عطا کرے۔

اس کے بعد میری نظر چاند کی روشنی پر پڑی۔ کچھ اَور لوگ اس وقت کہ رات کے بارہ بجے تھے سَیر کے لئے سمندر پر آ گئے۔ ہوا تیز چل رہی تھی۔ لڑکیوں کے بُرقعوں کی ٹوپیاں ہوا سے اُڑی جا رہی تھیں۔ اور وہ زور سے اُن کو پکڑ کر اپنی جگہ پر رکھ رہی تھیں۔ وہ لوگ گو ہم سے دُور تھے مگر مَیں لڑکیوں کو لے کر اَور دُور ہو گیا اور مجھے خیال آیا کہ چاند کی روشنی جہاں دلکشی کے سامان رکھتی ہے وہاں پردہ بھی اُٹھا دیتی ہے اور میرا خیال اس طرف گیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کبھی بندہ کی کمزوریوں کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں اور دشمن انہیں دیکھ کر ہنستا ہے اور مَیں نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا ؎

اے شعاعِ نور یُوں ظاہر نہ کر میرے عیوب
غیر ہیں چاروں طرف اُن میں مجھے رسوا نہ کر"[1]

---

[1] "الفضل" ۶ر وفا/جولائی ۱۹۴۰ء ۱۳۱۹ ہش صفحہ ۱ - ۲ ۞

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تقریر بمبئی ریڈیو اسٹیشن سے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن بمبئی کے کارپردازوں کی خواہش پر "میں اسلام کو کیوں مانتا ہوں" کے عنوان سے ایک اُردو تقریر لکھی جو ۱۹؍تبلیغ/ فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ساڑھے آٹھ بجے شام بمبئی نمبر ا کے براڈکاسٹنگ اسٹیشن سے نشر کی گئی۔ ریڈیو والوں نے تقریر سے قبل اور بعد یہ معذرت کی۔ کہ بعض مجبوریوں کے باعث حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کی زبان مبارک سے ہم یہ تقریر نہیں سُنا سکے بلکہ دوسرے شخص کو پڑھنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

قادیان میں حضور کی تقریر سُننے کے لئے میاں عبدالغفور خاں صاحب پٹھان نے نظارت تعلیم و تربیت کی اجازت سے اپنا ریڈیو سیٹ لگا دیا۔ جہاں مردوں اور عورتوں نے تقریر سُنی۔ مستورات کے لئے پردہ کا الگ انتظام موجود تھا۔[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی لطیف تقریر کے شروع میں بتلایا کہ

"چونکہ مَیں خدا تعالیٰ کے فضل سے ان صاحب تجربہ لوگوں میں سے ہوں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود کو متعدد بار اور خارق عادت طور پر ظاہر کیا۔ اس لئے میرے لئے اس سے بڑھ کر کہ مَیں نے اسلام کی سچائی کو خود تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔"

اس تمہید کے بعد حضور نے اُن لوگوں کے لئے جنہیں یہ تجربہ حاصل نہیں ہوا۔ اسلام کے دینِ حق ہونے پر پانچ بنیادی دلائل دیئے جو حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

"**اوّل**۔ مَیں اسلام پر اس لئے یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان تمام مسائل کو جن کا مجموعہ مذہب کہلاتا ہے، مجھ سے زبردستی نہیں منواتا۔ بلکہ ہر امر کے لئے دلیل دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا وجود، اُس کی صفات، فرشتے، دُعا اور اس کا اثر، قضاء و قدر اور اس کا دائرہ، عبادت اور اس کی ضرورت، شریعت اور اس کا فائدہ، الہام اور اس کی اہمیت، بعث مابعد الموت، جنّت، دوزخ، ان میں سے کوئی امر بھی ایسا نہیں جس کے متعلق اسلام نے تفصیلی تعلیم نہیں دی۔ اور جسے عقلِ انسانی کی تسلّی کے لئے زبردست دلائل کے ساتھ ثابت نہیں کیا۔ پس اس نے مجھے ایک مذہب ہی نہیں دیا بلکہ ایک یقینی علم بخشا ہے جس سے کہ میری عقل کو تسکین حاصل ہوتی ہے اور وہ مذہب کی ضرورت کو مان لیتی ہے۔

[1] "الفضل" ۲۱؍تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

دوم۔ مَیں اسلام پر اس لئے یقین رکھتا ہوں کہ اسلام صرف قصّوں پر اپنے دعویٰ کی بنیاد نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ ہر شخص کو تجربہ کی دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہر سچائی کسی نہ کسی رنگ میں اسی دُنیا میں پرکھی جا سکتی ہے اور اس طرح وہ میرے دل کو اطمینان بخشتا ہے۔

سوم۔ مَیں اسلام پر اس لئے یقین رکھتا ہوں کہ اسلام مجھے یہ سبق دیتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کے کام میں اختلاف نہیں ہوتا اور وہ مجھے سائنس اور مذہب کے جھگڑوں سے آزاد کر دیتا ہے۔ وہ مجھے یہ نہیں سکھاتا کہ مَیں قوانینِ قدرت کو نظر انداز کر دُوں اور ان کے خلاف باتوں پر یقین رکھوں۔ بلکہ وہ مجھے قوانینِ قدرت پر غور کرنے اور اُن سے فائدہ اُٹھانے کی تعلیم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ چونکہ کلام نازل کرنے والا بھی خدا ہے اور دُنیا کو پیدا کرنے والا بھی خدا ہے اس لئے اس کے فعل اور اس کے قول میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ پس چاہیئے کہ تُو اس کے کلام کو سمجھنے کے لئے اس کے فعل کو دیکھ اور اس کے فعل کو سمجھنے کے لئے اس کے قول کو دیکھ۔ اور اس طرح اسلام میری قوتِ فکریہ کو تسکین بخشتا ہے۔

چہارم۔ مَیں اسلام پر اِس لئے یقین رکھتا ہوں کہ وہ میرے جذبات کو کچلتا نہیں بلکہ ان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ وہ نہ تو میرے جذبات کو مار کر میری انسانیت کو جمادیت سے تبدیل کر دیتا ہے اور نہ جذبات اور خواہشات کو بے قید چھوڑ کر مجھے حیوان کے مرتبہ پر گرا دیتا ہے۔ بلکہ جس طرح ایک ماہر انجنیئر آزاد پانیوں کو قید کر کے نہروں میں تبدیل کر دیتا ہے اور بنجر علاقوں کو سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے اسی طرح اسلام بھی میرے جذبات اور میری خواہشات کو مناسب قیود کے ساتھ اعلیٰ اخلاق میں تبدیل کر دیتا ہے۔ وہ مجھے یہ نہیں کہتا کہ خدا تعالیٰ نے تجھے محبت کرنے والا دل تو دیا ہے مگر ایک رفیقِ زندگی کے اختیار کرنے سے منع کیا ہے، یا کھانے کے لئے زبان میں لذّت اور دل میں خواہش تو پیدا کی ہے مگر عمدہ کھانوں کو تجھ پر حرام کر دیا ہے۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ تو محبت کر مگر پاک محبت اور جائز محبت جو تیری نسل کے ذریعہ سے تیرے پاک ارادوں کو ہمیشہ کے لئے دُنیا میں محفوظ کر دے اور تُو بے شک اچھے کھانے کھا مگر حدّ کے اندر رہ کر۔ تا ایسا نہ ہو کہ تُو تو کھائے مگر تیرا ہمسایہ بُھوکا رہے۔ غرض وہ تمام طبعی تقاضوں کو مناسب قیود کے ساتھ طبعی تقاضوں کی حد سے نکال کر اعلیٰ اخلاق میں داخل کر دیتا ہے اور میری انسانیت کی تسکین کا موجب ہوتا ہے۔

پنجم:۔ پھر مَیں اسلام پر اس لئے یقین رکھتا ہوں کہ اس نے نہ صرف مجھ سے بلکہ سب دُنیا ہی سے انصاف بلکہ محبّت کا معاملہ کیا ہے۔ اس نے مجھے اپنے نفس کے حقوق ادا کرنے ہی کا سبق نہیں دیا بلکہ اس نے مجھے دُنیا کی ہر چیز سے انصاف کی تلقین کی ہے اور اس کے لئے میری مناسب رہنمائی کی ہے۔ اس نے اگر ایک طرف ماں باپ کے حقوق بتائے ہیں اور اولاد کو اُن سے نیک سلوک کرنے بلکہ انہیں اپنے ورثہ میں حصہ دار قرار دینے کی تعلیم دی ہے تو دوسری طرف انہیں بھی اولاد سے نیک سلوک کرنے، انہیں تعلیم دلانے، اعلیٰ تربیت کرنے، اچھے اخلاق سکھانے اور ان کی صحت کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے اور انہیں اپنے والدین کا ایک خاص حد تک وارث قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس نے میاں بیوی کے درمیان بہترین تعلقات قائم کرنے کے لئے احکام دیئے ہیں۔ اور انہیں آپس میں نیک سلوک کرنے اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ وہ کیا ہی زرّین فقرہ ہے جو اس بارے میں بانیٔ اسلام نے فرمایا ہے کہ وہ شخص کس طرح انسانی فطرت کے حُسن کو بھُول جاتا ہے جو دن کو اپنی بیوی کو مارتا اور رات کو اس سے پیار کرتا ہے۔ اور فرمایا تم میں سے بہتر اخلاق والا وہ شخص ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ اور پھر فرمایا۔ عورت شیشہ کی طرح نازک مزاج ہوتی ہے۔ تم جس طرح نازک شیشہ کو استعمال کرتے ہوئے احتیاط کرتے ہو اسی طرح عورتوں سے معاملہ کرتے ہوئے احتیاط سے کام لیا کرو۔

پھر اس نے لڑکیوں کے حقوق کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ انہیں تعلیم دلانے پر خاص زور دیا ہے۔ اور فرمایا ہے جو اپنی لڑکی کو اچھی تعلیم دیتا ہے اور اس کی اچھی تربیت کرتا ہے۔ اس کے لئے جنّت واجب ہو گئی۔ اور وہ لڑکیوں کو بھی ماں باپ کی جائیداد کا وارث قرار دیتا ہے۔

پھر اس نے حکّام سے بھی انصاف کیا ہے اور رعایا سے بھی۔ وہ حاکموں سے کہتا ہے کہ حکومت تمہاری جائیداد نہیں بلکہ ایک امانت ہے۔ پس تم ایک شریف آدمی کی طرح اس امانت کو پُوری طرح ادا کرنے کا خیال رکھو۔ اور رعایا کے مشورہ سے کام کیا کرو۔ اور رعایا سے کہتا ہے کہ حکومت خدا تعالیٰ نے ایک نعمت کے طور پر تم کو دی ہے۔ اپنے حاکم انہیں چُنو جو حکومت کرنے کے اہل ہوں۔ اور پھر اُن لوگوں کا انتخاب کر کے اُن سے پُورا تعاون کرو۔ اور بغاوت نہ کرو۔ کیونکہ اس طرح تم اپنا گھر بنا کر اپنے ہی ہاتھوں اس کو برباد کرتے ہو۔

اور اس نے مالک اور مزدور کے حقوق کا بھی انصاف سے فیصلہ کیا ہے۔ وہ مالک سے کہتا ہے کہ جب تُو کسی کو مزدوری پر لگائے تو اُس کا حق پُورا دے اور اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری ادا کر۔ اور جو تیرا دستِ نگر ہو، اُسے ذلیل مت سمجھ کیونکہ وہ تیرا بھائی ہے جس کی نگرانی اللہ تعالیٰ نے تیرے ذمّہ لگائی ہے اور اُسے تیری تقویت کا مُوجب بنایا ہے۔ پس تُو اپنی طاقت کو نادانی سے آپ ہی نہ توڑ۔ اور مزدور سے کہا ہے کہ جب تو کسی کا کام اُجرت پر کرتا ہے تو اس کا حق دیانتداری سے ادا کر اور سُستی اور غفلت سے کام نہ لے۔

اور وہ جسمانی صحت اور طاقت کے مالکوں سے کہتا ہے کہ کمزوروں پر ظُلم نہ کرو اور جسمانی نقص والوں پر ہنسو نہیں۔ بلکہ شرافت یہ ہے کہ تیرے ہمسایہ کی کمزوری تیرے رحم کو اُبھارے نہ کہ تجھے اس پر ہنسائے۔

اور وہ امیروں سے کہتا ہے کہ غریبوں کا خیال رکھو اور اپنے مالوں میں سے چالیسواں حصہ ہر سال حکومت کو دو تا وہ اُسے غرباء کی ترقی کے لئے خرچ کرے۔ اور جب کوئی غریب تکلیف میں ہو تو اُسے سُود پر روپیہ دے کر اس کی مشکلات کو بڑھاؤ نہیں بلکہ اپنے اموال سے اس کی مدد کرو کیونکہ اس نے تمہیں دولت اس لئے نہیں دی کہ تم عیّاشی کی زندگی بسر کرو بلکہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے دُنیا کی ترقی میں حصہ لے کر اپنے لئے ثوابِ دارین کماؤ۔ مگر وہ غریب سے بھی کہتا ہے کہ اپنے سے امیر کے مال پر لالچ اور حرص سے نگاہ نہ ڈال کہ یہ تیرے دل کو سیاہ کر دیتا ہے اور صحیح قوتوں کے حصول سے محروم کر دیتا ہے بلکہ تم خدا تعالےٰ کی مدد سے اپنے اندر وہ قوتیں پیدا کرو جن سے تم کو بھی ہر قسم کی ترقی حاصل ہو۔ اور حکومت کو ہدایت دیتا ہے کہ غرباء کی اس جد وجہد میں اُن کی مدد کرے۔ اور ایسا نہ ہونے دے کہ مال اور طاقت صرف چند ہاتھوں میں محدود ہو جائے۔

اور وہ ان لوگوں سے جن کے باپ دادوں نے کوئی بڑا کام کر کے عزت حاصل کر لی تھی جس سے ان کی اولاد بھی لوگوں میں معزز ہو گئی، کہتا ہے کہ تمہارے باپ دادوں کو اچھے کاموں سے عزت ملی تھی، تم بھی اچھے کاموں سے اس عزّت کو قائم رکھو اور دوسری قوموں کو ذلیل اور ادنیٰ نہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے سب انسانوں کو برابر بنایا ہے۔ اور یاد رکھو کہ جس خدا نے تمہیں عزّت دی ہے وہ اس دوسری قوم کو بھی عزّت دے سکتا ہے۔ پس اگر تم نے ان پر ظلم کیا تو کل کو وہ قوم تم پر ظُلم

کرے گی۔ سو دوسروں پر بڑائی جتا کر فخر نہ کرو بلکہ دوسروں کو بڑا بنا کر فخر کرو۔ کیونکہ بڑا وہی ہے جو اپنے گرے ہوئے بھائی کو اُٹھاتا ہے۔

اور وہ کہتا ہے کہ کوئی مُلک دوسرے ملک سے اور کوئی قوم دوسری قوم سے دشمنی نہ کرے۔ اور ایک دوسرے کا حق نہ مارے بلکہ سب مِل کر دُنیا کی ترقی کے لئے کوشش کریں۔ اور ایسا نہ ہو کہ بعض قومیں اور ملک اور افراد آپس میں مل کر بعض دوسری قوموں اور ملکوں اور افراد کے خلاف منصوبہ کریں۔ بلکہ یوں ہو کہ قومیں اور ملک اور افراد آپس میں یہ معاہدے کریں کہ وہ ایک دوسرے کو ظُلم سے روکیں گے اور دوسرے ملکوں اور قوموں اور افراد کو اُبھاریں گے۔"[1]

حضور نے اسلام کی حقانیت پر مندرجہ بالا دلائل دینے کے بعد آخر میں فرمایا:۔

"غرض مَیں دیکھتا ہوں کہ اس دنیا کے پردہ پر مَیں اور میرے پیارے کوئی بھی ہوں، کیا ہوں، اور کچھ بھی ہوں، اسلام ہمارے لئے امن اور آرام کے سامان پیدا کرتا ہے۔ مَیں اپنے آپ کو جس پوزیشن میں بھی رکھ کر دیکھتا ہوں، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیم کی وجہ سے مَیں اس پوزیشن میں ہوتے ہوئے بھی ترقی اور کامیابی کی راہوں سے محروم نہیں ہو جاتا۔ پس چونکہ میرا نفس کہتا ہے کہ اسلام میرے لئے اور میرے عزیزوں کے لئے اور میرے ہمسایوں کے لئے اور اس اجنبی کے لئے جسے مَیں جانتا تک نہیں، اور عورتوں کے لئے اور مردوں کے لئے اور بزرگوں کے لئے اور خوردوں کے لئے، اور غریبوں کے لئے اور امیروں کے لئے، اور بڑی قوموں کے لئے اور ادنیٰ قوموں کے لئے اور ان کے لئے بھی جو اتحادِ اُمم چاہتے ہیں اور حُبّ الوطنی میں سرشاروں کے لئے بھی یکساں مفید اور کارآمد ہے۔ اور میرے اور میرے خدا کے درمیان یقینی رابطہ اور اتحاد پیدا کرتا ہے۔ پس مَیں اس پر یقین رکھتا ہوں اور ایسی چیز کو چھوڑ کر اور کسی چیز کو مَیں مان بھی کیونکر سکتا ہوں"[2]

لیکچر کی اشاعت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا یہ لیکچر "WHY I BELIEVE IN ISLAM" (مَیں اسلام کو کیوں مانتا ہوں) کے نام سے پہلی بار صیغہ نشر و اشاعت قادیان نے وزیر ہند پریس امرتسر سے طبع کرا کے شائع کیا تھا۔

---

[1] "ریویو آف ریلیجنز" امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۷ تا ۳۱

[2] "   " صفحہ ۳۱

نواب بہادر یار جنگ اور جماعت احمدیہ

نواب بہادر یار جنگ کل ہند شہرت کے ممتاز قائد، مملکت حیدر آباد کی واحد نمائندہ مسلم سیاسی جماعت انجمن "اتحاد المسلمین" کے صدر ہونے کے علاوہ آل انڈیا مسلم لیگ کی شاخ کل ہند ریاستی مسلم لیگ کے صدر بھی تھے اور "لسان الامت" کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ آپ قائداعظم محمد علی جناح کے بہترین اور بے تکلف دوستوں اور گہرے رفقاء میں سے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی نظر میں اُن کی شخصیت کتنی بلند پایہ تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگ سکتا ہے کہ ایک بار نظام حیدر آباد دکن نے قائداعظم سے ایک ملاقات کے دوران کہا کہ "بہادر یار جنگ حیدر آباد کے ایک جاگیردار اور جمعدار ہیں۔ مَیں انہیں شہر بدر کر سکتا ہوں، انہیں سزا دے سکتا ہوں" قائداعظم نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

"کیا مَیں اسے آپ کا چیلنج سمجھوں؟ اگر یہ واقعہ ہے تو مَیں اسے اپنے اور مسلمانانِ ہند کی طرف سے قبول کرتا ہوں۔ میں اسے جانتا ہوں کہ یہاں بہادر یار جنگ کی وہی حیثیت ہے جس کی آپنے ابھی توضیح کی ہے لیکن اس کے سوا بھی ایک مقام ہے جس پر آپ نے غور نہیں کیا۔ وہ نہ صرف حیدر آباد بلکہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے رہنما سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق جو کچھ بھی ہوگا اسے لازماً سارے مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر محسوس کریں گے۔ پھر مَیں جانتا ہوں کہ جاگیر اور منصب سے زیادہ انہیں قوم کی عظمت اور خود آپ کی سلامتی عزیز ہے تاکہ حیدر آبادی مسلمان اقلیت کی زد میں نہ آجائیں۔ آپ سے جو کچھ کہا گیا ہے وہ نتیجہ ہے اس سازش کا جو حیدر آباد میں قومی تحریک کو کچلنے کے لئے کی جا رہی ہے۔" [۱]

تحریک پاکستان کو برطانوی ہند کے طول وعرض میں پھیلانے اور مقبول بنانے میں قائداعظم کے دوش بدوش جن زعمائے مسلم لیگ نے نمایاں حصہ لیا، ان میں نواب بہادر یار جنگ مسلمہ طور پر صفِ اوّل میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ جون ۱۹۴۴ء (احسان ۱۳۲۳ہش) میں آپ نے انتقال کیا۔ جس پر قائداعظم نے فرمایا کہ ریاستی مسلم لیگ کے صدر کا انتقال نہیں ہوا بلکہ میرا ایک بازو ٹوٹ گیا ہے۔[۲]

---

[۱] کتاب "قائداعظم میری نظر میں" صفحہ ۲۱۲-۲۱۳۔

[۲] رسالہ "نقوش" (لاہور) خطوط نمبر ۲ صفحہ ۲۸۱۔ جموں کے ممتاز لیڈر چودھری غلام عباس صاحب نے اپنی کتاب "کشمکش" میں لکھا ہے کہ جن دنوں نواب بہادر یار جنگ کی وفات ہوئی قائداعظم سرینگر میں فروکش تھے۔ مَیں نے نواب صاحب کی وفات کے المناک حادثہ کی اطلاع دی تو پانچ منٹ کے بعد قائداعظم نے فرمایا کہ غالباً پہلی دفعہ مجھے کسی کی موت سے اتنا شدید صدمہ ہوا ہے پھر نواب صاحب کی خوبیاں بیان کیں۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد مرحوم کی بیگم کو بذریعہ تار پیغام تعزیت بھجوایا"
("کشمکش" صفحہ ۲۴۷ ناشر اردو اکیڈیمی لوہاری دروازہ لاہور)

نواب صاحب کے تاثرات حضرت مصلح موعودؓ کی ذاتِ مبارک کے متعلق

نواب بہادر یار جنگ کو جہاں مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان سے از حد محبت تھی وہاں آپ جماعت احمدیہ کی اسلامی تنظیم اور اسلامی خدمات سے سے نہایت درجہ متاثر اور حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے از حد مداح تھے۔ چنانچہ جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآبادی کا بیان ہے کہ

"حضرت مصلح موعود کی آمد حیدرآباد (اکتوبر ۱۹۳۸ء) کے موقع پر نواب بہادر یار جنگ بہادر الہ دین بلڈنگ سکندرآباد پر جہاں حضور فروکش تھے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ اور اس موقع پر مسلمانان حیدرآباد کے مسائل پر حضور نے تخلیہ میں طویل گفتگو کی تھی . . . . نواب بہادر یار جنگ بہادر مجلس اتحاد المسلمین مملکت اسلامیہ آصفیہ کے صدر رہے تھے۔ ان کے طویل دورِ صدارت میں راقم الحروف ان کی مجلس عاملہ کا سینئر رکن تھا۔ کئی مرتبہ اپنی مجلس عاملہ کے اجلاسوں میں انہوں نے اپنے اِس خیال کا اظہار کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں دو شخصیتوں کی سیاسی بصیرت اور اعلیٰ دماغی صلاحیتوں سے متاثر تھے۔ ایک "حضرت امام جماعت احمدیہ" کی دوسری قائد اعظم محمد علی جناح کی۔ ان کے اس بیان اور تاثر کے گواہ پاکستان میں اُن کے اور میرے قدیم ساتھی اور دوست اور اتحاد المسلمین کی مجلس عاملہ کے رکن احمد عبداللہ المسدوسی مصنف "مذاہب عالم" اور "افریقہ۔ ایک چیلنج" وغیرہ ہیں۔ حال میں مجھ سے مسدوسی صاحب نے حضرت مصلح موعود کی وفات پر نواب بہادر یار جنگ کے مذکورہ بالا تاثر کا ذکر کیا تھا۔ ان کے ذہن میں حضور کے نام کے ساتھ دوسرا نام مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی کا تھا۔ بہرحال میری اور ان کی یادداشت میں حضرت امیر المومنین کا نام مشترک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نواب صاحب نے کسی موقعہ پر مفتی اعظم فلسطین کا بھی نام لیا ہو"[۱]

سیٹھ صاحب مزید لکھتے ہیں کہ

"مَیں نے اپنی توضیح میں اس امر کا ذکر کیا تھا کہ نواب بہادر یار جنگ نے کئی مرتبہ اس امر کا ذکر کیا تھا کہ وہ دو اصحاب کی سیاسی بصیرت اور اعلیٰ دماغی صلاحیت سے متاثر تھے۔ ایک حضرت امام جماعت احمدیہ اور دوسری قائد اعظم محمد علی جناح کی ذات۔ حُسنِ اتفاق سے ۲۰ مئی کو مولوی محمد لقمان

---

[۱] مکتوب جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآبادی (بنام مؤلف "تاریخ احمدیت") مرقومہ ۱۹ ہجرت/مئی ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء از سی/۲/۴ ہوزنگ کالونی اسکندر آباد (ضلع میانوالی)۔

صاحب پریذیڈنٹ جماعت ۷،۷ گ۔ب تحصیل وضلع لائل پور جو تقریباً دس سال غالباً ۳۴-۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۴ء تک حیدر آباد میں مقیم رہے تھے مجھ سے ملنے یہاں اسکندر آباد[1] آئے تھے۔ ان کے قیام حیدر آباد کے زمانے کی باتیں چل نکلیں۔ انہوں نے بغیر میرے ذکر کرنے کے خود کہا کہ وہ ایک مرتبہ نواب بہادر یار جنگ سے ملے تھے اور اس موقعہ پر نواب صاحب موصوف نے ان سے وہی بات کہی تھی جو میں نے اپنے بیان میں کہی ہے۔ دوسری بات جو مولوی صاحب موصوف نے بیان کی وہ یہ تھی کہ نواب صاحب موصوف نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی تقریر "سیر روحانی"[2] کے تعلق میں ان سے کہا تھا کہ وہ اس تقریر سے اس قدر متاثر تھے کہ اس کو انہوں نے تین دفعہ پڑھا تھا۔

. . . . نواب صاحب موصوف نے غالباً فروری یا مارچ ۱۹۳۹ء میں دہلی میں سر محمد یعقوب کی ایک دعوت میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی زبانی اس تقریر کا خلاصہ سُنا تھا چنانچہ حیدر آباد واپس آن کر ایک علمی صحبت میں بہت تفصیل کے ساتھ انہوں نے یہ خلاصہ سُنایا تھا (نواب صاحب کا حافظہ ایسا تھا کہ وہ کسی کی گفتگو یا تقریر کو تقریباً لفظ بلفظ سُنا دیا کرتے تھے۔ خود اُن کی اپنی جو تقریریں شائع شدہ ہیں وہ تقریر کے بعد انہوں نے لفظ بلفظ لکھوائی تھیں . . .) حضرت مصلح موعودؓ کی یہ تقریر "سیر روحانی" جب شائع ہوئی تو محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اس کی ایک جلد جس پر انہوں نے نواب صاحب کا نام اور اپنے دستخط فرمائے تھے میرے ذریعے نواب صاحب کو بھجوائی تھی اور نواب صاحب اس کے مطالعہ کے بعد اکثر اپنی مجلسوں میں اس پر بڑے تعریفی کلمات کہا کرتے تھے"[3]

جماعت احمدیہ سے گہرے روابط

نواب بہادر یار جنگ کے جماعت احمدیہ سے مراسم کا یہ عالم تھا کہ پروفیسر الیاس برنی (ولادت ۱۸۹۲ء — وفات ۱۹۵۸ء) نے ۲۲ تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو شاہ حسین میاں پھلواری شریف کے نام ایک خط میں نواب صاحب اور جماعت احمدیہ کے تعلقات پر بڑی تشویش و اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:۔

---

[1] (ضلع میانوالی)۔

[2] اس کا تذکرہ جلد ہشتم میں ہو چکا ہے۔

[3] مکتوب سیٹھ محمد اعظم صاحب (بنام مؤلف "تاریخ احمدیت") محررہ ۲۵ ہجرت/مئی ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء سی/۴۲ ہوزنگ کالونی اسکندر آباد ضلع میانوالی۔

"یہاں مہدویوں[۱] کی اچھی خاصی جماعت ہے جس میں نواب بہادر یار جنگ بھی شامل ہیں۔ یہ جماعت حضرت سید محمد جونپوری کو مہدی مانتی ہے اور اگرچہ شاید صریحاً ان کو نبی نہیں کہتی تاہم عقیدۃً اُن کو رسول اللہ کے ہم پلہ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مانتی ہے اور اپنے طرز پر تاویلات کرتی ہے۔ قادیانیوں سے ملتے جلتے عقائد ہیں۔ البتہ عقاید کی عام اشاعت نہیں کی جاتی بلکہ ایک حد تک عقائد مخفی رکھے جاتے ہیں . . . . . چونکہ نواب بہادر یار جنگ مسلمانوں کی سیاسیات میں شامل ہو گئے ہیں اور نمایاں حصہ لے رہے ہیں مسلمانوں نے بھی تفریق کو نظر انداز کر دیا اور اُن کو اپنا سرگروہ بنا لیا۔ مولوی ابوالحسن سید علی صاحب کا بھی یہی معاملہ ہے۔ مسلمانوں میں لیڈر مانے جاتے ہیں اور ہر دلعزیز ہیں۔ جب سے قادیانیوں کا بھانڈا پھوٹا، وہ دینیات، اسلامیات اور سیاسیات میں بہت نامور ہو گئے۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں کے علی الرغم نواب بہادر یار جنگ قادیانیوں سے میل جول بڑھا رہے ہیں بلکہ واقف لوگ ساز باز کا شبہ کرتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو رہی ہے توجہ بھی دلائی گئی مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ خدا کرے آئندہ سمجھ آئے۔ میں تو سیاسیات سے الگ تھلگ رہتا ہوں۔ تاہم میرا جو علم تھا آپ کو لکھ دیا۔ لیکن یہ بات آپ ہی تک رہے باہر نہ جائے . . . . اپنے اثرات اور مسلمانوں کی عدم توجہی سے فائدہ اُٹھا کر اسی جماعت نے سرکار کی جنتری میں حضرت سید محمد جونپوری کی تعطیل میں لفظ "میلاد شریف" درج کرا لیا . . . . علیٰ ہذا جو نظم رسول اللہ کی توصیف میں لکھی جاتی ہے وہ نعت کہلاتی ہے لیکن مہدوی لوگ سید محمد جونپوری کی منظوم توصیف کو بھی نعت کہتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کی اصطلاح میں ایسی نظمیں منقبت کہلاتی ہیں۔"[۲][۳]

---

[۱] فرقہ مہدویہ کے تفصیلی حالات و عقائد کے لئے ملاحظہ ہو "رود کوثر" صفحہ ۱۹ تا ۲۹ مرتبہ جناب شیخ محمد اکرام صاحب ایم۔اے شائع کردہ فیروز سنز لاہور۔

[۲] اس مراسلہ سے یہ بات بھی پوری طرح واضح ہے کہ تحریک پاکستان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز اس میں مضمر تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی زبردست ذہانت اور فراست سے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر ہر قسم کے نقطۂ خیال رکھنے والے مسلمانوں کو جمع کر دیا تھا اور آپ سیاسیات کے میدان میں اختلاف عقائد کا لحاظ نہیں کرتے تھے اور ہر مسلمان کہلانے والے کو مسلم لیگ کے سٹیج پر آکر کام کرنے کا موقعہ دیتے تھے۔

[۳] رسالہ "نقوش" لاہور خطوط نمبر ا صفحہ ۴۸۰۔

مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں شرکت کے بعد قادیان میں آمد

۲۱-۲۲-۲۳ امان/ مارچ ۱۳۱۹ہش/ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں مسلم لیگ کا وہ تاریخی اجلاس منعقد ہوا جس میں قرارداد پاکستان پاس کی گئی۔ اس اجلاس میں شرکت کے لئے نواب بہادر یار جنگ ۱۸ امان/ مارچ ۱۳۱۹ہش/ ۱۹۴۰ء کو حیدر آباد سے عازم لاہور ہوئے۔ آپ کے ساتھ مسٹر سید احمد محی الدین ایڈیٹر رہبر دکن، مسٹر ابوالحسن سید علی (مجلس اتحاد المسلمین)، مولانا سید بادشاہ حسین صاحب (سیکرٹری مجلس علمائے دکن) بھی تھے۔[۵۱]

مسلم لیگ کے اجلاس میں سرگرم حصہ لینے اور دوسری متعدد مجالس سے پُر اثر خطاب[۵۲] کرنے کے بعد حیدر آباد واپس جاتے ہوئے آپ قادیان بھی تشریف لے گئے جہاں چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کوٹھی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے مفصل ملاقات ہوئی۔ جس میں چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے علاوہ سیٹھ محمد اعظم صاحب بھی موجود تھے۔ اس اہم ملاقات کے علاوہ آپ نے مرکز احمدیت کے اداروں اور تنظیم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ اور اپنے تاثرات اپنے قلم سے لکھ کر شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مدیر "الحکم" کو ارسال فرمائے جو اُن کی کتاب "مرکز احمدیت قادیان" کے آخری صفحات میں طبع شدہ ہیں۔

نواب صاحب کے تاثرات قادیان کے متعلق

نواب بہادر یار جنگ صاحب نے اپنے تاثرات میں لکھا کہ

"مارچ ۱۹۴۰ء کے اواخر میں لاہور مسلمانانِ ہند کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ وہاں آل انڈیا مُسلم لیگ کا وہ اہم اجلاس منعقد ہو رہا تھا جس نے ہندوستان کی سیاسیات میں ایک نئے باب کو کھولا۔ دوسرے اس لئے کہ خاکساروں کی جماعت پر حکومت پنجاب کی بے دردانہ آتشباری نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو آتش زیر پا کر دیا تھا۔ اجلاس مسلم لیگ کے اختتام پر میری تمام تر توجہ خاکساروں کے مسئلہ پر مرکوز تھی۔ اسی سلسلہ میں ضرورت پیش آئی کہ مَیں اپنے کرم فرما چوہدری سر ظفر اللہ خاں صاحب سے ملاقات کروں جو اس زمانہ میں وائسرائے

---

۵۱ روزنامہ "انقلاب" لاہور ۲۰ مارچ ۱۹۴۰ء۔

۵۲ ملاحظہ ہو کتاب "انجمن" (مؤلفہ فقیر سید وحید الدین مرحوم) ناشر لائن آرٹ پریس (کراچی) لمیٹڈ فریئر روڈ کراچی طبع اوّل اپریل ۱۹۶۶ء۔

کی مجلس وزراء کے اہم ترین رکن تھے اس لئے . . . مارچ ۱۹۴۷ء میں چند گھنٹوں کے لئے قادیان گیا جہاں چوہدری صاحب مقیم تھے۔ گو میں نے قادیان میں چند گھنٹے بسر کئے لیکن ان چند گھنٹوں کی یاد ابھی تک باقی ہے۔

اسٹیشن پر میرے قدیم کرمفرما مولوی عبدالرحیم صاحب نیر اور مولوی محمد اعظم صاحب نے استقبال کیا۔ مولوی عبدالرحیم صاحب نیر جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے کئی سال تک حیدرآباد میں مقیم رہے ہیں۔ اور ان چند اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے مجلس اتحادالمسلمین حیدرآباد کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اور مولوی محمد اعظم صاحب حیدرآباد کی مشہور دوکان محمد اعظم معین الدین کے مالک اور مجلس اتحادالمسلمین کی مجلس عاملہ کے قدیم ترین رکن اور میرے رفیق کار ہیں اور ان چند نوجوانوں میں سے ہیں جن کی رفاقت پر میں فخر کرتا ہوں۔ ان دونوں حضرات نے زوالِ آفتاب تک مجھے قادیان کی ایک ایک گلی میں گھمایا اور جماعت احمدیہ کے ایک ایک ادارہ کی سیر کرائی۔

قادیان پنجاب کے ضلع گورداسپور کی ایک چھوٹی سی آبادی ہے لیکن جماعت کا مرکز ہونے کی وجہ سے آج اس کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ ہر سال ماہ دسمبر میں وہاں اس جماعت کے متوسلین کا کثیر اجتماع ہوتا ہے جس کی خصوصیت مرزا غلام احمد صاحب کے جانشین مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کا خطبہ ہے۔ ان خطبات کو احمدی عقائد سے اپنے کامل اختلاف کے باوجود میں التزاماً پڑھا کرتا ہوں۔ تمام ہندوستان کے احمدیوں کی نمائندگی کا دوسرا اجتماع ہر سال ایسٹر کی تعطیلات میں ہوا کرتا ہے جس کو یہ لوگ اپنا بجٹ سشن کہتے ہیں۔ اتفاق سے میں اسی زمانہ میں قادیان پہنچا تھا اور ان نمائندوں میں سے بعض سے مجھے ملاقات کا موقعہ ملا۔

احمدی جماعت کو اپنی بقا و استحکام کے لئے جن شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے قدرتاً ان میں ایک مکمل تنظیم پیدا کر دی ہے۔ اور چونکہ کوئی تنظیم ایثار کے بغیر نہیں پیدا ہو سکتی۔ اس لئے میں قادیان کے تمام اداروں کے تفصیلی معائنہ کے بعد یہ یقین رکھتا ہوں کہ اس جماعت کے پیرو اپنے اندر اطاعت امیر اور ایثار کے حقیقی جذبات رکھتے ہیں۔

قادیان کا مدرسۃ العلوم، عربی کی درسگاہ، دارالاقامۃ، دارالاشاعت، بین الاقوامی تبلیغ کا مرکز، نوجوان فدائیانِ احمدیت کا تنظیمی ادارہ، مہمان خانہ، میرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب امیر جماعت

کا دفتر، یہانتک کہ قبرستان، ان میں سے ہر ایک اپنی باقاعدگی اور خوش سلیقگی کے اعتبار سے کارکنوں کی دلچسپی اور فرض شناسی کا ثبوت دے رہے تھے اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ میں کسی جماعت کے تنظیمی اداروں کو نہیں بلکہ کسی حکومت کے مختلف محکمہ جات کا معائنہ کر رہا ہوں۔

. . . . . .خذ ما صفا کے اصول کے ماتحت میری دلی تمنا ہے کہ میں تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس چھوٹی سی جماعت کی طرح منظم اور ایک مرکز کے تحت جو اصول اسلامی کے مطابق ہے حرکت کرتا ہوا دیکھوں۔ اس وجہ سے قادیان کے سفر کو میں اپنی زندگی کے وہ لمحات سمجھتا ہوں جن میں میری نظر ہوشیار نے کچھ دیکھا اور حاصل کیا۔

لال گڑھی (جاگیر) ۲۰ شوال المکرم مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۲ء"[1]

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک اہم تقریب منعقد ہو رہی تھی۔ جس میں تقسیم انعامات کے لئے آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی خدمت میں درخواست کی گئی جسے آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔ اور آپ ۹ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو دہلی سے بذریعہ کالکا کلکتہ میل سوا نو بجے وارد علی گڑھ ہوئے۔ ریلوے اسٹیشن پر معززین نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا جن میں حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:-

۱۔ آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی و جج فیڈرل کورٹ دہلی۔

۲۔ مسٹر اے۔ بی۔ اے حلیم صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

۳۔ مسٹر اے۔ ٹی نقوی آئی سی ایس کلکٹر ضلع علیگڈھ۔

۴۔ ڈاکٹر ہادی حسن صاحب صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی۔

۵۔ کیپٹن حیدر خانصاحب صدر شعبہ کیمسٹری مسلم یونیورسٹی۔

۶۔ ڈاکٹر طاہر رضوی صاحب صدر شعبہ جغرافیہ مسلم یونیورسٹی۔

۷۔ خان بہادر شیخ محمد عبداللہ صاحب

۸۔ مسٹر عبداللہ بٹ لیکچرر مسلم یونیورسٹی۔

آنریبل چودھری صاحب اسٹیشن سے بذریعہ کار مسلم یونیورسٹی کی طرف روانہ ہوئے جہاں وکٹوریہ گیٹ پر یونیورسٹی

---

[1] "مرکز احمدیت قادیان" صفحہ ۴۵۴ تا ۴۵۶ مصنفہ شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر "الحکم" قادیان ٭

کے رائڈنگ سکواڈ (RIDING SQUAD) نے آپ کو سلامی دی۔ پھر آنریبل چودھری صاحب نے آنریبل سرشاہ محمد سلیمان صاحب کے ہمراہ تمام یونیورسٹی کا چکر لگایا اور قریباً ہر شعبہ کا معائنہ فرمایا۔ ساڑھے چار بجے بعد دوپہر آپ کے اعزاز میں یونیورسٹی کی طرف سے دعوتِ چائے دی گئی۔ اس کے بعد کھیلوں کے جلسہ تقسیم انعامات میں جناب چودھری صاحب نے انعامات تقسیم فرمائے۔ اختتام پر مسٹر اے بی اے حلیم صاحب پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے آپ کا انگریزی میں شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ہم آنریبل چودھری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب کے نہایت شکر گزار ہیں۔ جو اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اپنے کام کا حرج کر کے یہاں تشریف لائے۔ نیز آپ کی غیر معمولی قابلیت، اعلیٰ پایہ کے مدبر، سیاستدان اور پارلیمنٹیرین ہونے کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کیا۔

اس کے جواب میں چودھری صاحب نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد اُردو میں تقریر کی جس میں فرمایا کہ مَیں آپ لوگوں کا نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری عزت افزائی کی ہے۔ اور مَیں چاہتا ہوں کہ مَیں بھی آپ کی تواضع کروں۔ آپ حیران ہونگے، کیونکہ آپ کا خیال ہوگا کہ مَیں انگریزی میں تقریر کروں گا۔ لیکن مَیں آج چونکہ ایسے موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کے لئے اُردو زبان زیادہ موزوں ہے۔ اس لئے مَیں اسی سے کام لُوں گا۔ آپ نے بارہا سیاست اور دیگر مسائل پر عالمانہ تقریریں سُنی ہوں گی۔ لیکن آج مَیں ایسے موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جو میرے نزدیک سب سے اہم ہے۔ آپ نے حدیث اِنّما الاعمال بالنیات کی تشریح و تفسیر نہایت پُر اثر اور لطیف پیرایہ میں کی جس میں رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اور دیگر بزرگوں کے حالات بیان کئے۔

آپ نے فرمایا۔ جو کام کیا جائے اس کے لئے نیت نیک ہونی چاہیئے اور وہ کام خدا ہی کے لئے ہونا چاہیئے تمہارا اُٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سب کچھ خدا تعالیٰ کے لئے ہونا چاہیئے۔ اور ہر کام کرتے وقت تمہاری نیت نیک ہونی چاہیئے۔ اگر کھیلوں کے میدان میں کھیلو تو اس میں بھی خدا تعالےٰ کی رضا اور خوشی کو مدنظر رکھ کر کھیلو۔ اس موقعہ پر آپ نے حضرت اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کیا کہ آپ جب دریائے اٹک پر پہنچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں ایک غیر مُسلم ہے جو بہت بڑا تیراک ہے اور کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس پر آپ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہاں سے آگے بڑھیں۔ وہیں ڈیرے ڈال دیئے اور تیرنا شروع کر دیا۔ آخر اتنی مشق کر لی کہ اس غیر مسلم کو چیلنج دے کر شکست دی۔ ہمارے نوجوانوں کو چاہیئے کہ ہر کام میں اسلام کی برتری، ترقی اور بہبودی کی کوشش کریں۔

یہ مختصر ذکر ہے اس تقریر کا جو آنریبل چودھری صاحب نے کی۔ سامعین پر اس کا بے حد اثر ہوا۔ طلباء نے دوران تقریر کئی مرتبہ خوشی کے اظہار کے لئے چیئر کیا۔ جلسہ کے اختتام پر طلباء نے جناب چودھری صاحب کو تین دفعہ چیئر کیا۔ اس کے بعد آپ ریلوے سٹیشن پر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو مسلم یونیورسٹی کے خاکساروں نے سلامی دی اور آپ نے اُن کا معائنہ کیا۔ ۷½ بجے شام کی گاڑی کلکتہ میل سے آپ واپس دہلی تشریف لے گئے۔[1]

فصل سوم

غیر مبائعین کو محبت و خلوص سے تبلیغ کرنے کی خاص تحریک اور اس کے اثرات

حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب کی بیعتِ خلافت نے غیر مبائعین میں بہت جوش و خروش پیدا کر دیا جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ۲۹ امان/مارچ ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو ایک تحریک خاص فرمائی کہ نہایت درد اور اخلاص کے ساتھ اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں کی اصلاح کی پوری کوشش کی جائے۔[2] نیز ہدایت فرمائی کہ ہر جماعت میں "سکرٹری اصلاح مابین" کے نام سے ایک عہدیدار مقرر کیا جائے جس کا یہ فرض ہو کہ وہ غیر مبائعین سے ملے، انہیں تبلیغ کرے، پرانا لٹریچر مہیا کرے اور جماعت کو اس لٹریچر سے آگاہ کرے۔ دوسرے یہ حکم دیا کہ جماعتیں غیر مبائعین کی مفصل لسٹیں مرکز میں بھجوائیں تا اُن کو مرکز سے بھی تبلیغی لٹریچر بھجوایا جا سکے۔ ساتھ ہی نظارت دعوت و تبلیغ کو توجہ دلائی کہ وہ اس قسم کے علماء اور انگریزی خوانوں کی ایک لسٹ تیار کرے جو غیر مبائعین کے متعلق مفید مضامین لکھ سکتے ہوں۔ اور پھر انہیں اخباروں اور رسالوں میں مضامین لکھنے کی تحریک کرے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے غیر مبائعین کو تبلیغ کرنے والوں یا ان کی نسبت مضمون لکھنے والوں کو خاص طور پر یہ نصیحت فرمائی کہ

"دوستوں کو محبت اور پیار سے کام لینا چاہیئے اور کبھی بھی سختی نہیں کرنی چاہیئے۔ یاد رکھو سختی سے تم دوسرے کو چُپ کرا سکتے ہو۔ سختی سے تم دوسرے کو شرمندہ کر سکتے ہو۔ سختی سے تم

---

[1] "الفضل" مؤرخہ ۱۶ امان ۱۳۱۹ ہش / ۱۶ مارچ ۱۹۴۰ء صفحہ ۶ [2] "الفضل" مؤرخہ ۵ شہادت ۱۳۱۹ ہش / ۵ اپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۶، ۷۔

دوسرے کو ذلیل کر سکتے ہو مگر سختی سے تم دوسرے کے دل کو فتح نہیں کر سکتے۔ اگر تم دل فتح کرنا چاہتے ہو تو تمہارے اپنے دل میں یہ اخلاص اور درد ہونا چاہیئے کہ میرا ایک بھائی گمراہ ہو رہا ہے اُسے کسی طرح مَیں ہدایت پر لاؤں۔ جب تک یہ احساس اور یہ جذبہ تمہارے اندر نہ ہوگا۔ . . . اس وقت تک تمہاری تبلیغ موثر نہیں ہو سکتی چاہے تمہیں بظاہر شاندار معلوم ہو اور چاہے بظاہر جب تم مضمون لکھو تو لوگ کہیں کہ خوب مضمون لکھا۔ کیونکہ کامیابی یہ نہیں کہ لوگ تمہاری تعریف کریں بلکہ کامیابی یہ ہے کہ دوسروں کی ہدایت کا موجب ہو۔ پس جو مضمون لکھنے والے ہیں انہیں بھی مَیں کہتا ہوں کہ سنجیدگی اور محبت سے مضامین لکھو اور جو زبانی تبلیغ کرنے والے ہوں انہیں بھی مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ سنجیدگی اور محبت سے تبلیغ کرو۔"

اس سلسلہ میں اصلاح مابین کے سکرٹریوں کو ارشاد فرمایا کہ

"جب انہیں مرکز سے ٹریکٹ وغیرہ بھجوائے جائیں تو وہ محنت سے انہیں غیر مبائعین کے گھروں تک پہنچائیں تا اُن میں سے جو سعید لوگ ہیں وہ سلسلہ کی طرف توجہ کریں۔" [۵۱]

اس تحریک کے بعد حضور نے ۱۹ رشہادت / اپریل ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کو ایک اَور خطبہ جمعہ بھی اس مضمون پر دیا [۵۲] چنانچہ حضور نے فرمایا :-

"مَیں دوستوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ جو مضمون بھی لکھیں نرمی اور محبت سے لکھیں۔ یہ صحیح ہے کہ جہاں کوئی تلخ مضمون آئے گا اس کی کچھ نہ کچھ تلخی تو باقی رہے گی۔ لیکن جہاں تک ہو سکے الفاظ نرم استعمال کرنے چاہئیں۔ . . . مَیں مانتا ہوں کہ پیغامیوں کی طرف سے ہمیشہ سختی کی جاتی ہے۔ اس لئے بعض دوست جواب میں سختی سے کام لیتے ہیں۔ مگر مجھے یہ طریق سخت ناپسند ہے۔ مَیں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ شدید سے شدید دشمن کے متعلق بھی سخت کلامی مجھے پسند نہیں۔ میرے نزدیک مولوی ثناء اللہ

---

۵۱ "الفضل" ۵ رشہادت / اپریل ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۶ - ۷۔

۵۲ اس خطبہ کے چند ایام بعد اخبار "الفضل" (۳۰ رشہادت / اپریل ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء) میں ایک مضمون نکلا جس میں لاہوری فریق کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔ اس پر حضرت امیر المومنینؓ نے ناظر صاحب اعلیٰ کو فوری ارشاد فرمایا کہ " باوجود ممانعت کے ایسا کیا گیا ہے۔ اس لئے جب تک انجمن مجھے اس امر کی نسبت تسلی نہ دلائے کہ آئندہ سخت الفاظ نہیں ہوں گے مَیں اخبار کی اشاعت بند کرتا ہوں" اس کے بعد جب تک صدر انجمن احمدیہ نے مضامین کی اشاعت میں نرم پالیسی اختیار کرنے کا واضح وعدہ نہیں کر لیا حضور نے اخبار کی اشاعت پر پابندی نہیں اُٹھائی (ملاحظہ ہو ریکارڈ نظارت علیا رجسٹر ۳ غ - م ۱۳۱۹ ہش۔

صاحب ہمارے اشد ترین دشمن ہیں۔ مگر مَیں نے کئی بار دل میں غور کیا ہے۔ ان کے متعلق بھی اپنے دل میں کبھی بغض نہیں پایا۔ اور مَیں سمجھتا ہوں اگر کسی دشمن کے متعلق دل میں بغض رکھا جائے تو اس سے اسلام کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ہر شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اگر کسی نے سزا دینی ہو تو اس نے، اگر کسی نے بخشنا ہو تو اس نے، مَیں کیوں اپنے دل میں بغض رکھ کر اُسے سیاہ کروں۔ پس دل میں بغض اور کینہ رکھ کر کام نہ کرو بلکہ محبّت و اخلاص رکھ کر کرو"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی اس خاص تحریک پر احمدی جماعتوں نے منظم طریق پر غیر مبائعین تک پیغام حق پہنچانے کی طرف توجہ دی۔ اہلِ قلم بزرگوں اور دوستوں نے "الفضل"، "فاروق" اور "ریویو آف ریلیجنز" میں معلومات افزا مضامین سنہ ۱۳۱۹-۲۰ ہش/۱۹۴۰-۴۱ء کے دوران لکھے۔ تحریک غیر مبائعین سے متعلق لکھنے والوں میں مکرم مولوی ابوالعطاؓ صاحب فاضل، مکرم قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری، مکرم ملک محمد عبداللہ صاحب فاضل، مکرم مولوی سید احمد علی صاحب، حضرت ابوالبرکات مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ، ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بی۔اے، ایل ایل بی پلیڈر گجرات، اور شیخ خورشید احمد صاحب[2] سکرٹری مجلس خدام الاحمدیہ بھاٹی دروازہ لاہور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

علاوہ ازیں نظارت دعوت و تبلیغ قادیان نے غیر مبائعین کے لئے مناسب ٹریکٹ اور اشتہارات شائع کئے اور ایک کمیٹی اصلاح مابین کے لئے قائم کر دی جس کے فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی تھا کہ غیر مبائع اصحاب کے استفسارات کا جواب دیا جائے۔ اس کمیٹی کے سکرٹری مکرم قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری مولوی فاضل مقرر کئے گئے۔[3] کمیٹی کے پاس متعدد اعتراضات پہنچتے رہے جن کا مدلّل جواب علمائے سلسلہ کی طرف سے دیا جاتا رہا۔

ان سب اصلاحی کوششوں کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں جماعت احمدیہ کے نوجوان خصوصاً اور دوسرے افراد

---

[1] "الفضل" یکم ماہ ہجرت/مئی سنہ ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲۔

[2] (حال اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل") حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے اِن کی نسبت خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ "ابھی ایک بچہ ان کے ردّ میں مضامین لکھ رہا ہے جس کا نام خورشید احمد ہے اور اس وقت لاہور میں رہتا ہے۔ اس کے مضمون ایسے اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں کہ پہلے مَیں سمجھتا تھا کہ یہ کوئی بڑی عمر کا آدمی ہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا ہے کہ خال صاحب مولوی فرزند علی صاحب کا نواسہ ہے اور ۱۷-۱۸ سال عمر ہے ("الفضل" ۲۶ وفا/جولائی سنہ ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء)۔

[3] "الفضل" ۲۵ ہجرت/مئی سنہ ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔

عموماً متنازعہ مسائل کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اصل موقف کو پہلے سے زیادہ عمدہ طریق پر سمجھنے لگے وہاں بعض سعید الفطرت[1] غیر مبائعین کے حلقہ سے نکل کر نظامِ خلافت سے وابستہ ہو گئے۔

ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس قادیان میں

چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی دعوت پر ۱۴؍شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس سر مارس گوائر کے سی بی۔ کے سی بی ایس آئی اور ان کے فرزند مسٹر جان گوائر ساڑھے نو بجے صبح کی گاڑی سے قادیان تشریف لائے[2] اور ۱۶؍شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ساڑھے دس بجے بذریعہ کار واپس چلے گئے۔[3] اس مختصر قیام میں چیف جسٹس صاحب نے . . . . جماعتی اداروں اور مرکزی کارخانوں کا معائنہ کرنے کے علاوہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے وسیع ہال میں چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی زیر صدارت ایک لیکچر بھی دیا اور اپنے تاثرات مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کئے:-

"میں نے دیکھا ہے کہ آپ کی جماعت کے لوگوں میں ایمان کی آگ شعلہ زن ہے اور اس کے ساتھ بعض مقاصد اور اصول ہیں جن کے مطابق وہ اپنی زندگیوں کو ڈھالنا چاہتے ہیں۔ میں نے آپس میں مساوات، مختلف قوموں میں مساوات کے عظیم الشان اصول کو یہاں ایک نئی قوت کے ساتھ کام کرتے پایا ہے۔ انسانی اخوت کا یہ اصول انسانی زندگی کا اساس ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ مساوات اور اخوت کی رُوح آپ کی جماعت میں موجود ہے اور اسی ضمن میں میں سمجھتا ہوں کہ میرے اصول آپ کے اصول سے مشترک ہیں۔"[4]

ایک اندرونی فتنہ

ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں یکایک ایک اندرونی فتنہ کا انکشاف ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ محمد اسمٰعیل نامی ایک صاحب نے (جو پہلے صوفی کہلاتے تھے پھر اپنے نام کے ساتھ

---

[1] مثلاً خان عبدالحمید خان صاحب پلیڈر (فرزند حضرت مولانا غلام حسن خان صاحب پشاوری و داماد ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ مرحوم) خان عبدالمجید خان صاحب اور خان عبدالوحید خان صاحب (خان عبدالحمید خان صاحب پلیڈر کے خلف الرشید) سید ممتاز علی صاحب سابق مہتمم مہمان خانہ احمدیہ بلڈنگس لاہور (الفضل ۲۱؍شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، ۱۴؍ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء، ۲۴؍ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)۔

[2] "الفضل" ۱۷؍شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱-۲۔

[3] "الفضل" ۱۸؍شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

[4] "الفضل" ۱۷؍شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

خواجہ کا لفظ لکھنے لگے) چند سال قبل احمدیہ سپلائی سٹور کے نام سے قادیان میں ایک کمپنی جاری کی جس کا آخر میں دیوالہ نکال دیا گیا اور کمپنی کے حصہ دار اور کمپنی سے لین دین کرنے والے کئی لوگ شکائتیں لئے نظارت امور عامہ کے پاس گئے[1] اور تحقیقات شروع ہو گئی۔ ابھی یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ ان صاحب نے بونس کارپوریشن کے نام سے ایک خفیہ کمپنی بنالی اور ملازمت کے خواہشمند لوگوں سے بعض مالی شرائط پر درخواستیں طلب کیں اور منی آرڈر اور درخواستیں بھی ایک دوسرے شخص کے نام پر منگوانے لگے اور خط و کتابت بھی ایک دوسرے شخص کے پتہ پر کرتے رہے۔ نظارت امور عامہ کو جلد ہی اس کمپنی کا پتہ چل گیا اور شکایات کی تحقیق کرنے پر صاف کھل گیا کہ بونس کارپوریشن کا قیام محض حصول زر کے لئے عمل میں لایا گیا ہے۔ غرض ایک سال سے ان صاحب کی بدمعاملگی، نادہندگی اور کوئی جائز معاش پیدا نہ کرنے کی متعدد شکایات موصول ہوئیں۔ تحقیقات سے ان کے ذمہ مطالبات درست ثابت ہوئے اور انہوں نے تحریری وعدے ان کی ادائیگی کے لئے نظارت سے کئے مگر عملاً ان سے کوئی وصولی نہ ہوئی۔ اسی اثناء میں ان کی اہلیہ صاحبہ نے ۲۶ ستمبر ۱۹۳۹ء کو نظارت سے درخواست کی کہ مجھے خرچ کی بہت تنگی رہتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جن کے اخراجات پریشان کرتے رہتے ہیں۔ کوئی معین صورت گذارہ کی نہیں۔ میرے خاوند عرصہ دراز سے بیکار ہیں۔ چاہیئے کہ حضرت امیر المومنین یا نظارت امور عامہ کی طرف سے انہیں کوئی روزگار کرنے کے لئے کہا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ میری صحیح امداد ہوگی۔[2]

ان صاحب کو مختلف طریق اور مختلف مواقع پر سمجھایا گیا کہ بیکار رہنے کی عادت اچھی نہیں۔ لیکن ان پر کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی بلکہ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ انہوں نے قادیان ہی میں "انجمن اتحاد عالمین"[3] کے نام سے "دعا گوؤں" کی ایک خفیہ انجمن قائم کر لی۔ اور اس کا پتہ ایک غیر معروف گاؤں دتیال ڈاکخانہ سموال براستہ جہلم ظاہر کرنے لگے۔ انجمن کا نام خفیہ رکھا جاتا۔ اور لوگوں کو اپنی خوابیں بتاتے اور ان سے رقمیں اور نذرانے وصول کر کے دعائیں کی جاتیں۔

یہی نہیں۔ اس پارٹی کے ممبر مسجد کے قرب میں ہونے کے باوجود لوگوں کو مسجد میں جانے سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ مسجد میں تو رسمی نمازیں پڑھی جاتی ہیں جن سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اپنی بیٹھک ہی کو مسجد کیوں نہ بنائیں اور یہاں لمبی لمبی نمازیں پڑھ کر خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کریں[4]۔ عبدالواحد خاں صاحب (پسر حافظ ملک

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "اہم شہادات" مرتبہ مہتمم نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ۔

[2] "الفضل" ۱۵ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵۔

[3] اسی نام کا ایک ٹریکٹ بھی شائع کیا گیا تھا۔

[4] "اہم شہادات" صفحہ ۵ (ناشر مہتمم نشر و اشاعت نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ)۔

محمد صاحب پٹیالوی) کا بیان ہے کہ انہی دنوں خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھے بتایا کہ "ہم رات کو اکٹھے ہو کر رات کے ایک بجے تک بعض بعض اوقات ڈھائی بجے تک دعائیں کرتے ہیں۔ ہمیں بڑے بڑے نظارے خدا تعالیٰ دکھاتا ہے۔ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہم صبح کے وقت باہر دُور ایک دو میل نکل کر نفل ادا کرتے ہیں، دُعا کرتے ہیں۔ اس لئے آپ آجایا کریں۔ دعاؤں میں شامل ہو جایا کریں۔ یہ جو مسجد میں جا کر نماز ادا کی جاتی ہے یہ تو ایک وقت ضائع کرنے والی بات ہے۔ اصل نماز تو وہی ہے جو انسان بالکل الگ پڑھے . . . . ان الفاظ پر فوراً میرے دل نے یہی گواہی دی کہ یہ شخص تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے خلاف ایک نئی قسم کا دین بناتا ہے"[1]

حضرت امیر المومنینؓ کا پہلا انتباہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں یہ اطلاعات پہنچیں تو حضور نے ۳؍نومبر ۱۹۳۹ء کے خطبہ جمعہ میں انتباہ فرمایا کہ

"مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت میں بعض خواب بینوں نے اپنی خوابوں اور دُعاؤں کو آمد کا ذریعہ بنایا ہوا ہے اور وہ آنوں بہانوں سے لوگوں سے سوال بھی کرتے رہتے ہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ بندوں سے مانگنے پر مقرر کر دیتا ہے وہ تو ایک عذاب ہے۔ ایسے شخص کی خوابیں بھی یقیناً ابتلاء کے ماتحت ہو سکتی ہیں۔ انعام کے طور پر نہیں۔ ہاں یہ جائز ہے کہ دین کے لئے انسان دعا کے پورا ہونے پر خدمت مقرر کرے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے۔ اپنے نفس کے لئے جائز نہیں اور کامل مومن کی فطرت ہی کے یہ امر خلاف ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی دُعا سُنے اور پھر جس کے حق میں دُعا کی گئی ہے۔ اس کے دل میں تحریک کرے کہ وہ خود اپنی خوشی سے دُعا کرنے والے کی خدمت کرے" [2]

انتباہ کا افسوسناک ردّعمل

اس تنبیہ پر بھی خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب اور ان کے ساتھی اپنی روش پر بدستور قائم رہے۔ اور اس بدعت شنیعہ کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے جب یہ فتنہ بڑھنے لگا تو جماعت احمدیہ کو اس کے اخلاقی، دینی اور مالی نقصانات سے بچانے کے لئے انجمن اتحاد عاملین توڑ دینے کی ہدایت کی گئی۔ ان لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر ۲ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو قادیان میں اُن کے مقاطعہ کا اعلان کرنا پڑا۔ اعلان کے بعد اس پارٹی نے نظام سلسلہ کے خلاف ضد و تعصب

---

[1] "اہم شہادات" صفحہ ۱۲۔

[2] "الفضل" ۸؍نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۸ کالم ۴۔

بلکہ باقاعدہ مقابلہ کی صورت اختیار کر لی جس پر یہ لوگ جماعت سے نکال دیئے گئے۔[1]

دُعا گو پارٹی کی نسبت حضرت امیر المومنین رضؓ کا جلالی خُطبہ

یہ لوگ ابھی پوشیدہ ہی تھے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کو ایک خواب میں اس فتنہ کے آغاز اور اس کی ناکامی کا نظارہ دکھا دیا۔ حضور نے یہ پوری خواب ۸ ہجرت ۱۳۱۹ ہش کے خطبہ جمعہ میں سُنائی اور نظامِ خلافت کی موجودگی میں ایسی تحریکوں کو سراسر باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا :-

"یہ خواب جب مَیں نے دیکھا یہ لوگ ابھی پوشیدہ تھے اور اندر ہی اندر اتحاد عالمین کے نام سے اپنی گدّی بنانے کی سکیمیں بنا رہے تھے۔ ان کے اندر خود پسندی اور خود ستائی تھی اور اپنی ولایت بگھارتے پھرتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے ہم سے دعائیں کراؤ۔[2] حالانکہ خلافت کی موجودگی میں اس قسم کی گدّیوں والی ولایت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ جیسے گوریلا وار کبھی جنگ کے زمانہ میں نہیں ہوا کرتی۔ چھاپے اسی وقت مارے جاتے ہیں جب باقاعدہ جنگ کا زمانہ نہ ہو۔ خلفاء کے زمانہ میں اس قسم کے ولی نہیں ہوتے۔ نہ حضرت ابوبکر رضؓ کے زمانہ میں کوئی ایسا ولی ہوا نہ حضرت عمر رضؓ یا حضرت عثمان رضؓ یا حضرت علی رضؓ کے زمانہ میں۔ ہاں جب خلافت نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے ولی کھڑے کئے کہ جو لوگ اُن کے جھنڈے تلے جمع ہوسکیں انہیں جمع کرلیں تا قوم بالکل ہی تتر بتر نہ ہوجائے۔ لیکن جب خلافت قائم ہو اس وقت اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے جب منظم فوج موجود ہو تو گوریلا جنگ نہیں کی جاتی۔ پس خلافت کی موجودگی میں ولایت کا دسوسہ دراصل کبر اور بڑائی ہے۔ اس خواب میں جو سانپ مَیں نے دیکھے ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں اُن میں سے ایک سے مُراد اندرونی فتنہ ہے اور ایک سے بیرونی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں قسم کے فتنے اس وقت مل کر حملہ کر رہے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ دونوں کو دُور کر دے گا اور فرشتوں کے ذریعہ اُن کے ہاتھ بند کر دے گا۔ انسانی ہتھکڑیاں کوئی چیز نہیں اصل وہی ہیں جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے لگائی جائیں۔ حکومتیں کسی کو نظر بند کرتی ہیں تو اس کے ساتھی موجود رہتے ہیں جو اس کی آواز کو پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن خدا تعالےٰ کسی کو ہتھکڑی لگائے

---

[1] "الفضل" ۱۵ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء۔

[2] یہ صاحب خود لکھتے ہیں کہ" بعض لوگوں نے اپنی خصوصیت جتانے کے لئے یہ نرالا ڈھنگ اختیار کیا ہے کہ اپنی بعض دُعاؤں کی قبولیت اور کچھ خوابوں کی بناء پر عوام کو راغب کرکے انہیں اپنا غلام بنا لیتے ہیں۔" شخص مذکور کا رسالہ "تعلق باللہ" صفحہ ۳ و ۴۔

تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ اس تحریک کو کامیابی نہیں ہو سکتی"

اس ضمن میں یہ بھی بتایا کہ

"ایسے فتنے دراصل جماعت کی بیداری کے لئے ہوتے ہیں۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں ایک طبقہ ایسا ہے جو احمدیت میں داخلہ کے بعد رُوحانی ترقی کی طرف بہت کم توجہ کرتا ہے۔ وہ اس طرح دُنیا کے کاموں میں لگے رہتے ہیں جس طرح احمدیت میں داخلہ سے پہلے تھے۔ اسلام دنیا کے کاموں سے روکتا نہیں بلکہ اجازت دیتا ہے۔ انبیاء بھی یہ کام کرتے رہے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے کام ثابت ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کام ثابت ہیں۔ وہ زراعت بھی کرتے تھے۔ اولیاء اور صحابہ کا کام کرنا بھی ثابت ہے۔ اسلام جس چیز سے منع کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اسی کام کا ہو جائے۔ بعض لوگ قادیان میں ہجرت کر کے آتے ہیں۔ مگر یہاں آ کر دُنیا کے کاموں میں ہی لگ جاتے ہیں اور دین کا کام بالکل نہیں کرتے . . . . ان کے اندر بیداری پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایسے فتنے پیدا کرتا رہتا ہے۔ جب کوئی فتنہ اٹھتا ہے تو ایسے کمزور لوگوں میں بھی جوش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ان مخالفوں کا خوب مقابلہ کرنا چاہیئے۔ خوب تقریریں ہوں اور رسالے لکھے جائیں۔ حالانکہ اگر وہ پہلے ہی تقریروں اور رسالوں کا انتظام کرتے تو وہ فتنہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ اور اب بھی اگر وہ اپنی اصلاح کر لیں اور اپنے اندر بیداری پیدا کر لیں تو اللہ تعالےٰ فتنوں کے سلسلہ کو روک سکتا ہے۔ یہ فتنے تو محض جگانے کے لئے ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص نیند سے بیدار نہ ہو تو ہم اسے ہلاتے ہیں۔ پھر بھی ہوش میں نہ آئے تو پانی کا چھینٹا دیتے ہیں۔ اور پھر بھی نہ جاگے تو چارپائی اُلٹا دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ بھی اسی طرح کرتا ہے"

آخر میں حضور نے نصیحت فرمائی کہ

"جماعت کو چاہیئے کہ اپنے اندر بیداری پیدا کرے، تبلیغ میں لگ جائے، نمازوں کی پابند ہو اور ہر لحاظ سے اپنی اصلاح کرے۔ پھر یہ لوگ آپ ہی آپ خاموش ہو جائیں گے۔ ان کی نہ تو علم کے لحاظ سے کوئی حیثیت ہے اور نہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ان کو کوئی تائید یا نصرت حاصل ہے۔ وہ جانتے بھی نہیں کہ تقویٰ[1] کیا ہے۔ ان کو صرف بڑائی[2] کا خیال ہے۔ جماعت کو چاہیئے کہ وہ ان کی باتوں

---

[1] و [2] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کی یہ فراست حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ یہ صاحب کچھ عرصہ بعد انگلستان چلے گئے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی طرف کوئی دھیان ہی نہ دے۔ وہ آپ ہی آپ جھاگ کی طرح بیٹھ جائیں گے۔ اپنی اصلاح میں لگ جائے دین سیکھنے اور سکھانے کی طرف متوجہ ہو۔ زبان کو پاک رکھا جائے۔ گالی گلوچ نہ کی جائے۔ نمازوں کی پابندی کی جائے۔ کیونکہ ان باتوں کے بغیر خدا تعالیٰ کا فضل حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر جماعت اپنی اصلاح کرے اور تبلیغ میں لگ جائے۔ تو ان لوگوں کے فتنے خود بخود مٹ جائیں گے کیونکہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹ بولنے والا کامیاب نہیں ہو سکتا۔" [1]

ایک نقص کی اصلاح

جماعت کے بعض دوستوں میں یہ مرض پیدا ہو رہا تھا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات یا تو سرے سے پڑھتے ہی نہیں تھے اور اگر پڑھتے تھے تو سارے الہامات کو گذرے ہوئے واقعات پر چسپاں کر دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جماعت احمدیہ ابتلاؤں کے بغیر اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے گی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے ۱۴ ماہ احسان/جون ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو ایک خطبہ جمعہ خاص اسی موضوع پر ارشاد فرمایا جس میں اس خطرناک نقص کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ دلائی چنانچہ حضور نے فرمایا :-

"ہماری جماعت کے لوگوں میں یہ وہم ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں ہماری جماعت ہمیشہ پھولوں کی سیج پر ترقی کرتی چلی جائے گی . . . . میں اس ناواقفیت اور تجاہل کے متعلق کیا کہوں۔ مجھے ہمیشہ تعجب آتا ہے کہ ہماری جماعت کے دوست اس غلط فہمی میں کیوں مبتلا ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات سے صاف ظاہر ہے کہ جماعت احمدیہ بڑے بڑے ابتلاؤں میں سے گذرے گی۔ وہ ابتلا سیاسی بھی ہوں گے۔ وہ ابتلا اقتصادی بھی ہوں گے۔ وہ ابتلا مالی بھی ہوں گے۔ وہ ابتلا علمی بھی ہوں گے۔ وہ ابتلا قومی بھی ہوں گے۔ غرض ہر قسم کے ابتلاؤں کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں ہے حکومتوں کی طرف سے تشدد اور جھگڑوں کا بھی ان الہامات میں ذکر ہے۔ اقوام کی طرف سے تشدد اور سختیوں کا بھی ان میں ذکر ہے بعض سیاسی ابتلاؤں کا بھی الہامات میں ذکر ہے۔ بعض ہجرتوں کا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح۔ قتلوں اور طرح طرح کے دکھوں سے جماعت احمدیہ کے ستائے جانے کا بھی ذکر ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ میں نے بار بار کہا۔ ہماری جماعت کے دوست حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جہاں انہوں نے شعار اسلامی تک کو خیرباد کہدیا اور ڈاڑھی منڈوا کر اپنے "المسیح الموعود" ہونے کی علامت بنانے لگے اور پھر "خاتم النبیین" ہونے کا دعویٰ کر دیا ("مقام شہادت" صفحہ ۳۸۔ "فصل الخطاب" صفحہ ۲۵ مصنفہ خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب)

[1] الفضل ۱۶/ احسان/ مئی ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ تا ۶ +

الہامات کو پڑھنے کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور جو پڑھتے ہیں ان میں یہ مرض ہے کہ وہ سارے الہامات گذرے ہوئے واقعات پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ اور یہ ایک نہایت ہی خطرناک نقص ہے"[1]

صاحبزادی امۃ الودود بیگم صاحبہ کی وفات کا المناک حادثہ

ماہ احسان ۱۳۱۹ہش (مطابق جون ۱۹۴۰ء) کے آخری عشرہ کی ابتداء میں حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کی لخت جگر صاحبزادی امۃ الودود بیگم صاحبہ کی اچانک وفات کا حادثہ پیش آیا جس نے خاندان مسیح موعودؑ بلکہ پوری جماعت کو سوگوار کر دیا۔

صاحبزادی صاحبہ ۲۰؍جون کی نصف شب تک بظاہر بالکل تندرست تھیں اور چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں کہ یکایک گھبرا کر اٹھیں اور سر درد کی شکایت کی۔ تشنج کا عارضہ بھی لاحق ہوگیا۔ منہ متورم ہوگیا اور بیہوشی طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر کے بعد دو دفعہ قے ہوئی۔ ہوش آیا تو سخت سر درد اور سردی کی شکایت کی۔ پھر قے ہوئی جس کے معاً بعد دوبارہ بیہوش ہوگئیں اور ساتھ ہی سانس میں رکاوٹ کی تکلیف ہونے لگی۔ علاج کے لئے حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ، ڈاکٹر محمد ثناء اللہ صاحب، ڈاکٹر محمد احمد صاحب اور ظفر نور صاحبہ نرس کو بلایا گیا۔[2] بعض ضروری ادویہ کے ٹیکے کئے گئے لیکن سانس اور بیہوشی میں کوئی فرق نہ آیا۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے پہلی بار دیکھتے ہی حالت مایوس کن بتلائی اور کہا کہ "یہ موت کا وقت ہے۔ اس بیماری کا کوئی علاج نہیں"[3]

حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ نے صاحبزادی صاحبہ کی شدید تکلیف دیکھ کر حضرت ام المومنینؓ اور سیدنا امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو اطلاع کرائی اور حضور اپنے اہلبیت سمیت فوراً حضرت میاں صاحبؓ کی کوٹھی (واقع محلہ دارالفضل) میں تشریف لے گئے۔ حضور کی موجودگی میں حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے لمبر پنکچر[4] کیا یعنی ریڑھ کی ہڈی سے پانی نکالنا چاہا تو پانی کی بجائے خون نکلا جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ

---

[1] "الفضل" ۱۸؍احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۱، ۲۔

[2] یہ کوائف "الفضل" ۲۲؍احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں شائع شدہ ہیں۔ مگر ڈاکٹر محمد احمد صاحب (ابن حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ) نے اپنی یہ عینی شہادت لکھی ہے کہ علاج معالجہ کے لئے حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ، والد محترم حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ اور خاکسار ڈاکٹر محمد احمد کو حضرت میاں صاحب کی کوٹھی پر بلایا گیا۔ ہم تینوں ڈاکٹروں کے مشورے سے علاج شروع ہوا۔ (مکتوب بنام مؤلف کتاب "تاریخ احمدیت" محررہ ۲؍ہجرت/مئی ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء)۔

[3] "الفضل" ۲۲؍احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱ و "الفضل" ۲۳؍احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۱۔

[4] LUMBER PUNCTURE۔ اس موقعہ پر ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے معاون کی خدمت انجام دی۔

دماغ کی رگ پھٹ گئی ہے۔

ڈاکٹر محمد احمد صاحب کا بیان ہے کہ "حضرت میر صاحبؓ نے جب دیکھا کہ خون نکل رہا ہے تو فوراً سُوئی (NEEDLE) کو ہڈی سے باہر نکال دیا اور کمرے سے یہ کہتے ہوئے تشریف لے گئے کہ اس کے بچنے کی اب کوئی امید نہیں ہے۔ مَیں بھی حضرت میر صاحبؓ کے ساتھ باہر کو چلا مگر مجھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے زور سے آواز دے کر کہا کہ ڈاکٹر محمد احمد اِدھر آؤ اور جب تک مریض کی نبض چل رہی ہے علاج کرتے جاؤ۔ چنانچہ مَیں اپنی سمجھ کے مطابق کچھ انجکشن وغیرہ کرتا رہا" [۱]

لیکن خدا کی مشیت پُوری ہوئی اور صاحبزادی صاحبہ ساڑھے تین بجے صبح اس جہان فانی سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہوگئیں۔ فانا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے قلم سے بیماری کے حالات

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ صاحبزادی امۃ الودود صاحبہ کی بیماری کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"کوئی دو بجے کا وقت تھا کہ میری بیوی نے مجھے جگایا اور یہ فقرہ میرے کان میں پڑا کہ" میاں شریف احمد صاحب کی طرف سے اماں جان کے پاس آدمی آیا ہے کہ امۃ الودود کو درد کا دَورہ ہوا ہے اور وہ بیہوش ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر جمع ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس کا آخری وقت ہے۔ مُنہ دیکھنا ہے تو آکر دیکھ لیں" حضرت ام المومنین لاہور تھیں۔ مَیں گھبرا کر اُٹھا اور گو بوجہ بیماری چلنا پھرنا منع تھا۔ مگر ایسے وقت میں بیماری کا خیال کیسے رہ سکتا ہے۔ مَیں انا للّٰہ پڑھتا ہوا اُٹھا۔ اور چونکہ موٹر کوئی موجود نہ تھا۔ ٹانگہ کے لئے آدمی دوڑایا۔ مریم صدیقہ کو جگایا۔ مریم ام طاہر کو اطلاع دی۔ عزیزہ ناصرہ بیگم کو جو امۃ الودود کی بھاوج ہے اور دو دن کے لئے ہمارے گھر آئی ہوئی تھی جگایا۔ اور ٹانگہ میں بیٹھ کر مَیں، ناصرہ سلمہا اللّٰہ تعالےٰ، ام وسیم اور مریم صدیقہ عزیزم میاں شریف احمد صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ مَیں اب تک کی رپورٹ سے یہی سمجھ رہا تھا کہ اپنڈے سائیٹس کا دورہ ہوا ہوگا۔ یا کبھی خیال آتا تھا کہ جوان لڑکیوں کو بعض دفعہ ایام میں ٹھنڈے

---

[۱] مکتوب ڈاکٹر محمد احمد صاحب بنام مؤلف کتاب "تاریخ احمدیت" محررہ ۲۷ ہجرت/مئی ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء

[۲] "الفضل" ۲۲ احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۴

پانی کے استعمال سے کچھ رُوک پیدا ہو کر شدید درد ہو جاتی ہے۔ شاید ایسی ہی کوئی تکلیف ہو۔ مَیں نے احتیاطاً اپنی ہومیوپیتھک دواؤں کا بکس بھی ساتھ لے لیا۔ لیکن جب وہاں پہنچے تو کمرے میں امۃ الودود لیٹی ہوئی تھی اور لمبے سانس جن میں بلغم کی خرخراہٹ شامل تھی لے رہی تھی۔ وہ بالکل بیہوش تھی اور آج اس کے "چچا ابا" کی آمد اس کے لئے بالکل کوئی معنے نہ رکھتی تھی۔ باہر ڈاکٹر تھے۔ مَیں نے اُن سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ درد کی رپورٹ غلط تھی۔ اس کے دماغ کی رگ سوتے سوتے پھٹ گئی ہے اور طبّی معلومات کی رُو سے اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ جب حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ رات کو بارہ بجے کے قریب لیٹیں اور تھوڑی دیر بعد کراہنے کی آواز آئی۔ اس کے ابا میاں شریف احمد صاحب نے اس کی آواز سُنی اور اس کے پاس آئے اور دیکھا کہ بیہوش ہے اور تشنّج کے دَورے پڑ رہے ہیں۔ وہ اس کی چارپائی برآمدے میں لائے اور اس وقت اس نے قے کی اور قے کے بعد اس قدر لفظ کہے کہ میرا سر پھٹا جاتا ہے، سر پکڑو اور خود ہاتھ اُٹھا کر سر پکڑ لیا۔ بس یہ ہی اس کی ہوش تھی اور یہ ہی اس کے آخری الفاظ۔ فوراً ڈاکٹروں کو بُلوایا گیا اور انہوں نے جو کچھ وہ کر سکتے تھے کیا۔ مگر ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے شروع ہی سے کہہ دیا تھا کہ یہ موت کا وقت ہے اس بیماری کا کوئی علاج نہیں۔ میرے سامنے لمبر پنکچر کیا گیا تاکہ تشخیص مکمل ہو جائے چنانچہ لمبر پنکچر سے بجائے پانی کے خون نکلا۔ جس سے یہ امر یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ سر کی رگ پھٹ کر دماغ کو خون نے ڈھانک لیا ہے۔ چند منٹ کے بعد سانس رکنے لگا۔ اور میرے آنے کے نصف گھنٹہ بعد یہ بچی ہم سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔" [1]

تجہیز و تکفین ساڑھے چھ بجے شام تابوت اُٹھایا گیا۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ اور خاندان مسیح موعودؑ کے دوسرے افراد تابوت کو اُٹھا کر باہر لائے۔ جہاں ایک جم غفیر انتظار میں موجود تھا۔ بہت سے لوگوں کو باری باری کندھا دینے کا موقع ملا۔ تابوت باغ میں پہنچا تو قریباً سات بجے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے کئی ہزار کے مجمع سمیت نماز جنازہ پڑھائی۔ قبر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کی چار دیواری میں کھودی گئی تھی۔ نعش حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ

---

[1] "الفضل" ۲۳ احسان / جون ۱۳۱۹ہش ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ تا ۳

اور صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نے قبر میں رکھی۔ تدفین مکمل ہو چکی تو حضور نے اجتماعی دُعا کرائی اور واپس تشریف لے آئے۔[1]

حضرت امیر المومنین رضؓ کا مفصّل مضمون امۃ الودود کی یاد میں

صاحبزادی صاحبہ کا انتقال چونکہ ایک جماعتی المیہ تھا اس لئے اس موقعہ پر نہ صرف بزرگان جماعت کی طرف سے متعدد مضامین شائع ہوئے بلکہ خود حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے "امۃ الودود میری بچی" کے عنوان سے ایک مفصل مضمون سپرد قلم فرمایا۔ جس کے شروع میں لکھا کہ

"سب ہی مرتے چلے آئے ہیں۔ کچھ مَر رہے ہیں اور کچھ مَر جائیں گے۔ اور کچھ پیدا ہوں گے، پھر وہ بھی مریں گے۔ اگلی نسلیں نئے جذبات لے کر آئیں گی۔ ہمارے فانی جذبات ہمارے ساتھ ختم ہو جائیں گے۔ جو موتیں آج ہمارا دل زخمی کرتی ہیں وہ اُن کا ذکر ہنس ہنس کر کریں گے۔ جن موتوں سے وہ ڈر رہے ہوں گے اُن کا خیال کر کے ہمارے دل میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ باوجود ہماری نسلوں میں سے ہونے کے زمانہ کے بُعد کی وجہ سے ہم انہیں نہیں جانتے اور وہ ہم میں سے کئی کو نہ جانیں گے۔ مثلاً اگر خدا تعالیٰ نے میری نسل کو قائم رکھا تو چھٹی ساتویں پشت کے کتنے بچے ہوں گے جو اپنی بڑی پھوپھی امۃ الودود کے نام سے بھی واقف ہوں گے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ چھٹی ساتویں نسل کے بچے میری اپنی نسل سے ہوں گے۔ ان کے غموں اور دکھوں کا احساس مجھے آج کس طرح ہو سکتا ہے اور ان کی خوشیوں میں مَیں کس طرح حصہ لے سکتا ہوں مگر امۃ الودود جسے ہم پیار سے دُودی کہا کرتے تھے، جو کل ہم سے جدا ہوئی گو میری بھتیجی تھی، مگر ان میری آئندہ نسلوں کے غم اس کے غم کو کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا یہ ہی قانون ہے کہ زمانہ، رشتہ، اور تعلق یہ تین چیزیں مل کر دلوں میں محبت کے جذبات پیدا کیا کرتی ہیں۔ پھر اگر ان میں سے کوئی ایک چیز زور پکڑ جائے تو وہ دوسری چیزوں کو دبا دیتی ہے۔ اور جب تینوں جمع ہو جائیں تو جذبات بھی شدید ہو جاتے ہیں۔ دُودی میری بھتیجی تو تھی۔ مگر زمانہ کے قُرب اور تعلق نے اسے میرے دل کے خاص گوشوں میں جگہ دے رکھی تھی۔ بعدی نسلیں تو الگ رہیں۔ میرے اپنے بچوں میں سے کم ہی ہیں جو مجھے اس کے برابر پیارے تھے۔ . . . . . "[2]

---

[1] "الفضل" ۲۲؍احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔

[2] " ۲۳؍احسان " " صفحہ ۱۔

حضرت امیر المومنینؓ نے اس تمہید کے بعد اپنے اس قیمتی مضمون کے آخری حصہ میں صاحبزادی صاحبہ کے بچپن اور زمانہ تعلیم کے حالات پر روشنی ڈالی اور پھر اپنی آخری ملاقات کا ذکر نہایت درد انگیز پیرایہ میں کیا چنانچہ تحریر فرمایا کہ

"صحت کی درستی کے بعد اُسے تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ اور وہ برابر تعلیم میں بڑھتی گئی۔ انٹرنس تک تو مجھے خیال رہا کہ یونہی مدرسہ میں جاتی ہے لیکن جب وہ انٹرنس میں اچھے نمبروں پر پاس ہوئی تو مجھے زیادہ توجہ ہوئی اور جب وہ ملتی مَیں اس سے اس کی تعلیم کے متعلق بات کرتا۔ پھر ایف اے میں وہ پاس ہوئی اور مَیں نے زور دیا کہ صدیقہ بیگم اور امۃ الودود بی اے کا امتحان دیں اور دونوں نے تیاری شروع کر دی مگر پہلی دفعہ کامیاب نہ ہوئیں۔ پھر دوسری دفعہ پڑھائی کی۔ پھر بھی کامیاب نہ ہوئیں۔ مَیں نے اصرار کیا کہ امتحان دیتے جاؤ۔ چنانچہ اس دفعہ پھر تیاری کی۔ جب امتحان کے دن قریب آئے۔ عزیزہ کے منجھلے بھائی عزیزم مرزا ظفر احمد بیرسٹرایٹ لا اپنی شادی کے لئے قادیان آئے۔ امتحان کے دنوں میں شادی کی تاریخ تھی۔ انہوں نے کہا کہ امتحان نہ دو۔ تم نے پاس تو ہونا نہیں۔ گھر کے اَور آدمیوں نے بھی کہا اور اس نے امتحان دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ مجھے معلوم ہوا تو مَیں نے عزیزم میاں شریف احمد صاحب کو کہا کہ یہ ٹھیک نہیں۔ مجھے اس دفعہ ان کے پاس ہونے کی امید ہے۔ اگر صدیقہ پاس ہو گئیں تو امۃ الودود کے لئے اکیلا امتحان دینا مشکل ہو گا چنانچہ انہوں نے جا کر اُسے امتحان کے لئے پھر تیار کر دیا۔ امتحان کے بعد کراچی سے واپس آ کر ایک دن صدیقہ بیگم کو رقعہ لکھا کہ چچا ابا سے کہہ دیں کہ اگر آپ دعا کریں تو مَیں پاس کیوں نہ ہو جاؤں۔ اب کہ انہوں نے خود امتحان دلایا ہے۔ اگر میں پاس نہ ہوئی تو میں نہیں مانوں گی کہ انہوں نے دعا کی ہے۔ مَیں نے کہلا بھیجا کہ مَیں دعا کر رہا ہوں اور اب کے مجھے یقین ہے کہ تم دونوں پاس ہو جاؤ گی اور خدا تعالیٰ نے دونوں کو پاس کر ہی دیا۔ پاس ہونے کے بعد دونوں سہیلیوں نے مبارکباد کا تبادلہ کیا۔ ہفتہ کی شام کو امۃ الودود صدیقہ کو مبارکباد دینے آئی اور اتوار کی صبح کو صدیقہ اُسے مبارکباد دینے گئیں۔ مَیں اس دن بہت بیمار تھا۔ وہ میرے پاس بیٹھ گئی۔ صدیقہ بیگم ساتھ تھیں بعد میں اس کی چھوٹی بہن اور میری بڑی لڑکی اس کی بھاوج بھی آگئیں۔ مَیں نے کہا۔ وُدی تم پاس نہیں ہوئیں مَیں پاس ہوا ہوں کیونکہ تم تو امتحان کا ارادہ چھوڑ بیٹھی تھیں۔

پھر میں نے کہا کہ پڑھائی کے دن تو اب ختم ہوئے اب کام کا وقت آگیا۔ اب میں تم کو اور صدیقہ کو مضامین کے نوٹ لکھوایا کروں گا اور تم انگریزی میں مضمون تیار کر کے ریویو وغیرہ میں دیا کرو۔ کہنے لگی کہ میں نے تو کبھی مضمون لکھا نہیں۔ چھوٹی آپا کو لکھوایا کریں۔ میں نے کہا تم دونوں ہی نے پہلے مضمون نہیں لکھے۔ اب تم کو کام کرنا چاہیئے۔ کہنے لگی اچھا۔ یہ واقعہ میں نے اس لئے بیان کیا کہ مرحومہ میں یہ خوبی تھی کہ باوجود شرمیلی طبیعت کے جب کوئی مفید کام اُسے کہا جاتا وہ اس پر کاربند ہونے کے لئے تیار ہو جاتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں اپنی لڑکیوں سے کہتا تو ان میں سے اکثر شرم کی وجہ سے انکار پر اصرار کرتیں۔ مگر اُسے جب میں نے دُہرا کر کہا کہ اب تم کو اپنے علم سے دنیا کو فائدہ پہنچانا چاہیئے تو باوجود ناتجربہ کاری اور حیا کے اس نے میری بات کو منظور کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ناصرہ بیگم سلمہا اللہ تعالےٰ نے کہا کہ چھوٹی بچی دودھ کے لئے رو رہی ہوگی میں نے جانا ہے۔ اور ساتھ ہی امۃ الودود بھی اُٹھی۔ میری عادت رہی ہے کہ امۃ القیوم اور امۃ الودود جب پاس سے اٹھا کرتیں تو میں کہا کرتا تھا کہ میری بچی اللہ تمہارا حافظ ہو اور پھر پیار کر کے رخصت کیا کرتا تھا۔ اس دن میں نے یہ الفاظ تو کہے مگر اُٹھ کر اُسے پیار دے کر رخصت نہیں کیا۔ میں نے اس کے چہرہ پر کچھ ملال کے آثار دیکھے اور کہا۔ میں آج بیمار ہوں۔ اُٹھ نہیں سکتا چوتھے دن اسی بیماری کی حالت میں مجھے اس کی بیماری کی وجہ سے جانا پڑا۔ اور میں نے جاتے ہی اس کے ماتھے کو چُوما۔ مگر اب وہ بیہوش تھی۔ اب اس کے چچا ابا کا پیار اس کے لئے خوشی کا موجب نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اسی بیہوشی کی حالت میں وہ فوت ہو گئی۔ ہاں وہ بچی جس نے اپنی ساری عمر علم سیکھنے میں خرچ کر دی اور باوجود شرمیلی طبیعت کے میرے کہنے پر اس پر آمادہ ہو گئی کہ اپنی جنس کی بہتری کے لئے وہ مضمون لکھا کرے گی۔ جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا منشاء کچھ اَور تھا۔ وہ اسے وہاں لے گیا جہاں باتیں نہیں کی جاتیں جہاں کام کیا جاتا ہے جہاں کوئی کسی انسان کی نصیحت کا محتاج نہیں جہاں صرف اللہ ہی ہر ایک کا ہادی ہوتا ہے۔

امۃ الودود! جب تم اس دنیا میں تھیں میں تمہاری عارضی رخصت پر نہایت محبت سے کہا کرتا تھا جاؤ میری بچی تمہارا اللہ حافظ ہو۔ اب تو تم دیر کے لئے ہم سے جُدا ہو رہی ہو۔ اب تو اس سے بھی زیادہ درد

کے ساتھ میرے دل سے یہ نکل رہا ہے کہ جاؤ میری بچی تمہارا اللہ حافظ ہو۔

نادان کہیں گے۔ دیکھو یہ ایک مُردہ سے باتیں کرتا ہے۔ مگر مُردہ تم نہیں وہ ہے۔ نمازیں پڑھنے والے، اپنے رب سے رو رو کر دعائیں کرنے والے بھی مَرا کرتے ہیں؟ اور تم تو بڑی دعائیں کرنے والی اور دعاؤں پر یقین رکھنے والی بچی تھیں۔ . . . . . تو اے بچی! تُو جو دنیا کی تکلیف کے احساس سے اپنے ربّ کے آگے رویا کرتی تھی تجھے اللہ تعالیٰ کب موت دے سکتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہماری آوازیں تیرے تک پہنچاتا رہے گا اور تیری آواز ہمارے تک پہنچاتا رہیگا۔ ہماری جُدائی عارضی ہے اور تیری نئی جگہ یقیناً پہلی سے اچھی ہے۔ دنیوی خیالات کے ماتحت تیری اس بے وقت موت کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا تھا کہ ؎

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بِن کھلے مرجھا گئے

اور میرے دل میں بھی ایک دفعہ یہ شعر آیا۔ مگر جب مَیں نے غور کیا تو یہ شعر تیرے حالات کے بالکل خلاف تھا۔ تُو تو اس باغ میں گئی ہے جس پر کبھی خزاں ہی نہیں آتی۔ حیّ و قیّوم خدا کی جنّاتِ عدن میں مرجھانے کا کیا ذکر۔ اے ہمارے باغ کے غنچے تُو کل سے اللہ تعالیٰ کے باغ کا پھول بن چکا ہے۔ ہمارے دل مُرجھا بھی سکتے ہیں۔ غمگین بھی ہو سکتے ہیں مگر تیرے لئے اب کوئی مُرجھانا نہیں۔ اب تیرا کام یہی ہے کہ ہر روز پہلے سے زیادہ سرسبز ہو، پہلے سے زیادہ پُر رونق ہو۔

جب تیری جان نکلی تو مَیں ایک کونے میں جا کر سجدہ میں گر گیا تھا اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً دُعا کرتا رہا۔ یہانتک کہ تجھے دفن کر کے واپس آئے۔ اور وہ دعا یہ تھی کہ اے اللہ تعالیٰ یہ ناتجربہ کار رُوح تیرے حضور میں آئی ہے۔ تیرے فرشتے اس کے استقبال کو آئیں کہ اُسے تنہائی محسوس نہ ہو۔ اس کے دادا کی رُوح اُسے اپنی گود میں اُٹھالے کہ یہ اپنے آپ کو اجنبیوں میں محسوس نہ کرے محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اس کے سر پر ہو کہ وہ بھی اس کے رُوحانی دادا ہیں۔ اور تیری آنکھوں کے سامنے تیری جنّت میں یہ بڑھے۔ یہاں تک کہ تیری بخشش کی چادر اوڑھے ہوئے ہم بھی وہاں آئیں۔ اور اس کے خوش چہرہ کو دیکھ کر مسرور ہوں۔ اس دُعا کے ساتھ مَیں اب بھی تجھے رخصت کرتا ہوں۔ جا میری بچی تیرا اللہ حافظ ہو ـــــــ اللہ حافظ ہو۔ مرزا محمود احمد "[1]

[1] "الفضل" ۲۳ احسان/جون ۱۳۱۹ہش ۱۹۴۰ء صفحہ ۴-۵

نقشہ توسیع احاطہ مزار مبارک حضرت مسیح موعودؑ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء

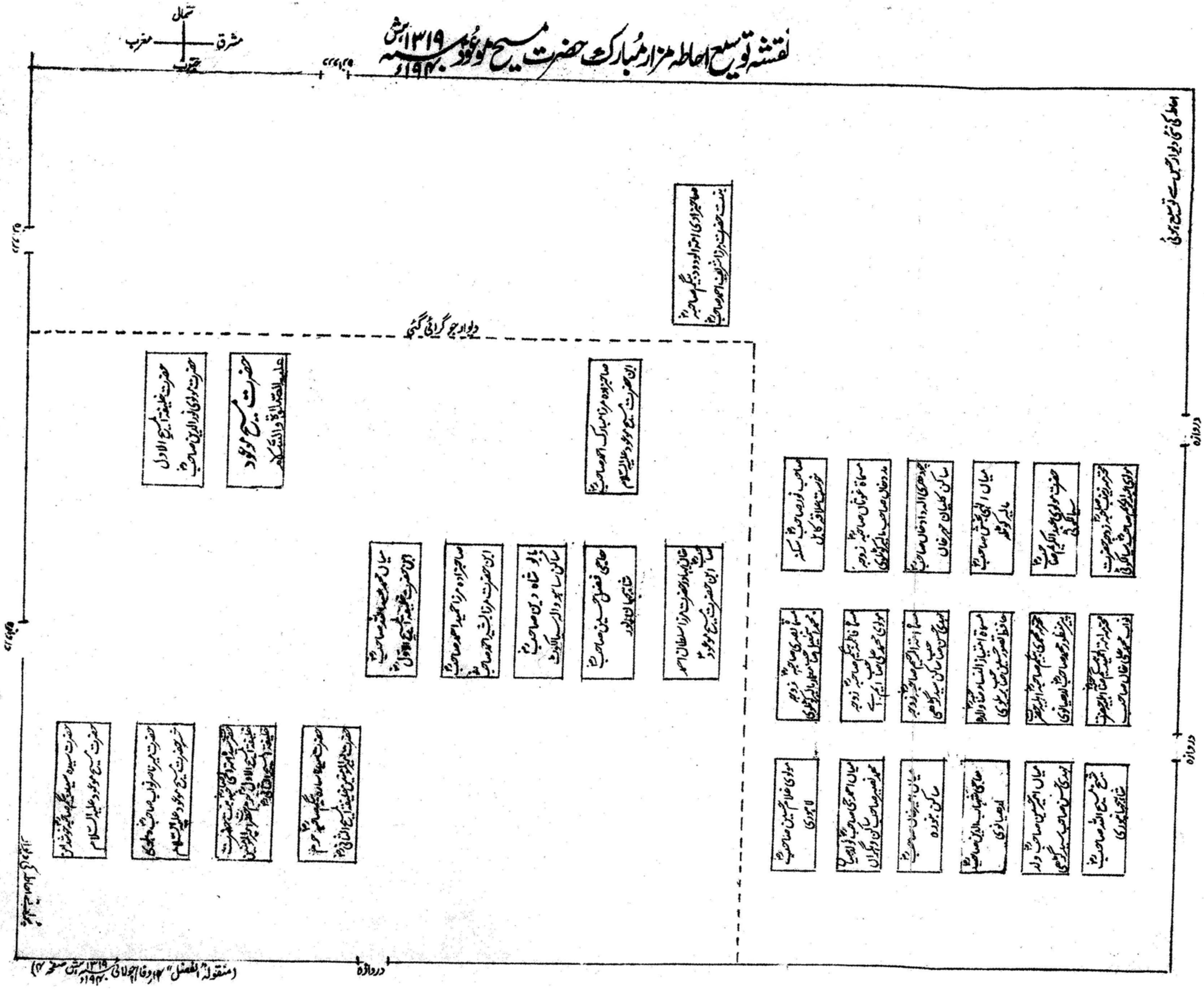

(منقولہ "الفضل" ۲۴ وفا ۱۳۱۹ ہش / جولائی ۱۹۴۰ء صفحہ ۴)

حضرت مسیح موعودؑ کے احاطہ مزار مبارک کی توسیع

اس سال کا ایک قابل ذکر کام یہ بھی ہے کہ اس میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احاطہ مزار مبارک کی مشرق اور شمال دونوں طرف توسیع کی گئی۔ قبل ازیں احاطہ میں بارہ قبریں تھیں مگر نئے اضافہ کے نتیجہ میں مزید انیس قبریں اس مقدس حلقہ میں شامل کر دی گئیں۔ باہر دفن ہونے والے موصیوں کے کتبے اُن کے علاوہ تھے۔ یہ توسیع سال کے وسط میں کی گئی تھی۔

حضرت امیر المومنینؓ کی وصیت

کئی ماہ سے بعض احمدیوں کو بذریعہ خواب یہ دکھایا جا رہا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات قریب ہے۔ نیز یہ کہ صدقہ سے یہ تقدیر ٹل بھی سکتی ہے۔

اس پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے جہاں صدقات کا انتظام فرمایا وہاں ۲۳ر وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو اپنے قلم سے مندرجہ ذیل وصیت لکھی جو "الفضل" ۲۵ر وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے پہلے صفحہ پر شائع ہوئی۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

میری وصیّت

(حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے قلم سے)

برادران! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

کئی ماہ سے دوستوں کی طرف سے مجھے ایسی خوابوں کی اطلاع آ رہی ہے جس میں میری وفات کی خبر انہیں معلوم ہوئی ہے۔ بعض خوابوں میں یہ ذکر بھی ہے کہ صدقے سے یہ امر ٹل سکتا ہے۔

چونکہ خواب میں جو بات دکھائی جائے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔ مَیں نے ان خوابوں کی بناء پر اس قسم کے صدقات کا بھی انتظام کیا ہے جو بعض لوگوں کو بتائے

گئے ہیں اور عام صدقہ کا بھی انتظام کیا ہے۔ مگر چونکہ آخر ہر انسان نے مرنا ہے مَیں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ تقویٰ، خدا تعالیٰ پر توکّل اور دین کی اشاعت کے لئے اپنے اندر جوش پیدا کریں۔ اور اتحاد جماعت کو کبھی ترک نہ کریں۔ اگر وہ ان باتوں پر قائم رہیں گے۔ اگر قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں گے۔ اگر وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر ہمیشہ کان رکھیں گے اور اُن کے پیغام کا جواب اپنے دلوں سے دیتے ہوئے دنیا تک اُسے پہنچاتے رہیں گے، تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کا حافظ و ناصر رہے گا اور کبھی دشمن ان کو ہلاک نہ کر سکے گا بلکہ ان کا قدم ہمیشہ آگے ہی آگے پڑے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

مَیں یہ بھی اعلان کرتا ہوں کہ میری نیّت ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بغیر وصیت کے مقبرہ بہشتی میں دفن ہونے کا حق دیا ہے اس لئے اس کے شکریہ میں نہ کہ مقبرہ بہشتی کی وصیت کے طور پر اپنی جائداد کا، وہ تھوڑا ہو یا بہت، ایک حصّہ ان اغراض کے لئے جو مقبرہ بہشتی کے قیام کی ہیں وقف کر دوں۔ سو اس کے مطابق مَیں اعلان کرتا ہوں کہ میری جائیداد جو بھی قرضہ کی ادائیگی کے بعد بچے اس کی آمد کا دسواں حصّہ میرے ورثاء صدرؔ انجمن احمدیہ کے حوالے کر دیا کریں تاکہ وہ اشاعت اسلام کے کام پر خرچ کیا جائے۔ مگر یہ شکریہ بھی کافی نہیں۔ ایک کام جماعت کا اَور بھی ہے جو توجہ کا مستحق ہے اور جس کی طرف سے جماعت کے احباب اکثر غافل رہتے ہیں اور وہ اس کے غرباء ہیں۔ سو مَیں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ میری جائیداد کا ایک اَور دسواں حصّہ (جو قرض کے ادا کرنے کے بعد بچے) غرباء، مساکین، یتامیٰ، اور بیواؤں کے لئے وقف ہو گا۔ پس میری جائیداد کی جو بھی آمد ہو، کم یا زیادہ، اس میں سے دسواں حصّہ سلسلہ کے مساکین، غرباء، یتامیٰ اور بیواؤں کی امداد کے لئے خرچ کیا جائے۔ اس رقم کو خرچ کرنے کے لئے مَیں ایک کمیٹی تجویز کرتا ہوں جس میں دو نمائندے میرے ورثاء کی طرف سے ہوں اور ایک خلیفہ وقت کی طرف سے۔ وہ باہمی مشورہ سے مذکورہ بالا مستحقین پر اس رقم کو خرچ کریں۔ اگر کبھی اختلاف ہو تو خلیفۂ وقت کا فیصلہ اس بارہ میں ناطق ہو گا۔ مَیں اپنی اولاد سے امید کرتا ہوں کہ وہ اپنی زندگیوں کو دین کے لئے خرچ کریں گے اور دنیاوی ترقیات کو دین کی ضرورتوں پر قربان کریں گے۔

میرا ارادہ اپنی بقیہ جائیداد کو وقف علی الاولاد کرنے کا ہے جس کے لئے میں الگ قواعد مقرر کرونگا اس صورت میں اگر کسی وقت میری اولاد باقی نہ رہے یا میری جائیداد سے فائدہ نہ اُٹھا سکے، تو کل جائیداد یا اس کا کوئی جزو جس پر بھی اس کا اثر ہو وہ سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف ہو جائے گی۔

خدا تعالےٰ ہمارا انجام بخیر کرے اور ہمیں اپنی رضا پر چلنے کی توفیق دے اور ہمارا مرنا جینا اسی کے لئے ہو۔ آمین اللّٰھم آمین۔

خاکسار مرزا محمود احمد ۲۳؍ماہ وفا ۱۳۱۹ہش" [1]

اس وصیت کا شائع ہونا ہی تھا کہ پوری جماعت میں درد و اضطراب کی ایک زبردست لہر پیدا ہوگئی اور ہر جگہ صدقات اور دعاؤں کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہوگیا۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنے کمزور بندوں پر رحم فرمایا اور ان کی دُعاؤں اور صدقات کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے تقدیر بدل دی اور حضرت امیر المومنینؓ کو اس کے بعد پچیس ۲۵ سال کی کامیابی و کامرانی سے معمور لمبی عمر جماعت کی قیادت کے لئے عطا فرمادی۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہ۔

---

[1] "الفضل" ۲۵؍وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء نیز "فاروق" ۲۸؍وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء۔

[2] "الفضل" ۷؍ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، ۹؍ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، ۱۵؍ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، ۱۷؍اگست/ظہور ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

فصل چہارم

مجلس انصار اللہ کا قیام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی تحریک اور رہنمائی میں دسمبر ۱۹۲۲ء[1] سے عورتوں کی تربیت کے لئے لجنہ اماء اللہ اور جنوری ۱۹۳۸ء[2] سے نوجوانوں کی تربیت کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ کی تنظیمیں قائم تھیں اور بہت جوش و خروش سے اپنی تربیتی ذمہ داریاں ادا کر رہی تھیں اور ان کی وجہ سے جماعت میں خدمت دین کا ایک خاص ماحول پیدا ہو چکا تھا۔ مگر ایک تیسرا طبقہ ابھی ایسا باقی تھا جو اپنی پختہ کاری، لمبے تجربہ اور فراست کے اعتبار سے اگرچہ سلسلہ احمدیہ کی بہترین خدمات بجا لا رہا تھا مگر کسی مستقل تنظیم سے وابستہ نہ ہونے کے باعث قوم کی اجتماعی تربیت میں پورا حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ حالانکہ اپنی عمر اور اپنے تجربہ کے لحاظ سے قومی تربیت کی ذمہ داری براہ راست اسی طبقہ پر پڑتی تھی۔ علاوہ ازیں خدام الاحمدیہ کے نوجوانوں کے اندر خدمت دین کے جوش کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے بھی ضروری تھا کہ جب جوانی کے زمانہ کی دینی ٹریننگ کا دور ختم ہو اور وہ عمر کے آخری حصہ میں داخل ہوں تو وہ دوبارہ ایک تنظیم ہی کے تحت اپنی زندگی کے بقیہ ایام گزاریں اور زندگی کے آخری سانس تک دین کی نصرت و تائید کے لئے سرگرم عمل رہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کو "مجلس خدام الاحمدیہ" کی بنیاد رکھتے وقت بھی اس اہم ضرورت کا شدید احساس تھا۔ مگر حضور چاہتے یہ تھے کہ پہلے مجلس خدام الاحمدیہ کی رضاکارانہ تنظیم کم از کم قادیان میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے تو بتدریج کوئی نیا عملی قدم اٹھایا جائے۔ چنانچہ دو ڈھائی سال کے بعد جبکہ یہ مجلس حضور کی تجویز فرمودہ لائنوں پر چل نکلی اور نوجوانوں نے رضاکارانہ طور پر حضور کے منشاء مبارک کے مطابق کام کرنے کرنے کی پوری طرح اہل ثابت کر دکھایا تو حضور نے ۲۶ وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو اعلان فرمایا کہ:۔

"آج سے قادیان میں خدام الاحمدیہ کا کام طوعی نہیں بلکہ جبری ہوگا۔ ہر وہ احمدی جس کی پندرہ سے

---

[1] تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد پنجم صفحہ ۳۱۲ تا ۳۲۱ میں گذر چکی ہے۔

[2] دیکھئے "تاریخ احمدیت" جلد ہشتم صفحہ ۴۴۵ تا ۴۸۰۔

چالیس سال تک عمر ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پندرہ دن کے اندر اندر خدام الاحمدیہ میں اپنا نام لکھا دے" [1] اور خدام الاحمدیہ کو یہ ارشاد فرمایا کہ

"ایک مہینہ کے اندر اندر خدام الاحمدیہ آٹھ سے پندرہ سال کی عمر تک کے بچوں کو منظم کریں۔ اور اطفال احمدیہ کے نام سے ان کی ایک جماعت بنائی جائے اور میرے ساتھ مشورہ کرکے ان کے لئے مناسب پروگرام تجویز کیا جائے۔"

اس اعلان کے ساتھ ہی حضور نے چالیس سال سے اوپر کے احمدیوں کی ایک مستقل تنظیم کی بنیاد رکھی، جس کا نام "**مجلس انصاراللہ**" تجویز فرمایا۔ اور فی الحال قادیان میں رہنے والے اس عمر کے تمام احمدیوں کی شمولیت اس میں لازمی اور ضروری قرار دی۔ انصاراللہ کی تنظیم کا عارضی پریذیڈنٹ مولوی شیر علی صاحبؓ کو نامزد فرمایا اور ان کی اعانت کے لئے مندرجہ ذیل تین سکرٹری مقرر فرمائے:۔

۱۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد ایم اے،

۲۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال ایم اے

۳۔ حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب [2]

اس موقعہ پر حضرت امیرالمؤمنین نے مجلس انصاراللہ کی نسبت بعض بنیادی ہدایات بھی دیں جن کا تذکرہ حضور ہی کے الفاظ میں کیا جانا چاہیئے۔ حضور نے فرمایا:۔

"چالیس سال سے اُوپر عمر والے جس قدر آدمی ہیں وہ انصاراللہ کے نام سے اپنی ایک انجمن بنائیں اور قادیان کے وہ تمام لوگ جو چالیس سال سے اُوپر ہیں اس میں شریک ہوں۔ ان کے لئے بھی لازمی ہوگا کہ وہ روزانہ آدھ گھنٹہ خدمتِ دین کے لئے وقف کریں۔ اگر مناسب سمجھا گیا۔ تو بعض لوگوں سے روزانہ آدھ گھنٹہ لینے کی بجائے مہینہ میں ۳ دن یا کم وبیش اکٹھے بھی لئے جا سکتے ہیں۔ مگر بہرحال تمام بچوں بوڑھوں اور نوجوانوں کا بغیر کسی استثنا کے قادیان میں منظم ہوجانا لازمی ہے۔ مجلس انصاراللہ کے عارضی پریذیڈنٹ مولوی شیر علی صاحب ہوں گے اور سکرٹری کے فرائض سرانجام دینے کے لئے میں مولوی عبدالرحیم صاحب درد، چودھری فتح محمد صاحب اور

---

[1] "الفضل" یکم ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶ کالم ۳

[2] " " " " صفحہ ۷ کالم ۲

خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب کو مقرر کرتا ہوں۔ تین سکرٹری میں نے اس لئے مقرر کئے ہیں کہ مختلف محلوں میں کام کرنے کے لئے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے ان کو فوراً قادیان کے مختلف حصوں میں اپنے آدمی بٹھا دینے چاہئیں اور چالیس سال سے اُوپر عمر رکھنے والے تمام لوگوں کو اپنے اندر شامل کرنا چاہیئے۔ یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ لوگوں کو کس قسم کے کام میں سہولت ہو سکتی ہے۔ اور جو شخص جس کام کے لئے موزوں ہو اس کے لئے اس سے نصف گھنٹہ روزانہ کام لیا جائے۔ یہ نصف گھنٹہ کم سے کم وقت ہے اور ضرورت پر اس سے بھی زیادہ وقت لیا جا سکتا ہے۔ یا یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ کسی سے روزانہ آدھ گھنٹہ لینے کی بجائے مہینہ میں دو چار دن لے لئے جائیں جس دن وہ اپنے آپ کو منظم کر لیں اسی دن میری منظوری سے نیا پریذیڈنٹ اور نئے سکرٹری مقرر کئے جا سکتے ہیں۔ سر دست میں نے جن لوگوں کو اس کام کے لئے مقرر کیا ہے وہ عارضی انتظام ہے اور اس وقت تک کے لئے ہے جب تک سب لوگ منظم نہ ہو جائیں۔ جب منظم ہو جائیں تو وہ چاہیں تو کسی اور کو پریذیڈنٹ اور سکرٹری بنا سکتے ہیں مگر میری منظوری اس کے لئے ضروری ہوگی۔ میرا ان دونوں مجلسوں سے ایسا ہی تعلق ہوگا جیسا مربّی کا تعلق ہوتا ہے اور ان کے کام کی آخری نگرانی میرے ذمہ ہوگی یا جو بھی خلیفہ وقت ہو۔ میرا اختیار ہوگا کہ جب بھی مناسب سمجھوں ان دونوں مجلسوں کا اجلاس اپنی صدارت میں بُلا لوں اور اپنی موجودگی میں ان کو اپنا اجلاس منعقد کرنے کے لئے کہوں۔

یہ اعلان چونکہ صرف قادیان والوں کیلئے ہے اس لئے ان کو میں پھر متنبہ کرتا ہوں کہ کوئی فرد اپنی مرضی سے ان مجالس سے باہر نہیں رہ سکتا۔ سوائے اس کے جو اپنی مرضی سے ہمیں چھوڑ کر الگ ہو جانا چاہتا ہو۔ ہر شخص کو حکماً اس تنظیم میں شامل ہونا پڑے گا۔ اور اس تنظیم کے ذریعہ علاوہ اور کاموں کے اس امر کی بھی نگرانی رکھی جائے گی کہ کوئی شخص ایسا نہ رہے جو مسجد میں

نماز باجماعت پڑھنے کا پابند نہ ہو

سوائے ان زمینداروں کے جنہیں کھیتوں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ یا سوائے ان مزدوروں کے جنہیں کام کے لئے باہر جانا پڑتا ہے۔ گو ایسے لوگوں کے لئے بھی میرے نزدیک کوئی نہ کوئی ایسا انتظام ضرور ہونا چاہیئے جس کے ماتحت وہ اپنی قریب ترین مسجد میں نماز باجماعت پڑھ سکیں۔

اس کے ساتھ ہی مَیں بیرونی جماعتوں کو بھی اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ خدام الاحمدیہ کی مجالس تو اکثر جگہ قائم ہی ہیں۔ اب انہیں ہر جگہ چالیس سال سے زائد عمر والوں کے لئے مجالس انصاراللہ قائم کرنی چاہئیں۔ ان مجالس کے وہی قواعد ہوں گے جو قادیان میں مجلس انصاراللہ کے قواعد ہوں گے۔ مگر سردست باہر کی جماعتوں میں داخلہ فرض کے طور پر نہیں ہوگا۔ بلکہ ان مجالس میں شامل ہونا ان کی مرضی پر موقوف ہوگا۔ لیکن جو پریذیڈنٹ یا امیر یا سکرٹری ہیں ان کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ کسی نہ کسی مجلس میں شامل ہوں۔ کوئی امیر نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصاراللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ کوئی پریذیڈنٹ نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصاراللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ اور کوئی سکرٹری نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی عمر کے لحاظ سے انصاراللہ یا خدام الاحمدیہ کا ممبر نہ ہو۔ اگر اس کی عمر پندرہ سال سے اوپر اور چالیس سال سے کم ہے تو اس کیلئے خدام الاحمدیہ کا ممبر ہونا ضروری ہوگا اور اگر وہ چالیس سال سے اوپر ہے تو اس کیلئے انصاراللہ کا ممبر ہونا ضروری ہوگا۔ اس طرح ڈیڑھ سال تک دیکھنے کے بعد خدا نے چاہا تو آہستہ آہستہ باہر بھی ان مجالس میں شامل ہونا لازمی کر دیا جائیگا۔ کیونکہ احمدیت صحابہ کے نقشِ قدم پر ہے صحابہ سے جب جہاد کا کام لیا جاتا تھا تو ان کی مرضی کے مطابق نہیں لیا جاتا تھا بلکہ کہا جاتا تھا کہ جاؤ کام کرو۔ مرضی کے مطابق کام کرنے کا مَیں نے جو موقعہ دینا تھا وہ قادیان کی جماعت کو مَیں دے چکا ہوں اور جنہوں نے ثواب حاصل کرنا تھا انہوں نے ثواب حاصل کر لیا ہے۔ اب پندرہ سے چالیس سال تک کی عمر والوں کے لئے خدام الاحمدیہ میں شامل ہونا لازمی ہے۔ اور اس لحاظ سے اب وہ ثواب نہیں رہا جو طوعی طور پر کام کرنے کے نتیجے میں ہوسکتا تھا۔ بیشک خدمت کا اب بھی ثواب ہوگا لیکن جو طوعی طور پر داخل ہوئے اور وفا کا نمونہ دکھایا وہ سابق بن گئے۔ البتہ

انصاراللہ کی مجلس

چونکہ اس شکل میں پہلے قائم نہیں ہوئی اور نہ کسی نے میرے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس لئے اس میں جو بھی شامل ہوگا اُسے وہی ثواب ہوگا جو طوعی طور پر نیک تحریکات میں شامل ہونے والوں کو ہوتا ہے۔" [1]

---

[1] "الفضل" یکم ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش ۱۹۴۰ء صفحہ ۷-۸۔

مجلس انصار اللہ اور دوسری مجالس کے بنیادی اغراض و مقاصد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے پیش نظر مجلس انصار اللہ اور دوسری تنظیموں کے قیام کا مقصد کیا تھا اور حضور کی ان سے کیا توقعات وابستہ تھیں؟ اس کی وضاحت خود حضور ہی کے الفاظ میں کیا جانا مناسب ہے۔ حضور فرماتے ہیں :-

"مَیں نے انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال احمدیہ تین الگ الگ جماعتیں قائم کی ہیں تا کہ نیک کاموں میں ایک دوسرے کی نقل کا مادہ جماعت میں زیادہ سے زیادہ پیدا ہو۔ بچے بچوں کی نقل کریں، نوجوان نوجوانوں کی نقل کریں اور بوڑھے بوڑھوں کی نقل کریں جب بچے اور نوجوان اور بوڑھے سب اپنی اپنی جگہ یہ دیکھیں گے کہ ہمارے ہم عمر دین کے متعلق رغبت رکھنے میں وہ اسلام کی اشاعت کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اسلامی مسائل کو سیکھنے اور ان کو دنیا میں پھیلانے میں مشغول ہیں۔ وہ نیک کاموں کی بجاآوری میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیتے ہیں تو اُن کے دلوں میں بھی یہ شوق پیدا ہوگا کہ ہم بھی ان نیک کاموں میں حصہ لیں اور اپنے ہم عمروں سے آگے نکلنے کی کوشش کریں۔ دوسرے وہ جو رقابت کی وجہ سے عام طور پر دلوں میں غصہ پیدا ہوتا ہے وہ بھی پیدا نہیں ہوگا جب بوڑھا بوڑھے کو نصیحت کرے گا، نوجوان نوجوان کو نصیحت کرے گا اور بچہ بچے کو نصیحت کرے گا تو کسی کے دل میں یہ خیال پیدا نہیں ہوگا کہ مجھے کوئی ایسا شخص نصیحت کر رہا ہے جو عمر میں مجھ سے چھوٹا یا عمر میں مجھ سے بہت بڑا ہے۔ وہ سمجھے گا کہ میرا ایک ہم عمر جو میرے جیسے خیالات اور میرے جیسے جذبات اپنے اندر رکھتا ہے مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے اور اس وجہ سے اس کے دل پر نصیحت کا خاص طور پر اثر ہوگا اور وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔ مگر یہ تغیر اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب جماعت میں یہ نظام پورے طور پر رائج ہو جائے . . . . . ہماری جماعت کے سپرد یہ کام کیا گیا ہے کہ ہم نے تمام دنیا کی اصلاح کرنی ہے۔ تمام دنیا کو اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر جھکانا ہے۔ تمام دنیا کو اسلام اور احمدیت میں داخل کرنا ہے۔ تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کو قائم کرنا ہے۔ مگر یہ عظیم الشان کام اس وقت تک سرانجام نہیں دیا جا سکتا، جب تک ہماری جماعت کے تمام افراد خواہ بچے ہوں یا نوجوان ہوں یا بوڑھے ہوں، اپنی

اندرونی تنظیم کو مکمل نہیں کر لیتے اور اس لائحہ عمل کے مطابق دن اور رات عمل نہیں کرتے۔ جو اُن کے لئے تجویز کیا گیا ہے . . . . جب ہم تمام جماعت کے افراد کو ایک نظام میں منسلک کر لیں گے تو اس کے بعد ہم بیرونی دنیا کی اصلاح کی طرف کامل طور پر توجہ کر سکیں گے اس اندرونی اصلاح اور تنظیم کو مکمل کرنے کے لئے میں نے خدام الاحمدیہ، انصاراللہ اور اطفال احمدیہ تین جماعتیں قائم کی ہیں اور یہ تینوں اپنے اس مقصد میں جو اُن کے قیام کا اصل باعث ہے اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہیں جب انصاراللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال احمدیہ اس اصل کو اپنے مدنظر رکھیں جو حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ ہر شخص اپنے فرض کو سمجھے اور پھر رات اور دن اس فرض کی ادائیگی میں اس طرح مصروف ہو جائے جس طرح ایک پاگل اور مجنون تمام اطراف سے اپنی توجہ کو ہٹا کر صرف ایک بات کے لئے اپنے تمام اوقات کو صرف کر دیتا ہے۔ جب تک رات اور دن انصاراللہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے جب تک رات اور دن خدام الاحمدیہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے جب تک، رات اور دن اطفال الاحمدیہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے تمام اوقات کو صرف نہیں کر دیتے اس وقت تک ہم اپنی اندرونی تنظیم مکمل نہیں کر سکتے اور جب تک ہم اپنی اندرونی تنظیم کو مکمل نہیں کر لیتے اس وقت تک ہم بیرونی دنیا کی اصلاح اور اس کی خرابیوں کے ازالہ کی طرف بھی پوری طرح توجہ نہیں کر سکتے۔"[۵۱]

"سلسلہ کے رُوحانی بقاء کے لئے مَیں نے خدام الاحمدیہ، انصاراللہ اور لجنہ اماءاللہ کی تحریکات جاری کی ہوئی ہیں اور یہ تینوں نہایت ضروری ہیں . . . . ان تحریکات کو معمولی نہ سمجھیں۔ اس زمانہ میں ایسے حالات پیدا ہو چکے ہیں کہ یہ بہت ضروری ہیں۔ پرانے زمانہ میں اَور بات تھی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں آپؐ کی ٹریننگ سے ہزاروں استاد پیدا ہو گئے تھے جو خود بخود دوسروں کو دین سکھاتے تھے اور دوسرے شوق سے سیکھتے تھے۔ مگر اب حالات ایسے ہیں کہ جب تک دو دو تین تین آدمیوں کی علیحدہ علیحدہ نگرانی کا انتظام نہ کیا جائے کام نہیں ہو سکتا۔

ہمیں اپنے اندر ایسی خوبیاں پیدا کرنی چاہئیں کہ دوسرے ان کا اقرار کرنے پر مجبور ہوں

---

[۵۱] "الفضل" ۱۱ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء

اور پھر تعداد بھی بڑھانی چاہیئے۔ اگر گلاب کا ایک ہی پھول ہو اور وہ دوسرا پیدا نہ کر سکے تو اس کی خوبصورتی سے دُنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ فتح تو آئندہ زمانہ میں ہونی ہے اور معلوم نہیں کب ہو۔ لیکن ہمیں کم سے کم اتنا تو اطمینان ہو جانا چاہیئے کہ ہم نے اپنے آپ کو ایسی خوبصورتی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ دُنیا احمدیت کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ احمدیت کو دنیا میں پھیلا دینا ہمارے اختیار کی بات نہیں۔ لیکن ہم اپنی زندگیوں کا نقشہ ایسا خوبصورت بنا سکتے ہیں کہ دنیا کے لوگ بظاہر اس کا اقرار کریں یا نہ کریں مگر ان کے دل احمدیت کی خوبی کے معترف ہو جائیں اور اس کے لئے جماعت کے سب طبقات کی تنظیم نہایت ضروری ہے۔" [۱]

ایک اور موقعہ پر فرمایا:-

"عوام سُست ہوں تو حکّام ان پر نگرانی کے لئے موجود ہوتے ہیں اور حکّام سست ہوں تو عوام ان پر نگرانی کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ اسی نکتہ کو مدنظر رکھ کر مَیں نے جماعت میں خدام خلق اور انصاراللہ دو الگ الگ جماعتیں قائم کیں۔ کیونکہ مَیں سمجھتا ہوں ایسا ہو سکتا ہے کہ کبھی "حکومت" کے افراد سُست ہو جائیں اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کبھی عوام سُست ہو جائیں۔ عوام کی غفلت اور اُن کی نیند کو دُور کرنے کے لئے جماعت میں ناظر وغیرہ موجود تھے۔ مگر چونکہ ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ کبھی ناظر سُست ہو جائیں اور وہ اپنے فرائض کو کما حقہٗ ادا نہ کریں۔ اس لئے اُن کی بیداری کے لئے بھی کوئی نہ کوئی جماعتی نظام ہونا چاہیئے تھا جو اُن کی غفلت کو دور کرتا اور اس غفلت کا بدل جماعت کو مہیا کرنے والا ہوتا۔ چنانچہ خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ اور لجنہ اماء اللہ اسی نظام کی دو کڑیاں ہیں اور ان کو اسی لئے قائم کیا گیا ہے تاکہ وہ نظام کو بیدار رکھنے کا باعث ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر عوام اور حکّام دونوں اپنے اپنے فرائض کو سمجھیں تو جماعتی ترقی کے لئے خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ ایک نہایت ہی مفید اور خوشکن لائحہ عمل ہوگا۔ اگر ایک طرف نظارتیں جو نظام کی قائم مقام ہیں، عوام کو بیدار کرتی رہیں اور دوسری طرف خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ اور لجنہ اماء اللہ جو عوام کے قائمقام ہیں نظام کو بیدار کرتے رہیں تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کسی وقت جماعت کُلّی طور پر گر جائے اور اس کا قدم ترقی کی طرف اُٹھنے سے رُک جائے۔ جب بھی ایک غافل ہوگا دوسرا اُسے جگانے کے لئے تیار ہوگا۔ جب بھی ایک سُست ہوگا ؍ دوسرا اُسے ہوشیار کرنے کے لئے آگے نکل آئے گا کیونکہ

---

[۱] الفضل یکم امان ۱۳۲۴ ہش / ۱ مارچ ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱، ۲ (تقریر حضرت مصلح موعودؓ بر موقعہ جلسہ سالانہ ۱۳۲۱ ہش)۔

وہ دونوں ایک ایک حصہ کے نمائندہ ہیں۔“ [1]

نیز فرمایا:۔

”انصاراللہ کا وجود اپنی جگہ نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ تجربہ جو قیمت رکھتا ہے وہ اپنی ذات میں بہت اہم ہوتی ہے۔ اسی طرح امنگ اور جوش جو قیمت رکھتا ہے وہ اپنی ذات میں بہت اہم ہوتی ہے۔ خدام الاحمدیہ نمائندے ہیں جوش اور امنگ کے، اور انصاراللہ نمائندے ہیں تجربہ اور حکمت کے، اور جوش اور امنگ اور تجربہ اور حکمت کے بغیر کبھی کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکتی“ [2]

اسی سلسلہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

”میری غرض انصاراللہ اور خدام الاحمدیہ کی تنظیم سے یہ ہے کہ عمارت کی چاروں دیواروں کو میں مکمل کر دوں۔ ایک دیوار انصاراللہ ہیں، دوسری دیوار خدام الاحمدیہ ہیں اور تیسری دیوار اطفال الاحمدیہ ہیں اور چوتھی دیوار لجنات اماءاللہ ہیں۔ اگر یہ چاروں دیواریں ایک دوسری سے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں تو یہ لازمی بات ہے کہ کوئی عمارت کھڑی نہیں ہو سکے گی۔ عمارت اس وقت مکمل ہوتی ہے جب اس کی چاروں دیواریں آپس میں جُڑی ہوئی ہوں۔ اگر علیحدہ علیحدہ ہوں تو وہ چار دیواریں ایک دیوار جتنی قیمت بھی نہیں رکھتیں۔ کیونکہ اگر ایک دیوار ہو تو اس کے ساتھ ستون کھڑے کر کے چھت ڈالی جا سکتی ہے لیکن اگر ہوں تو چاروں دیواریں، لیکن چاروں علیحدہ علیحدہ کھڑی ہوں تو ان پر چھت نہیں ڈالی جا سکے گی۔ اور اگر اپنی حماقت کی وجہ سے کوئی شخص چھت ڈالے گا تو وہ گر جائے گی۔ کیونکہ کوئی دیوار کسی طرف ہو گی اور کوئی دیوار کسی طرف۔ ایسی حالت میں ایک دیوار کا ہونا زیادہ مفید ہوتا ہے بجائے اس کے کہ چار دیواریں ہوں اور چاروں علیحدہ علیحدہ ہوں۔

پس خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ دونوں کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں اپنے آپ کو تفرقہ اور شقاق کا موجب نہیں بنانا چاہیئے۔ اگر کسی حصہ میں شقاق پیدا ہوا تو خدا تعالیٰ کے سامنے تو وہ جوابدہ ہوں گے ہی میرے سامنے بھی جوابدہ ہوں گے یا جو بھی امام ہو گا اس کے سامنے انہیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ کیونکہ ہم نے یہ مواقع ثواب حاصل کرنے کے لئے مہیا کئے ہیں اس لئے مہیا نہیں کئے کہ جماعت

---

[1] ”الفضل“ ۱۷ ر نبوت/نومبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۳-۴

[2] ”الفضل“ ۳۰ ر وفا/جولائی ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۴

کو جو طاقت پہلے سے حاصل ہے اس کو بھی ضائع کر دیا جائے" ؎۱

انصار اللہ کی حیثیت جماعتی نظام میں

انصار اللہ کی حیثیت جماعتی نظام میں کیا ہے؟ اس کی وضاحت بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے مجلس کی بنیاد کے زمانہ میں فرمادی تھی۔ چنانچہ فرمایا:-

"انصار اللہ گو تنظیم کے لحاظ سے علیحدہ ہیں مگر بہر حال وہ لوکل انجمن کا ایک حصہ ہیں۔ ان کو بھی کوئی پریذیڈنٹ بحیثیت جماعت حکم نہیں دے سکتا۔ ہاں فرداً فرداً وہ انصار اللہ کے ہر ممبر کو اپنی مدد کے لئے بُلا سکتا ہے اور انصار اللہ کا فرض ہے کہ وہ لوکل انجمن کے ہر پریذیڈنٹ کے ساتھ پورے طور پر تعاون کریں۔ بہر حال کوئی پریذیڈنٹ انصار اللہ کو بحیثیت انصار اللہ یا خدام الاحمدیہ کو بحیثیت خدام الاحمدیہ کسی کام کا حکم نہیں دے سکتا۔ وہ یہ تو کہہ سکتا ہے کہ چونکہ تم احمدی ہو اس لئے آؤ، اور فلاں کام کرو۔ مگر وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آؤ انصار یہ کام کرو یا آؤ خدام یہ کام کرو۔ خدام کو خدام کا زعیم مخاطب کر سکتا ہے اور انصار کو انصار کا زعیم مخاطب کر سکتا ہے۔ مگر چونکہ لوکل انجمن ان دونوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ انصار بھی اس میں شامل ہوتے ہیں اور خدام بھی اس میں شامل ہوتے ہیں اس لئے گو وہ بحیثیت جماعت خدام اور انصار کو کوئی حکم نہ دے سکے مگر وہ ہر خادم اور انصار اللہ کے ہر ممبر کو ایک احمدی کی حیثیت سے بُلا سکتا ہے اور خدام اور انصار دونوں کا فرض ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں۔" ؎۲

مجلس انصار اللہ کا پہلا دور
وفا ۱۳۱۹ ہش تا فتح ۱۳۲۱ ہش
جولائی ۱۹۴۰ء دسمبر ۱۹۴۲ء

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی ہدایات و ارشادات کی روشنی میں مجلس انصار اللہ کی تنظیم قائم کرنے اور اس کے لئے ابتدائی طریق کار تجویز کرنے اور ڈھانچہ بنانے کے لئے ۲۷ وفا/جولائی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو مسجد مبارک قادیان میں صبح ساڑھے نو بجے ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، آپ کے تینوں سکرٹری (حضرت مولوی عبد الرحیم صاحبؓ درد، حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال اور خانصاحب مولوی فرزند علی صاحبؓ) شامل ہوئے اور حسب ذیل فیصلے کئے گئے:-

---

؎۱ "الفضل" ۳۰ وفا/جولائی ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۱، ۲۔

؎۲ " " " صفحہ ۴ کالم ۳۔

۱۔ قادیان کے انصار کی مردم شماری اور تجنید کے لئے دو ہزار فارم چھپوا لیا جائے۔ فارم کا نمونہ حسب ذیل منظور کیا گیا :۔

نمبر شمار ۔ نام ۔ ولدیت ۔ عمر ۔ تعلیم ۔ تربیت ۔ پتہ ۔ تاریخ

(حاشیہ) سابق سکونت ۔ تاریخ ہجرت (اُن لوگوں کی جو ۱۹۳۰ء کے بعد قادیان آئے)

۲۔ قادیان کو تین حلقوں میں تقسیم کر کے ان کی نگرانی کا کام مندرجہ ذیل طریق سے تینوں سکرٹریوں کے سپرد کیا گیا :۔

نام	حلقہ
حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال	دارالسعۃ مع کھارا ، دارالبرکات مع بھینی دارالانوار مع قادر آباد
حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد	مسجد مبارک ، مسجد اقصیٰ ، مسجد فضل مع دارالصحت ، ناصر آباد مع ننگل
حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب	دارالرحمت ، دارالعلوم مع احمد آباد ، دارالفضل دارالفتوح

(۳۰؍اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو بعض مشکلات کی وجہ کھارا ، بھینی اور ننگل کے احباب انصاراللہ کی ہدایات کی پابندیوں سے ایک سال کے لئے مستثنیٰ کر دیئے گئے تھے)

اس اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ ہر حلقہ میں سکرٹریان اپنے معاون خود مقرر کر لیں گے۔ [۱]

اس پہلے اجلاس کے بعد قادیان کے محلوں میں انصاراللہ کی تنظیم کا عملی دور شروع ہو گیا۔ ۲؍ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو فیصلہ کیا گیا کہ ہر حلقہ میں انصاراللہ کے دس دس افراد کے گروپ بنائے جائیں اور ہر ایک گروپ کا ایک ایک لیڈر ہو۔ اسی دن کے اجلاس میں شرح چندہ کم از کم ایک آنہ ماہوار رکھی گئی اور قرار پایا کہ جو دوست ایک آنہ ماہوار بھی نہ دے سکیں اُن کو تخفیف یا معافی دینا سکرٹری حلقہ کے اختیار میں ہوگا۔

چندہ کی فراہمی کا کام ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء سے شروع ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی انجمن انصاراللہ کے نام سے خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں امانت کا حساب کھولا گیا جس کا لین دین صدر مجلس انصاراللہ کے

---

[۱] ریکارڈ مجلس انصاراللہ ۔

دستخطوں سے ہوتا تھا چندہ کی ایک ایک آنہ کی رسیدیں دینے کی بجائے اس کے ریکارڈ کا یہ محتاط طریق اختیار کیا گیا کہ جو چندہ جمع کیا جاتا وہ فوراً چندہ دینے والے کے سامنے اور اسے دکھلا کر رجسٹر میں درج کر دیا جاتا اور وصول شدہ چندہ کی ایک فہرست ہر محلہ کی مسجد میں کسی کی زیر نگرانی نمازوں کے وقت آویزاں کر دی جاتی۔

ماہ نبوت/نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں مجلس انصاراللہ کی تنظیم کو مضبوط تر بنانے کے لئے ہر محلہ میں حلقہ کے سکرٹری کے تحت ایک زعیم مقرر کیا گیا جو سکرٹری حلقہ کے سامنے ہر قسم کے کام کی نگرانی کا ذمہ دار تھا اور سیکرٹری حلقہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے مندرجہ ذیل چھ عہدیدار بطور معاون اپنے حلقہ میں سے چُن لے:۔

جنرل سیکرٹری ، ناظم مال ، ناظم تربیت ، ناظم تعلیم ، ناظم تبلیغ ، ناظم امور دنیا

انصاراللہ کے اولین فرائض

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے انصاراللہ کے ذمہ شروع میں پانچ کام لگائے:۔

۱۔ تبلیغ کرنا ۲۔ قرآن شریف پڑھانا ۳۔ شرائع کی حکمتیں بتانا ۴۔ اچھی تربیت کرنا ۵۔ قوم کی دنیوی کمزوریوں کو دُور کر کے اسے ترقی کے میدان میں بڑھانا [۱]

بیرونی مقامات کی ابتدائی مجالس

پہلے سال قادیان کے علاوہ جن بیرونی مقامات پر انصاراللہ کی مجالس کا قیام عمل میں آیا ان کے نام یہ ہیں:۔

کلکتہ ۔ برہمن بڑیہ (بنگال) ۔ گوجرہ (ضلع لائل پور) ۔ چک سکندر (ضلع گجرات)۔ رنگون۔ درگانوالی، پنڈال، پھاگو بیشے، پھاگو وال، کوٹ کریم بخش (ضلع سیالکوٹ) ۔ کیرنگ (ضلع پوری اڑیسہ) کراچی۔ مالیر کوٹلہ ۔ عالم گڑھ (ضلع گجرات) ۔ لاہور ۔ شاہ مسکین (ضلع شیخوپورہ) شاہدرہ (لاہور) ۔ داتا زیدکا (ضلع سیالکوٹ) کوئٹہ ۔ کوٹ رحمت خاں (ضلع شیخوپورہ) ۔ کپورتھلہ ۔ جہلم ۔ فیروز پور۔ لالہ موسیٰ ۔ چک ۹۹ شمالی (سرگودہا) ۔ چوہدریوالہ رکھ ۱۰۸ (ضلع لائل پور) منٹھیانہ (ضلع ہوشیارپور) ۔ لکھنؤ۔ گجرات ۔ بہادر کوٹ (ڈاکخانہ کوہاٹ)۔ لاچی بالا (ضلع کوہاٹ)۔ گورداسپور ۔ جادر (وسطی ہند) ۔ محمد آباد ٹالی (سندھ)۔ گولیکی (ضلع گجرات) بمبئی۔ مردان (صوبہ سرحد)۔ کولابہ (بمبئی) ۔ سکندر آباد ۔ بالاکوٹ (ہزارہ) ۔ بانکی پور (پٹنہ) ۔ نوشہرہ ککے زئیاں (پسرور) ۔ چار کوٹ (ریاست جموں) ۔ چک ۳۳۲ ج ب (ضلع لائلپور)

[۱] الفضل ۲۰ شہادت ۱۳۲۰ہش/اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۶

جبل پور (سی پی) - چاہ ڈیڈی (ضلع سمرا) - نودھراں (ضلع ملتان) - چاہ قادر نہ موضع ٹھڈا[1]

مجلس انصار اللہ نے اپنے قیام کے ابتدائی دو ڈھائی سال خدام الاحمدیہ کے مختلف جماعتی کاموں مثلاً ہفتہ تعلیم وتلقین، وقار عمل اور امتحان کتب مسیح موعودؑ میں اشتراک عمل کی طرف خاص توجہ دی مگر خدام الاحمدیہ کے مقابل اس کی تنظیمی سرگرمیوں کی رفتار نہایت غیر تسلی بخش اور سست رہی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء کے موقعہ پر ارشاد فرمایا:-

"مجھے افسوس ہے کہ احباب جماعت نے تاحال انصار اللہ کی تنظیم میں وہ کوشش نہیں کی جو کرنی چاہیئے تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس کا ابھی کوئی دفتر وغیرہ بھی نہیں۔ مگر دفتر قائم کرنا کس کا کام تھا، بے شک اس کے لئے سرمایہ کی ضرورت تھی۔ مگر سرمایہ مہیا کرنے سے انہیں کس نے روکا تھا شاید وہ کہیں کہ خدام الاحمدیہ کو تحریک جدید سے مدد دی گئی ہے۔ مگر ان کی مدد سے ہم نے کب انکار کیا۔ ان کو بھی چاہیئے تھا کہ دفتر بناتے اور چندہ جمع کرتے۔ اب بھی انہیں چاہیئے کہ دفتر بنائیں کلرک وغیرہ رکھیں۔ خط وکتابت کریں۔ ساری جماعتوں میں تحریک کر کے انصار اللہ کی مجالس قائم کریں اور چالیس سال سے زیادہ عمر کے سب دوستوں کی تنظیم کریں"[2]

مجلس انصار اللہ کا دوسرا دور

۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء سے مجلس انصار اللہ کی تحریک دوسرے دور میں داخل ہوئی جبکہ باقاعدہ مرکزی دفتر قائم ہوا۔ مقامی سیکرٹریوں کو مستقل شعبے سپرد کئے گئے۔ سالانہ بجٹ تجویز ہوا۔ دستور اساسی مرتب کیا گیا۔ مرکزی قائدین کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ مجلس کے آنریری انسپکٹر، آڈیٹر اور نمائندگان مشاورت منتخب کئے گئے۔ سالانہ اجتماعات کا آغاز ہوا۔ اور انصار اللہ کے ارکان قادیان اور بیرونی مقامات پر تبلیغی سرگرمیوں کی طرف پہلے سے زیادہ توجہ دینے لگے۔

مرکزی دفتر کا قیام

اب تک مجلس انصار اللہ کا کوئی مرکزی دفتر نہیں تھا۔ صدر مجلس (حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ) اور دوسرے تین مرکزی عہدیدار جو مرکزی سیکرٹری کہلاتے تھے، مسجد مبارک میں جمع ہوتے اور مجلس کی تنظیم اور دوسرے امور کے بارہ میں باہمی مشورہ کرتے اور کارروائی باقاعدہ ایک رجسٹر[3] میں محفوظ کر لی جاتی۔ دفتری نوعیت کے کام مجلس کے آنریری کارکن شیخ عبدالرحیم صاحب شرما (نومسلم سابق کشن لعل)

---

[1] "الفضل" ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۶

[2] "الفضل" یکم امان/مارچ ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲

[3] یہ رجسٹر اب تک مجلس انصار اللہ مرکزیہ ربوہ کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

انجام دیا کرتے تھے۔ لیکن صلح/جنوری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء سے مجلس کا مرکزی دفتر فی الحال گیسٹ ہاؤس دارالانوار کے ایک مغربی کمرہ میں قائم کیا گیا اور ساتھ ہی ایک کلرک کی اسامی بیس روپیہ مشاہرہ پر منظور کی گئی جس پر شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم شرما ہی مقرر کئے گئے۔[1]

ابتدائی تین سالوں میں دفتر مرکزیہ انصار اللہ کے لئے اپنا کوئی سامان فرنیچر وغیرہ نہیں تھا۔ "مجلس تعلیم" اور "ترجمۃ القرآن" کے دفتر کا فرنیچر مستعار لے کر استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن ۷ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ایک درمیانی میز، چار کرسیاں اور ایک بنچ خریدنے کے لئے مبلغ ساٹھ روپیہ کی منظوری دی گئی۔

اسی روز فیصلہ ہوا کہ مرکزی دفتر گیسٹ ہاؤس سے شہر میں منتقل کر دیا جائے۔ ۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو قرار پایا کہ مجلس مرکزیہ کا مستقل دفتر تعمیر کیا جائے اور اخراجات کے لئے پندرہ ہزار روپیہ کا تخمینہ لگایا گیا۔ تعمیر دفتر کے علاوہ نشر و اشاعت کی مضبوطی کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ ان ہر دو کاموں کے لئے مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے قائد مال (حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ) کو عطیات کی فراہمی کا اختیار دیا گیا۔ چنانچہ سالانہ اجتماع ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء پر اس چندہ کی تحریک کی گئی۔ نیز ایک سب کمیٹی بھی مقرر کی گئی۔ جس کے صدر ماسٹر خیرالدین صاحب (نائب ناظر تعلیم و تربیت)، سکرٹری منشی محمدالدین صاحب مختار عام، نائب سیکرٹری مولوی عطا محمد صاحب ہیڈ کلرک دفتر بہشتی مقبرہ اور ممبر بابو فضل دین صاحب ریڈر ہائیکورٹ اور بابو قاسم دین صاحب گورداسپور تھے۔[2] ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں ہر دو مدات میں صرف ۱۴۷۶ روپے وصول ہو سکے۔ ان دنوں مجلس کی مالی حالت نہایت درجہ مخدوش تھی، جس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں مجلس کو چندہ کی آمد صرف مبلغ آٹھ صد نو روپے (۸۰۹) ایک آنہ چھ پائی ہوئی۔[3]

مرکزی سیکرٹریوں کو شعبوں کی تفویض

ابتدا میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ارشاد بلکہ نامزدگی پر مجلس انصار اللہ کے تین مرکزی سکرٹری مقرر تھے جن کے سپرد

---

[1] حضرت شیخ صاحبؓ کا اصل وطن قصبہ تو ڑ ریاست پٹیالہ تھا۔ پیدائش ۱۸۸۸ء میں ہوئی۔ وسط ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۰ء کو مستقل طور پر ہجرت کر کے قادیان آگئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب شرما مبلغ مشرقی افریقہ آپ ہی کے خلف الرشید ہیں۔ "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۴۱ تا ۶۹ (مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے) میں آپ کے خود نوشت حالات شائع شدہ ہیں۔

[2] "الفضل" ۱۰ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۵ کالم ۳۔

[3] "الفضل" 〃 〃 〃 〃۔

قادیان کے کئی کئی محلے تھے جن کو مجموعی طور پر ہر ایک شعبہ (مثلاً تبلیغ، تعلیم و تربیت اور چندوں کی فراہمی وغیرہ) کے کام اپنے اپنے حلقوں میں کرنے پڑتے تھے۔ مگر ۱۰ ارصلح/جنوری ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء کو سابقہ انتظام بدل دیا گیا اور اس کی بجائے مرکزی سکرٹریوں کو علیحدہ علیحدہ شعبے تقسیم کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس نئی تقسیم کے مطابق:-

۱۔ حضرت خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب مہتمم مال اور مہتمم تعلیم و تربیت مقرر کئے گئے۔

۲۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد کو جنرل سکرٹری کا فریضہ سپرد ہوا۔ آپ صدر مجلس کی نگرانی میں مرکزی دفتر کے انچارج بھی تھے اور بیرونی مجالس کا کام بھی آپ کے ماتحت تھا۔

۳۔ شعبہ تبلیغ کے مہتمم حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال قرار پائے[۱]

قادیان میں انصار اللہ کی تبلیغی جدوجہد

اگرچہ انصار اللہ کے والنٹیر پہلے دور میں بھی شعبہ مقامی تبلیغ صدر انجمن احمدیہ کی ہدایت پر بیرونی مقامات پر جاتے تھے اور تبلیغی خدمات انجام دیتے تھے۔ مگر منظم رنگ میں اس مہم کا آغاز ۵ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء کو ہوا۔ اس دن تبلیغی اغراض کے لئے قادیان کو آٹھ حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا کہ ان میں سے دو حلقوں کی دو کانیں جمعرات کو اور جمعہ کو نماز جمعہ کے اختتام تک بند رہا کریں گی اور دو دو کا نداز ہر جمعرات کو تبلیغ کے لئے باہر چلے جائیں گے اور جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات باہر گذار کر جمعہ کی نماز قادیان آکر ادا کریں گے۔[۲]

اس فیصلہ کے بعد انصار ایک تنظیم کے ساتھ قادیان کے گردو نواح میں تشریف لے جاتے اور پیغام حق پہنچاتے تھے۔ بعد کو قادیان کے علاوہ بیرونی مجالس میں بھی تبلیغی وفود بھجوائے جانے لگے جن کی رپورٹیں اس زمانہ کے "الفضل" میں شائع شدہ موجود ہیں۔

قادیان میں مجلس انصار اللہ کے اجلاسوں کی ابتداء

قبل ازیں مجلس انصار اللہ کے کام سے متعارف کرانے کے لئے محلوں میں کوئی جلسے نہ ہوتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ اکثر لوگ اس اہم تحریک سے ابھی پوری طرح واقف نہیں تھے اور اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ مجلس کے لئے محلہ وار اجلاس کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ چنانچہ ۲ امان/مارچ ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء کو فیصلہ کیا گیا کہ تمام انصار اللہ قادیان کا ایک ایک ماہ کے وقفہ کے بعد باری باری اجلاس منعقد ہوا کرے۔

---

[۱] ریکارڈ مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔

[۲] " " " قادیان کے ماحول میں انصار اللہ کی تبلیغی مساعی کی رپورٹیں "الفضل" ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء اور ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء میں ملتی ہیں۔

جس میں انصاراللہ کو ان کے کام کی اہمیت سے واقف کرایا جائے اور کام کرنے کا شوق دلا کر بیداری پیدا کی جائے۔ انصاراللہ کی تحریک کو زیادہ سے زیادہ روشناس کرانے کے لئے زعماء انصاراللہ کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ وہ ان مرکزی اجلاسوں کے علاوہ اپنے محلوں میں بھی اجلاس کیا کریں۔

زعماء انصاراللہ اور گروپ لیڈروں کے مشاورتی اجلاس

مجلس کی طرف سے تنظیمی اجلاس کے آغاز کے ساتھ ہی یہ لازم قرار دے دیا گیا کہ قادیان کے محلوں کے جملہ زعماء انصار اور گروپ لیڈروں کا بھی ماہوار اجلاس ہوا کرے جن میں پیش آمدہ مشکلات پر غور کر کے اصلاح احوال کی مناسب تجاویز سوچیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا اہم خطبہ انصاراللہ کے متعلق

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ۲۲ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے خطبۂ جمعہ میں انصاراللہ کے فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی اور مجلس کی بیداری اور تنظیم کی کامیابی کے لئے بعض نہایت سنہری اصول پیش فرمائے۔ چنانچہ فرمایا :-

"میرا مقصد ان جماعتوں کے قیام سے ہر فرد کے اندر ایک بیداری پیدا کرنا تھا مگر ... جتنی بیداری خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ کے ذریعہ جماعت میں پیدا ہوئی ہے وہ ہرگز کافی نہیں بلکہ کافی کا ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انصاراللہ خصوصیت کے ساتھ اپنے کام کی عمدگی سے نگرانی کریں تاکہ ہر جگہ اور ہر مقام پر ان کا کام نمایاں ہو کر لوگوں کے سامنے آجائے اور وہ محسوس کرنے لگ جائیں کہ یہ ایک زندہ اور کام کرنے والی جماعت ہے۔ مگر مَیں سمجھتا ہوں کہ جب تک انصاراللہ اپنی ترقی کے لئے صحیح طریق اختیار نہیں کریں گے اس وقت تک انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ مثلاً مَیں نے انہیں توجہ دلائی تھی کہ وہ اپنے کام کی توسیع کے لئے روپیہ جمع کریں اور اُسے مناسب اور ضروری کاموں پر خرچ کریں۔ مگر میری اس ہدایت کی طرف انہوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اب مَیں دوسری بات انہیں یہ کہنا چاہتا ہوں گو غالباً مَیں ایک دفعہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اگر انہیں مالی مشکلات ہوں تو سلسلہ کی طرف سے کسی حد تک انہیں مالی مدد بھی دی جاسکتی ہے مگر بہرحال پہلے انہیں خود عملی قدم اُٹھانا چاہیئے اور روپیہ خرچ کر کے اپنے کام کی توسیع کرنی چاہیئے۔ مَیں سمجھتا ہوں۔ بڑی عمر کے لوگوں کو ضرور یہ احساس اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے کہ وہ شباب کی عُمر میں

سے گذر کر اب ایک ایسے حصّہ عمر میں سے گذر رہے ہیں جس میں دماغ تو سوچنے کے لئے موجود ہوتا ہے مگر زیادہ عمر گذرنے کے بعد ہاتھ پاؤں محنت ومشقت کے کام کرنے کے قابل نہیں رہتے اِس وجہ سے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کاموں کے سرانجام دینے کیلئے کچھ نوجوان سیکرٹری (چالیس سال کے اوپر کے مگر زیادہ عمر کے نہ ہوں) مقرر کریں۔ جن کے ہاتھ پاؤں میں طاقت ہو۔ اور وہ دوڑنے بھاگنے کا کام آسانی سے کرسکیں۔ تاکہ ان کے کاموں میں سُستی اور غفلت کے آثار پیدا نہ ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر وہ چالیس ۴۰ سال سے پچپن ۵۵ سال کی عمر تک کے لوگوں پر نظر دوڑاتے تو انہیں ضرور اس عمر کے لوگوں میں سے ایسے لوگ مل جاتے جن کے ہاتھ پاؤں بھی ویسے ہی چلتے جیسے اُن کے دماغ چلتے ہیں۔ مگر انہوں نے اس طرف توجہ نہ کی اور صرف انہی کو سکرٹری مقرر کر دیا جن کا نام مَیں نے ایک دفعہ لیا تھا۔ . . . . . حالانکہ مَیں نے وہ نام اس لئے لئے تھے کہ میرے نزدیک وہ اچھا دماغ رکھنے والے تھے۔ ان کی رائے صائب اور سلجھی ہوئی تھی اور وہ مفید مشورہ دینے کی اہلیت رکھتے تھے۔ اس لئے نام نہیں لئے تھے کہ ان میں کام کرنے کی ہمت اور قوت بھی نوجوانوں والی موجود ہے اور وہ دوڑ بھاگ بھی کرسکتے ہیں۔ ان کا کام صرف نگرانی کرنا تھا اور ضروری تھا کہ ان کے ماتحت ایسے نوجوان لگائے جاتے جو دوڑنے بھاگنے کا کام کرسکتے۔ اب بھی اگر وہ اچھا کام کرنا چاہتے ہیں تو انہیں سابق سکرٹریوں کے ساتھ بعض نوجوان مقرر کر دینے چاہئیں۔ چاہے نائب سکرٹری بنا کر یا جائنٹ سکرٹری بنا کر تاکہ انصار اللہ میں بیداری پیدا ہو اور ان پر غفلت اور جمود کی جو حالت طاری ہو چکی ہے وہ دُور ہو جائے۔ ورنہ یاد رکھیں عمر کا تقاضا ایک قدرتی چیز ہے۔ . . . . مَیں سمجھتا ہوں انصار اللہ پر بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ وہ اپنی عمر کے آخری حصّہ میں سے گذر رہے ہیں۔ اور یہ آخری حصّہ وہ ہوتا ہے جب انسان دنیا کو چھوڑ کر اگلے جہان جانے کی فکر میں ہوتا ہے اور جب کوئی انسان اگلے جہان جا رہا ہو تو اس وقت اسے اپنے حساب کی صفائی کا بہت زیادہ خیال ہوتا ہے اور وہ ڈرتا ہے کہ کہیں وہ ایسی حالت میں اس دنیا سے کوچ نہ کر جائے کہ اس کا حساب گندہ ہو۔ اس کے اعمال خراب ہوں اور اس کے پاس وہ زادِ راہ نہ ہو جو اگلے جہان میں کام آنے والا ہے۔ جب احمدیت کی غرض یہی ہے کہ بندے اور خدا کا تعلق درست ہو جائے تو ایسی عمر میں اور عمر کے ایسے حصّہ میں اس کا جس قدر احساس ایک مومن کو ہونا چاہیئے وہ

کسی شخص سے مخفی نہیں ہو سکتا۔ نوجوان تو خیال بھی کر سکتے ہیں کہ اگر ہم سے خدمتِ خلق میں کوتاہی ہوئی تو انصاراللہ اس کام کو ٹھیک کر لیں گے۔ مگر انصاراللہ کس پہ انحصار کر سکتے ہیں؟ وہ اگر اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیں گے اور اگر دین کی محبت اپنے نفوس میں اور پھر تمام دنیا کے قلوب میں پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ وہ اگر احمدیت کی اشاعت کو اپنا اوّلین مقصد قرار نہ دیں گے اور وہ اگر اس حقیقت سے اغماض کر لیں گے کہ انہوں نے اسلام کو دنیا میں پھر زندہ کرنا ہے۔ تو انصاراللہ کی عمر کے بعد اور کونسی عمر ہے جس میں وہ یہ کام کریں گے۔ انصاراللہ کی عمر کے بعد تو پھر ملک الموت کا زمانہ ہے۔ اور ملک الموت اصلاح کے لئے نہیں آتا بلکہ وہ اس مقام پر کھڑا کرنے کے لئے آتا ہے جب کوئی انسان سزا یا انعام کا مستحق ہو جاتا ہے۔

پس میں ایک دفعہ پھر انصاراللہ کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے فرائض کو سمجھیں ایک دفعہ پہلے بھی میں نے انہیں کہا کہ وہ بھی خدام الاحمدیہ کی طرح سال میں ایک دفعہ خاص طور پر لوگوں کو باہر سے بلوایا کریں تاکہ ان کے ساتھ مل کر اور گفتگو اور بحث وتمحیص کر کے انہیں دوسروں کی مشکلات کا احساس ہو اور وہ پہلے سے زیادہ ترقی کی طرف قدم اٹھا سکیں . . . . مگر اب تک انصاراللہ کا کوئی جلسہ نہیں ہوا . . . . پس میں ایک دفعہ پھر جماعت کے مخلصین کو توجہ دلاتا ہوں کہ اُن پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہے۔

یاد رکھو اگر اصلاح جماعت کا سارا دار و مدار نظارتوں پر ہی رہا تو جماعت احمدیہ کی زندگی کبھی لمبی نہیں ہو سکتی۔ یہ قدرتی قانون ہے جو کبھی بدل نہیں سکتا۔ ایک حصہ سوئے گا اور ایک حصہ جاگیگا۔ ایک حصہ غافل ہوگا اور ایک حصہ ہوشیار ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے دنیا کو گول بنا کر فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے قانون میں یہ بات خاص ہے کہ دنیا کا ایک حصہ سوئے اور ایک حصہ جاگے۔ یہی نظام اور عوام کے کام کا تسلسل دنیا میں دکھائی دیتا ہے۔ درحقیقت پر تو ہیں تقدیر اور تدبیر کے۔ کبھی عوام سوتے ہیں اور نظام جاگتا ہے۔ اور کبھی نظام سوتا ہے اور عوام جاگتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نظام بھی جاگتا ہے اور عوام بھی جاگتے ہیں اور وہ وقت بڑی بھاری کامیابی اور فتوحات کا ہوتا ہے وہ گھڑیاں جب کسی قوم پر آتی ہیں۔ جب نظام بھی بیدار ہوتا ہے اور عوام بھی بیدار ہوتے ہیں تو وہ اس قوم کے لئے فتح کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ اس قوم کے لئے کامیابی کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ اس قوم کے لئے ترقی کا زمانہ ہوتا ہے وہ شیر کی طرح گرجتی اور سیلاب کی طرح بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ہر روک جو اس کے راستہ میں حائل

ہوتی ہے اُسے مٹا ڈالتی ہے۔ ہر عمارت جو اس کے سامنے آتی ہے اُسے گرا دیتی ہے۔ ہر چیز جو اس کے سامنے آتی ہے اُسے بکھیر دیتی ہے اور اس طرح وہ دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف، اس طرف بھی اور اس طرف بھی بڑھتی چلی جاتی ہے اور دنیا پر اس طرح چھا جاتی ہے کہ کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر پھر ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب نظام سو جاتا ہے اور عوام جاگتے ہیں۔ یا عوام سو جاتے ہیں اور نظام جاگتا ہے۔ اور پھر آخر میں وہ وقت آتا ہے جب نظام بھی سو جاتا ہے اور عوام بھی سو جاتے ہیں۔ تب آسمان سے خدا تعالےٰ کا فرشتہ اُترتا ہے اور اس قوم کی رُوح کو قبض کر لیتا ہے۔ یہ قانون ہمارے لئے بھی جاری ہے جاری رہے گا اور کبھی بدل نہیں سکے گا۔ پس اس قانون کو دیکھتے ہوئے ہماری پہلی کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ ہمارا نظام بھی بیدار رہے اور ہمارے عوام بھی بیدار رہیں۔ اور درحقیقت یہ زمانہ اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔ خدا کا مسیحؑ ہم میں قریب ترین زمانہ میں گذرا ہے۔ اس لئے اس زمانہ کے مناسب حال ہمارا نظام بھی بیدار ہونا چاہیئے۔ اور ہمارے عوام بھی بیدار ہونے چاہئیں۔ مگر چونکہ دنیا میں اضمحلال اور قوتوں کا انکسار انسان کے ساتھ ساتھ لگا ہوا ہے اس لئے عوام کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ وہ نظام کو جگاتے رہیں اور نظام کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ وہ عوام کو جگاتا رہے تا خدانخواستہ اگر ان دونوں میں سے کوئی سو جائے، غافل ہو جائے اور اپنے فرائض کو بھول جائے تو دوسرا اس کی جگہ لیلے۔ اور اس طرح ہم زیادہ سے زیادہ اس دن کو بعید کر دیں جب نظام اور عوام دونوں سو جاتے ہیں اور خدائی تقدیر موت کا فیصلہ صادر کر دیتی ہے۔ پس دونوں کو اپنے اپنے فرائض ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ اگر دونوں نہ جاگیں تو کم از کم ایک تو جاگے اور اس طرح وہ دن جو موت کا دن ہے ہم سے زیادہ سے زیادہ دُور رہے . . . . پس میں اس نصیحت کے ساتھ انصار اللہ کو بھی بیدار کرنا چاہتا ہوں ۔ اور خدام الاحمدیہ کو بھی بیدار کرنا چاہتا ہوں . . . . اگر یہ دونوں یعنی خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ مل کر جماعت میں بیداری پیدا کرنے کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی وقت ہمارا نظام سو جائے تو یہ لوگ اس کی بیداری کا باعث بن جائیں گے اور اگر یہ خود سو جائیں گے تو نظام ان کو بیدار کرتا رہے گا'' ؎۱

؎۱ "الفضل" ۱۷ نبوت / نومبر ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴ تا ۸ ٭

مجلس انصار اللہ کا پہلا دستور اساسی

حضرت امیر المومنینؓ کے اس خطبہ پر عہدیداران مجلس نے پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو مجلس کا ایک فوری اجلاس بُلایا جس میں حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ (صدر مجلس) کے علاوہ حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال، حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب بھی شامل ہوئے۔ صدر مجلس کی درخواست پر قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی شرکت فرمائی۔ اس اجلاس میں انصار اللہ کا پہلا دستور اساسی تیار کیا گیا۔ جس کی منظوری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی عطا فرما دی اور تحریر فرمایا کہ

"منظور ہے عمل کیا جائے" [۵]

مجلس انصار اللہ کا یہ پہلا دستور اساسی مجلس کی تاریخ میں چونکہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے لہذا اس کا مکمل متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے :۔

"مورخہ ۲۷/۱۰/۴۳ کو مجلس مرکزیہ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل ممبران شریک ہوئے۔ شیر علی، چودھری فتح محمد صاحب، مولوی فرزند علی صاحب۔ ان کے علاوہ میری درخواست پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بھی شریک ہوئے۔ یہ اجلاس خصوصیت سے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالٰے بنصرہ العزیز کے گذشتہ جمعہ کے خطبہ کے ارشادات کی بناء پر منعقد کیا گیا جس میں حضور نے انصار اللہ کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ اُن کے کام میں ابھی تک زندگی اور چُستی کے آثار مفقود ہیں۔ مشورہ کے بعد مندرجہ ذیل فیصلہ جات ہوئے جنہیں بغرض منظوری حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالٰے بنصرہ العزیز کی خدمت میں پیش کیا گیا اور حضور نے منظور فرمائے۔

(۱) علاوہ صدر کے آئندہ مجلس مرکزیہ کے چار عہدہ دار ہوں گے۔ اوّل قائد تبلیغ، دوم قائد تعلیم و تربیت، سوم قائد مال، چہارم قائد عمومی (سابق نام جنرل سیکرٹری)۔ یہ جملہ عہدہ داران اپنے اپنے کام کے نگران اور ذمہ دار ہوں گے اور انصار اللہ کا سارا حلقہ خواہ وہ قادیان میں ہو یا بیرونجات میں ان کی نگرانی اور قیادت کے ماتحت ہوگا۔

(۲) مجلس مرکزی میں تین مزید ممبر بغرض مشورہ مقرر ہوا کریں گے۔ ان کے پاس کوئی صیغہ نہیں ہوگا بلکہ وہ صرف مشورہ کی غرض سے مرکزی مجلس میں شریک ہوا کریں گے۔

---

[۵] "الفضل" ۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۲-۳۔

(۳) صدر بدستور مولوی شیر علی صاحب رہیں گے۔ قائد تبلیغ چوہدری فتح محمد صاحب سیال، قائد تعلیم و تربیت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب، قائد مال میر محمد اسحاق صاحب[۱] اور قائد عمومی مولوی عبدالرحیم صاحب درد ہوں گے۔ زائد ممبر فی الحال چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور خان بہادر چوہدری ابو الہاشم خاں صاحب[۲] ہوں گے۔

(۴) الف۔ قائد صاحبان کے ساتھ امداد کے لئے مندرجہ ذیل نائب قائد ہوں گے:۔

تبلیغ	مولوی ابو العطاء صاحب
تعلیم و تربیت	مولوی قمر الدین صاحب
مال	مولوی ظہور حسین صاحب
عمومی	مولوی عبد الرحمان صاحب جٹ

(۵) قادیان شریف کے ہر محلہ میں اور بیرون جات کی ہر جماعت میں انصار اللہ کے نظام کے ماتحت سارے کاموں کی عمومی نگرانی کے لئے ایک ایک مقامی عہدہ دار مقرر ہوگا جس کا نام زعیم انصار اللہ ہوگا۔ اُسے مقامی نظام میں وہی حیثیت حاصل ہوگی جو مرکزی نظام میں صدر کو۔

(۶) اسی طرح قادیان شریف کے ہر محلہ اور بیرونجات کی ہر جماعت میں ہر شعبہ کی علیحدہ علیحدہ نگرانی کے لئے ایک کارکن ہوگا جو اپنے شعبہ کے کام کا ذمہ وار ہوگا اور مقامی نظام کے زعیم اور مرکزی نظام کے قائد کی نگرانی کے ماتحت کام کرے گا۔ ایسے عہدہ دار مہتمم تبلیغ، مہتمم تعلیم و تربیت، مہتمم مال و مہتمم عمومی کہلائیں گے۔

(۷) تمام مہتمم صاحبان کا فرض ہوگا کہ اپنے اپنے کام کے متعلق پندرہ روزہ رپورٹ اپنے اپنے زعیم کی معرفت اپنے اپنے شعبہ کے قائد کے پاس ارسال کریں۔ اور قائد صاحبان کا فرض ہوگا کہ اپنے اپنے شعبہ کی رپورٹ پندرہ روزہ صدر صاحب کے پاس ارسال کریں جس کا خلاصہ صدر صاحب کی طرف سے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ارسال کیا جائے گا۔

(ب) ایسی جماعتیں جن کی طرف سے پندرہ روزہ رپورٹ کا آنا غیر ضروری یا دقّت طلب ہو۔ ان کے متعلق صدر صاحب کو بمشورہ قائد و زعیم صاحبان مناسب ترمیم یا استثناء کرنے کا اختیار ہوگا۔

۱؎ حضرت میر صاحبؓ کا ۱۷ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو وصال ہوگیا اور ان کی جگہ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب قائد مال مقرر کئے گئے۔ (مرتب)

۲؎ تاریخ وفات ۳ احسان/جون ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء۔

(۸) قادیان میں مرکزی مجلس انصاراللہ کا ایک باقاعدہ دفتر مقرر کیا جائے۔ جس میں جملہ ریکارڈ باقاعدہ طور پر رکھا جائے۔ ہر قائد کو دفتر کے عملہ سے اپنے اپنے شعبہ کے تعلق میں کام لینے کا اختیار ہوگا مگر ویسے انتظامی طور پر عملہ دفتر صدر کی ماتحتی میں سمجھا جائے گا۔

(۹) قادیان کے ہر محلہ میں مہینہ میں کم از کم انصاراللہ کا ایک مقامی جلسہ منعقد ہونا ضروری ہوگا اور سال کے کسی مناسب حصہ میں سارے انصاراللہ کا ایک مشترکہ جلسہ منعقد کیا جائے گا جس میں بیرونی عہدے داران و نمائندگان کو شرکت کی دعوت دی جائے اور اس موقعہ پر حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں بھی درخواست کی جایا کرے کہ حضور اس موقعہ پر انصاراللہ کو اپنے رُوح پرور نصائح سے مستفیض ہونے کا موقعہ عطا فرماویں۔

(۱۰) جماعت کا ہر فرد جو چالیس سال یا چالیس سے اوپر کی عمر کا ہے وہ قادیان شریف میں لازمی طور پر انصاراللہ کا رُکن سمجھا جائے گا۔ بیرونجات میں مقامی انجمنوں کے عہدہ دار جو اس عمر کے ہوں، وہ بھی لازماً انصاراللہ کے ممبر سمجھے جائیں گے اور باقیوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بھی انصاراللہ کے ممبر بنیں اور ایسی تحریک ہوتی رہنی چاہیئے۔

(۱۱) تمام ممبروں سے کم از کم ایک آنہ ماہوار کے حساب سے چندہ لیا جائے گا جس کا باقاعدہ حساب رکھا جائے گا۔

(نوٹ):- بیرونی انجمنیں اپنے مقامی چندوں کا ۷۵ فیصدی اپنے پاس رکھ کر اپنے طور پر خرچ کر سکتی ہیں۔ باقی مرکز میں آنا چاہیئے۔ لیکن حساب کتاب بہرحال باقاعدہ ہونا چاہیئے۔

(۱۲) اپنے ممبروں کی علمی اور عملی ترقی کے لئے مرکزی نظام انصاراللہ کی طرف سے سال میں ایک دفعہ کتب سلسلہ کا امتحان مقرر کیا جائے گا جو حتی الوسع سب جگہوں پر منعقد ہوا کرے گا اور نتیجہ اخبار میں شائع کیا جایا کرے گا۔ [illegible] اور اول و دوم و سوم نکلنے والوں کو مناسب انعام دیئے جائیں۔ امتحان کی شرکت کے لئے زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانہ پر تحریک کی جائے۔

(۱۳) جن ممبران انصاراللہ کا کام سال کے دوران میں خصوصیت سے نمایاں ہو۔ انہیں جلسہ سالانہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ہاتھ سے مناسب انعام دلوایا جائے تاکہ کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہو۔

(۱۴) قائد تبلیغ اور جملہ مہتممان تبلیغ کا فرض ہوگا کہ اپنے اپنے حلقہ میں تبلیغ کا بہترین انتظام کریں۔ کہ ہر

انصاراللہ کی غذیہ جماعت میں سال بھر میں کم از کم ایک کس احمدی پیدا ہو۔ تبلیغ زیادہ تر انفرادی صورت میں کی جائے اور نامناسب بحث و مباحثہ کے رنگ سے احتراز کیا جائے۔ اسی طرح قائد و مہتمان تعلیم و تربیت کا یہ کام ہوگا کہ وہ جماعت میں اسلام اور احمدیت کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ وسیع طور پر اور تفصیلی صورت میں جاری کریں اور لوگوں کے اخلاق اور عادات کی نگرانی رکھیں۔ مقامی درسوں اور بڑی عمر کے ناخواندہ اصحاب کی تعلیم کا انتظام بھی مہتمم صاحبان کے سپرد ہوگا۔ قائد و مہتمم صاحب مال کا کام انصاراللہ کے لئے مختلف قسم کے چندہ جات کی وصولی کا انتظام کرنا اور حساب رکھنا ہوگا اور دیگر جملہ قسم کا کام جو کسی دوسرے قائد کے حلقہ کار میں نہیں آتا وہ قائد و مہتمم صاحبان عمومی کے حلقہ میں سمجھا جائے گا۔

(۱۴)[۱] صدر کی ہدایت اور نگرانی کے ماتحت قائد عمومی کے یہ کام بھی ہوں گے:۔

الف:۔ ایسی ماتحت انجمنان انصاراللہ کا قیام ہو (جو)[۲] سارے قائدوں کے حلقہ کار سے یکساں تعلق رکھتی ہوں۔

ب:۔ قاعدہ ۹ کے ماتحت انصاراللہ کے ماہوار اور سالانہ جلسوں کا انتظام۔

ج:۔ مرکزی دفتر کا چارج

نوٹ: مگر ہر وہ کام جو دوسرے قائدوں کے حلقہ کار سے تعلق رکھتا ہو وہ ان قائدوں کے مشورہ سے سرانجام دیا جائیگا اور بصورت اختلاف صدر کا فیصلہ سب کے لئے واجب القبول ہوگا۔

(۱۵) مرکزی مجلس انصاراللہ اور اس کے عہدہ داروں نیز مقامی مجالس اور مقامی عہدہ داروں کا یہ فرض ہوگا کہ اپنے اپنے حلقہ کار میں صدر انجمن احمدیہ اور اس کی ماتحت مجالس اور اس کے عہدہ داروں اور اسی طرح خدام الاحمدیہ کی مرکزی مجلس اور مقامی مجالس اور عہدہ داروں کے ساتھ پورا پورا تعاون کا طریق اختیار کریں اور ان کے کام سے آگاہ رہنے اور اپنے کام سے ان کو آگاہ رکھنے کی حتی الوسع کوشش کریں۔

(۱۶) مرکزی اور مقامی نظام ہر دو میں ہر بالا افسر کو ہر ماتحت افسر کا کام پڑتال کرنے اور ہدایات جاری کرنے کا اختیار ہوگا۔“ [۳]

---

[۱] نقل مطابق اصل۔ ۱۴ دو مرتبہ ہی درج شدہ ہے (ناقل)۔

[۲] سہواً رہ گیا ہے (ناقل)۔

[۳] ”الفضل“ مورخہ ۲ فتح / دسمبر ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۳ تا صفحہ ۴ کالم ۲۔

زعیم اعلیٰ کا عہدہ

۲۳ر امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو فیصلہ کیا گیا کہ اگر کسی بڑی جماعت میں کئی زعماء انصار اللہ مقرر ہوں تو وہاں ایک زعیم اعلیٰ کا عہدہ بھی ہونا چاہیئے۔ جس کا کام زعماء کے کام کی نگرانی ہو۔

پہلے آنریری انسپکٹر

انصار اللہ کا کام چونکہ رفتہ رفتہ بڑھ رہا تھا اس لئے مجلس مرکزیہ کی طرف سے قادیان میں اور حسب ضرورت بیرونی مقامات میں بھی جملہ شعبہ جات کے اعتبار سے اس کا جائزہ لینے اور پڑتال کرنے کے لئے ایک انسپکٹر کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی چنانچہ ۲ر ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو شیخ نیاز محمد صاحب پنشنر مجلس کے پہلے آنریری انسپکٹر مقرر کئے گئے۔[1]

انصار اللہ کا پہلا عہد

انصار اللہ کے جلسوں میں کوئی عہد نہیں دُہرایا جاتا تھا۔ ۳۰ر نبوت/نومبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو مجلس کا ماہانہ جلسہ نماز فجر کے بعد زیر صدارت حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ منعقد ہوا جس میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد قائد عمومی نے اس طرف توجہ دلائی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے جلسہ جوبلی پر لوائے احمدیت سے متعلق عہد لیا تھا۔ مجالس انصار اللہ کو چاہیئے کہ اپنے اجلاسوں میں اس کو دوہرایا کریں۔ اس تجویز کے مطابق اسی اجلاس میں مندرجہ ذیل الفاظ میں یہ عہد دہرایا گیا:۔

”میں اقرار کرتا ہوں کہ جہانتک میری طاقت اور سمجھ ہے اسلام اور احمدیت کے قیام اس کی مضبوطی اور اس کی اشاعت کے لئے آخر دم تک کوشش کرتا رہوں گا اور اللہ تعالےٰ کی مدد سے اس امر کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کروں گا کہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام دوسرے سب دینوں اور سلسلوں پر غالب رہے اور اُس کا جھنڈا کبھی سرنگوں نہ ہو بلکہ دوسرے سب جھنڈوں سے اُونچا اُڑتا رہے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔“

مجلس انصار اللہ کا پہلا بجٹ

شروع میں مجلس انصار اللہ کا کوئی بجٹ نہیں بنایا جاتا تھا۔ لیکن اس دوسرے دَور میں باقاعدہ بجٹ تیار کیا جانے لگا۔ مجلس مرکزیہ کا پہلا بجٹ ۲ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو منظور کیا گیا جس کی تفصیل یہ تھی:۔

(تفصیل اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

[1] ریکارڈ مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔

بجٹ آمد ۲۴-۱۳۲۳ ہش / ۴۵-۱۹۴۴ء

	روپے
آمد چندہ جات مقامی و بیرونی مجالس	۱۲۰۰
عطیات از ذی ثروت احباب	۶۰۰
میزان آمد	۱۸۰۰

بجٹ اخراجات

عملہ	۷۲۰
سائر	۲۸۰
فرنیچر	۶۰
اخراجات غیر معمولی۔ طبع فارم و رپورٹ و لیٹر فارم۔ حاضری نماز کی کاپیوں کی طباعت (برائے قادیان)، طباعت قواعد وضوابط انصار اللہ۔ مرکزی قائد صاحبان کے لئے مُہر تخمینہ اخراجات بر موقعہ جلسہ سالانہ	۴۷۵
میزان کل اخراجات	۱۵۳۵

انصار اللہ کا پہلا سالانہ اجتماع اور حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی تقریر

انصار اللہ مرکزیہ کے ماہانہ اجلاس تو اکثر ہوتے رہتے تھے مگر قادیان اور بیرونی مقامات کے انصار میں کام کی اجتماعی رُوح پیدا کرنے کے لئے کوئی سالانہ اجتماع منعقد نہیں ہوتا تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ جمعہ (۲۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء) میں خاص توجہ دلائی تھی۔ چنانچہ حضور کے منشاء مبارک کی تعمیل میں اس سال ۲۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو مسجد اقصیٰ قادیان میں ۴ بجے بعد نماز ظہر پہلا سالانہ اجتماع منعقد ہوا جس کا افتتاح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور ایک مختصر مگر ایمان افروز خطاب فرمایا جو درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

مَیں صرف مجلس انصار اللہ کی خواہش کے مطابق اس جلسہ کے افتتاح کے لئے آیا ہوں اور صرف چند کلمات کہہ کر دعا سے اس جلسہ کا افتتاح کر کے واپس چلا جاؤں گا۔ انصار اللہ کی مجلس کے قیام کو

کئی سال گذر چکے ہیں۔ لیکن مَیں دیکھتا ہوں کہ اب تک اس مجلس میں زندگی کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔ زندگی کے آثار پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اوّل تنظیم کامل ہو جائے۔ دوسرے متواتر حرکتِ عمل پیدا ہو جائے اور تیسرے اس کے کوئی اچھے نتائج نکلنے شروع ہو جائیں۔ مَیں ان تینوں باتوں میں مجلس انصاراللہ کو ابھی بہت پیچھے پاتا ہوں۔ انصاراللہ کی تنظیم ابھی ساری جماعتوں میں نہیں ہوئی۔ حرکتِ عمل ابھی ان میں پیدا ہوتی نظر نہیں آتی۔ نتیجہ تو عرصہ کے بعد نظر آنے والی چیز ہے مگر کسی اعلیٰ درجہ کے نتیجہ کی امید تو ہوتی ہے۔ اور کم از کم اس نتیجہ کے آثار کا ظہور تو شروع ہو جاتا ہے مگر یہاں وہ امید اور آثار بھی نظر نہیں آتے۔ غالباً مجلس انصاراللہ کا یہ پہلا سالانہ اجتماع ہے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ اس اجتماع میں وہ ان کاموں کی بنیاد قائم کرنے کی کوشش کریں گے اور قادیان کی مجلس انصاراللہ بھی اور بیرونی مجالس بھی اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں گی کہ بغیر کامل ہوشیاری اور کامل بیداری کے کبھی قومی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور ہمسایہ کی اصلاح میں ہی انسان کی اپنی اصلاح بھی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ اس کے ہمسایہ کا اثر اس پر پڑتا ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ دنیا کی ہر ایک چیز اپنے پاس کی چیز سے متاثر ہوتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ پاس پاس کی چیزیں ایک دوسرے کے اثر قبول کرتی ہیں۔ بلکہ سائنس کی موجودہ تحقیق سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے کہ جانوروں اور پرندوں وغیرہ کے رنگ ان پاس پاس کی چیزوں کی وجہ سے ہوتے ہیں جہاں وہ رہتے ہیں۔ مچھلیاں پانی میں رہتی ہیں، اس لئے ان کا رنگ پانی کی وجہ سے اور سورج کی شعاعوں کی وجہ سے جو پانی پر پڑتی ہیں سفید اور چمکیلا ہو گیا۔ مینڈک کناروں پر رہتے ہیں اس لئے ان کا رنگ کناروں کی سبز سبز گھاس کی وجہ سے سبزی مائل ہو گیا۔ ریتلے علاقوں میں رہنے والے جانور مٹیالا رنگ کے ہوتے ہیں۔ سبز سبز درختوں پر بسیرا رکھنے والے طوطے سبز رنگ کے ہو گئے۔ جنگلوں اور سوکھی ہوئی جھاڑیوں میں رہنے والے تیتروں وغیرہ کا رنگ سوکھی ہوئی جھاڑیوں کی طرح ہو گیا۔ غرض پاس پاس کی چیزوں کی وجہ سے اور ان کے اثرات قبول کرنے کی وجہ سے پرندوں کے رنگ بھی اسی قسم کے ہو جاتے ہیں۔ پس اگر جانوروں اور پرندوں کے رنگ پاس پاس کی چیزوں کی وجہ سے بدل جاتے ہیں۔ حالانکہ ان میں دماغی قابلیت نہیں ہوتی تو انسانوں کے رنگ جن میں دماغی قابلیت بھی ہوتی ہے

پاس کے لوگوں کو کیوں نہیں بدل سکتے۔ خدا تعالیٰ نے اسی لئے قرآن مجید میں فرمایا ہے، کہ کُوْنُوْا مع الصادقین یعنی اگر تم اپنے اندر تقویٰ کا رنگ پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کا گُر یہی ہے کہ صادقوں کی مجلس اختیار کرو تا کہ تمہارے اندر بھی تقویٰ کا وہی رنگ تمہارے نیک ہمسایہ کے اثر کے ماتحت پیدا ہو جائے جو اُس میں پایا جاتا ہے۔

پس جماعت کی تنظیم اور جماعت کے اندر دینی رُوح کے قیام اور اس روح کو زندہ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے ہمسایہ کی اصلاح کی کوشش کرے کیونکہ ہمسایہ کی اصلاح میں اس کی اپنی اصلاح ہے۔ ہر شخص جو اپنے آپ کو اس سے مستغنی سمجھتا ہے وہ اپنی روحانی ترقی کے راستہ میں خود روک بنتا ہے۔ بڑے سے بڑا انسان بھی مزید روحانی ترقی کا محتاج ہوتا ہے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر دم تک اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کی دعا کرتے رہے۔ پس اگر خدا کا وہ نبی جو پہلوں اور پچھلوں کا سردار ہے جس کی رُوحانیت کے معیار کے مطابق نہ کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہوگا اور جس نے خدا تعالےٰ کا ایسا قرب حاصل کیا کہ اس کی مثال نہیں ملتی اور نہ مل سکتی ہے۔ اگر وہ بھی مدارج پر مدارج حاصل کرنے کے بعد پھر مزید روحانی ترقی کا محتاج ہے اور روزانہ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو کر اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کہتا ہے اکیلا نہیں بلکہ ساتھیوں کو ساتھ لے کر کہتا ہے تو آج کون ایسا انسان ہو سکتا ہے جو خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑا ہو کر اھدنا الصراط المستقیم کہنے سے اور جماعت میں کھڑے ہو کر کہنے سے اپنے آپ کو مستغنی قرار دے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اس سے مستغنی قرار دیتا ہے تو وہ اپنے لئے ایک ایسا مقام تجویز کرتا ہے جو مقام خدا تعالیٰ نے کسی انسان کے لئے تجویز نہیں کیا۔ پس جو شخص اپنے لئے ایسا مقام تجویز کرتا ہے وہ ضرور ٹھوکر کھائے گا۔ کیونکہ اس قسم کا استغناء عزّت نہیں بلکہ ذلّت ہے۔ ایمان کی علامت نہیں بلکہ وہ شخص کفر کے دروازے کی طرف بھاگا جا رہا ہے۔

پس تنظیم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے متعلقات اور اپنے گرد و پیش کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ اس سے انسان کی اپنی اصلاح ہوتی ہے۔ اس سے قوم میں زندگی پیدا ہوتی

ہے۔ اور کامیابی کا یہی واحد ذریعہ ہے۔

دُعائیں بھی وہی قبول ہوتی ہیں جو خدا تعالیٰ کے قانون کے ماتحت کی جائیں۔ خدا تعالیٰ نے ہمارے دعا مانگنے کے لئے اھدنا الصراط المستقیم میں جمع کا صیغہ رکھ کر ہمیں بتا دیا ہے کہ اگر تم روحانی طور پر زندہ رہنا اور کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے صرف اپنی اصلاح کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اپنے گرد و پیش کی اصلاح کرنا اور مجموعی طور پر اس کے لئے کوشش کرنا اور مل کر خدا سے دُعا مانگنا ضروری ہے۔ چنانچہ اسی غرض کے لئے مَیں نے مجلس انصاراللہ لجنہ اماء اللہ، مجلس خدام الاحمدیہ اور مجلسِ اطفال قائم کی ہیں۔ پس مَیں امید کرتا ہوں کہ مجلس انصاراللہ مرکزیہ اس اجتماع کے بعد اپنے کام کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ کر پوری تندہی اور محنت کے ساتھ ہر جگہ مجالس انصاراللہ قائم کرنے کی کوشش کرے گی تاکہ ان کی اصلاحی کوششیں صرف اپنے تک ہی محدود نہ ہوں بلکہ گرد و پیش کی اصلاح کے لئے بھی ہوں اور ان کی کوششیں دریا کی طرح بڑھتی چلی جائیں اور دنیا کے کونے کونے کو سیراب کر دیں۔

اب مَیں دُعا کے ذریعہ جلسہ کا افتتاح کرتا ہوں۔ خدا کرے مجلس انصاراللہ کا آج کا اجتماع اور آج کی کوششیں بیج کے طور پر ہوں جن سے آگے خدا تعالیٰ ہزاروں گُنا اور بیج پیدا کرے اور پھر وہ بیج آگے دوسری فصلوں کے لئے بیج کا کام دیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی رُوحانی بادشاہت اسی طرح دنیا پر قائم ہو جائے جس طرح کہ اس کی مادّی بادشاہت دنیا پر قائم ہے۔ آمین" [1]

پہلے اجتماع کے دُوسرے مقررین

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا افتتاحی خطاب کے بعد دُعا فرمائی اور تشریف لے گئے اور اجتماع کی بقیہ کارروائی حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ کی صدارت میں شروع ہوئی اور مندرجہ ذیل انصار نے تقریریں فرمائیں۔

۱۔ آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب	(پابندی نظام)
۲۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ	(انصاراللہ کے فرائض)
۳۔ حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب	(تعلیم و تربیت)

[1] "الفضل" ۷ ظہور / اگست ۱۳۲۴ ہش ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ و ۲۔

۴۔جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور (اطاعت)

۵۔حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی (قربانی اور تقویٰ)

۶۔حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب (تحریک برائے تعمیر دفتر مرکزیہ ونشر و اشاعت)

حضرت شاہ صاحب کی تحریک پر کچھ رقم چندہ کی جمع ہوئی۔ زاں بعد یہ پہلا اجتماع دعا کے ساتھ ۶½ بجے شام برخاست ہوا۔[1]

دور ثانی کے بعض متفرق کوائف

اس مقام پر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی ابتدائی تاریخ کے بعض متفرق کوائف کا درج کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

اوّل۔ اس دَور کے ابتدائی سالوں میں مجلس مشاورت کے لئے مندرجہ ذیل انصار نے مجلس کی نمائندگی کے فرائض انجام دیئے:۔

۱۔میاں محمد شریف صاحب ای۔ اے۔ سی[2]

۲۔ شیخ نیاز محمد صاحب (انسپکٹر پولیس)[3]

۳۔ مرزا برکت علی صاحب[4]

۴۔ ماسٹر خیر الدین صاحب[5]

دوم۔ ۲۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کو مندرجہ ذیل فیصلے ہوئے:۔

(۱) قائدین اور نائب قائدین باری باری ہر دو ماہ میں ایک دفعہ محاسبہ اور تحریک کی غرض سے مختلف محلوں کا دورہ کیا کریں۔

(۲) مرکزی اجلاس مہینہ میں کم از کم ایک بار ضرور منعقد ہوا کرے۔ اگر کوئی قائد کسی مجبوری کی وجہ سے خود نہ آسکیں تو استثنائی حالات میں نائب قائد ان کی جگہ بطور قائم مقام شامل ہوں تا اجلاس ملتوی

---

[1] "الفضل" ۲۶ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء۔

[2] ریکارڈ مجلس انصار اللہ مرکزیہ، رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱۶۱ کالم ۱۔

[3] و [4] " " " " صفحہ ۱۸۷ ۱۳۲۲/۱۹۴۳۔ رپورٹ میں غلطی سے نام نیاز احمد لکھا گیا ہے۔ آپ کا نام مشاورت ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کے نمائندوں میں بھی درج ہے (صفحہ ۱۸۱)۔

[5] ریکارڈ مجلس انصار اللہ مرکزیہ، رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱۸۱ کالم ۳۔

نہ ہوتے رہیں۔

(۳) مقامی اور بیرونی زعماء مجالس میں سے بہترین کام کرنے والے کو حسن کارکردگی کا سرٹیفکیٹ صدر اور قائد متعلقہ کے دستخطوں سے ہر سال سالانہ جلسہ کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے دست مبارک سے دلایا جایا کرے۔

زعماء اور عہدیداران مجالس انصاراللہ کا انتخاب سالانہ ہوا کرے۔

بیرونی مجالس انصاراللہ سے ۱/۲ کی بجائے ۱/۴ شرح سے وصول شدہ چندہ کی رقم مرکز میں بھجوائی جایا کرے۔

مجلس کے حساب کی پڑتال کے لئے فی الحال ملک نادر خاں صاحب کو آڈیٹر مقرر کیا جائے۔[1]

سوم۔ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء تک صرف ۲۴۸ بیرونی مجالس کا قیام عمل میں آیا جن میں سے ۱۲۵ شہری اور ۱۲۳ دیہاتی تھیں۔[2]

مجلس انصاراللہ کا دوسرا سالانہ اجتماع

مجلس انصاراللہ کا دوسرا سالانہ اجتماع ۲۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو مسجد اقصیٰ میں زیر صدارت حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ ناظر دعوۃ و تبلیغ منعقد ہوا۔[3] تلاوت و نظم کے بعد مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری نائب قائد تبلیغ نے تبلیغ کی اہمیت کے متعلق، آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے انصاراللہ کے فرائض پر، نواب اکبر یار جنگ بہادر حیدرآباد دکن نے انصاراللہ اور توسیع تعلیم کے عنوان پر، مولوی قمرالدین صاحب مولوی فاضل نے انصاراللہ اور قیام اسلام و احمدیت پر اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرّ نے تبلیغ و تربیت کے موضوع پر تقریریں کیں۔ اجتماع میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد قائد عمومی مجلس انصاراللہ نے مجلس کی مساعی کی عمومی رپورٹ اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب قائد مال نے اخراجات سے متعلق رپورٹ پیش فرمائی۔ چودھری خلیل احمد صاحب ناصر نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا "انصاراللہ کے نام ایک پیغام" کے عنوان سے ایک نہایت ہی مفید اور دلچسپ مقالہ پڑھ کر سنایا۔ آخر میں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ نے بعض مفید نصائح فرمائیں اور دعا پر اجتماع کی کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔[4]

---

[1] ریکارڈ مجلس انصاراللہ مرکزیہ۔

[2] "الفضل" ۱۰ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء۔ افسوس انصاراللہ کے مرکزی ریکارڈ اور "الفضل" دونوں سے اس بارہ میں کوئی رہنمائی نہیں ملتی کہ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء تک ملک میں کل کتنی اور کہاں کہاں مجالس قائم ہو چکی تھیں۔

[3] حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ صدر مجلس اپنی علالت کے باعث شامل اجتماع نہ ہو سکے تھے۔

[4] "الفضل" ۲۷ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء۔ تفصیلی روئداد "الفضل" ۱۰ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں چھپ گئی تھی۔

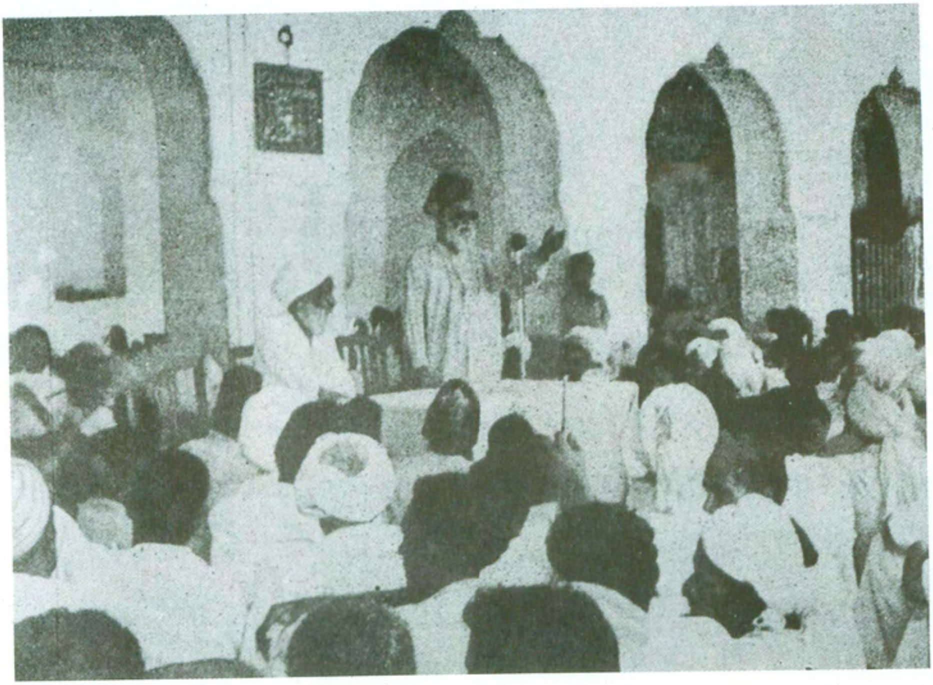

حضرت مفتی محمد صادق صاحب، مسجد اقصیٰ قادیان میں حضرت مولانا شیر علی صاحب
صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ کی زیر صدارت تقریر فرما رہے ہیں

سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ مجلس انصار اللہ مرکزیہ پاکستان کے پہلے سالانہ اجتماع میں رونق افروز ہیں
اور انصار کو شرف مصافحہ عطا فرما رہے ہیں

ارکان مجلس انصار اللہ مرکزیہ (نبوت / نومبر ۱۳۳۴ھش ۱۹۵۵ء)

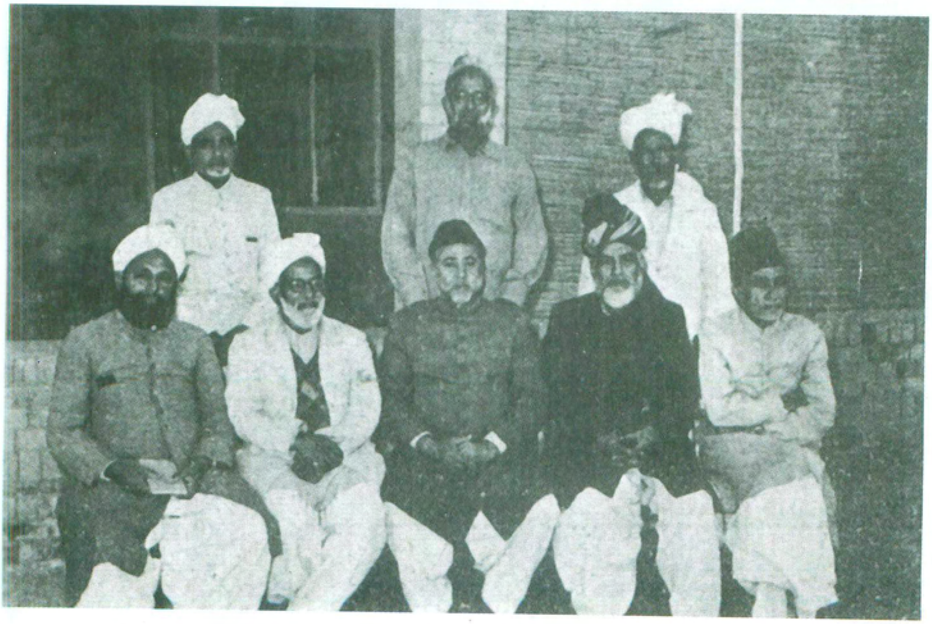

(دائیں سے بائیں) کرسیوں پر حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحب، حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال، حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا
ناصر احمد صاحب نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد۔ مولانا ابولعطاء صاحب جالندھری قائد تبلیغ
(پیچھے) مولانا ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا۔ مولانا احمد خان صاحب نسیم۔ چوہدری ظہور احمد صاحب

مجلس انصار اللہ کا تیسرا دور

۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں ملک بد نظمی اور فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ اور ساتھ ہی مجلس انصار اللہ کے دو سرگرم قائد حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو بھارتی حکومت نے گرفتار کر لیا اور وہ کئی ماہ تک نظر بند رکھے گئے۔ اس دوران میں مجلس انصار اللہ کے پہلے صدر حضرت مولانا شیر علی صاحب جو مشرقی پنجاب اور قادیان کی کثیر احمدی آبادی کے ساتھ ہجرت کر کے لاہور آگئے تھے۔ ۱۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو رحلت فرما گئے جس کے بعد برصغیر میں پیدا شدہ حالات کے باعث مجلس انصار اللہ کی تنظیم بھی کچھ عرصہ تک بالکل معطل رہی۔ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب شہادت/اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں رہا ہو کر پاکستان پہنچے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان کو مجلس کا صدر مقرر فرمایا اور نظارت علیا کے ایک کمرہ میں انصار اللہ کا عارضی دفتر بنایا گیا۔

نبوت/نومبر ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء میں حضرت امیر المومنینؓ نے چودھری صاحب کی بجائے حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ناظر اعلیٰ کو صدر تجویز فرمایا۔ علاوہ ازیں اس کی مجلس عاملہ میں کچھ اور بھی تبدیلیاں کی گئیں مثلاً حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب فاضل جٹ[1] کی بجائے چودھری ظہور احمد صاحب آڈیٹر نائب قائد عمومی مقرر کئے گئے۔ اسی طرح مولانا ابو العطاء صاحب حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال کی جگہ قائد تبلیغ (بعد ازاں قائد رشد و اصلاح) اور نائب قائد تبلیغ مولوی احمد خاں صاحب نسیم بنائے گئے۔

مجلس انصار اللہ کی تنظیم کا چوتھا سنہری دور

حضرت میاں عزیز احمد صاحب چار برس تک صدر مجلس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بالآخر نبوت/نومبر ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس اہم مجلس کی عنان قیادت صاحبزادہ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کو سپرد فرمائی اور مجلس کی نشأۃ ثانیہ کا ایک سنہری دور شروع ہوا جس سے نہ صرف زندگی کی زبردست روح پھونکی گئی بلکہ اس کے اندر روحانی و اخلاقی اعتبار سے ایک عظیم انقلاب کے آثار نمایاں ہو گئے اور یہ جلد جلد ترقی کی منازل طے کرنے لگی

اس اہم دور کی بہت سی خصوصیات ہیں جن میں سے بطور نمونہ چند کا تذکرہ کرنا ضروری ہے :-

(۱) انصار اللہ مرکزیہ کے روح پرور سالانہ اجتماعات کا آغاز ہوا جن سے نہ صرف انصار اللہ میں بلکہ جماعت کے دوسرے طبقات میں بھی تربیت، تزکیۂ نفس اور نظام خلافت سے وابستگی کے لئے ایک مثالی ماحول میسر آیا۔

---

[1] حال امیر جماعت احمدیہ ہندوستان ؛

(۲) مجلس کی تنظیم مضبوط اور فعّال صورت اختیار کر گئی۔ انصاراللہ کا ضلع وار نظام قائم کیا گیا۔

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے امتحانات کا بابرکت سلسلہ جاری ہوا۔

(۴) دستور اساسی کی ازسرِ نو تدوین ہوئی۔

(۵) مجلس کا مستقل دفتر تعمیر ہوا۔

(۶) مستعد مجالس کو علَم انعامی دیا جانے لگا۔

(۷) مجلس مرکزیہ نے قابل قدر لٹریچر شائع کیا۔

(۸) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعدد صحابہ کرام کے حالات اور ان کی روایات اُن کی آواز میں ریکارڈ کی گئیں۔

(۹) "انصاراللہ" ہی کے نام سے مجلس کا ایک بلند پایہ علمی و تربیتی ماہنامہ اور مرکزی ترجمان جاری کیا گیا۔

مگر اس عہد زریں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے انصاراللہ کی تنظیم جن بنیادوں پر رکھی تھی اس دَور میں ٹھیک ٹھیک انہی بنیادوں پر یہ ازسرِ نو قائم اور مستحکم ہوئی اور ہو رہی ہے جس کی پُوری تفصیلات انشاء اللہ اپنے مقام پر آئیں گی۔

حضرت امیر المومنین رضؓ سے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ اور سٹیٹسمین کے نامہ نگاروں کی ملاقات

مجلس انصاراللہ کی تحریک پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم دوبارہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے بقیہ واقعات کی طرف آتے ہیں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی وصیت کے شائع ہونے کے بعد لاہور کے مشہور نیم سرکاری انگریزی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے تین نمائندے (مسٹر ایچ۔ آر وہرہ، مسٹر اوم پرکاش کھوسلہ اور ملک محمد یوسف صاحب) بذریعہ کار قادیان آئے اور چھ بجے شام سے قریباً ساڑھے نو بجے تک (نماز مغرب کا وقت نکال کر) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ سے ملاقات کی۔[۱]

اس طویل ملاقات کے تاثرات و مشاہدات اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی یکم ستمبر ۱۹۴۰ء کی اشاعت میں "لاہور ڈائری" کے مستقل کالم کے تحت "مغل خلیفہ سے ملاقات، خاندان قادیان کی تاریخ، خوابیں اور پیشگوئیاں" کے عنوان سے شائع ہوئے۔

اخبار کے نامہ نگار نے اپنے تاثرات میں اگرچہ تعصب، تنگدلی اور بیجا قیاس آرائی اور رنگ آمیزی کا

---

[۱] "الفضل" ۲۷ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱و۲۔

خوب مظاہرہ کیا۔ مگر بعض باتیں غیر شعوری طور پر اس کے قلم سے ایسی بھی نکل گئیں جن سے اس اہم ملاقات کے بعض گوشے کسی حد تک اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہو گئے۔ مثلاً اس نے لکھا۔[1]

"خلیفہ صاحب سے میری ملاقات تین گھنٹے تک رہی۔ اس دوران میں شام کی نماز کا وقفہ بھی پڑا۔ اُن کے پرائیویٹ سیکرٹری نے مجھے اُن کے حضور میں پہنچایا۔ اس نے سیڑھیوں پر سے بلند آواز کے ساتھ السلام علیکم کہہ کر میری آمد کی اطلاع دی جس کا بُرتپاک جواب خلیفہ صاحب کی طرف سے وعلیکم السلام کی صورت میں آیا . . . خلیفہ صاحب کی دلکش آواز ایک اشارہ تھی کہ ہم چلے آئیں"

"مَیں ایک طویل برآمدہ میں داخل ہوا جس میں ایک در جن کے قریب کُرسیاں پڑی تھیں خلیفہ صاحب نے اُٹھ کر میرا استقبال کیا اور بہت جلد نہایت دلچسپ انٹرویو شروع ہو گیا۔ گو ماحول غیر دلکش تھا۔ برآمدہ تنگ اور بہت لمبا تھا جسے چلمنوں نے دنیا کی نظروں سے چھپایا ہوا تھا۔ اس پُرانی طرز کی عمارت میں ملاقات میرے لئے ایک معمہ ہی رہی۔ مَیں متوقع تھا کہ ملاقات کسی پُرتکلف کمرہ میں کی جائے گی جس میں ایرانی قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔"

"جونہی کہ مَیں خلیفہ صاحب کے مقابل پر بیٹھا تو محویت سے اس انسان کی شکل وصورت دیکھنے لگا جسے دعویٰ ہے کہ اُسے تعلق باللہ حاصل ہے۔ میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ خلیفہ صاحب ہندوستانی نہیں ہیں۔ ان کی آنکھوں کی بناوٹ سے یُوں معلوم دیتا تھا کہ وہ وسط ایشیاء کے رہنے والے ہیں۔ ان کی لمبی . . . . . ڈاڑھی میں اُبھرے ہوئے رخساروں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ عجیب طرز کی آنکھیں اور خواب آلود وضع . . . سے بخوبی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ایشیا کے کسی عالی خاندان کا خون اُن کی رگوں میں گردش کر رہا ہے"[2]

"سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے علاوہ ہندوستان کے مشہور انگریزی روزنامہ "سٹیٹسمین" کے بھی ایک نامہ نگار قادیان میں آئے اور حضور سے ملاقات کی جو تاثرات وہ لے کر گئے ان کی نسبت اس نے "سٹیٹسمین" مورخہ ۳۱ اگست ۱۹۴۰ء میں اپنے الفاظ اور اپنے رنگ میں ایک بیان شائع کیا۔ جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وصیت، جماعت کے صدقہ وخیرات وغیرہ دینے اور بعض دیگر امور کا بھی تذکرہ تھا۔[3]

---

[1] یہاں یہ وضاحت کرنا از بس ضروری ہے کہ اخبار مذکور "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کا اصل پرچہ ہمارے مطالعہ میں نہیں آسکا۔ نامہ نگار کے مضمون کے بعض حصوں کا ترجمہ اخبار "پیغام صلح" مجریہ ۲۱ ستمبر و ۸ اکتوبر ۱۹۴۰ء نے اپنے گمراہ کن اور مخالفانہ تبصرہ کے ساتھ شائع کیا تھا متن میں مندرجہ اقتباسات اسی ترجمہ ہی سے نقل کئے گئے ہیں۔

[2] "پیغام صلح" لاہور ۲۱ ستمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

[3] رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) صلح/جنوری ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲۔

ضلع کانگڑہ میں تبلیغ اسلام کی عظیم مہم

علاقہ کانگڑہ کے اچھوت اگرچہ آریہ سماج نے ہندو بنا لئے تھے مگر راجپوت زمیندار اُن کو اپنے چشموں سے پانی نہیں بھرنے دیتے تھے اچھوتوں نے اس ظلم سے تنگ آکر جلسے کئے اور اعلان کیا کہ وہ پچاس ہزار کی تعداد میں مسلمان ہوجائیں گے۔ اس پر چوٹی کے آریہ اور ہندو لیڈر راجہ نریندر ناتھ اور سر گوکل چند نارنگ کانگڑہ پہنچے اور اچھوتوں کو چشموں سے پانی بھرنے کی جبراً اجازت دلوادی مگر ہندوؤں نے پھر بائیکاٹ کر دیا اور پانی لینے کی اجازت نہ دی جس پر اخبارات میں شور اُٹھا اور مقدمات شروع ہوگئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مسلمانوں کی مختلف انجمنوں نے نمایندے بھیجے۔ مرکز احمدیت کی طرف سے تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل (سابق یوگندر پال) اور شیخ محمد سلیم صاحب نومسلم وہاں بھجوائے گئے۔ دوسری انجمنوں کے علماء تو سب واپس آگئے مگر مہاشہ صاحب نے زیادہ عرصہ تک قیام کیا اور اچھوتوں میں آزادی کی سپرٹ قائم رکھنے کے علاوہ مسلمانوں کی حفاظت کا کام بھی کرتے رہے اور ان کے حوصلے اس بروقت امداد سے بلند ہوگئے۔[1]

صدر انجمن احمدیہ کی سالانہ رپورٹ کے مطابق مہاشہ صاحب فتح/دسمبر ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء تک کانگڑہ کے دیہات کا دورہ کرکے اچھوتوں کو پیغام اسلام پہنچاتے رہے۔[2] مہاشہ صاحب کی کوششوں سے بعض لوگ اسلام لانے پر بھی آمادہ ہوگئے تھے۔

فصل پنجم

کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی کا وفد قادیان میں

کلکتہ میں نواب کمال یار جنگ بہادر کی صدارت میں ایک آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو یہ رپورٹ پیش کرے کہ مسلمانوں کی تعلیمی اصلاح کس طرح ہوسکتی ہے؟ بعد ازاں تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں فیصلہ کیا گیا کہ ہندوستان کے مسلم اداروں

---

[1] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء تا شہادت/اپریل ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۷۔

[2] " " " ہجرت/مئی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء تا شہادت/اپریل ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۹۔

کا معائنہ کر کے مفصل کوائف مرتب کئے جائیں[1] اور اس غرض کے لئے ایک تعلیمی کمیٹی مقرر کر دی گئی جس کے ارکان حسب ذیل تھے :-

۱۔ سر عزیز الحق صاحب سپیکر بنگال لیجسلیٹو اسمبلی۔ وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی (صدر)

۲۔ مولوی حاجی ابوالحسن صاحب ایم اے، آئی ای ایس ریٹائرڈ سابق ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن ریاست کشمیر

۳۔ مولوی کے علی افضل صاحب بی ایس سی (ایڈنبرا) بار ایٹ لاء سکرٹری بنگال لیجسلیٹو اسمبلی۔

۴۔ مسٹر بقا محمد خان چیف انسپکٹر آف سکولز بہاولپور سٹیٹ

۵۔ مولوی اسد الحق صاحب ایم۔ اے پرسنل اسسٹنٹ ٹو وی چیئرمین[2]

فیصلہ کے مطابق کمیٹی کے ارکان نے تین ماہ تک جنوبی ہند کے مسلم اداروں کا اس نقطۂ نگاہ سے معائنہ کیا کہ مختلف مدرسوں میں دینیات اور اسلام کی تعلیم کس طریق پر دی جارہی ہے۔ ۲۲ تبوک / ستمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو یہ تعلیمی وفد دو ماہ کے لئے شمالی ہند میں آیا جہاں صوبہ کے مختلف اسلامی مدارس کا دورہ کرنے کے بعد ۲۳ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو ساڑھے آٹھ بجے شب کی گاڑی سے قادیان پہنچا[3]

ارکان کمیٹی نے قادیان میں اپنے مختصر قیام کے دوران نہ صرف مرکزی درسگاہوں کا قریب سے مطالعہ کیا بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کی ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا اور بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ خان بہادر مولوی عزیز الحق صاحب صدر کمیٹی نے مولوی حاجی ابوالحسن صاحب ایم اے کی موجودگی میں نمائندہ "الفضل" (ماسٹر محمد ابراہیم صاحب بی اے) کو بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں اپنے مقصد میں بہت کامیابی ہوئی ہے ہم نے جماعت احمدیہ کے طریق عمل اور طریقہ تعلیم کا مطالعہ کیا ہے۔ بہت سے دوستوں سے گفتگو کر کے اُن کے خیالات کو سُنا ہے۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُن کے خیالات سے ہمارے خیالات کو بہت مدد ملی ہے۔

۱؎ "الفضل" ۲۷ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵

۲؎ "الفضل" ۲۵ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱

۳؎ " " " " قبل ازیں اس وفد نے ۶ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو سرینگر کا بھی دورہ کیا۔ وفد کا استقبال کرنے والے معززین میں احمدی صحافی مولوی عبدالواحد صاحب ایڈیٹر اخبار "اصلاح" (و پریذیڈنٹ کشمیر جرنلسٹس ایسوسی ایشن) بھی شامل تھے۔ وفد نے ۹ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو جماعت احمدیہ کے وفد سے بھی ملاقات کی اور ضروری معلومات حاصل کیں۔ (اخبار "اصلاح" سرینگر ۱۰ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۳)

ہم نے قادیان میں بہت کچھ دیکھا اور بہت کچھ سُنا۔ اور اس کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہم قدر اور تعریف کے جذبات سے لبریز ہیں۔

حضرت امیر المومنینؓ سے ملاقات کے بارے میں ان کے تاثرات یہ تھے کہ

"ہم نے آج ایک گھنٹہ کے قریب امام جماعت احمدیہ سے ملاقات کی اور ہم نے ان سے جو خیالات سُنے۔ وہ ہماری کمیٹی کے مقصد کے لئے بہت ہی مفید ہیں۔ ہم نے ان سے بہت کچھ حاصل کیا ہے اور ہمارے دل فی الحقیقت آپ کی قدر اور تعریف سے پُر ہیں" [۱]

سلسلہ احمدیہ کی تنظیم کی نسبت انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ

"ہم نے جماعتی نظام کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔ آپ کی جماعت اسلام کی بہت خدمت کر رہی ہے اور آپ کا کام اسلام کے لئے بہت مفید ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مسلمانوں کے ایک حصّہ کو آپ کے عقائد سے اختلاف ہے۔ لیکن آپ کا کام واقعی قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔" [۲]

نقشہ ماحول قادیان

اس سال حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے نہایت محنت اور عرقریزی سے تبلیغ، تنظیم، اور خرید اراضیات کے پیش نظر مرکز احمدیت قادیان کے ماحول کا ایک مفصّل نقشہ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں شائع فرمایا۔ جس میں قادیان کے ارد گرد کا دس دس میل تک کا علاقہ دکھایا گیا تھا۔ اور دیہات کی حدود، اہم راستوں اور نہروں کے علاوہ تھانے، ذیلوں کے صدر مقام، موٹروں کے اڈے، ڈاک بنگلے اور سکول بھی دکھائے گئے تھے۔ نقشہ میں ہر گاؤں کے متعلق یہ اندراج بھی تھا کہ اس میں کس قوم کی آبادی ہے۔ یہ نقشہ پُشت پر کپڑا لگا کر مجلد کرا دیا گیا تھا۔ اور کتاب کی طرز سے جیب میں بھی رکھا جا سکتا تھا۔ [۳]

اکالی کانفرنس اور احمدیوں کا امن پسندانہ رویہ

قادیان کا نقشہ محض تبلیغی اور تنظیمی مقاصد کے پیش نظر شائع کیا گیا تھا جس کے پیچھے

---

[۱] ان کے انگریزی الفاظ یہ تھے:-
" FULL OF PRAISE AND APPRECIATION FOR HIM"

[۲] "الفضل" ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۱ و ۲۔

[۳] "الفضل" ۶ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ نقشہ کی ایک کاپی خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔

کوئی سیاسی مصلحت ہرگز کارفرما نہ تھی۔ مگر افسوس کہ احمدیت کی مخالف طاقتوں نے جو برسوں سے مخالفت کا محاذ قائم کئے ہوئے تھیں، اس نقشہ کو بھی جماعت احمدیہ کے خلاف اشتعال پھیلانے کا ایک ذریعہ بنا لیا اور سکھوں کو اکسانے کے لئے یہ پراپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ احمدی حکومت سے گٹھ جوڑ کر کے اپنی ریاست قائم کرنے کے منصوبے باندھ رہے ہیں[۱]۔

اس سلسلہ میں گورمکھی کا ایک اشتہار بھی شائع کیا گیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ احمدیوں کی طرف سے ہند کو یہ تحریک کی جا رہی ہے کہ قادیان کے اردگرد دس دس کوس تک ان کی ریاست مان لی جائے جس کے بدلے میں پیسہ اور آدمیوں کے ذریعہ یہ موجودہ گورنمنٹ کی جنگ میں امداد کریں گے۔ اس اشتہار میں ناواقف اور سادہ لوح سکھوں کو بھڑکایا گیا تھا کہ ۱۷-۱۸ نومبر ۱۹۴۰ء کو صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے قادیان کے قریب بوہڑ صاحب میں جمع ہو جائیں۔ یہ بوہڑ صاحب وہی مقام تھا جہاں ۷ اگست ۱۹۳۹ء کو سکھوں کے مشتعل ہجوم نے مذبح گرایا تھا[۲]۔

سکھ وفد قادیان میں

یہ پراپیگنڈہ جب یکایک زور پکڑ گیا تو علاقہ کے سکھوں کا ایک وفد حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے قادیان پہنچا۔ تحقیق و تفتیش کے بعد جب یہ سب کہانی من گھڑت نکلی تو وفد مطمئن ہو کر واپس چلا گیا اور اس نے حسب ذیل بیان دیا:۔

"ہم نے بصورت وفد قادیان جا کر چوہدری فتح محمد صاحب سیال ناظر اعلیٰ قادیان سے ملاقات کی ہے۔ چودھری صاحب خلیفہ صاحب قادیان کے چیف سکرٹری بھی ہیں۔ ہم نے ان سے دریافت کیا ہے۔ انہوں نے رجسٹر اخبار نقشہ وغیرہ دکھا کر ہماری پوری طرح تسلی کر دی ہے کہ یہ افواہ کہ مرزا صاحب قادیان والے دس دس کوس تک قادیان کے گردا گرد ریاست بنا رہے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ احمدیوں نے اخبار میں بھی اس افواہ کی تردید کر دی ہے۔ یہ افواہ احراریوں نے اڑائی ہے۔ اور ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ احمدیوں اور سکھوں کے تعلقات کو کشیدہ کر دیں۔ . . . ہم اکالی بھائیوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ اگر وہ کانفرنس کریں تو مذہبی کانفرنس کریں۔ . . . ایسی افواہ پر سیاسی تقاریر کر کے علاقہ کی فضا کو خراب نہ

---

[۱] "الفضل" ۲ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۰۔

[۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ احمدیت" جلد ششم صفحہ ۱۶۹ - ۱۷۰۔

کریں کیونکہ اس علاقہ میں احمدیوں کے سکھوں سے بہت اچھے تعلقات ہیں اور مرزا صاحب قادیان والے ہمیشہ معزز سکھوں سے ہمدردانہ سلوک کرتے رہے ہیں"

دستخط (سردار) نونہال سنگھ ذیلدار کھہالہ، (سردار) بخشیش سنگھ آف بھام، (سردار) بھگت سنگھ ذیلدار پنڈ اروڑی، (سردار) اندر سنگھ ڈسٹرکٹ درباری ڈلہ"[1]

سکھوں کا جلوس اور اجتماع

اس واضح تہدید کے باوجود دشمنانِ احمدیت نے سکھ عوام کو مشتعل کر کے اجتماع کرنے کی تیاریاں اندر ہی اندر جاری رکھیں۔ اور آخر اُن کے جتھے ۱۷؍نبوت/نومبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کو قادیان میں داخل ہو گئے۔[2] پولیس افسروں نے پہلے خود ہی ایک راستہ اُن کے لئے تجویز کیا اور احمدیوں سے کہا کہ وہ ان کے علاقہ سے نہیں گذرے گا۔ مگر جب سکھوں نے احمدی علاقہ سے گذرنے کے لئے اپنا رُخ تبدیل کر لیا تو پولیس روکنے کی بجائے ان کے آگے آگے چل پڑی اور اپنا فیصلہ خود ہی رد کر دیا۔[3]

یہ موقعہ انتہائی نازک تھا اور قریب تھا کہ تصادم تک نوبت پہنچ جاتی۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بروقت راہنمائی اور صبر و تحمل کی تلقین کی بدولت احمدیوں نے حیرت انگیز طور پر اپنے جذبات پر قابو رکھا اور قادیان میں فرقہ وارانہ فساد کرانے کی سب کوششیں ناکام ہو گئیں۔

حُکّام کے معاندانہ رویہ پر تنقید

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکام کے معاندانہ رویہ پر زبردست تنقید کی۔ اور فرمایا:-

"ہمیں ضلع کے حکام کی طرف سے یقین دلایا گیا تھا کہ سکھوں کے جلوس کے لئے ایک راستہ معیّن کر دیا گیا ہے اور یہ کہ وہ اسی راستہ کو اختیار کریں گے دوسرا راستہ اختیار نہیں کریں گے لیکن بطور احتیاط ہم نے دوسرے راستے پر اپنے آدمی کھڑے کر دیئے تھے۔ مگر سکھوں نے اپنے معیّن راستہ کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جس کے متعلق یقین دلایا گیا تھا کہ وہ اس طرف نہیں جائیں گے۔ اگر احمدی احباب کو یہ ہدایت نہ ہوتی کہ جو سکھ قادیان میں اکٹھے کئے گئے ہیں انہیں اصل حقیقت کا علم نہیں۔ وہ اگر اس دوسرے راستے سے آرہے ہیں تو انہیں گذرنے دیا جائے۔

---

[1] "الفضل" ۱۶؍نبوت/نومبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
[2] "الفضل" ۱۹؍نبوت/نومبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۸ کالم ۱۔
[3] "الفضل یکم صلح/جنوری ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۱ کالم ۱-۲۔

تو فساد ہونے کا احتمال غالب تھا۔ لیکن بجائے اس کے کہ (حکام ناقل) اس شریفانہ سلوک کی قدر کرتے، انہوں نے سمجھا کہ احمدی ڈر گئے "[۱]

"وہ حکام جو فتنہ پردازوں کے سامنے جیسا کہ گذشتہ اکالی کانفرنس میں ہوا دب جاتے ہیں اور شرفاء کی شرافت سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں وہ ہرگز انتظام حکومت کے قابل نہیں۔ اور وہ اپنے اس قسم کے رویہ سے شرفاء کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ بھی مقابلہ میں شرافت کو چھوڑ کر مفسدہ پردازی کا انسداد جبر اور زور سے کریں۔"[۲]

کانفرنس میں اشتعال انگیز تقریریں

بہرحال جلوس قادیان کی احمدی آبادی میں سے گذرنے کے بعد سیراؤں کے کھلے میدان میں اکالی کانفرنس دو دن جاری رہی اور اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کے خلاف بہت بیہودہ سرائی کی گئی۔[۳] اور انتہائی اشتعال انگیز تقریروں کے بعد یہ تجویز پاس کی گئی کہ

"چونکہ اس علاقہ میں اس خبر کے پھیلنے سے کہ مرزا صاحب دس دس میل تک ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں سخت بے چینی پھیلی ہوئی ہے اس لئے حکومت کو چاہیئے کہ اس تجویز کو کامیاب نہ ہونے دے ورنہ علاقہ میں سخت اشتعال پھیلے گا جس کے نتائج بھیانک ہوں گے "[۴]

اس تجویز کی تائید قادیان کے مُلّا عنایت اللہ صاحب احراری نے پُرجوش انداز میں کی۔ اور یہانتک کہا کہ "جب تک ہم زندہ ہیں، مسلمان زندہ ہیں، جب تک گورو گوبند سنگھ کے سنگھ زندہ ہیں، مرزا نواب نہیں ہو سکتا۔"

کانفرنس میں آخری تقریر سردار تیجا سنگھ صاحب کی تھی۔ جنہوں نے کہا:-

"پرسوں مرزائیوں کا ایک وفد ماسٹر تارا سنگھ صاحب سے ملنے گیا تھا۔ ہم لوگ وہاں نہ تھے۔ ماسٹر صاحب پر ان کی باتوں کا کچھ اثر ہو گیا۔ ہمیں کہنے لگے وہ تو اس خبر کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم سکھوں کی دلآزاری نہیں کرتے۔ مَیں نے کہا اس سے زیادہ دلآزاری کیا ہو گی، کہ

---

[۱] و [۲] "الفضل" ۳۱ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۱۔

[۳] "الفضل" ۱۹ نبوت/نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۸ کالم ۱۔

[۴] "الفضل" ۲۰ نبوت/نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱-۲- اس پرچہ میں اکالی کانفرنس کی مفصل روئداد شائع شدہ ہے

گورونانک کو مسلمان کہتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں صاحبزادے شہید نہیں ہوئے۔ گورو تیغ بہادر نے خودکشی کی۔ کس قدر ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ ہماری ساری اتہاس پر پانی پھیرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اور دلآزاری کیا ہوگی۔ باقی رہی یہ بات کہ ریاست بنانے سے انکار کرتے ہیں۔ مَیں تو کہتا ہوں کہ تم ریاست بنانے والے کب پیدا ہوئے۔ اگر ریاست قائم ہو تو جو لوگ اکالی دَل کی رہنمائی میں قربانیوں کے لئے تیار ہوں وہ ہاتھ اٹھائیں"

لوگوں نے یہ سُنتے ہی ہاتھ اُٹھا دیئے[1] اور عہد کیا کہ وہ کٹ مریں گے مگر احمدیوں کی ریاست نہیں قائم ہونے دیں گے۔

قیام امن کیلئے انتظامیہ کمیٹی کی تشکیل

اس موقعہ پر چونکہ قادیان اور اس کے ماحول کی فرقہ دارانہ فضا کے مکدّر ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا اس لئے کانفرنس کے انعقاد سے ایک روز قبل ۱۶/نبوت/نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو مرکز احمدیت میں امن عامہ کے قیام، مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت اور سکھ لیڈروں اور سرکاری افسروں سے گفتگو کرنے اور ان کی مہمان نوازی کے فرائض انجام دینے کے لئے ایک انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے سیکرٹری اور نگرانِ عمومی حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ مقرر کئے گئے۔ اس کمیٹی کے ممبروں میں صدر انجمن احمدیہ کے ناظر اعلیٰ اور انجمن کے دوسرے ممتاز ممبر شامل تھے۔ سرکاری افسروں کے سامنے جماعت کے موقف کی سیاسی نمائندگی کا فریضہ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم اے اور حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی خانصاحب کے سپرد ہوا۔ سکھوں کے ساتھ گفتگو کے لئے حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب کا نام تجویز ہوا۔ مہمان نوازی کی خدمت حضرت میر محمد اسحٰق صاحب ناظر ضیافت کے ذمہ لگائی گئی۔ انتظامیہ کمیٹی کے ایک ممبر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی بھی تھے جن کے فرائض میں پہرہ داروں کا تقرر اور ان کی نگرانی کا کام تھا۔

اس بروقت اقدام کا یہ فائدہ ہوا کہ اگرچہ سکھ جلوس اصل رستہ چھوڑ کر احمدی آبادی میں سے گذرا اور پھر اس کے مقرروں نے اپنی تقریروں میں جماعت احمدیہ کے خلاف سخت زہر اُگلا اور علاقہ میں زبردست اشتعال پھیلانے میں اپنا پُورا زور صرف کر دیا۔ مگر اس کے باوجود ان ایام میں کسی قسم کا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

---

[1] "الفضل" ۲۱/نبوت/نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲-۸ ؎

سکھ اخبار "ریاست" کی طرف سے احمدیوں کی امن پسندی کا اعتراف

جماعت احمدیہ کے نظام اور اس کے صلح کُن اصولوں کی یہ عظیم الشان اخلاقی فتح تھی جس کا اعتراف مشہور سکھ اخبار نویس سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون نے اپنے اخبار "ریاست" دہلی (۲ دسمبر ۱۹۴۰ء) میں بھی کیا چنانچہ انہوں نے صاف لکھا کہ

"مسلمانوں میں غالباً احمدیوں کا ہی ایک ایسا فرقہ ہے جو گورونانک اور سری کرشن وغیرہ غیر مسلم بزرگوں کو پیغمبر سمجھتے ہوئے اُن کی عزت کرتا ہے اور قادیان کی احمدی جماعت کا یہ ملک پر بہت بڑا احسان ہے جس نے ہندو مسلم اتحاد کی اس راہ کو اختیار کیا۔ احمدیوں کی اس قابل تعریف سپرٹ میں اتفاق پسند حلقوں کے اندر یہ انتہائی افسوس کے ساتھ سُنا جائے گا کہ پچھلے ہفتے جب سکھوں نے قادیان سے دو میل کے فاصلہ پر اکالی کانفرنس کی تو سکھوں کے غیر دوستانہ اور تحکمانہ رویہ کے باعث قادیان کے احمدی حضرات نے اپنے بچّوں اور عورتوں کو گھروں سے نکلنے کی ممانعت کر دی تا کہ فساد نہ ہو اور سکھوں کو اگر احمدیوں کے خلاف کوئی دوسری شکایت نہیں تو اب یہ کہا جا رہا ہے کہ احمدی گورونانک کو مسلمان کہہ کر سکھوں کی توہین کر رہے ہیں۔ ہمیں یاد ہے چند برس ہوئے سکھوں نے ایک احمدی کے خلاف اس الزام میں مقدمہ بھی دائر کیا تھا کہ اس نے گورونانک کو مسلمان کہا۔ اور ہم نے اس مقدمہ پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے سکھوں سے پوچھا تھا کہ اگر کسی نیک مسلمان کو کوئی سکھ یہ کہہ دے کہ "آپ تو نیکی کے لحاظ سے سکھ ہیں" تو کیا اس مسلمان کی توہین ہوگی۔ اسی طرح ہی ہم سکھوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر احمدی گورونانک سے اظہار محبت کرتے اور اپنا سمجھتے ہوئے گورو صاحب کو مسلمان کہتے ہیں تو اس میں سکھوں کی توہین ہے یا احمدی حضرات کے اخلاص و محبت کا انتہائی ثبوت!

ہمیں افسوس ہے کہ سکھوں کا قادیان کی اکالی کانفرنس میں احمدیوں کے خلاف تحکمانہ رویہ اختیار کرنا یا دوستانہ سپرٹ کا ثبوت نہ دینا اتحاد پسند حلقوں میں برچھا گردی اور وحشیانہ پن قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اشاعت مذہب اور اشاعت خیالات کے لئے ضروری ہے کہ رواداری اور محبت کا اظہار ہو تا کہ لوگ اس سے متاثر ہو سکیں نہ کہ غنڈہ پن کا جس سے کہ لوگ نفرت کریں" [1]

---

[1] بحوالہ اخبار "الفضل" ۶ فتح / دسمبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱-۲

اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی جھوٹی خبر

اکالی اجتماع کے بعد اگرچہ فضا بہت ہی مکدر ہو گئی تھی مگر اس کشیدگی میں لاہور کے نیم سرکاری اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" نے ۲۸ دسمبر ۱۹۴۰ء کے پرچہ میں یہ غلط خبر شائع کر کے اور بھی اضافہ کر دیا کہ حضرت امام جماعت احمدیہ نے حکومت پنجاب کو سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے موقعہ پر دھمکی دی ہے کہ جماعت احمدیہ عدم تشدد کی قائل نہیں۔ لہذا اگر اس نے جماعت احمدیہ کے خلاف پالیسی میں تبدیلی نہ کی تو اس کے بدنتائج کے لئے تیار رہے۔

ہندو پریس کی اشتعال انگیزی

اس سراسر بے بنیاد اور غلط خبر کی تردید سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے اجلاس میں کئی ہزار کے مجمع میں کر دی گئی اور پھر ۳۱ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے "الفضل" میں بھی شائع کر دی گئی مگر ہندو پریس نے اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کی پھیلائی ہوئی خبر کو بڑی اہمیت دی اور اخبار "پرتاپ" (۳۰ دسمبر) نے تو پورے صفحہ کی یہ جلی سرخی قائم کی کہ "پنجاب گورنمنٹ اپنی انٹی احمدیہ پالیسی ترک کر دے نہیں تو ہم جوابی کارروائی کریں گے" اور اس کے نیچے یہ عنوان دیا "خلیفہ قادیان مرزا بشیرالدین احمد کی حکومت کو دھمکی کہ ہمارا مذہب ہمیں عدم تشدد کی تعلیم نہیں دیتا"۔[1]

اخبار "پرتاپ" کے علاوہ اخبار "احسان" بھی اس مہم میں شامل ہو گیا اور اس نے سول اینڈ ملٹری گزٹ اور پرتاپ میں شائع شدہ غلط بیانی کا ایک فقرہ لے کر "قادیانی اور کانگرس" کے عنوان سے یکم جنوری ۱۹۴۱ء کی اشاعت میں ایک مقالہ افتتاحیہ بھی لکھ دیا۔[2]

اخبار "پرتاپ" کی دوبارہ زہر چکانی

اصل حقیقت کھل جانے پر اخبار "پرتاپ" نے جماعت احمدیہ کی مخالفت کے لئے پھر پہلی افواہ کو پھیلانا شروع کر دیا۔ چنانچہ ۷ جنوری ۱۹۴۱ء کے شمارہ میں لکھا:-

"معلوم ہوتا ہے کہ احمدیہ جماعت قادیان کو ایک ایسی سٹیٹ بنانا چاہتی ہے جس میں ان کی مطلق العنان حکومت ہو جس میں سوائے اس جماعت کے کوئی جماعت یا فرقہ اپنے دھارمک یا

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۲ صلح/جنوری ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء

[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ صفحہ ۱

مجلسی جلسے بھی منعقد نہ کر سکے۔ مگر قادیانی اصحاب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک علیحدہ سٹیٹ بنانے کے متعلق ان کے خواب پورے نہیں ہو سکتے۔ یہ بیسویں صدی ہے۔ اس میں اس قسم کی مطلق العنانی نہیں چل سکتی "[1]

فتنہ دوسری شکل میں

چند ماہ بعد فتنہ نے ایک نئی کروٹ لی۔ ہوا یہ کہ سکھوں کے ایک اخبار "شیر پنجاب" نے ۲۷ اپریل ۱۹۴۱ء کے پرچہ میں "قادیان میں فرقہ دارانہ جنگ کی تیاریاں" کے عنوان سے چودھری فتح محمد صاحب سیال کی ۱۹۲۹ء کی ایک ذاتی یادداشت کو "گشتی چٹھی" اور "ایک خفیہ سرکلر" کا نام دے کر لکھا کہ جماعت احمدیہ کے ناظر اعلیٰ نے ایک خفیہ سرکلر یا گشتی مراسلہ احمدیوں کو بھیجا ہے جس میں فرقہ دارانہ جنگ کے لئے تیاری کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ منافرت پھیلانے کی یہ ایک خطرناک کوشش تھی جس کا سدّباب کرنے کے لئے اخبار "الفضل" نے ۳، ۷ ہجرت/مئی ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء کی اشاعتوں میں پُرزور اداریئے لکھے اور بتایا کہ جماعت احمدیہ کے ناظر اعلیٰ نے ایسا کوئی مراسلہ جاری نہیں کیا اور جو تحریر سرکلر قرار دی جا رہی ہے وہ حضرت چوہدری صاحب کے محض پرائیویٹ اور ذاتی نوٹ تھے جو "حفاظت قادیان" کے عنوان سے اُس زمانہ میں لکھے گئے جبکہ سکھوں نے ۱۹۲۹ء[2] کو پولیس کی موجودگی میں مذبح گرا دیا تھا اور قادیان پر حملہ کر کے اُسے لُوٹ لینے کی دھمکیاں دی تھیں۔ چوہدری صاحب نے از خود چند حفاظتی تجاویز کاغذ کے ایک پُرزہ پر لکھیں جو نہ شائع ہوئیں نہ کہیں بھیجی گئیں۔ نہ ان پر کوئی عملدرآمد ہوا۔ کاغذ کا یہ پرزہ کسی طرح مصری پارٹی[3] کے ہاتھ آ گیا۔ یہ لوگ پہلے تو عام سکھوں کو یہ کاغذ دکھاتے رہے مگر اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ سکھ اخبار "شیر پنجاب" نے اُسے خوب اُچھالا اور ہندو اور مسلمان اخباروں میں اس کی بازگشت سُنائی دینے لگی۔ ہندو پریس جو اُن دنوں جماعت احمدیہ کی مخالفت میں بہت پیش پیش تھا۔ (الفضل کی تردید کے باوجود) برابر اس کی اشاعت کرتا رہا۔ بلکہ اخبار "پرتاپ" (۲۳ مئی ۱۹۴۱ء) نے تو حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے یہاں تک لکھ دیا کہ

"کیا وہ خفیہ سرکلر جو جماعت احمدیہ کے صدر مقام سے احمدیوں کے نام جاری ہوا ہے پنجاب گورنمنٹ کی نظر سے گذرا ہے؟ اور گذرا ہے تو اس نے اس بارہ میں کیا کارروائی کی ہے۔ یہ

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۸ صلح/جنوری ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۱ ؛
[2] اس واقعہ کی تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد ششم (صفحہ ۱۶۹ - ۱۷۱) میں موجود ہے ؛
[3] "الفضل" یکم احسان/جون ۱۳۲۰ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۵ ؛

سرکلر یقیناً اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے خلاف ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت کارروائی کی جائے۔" ؎۱

اخبار "الفضل" کا چیلنج

اخبار "الفضل" (۲۴؍ ہجرت/مئی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء) نے اخبار "پرتاپ" اور اس کے ہم نوا دوسرے اخباروں کو جو مسلسل تردید کے باوجود غلط بیانی اور مغالطہ انگیزی سے باز نہیں آرہے تھے، کھلا انعامی چیلنج کیا کہ اگر وہ اس نام نہاد سرکلر کی کاپیاں مہیا کر دیں تو انہیں ہر کاپی پر سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔ مگر ایسا کوئی سرکلر تھا ہی نہیں تو وہ کہاں سے لاتے۔ اور جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے وضاحت فرمائی کہ

"اگر کوئی ایسا سرکلر بھیجا جاتا تو وہ ناظر امور عامہ کی طرف سے ہونا چاہیئے تھا نہ کہ ناظر اعلیٰ کی طرف سے۔ ہمارے نظام کے لحاظ سے اس کا تعلق ناظر امور عامہ سے ہے ناظر اعلیٰ سے نہیں یہ امر بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسا کوئی سرکلر ہے ہی نہیں۔ ناظر اعلیٰ تو آئینی لحاظ سے ایسا سرکلر بھیجنے کا مجاز ہی نہیں۔ ناظر اعلیٰ کی طرف سے ایسے سرکلر کا بھیجا جانا تو ہمارے کانسٹی ٹیوشن کے ہی خلاف ہے۔ اگر ایسا سرکلر بھیجا جاتا تو ناظر امور عامہ کی طرف سے بھیجا جاتا۔ پس یہ بات سرے سے بناوٹی ہے۔" ؎۲

سرکلر کا دوبارہ شاخسانہ

اب حقیقت پوری طرح کھل چکی تھی۔ مگر چونکہ جماعت احمدیہ کی مخالفت کرنے والے ہندو، سکھ اور کانگرس نواز عناصر کا مقصد جماعت احمدیہ کو بدنام کر کے اسے عوام اور حکومت کی نظروں میں گرانا اور نقصان پہنچانا تھا۔ اس لئے کچھ عرصہ کے بعد اس مفروضہ سرکلر کا شاخسانہ دوبارہ کھڑا کر دیا گیا۔ اور اس دفعہ اس پراپیگنڈے کا آغاز حکومت کے ایک آفیسر یعنی سردار بچن سنگھ سب انسپکٹر پولیس بٹالہ کی طرف سے کیا گیا اور حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ناظر اعلیٰ کے خلاف اس زور اور شدت سے افواہیں پھیلائی گئیں کہ حکومت کے بعض وزراء بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئے اور جماعت احمدیہ کی نسبت بدگمانیوں کا دروازہ پہلے سے بہت زیادہ وسیع ہو گیا۔

حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال کا وضاحتی بیان

جب صورت حال اس درجہ پیچیدہ ہو گئی تو نمائندہ "الفضل" نے چودھری فتح محمد صاحب کا مفصل انٹرویو

؎۱ بحوالہ "الفضل" ۲۴ ہجرت/مئی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ا کالم ۳-۴۔

؎۲ "الفضل" یکم ماہ احسان/جون ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۳-۴۔

شائع کیا جس میں اصل واقعات اور ان کے پس منظر پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی تھی۔ اس اہم انٹرویو کا ایک حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"میں گذشتہ پندرہ سال میں متواتر ضلع گورداسپور کے دیہات کا دورہ کرتا رہا ہوں اور مختلف دیہات میں میرے لیکچر ہوتے رہے ہیں جن کی تعداد ایک سال میں اوسطاً پچاس تک رہی ہے لیکن پولیس ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کر سکتی جس سے ثابت ہو کہ میں نے کبھی سکھوں اور مسلمانوں یا سکھوں اور احمدیوں کو ایک دوسرے کے خلاف اکسایا۔ اس کے برعکس میں نے ہمیشہ انہیں آپس میں پُرامن اور محبت سے رہنے کی تلقین کی۔ پولیس میری تقریروں کو نوٹ کرتی رہی ہے۔ اور وہ دیکھ سکتی ہے کہ میں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے مسلمانوں یا احمدیوں کو سکھوں کے خلاف مشتعل کیا گیا ہو۔ ہاں میں سکھ اور مسلمان دیہاتیوں کو یہ تلقین کرتا رہا ہوں کہ سودی لین دین سے پرہیز کیا جائے اور ساہوکاروں کے پنجے سے بچیں علاوہ ازیں قانون انتقال اراضی کی بعض دفعات کی وضاحت کی جاتی رہی ہے تا عوام اس سے فائدہ اُٹھائیں۔

نیز میں عوام کو یہ بھی کہتا رہا ہوں کہ بدمعاشوں کے خلاف پولیس کی امداد کی جائے تا گاؤں کے پُرامن لوگ نقصانات سے بچ جائیں۔ علاوہ ازیں جنگی امداد کی تحریک کرتا رہا ہوں اور حضرت امام جماعت احمدیہ کے جنگی امداد سے متعلق خطبات کو دیہاتیوں تک پہنچاتا رہا ہوں۔

شرارت کے وجوہ کے ذکر میں جناب چوہدری صاحب نے فرمایا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے خلاف ایجی ٹیشن پھیلانے والے دو طبقے ہیں۔ اوّل پولیس کا رشوت خور عنصر اور دوسرے ساہوکار طبقہ۔ ظاہر ہے کہ ان ہر دو گروہوں میں انسانی ہمدردی کا جذبہ بالکل مفقود ہوتا ہے۔ اور اب چونکہ یہ عناصر ختم ہونے پر ہیں اس لئے انہیں گھبراہٹ ہو رہی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے اس بات سے سخت رنج ہے کہ میرے سکھ دوستوں میں میرے خلاف پروپاگنڈہ کر کے خطرناک قسم کی بدظنی پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن میں اس کے متعلق فی الحال صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں اور سکھوں میں جو جاٹ قوم کا حصہ ہے اُن کو یقین دلاتا ہوں کہ میری تکالیف کی اصل وجہ زمینداروں کی خیر خواہی ہے خواہ وہ مسلمان

ہوں یا ہندو یا سکھ۔ ان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جب کسی غیر زراعت پیشہ سکھ کی طرف سے پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے تو اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

اس ضمن میں اس امر کا بھی ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ ۱۹۴۰ء میں اس علاقہ میں زمینداروں نے اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک کمیٹی بنائی تھی جس میں علاقہ کے معزز ہندو سکھ اور مسلمان زمیندار شامل تھے۔ ان لوگوں نے بالاتفاق مجھے صدر منتخب کیا تھا اور اس کے متعدد اجلاس موضع بگول۔ قادیان اور دیگر مقامات پر ہوئے۔ اس کمیٹی کی اغراض میں یہ بھی تھا کہ زمینداروں کو ساہوکاروں سے اور رشوت خور افسروں سے بچایا جائے۔ نیز زمینداروں کی فلاح و بہبود کے لئے جو قوانین پاس کئے گئے ہیں ان کی وضاحت مقصود تھی تا زمیندار اُن سے کماحقہٗ فائدہ اُٹھا سکیں۔ ایک ساہوکار نے اٹھتیس سالہ گروی ناموں کو واپس کر کے بعض بیوقوف زمینداروں سے بیس سالہ یا دس سالہ مستاجری لکھوانی شروع کر دی تھی۔ ان جلسوں میں زمینداروں کو بتایا گیا کہ وہ ساہوکاروں کے اس قسم کے ہتھکنڈوں سے بچیں۔ انہی دنوں اسی ساہوکار کی سازش سے میرے خلاف ایک غیر زراعت پیشہ تھانیدار کے زمانے میں ایک خود غرض اور پولیس کے ہاتھ میں کھیلنے والے زمیندار سے رپورٹیں لکھوائی گئیں اور مجھے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی" [۱]

مرزا سلیم بیگ صاحب کارکن اعلیٰ ہائیکورٹ حیدر آباد دکن و سیاح بلاد اسلامیہ قادیان میں

مرزا سلیم بیگ صاحب کے دادا مرزا عبدالقادر بیگ صاحب اور حضرت ام المومنین کی نانی اماں محترمہ حضرت قادری بیگم صاحبہ دونوں حقیقی بھائی بہن تھے۔ ان خاندانی تعلقات کی تجدید مرزا سلیم بیگ صاحب کو دوبارہ فتح / دسمبر ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء میں قادیان لے آئی۔ مرزا سلیم بیگ صاحب کی آنکھ نے مرکز احمدیت میں کیا دیکھا؟ اس کی تفصیل خود ان کے قلم سے لکھی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"۱۹۰۹ء کی بات ہے جبکہ مَیں دہلی میں میاں بشیر الدین محمود احمد (خلیفۃ المسیح) اور آپا نصرت جہاں بیگم (امّ المومنین) سے ملا تھا۔ عرصہ تک پھر ملنا نہیں ہوا۔ حالانکہ ڈاکٹر... محمد اسمٰعیل صاحب سے بارہا دہلی میں ملنا جلنا رہا۔ حیدر آباد کی ملازمت نے وطن سے دُور کر دیا۔ بیگانے

---

[۱] "الفضل" ۱۹/ صلح / جنوری ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۱

اپنے ہو گئے اور اپنے بیگانے۔ کنبہ کے بہت سے لوگ نئی پیداوار کے ہیں۔ یہ نہ جانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں۔ اور ان باتوں کا موقع بھی نہیں ملتا۔ دہلی کا کنبہ ہندوستان کے چاروں کھونٹوں میں آباد ہو گیا ہے۔ ہر شخص نے اپنا نیا کنبہ بنا لیا ہے اور نئی جنت بنا ڈالی ہے۔ میں بھی اپنی دنیا میں بہر حال آباد ہوں۔ اسی طرح قادیان میں ایک کنبہ آباد ہے جو لوگ جانتے ہیں وہ جانتے ہیں۔ زندگی میں دو چار دفعہ ملنا ہو گیا ہے۔ ہم ختم ہوئے اور کنبہ داری کی زنجیر ٹوٹی۔ شجرے کی کسی ٹہنی میں ہمارا بھی نام لٹکا ہوگا۔ گرچہ بسے گذشت کہ نوشیروان نماند۔

اکثر دل چاہتا تھا کہ قادیان جاؤں اور ایک دفعہ تو مل آؤں۔ مگر دہلی تک جا کر اتنی دلچسپیاں بڑھ جاتی تھیں کہ رخصت کا مختصر زمانہ دہلی کی جنت میں ختم ہو جاتا اور قادیان جانے کی نوبت نہ آتی۔ تمنا تو ہمیشہ رہی مگر کبھی شرمندہ تعمیل نہ ہوئی۔ بالکل اتفاق تھا کہ ۱۹۳۹ء میں حضرت میاں محمود احمد صاحب حیدر آباد تشریف لائے اور عزیزوں سے ملنے کا انہوں نے خاص انتظام کیا۔ دید اور باز دید ملاقاتوں میں تجدید محبت ہوئی۔ یا یوں کہئے کہ بچھڑے ہوئے اپنی زندگی میں پھر ملے۔ حیدر آباد کی یہ ملاقاتیں میرے قدیم خیال کو تقویت پہنچانے لگیں۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں کلکتہ گیا تو جنگ کی وجہ سے بازاروں میں سرد بازاری پائی اور طبیعت نے قرار نہ لیا۔ اور قادیان کے ارادہ سے کلکتہ سے دہلی پہنچا۔ اور دہلی سے قادیان۔ قادیان اور جماعت احمدیہ کی جو تصویر میں نے ذہن میں تیار کی تھی، وہ اس کے خد و خال تازہ کرنا چاہتا تھا کہ علی الصبح گاڑی بدلنے کے لئے امرتسر کے اسٹیشن پر اترنا پڑا۔ پلیٹ فارم پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ بہت سے مسافر قادیان کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نماز اور ضروریات سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کا پرسان حال ہوا چنانچہ میرا تعارف بھی بہت سے اشخاص سے ہوا۔ اور کرایا گیا۔ . . . . ناشتہ کے لئے کئی اصحاب نے مجبور کیا۔ . . . بعض احباب نے تو اتنا کھلایا کہ میں نے اُن کے دستر خوان پر سے اُٹھنے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ کھانا وہ لوگ کھا رہے تھے اور میں ہاضمہ کی دوا اور ہیضہ کے انسداد پر غور کر رہا تھا۔ گاڑی جب بٹالہ پہنچی تو چار میں مجھے شریک ہونا پڑا۔ تواضع اور اخلاق کی مشین گن نے ایک پیالی چار کی گنجائش نکال ہی لی اور قہر درویش برجان درویش شکریہ کے ساتھ چا پی۔ بٹالہ سے گاڑی بدل کر قادیان جانے والی گاڑی میں سوار ہو گئے۔

لیجئے صاحب! مَیں قادیان پہنچ گیا۔ ڈاکٹر صاحب اور عرفانی صاحب نے اسٹیشن پر ہی گلے لگایا۔ گلے ملتے اور باتیں کرتے ڈاکٹر صاحب کے ہاں پہنچے۔ ہاتھ مُنہ دھویا۔ چاء اور تکلّفات تو یہاں بھی بہت تھے مگر مجھے اپنی سلامتی کی ضرورت تھی۔ محمود احمد صاحب عرفانی کو لے کر نکل گیا۔ یہ وہ شہر ہے جس کا نام برسوں سے سُنتا آرہا تھا۔ ہر مکان کو دیکھتا۔ ہر مکین پر نظریں جماتا، بازار کو دیکھتا، اور دوکانداروں کو گھُورتا، اس شہر نما قصبہ میں گزرتا رہا۔ قادیان کی وضع تو پنجاب کے اَور قصبوں کی سی ہے مگر جماعت کے اتحاد، اتفاق اور تنظیم نے اس کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ بڑے بڑے بنگلہ خانہ باغ، سڑک، مدرسے، بورڈنگ ہاؤس، اسپتال، بازار اور ساہوکارہ، برقی پریس، اطبّا ریُونانی، ویدک دواخانہ، کارخانے جیسی چیزیں یہاں موجود ہیں۔ یہاں کی آبادی میں حضرت مسیح موعودؑ کے خاندان کے افراد آباد ہیں، جماعت کے کارکن آباد ہیں۔ وہ بھی آباد ہیں جو اعتقاد و ایمان سے قربت چاہتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو قربت حاصل کر چکے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو ترکِ وطن کرکے آباد ہوئے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو جماعت کی خاطر مقیم ہیں۔ ایسے طالب علم بھی ہیں جو شوق تبلیغ میں علم حاصل کر رہے ہیں۔ ایسے طالب علم بھی ہیں جو مدارس میں ابتدائی تعلیم کے لئے بورڈنگ میں ہیں۔ جماعت کا ہر شعبہ ایک افسر کی نگرانی میں ہے اور اس افسر کا عملہ اور دفتر علیحدہ ہے۔ تمام دُنیا کے ڈاک خانوں سے یہاں ڈاک آتی ہے اور جاتی ہے تار آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ اس لئے قادیان کو قصبہ کہنا تو غلطی ہے۔ اچھا خاصہ شہر ہے اور انشاء اللہ تعالےٰ روز بروز اس میں ترقی ہی ہوگی کیونکہ جواں ہمت اور جواں عزم جماعت کام کر رہی ہے اور پابندِ ملّت مسلمانوں کی بستی ہے جو بستے بستے بسی ہے۔

عرفانی صاحب کے ساتھ مَیں جماعت کے مقامات دیکھتا، یادگاروں پر نظر ڈالتا قدیم بستی میں آپا نصرت جہاں بیگم کے پاس پہنچا۔ یہاں جماعت کی طرف سے مسلّح پہرہ ہے۔ اطلاع کرائی گئی اور زنانہ میں بُلا لیا گیا۔ آپا نے بڑھ کر مجھے اپنے کمرہ میں لیا اور نہایت کراری آواز سے سلام علیکم کہا۔ مزاج پوچھا۔ خیریت دریافت کی۔ حالات پوچھے۔ گذرے ہوؤں کا ذکر کیا۔ زندوں کو دعا دی۔ عزیزوں کو نام بنام دریافت کیا اور پھر حاضر ہونے کے وعدہ پر میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب سے ملنے باہر چل دیا۔ میاں مجھ سے ایک سال چھوٹے ہیں۔

پنجاب کی آب و ہوا میں رہ کر وہ کسبِ علم اور جماعت کی ضروریات کے انہماک میں رہ کر مجھ سے بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ قویٰ مغلوں کے سے ہیں۔ آنکھوں میں چمک ویسی ہی ہے چہرے کی دونوں ہڈیاں اُبھری ہوئی ہیں۔ کشادہ پیشانی، بلند قامت ہیں۔ گفتار اور رفتار میں مردانہ وضع ہیں۔ میاں جس مکان میں رہتے ہیں یہ اُور بھائیوں کے مکانات سے ملا ہوا ہے۔ حصّے جُدا جُدا ہیں مگر آپس میں سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ ان مکانوں تک موٹر آجاتی ہے۔ یہاں سے قریب ہی مسجد اقصیٰ ہے اور اسی مسجد میں مینارة المسیح ہے۔ یہیں نماز جمعہ ہوتی ہے۔ مسجد شاندار نہیں کیونکہ تھوڑی تھوڑی بنی ہے اور ہر حصّہ اپنے پہلے حصّہ سے جدا معلوم ہوتا ہے۔

قادیان کے قیام میں میرا ناشتہ تو ڈاکٹر صاحب کے ہاں ہوتا۔ اُور وقتوں کے کھانے دعوتوں کی صورت میں ہوتے۔ دعوتوں سے وقت بچتا تو قادیان کے قرب وجوار کے مقامات دیکھنے میں صرف کرتا۔ محمود احمد عرفانی میرے ساتھ تھے اور جدھر موہنہ اُٹھتا اُدھر نکل جاتے۔ پنجاب کی آب وہوا دسمبر کا مہینہ، مرغن اور مکلّف کھانے کھاتا بھی اور ہضم بھی کر جاتا۔ اگر حیدر آباد میں ایک ہفتہ بھی بد پرہیزی کر جاتا تو اپریشن نہیں تو کم از کم تنقیہ معدہ کی ضرورت لاحق ہو جاتی۔ عزیزوں نے محبّت سے کھلایا اور ایک عزیز مسافر نے آنکھیں بند اور دل کھول کر مسافر نوازی کی داد دی۔ میرا قیام تو ڈاکٹر صاحب کے ہاں تھا مگر مہمانی پورے قادیان نے ادا کی۔ ڈاکٹر صاحب اکثر جگہ ساتھ ہوتے مگر وہ نقرس کے مرض سے مجبور ہو گئے ہیں۔ آہستہ چلتے ہیں۔ آہستہ بات کرتے ہیں۔ نہایت متین، سنجیدہ اور حلیم ہیں۔ سب سے محبّت سے پیش آتے ہیں۔ سب کی خاطر کرتے ہیں۔ سب سے خوش ہو کر ملتے ہیں۔ دہلی کی قدیم وضع کا مکان ہے جس میں پائین باغ ہے۔ پنشن لے لی ہے اور قادیان میں اطمینان کی زندگی گذار رہے ہیں۔

جب تک مَیں قادیان میں رہا گویا مَیں دارالسّلام میں رہا۔ نہ تو موسم کی تیزی نے کوئی بُرا اثر کیا اور نہ میری بد پرہیزی نے میرا کچھ بگاڑا۔ آپا صاحبہ (ام المومنین) کا یہ وطیرہ رہا کہ علی الصبح مرے پاس پہنچ جاتیں اور دروازہ کو کھٹک کر اندر آجاتیں۔ سلام علیکم کرتیں اور باتیں شروع

کر دیتیں۔ میں لحاف اوڑھے پلنگ پر بیٹھا ہوتا اور ٹہل ٹہل کر باتیں کرتی جاتیں۔ آواز میں کرارہ پن باقی ہے۔ ہاتھ پاؤں تندرست اور سیدھے ہیں۔ آنکھیں کام دیتی ہیں۔ قویٰ بھی توانائی اور چستی معلوم ہوتی ہے اور بات کو معقولیت سے سنتی ہیں اور معقولیت سے جواب دیتی ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ پر گفتگو کرتیں ہیں اور بے دھڑک خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ پان کا زیادہ شوق ہے باتیں کرتی جاتیں ہیں اور پان کھاتی جاتی ہیں۔ دلّی والوں کا سا لباس ہے۔ اُونی پائتابہ پہن کر گرم رنگین تنگ موری پاجامہ پہنتی ہیں۔ گرم اُونی کُرتہ پر سویٹر پہن کر کشمیری شال سر سے اس طرح اوڑھتی ہیں کہ سر بھی ڈھک جاتا ہے اور مفلر بھی معلوم ہوتا ہے۔ اوورکوٹ پہن کر ان سب کو ایک جگہ کر لیتی ہیں۔ ایک ہاتھ میں تسبیح اور ایک میں دستانہ ہوتا ہے۔ علی الصبح بعد نماز گھر سے نکلتی ہیں۔ پہلے عزیزوں کے ہاں، دوستوں کے ہاں، اخلاص مندوں اور معتقدوں کے ہاں جاتی ہیں۔ اس میں مزاج پرسی، دریافتِ حال، عیادت اور تیمارداری سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ کہیں بچوں کا علاج کرتی ہیں اور کہیں بڑوں کی مزاج پرسی، کسی جگہ دوا بتاتی ہیں اور کہیں دوا خود تیار کر کے دیتی ہیں۔ دلّی کی بڑی بوڑھی بیگمات کا یہ طریقہ تھا کہ بچوں کے درد دُکھ کا علاج گھر کی بڑی بوڑھی بیگمیں کیا کرتی تھیں۔ وہی آپا صاحبہ کا طریقہ کار ہے اور اس علاج معالجہ میں ان کو اچھی دستگاہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے چٹکلے بچوں کے معمولی امراض میں بہت مفید ہوتے ہیں۔ دس گیارہ بجے تک وہ اپنی اس مصروفیت سے فارغ ہو کر گھر پہنچ جاتی ہیں۔ دوپہر کا کھانا کھا کر آرام کرتی ہیں۔ ظہر اور عصر کی نماز تک گھر میں بہو بیٹیوں سے ملتی رہتی ہیں اور شام کو پھر چہل قدمی کو نکل جاتی ہیں۔ اس پروگرام کی وہ حتی المقدور پابندی کرتی ہیں۔ اس وقت ان کی عمر (۷۵)[1] سال ہے مگر ارادہ میں جوان ہیں عمل میں جوان ہیں۔ پنے عزم میں جوان ہیں۔ ایک بارُعب کمانڈر کی طرح قادیان کی آبادی پر اثر ہے۔ جس طرح خلوص اور محبت سے ملتی ہیں۔ اسی طرح رُعب اور اثر سے کام لیتی ہیں۔ ان امور میں اُن کو دلچسپی ہے اور اسی کو انہوں نے اپنا شغل بنا رکھا ہے۔ جس طرح کُنبہ کو اُن کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قادیان کی

---

[1] اصل بیان میں واوین کے درمیان کوئی لفظ نہیں تھا۔ مگر چونکہ حضرت ام المومنین کی ولادت ۱۸۶۵ء میں ہوئی اس لئے یہاں مرتب کی طرف سے معیّن عمر لکھ دی گئی ہے۔

آبادی کو ان کی ضرورت ہے۔ یہ بلالحاظ مذہب و ملت ہر ایک سے حسن سلوک کے ساتھ ملتی ہیں۔ جو کچھ ممکن ہوتا ہے اس کی خدمت کرتی ہیں۔ اطمینان اور دلاسہ دیتی ہیں۔

بہرحال برسوں کی آرزو پوری کر کے عزیزوں سے مل کے، قادیان کو دیکھ کے، قادیان سے رخصت ہو گیا۔ جی تو چاہتا ہے کہ ایک دفعہ اور ہو آؤں مگر

"اے بسا آرزو کہ خاک شدہ"

اب تک تو یہی ہو رہا ہے آئندہ کی خبر خدا جانے۔ والسلام۔

سلیم بیگ " ؎۱

مرزا سلیم بیگ صاحب کا ایک اور تحریری بیان

مرزا سلیم بیگ صاحب نے اپنے سفر قادیان کے تاثرات کا اظہار اپنے ایک دوسرے تحریری بیان میں بھی کیا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:-

"۱۹۲۷ء میں پہلی مرتبہ مجھے قاہرہ (مصر) جانے کا اتفاق ہوا۔ میں قاہرہ میں ٹھہر گیا۔ اور مرے ہمسفر دوست دو روز قاہرہ میں ٹھہر کر یورپ چلے گئے۔ تقریباً ایک ہفتہ کے بعد مجھے قاہرہ میں محمود احمد صاحب عرفانی سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ کچھ وطنیت کچھ سلسلہ واقفیت نے ہم دونوں کو اس طرح متحد کیا کہ میرا اکثر وقت محمود احمد صاحب عرفانی کے ساتھ گذرنے لگا۔ عرفانی صاحب قاہرہ میں جماعت احمدیہ کی طرف سے مبلغ اسلام تھے اور وہاں اپنے مشن کا کام مصریوں میں نہایت ہی خوبیوں کے ساتھ کر رہے تھے۔ اجنبیت اور غیر ملکی ہونے کے باوجود عرفانی صاحب نے مصری شرفا کی مجلسوں میں اچھا رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ نامور اور ذمہ دار ہستیوں سے مراسم رکھتے تھے۔ اس لئے عرفانی صاحب کی وجہ سے مجھے قاہرہ اور زندگی قاہرہ کے مطالعہ کا کافی موقع ملا۔ اور میں اس مشن کی کوششوں کو بھی دیکھتا رہا جو عرفانی صاحب مبلغ کی حیثیت سے وہاں انجام دے رہے تھے۔ عرفانی صاحب کی ہی رہبری سے فلسطین اور شام میں جماعت احمدیہ کے تبلیغی مشن کی کوششوں کو دیکھا۔ دوسری مرتبہ ۱۹۳۰ء میں قاہرہ جانے کا اتفاق

؎۱ "سیرۃ حضرت سیدۃ النساء ام المومنین نصرت جہاں بیگم" صفحہ ۱۹۶ تا ۱۹۸ (حصہ دوم) ناشر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کبیر حیدر آباد دکن۔ تاریخ اشاعت ۲۵ رجولائی ۱۹۴۵ء (مطبوعہ انتظامی پریس حیدر آباد دکن)

ہوا۔ اور یہ میری خوش نصیبی تھی کہ عرفانی صاحب موجود تھے۔ اور ان کا مشن نہایت کامیابی سے اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ اس مرتبہ کی ملاقات تجدید اتحاد کا باعث ہوئی اور مشن کی کارگذاری پر مشن کے رسُوخ پر، مبلّغ کے خلوص پر غور کرنے کا بہت زیادہ موقع ملا۔ مَیں ان تاثرات کو لئے ہوئے فلسطین، شام، استنبول اور برلن وغیرہ گیا۔ یہاں مجھے جماعت احمدیہ کی تنظیم اور کوششوں کا ثبوت ملتا گیا۔ مجھے حقیقتاً نہایت صدق دل سے اس کا اعتراف ہے کہ مَیں نے ہر جگہ جماعت احمدیہ کے مبلّغوں کی کوششوں کے نقوش دیکھے۔ ہر جگہ اسلامی روایات کے ساتھ تنظیم دیکھی۔ ہر جگہ اس جماعت میں خلوص اور نیک نیتی پائی۔ جماعت احمدیہ میں سب سے بڑی خوبی اتحاد عمل اور امام جماعت کے احکام کی پابندی ہے۔ اس لئے اس کے اراکین کہیں اور کسی حال میں شعار اسلام اور احکام اسلام کو نظر انداز نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی اصلی غرض اور فرض سے انجان ہوتے ہیں۔ تقریروں، تحریروں یا ملاقاتوں میں ان کا نقطۂ نظر موجود ہوتا ہے اور وہ اشارۃً کنایۃً اپنا کام کئے جاتے ہیں۔ محنت برداشت کرتے ہیں۔ غیر مانوس اور غیر مشرب لوگوں میں رسوخ پیدا کر کے اپنے فرائض کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور اپنی تبلیغی حیثیت کو نمایاں رکھتے ہیں۔ محمود احمد صاحب عرفانی نے ۱۹۳۰ء میں قاہرہ سے ایک اخبار "اسلامی دنیا" بھی اُردو زبان میں ٹائپ پریس سے شائع کیا تھا۔ یہ اخبار مصوّر بھی تھا اور اُردو میں اسلامی دُنیا کی خبریں نہایت شرح و بسط سے شائع ہوتی تھیں۔ افسوس ہے کہ ناگزیر مجبوریوں نے اس اخبار کو جاری نہ رہنے دیا اور اشاعت بند ہو گئی۔ اس اخبار میں کچھ حصّہ میرے سفر کا بھی شائع ہوا تھا۔

شام و مصر کی ان ملاقاتوں کا یہ اثر ہوا کہ مجھے جماعت احمدیہ کے صدر مرکز قادیان جانے کا اتفاق ہوا۔ دسمبر ۱۹۴۰ء میں قادیان دارالسلام پہنچا۔ قادیان امرتسر سے تقریباً ۵۰ میل ہے۔ ریل جاتی ہے مگر دو تین جگہ اس کو بدلنا پڑتا ہے۔ یہ ایک گاؤں ہے جہاں جماعت احمدیہ کے عروج کے ساتھ اس قصبہ کو بھی عروج ہو رہا ہے۔ سڑکیں بن گئی ہیں۔ مکانات تعمیر ہو گئے ہیں۔ باغ اور کھیلوں کے میدان تیار کئے جا رہے ہیں۔ اسپتال، مدارس اور بورڈنگ ہاؤس تیار ہیں۔ جہاں اس جماعت کے اساتذہ جماعت کے ہونہار بچوں کی تعلیم و

تربیت پر لگے ہوئے ہیں۔ ہسپتال جس کا خرچ جماعت احمدیہ برداشت کرتی ہے۔ منظم اور ایک حد تک آلات و ادویات سے آراستہ ہے۔ بورڈنگ ہاؤس کی عمارت بہت وسیع اور شاندار شاہجہانی وضع پر تعمیر کی گئی ہے جو ایک پُرفضا مقام پر سکول کے متصل ہے۔ اس کے قریب وہ میدان ہے جہاں جماعت کے ضروری اور سالانہ اجلاس ہوتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ سالانہ اجلاس کی تیاری اس میدان میں نہایت وسیع پیمانے پر ہو رہی تھی۔ مہمانوں کے قیام، مہمانوں کے طعام وضروریاتِ زندگی کی فراہمی پر اراکین کی سعیٔ بلیغ قابلِ تحسین و قابلِ تقلید تھی۔ اوقات و اہتمام کی تقسیم جو اس جماعت کی نمایاں خوبی ہے، سُرعت وخلوص نیت کے ساتھ کارفرما تھی۔ گو مَیں سالانہ اجلاس کے وقت تک قیام نہ کر سکا مگر انتظام و اہتمام کے نقوش میرے سامنے تھے اور ہر وقت مَیں اُن کی یک جہتی کا قائل اور اُن کی مدنیت کا شیدا ہوتا گیا۔

قبرستان کا اہتمام اور اس میں صف بندی مَیں نے پہلی مرتبہ قادیان میں دیکھی۔ بغیر کسی آرائش اور لحاظ منصب کے اس قبرستان میں قبور ایک صف میں بنائی گئی ہیں مدفن کی لوح، مدفونوں کی ایک مختصر تاریخ وفات اور وصیت نامہ کے نمبر رجسٹری کے ساتھ کندہ ہوتی ہے۔ ہر قبر پر بالالتزام یہ لوح ہوتی ہے۔ ہر قبر دوسری قبر سے معقول فاصلہ پر ہوتی ہے ہر صف کے آمد و رفت کے لئے راستہ چھوڑا جاتا ہے اور ممکن طریقہ پر اس قبرستان کو سایہ دار درختوں سے خوش نما کیا گیا ہے۔ قادیان میں اکثروں نے ترک وطن کر کے سکونت اختیار کر لی ہے۔ یہاں ایک ایسی انجمن بھی ہے جو اپنی جماعت کو قادیان میں تعمیر مکان کیلئے قرضہ دیتی ہے۔ بالاقساط وصول کرتی ہے۔ اس جماعت کے اراکین اپنی املاک جماعت کے لئے وقف کر دیتے ہیں اور اس کا انتظام بھی ایک خاص محکمہ کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ خزانہ، داد و ستد، امور مذہبی، نشر و اشاعت، اہتمام ترکہ و وقف کے لئے محکمہ جات قائم ہیں۔ ہر ایک کے لئے مقررہ عملہ اور عہدہ دار ہیں۔ ان سب دفاتر پر خلیفہ ثانی حضرت میاں بشیر الدین محمود صاحب کی نگرانی ہے جو بالذات روزانہ اس کی خدمات کی جانچ کرتے ہیں: جس زمانہ میں مجھے قادیان جانے کا اتفاق ہوا حضرت خلیفہ صاحب تفسیر قرآن لکھنے میں مصروف

تھے۔ یہ تفسیر قادیان میں شب و روز کی محنت سے بر وقت شائع ہوئی اور حضرت صاحب کی عنایت سے اس تفسیر کبیر کی ایک جلد مجھے بھی حیدرآباد میں ملی جس کا میں بے حد ممنون ہوں۔ خداوند تعالیٰ اُن کے کام میں برکت دے اور ہمیں احکام قرآنی کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ فقط "[1]

مولوی محمد رفیق صاحب مجاہد تحریک جدید کا انتقال

اس سال کا ایک المناک واقعہ مولوی محمد رفیق صاحب مجاہد تحریک جدید کا انتقال ہے جو ترکستان کے مشہور شہر کاشغر میں ہوا۔ مولوی صاحب موصوف چاچڑ ضلع شاہ پور کے رہنے والے تھے۔ تحریک جدید کے دسویں مطالبہ کے تحت وہ تحریک جدید سے صرف زادِ راہ لے کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں آپ مولوی (راجہ) عدالت خاں صاحب کی قیادت میں کشمیر پہنچے۔ مولوی عدالت خاں صاحب کو اپنے ضلع سے غیر تسلی بخش رپورٹ آنے پر پاسپورٹ نہ مل سکا مگر آپ کو مل گیا اور آپ کچھ عرصہ سرینگر ٹھہرنے کے بعد گلگت پہنچے۔ گلگت سے کاشغر تک کا سفر نہایت دشوار گذار ہے۔ راستہ میں سر بفلک پہاڑ اور خوفناک برفانی میدان آتے ہیں۔ مولوی محمد رفیق صاحب دو ماہ میں یہ لمبا سفر طے کر کے صحیح و سالم کاشغر پہنچے۔ قیام سرینگر کے دوران آپ نے کچھ چینی زبان سیکھ لی تھی۔ کاشغر پہنچ کر آپ نے درزی کا کام شروع کر دیا۔ پھر پارچہ فروشی بھی کرنے لگے۔ روسی حکومت کے حکم سے چند دن نظر بند رہے مگر تبلیغ احمدیت کا کام برابر سرگرمی سے کرتے رہے۔ ترکستان میں احمدیت کا بیج بو دیا یعنی حاجی آل احمد صاحب اور حاجی جنود اللہ صاحب معہ خاندان احمدی ہو گئے جیسا کہ جلد ہفتم میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ مولوی صاحب موصوف کاشغر میں تبلیغی جہاد میں مصروف تھے کہ یکایک استسقاء کی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے اور اس سال ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے آخر میں اپنے مولائے حقیقی کو جا ملے۔ فانا للہ و انا الیہ راجعون[2]

---

[1] "مرکز احمدیت قادیان" صفحہ ۲۶۱ تا ۲۶۳ مولفہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم۔ [2] "الفضل" ۲۰ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ آپ قیام پاکستان کے بعد سرگودھا میں آباد ہو گئے تھے اور شہر میں ایک اعلیٰ معالج دندان کی حیثیت سے خاصی شہرت رکھتے تھے۔ ۲۳ ظہور/اگست ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء کو آپ کا اسی شہر میں انتقال ہوا۔ اور اگلے روز بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپرد خاک کئے گئے۔ آپ نے گیارہ بچے اپنی یادگار چھوڑے ہیں (" الفضل" مورخہ ۲۵ - ۲۷ ظہور/اگست ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء)۔

فصل ششم

تفسیر کبیر جلد سوم کی اشاعت

۲۰ر فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کا دن سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ کیونکہ یہی وہ مبارک دن ہے جبکہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے مقدس ہاتھوں سے "تفسیر کبیر" جلد سوم جیسی معرکۃ الآراء تفسیر کی تالیف کا عظیم الشان کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔[1] اس کے تین روز بعد (یعنی ۲۴ر فتح کو) اس کی طباعت کا مرحلہ ختم ہوا۔ اور ۲۴-۲۵ر فتح/دسمبر کی درمیانی شب کو میاں عبداللہ صاحب مالیر کوٹلوی جلد ساز نے اس کی ابتدائی مجلد کاپیاں تیار کیں اور یہ رُوحانی خزانہ سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء پہ پہلے بیرونی احباب کو حاصل ہوا،[2] اور بعد کو قادیان کے احمدیوں کے ہاتھوں تک پہنچا۔ اس طرح دنیائے تفسیر میں ایک ایسے انقلاب انگیز دَور کا آغاز ہوا جس سے لاکھوں قلوب و اذہان میں خدائے عزّ و جل کے کلام پاک کی نئی شمعیں روشن ہو گئیں اور قرآن مجید کے غیر محدود حقائق و معارف معلوم کرنے کے لئے بیشمار دریچے کھُل گئے۔

۱۹۲۸ء کا مشہور درسُ القرآن اور اُس کے نوٹ

جیسا کہ جلد ششم کی چوتھی فصل (صفحہ ۷۷ تا ۸۲) میں بالتفصیل بتایا جا چکا ہے کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ۸ر اگست ۱۹۲۸ء سے لے کر ۸ر ستمبر ۱۹۲۸ء تک ایک نہایت رُوح پرور درسِ قرآن دیا تھا جو سُورۂ یُونس سے سُورۂ کہف کے پانچ پاروں پر مشتمل تھا۔ اس درس کے لکھنے کی سعادت حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جٹ، مولانا ارجمند خان صاحب، مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی، مولوی ظہور حسین صاحب (مبلغ بخارا و رُوس)، مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری، حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی، مولانا عبدالغفور صاحب، مولوی محمد یار صاحب عارف، مولوی ظفر الاسلام صاحب اور شیخ چراغ الدین صاحب کو نصیب ہوئی۔[3]

---

[1] و [2] "الفضل" ۲۷ر فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۲-۳۔

[3] "تاریخ احمدیت" جلد ششم صفحہ ۷۸۔

حضرت امیرالمؤمنین کا ابتدا ہی سے منشاء مبارک تھا کہ درس کے نوٹ نظر ثانی کے بعد کتابی صورت میں شائع کر دیئے جائیں تا حضور کے بیان فرمودہ قرآنی معارف محفوظ ہو جائیں۔ حضرت اقدس نے اس غرض کے لئے مولوی محمد اسمٰعیلؓ صاحب فاضل حلالپوری کو مقرر فرمایا۔ حضرت مولوی صاحب کی نگرانی میں سورۂ یونس و سورۂ ہود کے تفسیری نوٹ ۲۵۶ صفحات تک طبع ہوئے جس کے بعد عرصہ تک تفسیر کا کام ملتوی رہا۔ البتہ جن دوستوں کو تفسیر کے پڑھنے کا ازحد شوق تھا انہیں تفسیر کے مطبوعہ صفحات ہی دے دیئے گئے۔[1]

حضور نے سالانہ جلسہ ۱۹۳۹ء پر قرآن مجید کی تفسیر کے جلد شائع کئے جانے کا اعلان فرمایا اور ارادہ کیا کہ قرآن کریم کی تفسیر کا کام ابتدا ہی سے شروع کر دیں۔ چنانچہ حضور نے ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے آغاز میں بہت محنت اور عرقریزی سے کئی سو صفحے نوٹوں کے تیار بھی کر لئے مگر پھر خیال آیا کہ اس طریق سے قرآن کریم کی تفسیر کا چھپا ہوا حصہ پڑا رہے گا۔ لیکن اگر درس کے نوٹ ترمیم و اصلاح یا اضافہ کے ساتھ شائع کر دیئے جائیں تو کاغذ بھی ضائع نہ ہوگا اور کام بھی جلد مکمل ہو جائے گا۔[2] حضور نے اس خیال کے آتے ہی پہلے پارہ کے نوٹ لکھنے بند کر دیئے اور اس کی بجائے سورۂ یونس تا کہف کی تفسیر مکمل کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ ابھی کام شروع نہیں ہوا تھا کہ حضور ۲۴/صلح کو کراچی تشریف لے گئے۔ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حلالپوری بھی حضور کے ہمراہ تھے اور تفسیر کے کام کی خاطر بہت سی کتب اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ دراصل حضور کا منشاء یہ تھا کہ حضرت مولوی صاحب کی صحت بحال ہو جائے اور وہ سلسلہ کی خدمت کے لئے تازہ دم ہو جائیں۔ لیکن افسوس کراچی جا کر وہ سخت بیمار ہو گئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد سے ۱۴/تبلیغ/فروری کی شام کو کراچی میل سے واپس تشریف لے آئے۔[3] قادیان پہنچتے ہی آپ کی حالت اور زیادہ دگرگوں ہو گئی اور آپ ۸/امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو انتقال کر گئے۔

ماہ شہادت/اپریل کے شروع میں حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ارادہ فرمایا کہ جس قدر درس القرآن طبع ہو چکا ہے اس سے آگے مزید کام شروع کر کے اس کو مکمل کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں حضور نے مولوی نور الحق صاحب[4] واقف زندگی کو قصر خلافت میں یاد فرمایا اور ان کو درس القرآن کے

---

[1] "الفضل" ۲۴/اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء

[2] خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸/اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء مطبوعہ "الفضل" ۲۴/اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴

[3] "الفضل" ۱۲/امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵

[4] ابو المنیر مولوی نور الحق صاحب حال پروفیسر جامعہ احمدیہ و مینیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین مراد ہیں۔

غیر مطبوعہ مسودہ کا ایک حصہ (جو سُورۂ ہُود کی آیت ۱۱۰ سے لے کر سُورۂ یُوسف کی آخری آیت تک کے مضامین پر مشتمل تھا) سپرد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ منشی عبدالحق صاحب خوشنویس[۱] سے اس کی کتابت کروائی جائے چنانچہ اس کی تعمیل میں منشی صاحب موصوف نے کتابت شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ہی حضور نے ہدایت فرمائی کہ سورۃ رعد سے لے کر سورۃ بنی اسرائیل تک کے مرتب شدہ نوٹ دوبارہ نقل کروائے جائیں اور حل لغات درج کرانے اور حوالہ جات لگانے کے بعد حضور کی خدمت میں پیش کئے جائیں۔ چنانچہ مولوی نورالحق صاحب، حافظ قدرت اللہ صاحب، مولوی محمد صدیق صاحب، مولوی صدرالدین صاحب اور مرزا منور احمد صاحب (واقفین تحریک جدید) نے بقیہ مسودہ صاف اور خوشخط کر کے نقل کیا۔ حل لغات اور حوالوں کے نکالنے کا کام مولوی نورالحق صاحب نے انجام دیا۔ حضرت امیرالمومنین نے سورہ رعد اور سورہ ابراہیم کے مسودہ پر ماہ ظہور (اگست) میں نظر ثانی فرمائی اور بالترتیب منشی عبدالحق صاحب اور قاضی نور محمد صاحب[۲] نے اس مضمون کی کتابت کی۔ ماہ تبوک (ستمبر) میں حضور انور نے بذریعہ تار سُورہ حجر کا مسودہ شملہ منگوایا۔ حضور شملہ سے ۳ اخاء (اکتوبر) کو واپس قادیان دارالامان تشریف لائے۔ اس وقت تک تفسیر کے ۴۹۶ صفحات کی کتابت ہو چکی تھی۔ حضور نے فرمایا کہ سالانہ جلسہ تک تفسیر مکمل طور پر تیار ہو جانی چاہیئے۔ وقت نہایت تنگ تھا اور صورت یہ تھی کہ سورۂ حجر کے بعد کی سورتوں پر نظر ثانی تک کا کام ابھی باقی تھا۔ حضور درحقیقت تقریباً سارا مسودہ دوبارہ ہی اپنے قلم مبارک سے لکھ رہے تھے۔[۳] کیونکہ پہلا لکھا ہوا مسودہ بہت ہی مختصر تھا۔ علاوہ ازیں کتابت، طباعت، اور جلد بندی کے مراحل باقی تھے۔ حضور نے کتابت کا کام بروقت مکمل کرانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ متعدد کاتب مقرر کر دیئے جائیں تا نظر ثانی کے ساتھ ساتھ مضمون کی کتابت بھی جاری رہے۔ چنانچہ منشی عبدالحق صاحب اور قاضی نور محمد صاحب کے علاوہ (جو پہلے سے مصروف کتابت تھے) قاضی بشیر احمد صاحب بھٹی[۴]، منشی محمد اسمٰعیل صاحب[۵] اور منشی احمد حسین صاحب[۶] کی خدمات حاصل کی گئیں جس سے کام کی رفتار میں

۱؎ والد ماجد ابوالمنیر مولوی نورالحق صاحب۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ آپ کی بیعت ۱۸۹۷ء کی ہے۔ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کی متعدد کتب کی کتابت کا موقعہ ملا۔ اور حضور کو آپ کا خط بہت پسند تھا (تاریخ احمدیت جلد سوم میں بھی آپ کا ذکر آ چکا ہے)۔ ۲؎ تفسیر کبیر جزو ششم یعنی تیسویں پارہ کی تفسیر کی کتابت کی ان کو سعادت نصیب ہوئی۔ اب وفات پا چکے ہیں۔ ۳؎ ان تاریخی مسودات کا اکثر و بیشتر حصہ اب بھی خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہے۔ ۴؎ ابن حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی۔ آجکل آپ راولپنڈی میں رہتے ہیں۔ عربی طرز قاعدہ یسرنا القرآن میں آپ حضرت پیر منظور محمد صاحب کے شاگرد خاص ہیں۔ حضرت پیر صاحب (معذوری کے بعد) آپ ہی سے قرآن مجید لکھوایا کرتے تھے۔ ۵؎ آپ ہجرت ۱۹۴۷ء کے بعد فیروز والا ضلع گوجرانوالہ میں رہائش پذیر ہیں۔ حضرت مسیح موعود کی کتب کا مکمل سیٹ جو الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ نے "روحانی خزائن" کے نام پر شائع کیا ہے آپ ہی نے لکھا ہے۔ ۶؎ ولد محمد حسین صاحب (کاتب "بدر" و "الفضل")۔ ۳ جنوری ۱۹۳۱ء ضمیمہ الفضل میں تشکر کا اعلان شائع شدہ ہے۔

حیرت انگیز طور پر اضافہ ہو گیا۔[۱] ان کاتبوں کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ معرکہ درپیش ہے جس کو سر کرنے کے لئے یہ ان تھک سپاہی سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ اسی طرح قادیان کے دو نو پریس ضیاء الاسلام پریس اور اللہ بخش سٹیم پریس شب و روز تفسیر کی چھپائی کے لئے وقف تھے۔ مولوی نورالحق صاحب کا بیان ہے کہ آخری دو ماہ کے عرصہ میں روزانہ انہیں چند منٹ کرسی پر اونگھنا ہی نصیب ہوتا تھا۔ کیونکہ اُن کے کمرہ[۲] میں حضورؓ کی طرف سے گھنٹی لگی ہوئی تھی اور حضور رات اور دن کے اوقات میں کام کے لئے یاد فرماتے تھے۔ اسی طرح کاپیاں پڑھنا، کاتبوں سے انہیں درست کروانا، پروف دیکھنا یہ سب کام بمشکل ہی ختم ہوتے تھے آخری ایام میں حضور نے مولانا ابوالعطاء صاحب کو بھی پروفوں کے دیکھنے اور حل لغات وغیرہ چیک کرنے کے لئے مقرر فرمادیا چنانچہ آپ نے سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ کہف کے حوالوں کو بھی چیک کرنے کے علاوہ کاتبوں کی لکھی ہوئی کاپیاں اور پروف بھی پڑھے۔ تاہم اس نوعیت کے کام کی اصل ذمہ داری (ابوالمنیر) مولوی نورالحق صاحب پر عائد رہی چنانچہ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی ایک تقریر میں ارشاد فرمایا کہ

"تفسیر کبیر جلد سوم . . . کی لغت، ترجمہ اور تدوین کا اکثر کام اُن کے (یعنی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوری۔ناقل) کے سپرد کیا گیا تھا۔ گو آخری حصہ کے وقت مولوی صاحب وفات پا چکے تھے۔ تاہم تیسری جلد . . . کی تدوین لغت اور ترجمہ کا بہت کچھ کام انہوں نے ہی کیا ان کی وفات کے بعد مولوی نورالحق صاحب کے سپرد یہ کام کیا گیا۔ باوجود اس کے کہ ان کا علمی پایہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب جیسا نہیں اور باوجود نوجوان اور ناتجربہ کار ہونے کے انہوں نے میرے منشاء کو سمجھا اور خدا تعالیٰ نے انہیں میرے منشاء کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی" [۳]

---

[۱] مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کا بیان ہے کہ "کاتبوں کے متعلق حضور کا خاص طور پر ارشاد تھا کہ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے تا کسی کی صحت میں نقص پیدا ہو کر کام میں روک نہ پیدا ہو جائے چنانچہ رات دن ان کاتبوں کو ہر وہ چیز مہیا کی جاتی تھی جس کے وہ عادی تھے اور ہر طرح ان کی دلداری کی جاتی تھی"۔

[۲] یہ کمرہ دفتر تحریک جدید قادیان کی بالائی منزل میں دفتر پرائیویٹ سیکرٹری سے متصل تھا اور اسی کمرہ میں تفسیر لکھنے والے کاتب کام کرتے تھے۔

[۳] "الفضل" ۱۹ وفا/جولائی ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے اس اظہار خوشنودی کی ایک عملی صورت یہ بھی فرمائی کہ قصر خلافت میں انہیں خصوصی طور پر شرف باریابی بخشا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنا ایک چوغہ پہنایا جو ابتک اُن کے پاس موجود ہے۔

حضرت امیر المومنین کا بے مثال مجاہدہ

جب دوسرے خدام کی مصروفیت، استغراق اور انہماک کا یہ عالم ہو کہ وہ دن رات خدمتِ قرآن میں مصروف ہوں تو آقا کی محنت اور عرقریزی کس درجہ پہنچ چکی ہوگی؟ اس کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں۔ حق یہ ہے کہ ایک رُوحانی جرنیل حتی المقدور جس شان سے علمی جہاد میں حصّہ لے سکتا ہے اس شان کا حقیقی رنگ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے وجود مبارک میں ان دنوں پوری طرح جلوہ گر تھا۔ حضور کو صبح آٹھ بجے سے لے کر رات کے چار پانچ بجے تک منہمک رہنا پڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت سیدہ ام متین صاحبہ فرماتی ہیں :-

"قرآن مجید سے آپ کو جو عشق تھا اور جس طرح آپ نے اس کی تفسیریں لکھ کر اس کی اشاعت کی وہ تاریخ احمدیت کا ایک روشن باب ہے۔ خدا تعالیٰ کی آپ کے متعلق پیشگوئی کہ کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی۔ جن دنوں میں تفسیر کبیر لکھی نہ آرام کا خیال رہتا تھا نہ سونے کا نہ کھانے کا۔ بس ایک دُھن تھی کہ کام ختم ہو جائے۔ رات کو عشاء کی نماز کے بعد لکھنے بیٹھے ہیں تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ صبح کی اذان ہو گئی" [1]

دُعائے خاص کی تحریک

اگرچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو مسلسل محنت اور جانفشانی سے کام کرنے کی ایک اعجازی طاقت و قوت حاصل تھی مگر ان دنوں حضور پر اتنا بوجھ آن پڑا کہ حضور نے ۱۳ ماہ فتح / دسمبر کو تفسیر القرآن کی تکمیل کے لئے خطبہ جمعہ میں خاص طور پر دعائے خاص کی تحریک فرمائی۔ اور اس میں اپنی اور دوسرے کام کرنے والوں کی غیر معمولی محنت و مشقت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ

"میری طبیعت کچھ دنوں سے زیادہ علیل رہتی ہے اور چونکہ قرآن شریف کے ترجمہ اور تفسیر کے کام کا بہت بڑا بوجھ ان دنوں ہے اور جلسہ تک دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ مگر ابھی کوئی ایک سَو صفحہ کتاب کا یا چار سَو کالم مضمون کا لکھنا باقی ہے اور آجکل اکثر ایام میں رات کے ۳-۴ بلکہ ۵ بجے تک بھی کام کرتا رہتا ہوں۔ اس لئے اس قسم کی جسمانی کمزوری محسوس کرتا ہوں کہ اس قدر بوجھ طبیعت زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔ چونکہ جلسہ تک دن تھوڑے رہ گئے ہیں اس لئے دوستوں سے چاہتا ہوں کہ دُعا کریں اللہ تعالیٰ خیریت سے اس کام کو پورا کرنے کی توفیق دے۔

---

[1] "الفضل" ۲۵ امان / مارچ ۱۳۴۵ ہش / ۱۹۶۶ء صفحہ ۵ کالم ۱

وہ لوگ جو میرے ساتھ کام کر رہے ہیں اور جن کا کام کتابت، کاپیوں کی تصحیح کرنا اور مضمون صاف کر کے لکھنا وغیرہ ہے وہ بھی بہت محنت سے کام کر رہے ہیں۔ اتنی دیر تک روزانہ کام کرنے کی انہیں عادت نہیں پھر بھی ۲ - ۳ بجے رات تک کام کرتے ہیں۔ ممکن ہے اس سے بھی زیادہ دیر تک کام کرتے ہوں مگر ۲ - ۳ بجے تک تو کئی دفعہ بات پوچھنے کے لئے میرے پاس آتے رہتے ہیں۔ اسی طرح کاپیاں لکھنے والے کاتب ہیں۔ بے شک وہ اُجرت پر کام کرتے ہیں مگر جس قسم کی محنت انہیں کرنی پڑتی ہے اور وہ کر رہے ہیں وہ اخلاص کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ روزانہ کام کیا جائے، معمول سے دُگنا کیا جائے اور اچھا کیا جائے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ کاتب کا کام آنکھوں کا تیل نکالنا ہوتا ہے کیونکہ وہ ایک منٹ کے لئے بھی آنکھ اُوپر نہیں اُٹھا سکتا۔ آنکھ کاغذ پر اور قلم ہاتھ میں لے کر بیٹھا رہتا ہے اور بیٹھنا بھی ایک خاص طریق سے ہوتا ہے۔ مَیں تو اس کام کے متعلق سمجھتا ہوں کہ عمر قید کی سزا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ کاتب لوگ بہت جلد بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ کتابت کے کام میں انہیں سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ آنکھیں ہر وقت ایک ہی طرف لگی رہتی ہیں۔ اس وجہ سے ان کی صحت ضائع ہو جاتی ہے۔ ہم لوگ جو تصنیف کا کام کرتے ہیں۔ اُن سے زیادہ وقت کام میں دیتے ہیں مگر اس حصہ میں ان کا کام زیادہ مشقت طلب ہوتا ہے۔ ہم تو کبھی پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ کبھی بیٹھ جاتے ہیں۔ کبھی کوئی حوالہ تلاش کرنے لگتے ہیں۔ کبھی لکھنا شروع کر دیتے ہیں اور پھر جو کچھ لکھتے ہیں وہ مضمون ہمارے ذہن میں ہوتا ہے۔ اگر ہم آنکھیں بند بھی کر لیں تو لکھ سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ سطریں ٹیڑھی ہو جائیں گی۔ مگر کاتب بیچارے کو دو طرف نظر رکھنی پڑتی ہے۔ ادھر وہ ہمارے لکھے ہوئے کو دیکھتا ہے اور اُدھر کاپی پر نظر جمائے رکھتا ہے۔ پھر ہم تو جو چاہیں لکھتے جائیں لیکن کاتب کو اجازت نہیں ہوتی کہ اپنی طرف سے کچھ کرے۔ اور کاتبوں کا اتنا علم بھی نہیں ہوتا کہ مضمون میں دخل دے سکیں۔" . .

. . . اس وقت جو کاتب کام کر رہے ہیں ان پر کام کا بڑا بار ہے۔ کاتب اگر اچھا لکھے تو ۶ سے ۸ صفحے روزانہ لکھ سکتا ہے۔ مگر اب کام کی زیادتی کی وجہ سے ۱۲ سے ۱۶ صفحے تک روزانہ ایک ایک کاتب سے لکھوایا جا رہا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو کام جلسہ تک ختم نہ ہو سکیگا

اس کے بعد اہم کام چھپوائی کا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس کے لئے بہت کچھ سہولت عطا کر رکھی ہے۔ ایک وقت تو وہ تھا جب کہ دستی پریس چلانا بھی مشکل تھا۔ مگر اب ڈو پریس کام کر رہے ہیں[1] اور ایک میں دو مشینیں چل رہی ہیں۔ کجا تو یہ کہ دستی پریس بھی نہ تھا اور کجا یہ کہ مشینیں کام کر رہی ہیں اور بجلی سے دو دو پریس چل رہے ہیں۔ پریس والوں نے وعدہ کیا ہے کہ ۴۸ صفحے روزانہ چھاپ کر دیتے رہیں گے۔ اس وقت تک ساڑھے سات سَو صفحے چھپ چکے ہیں۔ اور پونے دوسَو کے قریب چھپنے باقی ہیں۔ مگر ان کے متعلق کوئی فکر نہیں ہے۔ البتہ کاتبوں کا کام ایسا ہے کہ اگر ایک کی بھی صحت خراب ہوگئی تو کام رُک جانے کا اندیشہ ہے۔ پھر جلد سازی کا مرحلہ طے ہونا باقی ہے۔ جلد ساز سے عہد لے لیا گیا ہے کہ تمام کاپیاں چھپ جانے کے بعد کم از کم ۷۵ جلدیں روزانہ کے حساب سے دے گا۔ . . . . پس بہت ہی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اس کام کی وجہ سے دو ماہ سے انتہائی بوجھ مجھ پر اور ایک ماہ سے میرے ساتھ دوسرے کام کرنے والوں پر پڑا ہوا ہے۔ یہ بوجھ عام انسانی طاقت سے بڑھا ہوا ہے اور زیادہ دیر تک برداشت کرنا مشکل ہے جب تک خدا تعالیٰ کا فضل اور نصرت نہ ہو۔ پس دوست دعا کریں کہ خدا تعالیٰ کامیابی عطا کرے"[2]

مسودہ پر نظر ثانی کی تکمیل

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جماعت احمدیہ کو تفسیر قرآن کے لئے دعاؤں کی توفیق بھی بخشی اور پھر ان کی قبولیت کا خود ہی یہ سامان کر دیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۰ فتح/دسمبر تک یعنی ایک ہفتہ کے اندر تفسیر کے باقی ماندہ مسودہ پر نظر ثانی کر کے کاتبوں کے سپرد کر دیا چنانچہ حضور نے اسی روز جماعت کو خطبہ جمعہ کے دوران یہ خوشخبری سُنائی اور فرمایا کہ

"جہانتک ان نَو سُورتوں کا تعلق ہے یعنی سورۃ یُونس سے شروع کر کے سورۃ کہف تک پرسوں مَیں نے کام ختم کر دیا ہے اور پرسوں شام تک پریس والے ختم کر دیں گے۔ ہم نے ۷ - ۸ سَو صفحات حجم کا اندازہ کیا تھا۔ پھر اندازہ لگانے والوں نے کہا کہ ۸ - ۹ سَو کے درمیان صفحات ہوں گے۔ پھر ۹ - ۱۰ سَو صفحات کا اندازہ کیا گیا۔ اور اب رپورٹ ملی ہے کہ ۱۰۰۶ صفحات

---

[1] ضیاء الاسلام پریس اور اللہ بخش سٹیم پریس۔

[2] خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۳ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء مطبوعہ "الفضل" ۱۷ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲

ہو جائیں گے۔ جس محنت کے ساتھ کام کیا گیا ہے اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ آخری حصہ ایسا اچھا نہیں چھپ سکتا جیسا کہ ارادہ تھا۔ کاتبوں سے دن رات کام لیا گیا ہے۔ اسی طرح پریس والوں سے بھی۔ انسانی طاقت جتنا بوجھ اُٹھا سکتی ہے اُسے اُٹھانے کا بہت اعلیٰ نمونہ کارکنوں نے دکھایا ہے۔ مگر اس محنت کے باوجود کتابت وغیرہ کی بعض غلطیاں ہوں گی۔ مَیں دوبارہ تو پروف دیکھ ہی نہیں سکا اور اس لئے مجھے خیال ہے کہ بعض جگہ ضرور غلطیاں رہ گئی ہوں گی۔ لکھتے ہوئے بعض اوقات مَیں نوٹ دے دیتا ہوں کہ حوالہ دے دیا جائے یا فلاں معنی لغت سے نکال کر لکھ دیئے جائیں۔ عین ممکن ہے ان میں سے کوئی حوالہ لکھنا رہ جائے یا معنے نقل کرنے رہ جائیں۔ بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمام کارکنوں نے بہت محنت اور اخلاص سے کام کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بعض غلطیاں رہ گئی ہوں گی۔ ہم غلط نامہ کی اشاعت کی بھی کوشش کر رہے ہیں جہانتک مَیں سمجھتا ہوں آخری حصہ میں پہلے سے کم غلطیاں ہوں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب عالم تو بہت تھے مگر ان کو کاپی اور پروف دیکھنے کی مشق نہ تھی۔ اس لئے اس حصہ میں بہت غلطیاں رہ گئی ہیں۔ کوئی حصہ کہیں چھوٹ گیا ہے، کوئی غلط جوڑ دیا گیا ہے ہم نے اس کی درستی بھی کی ہے۔ بعض جگہ علیحدہ پرچیاں چھپوا کر لگا دی گئی ہیں۔ غلط نامہ بھی چھپ جائے گا اور اس طرح صحت کی پوری پوری کوشش کی جا رہی ہے۔

اب جماعت کا فرض ہے کہ اُس سے فائدہ اُٹھائے جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے قرآن کریم کی تفسیر تو کوئی انسان نہیں لکھ سکتا اور اس لحاظ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآنی مطالب سارے یا آدھے یا سواں حصہ بلکہ ہزارواں حصہ بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ قرآن غیر محدود خدا کا کلام ہے اس لئے اس کے علوم بھی غیر محدود ہیں۔ اور اس نسبت سے ہم اس کے مطالب کا نہ کروڑواں نہ اربواں حصہ بیان کر سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ضروری باتوں پر روشنی ڈال دی گئی ہے۔ مجھے اس خیال سے شدید ترین نفرت ہے کہ تفاسیر میں سب کچھ بیان ہو چکا ہے۔ ایسا خیال رکھنے والوں کو مَیں اسلام کا بدترین دشمن خیال کرتا ہوں اور احمق سمجھتا ہوں گو وہ کتنے بڑے بڑے جُبّے اور پگڑیوں والے کیوں نہ ہوں۔ اور جب میرا دوسری تفسیروں کے متعلق یہ خیال ہے تو مَیں اپنی تفسیر کی نسبت

یہ کیونکر کہہ سکتا ہوں۔ ہم یہ تو کوشش کر سکتے ہیں کہ اپنے زمانے کے علوم ایک حد تک بیان کر دیں مگر یہ کہ قرآن کریم کے اپنے زمانہ کے بھی سارے علوم بیان کر دیں۔ اس کا تو میں خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ قرآن کریم کے نئے نئے معارف ہمیشہ کھلتے رہتے ہیں۔ آج سے سَو سال کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ ایسے معارف بیان کر سکتے ہیں جو آج ہمارے ذہن میں بھی نہیں آسکتے۔ اور پھر دو سو سال بعد غور کرنے والوں کو اَور معارف ملیں گے۔ بعض نادان خیال کرتے ہیں کہ اس طرح کہنے سے لوگوں کی توجہ تفسیر کی طرف سے ہٹ جائے گی اور بعض دفعہ بعض نادان یہ بھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ انہوں نے تو خود کہہ دیا ہے کہ یہ کچھ نہیں۔ مگر مَیں قرآن کریم کے متعلق سچائی کے بیان کو ہر چیز سے زیادہ ضروری خیال کرتا ہوں۔ لاکھوں کا تفسیر نہ پڑھنا بہت کم نقصان دہ ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک بھی شخص ہو جو یہ خیال کرے کہ اس تفسیر میں سب کچھ آچکا ہے۔ اگر دس کروڑ آدمی بھی خیال کر لیں کہ اس میں کچھ نہیں تو کوئی نقصان نہیں بہ نسبت اس کے کہ ایک بھی یہ خیال کرے کہ اس میں سب کچھ آگیا ہے۔ جو یہ خیال کرے گا کہ اس میں کچھ نہیں وہ تو میرے کلام سے محروم رہے گا لیکن یہ سمجھنے والا کہ اس میں سب کچھ آگیا ہے خدا تعالیٰ کے کلام سے محروم رہ جائے گا"

پھر فرمایا:۔

"چونکہ یہ خدائی تائید سے لکھی گئی ہے اس لئے مَیں کہہ سکتا ہوں کہ اس میں اس زمانہ یا آئندہ زمانہ کے ساتھ تعلق رکھنے والی دینی اور رُوحانی باتیں جو لکھی گئی ہیں وہ صحیح ہیں۔ ہاں بعض آئندہ ہونے والی باتوں کے متعلق یہ احتمال ضرور ہے کہ ہم اُن کے اَور معنے کریں اور جب وہ ظاہر ہوں تو صورت اَور نکلے۔ پس جہاں تک علوم، اخلاق، رُوحانیت اور دین کا تعلق ہے مَیں امید کرتا ہوں کہ یہ بہتوں کے لئے ہدایت کا اور ان کو گمراہی سے بچانے کا موجب ہوگی" [1]

"تفسیر کبیر" کا نام اور اس کی وجہ تسمیہ	اس عظیم الشان تفسیر کا نام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک خواب کی بنا پر "تفسیر کبیر" رکھا گیا۔

[1] "الفضل" ۲۷؍فتح/دسمبر ۱۳۱۹ ہش ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ و ۴۔

حضرت مسیح موعودؑ کا وہ خواب مندرجہ ذیل ہے :-

"آج ہی[1] ایک خواب میں دیکھا کہ ایک چوغہ زریں جس پر بہت سنہری کام کیا ہوا ہے۔ مجھے غیب سے دیا گیا ہے۔ ایک چور اس چوغہ کو لے کر بھاگا۔ اس چور کے پیچھے کوئی آدمی بھاگا جس نے چور کو پکڑ لیا اور چوغہ واپس لے لیا۔ بعد اس کے وہ چوغہ ایک کتاب کی شکل میں ہو گیا جس کو تفسیر کبیر کہتے ہیں اور معلوم ہوا کہ چور اس کو اس غرض سے لے کر بھاگا تھا کہ اس تفسیر کو نابود کر دے۔

فرمایا۔ اس کشف کی تعبیر یہ ہے کہ چور سے مراد شیطان ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ ہمارے ملفوظات لوگوں کی نظر سے غائب کر دے۔ مگر ایسا نہیں ہوگا اور تفسیر کبیر جو چوغہ کے رنگ میں دکھائی گئی اس کی یہ تعبیر ہے کہ وہ ہمارے لئے موجب عزت اور زینت ہوگی۔ واللہ اعلم" [2]

دیباچہ تفسیر کبیر کے مسودات پر نظر ثانی مکمل ہو چکی[3] تو حضور نے ۲۰ر فتح/دسمبر ہی کو اپنے دستِ مبارک سے ایک دیباچہ تحریر فرمایا۔ جس میں نہایت اختصار مگر جامعیت کے ساتھ اس تفسیر کے پس منظر، اس کی خصوصیات اور اس کے ماخذوں پر روشنی ڈالی اور اُن امور کی نشاندہی فرمائی جو اس کی تصنیف کے وقت حضور کے پیش نظر تھے۔ اس اہم دیباچہ کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے :-

"أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ـــــ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّــــــــــاصِرُ

کچھ "تفسیر کبیر" کے متعلق

سورۂ یونس سے سورۂ کہف تک کے تفسیری نوٹ شائع ہو رہے ہیں۔ میں نے اپنی طرف

---

[1] مورخہ ۴ر ستمبر ۱۹۰۶ء ۔ [2] "بدر" مورخہ ۶ر ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۳ ، "الحکم" ۱۰ر ستمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۱

[3] یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تفسیر کبیر جلد سوم نہایت ہی تنگ وقت اور عجلت میں طبع ہوئی تھی جس کی وجہ سے سورہ کہف کی آیت ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا کی تفسیر جو اصل مسودہ میں موجود تھی سہو کتابت سے رہ گئی تھی۔ ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء میں جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ڈلہوزی میں قیام فرما تھے مولوی ابو المنیر نور الحق صاحب نے حضور کی خدمت میں اس امر کا ذکر کیا تو حضور نے دوبارہ اس آیت کی مفصل تفسیر لکھوا دی جسے مولوی صاحب موصوف نے "الفضل" ۲۰ر شہادت/اپریل ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ میں شائع کرا دیا۔

سے پوری کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کا صحیح مفہوم پیش کروں اور مجھے یقین ہے کہ اس تفسیر کا بہت سا مضمون میرے غور کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کا عطیہ ہے مگر بہرحال چونکہ میرے دماغ نے بھی اس کام میں حصہ لیا ہے اس لئے ممکن ہے کہ کوئی بات اس میں ایسی ہو جو قرآن کریم کے منشاء کو پوری طرح واضح نہ کرتی ہو۔ اس لئے مَیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے کلام کی خوبیوں سے اپنے بندوں کو نفع پہنچائے اور انسانی غلطیوں کے نقصان سے محفوظ رکھے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطاء فرمائی تو انشاء اللہ اگلی جلد سورۃ فاتحہ سے شروع کی جائیگی۔ یہ جلد پہلے اس لئے شائع کی گئی ہے کہ ان سورتوں کے متعلق میرے ایک درس کے نوٹ اڑھائی سَو صفحات تک چھپ چکے تھے اور ان کے ضائع ہونے کا ڈر تھا۔ پس مناسب سمجھا گیا کہ پہلے سُورۃ یُونس سے سُورۃ کہف تک تفسیری نوٹوں پر مشتمل جلد شائع ہو۔ اور اگر اللہ تعالےٰ توفیق عطا فرمائے تو بعد میں قرآن کریم کی بقیہ سُورتوں کے تفسیری نوٹ شروع سے ترتیب وار شائع کئے جائیں۔

مَیں نے تفسیری نوٹوں کو لکھتے ہوئے اس امر کو مدنظر رکھا ہے کہ آیات اور سورتوں کی ترتیب اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں انشاء اللہ تعالےٰ قرآن کریم کے معانی کا ایک سلسلہ پوری ترتیب کے ساتھ پڑھنے والے کی سمجھ میں آجائے گا۔ اور وہ کسی صورت یا کسی آیت کو بے جوڑ نہ سمجھے گا۔ ترتیب کا مضمون ان مضامین میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے خاص طور پر سمجھائے ہیں۔ وَلَا يُحِيْطُ اَحَدٌ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قرآن کریم کے سات بطن ہیں اور ہر بطن کے کئی معانی ہیں۔ اس صورۃ میں قرآن کریم کی کوئی ایسی تفسیر لکھنا جو سب معانی پر مشتمل ہو، ناممکن ہے۔ اور جو شخص کہے کہ اس نے قرآن کریم کی مکمل تفسیر لکھ لی ہے وہ دیوانہ ہے یا جاہل۔ جو شخص میرے نوٹوں کی نسبت کوئی ایسی بات منسوب کرے مَیں اُس سے بَری ہوں۔ میرے نزدیک ان نوٹوں کی خوبی یہی بہت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرما کر موجودہ زمانہ کی ضرورتوں کے متعلق بہت کچھ انکشاف فرمایا ہے۔ مگر ہر زمانہ کی ضرورت الگ ہوتی ہے اور ہر زمانہ

کی ضرورت الگ ہوتی ہے اور ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق قرآن کریم میں علوم موجود ہیں جو اپنے موقع پر کھولے جاتے ہیں۔ پہلے مفسرین نے اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے مطابق بہت بڑی خدمت قرآن کریم کی کی ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ دو غلطیاں نہ کرتے تو اُن کی تفاسیر دائمی خوبیاں رکھتیں۔

(۱) منافقوں کی باتوں کو جو انہوں نے مسلمانوں میں رل کر شائع کیں۔ ان تفاسیر میں جگہ دے دی گئی ہے اور اس وجہ سے بعض مضامین اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لئے ہتک کا موجب ہو گئے ہیں۔

(۲) انہوں نے یہودی کتب پر بہت کچھ اعتبار کیا ہے اور ان میں سے بھی مصدقہ بائیبل پر نہیں بلکہ یہود کی روایات پر۔ اور اس طرح دشمنوں کو اعتراض کا موقع دے دیا ہے۔ اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ لَا تُصَدِّقُوْهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ ان کے ذہن میں رہتا تو یہ مشکل پیش نہ آتی۔ بہرحال ان دو غلطیوں کو چھوڑ کر جو محنت اور خدمت ان لوگوں نے کی ہے اللہ تعالےٰ ہی اُن کی جزا ہو سکتا ہے۔

دو اَور غلطیاں بھی اُن سے ہوئی ہیں۔ مگر مَیں سمجھتا ہوں وہ زمانہ کے اثر کے نیچے تھیں ایک بعض آیات کو منسوخ قرار دے دینا، دوسرے مضامین قرآن کی ترتیب کو خاص اہمیت نہ دینا۔ مگر میرے نزدیک باوجود زمانہ کی رَو کے خلاف ہونے کے اس بارہ میں انہوں نے مفید جدوجہد ضرور کی۔ اور بالعموم (گو اصولی طور پر نہیں) آیات زیر بحث کو غیر منسوخ ثابت کرنے کے لئے محقق مفسرین نے ضرور کوشش کی ہے۔ اسی طرح مطالب کی ترتیب کے متعلق بھی بہت زور لگایا ہے

میرے نزدیک ان محقق مفسرین میں علامہ ابن کثیرؒ علامہ ابو حیان صاحب محیط اور علامہ زمخشری صاحب کشاف خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ گو آخر الذکر پر اعتزال کا داغ ہے۔ طبری نے تفسیر کے متعلق روایات جمع کرنے میں خاص کام کیا ہے اور علامہ ابوالبقاء نے اعراب قرآن کے متعلق اِملاءُ مامنّ بہ الرحمٰن کتاب لکھ کر ایک احسانِ عظیم کیا ہے۔

گذشتہ صدی کی کوششوں میں تفسیر رُوح المعانی علوم نقلیہ کی جامع کتاب ہے۔ مگر تجربہ

سے معلوم ہوا ہے کہ بالعموم وہ روایت کو اپنے الفاظ میں درج کر دیتے ہیں۔ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سی تفاسیر کا خلاصہ اس میں آجاتا ہے۔

اب مَیں ان ماخذوں کا ذکر کرتا ہوں جن سے مجھے نفع ہوا ہے۔ اور سب سے پہلے اس ازلی ابدی مأخذ علوم کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس سے سب علوم نکلتے ہیں اور جس کے باہر کوئی علم نہیں۔ وہ علیم وہ نور ہی سب علم بخشتا ہے۔ اسی نے اپنے فضل سے مجھے قرآن کریم کی سمجھ دی اور اس کے بہت سے علوم مجھ پر کھولے اور کھولتا رہتا ہے۔ جو کچھ ان نوٹوں میں لکھا گیا ہے ان علوم میں سے ایک حصّہ ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ دوسرا مأخذ قرآنی علوم کا حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے آپؐ پر قرآن نازل ہوا۔ اور آپ نے قرآن کو اپنے نفس پر وارد کیا حتّٰی کہ آپ قرآن مجسّم ہو گئے آپ کی ہر حرکت اور آپ کا سکون قرآن کی تفسیر تھے۔ آپ کا ہر خیال اور ہر ارادہ قرآن کی تفسیر تھا۔ آپ کا ہر احساس اور ہر ہر جذبہ قرآن کی تفسیر تھا۔ آپ کی آنکھوں کی چمک میں قرآنی نور کی بجلیاں تھیں اور آپ کے کلمات قرآن کے باغ کے پھول ہوتے تھے۔ ہم نے اس سے مانگا اور اس نے دیا۔ اس کے احسان کے آگے ہماری گردنیں خم ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؕ

پھر اس زمانہ میں علوم قرآنیہ کا مأخذ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود و مہدیٔ مسعود کی ذات علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جس نے قرآن کے بلند و بالا درخت کے گرد سے جھوٹی روایات کی آکاس بیل کو کاٹ کر پھینکا اور خدا سے مدد پا کر اس جنتی درخت کو سینچا اور پھر سرسبز و شاداب ہونے کا موقعہ دیا۔ الحمدللہ ہم نے اس کی رونق کو دوبارہ دیکھا اور اس کے پھل کھائے اور اس کے سائے کے نیچے بیٹھے۔ مبارک وہ جو قرآنی باغ کا باغبان بنا۔ مبارک وہ جس نے اُسے پھر سے زندہ کیا اور اس کی خوبیوں کو ظاہر کیا۔ مبارک وہ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے آیا۔ اور خدا تعالےٰ کی طرف چلا گیا۔ اس کا نام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علوم سے بہت کچھ دیا ہے اور حق یہ ہے کہ اس میں میرے فکر یا میری کوشش کا دخل نہیں۔ وہ صرف اس کے فضل سے ہے۔ مگر اُس فضل

کے جذب کرنے میں حضرت استاذی المکرّم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ کا بہت ساحصہ ہے۔ مَیں چھوٹا تھا اور بیمار رہتا تھا۔ وہ مجھے پکڑ کے اپنے پاس بٹھا لیتے تھے اور اکثر یہ فرماتے تھے کہ میاں تم کو پڑھنے میں تکلیف ہوگی۔ مَیں پڑھتا جاتا ہوں تم سُنتے جاؤ اور اکثر اوقات خود ہی قرآن پڑھتے خود ہی تفسیر بیان کرتے۔ اس کے علوم کی چاٹ مجھے انہوں نے لگائی اور اس کی محبت کا شکار بانی سلسلہ احمدیہ نے بنایا۔ بہرحال وہ عاشق قرآن تھے اور ان کا دل چاہتا تھا کہ سب قرآن پڑھیں۔ مجھے قرآن کا ترجمہ پڑھایا اور پھر بخاری کا، اور فرمانے لگے لو میاں سب دُنیا کے علوم آگئے۔ ان کے سوا جو کچھ ہے یا زائد یا ان کی تشریح ہے۔ یہ بات ان کی بڑی سچی تھی۔ جب تک قرآن و حدیث کے متعلق انسان کا یہ یقین نہ ہو علوم قرآنیہ سے حصہ نہیں لے سکتا۔

مَیں آخر میں ان سب کام کرنے والوں کے لئے جنہوں نے ان نوٹوں کی طباعت میں حصہ لیا ہے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اُن پر اپنا فضل فرمائے۔ انہوں نے رات دن محنت کر کے اس کام کو تھوڑے سے وقت میں ختم کیا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان سب کی محنت اور قربانی کا بدلہ اپنے پاس سے دے۔ آمین۔

پھر اے پڑھنے والو! مَیں آپ سے کہتا ہوں، قرآن پڑھنے پڑھانے اور عمل کرنے کے لئے ہے۔ پس ان نوٹوں میں اگر کوئی خوبی پاؤ تو انہیں پڑھو پڑھاؤ اور پھیلاؤ، عمل کرو عمل کراؤ اور عمل کرنے کی ترغیب دو۔ یہی اور یہی ایک ذریعہ اسلام کے دوبارہ احیاء کا ہے۔ اے اپنی فانی اولاد سے محبت کرنے والو اور خدا تعالیٰ سے ان کی زندگی چاہنے والو! کیا اللہ تعالےٰ کی اس یادگار اور اس تحفہ کی رُوحانی زندگی کی کوشش میں حصہ نہ لوگے ہم اس کو زندہ کرو، وہ تم کو اور تمہاری نسلوں کو ہمیشہ کی زندگی بخشے گا۔ اُٹھو کہ ابھی وقت ہے۔ دوڑو کہ خدا کی رحمت کا دروازہ ابھی کُھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں پر بھی رحم فرمائے اور مجھ پر بھی کہ ہر طرح بیکس بے بس اور پر شکستہ ہوں اگر مجرم بنے بغیر اس کے دین کی خدمت کا کام کرسکوں تو اس کا بڑا احسان ہوگا۔ یَا سَتَّارُ یَا غَفَّارُ ارْحَمْنِیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ ۔

مرزا محمود احمد

۲۰ ماہ فتح ۱۳۱۹ ہش — ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۵۹ ہجری

۲۰ دسمبر ۱۹۴۰ء

تفسیر کبیر کی پہلی جلد حضرت امیر المومنین کی خدمت میں

تفسیر کبیر کی اشاعت کا انتظام مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور (سابق انچارج دفتر تحریک جدید) کے ذمہ تھا۔ ان کا بیان ہے کہ جب " تفسیر کبیر کی سورۂ یونس کی تفسیر والی پہلی جلد رات[1] کو چار بجے کے قریب مکمل ہوئی تو حضور کی ہدایت کے بموجب کہ جونہی کتاب کی پہلی جلد تیار ہو حضور کی خدمت میں فوراً پیش کی جائے۔ جب پیش کرنے کے لئے دستک دی تو حضور فوراً تشریف لے آئے اور تیار شدہ جلد کو ملاحظہ فرما کر بہت خوش ہوئے "[2]

تفسیر کبیر جلد سوئم کی اشاعت

تفسیر کبیر جلد سوم[3] ایک ہزار سات صفحات کی ضخیم کتاب تھی جو تین ہزار کی تعداد میں طبع ہوئی تھی اور اس کا پہلا ایڈیشن ہجرت/مئی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء تک بالکل ختم ہو گیا[4] اور مرکز کو بیرونی مشنوں کے لئے بعض دوسری جماعتوں مثلاً حیدر آباد دکن وغیرہ سے اس کے نسخے خریدنے پڑے[5]۔ دنیا کی احمدی جماعتوں نے تفسیر کبیر کی اشاعت میں کتنا حصہ لیا؟ اس کی تفصیل خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی زبان مبارک سے سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء میں بیان فرما دی تھی جو حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ فرمایا:۔

" تفسیر کبیر جو چھپوائی گئی تھی وہ ختم ہو چکی ہے۔ بلکہ اب تو ہم بیرونی مشنوں کے لئے بعض جماعتوں سے اس کے نسخے خرید رہے ہیں۔ کچھ حیدر آباد سے خریدے ہیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ جماعت کے معتد بہ حصہ نے اس کی اشاعت میں حصہ نہیں لیا۔ اس کی اشاعت میں غیر احمدیوں کا بھی کافی حصہ ہے۔ تین ہزار میں سے پانسو سے کچھ زائد غیر احمدیوں نے خریدی ہے اور باقی اڑھائی ہزار احباب جماعت نے۔ مجھے افسوس ہے کہ جماعت کے دوستوں نے اس کی اشاعت کی طرف پوری توجہ نہیں کی۔ . . . ہر احمدی باپ کا فرض تھا کہ اپنی اولاد کے لئے تفسیر کبیر خریدتا۔ مَیں نے خود اپنی ہر لڑکی اور ہر لڑکے سے دریافت کیا کہ کیا انہوں نے تفسیر خریدی ہے یا نہیں

---

[1] ۲۴-۲۵ دسمبر کی درمیانی شب مراد ہے۔
[2] رسالہ "الفرقان" ربوہ۔ فضل عمر نمبر شمارہ فتح/دسمبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء و صلح ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء صفحہ ۶۲-۶۳۔
[3] اس کا سرورق حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا تجویز کردہ ہے جس کا اصل کاغذ خلافت لائبریری کے ریکارڈ میں اب تک محفوظ ہے۔
[4] "الفضل" ۲۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
[5] "الفضل" ۱۶ صلح/جنوری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۱۔ کالم ۱ (تقریر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

اور جب تک ان سب نے نہیں خریدی مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ مَیں نے تو خود سب سے پہلے اسے خریدا اور حق تصنیف کے طور پر اس کا ایک بھی نسخہ لینا پسند نہیں کیا کیونکہ مَیں اس پر اپنا کوئی حق نہ سمجھتا تھا۔ مَیں نے سوچا کہ مجھے علم خدا تعالیٰ نے دیا ہے وقت بھی اسی نے دیا ہے اور اسی کی توفیق سے مَیں یہ کام کرنے کے قابل ہوا۔ پھر میرا اس پر کیا حق ہے اور میرے لئے یہی مناسب ہے کہ خود بھی اسے اسی طرح خریدوں جس طرح دوسرے لوگ خریدتے ہیں۔ . . . . . افسوس ہے کہ بعض بڑے بڑے شہروں کی جماعتوں نے بھی اس کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ مَیں تمام جماعتوں کی خریداری کی فہرست سُنا دیتا ہوں۔ اس سے احباب اندازہ کر سکیں گے کہ کس کس نے اس کی اشاعت کی طرف توجہ کی ہے۔ ضلع گورداسپور ۶۰۷۔ اس میں سے قادیان میں ۵۸۲ اور باقی ضلع میں ۲۵ فروخت ہوئیں۔ . . . دہلی ۵۲ . . . امرتسر ۴۶۔ یہ جماعت عام طور پر غرباء کی جماعت ہے اور گو شہر کے لحاظ سے زیادہ چاہیئے لیکن جماعت کی حالت کے لحاظ سے یہ تعداد ایسی بُری نہیں۔ لائل پور ۵۱ . . . ملتان ۴۹، شہر اور جماعت کی حالت کے لحاظ سے یہ تعداد اچھی ہے۔ شیخو پورہ ۲۰۔ ڈیرہ غازیخاں ۲۷۔ سرگودھا ۳۵۔ گجرات ۳۷۔ سیالکوٹ ۲۷ . . . گوجرانوالہ ۱۹۔ جہلم ۸۔ انبالہ ۷۔ جالندھر ۳۔ جھنگ ۷۔ میانوالی ۴۔ فیروز پور ۲۰۔ گوڑگانواں ۸۔ رہتک ۱۔ حصار ۲۔ ریاست کپورتھلہ ۱۔ مالیرکوٹلہ ۲۔ شملہ ۲۔ جے پور ۳۔ جودھ پور ۳۔ حیدرآباد[۲] سکندرآباد ۲۴۱ مگر میرا خیال ہے یہ تعداد ۱۰۳ ہے۔ معلوم نہیں دفتر نے کس طرح غلط رپورٹ کی ہے۔ صوبہ سرحد ۷۶۔ مدراس ۲۔ بہار ۲۳۔ بمبئی ۴۔ یوپی ۱۱۔ رامپور ۴۔ سی پی ۱۴۔ نواں نگر ۱۰۰۔ مانگرول ۲۔ بذریعہ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب[۱] ۵۹۶۔ برما ۲۴۔ عراق ۲۔ فلسطین ۸۔ جاوا سماٹرا ۴۔ یہ کل تعداد ۲۹۰۹ ہے۔ اسے دیکھ کر دوست اندازہ کر سکتے ہیں کہ جماعت نے زیادہ کوشش نہیں کی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جماعت میں ہی

---

[۱] و [۲] یاد رہے انفرادی طور پر جن احمدیوں نے تفسیر کبیر کی اشاعت میں نمایاں حصّہ لیا ان میں سرِفہرست چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب اور دوسرے نمبر پر سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآبادی تھے۔

یہ تمام بک کر کم سے کم ۳ - ۴ ہزار کا مطالبہ اور ہوتا۔ مگر ہوا یہ کہ قریباً ۲۴۰۰ جماعت میں فروخت ہوئی اور باقی پانچ سو دوسروں نے لی۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ جماعت ایسی غفلت نہ کرے گی . . . . یہ تفسیر ایک بہترین تحفہ ہے جو دوست دوست کو دے سکتا ہے۔ ایک بہترین تحفہ ہے جو خاوند بیوی کو اور بیوی خاوند کو دے سکتی ہے۔ باپ بیٹے کو دے سکتا ہے۔ بھائی بہن کو دے سکتا ہے۔ یہ بہترین جہیز ہے جو لڑکیوں کو دیا جاسکتا ہے۔"[1]

تفسیر کبیر جلد سوم کا ہدیہ

چونکہ تفسیر کبیر کی اشاعت محض قرآنی علوم و انوار کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی غرض سے ہوئی تھی اور کوئی ذاتی مقصد مدنظر نہیں تھا اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے جنگ کی ہوشربا گرانی کے باوجود اس کا ہدیہ ابتداءً صرف پانچ روپے مقرر فرمایا مگر بعد کو جب حجم اندازہ سے بھی بہت زیادہ بڑھ گیا مزید ایک روپیہ کا اضافہ کر دیا گیا ہاں پیشگی رقم دینے والوں کو پانچ روپے میں ہی کتاب دی گئی۔ تفسیر کبیر بہت جلد نایاب ہوگئی اور پہلے آٹھ دس[2] پھر پچیس اور بعد ازاں سو سو روپے میں فروخت ہوئی چنانچہ حضور انور نے مجلس مشاورت ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے دوران خود یہ واقعہ بیان فرمایا کہ

"پرسوں[3] ہی میرے پاس عراق سے ایک خط آیا جسے پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ وہاں ایک احمدی ڈاکٹر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھ سے تفسیر کبیر ایک غیر احمدی ڈاکٹر[4] نے پڑھنے کے لئے لی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد اُن کا تبادلہ ہوگیا اور میں نے اپنی کتاب واپس لے لی۔ انہیں معلوم ہوا کہ ایک اور احمدی کے پاس یہ کتاب ہے۔ چنانچہ وہ غیر احمدی ڈاکٹر اس کے پاس گئے اور ایک سو روپیہ میں انہوں نے یہ کتاب اس سے خرید لی۔"[5]

یہی نہیں ایک وقت ایسا بھی آیا جبکہ بعض غیر احمدی شائقین نے ایک سو روپیہ دینے کی پیشکش

---

[1] "الفضل" ۱۵ ر صلح / جنوری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۱-۲۔

[2] " " " صفحہ ۲ - کالم ۲۔

[3] مورخہ ۲۸ ر امان / مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء۔

[4] یہ کرنیل بھی تھے ("الفضل" ۳ ر شہادت / اپریل ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء صفحہ ۷، کالم ۱)۔

[5] رپورٹ مجلس مشاورت منعقدہ ۳۰-۳۱ ر امان / مارچ و یکم شہادت / اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳۹-۴۰۔

کی۔ مگر تفسیر کبیر کی قیمت ایک سو پچیس روپیہ تک پہنچ گئی۔ اس تعلق میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کا بیان فرمودہ ایک واقعہ درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حضور نے ۲۸ فتح / دسمبر ۱۳۳۴ ہش / ۱۹۵۵ء کو اپنی سالانہ جلسہ کی تقریر میں بتایا کہ

"سورۂ یونس سے سورۂ کہف تک جو تفسیر ہے اس کے متعلق ایک غیر احمدی کا مجھے خط آیا کہ ایک احمدی نے مجھے یہ جلد دی تھی جسے وہ واپس مانگ رہا ہے۔ مَیں سَو روپیہ دیتا ہوں مگر وہ تفسیر نہیں دیتا۔ آپ مجھے سَو روپیہ پر لے دیں۔ مَیں نے پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ ابھی اس کی ایک جلد ایک سو پچیس روپیہ میں بِکی ہے۔ مَیں نے کہا تم سَو سمجھ کے کہتے ہوگے کہ تم بڑی قربانی کر رہے ہو وہ تو ۱۲۵ کو ابھی بِکی ہے۔"[1]

تفسیر کبیر کی جناب الٰہی میں مقبولیت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء کے موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ

"تفسیر کبیر کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ پر بہت اچھا ہے اور بعض لوگ اس سے گہرے طور پر متاثر ہوئے ہیں اور سب سے بڑی چیز تو یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول ہو چکی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ دشمن نے اس کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک واقعہ سُنایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ نے ایک کام بڑی نیک نیتی کے ساتھ کیا . . . اور وہ اس پر بہت خوش تھے کہ اس کی توفیق ملی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ آپ سے ملے اور کہا معلوم ہوتا ہے میری نیت میں ضرور کوئی خرابی تھی کیونکہ میرا یہ کام خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوا۔ مَیں نے کہا کہ آپ کی تحریک تو کامیاب ہوئی ہے بہت سے لوگ ممبر بھی ہوگئے ہیں، چندہ بھی آنے لگا ہے۔ پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ مقبول نہیں ہوا۔ اس بزرگ نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کے ہاں کسی نیک کام کی قبولیت کا ثبوت یہ نہیں ہوتا کہ لوگ اس میں مدد کرنے لگیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول عمل وہ ہوتا ہے جس کی لوگ مخالفت کریں اور چونکہ میرے اس کام کی مخالفت کسی نے نہیں کی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوا۔ اور اس پر وہ بہت افسردہ

---

[1] "الفضل" ۱۵ ؍ شہادت / اپریل ۱۳۳۵ ہش / ۱۹۵۶ء صفحہ ۳ کالم ۴۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا مکتوب گرامی شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کپورتھلوی کے نام (۱۵ دسمبر ۱۹۳۷ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عزیزم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ اللہ تعالیٰ [illegible]
کو جنت میں اعلیٰ مقام دے [illegible]
نومولود کی ولادت کی خبر سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ اسے
[illegible] کے لئے بابرکت کرے اور [illegible]
[illegible]

[illegible] کی خبر سے افسوس ہوا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

والسلام
خاکسار
مرزا محمود احمد 15.12.37
خلیفۃ المسیح الثانی

حضرت مصلح موعودؓ کے رقم فرمودہ دیباچہ کا عکس مشمولہ تفسیر کبیر جلد اول جزاول (۲۳ مئی ۱۹۴۸ء)

کلام اللہ

قرآن کریم ایک ہی کتاب ہے جو کلام اللہ کہلا سکتی ہے کیونکہ دوسری کتب
خواہ الہامی بھی ہوں کلام اللہ نہیں کیونکہ ان میں انسانی کلام بھی شامل ہے خالص
کلام اللہ الف سے لیکر یا تک یعنی الحمد سے لیکر والناس تک صرف قرآن کریم ہے
یہ کتاب جو اس وقت سے کہ نازل ہوئی ~~[illegible]~~ ہمارے زمانہ تک جوں کی توں
ہے نہ ایک لفظ کم نہ ایک لفظ زیادہ نہ کوئی حکم نا قابل عمل نہ کوئی آیت منسوخ
ہر ایک زیر زبر ہر نقطہ ہر ایک حرکت و وقف بعینہٖ [illegible] رکھا ہوا
[illegible] ہیں جیسے کہ یقینی [illegible] اس نے مستقل راہ بنایا
[illegible] اس سے کوئی اشتباہ [illegible] نہ ملیگا [illegible]

دس قیمتی کتابیں جو کہ جلد دیات وہ دس جلدوں پر گروپ کتب کی طرف متوجہ

ہیں* الحمد للہ تعالیٰ کہ تفسیر سورۃ فاتحہ پیش رو دن کے ہیں چل رہے ہیں اور کس

رسید کا ساتھ اس کے علاوہ الحمد تفسیر سورۃ کہ [illegible] جو لوگ عربی نہیں جانتے

یا بد قسمتی سے اس کے علاوہ بعد از کرنے کا وقت نہیں پاتا یا جو دل سے خواہشمند

ہیں جو اس کو اپنی [illegible] الحمد الکہف کا ترجمہ [illegible] الحمد کا اندر دیں

تو بہو لائیے وہ وقت ہم پاتا ہے بس جلد تفسیر کا [illegible] ہے جو

سلسلہ دیا جو ان سطور [illegible] رہے ہیں [illegible] تین جلدیں دریا

[illegible] متعلق [illegible] الحمد کتاب جیسی چیز کو کھینچ

[illegible] قرآن [illegible]

[illegible] تفسیر [illegible]

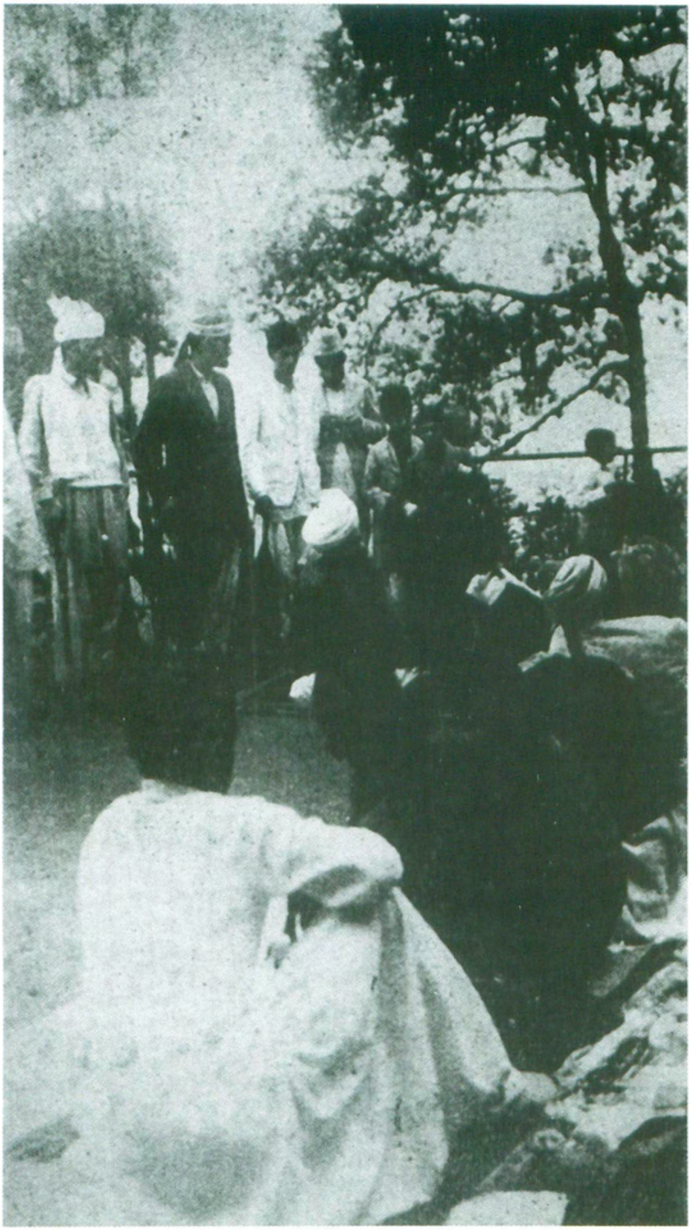

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ڈلہوزی میں

تھے۔ مگر پھر کچھ دنوں کے بعد ملے تو بہت خوش تھے۔ چہرہ بشاش تھا۔ مَیں نے اس کی وجہ پوچھی تو جیب سے ایک خط نکال کر دکھایا کہ دیکھو یہ گالیوں کا خط آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کاموں کا مقابلہ شیطان ضرور کرتا ہے اور اس کے کام کے لئے جو آدمی مقرر ہوتے ہیں وہ خواہ علماء سے ہوں یا رؤساء میں سے اور خواہ عام لوگوں میں سے، وہ ضرور اپنا کام کرتے ہیں چنانچہ اس تفسیر پر مولوی ثناء اللہ صاحب نے بھی اعتراض کئے ہیں اور بہت غصّہ کا اظہار کیا ہے کہ امام جماعت احمدیہ نے تفسیر بالرائے لکھی ہے اور پھر اس کے جواب کی ضرورت اس قدر محسوس کی ہے کہ لکھا ہے کہ مَیں اس تفسیر کے مکمل ہونے کا انتظار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ممکن ہے اس وقت تک مَر ہی جاؤں۔ اس لئے ابھی سے اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دیتا ہوں۔ چنانچہ ایک رسالہ چند اعتراضات پر مبنی شائع بھی کیا ہے۔ پیغامیوں کی طرف سے بھی اس کی مخالفت شروع ہے اور ایک پیغامی مبلغ نے تو یہانتک کہا ہے کہ مَیں اپنی عاقبت کی درستی کے لئے اس تفسیر کا جواب لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ دشمن کو یہ تفسیر بہت چبھی ہے خصوصاً پیغامی صاحبان کے لئے تو یہ بے حد تکلیف اور اذیّت کا موجب ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے تفسیر کو خاص طور پر جلبِ زر کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔ جب ضرورت ہوتی تحریک شروع کر دیتے کہ فلاں جگہ اتنی جلدوں کی ضرورت ہے۔ فلاں ملک میں ایک ہزار جلد بھجوائی جانی چاہیئے اور اس طرح فروخت کر کے اس میں سے اپنا حصّہ حاصل کر لیتے۔ اس لئے ان کو خاص طور پر دُکھ ہوا ہے۔ یہ نبوّت وغیرہ کے مسائل اور تقریریں کرنے کے جو سوال اُٹھائے جا رہے ہیں یہ دراصل تفسیر ہی کی جلن کا اظہار ہے۔ حال میں مجھے ایک دوست نے لکھا ہے کہ ان کے ایک مصنّف نے اپنی انجمن کو لکھا ہے کہ اب کمیشن کی آمد بہت کم ہو گئی ہے اس لئے یا تو ۴½ سو روپیہ ماہوار رقم کا انتظام کیا جائے اور یا پھر اتنی رقم مجھے قرض ہی دے دی جایا کرے۔ گویا اُس کی آمد پر اس کا اثر پڑا ہے اور اس وجہ سے وہ چیخ اُٹھے ہیں۔ یہ مقابلہ جو اب ان کی طرف سے شروع ہوا ہے یہ دراصل تفسیر کا ہے، نبوّت وغیرہ کا نہیں۔ بہرحال ان گالیوں سے ہم ناراض نہیں ہیں کیونکہ یہ دراصل ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ کام خدا تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہے

مولوی محمد علی صاحب کی تفسیر کو شائع ہوئے بہت عرصہ ہو چکا ہے اور ہماری جماعت کے دوست بھی حسب ضرورت اُسے خریدتے رہے ہیں۔ کئی دفعہ بعض علاقوں کے احمدیوں نے مجھ سے پوچھا کہ کونسی انگریزی تفسیر خریدیں تو مَیں نے اُن کو کہا کہ سر دست مولوی صاحب کی تفسیر خرید لیں۔ لیکن ان کی یہ حالت ہے کہ ابھی ایک ہی جلد شائع ہوئی ہے اور وہ مخالفت پر کھڑے ہو گئے ہیں"۔ [1] [2]

تفسیر کبیر جلد سوم کا انڈیکس

اگرچہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور انچارج تحریک جدید نے تفسیر کبیر جلد سوم کے مضامین کی ایک مختصر سی فہرست اس کے آخر میں شامل کر دی تھی مگر ضرورت تھی کہ اس کی مفصّل فہرست بھی شائع کی جائے۔ اس اہم خدمت کی تکمیل قاضی محمد اسلم صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور [3] کے ذریعہ ہوئی جنہوں نے ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء میں اس کا مفصّل انڈیکس [4] شائع کر دیا۔ اور جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

"تفسیر کبیر" کی دوسری جلدوں کی اشاعت

تفسیر کبیر جلد سوم کی اشاعت کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قرآن مجید کے تیسویں پارہ کی تفسیر کی طرف توجہ فرمائی اور وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے اس کے درس کا آغاز فرمایا اور پہلے ڈلہوزی میں سورۃ النّبا سے سورۃ طارق تک، پھر صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں قادیان آکر سورۃ اعلیٰ سے سورۃ قدر تک کا درس دیا۔ ازاں بعد ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں بمقام ڈلہوزی، سورۃ البیّنہ سے سورۃ الھمزۃ تک اور ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں بمقام کوئٹہ سورۃ الفیل سے سورۃ کوثر تک درس دیا۔ [5]

---

[1] "الفضل" ۱۶ ار صلح ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۲-۳۔

[2] معترضین نے ان دنوں "تفسیر کبیر" پر اعتراضات شائع کئے۔ ان کے جواب میں مندرجہ ذیل علماء نے قلم اٹھایا اور نہایت مدلّل مضامین شائع کئے۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس، مولانا ابوالعطاء صاحب، مولانا ابوالمنیر نور الحق صاحب، مولانا محمد شریف صاحب فاضل مبلغ بلاد عربیہ۔ مولانا ابوالمنیر صاحب کا جواب "الفضل" میں کئی قسطوں میں شائع ہوا جس پر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے گھبرا کر یہ تبصرہ کیا کہ "قادیانی پارٹی نے اس کے جواب میں یک سلسلہ مضمون بظاہر ایک نوجوان کے نام سے شروع کیا ہوا ہے (ہفت روزہ "اہلحدیث" ۲۸ نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۴)۔

[3] حال پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ و ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ ربوہ۔

[4] فہرست کا پورا نام "تفسیر کبیر جلد ۳ تالیف منیف حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ کا انڈیکس" ناشر جماعت احمدیہ لاہور۔

[5] "تاریخ احمدیت" جلد پنجم صفحہ ۱۴۵۔ تفسیر کبیر (سورۃ الفجر) صفحہ ۴۸۳ - ۴۸۴۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے یہ سارے درس مولوی محمد یعقوب صاحب فاضل (انچارج شعبہ زود نویسی) نے قلمبند کئے جو نبوت (نومبر ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء) سے حضور کے ارشاد کے ماتحت دفتر "الفضل" قادیان سے تفسیر القرآن کے کام پر منتقل ہو گئے تھے۔[1] تاہم حل لغات اور حوالہ جات کی فراہمی کا فریضہ مولوی ابو المنیر نور الحق صاحب فاضل (پروفیسر جامعہ احمدیہ) ہی کے سپرد رہا اور انہی کی زیر نگرانی ان درسوں کی کتابت، پروف ریڈنگ اور طباعت بھی ہوئی۔

حضور کے یہ اہم درس تین جلدوں میں شائع کئے گئے۔

پہلی جلد سورۃ النبا سے سورۃ البلد تک کے معارف پر مشتمل تھی (تعداد تین ہزار ۳۰۰۰ ضخامت ۶۲۸ صفحات، تاریخ اشاعت ظہور / اگست ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء)

دوسری جلد میں سورۃ الشمس سے سورۃ الزلزال تک کے مضامین شائع ہوئے (تعداد تین ہزار ۳۰۰۰ ضخامت ۴۷۲ صفحات، تاریخ اشاعت ۲۵ فتح / دسمبر ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء)

تیسری جلد سورۃ العادیات تا سورۃ الکوثر کی تفسیر پر مشتمل تھی[2] (ضخامت ۵۰۰ صفحات تاریخ اشاعت فتح / دسمبر ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء)

تیسویں پارہ کی آخری اور چوتھی جلد جس میں سورۃ الکافرون سے سورۃ الناس تک کے مطالب موجود تھے، اخاء / اکتوبر ۱۳۳۵ ہش / ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔ یہ جلد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے لکھے ہوئے نوٹوں اور حضور کے دیئے ہوئے درسوں سے مرتب کی گئی تھی اور حضور رضی اللہ عنہ نے ان نوٹوں کو اوّل سے آخر تک سُن کر ان میں ترمیم و تصحیح فرمائی۔[3] (تعداد اشاعت تین ہزار ۳۰۰۰، ضخامت ۲۱۲ صفحات، سن اشاعت اخاء / اکتوبر ۱۳۳۵ ہش / ۱۹۵۶ء)

آخری پارہ کی تفسیر کیلئے اخراجات

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مندرجہ بالا جلدوں کی طبع و اشاعت کے لئے دس ہزار روپے مرحمت فرمائے جیسا کہ حضور نے

---

[1] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ یکم ہجرت / مئی ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء لغایت ۳۰ شہادت / اپریل ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء مرتبہ چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے ناظر اعلیٰ ناشر صدر انجمن احمدیہ قادیان صفحہ ۵۔

[2] ان سب جلدوں کی کتابت مکرم قاضی نور محمد صاحب کاتب مرحوم نے کی۔

[3] ان نوٹوں کے سُنانے کی سعادت مکرم ابو المنیر نور الحق صاحب کو ملی۔

آخری پارہ کی پہلی جلد کے دیباچہ میں رقم فرمایا کہ

"پارہ عم کی تفسیر کی طباعت کے لئے میں نے دس ہزار روپیہ دیا ہے اور یہ پارہ اس رقم سے شائع کیا جائے گا۔ یہ رقم اور اس کا منافع بطور صدقہ جاریہ میری مرحومہ بیوی مریم بیگم ام طاہر غَفَرَ اللّٰہُ لَهَا وَ اَحْسَنَ مَثْوٰبِهَا کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے وقف رہے گا اور اس کی آمد سے قرآن کریم، احادیث اور سلسلہ احمدیہ کی ایسی کتب جو تائید اسلام کے لئے لکھی جائیں۔ شائع کی جاتی رہیں گی اور اس کا انتظام تحریک جدید کے ماتحت رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس صدقہ جاریہ کو مرحومہ کی درجات کی بلندی اور قرب الٰہی کا موجب بنائے" [1]

تفسیر کبیر کے مسوّدات کی حفاظت کا خاص اہتمام

اس جگہ یہ بتانا ضروری ہے کہ متحدہ ہندوستان میں اس کی دو جلدیں ہی شائع ہوئی تھیں اور بقیہ جلدوں کے مسوّدات (تا سورۃ الھمزۃ) اشاعت کے بغیر پڑے تھے کہ ہندوستان تقسیم ہو گیا جس پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ابو المنیر مولوی نور الحق صاحب کو بتاریخ ۲ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء مسودات تفسیر دے کر لاہور بھجوا دیا۔ چنانچہ آپ کا بیان ہے:۔

"پاکستان کے قیام پر فسادات کے پیش نظر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلا قافلہ ۲۵/۸/۴۷ کو لاہور بھجوایا تھا۔ اس میں حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواتین مبارکہ تھیں اور خاندان کے صرف چند ایک مرد فرد تھے۔ اس قافلہ میں حضور نے مجھے بھی شامل فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ تفسیر کبیر کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ سب مسودات لے کر لاہور پہنچوں۔ چنانچہ خاکسار ان سب مسودات کو لے کر لاہور پہنچ گیا۔ حضور نے یہ سب اس لئے کیا۔ تا ایسا نہ ہو کہ مسوّدات ضائع ہو جائیں"

ازاں بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی خود بھی ۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچتے ہی آپ نے جن امور کی طرف فوری توجہ فرمائی اُن میں تفسیر کا کام بھی تھا۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین نے مورخہ ۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء حضرت میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ

---

[1] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد مبارک کی تعمیل میں تفسیر کبیر (پارہ عم) کی پہلی تین جلدیں دفتر تحریک جدید نے شائع کیں مگر چوتھی جلد ام طاہر ٹرسٹ کے لئے الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ کی نگرانی میں طبع ہوئی۔

(امیر مقامی قادیان) کے نام حسب ذیل ہدایت جاری فرمائی۔ فرمایا:۔

"جو کنواں آئے گا اس کے ساتھ تفسیر کے تین بکس دفتر سے ضرور بھجوا دیں۔ اور مولوی محمد یعقوب کو، تاکہ دو چار دن میں تفسیر کی آخری جلد مکمل کر دوں تا اس طرف سے دلجمعی ہو جائے۔ باقی کام ہوتا رہے گا۔ کون شخص ہے جس نے سارے دُنیا کے کام کئے ہوں" [۱]

اس حکم کی تعمیل میں حضرت میاں صاحبؓ نے تفسیر کے تین بکس بھی لاہور بھجوا دیئے اور مولوی محمد یعقوب صاحب (انچارج شعبہ زود نویسی) کو بھی روانہ کر دیا۔

تفسیر کبیر کی دوسری جلدوں کی اشاعت

تیسویں پارہ کی مکمل تفسیر لکھنے کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تفسیر کبیر کی مندرجہ ذیل پانچ جلدیں بھی شائع ہوئیں:۔

۱۔ تفسیر کبیر جلد اوّل جزء اوّل [۲] (سورۃ البقرہ کے پہلے نو رکوع پر مشتمل صفحات ۵۴۸، تاریخ اشاعت ۲۳ ہجرت/مئی ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء) یہ تفسیر ضیاء الاسلام پریس [۳] قادیان میں چھپی مگر سرورق اتحاد پریس لاہور میں طبع ہوا۔ اس جلد کا مسودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے اپنے ہاتھوں کا تحریر کیا ہوا ہے۔ اس جلد کی نسبت حضور نے قبل ازیں سالانہ جلسہ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کے موقعہ پر بتایا:۔

"اُردو تفسیر کے متعلق مجھے افسوس ہے کہ وہ شائع نہیں ہو سکی۔ پانسو صفحات سے زیادہ کا مضمون میں دے چکا ہوں اور اس سال پچھلے سال کی نسبت زیادہ کام ہوا ہے۔ میری صحت بہت خراب رہی ہے ورنہ اس سے بھی زیادہ کام ہو سکتا تھا۔ میری صحت کی خرابی میں دانتوں کا دخل ہے۔ بعض اوقات دانت کا ٹکڑا آپ ہی آپ ٹوٹ کر گر جاتا ہے اور اس وجہ سے میں کھانا وغیرہ چبا کر نہیں کھا سکتا۔ روٹی بہت کم کھا سکتا ہوں۔ بسا اوقات چھٹانک سے بھی کم وزن کا پھلکا ہوتا ہے جو کھاتا ہوں۔ مگر اس کے باوجود پیٹ میں خرابی رہتی ہے۔ خون کم پیدا ہوتا ہے اور پیچش بھی ہو جاتی ہے اور اس

---

[۱] (اقتباس از مکتوب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ محررہ ۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء)

[۲] اس جلد کی کتابت مکرم منشی عبدالحق صاحب نے کی صرف آخری ایک رکوع مکرم قاضی نور محمد صاحبؓ نے لکھا۔

[۳] یہ پریس تحریک جدید نے انجمن سے خرید لیا تھا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کی تقریر میں فرمایا:۔
"دو مہینے کی بات ہے کچھ کاپیاں ایک پریس پر لگائی گئیں تو وہ سب کی سب اُڑ گئیں۔ اب میں نے تحریک جدید کی طرف سے ایک پریس خرید لیا ہے اور دس ہزار روپیہ اس پر صرف آیا ہے۔ انشاء اللہ جنوری میں فٹ ہو کر تفسیر کی چھپوائی شروع ہو جائیگی"
("الفضل" ۲۵ صلح ۱۳۲۴ ہش (۲۵ جنوری ۱۹۴۵ء) صفحہ ۲ کالم ۳)

وجہ سے ہاتھ کی انگلیاں بھی پوری طرح کام نہیں کرسکتیں۔ آخر سوچنے کے بعد مَیں نے فیصلہ کیا کہ مضمون کاتب کو لکھوا دیا کروں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میں بڑی کامیابی ہوئی ہے اور بڑی جلدی کام ہونے لگا ہے۔ جنہوں نے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس طرح لکھے ہوئے اور میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے میں فرق نہیں۔ اس طرح بعض اوقات مَیں نے ساٹھ ساٹھ کالم مضمون لکھوا دیا ہے اور امید ہے کامیابی ہوگی۔ مشکل یہ ہے کہ مضامین اس طرح الجھتے ہیں کہ جیسے ایک خزانہ کے اندر دوسرا خزانہ مخفی ہو۔ اور آٹھ رکوع میں ہی پانچ سو صفحات ختم ہو گئے ہیں اور اتنا بھی مضامین کا گلا گھونٹ گھونٹ کر کیا گیا ہے۔ پہلے تجویز تھی کہ تین سورتیں پہلی جلد میں ختم ہو جائیں۔ پھر یہ خیال کیا کہ دو سُورتیں پہلی جلد میں ختم کی جائیں۔ مگر اب یہ بھی مشکل نظر آتا ہے۔ مَیں بہت سی باتیں چھوڑتا بھی ہوں۔ مگر چونکہ ابتدائی مضمون ہے اس لئے یہ بھی خیال ہے کہ ممکن ہے تفصیل آگے فائدہ دے اس لئے ہر بات بیان کرنی پڑتی ہے اور اس لئے پانچ سَو صفحات میں صرف آٹھ رکوع ختم ہوئے ہیں[1]"

تفسیر کبیر کی اس پہلی جلد کے ابتداء میں حضور نے "کلام اللہ" کے عنوان سے حسب ذیل دیباچہ رقم فرمایا:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

کلام اللہ

قرآن کریم ایک ہی کتاب ہے جو کلام اللہ کہلا سکتی ہے۔ دوسری کتب خواہ الہامی بھی ہوں کلام اللہ نہیں۔ کیونکہ ان میں انسانی کلام بھی شامل ہے۔ خالص کلام اللہ الف سے لیکر ی تک بسم اللہ سے لے کر وَالنَّاس تک صرف قرآن کریم ہے۔

یہ کتاب اس وقت سے کہ نازل ہوئی ہمارے زمانہ تک جُوں کی تُوں ہے۔ نہ ایک لفظ کم نہ ایک لفظ زیادہ، نہ کوئی حکم ناقابل عمل نہ کوئی آیت منسوخ، ہر ایک زبر زیر محفوظ، ہر ایک حرکت و وقف بعینہٖ۔ پس اس کے سوا اور کوئی کتاب نہیں جسے اس تعیین کے ساتھ اپنے لئے مشعل

[1] "الفضل" یکم امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳-۴

راہ بنایا جا سکے کہ اس سے کوئی مشتبہ حکم نہ ملے گا۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے اس قیمتی کتاب کو بھلا دیا ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر دوسری کتب کی طرف متوجہ ہیں اور خدا تعالےٰ کی جگہ خود ساختہ لیڈروں کے پیچھے چل رہے ہیں۔ میں نے اس امید کے ساتھ کلام اللہ کی تفسیر لکھی ہے کہ جو لوگ عربی نہیں جانتے یا بدقسمتی سے اس کلام پر غور کرنے کا وقت نہیں پاتے یا جن کے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوتی انہیں کلام اللہ سمجھنے کا موقعہ مل جائے اور اس کی اندرونی خوبیوں سے وہ واقف ہو جائیں۔ پہلی جلد تفسیر کی یہ ہے جس کا دیباچہ میں ان سطور کے ذریعے سے لکھ رہا ہوں۔ تین جلدیں درمیانی اور آخری حصہ کے متعلق پہلے چھپ چکی ہیں۔ اللہ تعالےٰ میری حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور اس تفسیر کے ذریعہ سے قرآن کریم کے مطالب کو ظاہر و باطن میں پھر زندہ فرمائے اور مجھے بھی اس تفسیر کے مکمل کرنے کی توفیق بخشے (آمین)

میرزا محمود احمد

رتن باغ لاہور ۲۳ ۵/۴۸

۲۔ تفسیر کبیر جلد چہارم (مشتمل بر سورۃ مریم و سورۃ طٰہٰ و سورۃ انبیاء) صفحات ۵۸۰، تاریخ اشاعت ۲۰ امان/مارچ ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء) یہ جلد حضرت ام طاہر فنڈ کی رقم سے الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ نے شائع کی۔

۳۔ تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ اوّل (سورۃ الحج، سورۃ المومنون اور سورۃ النور کی تفسیر، صفحات ۴۱۲، تاریخ اشاعت فتح/دسمبر ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء، ناشر الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

۴۔ تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ دوم (سورۃ الفرقان اور سورۃ الشعراء کی تفسیر صفحات ۵۰۰، تاریخ اشاعت ۳۰ نبوت/نومبر ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء، ناشر الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ)

۵۔ تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ سوم (سورۃ النمل، سورۃ القصص اور سورۃ العنکبوت کی تفسیر، صفحات ۳۹۰، تاریخ اشاعت ۱۵ نبوت/نومبر ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء، ناشر الشرکتہ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ) [له]

تفسیر کبیر کی تالیف کے دوران القاء

جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے تفسیر کبیر جلد سوم کے شروع میں لکھا ہے کہ "اس تفسیر کا بہت

له تفسیر کبیر کی یہ پانچوں جلدیں (باستثناء سورۃ مریم) حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درسوں اور نوٹوں سے مرتب ہوئیں اور حضور نے مکرم مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم اور ابوالمنیر نور الحق صاحب سے ان نوٹوں کو سنا اور ان میں تصحیح و ترمیم فرمائی۔

سا مضمون میرے غور کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے" اس خدائی عطیہ کا ایک خصوصی پہلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفسیر کبیر کی تالیف کے دوران حضور کو بعض مشکل مقامات کا حل یکایک القاء کیا جاتا رہا۔ بطور مثال ایک اہم واقعہ کا بیان کرنا ضروری ہے جو حضور نے سورۃ الفجر کے درس کا آغاز کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ

"قرآن کریم کی کئی مشکل آیات کے معنی اللہ تعالیٰ نے اپنے القاء اور الہام کے ذریعہ مجھ پر منکشف فرمائے ہیں۔ اور اس قسم کی بہت سی مثالیں میری زندگی میں پائی جاتی ہیں۔ اُنہی مشکل آیات میں سے میرے لئے ایک یہ سُورۃ بھی تھی۔ مَیں جب بھی سوچتا اور غور کرتا مجھے اس کے معانی کے متعلق تسلی نہیں ہوتی تھی بلکہ ہمیشہ دل میں ایک خلش سی پائی جاتی تھی اور مجھے بار بار یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ جو معانی بتائے جاتے ہیں، وہ قلب کو مطمئن کرنے والے نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مفسرین نے بہت سے معانی کئے ہیں جو لوگوں کی نگاہ میں اس سُورۃ کو حل کر دیتے ہیں۔ مگر میری اپنی نگاہ میں وہ اطمینان بخش معانی نہیں تھے اور اس لئے ہمیشہ ایک بے چینی سی میرے اندر پائی جاتی تھی۔ مَیں سوچتا اور غور کرتا مگر جو بھی معنے میرے ذہن میں آتے اُن کو مزید غور کے بعد مَیں خود ہی رَدّ کر دیتا اور کہتا کہ یہ درست نہیں ہیں۔ آخر بڑی مدتوں کے بعد ایک دفعہ جب مَیں عورتوں میں قرآنِ کریم کے آخری پارہ کا درس دینے لگا تو اُس کا ایک حصہ حل ہوگیا۔ مگر پھر بھی جو حل ہوا وہ صرف ایک حصہ ہی تھا۔ مکمل مضمون نہیں تھا۔ جو معنے مجھ پر اس وقت روشن ہوئے ان سے چاروں کھونٹے قائم نہیں ہوتے تھے۔ دو تو بن جاتے تھے مگر دو رہ جاتے تھے۔ یہ حالت چلتی چلی گئی اور مجھے کامل طور پر اس کے معانی کے متعلق اطمینان حاصل نہ ہوا۔ اب جو مَیں نے درس دینا شروع کیا تو پھر یہ سُورۃ میرے سامنے آگئی (یعنی سورۃ الفجر۔ ناقل) اور مَیں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا۔ مَیں نے آخری پارے کا درس جولائی ۱۹۴۴ء میں شروع کیا تھا۔ اور ڈلہوزی میں اس کی ابتداء کی تھی۔ اس وقت سے لے کر اب تک کئی دفعہ اس سورۃ پر نظر ڈالی اور مجھے سخت فکر ہوا کہ اس سُورۃ کا درس تو قریب آرہا ہے مگر ابھی اس کے معانی ترتیب سُوَر کے لحاظ سے مجھ پر روشن نہیں ہوئے۔ بار بار مَیں اس سُورۃ کو دیکھتا، اس کے مطالب پر غور کرتا اور کوئی مضمون میرے ذہن میں بھی آجاتا۔ مگر پھر سوچتے سوچتے مَیں اس کو ناکافی قرار دے دیتا۔ غرض بیسیوں دفعہ مَیں نے اس سورۃ پر نگاہ دوڑائی مگر مجھے اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی یہاں تک کہ سُورۃ الغاشیہ کے درس کا وقت آگیا۔ اور مَیں اس کے نوٹ لکھنے لگا۔ مگر اس وقت

بجائے حاشیہ پر نگاہ ڈالنے کے میری نظر بار بار آگے کی طرف نکل جاتی اور سورۃ الفجر میرے سامنے آجاتی۔ حاشیہ کے متعلق مَیں سمجھتا تھا کہ یہ تو حل شدہ ہی ہے۔ اور اگر کوئی مشکل آیت بھی ہوئی تو ترتیب میں آکر وہ خود بخود حل ہو جائے گی۔ جس طرح ایک انسان جب گیند پھینکتا ہے تو اُسے پتہ ہوتا ہے کہ یہ گیند اتنی دُور جائے گا، اسی طرح جو شخص قرآن کریم کی تفسیر ترتیبِ آیات اور ترتیبِ سُوَر کو مدّنظر رکھ کر کرتا ہے وہ سمجھ جاتا ہے کہ اسی ترتیب کے مطابق فلاں آیت کے فلاں معنے بنیں گے مگر اس بات کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے اپنی عمر اس فن میں صرف کر دی ہو۔ وہی جانتا ہے کہ نہر کا رُخ کس طرف ہے اور پانی کا بہاؤ کدھر ہے۔ دوسرا شخص جسے قرآن پر اس رنگ میں غور کرنے کا موقعہ نہ ملا ہو وہ ان باتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ جب مَیں سُورۃ کہف کی تفسیر لکھ رہا تھا تو لَا تَقُوْلَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الکہف ۱۶:۴) کے معنے میری سمجھ میں نہیں آتے تھے مگر تفسیر لکھتے وقت مَیں نے سمجھا کہ مَیں صحیح ترتیب پر چل رہا ہوں۔ جب مَیں اس آیت پر پہنچوں گا تو دیکھوں گا کہ اس کے کیا معنے بنتے ہیں۔ چنانچہ ترتیبِ آیات کو مدّنظر رکھتے ہوئے مَیں تفسیر کرتا چلا گیا یہانتک کہ جب مَیں اس آیت پر پہنچا تو اس وقت یہ آیت اپنے معانی کے لحاظ سے یوں واضح ہو گئی کہ مَیں نے سمجھ لیا کہ اس کے سوا اس آیت کے اور کوئی معنے ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ پہلی آیتیں مجبور کر کے ان معنوں کی طرف لے جا رہی تھیں۔ لطیفہ یہ ہوا کہ انگریزی ترجمۃ القرآن کے سلسلہ میں مولوی شیر علی صاحب کے نوٹ جب میرے پاس آئے تو ان میں وہی معنے لکھے ہوئے تھے مگر وہ نوٹ انہوں نے یہاں نہیں لکھے تھے بلکہ ولایت میں لکھے تھے۔ مَیں نے ملک غلام فرید صاحب سے پوچھا کہ مولوی صاحب نے یہ نوٹ اب ٹھیک کئے ہیں یا پہلے سے اسی طرح لکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ ولایت کے لکھے ہوئے ہیں۔ مَیں نے کہا اگر یہ ولایت کے نوٹ ہیں تو پھر اس آیت کے یہ معنے ولایت میں کس طرح پہنچ گئے؟ مَیں تو اس آیت پر بڑا غور کرتا رہا تھا مگر اس کے معنے پندرھویں پارہ کی تفسیر لکھتے ہوئے میری سمجھ میں آئے تھے۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ آپ نے جو درس ۱۹۲۲ء میں دیا تھا اس میں یہی معنے بیان کئے تھے اور اس وقت کے نوٹوں سے مولوی صاحب نے یہ معنے درج کئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ۱۹۲۲ء کا درس دیتے وقت جب مَیں اس آیت پر پہنچا تو خود بخود یہ آیت

حل ہو گئی۔ مگر چونکہ عین وقت پر حل ہوئی اس لئے میرے قرآن کریم کے حاشیہ پر وہ معنی نہ لکھے گئے۔ اور کچھ عرصہ بعد مجھے بھول گئے۔ اب گو ان معنوں کو مَیں بھول چکا تھا مگر جب ترتیبِ آیات کے لحاظ سے غور کرتے ہوئے مَیں اس آیت پر پہنچا تو فوراً وہی معنے پھر ذہن میں آگئے۔ تو ترتیب کے لحاظ سے جو شخص آیات کے معنے کرنے کا عادی ہو وہ اِدھر اُدھر جا ہی نہیں سکتا۔ وہ اسی رَو اور اسی نالی میں بہہ رہا ہوتا ہے جس کی طرف مضمون زبانِ حال سے اشارہ کر رہا ہوتا ہے۔

غرض جوں جوں سورۃ فجر کا درس نزدیک آتا گیا میرا اضطراب بھی بڑھتا چلا گیا۔ مَیں نے کہا جب اس سُورۃ کے متعلق میری اپنی تسلّی ہی نہیں ہوئی تو مَیں دوسروں کو کیسے مطمئن کر سکتا ہوں۔ مفسّرین نے جو معنی بیان کئے ہیں وہ مَیں بیان کر سکتا تھا۔ مگر جو ترتیب گذشتہ سُورتوں سے مَیں بتاتا آ رہا ہوں اس کے لحاظ سے چاروں کھُونٹے قائم نہیں ہوتے تھے۔ پہلے خیال آیا کہ مَیں دوسروں کے معانی ہی نقل کر دوں کیونکہ یہ درس اب جلد کتابی صورت میں چھپنے والا ہے کب تک میں ان معانی کا انتظار کروں جو ترتیب کے مطابق ہوں۔ شاید ترتیب کے مطابق معنے اللہ تعالیٰ پھر کسی وقت کھول دے۔ آخر پُرانے مفسّروں نے کوئی نہ کوئی معنے ان آیات کے کئے ہی ہیں۔ رازی نے بھی اس کے معنے لکھے ہیں۔ بحرِ محیط والوں نے بھی معنے لکھے ہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے بھی معنے کئے ہوئے ہیں۔ اور ان تمام معانی کو ملحوظ رکھ کر کچھ نہ کچھ بات بن ہی جاتی ہے۔ مگر چونکہ میرا دل کہتا تھا کہ ترتیبِ آیات کو مدّنظر رکھتے ہوئے وہ معانی پوری طرح باہم منطبق نہیں ہوتے۔ مجھے اطمینان نہ ہوا۔ یہانتک کہ ۱۷ ماہ صلح ۱۳۲۴ ہش مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۴۵ء بروز بدھ میں سورۃ غاشیہ کا درس دینے کے لئے مسجد مبارک میں آیا۔ مَیں نے درس سُورۃ غاشیہ کا دینا تھا مگر مَیں غور سورۃ فجر پر کر رہا تھا۔ اسی ذہنی کشمکش میں مَیں نے عصر کی نماز پڑھانی شروع کی اور میرے دل پر ایک بوجھ تھا لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ جب مَیں عصر کی نماز کے آخری سجدہ سے سر اُٹھا رہا تھا تو ابھی سر زمین سے ایک بالشت بھر اُونچا آیا ہوگا کہ ایک آن میں یہ سُورۃ مجھ پر حل ہو گئی۔ پہلے بھی کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ سجدہ کے وقت خصوصاً نماز کے آخری سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے بعض آیات کو مجھ پر حل کر دیا مگر اس دفعہ بہت ہی زبردست تفہیم تھی کیونکہ وہ ایک نہایت مشکل اور نہایت وسیع مضمون

پڑھاوی تھی۔ چنانچہ جب میں نے عصر کی نماز کا سلام پھیرا تو بے تحاشہ میری زبان سے الحمد للہ کے الفاظ بلند آواز سے نکل گئے“ [1]

”تفسیر کبیر“ کی بعض اہم خصوصیات

” تفسیر کبیر“ کے ذریعہ ” کلام اللہ کا مرتبہ“ اس شان سے ظاہر ہوا ہے کہ اس کی نظیر خلفاء کی گذشتہ تاریخ میں تلاش کرنا محال ہے۔ یہ تفسیر دنیائے تفسیر کی ایک بے نظیر تفسیر ہے جس نے نہ صرف قرآن کے حسین چہرہ کو صحیح صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے بلکہ زمانہ مستقبل کے مفسرین کے لئے صحیح راستوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ عظیم الشان تفسیر اپنے اندر بے شمار خصوصیات رکھتی ہے جن میں سے بعض کا نہایت مختصر سا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

پہلی خصوصیت اس تفسیر کی پہلی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اس سے آیتوں اور سورتوں کی ترتیب اور ربط کا محکم قرآنی نظام آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ترتیب کا یہ مضمون ان مضامین میں سے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو خاص طور پر عطا فرمائے تھے۔ چنانچہ حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

”میرا ترجمہ اور میری تفسیر ہمیشہ ترتیب آیات اور ترتیب سُور کے ماتحت ہوتی ہے۔ اور یہ لازمی بات ہے کہ جو شخص اس نکتہ کو مدنظر رکھے گا وہ فوراً یہ نتیجہ نکال لے گا کہ اس ترتیب کے ماتحت فلاں فلاں آیات کے کیا معنی ہیں۔ فرض کرو، ایک نقطہ یہاں ہے اور ایک وہاں اور درمیان میں جگہ خالی ہے تو ہوشیار آدمی دونوں کو دیکھ کر خود بخود درمیانی خلا کو پُر کر سکیگا اور وہ سمجھ جائے گا کہ جب یہ نقطہ فلاں بات کی طرف توجہ دلاتا ہے اور وہ نقطہ فلاں بات کی طرف تو درمیان میں جو کچھ ہوگا وہ بہر حال وہی ہوگا جو ان دونوں نقطوں کے مطابق ہو۔ اگر درمیانی مضمون کسی اور طرف چلا جائے تو دائیں بائیں کے مضامین بھی لازماً ادھورے رہ جائیں گے اور سلسلہ مطالب کی کڑی ٹوٹ جائے گی۔

پس میں چونکہ ہمیشہ ترتیب آیات اور ترتیب سُور کو ملحوظ رکھ کر تفسیر کیا کرتا ہوں اس لئے اگر کوئی شخص میری ترتیب کو سمجھ لے تو گو میں نے کسی آیت کی کہیں تفسیر کی ہوگی اور کسی آیت کی کہیں۔ درمیانی آیات کا حل کرنا اس کے لئے بالکل آسان ہوگا کیونکہ ترتیب مضمون

[1] تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم نصف اول سورۃ الفجر ص ۴۸۴ - ۴۸۵ ۔

اُسے کسی اَور طرف جانے ہی نہیں دے گی اور وہ اس بات پر مجبور ہوگا کہ باقی آیتوں کے وہی معنی کرے جو اُس ترتیب کے مطابق ہوں . . . . . اسی طرح میری تفسیر کے نوٹوں سے انسان سارے قرآن کریم کی تفسیر سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ ہوشیار ہو اور قرآن کریم کو سمجھنے کا مادّہ اپنے اندر رکھتا ہو" [1]

اسی ضمن میں حضورؓ نے سُورۂ کہف کے درس کے دوران کا ایک واقعہ بھی تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"مَیں جب سُورۂ کہف کا درس دینے لگا اور مَیں نے اس سُورۃ پر غور کیا تو اَور سُورۃ تو سب حل ہو گئی مگر ایک آیت کی مجھے سمجھ نہ آئی۔ مَیں نے بہت سوچا اور غور کیا مگر وہ آیت مجھے بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی تھی۔ آخر مَیں نے درس دینا شروع کر دیا۔ جوں جوں وہ آیت قریب آتی جائے میری گھبراہٹ بڑھتی چلی جائے کہ اب اُس آیت کے متعلق کیا ہوگا یہانتک کہ صرف دو یا تین آیتیں رہ گئیں مگر پھر بھی وہ میری سمجھ میں نہ آئی۔ اُس وقت میری گھبراہٹ بہت زیادہ ہو گئی۔ مگر جس وقت مَیں اس سے پہلی آیت پر پہنچا تو مجھے یوں معلوم ہوا کہ وہ آیت تو بالکل حل شدہ ہے اور اس کے نہایت صاف اور سیدھے معنے ہیں جن میں کسی قسم کی الجھن نہیں۔

تو حقیقت یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کی ترتیب کو مدّنظر رکھا جائے اور اس پر غور اور تدبّر کرنے کی عادت ڈالی جائے تو اس کی بہت سی مشکلات خود بخود حل ہو جاتی ہیں" [2]

دوسری خصوصیت | تفسیر کبیر میں قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ اور تفسیر عربی زبان کی مستند لغات (مثلاً تاج العروس ، المنجد ، کلیات ابوالبقاء ، اقرب الموارد ، مفردات ، لسان العرب ، قاموس) کی روشنی میں کی گئی اور وہی معنے اختیار کئے گئے جن کی اجازت لغت دیتی ہے ۔

تیسری خصوصیت | اس تفسیر کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں الفاظ کے مختلف لغوی معانی بیان کرکے مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے قرآنی حقائق و معارف کا انکشاف کیا گیا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو حضرت

---

[1] "الفضل" ۱۱ وفا/جولائی ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء (تقریر فرمودہ سالانہ جلسہ ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء) ؛

[2] "تفسیر کبیر" (سورۃ مریم) صفحہ ۳۲۲ - ۳۲۳ ؛

خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص طور پر عطا فرمایا گیا۔حضور خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:-

"رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے کئی بطن ہیں۔ایک بطن تو قرآن کریم کا یہ ہے کہ کسی آیت کے معنی کرتے وقت اس کے سیاق و سباق کی تمام آیات کو دیکھا جاتا ہے اور اس کے معنی سیاق و سباق کو مدنظر رکھ کر کئے جاتے ہیں کیونکہ اگر سیاق و سباق کو مدنظر نہ رکھا جائے تو معنوں میں غلطی کا امکان ہوتا ہے پھر ایک بطن یہ ہے کہ کسی آیت کے معنے کرتے وقت اس کے کچھ آگے آنے والی آیتوں اور کچھ پیچھے آنے والی آیتوں کو دیکھا جاتا ہے اور ان کے معنوں میں تطابق کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔پھر ایک بطن یہ ہے کہ جس آیت کے معنے مطلوب ہوں اس ساری سُورۃ کو دیکھا جاتا ہے۔پھر ایک بطن یہ ہے کہ کئی سُورتوں کو ملا کر اس کے معنے اخذ کئے جاتے ہیں۔پھر ایک بطن یہ ہے کہ سارے قرآن مجید کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے۔یہ علم اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے عطا فرمایا ہے۔بعض دفعہ ایک مضمون کا تعلق ابتدائی سُورتوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بعض دفعہ بعد والی سُورتوں کے ساتھ۔پھر ایک معنے کسی آیت کے منفرداً ہوتے ہیں اور ایک معنے دوسری آیتوں کے ساتھ ملا کر کئے جاتے ہیں"[1]

چوتھی خصوصیت | چوتھی خصوصیت تفسیر کبیر کی یہ ہے کہ اس میں روز روشن کی طرح ثابت کر دیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی بیان فرمودہ موسوی تاریخ ہی مستند ہے۔اور اس کے مقابلے میں بائیبل پر اعتماد کرنا کسی طرح درست نہیں۔[2]

پانچویں خصوصیت | "تفسیر کبیر" عہد حاضر کی واحد تفسیر ہے جس میں نولڈک تھیوڈر (NOLDEK THEODOR) ریورنڈ ویری (REVEREND VERE) جے۔ایم راڈول (J.M. RODELL) سر ولیم میور (SIR WILLIAM MUIR) اور آرنلڈ (ARNOLD) وغیرہ مستشرقین کے اسلام اور قرآن مجید پر کئے ہوئے اعتراضات کے مسکت اور مدلّل جواب دیئے گئے ہیں بلکہ اسلام کے بارے میں ان کی جہالت اور عربی زبان کی باریک خوبیوں سے محرومی بے نقاب کی گئی ہے۔

چھٹی خصوصیت | قرآن مجید چونکہ الہامی کتاب ہے۔اس میں ہر زمانہ کے متعلق پیشگوئیاں موجود ہیں۔

[1] "تفسیر کبیر" (سُورۃ الشعراء) صفحہ ۴۸۳ کالم ۱ ٭

[2] بطور مثال ملاحظہ ہو سُورۂ یوسف کی تفسیر ٭

جو اپنے اپنے وقت پر پوری ہو کر قرآن کریم کی صداقت کا ثبوت بنتی رہیں اور بنتی رہیں گی۔ مگر ہر پیشگوئی کی حقیقت اس کے ظہور سے ہی کھلتی ہے۔ یہ بات پہلے متعدد مفسرین سے اوجھل رہی۔ اور انہوں نے مستقبل سے متعلق تمام قرآنی پیشگوئیوں کو یا قیامت پر چسپاں کر دیا یا گذشتہ واقعات پر۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تفسیر کبیر میں قرآن شریف کی ایسی بہت سی پیشگوئیوں کی نشاندہی فرمائی جو قرآن مجید میں موجود تھیں اور اب اِس زمانہ میں پوری ہو چکی ہیں اور قرآن مجید اور آنحضرت کی صداقت پر زندہ نشان کی حیثیت رکھتی ہیں مثلاً مغربی اقوام اور رُوس کی ترقی کی پیشگوئی، نہر سویز اور نہر پانامہ کی پیشگوئی، دخانی جہازوں کی پیشگوئی، ریل موٹر اور ہوائی جہازوں کی ایجاد کی پیشگوئی، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کی پیشگوئی، کاسمک ریز اور بموں کی پیشگوئی، بادشاہتوں کی تباہی اور جمہوریتوں کے قیام کی پیشگوئی، چڑیا گھروں کے قیام کی پیشگوئی، فرعونِ موسیٰ کی لاش کی حفاظت کے متعلق پیشگوئی، وحشی اقوام کے متمدن بن جانے کی پیشگوئی، پریس اور کتابوں کی بکثرت اشاعت کی پیشگوئی، علم ہیئت کی ترقی کی پیشگوئی، علم طبقات الارض کی ترقی کی پیشگوئی، چاند اور مریخ کے زمین کے ساتھ وابستہ ہونے کی پیشگوئی، علماء ظواہر کے علم دین سے بے بہرہ ہو جانے کی پیشگوئی وغیرہ سینکڑوں پیشگوئیاں تفسیر کبیر میں ملتی ہیں جن سے قرآن مجید کا زندہ کتاب ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

ساتویں خصوصیت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے قرآنی آیات کی روشنی میں مستقبل میں آنے والے متعدد انقلابات اور حوادث کا استدلال تفسیر کبیر میں فرمایا ہے جن میں سے بعض اس تفسیر کی اشاعت کے بعد ظاہر ہو چکے ہیں مثلاً فلسطین میں یہود کی حکومت اور مسلمانوں پر دورِ ابتلاء[1]، جماعت احمدیہ پر ۱۹۵۳ء میں ایک تکلیف دہ دَور آنے کی خبر[2] اور جماعت کے ساتھ تائید خداوندی کی خبر[3]، اپنی وفات کے وقت جماعت کے نظام خلافت سے بالاتفاق وابستہ ہونے کی پیشگوئی[4] مگر بہت سے واقعات ایسے ہیں جن کا ظہور مستقبل میں مقدر ہے مثلاً ایٹم بم سے زیادہ مہلک ہتھیار ایجاد ہونے کی پیشگوئی[5] فلسطین پر اسلامی پرچم لہرانے کی پیشگوئی[6]، چوتھی عالمگیر جنگ کے بعد مغربی اقوام کی مکمل تباہی اور اسلام کے عالمگیر غلبہ کی پیشگوئی[7] اردو زبان کے شاندار مستقبل کی نسبت پیشگوئی وغیرہ وغیرہ[8]۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد سوم۔ [2] تفسیر کبیر (سورۃ الفجر) صفحہ ۵۲۹۔ [3] تفسیر کبیر (سورۃ الفجر) صفحہ ۵۴۸۔
[4] تفسیر کبیر (سورۃ الفلق) صفحہ ۱۸۹ کالم ۲۔ [5] تفسیر کبیر (سورۃ النمل) صفحہ ۱۴۸۔
[6] تفسیر کبیر (سورۃ الانبیاء) صفحہ ۵۷۶ تا ۵۷۹۔ [7] تفسیر کبیر (سورۃ التطفیف) صفحہ ۳۰۷۔
[8] تفسیر کبیر جلد سوم (سورۃ ابراہیم) صفحہ ۴۴۴ کالم ۲۔

آٹھویں خصوصیت تفسیر کبیر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ تفسیر عہد حاضر کے جدید علمی و روحانی تقاضوں کو پورا کرتی اور مشرقی اور مغربی دنیا کو قرآن مجید کی پاکیزہ تعلیمات سے روشناس کرانے کی بہترین اور کامیاب ترین کوشش ہے خصوصاً اس لئے کہ اس میں قرآنی صداقتوں کی تائید میں سائنس کے موجودہ انکشافات ونظریات پیش کئے گئے ہیں مثلاً رنگوں کے خواص، ہر چیز کا نر و مادہ ہونا، زمین کا گول اور متحرک ہونا اور سورج کی روشنی کا ذاتی اور چاند کی روشنی کا انعکاسی ہونا، آسمانوں اور ستاروں کا ظاہری ستونوں کے بغیر قیام و بقاء، اجرام فلکی میں حرکت کی نوعیت، اعمال انسانی کی ریکارڈنگ، زمین و آسمان کی تخلیق کا مختلف ادوار میں ہونا، آغاز کائنات کی دخانی حالت وغیرہ انکشافات جن تک سائنس کی موجودہ دنیا ایک لمبے تجربہ کے بعد پہنچنے میں کامیاب ہوئی ہے، قرآن مجید نے نہایت مختصر مگر جامع رنگ میں چودہ سو (۱۴۰۰) سال پیشتر بیان فرما دیئے ہیں۔

تفسیر کبیر نے امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس نظریہ کی حقانیت سائنسی انکشافات سے بھی منوالی ہے کہ مذہب خدا کا کلام اور سائنس خدا کا فعل ہے۔ اس زمانہ میں اگر کوئی محقق اس بارے میں مفصل تحقیق کرنا چاہے تو اس کی معلومات کا بہترین ماخذ "تفسیر کبیر" ہوگی۔

نویں خصوصیت تفسیر کبیر کی بہت سی اوّلیات ہیں۔ مثلاً حروف مقطّعات کو قرآنی علوم کے سمجھنے کے لئے کلید قرار دینا، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں جدید تحقیق، قرآن مجید سے ولادتِ حضرت عیسیٰ کے ایام کی تعیین، وحی کی تفصیلی اقسام، سورۃ التین میں عظیم الشان مذہبی ادوار کا ذکر وغیرہ سینکڑوں تفسیری نکات ہیں جو پہلی بار تفسیر کبیر ہی کے ذریعہ سے پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

یہ چند خصوصیات بطور مثال بیان کی گئی ہیں ورنہ ہر صاحب علم و عرفان اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے اس کے امتیازات و خصائص پر روشنی ڈال سکتا ہے۔ مفسّر، مؤرخ، فقیہ، سیاستدان، سائنسدان، صوفی، ماہر اخلاق، ماہر نفسیات، ماہر اقتصادیات، غرضکہ ہر شخص قرآن مجید کی اس بیش بہا تفسیر سے برابر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے مشہور ادیب جناب اختر اورینوی ایم اے، ڈی لٹ صدر شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی (بہار) تفسیر کبیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت مرزا محمود احمدؓ کے تصنیفی کارناموں میں گلِ سرسبد تفسیر صغیر اور تفسیر کبیر کی تابناک

جلدیں ہیں۔ یہ تفسیریں سراج منیر ہیں۔ ان سے قرآن حکیم کی حیات بخش شعاعوں کا انعکاس ہوتا ہے۔ تفسیر قرآنی کی یہ دولت سرمدی دنیا اور عقبیٰ کے لئے لاکھوں سلطنتوں اور ہزاروں ہزار جنتوں سے افضل ہے۔ علوم قرآنی کے گہرہائے آبدار کانِ معانی و معدنِ عرفان سے نکالے گئے ہیں۔ غواصِ معارف پر فدا ہونے کو جی چاہتا ہے۔

ان تفسیروں کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے . . . . . میری ناچیز رائے میں تفسیر کبیر مندرجہ ذیل خوبیوں کی حامل ہے۔ اس میں قرآن کریم کے تسلسل، ربط، تنظیم، ترتیب، تعمیر اور سُورتوں کے موضوعات و معانی کی ہم آہنگی کو صاف، روشن و مدلّل طور پر ثابت کیا گیا ہے قرآن مجید صرف ایک سلکِ مروارید نہیں بلکہ یہ ایک رُوحانی قصر الحمراء ہے۔ ایک زندہ تاج محل ہے۔ اس کے عناصر ترکیبی کے حسن کارانہ نظم و ضبط، اس کے تراشیدہ ایجاز بیان، اس کی معجزانہ صنعت گری، اس کی گہری، وسیع اور بلند معنی آفرینی اور اس کے غیر مختتم خزینۂ علم و عرفان کا شعور تفسیر کبیر کے مطالعہ سے حاصل ہونے لگتا ہے۔ قرآنِ کریم کے اس مقام عظیم کی دریافت در اصل مجدّد عصر ظلّ محمد صلے اللہ علیہ وسلم حضرت مرزا غلام احمد علیہ السّلام کی دریافت ہے۔ انگریز مصنّف و ادیب کارلائل نے قرآن مجید کے محاسن کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ بات کہہ دی تھی کہ "قرآن ایک خوبصورت مگر بے ربط بیان ہے"

" *It is a beautiful jargon* "

حضرت مرزا محمود احمدؒ نے نہایت لطیف و بلیغ انداز میں اس امر کو درجہ یقین تک پہنچا دیا کہ قرآن مجید ایک کتابِ عظیم ہے اور اس کے ابواب و عناصر، اس کی سُورتیں اور آیات گُل و میدہ کی طرح، حُسنِ یُوسف کی مانند، نظامِ شمسی کی مثال مربُوط و منظم، متناسب ہم آہنگ اور حسین ہیں۔

تفسیر کبیر کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ اس میں انسانی تقاضوں، ضرورتوں اور مسئلوں سے وابستہ بہ کثرت نئے مضامین، نکتے اور تفصیلیں ملتی ہیں اور ہماری رُوح اور ذہن کی تشنگی بجھاتی ہیں۔ ہر سورۃ ہر پارہ کی تفسیر میں معارف اور علوم کا دریائے رواں جوش مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے ذریعہ نئے علوم اور نئے مسائل پر گہری تنقیدیں ملتی ہیں اور اسلامی نظریوں کا اتنا تسلّی بخش اظہار و بیان ملتا ہے کہ آخرالذکر کی برتری ثابت ہو جاتی ہے۔

تفسیر کبیر میں قصصِ قرآنی کی عارفانہ تعبیریں اور تفصیلیں ملتی ہیں۔ علم و حکمت، رُوحانیت و عرفان، نکتہ دانی و وضاحت کی تجلّیاں شکوک و شبہات کے خس و خاشاک کو دور کر کے تفہیم و تسکین کی راہیں صاف و روشن کر دیتی ہیں۔ تاریخِ عالم، قوموں کے عروج و زوال، اسباب زوال، سامانِ عروج، نفسیاتِ اجتماعی، فرد و جماعت کے روابط اور بندے کے اللہ سے تعلّق کی اعلیٰ تحقیق و توضیح ملتی ہے۔

معجزات، پیش گوئیوں، انبیاء اور غیر انبیاء کے خوابوں، رموزِ استعاراتِ قرآنی و مقطعات کی حقیقی، حکمتی اور ایمان افروز تعبیروں سے تفسیر کبیر کے اوراق تابناک ہیں۔

اس عظیم تفسیر میں تعلیماتِ اسلامی کا فلسفہ نہایت عمدہ طور پہ پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے مذاہب کی تعلیموں اور معروف فلسفوں سے موازنہ و مقابلہ بھی عالمانہ و منصفانہ رنگ میں کیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی پُرشوکت فضیلت سے دل کو طمانیت راحت و تسکین ملتی ہے اور ذہن کو رفعت حاصل ہوتی ہے۔ اس تفسیر کا اندازِ نظر عصری اور سائنسی بھی ہے۔ فلسفیانہ اور حکمتی بھی اور وجدانی و عرفانی بھی۔

اس تفسیر اکبر کے عالمِ علم و عرفان کی تجلّیات بیان کرنے کے لئے دفتر در دفتر چاہیئے۔

یہ تفسیر ملّتِ اسلامیہ کی بے بہا دولت ہے۔ قرآن حکیم کی اس تفسیر سے امت محمدیہ کا مستقبل وابستہ ہے"[1]

تفسیر کبیر کے انقلاب انگیز اثرات

بالآخر یہ بتانا ازبس ضروری ہے کہ تفسیر کبیر نے علمی اور عملی طور پہ دنیا کے قلوب و اذہان پہ نہایت گہرا اثر ڈالا ہے۔

اس ضمن میں بعض واقعات درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

تفسیر کبیر اور علامہ نیاز فتحپوری

اُردو کے مایہ ناز محقق اور بلند پایہ نقاد جناب نیاز محمدؐ خاں نیاز فتحپوری مرحوم پر تفسیر کبیر "جلد سوم" کے مطالعہ کا ایسا زبردست اثر ہوا کہ ان کے خیالات و تصورات کی کایا پلٹ گئی اور وہ عمر کے آخری دَور میں تحریک احمدیت کے زبردست مدّاح بن گئے۔ اور اپنے قلم سے احمدیت کی تائید اور دفاع میں متعدد زوردار مضامین اپنے رسالہ "نگار" میں "ملاحظات"[2] کے زیرِ عنوان لکھے اور یہ انقلاب نتیجہ

---

[1] "مجلۃ الجامعہ" ربوہ شمارہ ۹ صفحہ ۶۳-۶۴-۶۵ ۔ [2] ان لاجواب مضامین کا مجموعہ "ملاحظات نیاز فتحپوری" کے نام سے اس سال زیرِ طبع ہے جو مولوی محمد اجمل صاحب ایم اے شاہد مربی سلسلہ احمدیہ کراچی نے مرتب کیا ہے اور "ناصر بک سنٹر فیڈرل بازار کراچی نمبر ۳۸" کی طرف سے شائع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔ (یہ سطور ماہ نبوت ۱۳۴۷ھش کے آغاز میں لکھی جارہی ہیں۔ مرتب)

تھا تفسیر کبیر کی مافوق العادت تاثیر اور مقناطیسی قوت کا ؛ چنانچہ علامہ نیاز نے حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی خدمت میں لکھا :-

"تفسیر کبیر جلد سوم آجکل میرے سامنے ہے اور میں اسے بڑی نگاہِ غائر سے دیکھ رہا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ مطالعہ قرآن کا ایک بالکل نیا زاویہ فکر آپ نے پیدا کیا ہے اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے جس میں عقل و نقل کو بڑے حُسن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔ آپ کی تبحر علمی، آپ کی وسعتِ نظر، آپ کی غیر معمولی فکر و فراست، آپ کا حسنِ استدلال اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے اور مجھے افسوس ہے کہ میں کیوں اس وقت تک بے خبر رہا۔ کاش کہ میں اس کی تمام جلدیں دیکھ سکتا۔ کل سُورۃ ہود کی تفسیر میں حضرت لوطؑ پر آپ کے خیالات معلوم کر کے جی پھڑک گیا اور بے اختیار یہ خط لکھنے پر مجبور ہوگیا۔ آپ نے هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ کی تفسیر کرتے ہوئے عام مفسرین سے جدا بحث کا جو پہلو اختیار کیا ہے اس کی داد دینا میرے امکان میں نہیں۔ خدا آپ کو تا دیر سلامت رکھے "[1]

تفسیر کبیر اور نواب بہادر یار جنگ جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی بیان کرتے ہیں کہ برصغیر ہند و پاکستان کی معروف شخصیت نواب بہادر یار جنگ (جن سے سیٹھ صاحب کے بڑے دوستانہ تعلقات تھے اور سالہا سال ان کے رفیق کار رہے ہیں) جس کمرہ میں سویا کرتے تھے اس کی ایک دیوار پر قرآن کریم رکھنے کے لئے انہوں نے ایک خوبصورت تختہ لگوایا تھا۔ تفسیر کبیر جلد سوم کی اشاعت پر اس کی ایک جلد نواب اکبر یار جنگ بہادر نے سیٹھ صاحب موصوف کے ذریعہ نواب بہادر یار جنگ کو بھجوائی تھی جس کا انہوں نے بالاستیعاب مطالعہ ایک سے زیادہ مرتبہ کیا تھا اور ان کی وفات تک جو جون ۱۹۴۴ء میں واقع ہوئی وہ جلد اس تختہ پر قرآن کریم کے نسخہ کے نیچے رکھی ہوئی سیٹھ صاحب نے دیکھی ہے۔ سیٹھ صاحب کہتے ہیں کہ نواب بہادر یار جنگ اپنی صحبتوں میں تفسیر کبیر کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے اور اس کی عظمت کا ہمیشہ اعتراف کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اس کے بیان کردہ معارف سے انہوں نے بہت استفادہ کیا ہے۔

تفسیر کبیر اور پروفیسر عبدالمنان بیدل سابق صدر شعبہ فارسی پٹنہ کالج جناب اختر اورینوی ایم اے صدر شعبہ اردو پٹنہ یونیورسٹی اپنا ایک چشمدید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

"میں نے یکے بعد دیگرے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی تفسیر کبیر کی چند جلدیں پروفیسر عبدالمنان بیدل

---

[1] "الفضل" ۱۷ / نومبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۳ کالم ۴

سابق صدر شعبہ فارسی پٹنہ کالج، پٹنہ وحال پرنسپل شبینہ کالج پٹنہ کی خدمت میں پیش کیں۔ اور وہ ان تفسیروں کو پڑھ کر اتنے متأثر ہوئے کہ انہوں نے مدرسہ عربیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے شیوخ کو بھی تفسیر کی بعض جلدیں پڑھنے کے لئے دیں۔ اور ایک دن کئی شیوخ کو بُلوا انہوں نے ان کے خیالات دریافت کئے۔ ایک شیخ نے کہا کہ فارسی تفسیروں میں ایسی تفسیر نہیں ملتی۔ پروفیسر عبدالمنان صاحب نے پوچھا کہ عربی تفسیروں کے متعلق کیا خیال ہے۔ شیوخ خاموش رہے۔ کچھ دیر کے بعد اُن میں سے ایک نے کہا۔ پٹنہ میں ساری عربی تفسیریں ملتی نہیں ہیں۔ مصر و شام کی ساری تفاسیر کے مطالعہ کے بعد ہی صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے قدیم عربی تفسیروں کا تذکرہ شروع کیا اور فرمایا۔ مرزا محمود کی تفسیر کے پایہ کی ایک تفسیر بھی کسی زبان میں نہیں ملتی۔ آپ جدید تفسیریں بھی مصر و شام سے منگوا لیجئے اور چند ماہ بعد مجھ سے باتیں کیجئے۔ عربی و فارسی کے علماء مبہوت رہ گئے"[1]

تفسیر کبیر اور سید جعفر حسین صاحب ایڈووکیٹ حیدر آبادی

تفسیر کبیر کے مبارک اثرات کا چوتھا واقعہ جناب سید جعفر حسین صاحب ایڈووکیٹ حیدر آبادی کا ہے جو حیدر آباد کی مشہور تنظیم اتحاد المسلمین کے معروف کارکن تھے اور اسی کی پاداش میں ۲۶ تبوک/ستمبر ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء کو نظر بند کر دیئے گئے۔ سکندر آباد جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میں تفسیر کبیر پڑھنے کا موقعہ ملا جس کے مطالعہ سے اس درجہ متأثر ہوئے کہ جیل کے اندر امان/مارچ ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء میں بیعت کا فارم بھی پُر کر دیا۔ اور اپنی زندگی بھی اسلام و احمدیت کے لئے وقف کر دی۔[2]

۹ احسان/جون ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء کے دن رہا ہو گئے جس کے بعد آپ نے اولین فرصت میں یہ کام کیا کہ اخبار "صدق جدید" کے ایڈیٹر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کو اپنے حلقہ بگوش احمدیت ہونے کی اطلاع کے لئے ایک مختصر مکتوب لکھا جو مولانا صاحب نے "صدق جدید" (لکھنؤ) کی ۲۰ر اپریل ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں "ایک صدق خواں کا قبول احمدیت" کے عنوان مع تعارفی نوٹ کے شائع کر دیا جس کا متن یہ تھا:۔

---

[1] مجلہ "الجامعہ" ربوہ شمارہ ۹ صفحہ ۶۳-۶۴-۶۵۔

[2] تاریخ ولادت ۱۵ر ستمبر ۱۹۱۷ء۔ ۱۳۴۳-۴۴ہش/۱۹۶۴-۶۵ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے بی۔ایڈ کی تکمیل کی۔ ۲۶ر تبوک/ستمبر ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء کو صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی تحریک پر مستقل طور پر قادیان ہجرت کر کے آ گئے۔ ۲ ہجرت/مئی ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء کو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد پر صدر انجمن احمدیہ کے مشیر قانونی مقرر کئے گئے اور اب تک اسی منصب پر فائز ہیں۔ اس کے علاوہ حضور ایدہ اللہ کی اجازت سے صلح/جنوری ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء سے مشرقی پنجاب میں وکالت بھی کر رہے ہیں۔

" دکن کے ایک بی ۔اے۔ ایل ۔ایل۔ بی ایڈووکیٹ کا جو سالہا سال انجمن اتحاد المسلمین کے بڑے پُرجوش رکن رہے اور اسی سلسلہ میں جیل بھی گئے اور صدق سے بھی مخلصانہ تعلق برسوں قائم رکھا، تازہ مکتوب صرف ان کے نام اور سابق مستقر کے حذف کے بعد:۔

حیدرآباد دکن ۲۸ر مارچ ۱۹۶۲ء

حضرت قبلہ ۔ السلام علیکم

دارالسلام مجلس اتحاد المسلمین کے سلسلے میں گورنمنٹ اندھرا پردیش نے مجھے ۲۶ر ستمبر ۶۰ء کو نظربند کیا اور حال میں میری رہائی ہوئی ۔ ان دنوں میرا مستقر . . . . تھا۔ جیل لے جانے والے عہدہ داروں سے مَیں نے درخواست کی کہ (مجھے اسٹیشن پر گرفتار کیا گیا تھا جبکہ مَیں ایک پیشی کرکے . . . . سے واپس ہو رہا تھا) مجھے گھر لے جا کر قرآن کریم ساتھ لینے کی اجازت دیں۔ پولیس کے عہدیدار بڑے شریف مزاج تھے۔ اپنی حراست میں مجھے گھر لے گئے . . . . میرے ایک دوست تھے جنہوں نے مجھے حضور خلیفہ صاحب جماعت احمدیہ کی لکھی ہوئی تفسیر کبیر کی جلد دی تھی ۔ مجھے پڑھنے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ ایک دن دوپہر کے وقت جب مَیں کھانے کے لئے آفس سے گھر آیا تو بیوی نے دسترخوان چُننے میں کچھ دیر کی۔ تفسیر کبیر کی جلد میز پر بازو میں تھی ۔ مَیں نے اُٹھا لی اور چند اوراق اُلٹ کر دیکھنے شروع کئے۔ یہ وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا کی تفسیر کے صفحات تھے۔ مَیں حیران ہو گیا کہ قرآن مجید میں ایسے مضامین بھی ہیں۔ پھر مَیں نے قادیان خط لکھا اور تفسیر کبیر کی جملہ جلدیں منگوائیں۔ لیکن پڑھنے کا مجھے وقت نہ ملتا تھا۔ جیل کو روانگی کے وقت مَیں نے یہ جلدیں ساتھ رکھ لیں اور نو ماہ کے عرصہ میں جب کہ مَیں جیل میں تھا متعدد بار صرف یہی تفسیر پڑھتا رہا۔ جیل ہی میں مَیں نے بیعت کر لی اور جماعت احمدیہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ آپ بھی دُعا فرمائیں "[1]

سید جعفر حسین صاحب ایڈووکیٹ نے اس مختصر مکتوب کے بعد ایک مفصّل مضمون بھی اخبار "صدقِ جدید" کو بھجوایا جس میں انہوں نے تفسیر کبیر کے مبارک اثرات اور قبول حق کے حالات پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی۔ یہ مضمون "صدق جدید" کے دو نمبروں میں قسط وار (۸ - ۱۵ جون ۱۹۶۳ء) شائع ہوا۔ اس

[1] بحوالہ "الفضل" ۵ر ہجرت/مئی ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء

اہم مضمون کا متعلقہ حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

"حصول دارالسلام کی جدوجہد میں مجھے جب جیل پہنچایا گیا تو تیسرے دن مجھے وجوہات نظربندی تحریری شکل میں مہیا کئے گئے۔ جن میں میری گذشتہ تین چار برسوں کی تقریروں کے اقتباسات تھے۔ اور الزام یہ تھا کہ میں ہندوستان کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا ہوں۔ میں حیران تھا کہ مجھ جیسا چھوٹا آدمی اور یہ پہاڑ جیسا الزام۔ لیکن مجھے آہستہ آہستہ محسوس ہوا کہ میری تقریروں سے کچھ ایسا ہی مفہوم اخذ کیا جا سکتا ہے۔ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں بھٹکا ہوا مسافر تھا جس کی منزل تو متعین تھی لیکن راستہ کا پتہ نہ تھا۔ مسلمانوں کی انجمن اتحاد المسلمین ہو یا کوئی اور جماعت ان سب کی حالت یہی ہے۔

دوسرے دن میں نے تفسیر کبیر کا مطالعہ شروع کیا جو میں اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ تو مجھے اس تفسیر میں زندگی سے معمور اسلام نظر آیا۔ اس میں وہ سب کچھ تھا جس کی مجھ کو تلاش تھی۔ تفسیر کبیر پڑھ کر میں قرآن کریم سے پہلی دفعہ روشناس ہوا جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اپنا مسلک چھوڑ کر احمدیہ جیسی جماعت میں داخل ہونا جس کو تمام علمائے اسلام نے ایک ہوّا بنا رکھا ہے۔ کچھ معمولی بات نہیں لیکن حق کے کھل جانے کے بعد یہاں خطرات کی پرواہ بھی کسی کو نہ تھی۔ تاہم سجدہ میں گر کر شب و روز میں نے دعائیں شروع کیں کہ یا اللہ مجھے صراط المستقیم دکھا۔ کئی ماہ اسی حالت میں گذر گئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری سجدہ کی زمین آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ میری دعائیں قبول ہوئیں کیونکہ احمدیت کو سچا سمجھنے کے عقیدے میں مستحکم ہو گیا اور قادیان سے حضرت میاں مرزا وسیم احمد صاحب کی خدمت میں ایک خط کے ذریعہ سے میں نے درخواست کی کہ میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ جواب میں ایک بیعت فارم آیا جو آپ کے ملاحظہ کے لئے منسلک ہے۔

میری قید کا بڑا حصہ سکندرآباد جیل میں گذرا۔ وہاں کے جیلر ایک مسلمان اور علم دوست بھی تھے۔ قیدیوں کی پوری خط و کتابت ان لوگوں کے علم میں رہتی ہے کیونکہ ان کے دستخط کے بعد ہی قیدیوں کے خطوط روانہ یا حوالہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات کچھ اچھی نہ تھی لیکن جرأت کی کمی کے باعث میری یہ کوشش رہتی تھی کہ قادیان کو لکھے ہوئے میرے خطوط حکام جیل کے علم میں نہ آنے پائیں۔ مجلس اتحاد المسلمین حیدرآباد ایک بڑی ہی ہر دلعزیز جماعت ہے۔ جیل کا عملہ جمعیت حتیٰ کہ

جیل کے سارے ہی قیدی مجھ سے بڑی محبت اور عقیدت سے پیش آتے تھے۔ اگرچہ پہرہ والوں کے سوا مجھ سے کوئی نہ مل سکتا تھا۔ ان وجوہ سے حکام کے علم میں آئے بغیر میرے خطوط قادیان کو پوسٹ ہو جاتے تھے۔ لیکن جو خط قادیان سے آتا تھا وہ بہر صورت جیلر کے علم میں آنا ضروری تھا۔ جب قادیان سے بیعت کا فارم آیا تو جیل میں بڑی گڑبڑ ہوئی۔ راز باقی نہ رہ سکا۔ کمرہ کی صفائی کرنے والے قیدی، کھانا پہنچانے والے، اخبار لانے والے وغیرہ وغیرہ کسی نہ کسی بہانے آتے اور مجھ سے پوچھتے کہ کیا آپ قادیانی ہو گئے ہیں؟ مَیں انہیں غلط نہ کہہ سکتا تھا۔ لیکن ابھی چونکہ مَیں نے بیعت نہیں کی تھی اس لئے مَیں اُن سے کہتا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ بالآخر جیلر میرے پاس آئے اور میرا خط معہ بیعت فارم کے اُن کے پاس تھا مجھ سے بڑی ہی ہمدردانہ گفتگو کی کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ قرآن کی اس تفسیر کو چھوڑیئے مَیں آپ کو مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا مودودی کی تفسیر قرآن دیتا ہوں آپ کے خیالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے وہ دو تفسیریں لا دیں جو اصل میں ترجمہ تھے اور کہیں کہیں تفسیر تھی۔ بیعت کا فارم تکمیل کر کے بھیجنے سے قبل مَیں نے ان دونوں تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ تفسیر کبیر کے طالب علم میں اتنی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دیگر تمام تفاسیر پر تنقید کر سکے۔ چنانچہ مَیں نے جیلر صاحب کو بتلایا کہ ان دونوں تفاسیر میں کون کون سے مقامات مبہم ہیں کہاں کہاں ترجمہ کی غلطی ہے اور کہاں کہاں معنی محدود ہیں۔ مجھے ایسا کرنے میں آسانی اس لئے ہوئی کہ تفسیر کبیر میں لغت قرآن بھی موجود ہے۔ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ صرف مطہر لوگ ہی قرآن کریم کے مطالب کو سمجھ سکیں گے۔

جیلر صاحب ۲۴ گھنٹے اپنے سرکاری فرائض میں مشغول رہتے۔ قرآن کریم کو دیکھنے کا بھی انہیں موقعہ نہ ملتا۔ میری بات میں انہوں نے دلچسپی نہ لی۔ پھر مَیں نے جیلر صاحب کو تفسیر کبیر کی پہلی جلد دی اور اُن سے درخواست کی کہ وہ کم از کم اس میں سے سُورۃ فاتحہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ جو بہ مشکل (۵۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ وہ لے گئے لیکن چند دن کے بعد یہ کہہ کر واپس کر گئے کہ مجھے تو پڑھنے کی فرصت نہ ملی۔ البتہ میری خوشدامن صاحبہ یہ کتاب دیکھ چکی ہیں وہ اس کی بڑی تعریف کرتی ہیں مَیں نے بیعت کا فارم پُر کر کے بھیج دیا۔

یہ تفصیل آپ کی خدمت میں اس لئے لکھی کہ مجھ پر سے یہ الزام دُور ہو جائے کہ مَیں نے بیعت

میں عجلت کی۔ بیعت کا فارم بھیج کر مَیں دُعاؤں میں لگ گیا کہ میری بیعت کے قبول ہونے میں کچھ رکاوٹیں ہوں تو اللہ تعالیٰ اُن کو دُور فرمائے۔ میرا اندیشہ غلط نہ نکلا۔ میری بیعت قبول کرنے سے پہلے حضور خلیفہ صاحب نے دریافت فرمایا کہ ایک احمدی مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حکومت وقت کا بھی وفادار رہے۔ اور قانون کے اندر رہ کر کام کرے۔ مَیں نے جواب دیا کہ حضور کی تفسیر نے یہ ساری باتیں میرے دل پر نقش کر دی ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد جب قادیان سے مجھے معلوم ہوا۔ کہ میری بیعت قبول کر لی گئی تو مَیں سجدہ میں گر گیا۔

تفسیر کبیر میں ایک مقام پر مَیں نے پڑھا تھا کہ خلیفہ جو مصلح موعود ہوگا وہ اسیروں کی رہائی کا باعث ہوگا۔ مَیں نے حضور سے درخواست کی کہ وہ میری رہائی کے لئے دُعا فرمائیں۔ حضور خلیفہ صاحب نے دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی رہائی کے سامان کرے۔ اس کے چند ہی دنوں بعد مَیں رہا ہو گیا۔ خلیفہ موعود کی نسبت یہ پیشین گوئی کہ وہ اسیروں کی رہائی کا باعث ہوگا مَیں اس کا زندہ ثبوت ہوں" [1]

فصل ہفتم

حضرت امیر المومنین کی طرف سے تصفیہ مسائل کے بعض آسان طریق

۱۳۱۹-۲۰ ہش (۱۹۴۰-۴۱ء) کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان دو برسوں میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جماعت سے بچھڑے ہوئے غیر مبائع بھائیوں کو نہ صرف دلائل و براہین کے ذریعہ قریب تر لانے کی انتہائی کوشش کی۔ بلکہ جناب مولوی محمد علی صاحب (امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) کے سامنے تصفیہ مسائل کے لئے یکے بعد دیگرے پانچ نہایت آسان طریق پیش کرکے مفاہمت کی راہ بالکل صاف کر دی۔ اس سلسلہ میں **پہلا طریق فیصلہ** حضور نے یہ پیش فرمایا کہ :۔

"دونوں فریق کی وہ تحریرات جو زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہیں اکٹھی شائع کر دی

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۲۳ احسان/جون ۱۳۴۱ ہش (۱۹۶۲ء) صفحہ ۳ و ۴۔

جائیں اور دونوں ان پر لکھ دیں کہ آج بھی ہمارے عقائد یہی ہیں۔ اس کے بعد دُنیا خود فیصلہ کریگی کہ اُس زمانہ میں میرے عقائد اَور تھے یا مولوی محمد علی صاحب کے؟ اگر یہ ثابت ہو جائے گا کہ مَیں نے اب اپنے عقائد بگاڑ لئے ہیں تو میرا اثر جاتا رہے گا اور اگر یہ ثابت ہوگا کہ اُن کے عقائد اُس زمانہ میں اَور تھے تو اُن کے ساتھیوں کے لئے یہ بات ہدایت کا موجب ہو جائے گی اور وہ یہ سمجھ جائیں گے کہ مولوی محمد علی صاحب کے زمانہ صحابیت کے عقائد اَور تھے اور آج اَور ہیں یہ نہایت آسان طریق ہے اور بہترین طریق ہے۔ اگر وہ اس پر متفق ہوں تو فیصلہ نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا مباحثہ ہوگا جو گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت ساتھ رکھتا ہوگا" [1]

اس کے علاوہ حضور نے فیصلہ کے چار اور طریق بھی رکھے جو حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کئے جاتے ہیں:-

فیصلہ کا پہلا طریق

"پہلا طریق فیصلہ کا میرے نزدیک یہ ہے کہ نبوت کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود ہی غلطیوں کا ازالہ فرما دیا ہے۔ یعنی "ایک غلطی کا ازالہ" لکھ کر ان غلطیوں کو دُور فرمایا ہے جو اس بارہ میں اپنوں اور بیگانوں کو لگ رہی تھیں۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ آئندہ دونوں فریق نبوت کے متعلق بحث مباحثہ کو بالکل بند کر دیں اور صرف یہ کیا جائے کہ میری طرف سے اور آپ کی طرف سے دو چار سطر میں یہ مضمون لکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کے متعلق ہمارا مذہب وہی ہے جو اس اشتہار میں درج ہے۔ تمام لوگ اسی کو ہمارا مذہب تصور فرمائیں اور اس کے خلاف اگر ہماری کوئی تحریر ہو تو اسے غلط سمجھیں اور ہم دونوں کی اس تحریر کے بعد "ایک غلطی کا ازالہ" اشتہار بغیر کسی حاشیہ کے شائع کر دیا جائے اور ہر سال کم سے کم پچاس ہزار کاپی اس اشتہار کی ملک میں تقسیم کر دی جائے۔ ½ خرچ اس کا ہم دیں گے اور ½ اس کا خرچ مولوی صاحب اور ان کے رفقاء دیں۔ اس کے بعد دونوں فریق کے لئے جائز نہ ہوگا کہ اپنی طرف سے کوئی اَور مضمون اپنے اخباروں یا رسالوں یا ٹریکٹوں میں لکھیں بلکہ جو اس امر کے متعلق سوال کرے اُسے اشتہار کی ایک کاپی دے دی جائے کیونکہ اس میں خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غلطیوں کا ازالہ کر دیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر پانچ سال تک بھی دونوں فریق اس پر کاربند رہیں تو نزاع بہت

---

[1] "الفضل" ۲۴ وفا/جولائی ہش ۱۳۱۹ صفحہ ۴-۵

کچھ کم ہو جائے گا اور شاید اس عرصہ میں اللہ تعالیٰ مزید صلح کے راستے کھول دے"

فیصلہ کا دوسرا طریق "دوسرا طریق فیصلہ کا میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ کی اصطلاح میں (چشمۂ معرفت صفحہ ۳۲۵) قرآن کریم کی اصطلاح میں (ایک غلطی کا ازالہ) اسلام کی اصطلاح میں (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۱۷-۱۸ نیز الحکم ۶ مئی ۱۹۰۸ء) سابق انبیاء کی اصطلاح میں (الوصیۃ صفحہ ۱۲) اور خدا تعالیٰ کے حکم سے میرے نزدیک (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸) اور لغت کی اصطلاح میں (مکتوب مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) نبی اُسے کہتے ہیں جس پر کثرت سے امور غیبیہ ظاہر کئے جائیں اور اس کو شرف مکالمہ و مخاطبہ حاصل ہو اور یہ کہ ان معنوں کے رُو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی ہیں اور کسی معنوں میں نہیں۔ پس ایک اشتہار ہم دونوں کے دستخط سے ملک میں شائع کر دیا جائے کہ ہم دونوں فریق اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صرف خدا تعالےٰ کی اصطلاح کے مطابق، اسلام کی اصطلاح کے مطابق، سابق انبیاءؑ کی اصطلاح کے مطابق، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے جو حکم دیا تھا اس کے مطابق اور عربی اور عبرانی لغتوں کے مطابق نبی سمجھتے ہیں۔ اس کے سوا کسی اور تعریف کے مطابق نبی نہیں سمجھتے بلکہ دوسری اصطلاحوں کے مطابق ہم صرف استعارۃً آپ کے لئے نبی کے لفظ کا استعمال جائز سمجھتے ہیں۔ حقیقی طور پر نہیں"

فیصلہ کا تیسرا طریق "اگر الحکم کے حوالہ (۱۷ اگست ۱۸۹۹ء) کی وجہ سے باوجود لیکچر سیالکوٹ کے حوالہ کے اور الحکم کی ڈائری (۶ مئی ۱۹۰۸ء) کے آپ کو ایسی تحریر پر دستخط کرنے پر اعتراض ہو تو میری تیسری تجویز یہ ہے کہ آپ ایک اشتہار اس مضمون کا دے دیں کہ میں صرف اللہ تعالےٰ کی اصطلاح کے مطابق قرآن کریم کی اصطلاح کے مطابق سابق انبیاء کی اصطلاح کے مطابق اور اس حکم کے مطابق جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نبی سمجھتا ہوں۔ باقی اسلام کی اصطلاح کے رو سے میں آپ کو حقیقی نبی نہیں سمجھتا۔ اس اصطلاح کے رو سے آپ کو صرف مجازی نبی یقین کرتا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر آپ ایسا اشتہار دے دیں گے تو اس سے بھی دنیا کو بہت کچھ اس مسئلہ کے سمجھنے میں سہولت ہو جائے گی۔"

فیصلہ کا چوتھا طریق "فیصلہ کا چوتھا طریق یہ ہے کہ آپ ایک اشتہار اس مضمون کا دے دیں کہ

جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ خدا تعالیٰ کی اصطلاح میں قرآن کریم کی اصطلاح میں اسلام کی اصطلاح میں سابق انبیاء کی اصطلاح میں اور نبی کے لفظ کے متعلق خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو حکم دیا تھا اس کے مطابق جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ نبی کی یہ تعریف ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ سے کثرت سے امور غیبیہ پر اطلاع پاتا ہے وہ نبی ہے وہ غلطی خوردہ ہے اور اسلام کی تعلیم کے خلاف کہتا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ان طریقوں میں سے آپ کسی طریق کو بھی اختیار کریں۔ فیصلہ تک پہنچنا آسان ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ المبین "[1]

اگر جناب مولوی محمد علی صاحب مندرجہ بالا پانچ طریقوں میں سے کسی ایک طریق ہی کو قبول فرما لیتے تو فریقین میں اختلافات کی خلیج یقیناً بہت کم ہو جاتی اور جماعت کی باہمی طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہونے کی بجائے بہت حد تک تبلیغ اسلام کے متحدہ مقصد کی تکمیل میں مرکوز ہو جاتیں۔ مگر افسوس آپ اپنی گذشتہ روایات کے مطابق باہمی تصفیہ کی ان سیدھی، صاف اور آسان تجاویز کو بھی مختلف حیلوں بہانوں سے ٹال گئے

مولوی محمد علی صاحب کے ایک مضمون کی معہ جواب "الفضل" میں اشاعت

جناب مولوی محمد علی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ایک خطبہ جمعہ[2] (فرمودہ ۶ راحسان/جون ۱۳۱۹ھ ہش/۱۹۴۰ء) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا کہ

"میاں صاحب نے جو دلائل حضرت مسیح موعود کی نبوت کے متعلق دیئے ہیں۔ مَیں ان تمام کو قارئین پیغام کے سامنے لانے کو تیار ہوں بشرطیکہ جناب میاں صاحب میرے اس جواب کو جو اصل مضمون کے متعلق مَیں اب لکھتا ہوں اپنے اخبار الفضل میں شائع کرا دیں۔ . . . . لیکن اس کے ساتھ مَیں یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میاں صاحب اس تجویز کو کبھی منظور نہ کریں گے۔ اس کی وجہ اپنے مخالف کے دلائل کو اپنی جماعت کے سامنے لانے سے وہی شخص ڈرتا ہے جسے یہ خوف ہو کہ اس کی جماعت مخالف کے دلائل سے متاثر ہو کر پھسل جائے گی۔ سو یہی خوف جناب میاں صاحب کے دل میں ہے . . . . . منہ سے جناب میاں صاحب جس قدر بلند دعاوی چاہیں کریں مگر ان

---

[1] "الفضل" مورخہ ۱۴ ظہور/اگست ۱۳۲۰ھ ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲۲ و ۲۳۔

[2] خطبہ کا عنوان تھا "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نبوت کے متعلق خدا تعالیٰ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خود مولوی محمد علی صاحب کی شہادت" ("الفضل" ۱۸ راحسان/جون ۱۳۱۹ھ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۳)

کا طرز عمل یہ بتا رہا ہے کہ ان کا دل ہمارے دلائل کی مضبوطی کے خوف سے کانپ رہا ہے۔ اور ان کے نزدیک اس کے سوائے اپنی جماعت کی حفاظت کا اور کوئی طریق نہیں کہ وہ ہمارے دلائل کو ان کے سامنے نہ آنے دیں" [1]

حضرت امیرالمومنین نے اپنے زمانہ خلافت میں کبھی غیر مبائعین کا لٹریچر پڑھنے سے نہیں روکا تھا اور اس وقت تک اخبار "الفضل"، "اخبار" فاروق"، "تشحیذ الاذہان"، "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) میں بہت سے مضامین شائع ہو چکے تھے جن کے لکھنے والے سینکڑوں افراد تھے جو متفرق مقامات کے رہنے والے تھے اگر حضرت امیرالمومنین کی طرف سے ان کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی ممانعت کر رکھی تھی تو انہوں نے ان لوگوں کے خلاف قلم کیسے اٹھایا اور اپنے مضامین میں ان کی کتابوں، رسالوں اور پمفلٹوں کے حوالے کیسے درج کر دیئے۔ مگر حضرت امیرالمومنین رضؓ کی فراخدلی اور وسعت حوصلہ ملاحظہ ہو کہ حضور نے مولوی صاحب کی یہ تجویز بھی مان لی اور فرمایا کہ

"میں ان کے مضمون کو "الفضل" میں شائع کرانے کو تیار ہوں بشرطیکہ وہ میرا جواب الجواب بھی "پیغام صلح" میں شائع کرائیں یا اگر وہ پسند کریں تو یہ سب یعنی میرا خطبہ ان کا جواب اور میرا جواب الجواب کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے جس پر خرچ دونوں کا آدھا آدھا ہو اور کتابیں بھی آدھی آدھی لے لیں۔ اس سے بڑھ کر میں ان کے لئے ایک اور آسانی کر دیتا ہوں پہلے تو میں نے کہا تھا کہ وہ اگر میری اس تجویز کو مانیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی دونوں کی تحریریں اکٹھی شائع کر دی جائیں تو میں ان کی اس تجویز کو مان لوں گا۔ مگر ان پر اتمام حجت کے لئے میں یہ بھی مان لیتا ہوں کہ چلو میں اس کو بھی چھوڑ دیتا ہوں بشرطیکہ وہ میری اس تجویز کو مان لیں یعنی میرا جواب الجواب بھی ساتھ شائع ہو . . . . بلکہ ایک اور آسانی ان کے لئے پیدا کر دیتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ اگر وہ میرا جواب الجواب شائع کرنے پر تیار ہوں تو خرچ کے دو حصے ہم دے دیں گے اور صرف ایک حصہ وہ دیں اور دو حصے کتب ہم لے لیں اور ایک حصہ وہ۔ اور میری طرف سے اتنی رعایتوں کے باوجود اگر وہ میری بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوں تو ہم سوائے اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں سچ

[1] "پیغام صلح" ۱۲ جولائی ۱۹۴۷ء صفحہ ۵-۶

کو سچ سمجھنے کی توفیق دے اور ان کا وہ غصہ دُور ہو جو ان کے لئے صداقت کے سمجھنے میں روک ہو رہا ہے " ۱؎

اس مخلصانہ پیشکش پر مولوی محمد علی صاحب نے اخبار پیغام صلح ۱۲ جولائی ۱۹۴۰ء میں ایک مضمون لکھا جسے حضرت امیر المومنین کے حکم سے اخبار "الفضل" ۱۳ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں چھاپ دیا گیا اور اگلے شمارہ میں حضور نے اپنا جواب الجواب ایک مفصل مضمون کی صورت میں شائع کر دیا۔ اب مولوی محمد علی صاحب کو چاہیئے تھا کہ وہ حضور کا مضمون اپنے اخبار میں شائع کرا کے . . . . اپنے موقف کے مضبوط اور دلائل کے مستحکم ہونے کا عملی ثبوت دیتے یا حضور کی فراخدلانہ تجویز کے مطابق اُسے اپنے مضمون کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کر دیتے مگر مولوی صاحب موصوف نے حضور کا مضمون تو شائع کرنا گوارا نہیں کیا البتہ خود ایک اَور مضمون "پیغام صلح" ۴ ستمبر ۱۹۴۰ء کے پرچہ میں لکھ کر اوپر یہ نوٹ دے دیا کہ "مَیں امید رکھتا ہوں کہ میاں صاحب اسے اپنے اخبار الفضل میں شائع کر دیں گے۔"

یہی نہیں بلکہ جب "الفضل" میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا مضمون اُن کے مضمون کے جواب میں شائع ہوا تو حضرت اقدس اور مولوی محمد علی صاحب دونوں ڈلہوزی میں فروکش تھے۔ حضور نے "الفضل" کا وہ پرچہ دے کر چودھری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔ اے مجاہد تحریک جدید اور ایک اَور نوجوان کو بھیجا کہ جا کر مولوی صاحب موصوف کے لڑکے کو دے آئیں اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ میرا خیال ہے کہ وہ نہیں لے گا۔ وہ لے کر گئے مگر اس نے "الفضل" کا پرچہ لینے سے انکار کر دیا۔ ۲؎

مولوی محمد علی صاحب کو قادیان آنے اور لیکچر دینے کی دعوت اور ان کا افسوسناک مظاہرہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مولوی محمد علی صاحب پر اتمام حجت کرنے اور ان کے اس وہم کا ازالہ کرنے کے لئے کہ گویا آپ نے اپنے خدام کو غیر مبائعین کی تحریرات پڑھنے سے روک رکھا ہے مولوی صاحب کو قادیان تشریف لانے اور یہاں آ کر تین لیکچر دینے کی دعوت دی۔ چنانچہ حضور نے فرمایا :-

"مَیں اس کے لئے بھی تیار ہوں کہ وہ قادیان آجائیں مَیں یہاں اُن کے تین لیکچر اپنی جماعت میں کرا

۱؎ "الفضل" ۲۶ وفا/جولائی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۶۔

۲؎ "الفضل" ۱۶ صلح/جنوری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۴ کالم ۴۔

دوں گا اور ان لیکچروں میں وہ دل کھول کر اپنے عقائد اور دلائل بیان کر لیں اور اس بات کی تسلی کر لیں کہ ان کے خیالات اچھی طرح ہماری جماعت تک پہنچ گئے ہیں اور اگر وہ کسی طرح بھی ماننے کو تیار نہ ہوں اور اپنی ہی بات دہراتے چلے جائیں تو اس کا علاج میرے پاس کوئی نہیں۔ اس کا علاج خدا تعالیٰ ہی کے پاس ہے" [1]

جناب مولوی محمد علی صاحب نے قادیان میں لیکچر دینے کی اس دعوت کو لفظاً منظور کرنے کے باوجود یہ مطالبہ کیا کہ "مَیں حاضر ہوں مگر اس کے لئے بہترین موقعہ جلسہ سالانہ ہے" [2]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس انوکھے مطالبہ کے جواب میں فرمایا:۔

"جلسہ سالانہ کے موقع پر ہماری جماعت لاکھ ڈیڑھ لاکھ کرایہ کا خرچ کر کے اس لئے جمع ہوتی ہے کہ وہ میرے اور دوسرے علماء سلسلہ کے خیالات سُنے اور ہمارا اس وقت ان کی مہمانی پر پچیس تیس ہزار روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ کیا دوسرے کے خیالات سُننے کی اجازت دینے میں یہ اخراجات بھی شامل ہوتے ہیں کہ مَیں اپنے جلسہ کو اور لاکھوں کے خرچ کو مولوی صاحب کی خاطر برداشت کروں۔ ہاں مَیں یہ کر سکتا ہوں کہ اگر جلسہ کے موقعہ پر ہی مولوی صاحب کو اپنے خیالات سُنانے کا شوق ہو، تو جلسہ کے دو۲ دن اور بڑھا دوں مگر اس شرط پر کہ ان دنوں کی مہمان نوازی کا خرچ مولوی صاحب برداشت کریں جو ان دنوں کے لحاظ سے اوسطاً تین ہزار روپیہ روزانہ ہوگا۔ پس مولوی صاحب چھ ہزار روپیہ اس غرض سے ادا کر دیں تو مَیں جلسہ کے دنوں کے بعد دو۲ دن اُن کے لیکچروں کے لئے مقرر کر دوں گا۔ اور اعلان کر دوں گا کہ جو دوست جانے پر مجبور نہ ہوں، دو۲ دن اور ٹھہر جائیں اور مولوی صاحب کے خیالات سُنتے جائیں۔ اگر یہ نہیں تو مَیں یہ ہزاروں کا خرچ ان کے لئے برداشت کرنے پر تیار نہیں اور نہ جماعت کو جو لاکھ ڈیڑھ لاکھ خرچ کر کے قادیان آتی ہے اسے اس کی خواہش سے محروم کر سکتا ہوں۔ ہاں میری دعوۃ جو قادیان میں لیکچر کے متعلق ہے جس میں مجھے کوئی خاص خرچ کرنا نہیں پڑتا وہ موجود ہے۔ اگر مولوی صاحب کو وہ منظور ہو تو بڑی خوشی سے تشریف لے آئیں" [3]

---

[1] "الفضل" ۲۶ر وفا/جولائی ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۶ کالم ۳، ۴۔

[2] "پیغام صلح" ۸ر اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

[3] "الفضل" ۱۴ر ظہور/اگست ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲۳۔

جناب مولوی محمد علی صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ

"قادیان میں جا کر ہم آپ کے مہمان ہوں گے اور آپ اور آپ کی جماعت کی حیثیت میزبان کی ہوگی اور میزبان کا یہ مطالبہ کہ مہمان اپنا ہی نہیں میزبان کا خرچ بھی ادا کرے مہمان نوازی کے اسلامی خُلق کی بالکل ضد ہے۔"[۱]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس "زبردستی کی دعوت" کا جواب یہ دیا کہ

"مَیں نے جو دعوت دی تھی وہ ایسے موقعہ کے لئے تھی جب میرے لئے سہولت ہو۔ مولوی صاحب کا مطالبہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر تقریر کا ہے۔ لیکن جلسہ کے موقعہ پر ہماری جماعت کے لوگ لاکھوں روپیہ خرچ کر کے یہاں پر میری اور میرے ساتھ کام کرنے والوں کی باتیں سُننے کے لئے آتے ہیں، مولوی صاحب کی نہیں۔ اگر انہیں ان کی باتوں کا شوق ہوتا تو یہاں نہ آتے بلکہ لاہور جاتے۔ پس جو لوگ لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ کر کے میری اور میرے ساتھ کام کرنے والوں کی باتیں سُننے آتے ہیں انہیں مَیں مولوی صاحب کی خاطر کیوں مایوس کروں اور کیوں تکلیف میں ڈالوں۔ البتہ مَیں نے یہ کہا تھا کہ اگر وہ اس موقعہ پر باتیں سُنانا چاہیں تو ہم جلسہ کی تاریخوں سے آگے یا پیچھے دو دن بڑھا دیں گے اور مَیں اعلان کر دوں گا کہ دوست کوشش کر کے ان دنوں کے لئے ٹھہر جائیں۔ مگر ان مہمانوں کو چونکہ مولوی صاحب کی باتیں سُننے کے لئے ہی ٹھہرایا جائیگا اس لئے ان دنوں کا خرچ بھی انہی کو دینا چاہیئے۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ میرا یہ مطالبہ کہ مہمان اپنا ہی نہیں میزبان کا خرچ بھی ادا کرے مہمان نوازی کے اسلامی خُلق کی بالکل ضد ہے" لیکن مَیں کہتا ہوں کہ میزبان تو مَیں ہوں اور مَیں نے تو اپنا خرچ نہیں مانگا۔ باہر سے آنے والے تو مہمان ہیں اور جن مہمانوں کو ان کی دعوت پر اور ان کی باتیں سُننے کے لئے ٹھہرایا جائے ان کا خرچ تو بہرحال انہی پر پڑنا چاہیئے اور یہ اسلامی خُلق کے بالکل خلاف بات نہیں۔ . . . . اگر تو مولوی صاحب کہیں کہ مَیں خود آتا ہوں تو ہم ان کی مہمانوازی کریں گے۔ لیکن یہ کہ مہمان کہے میرے ساتھ اتنے ہزار آدمیوں کی بھی دعوت کرو اور ان کے لئے بھی کھانے کا انتظام کرو یہ کوئی اسلامی خُلق نہیں ہے اور ایسی بات نہ کر سکنے کا نام اسلامی خُلق کی ضد مَیں نے تو کسی جگہ نہیں پڑھا۔ اگر جیسا کہ وہ

---

[۱] اخبار "پیغام صلح" ۲۱ نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۱ ۔

کہتے ہیں یہی اسلامی خلق ہے تو وہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم بھی اس طرح مہمان نوازی کی دعوت دے دیا کریں اور لکھ دیا کریں کہ آپ اس قدر آدمیوں کی مہمان نوازی کا انتظام کریں۔ ہمارے آدمی آپ کو کچھ باتیں سُنانے کے لئے آتے ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ وہ کس طرح اس اسلامی خُلق پر عمل کرتے ہیں۔ ہماری تو لاہور کی جماعت ہی خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی ہے۔ باہر سے بھی لے جانے کی ضرورت نہیں۔ اگر وہی ان کے اس اسلامی خلق کا امتحان کرنے لگے تو ان کو دو چار دفعہ میں ہی پتہ لگ جائے۔

غرض مہمان کا یہ حق نہیں کہ وہ کہے کہ میری تقریر سُننے کے لئے بیس پچیس ہزار آدمی جمع کئے جائیں اور ان کو کھانا بھی کھلایا جائے اور ایسا مطالبہ پورا نہ کر سکنے کا نام اسلامی خُلق کی ضد رکھنا زبردستی اور دھینگا مشتی ہے۔ اگر مولوی صاحب ثابت کر دیں کہ یہ بھی مہمانوازی میں شامل ہے کہ کوئی شخص کہے۔ مَیں اپنی تقریر سُنانے آ رہا ہوں اور اُسے سُننے کے لئے بیس پچیس ہزار آدمی جمع کئے جائیں اور ان کے لئے کھانے وغیرہ کا انتظام کیا جائے تو وہ ایسی آیت اور حدیث جس میں اسے مہمان نوازی کا حصہ قرار دیا گیا ہو لکھ کر بھیج دیں تو مَیں مان لُوں گا چاہے مجھے کتنا نقصان ہو۔ مَیں فوراً تسلیم کر لوں گا۔ لیکن اگر واقعی ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اس قسم کی مہمان نوازی اسلامی خُلق میں داخل ہے تو اس خُلق کا تجربہ ہمیں ایک سال کے لئے کر لینے دیں۔ اس کے بعد ہم سے مطالبہ کریں۔

ہاں مولوی صاحب اگر میری دعوت کے مطابق آنا چاہتے ہیں تو اپنی سہولت کے لحاظ سے جس موقعہ پر انہیں مَیں دعوت دوں آ جائیں۔ لیکن ان کا ہمارے جلسہ کے وقت کو اپنے لئے حاصل کرنے کا مطالبہ کرنا اور یہ کہنا کہ زائد وقت دے کر اپنے بھی اور ان کے بھی ہزاروں آدمیوں کے کھانے کا انتظام کروں یہ کوئی اسلامی خُلق میں شامل بات نہیں . . . . جو جائز صورت تھی وہ تو مَیں نے خود پیش کر دی تھی اور اس کے لئے مَیں اب بھی تیار ہوں۔ اس صورت میں میرے لئے صرف اتنا کام ہوتا کہ میں قادیان کے لوگوں کو جمع کر دیتا مگر ان کا یہ مطالبہ کہ جلسہ کے دنوں میں ہم ہزاروں لوگوں کو روکیں اور ان پر خرچ کریں یہ مہمان نوازی کا طریق اسلام کی کسی تعلیم میں مَیں نے نہیں پڑھا۔ ہاں میری دعوت موجود ہے۔ جلسہ کے موقعہ کے سوا جب وہ آ سکیں اور مجھے سہولت

ہو وہ تشریف لے آئیں۔ مَیں قادیان کے لوگوں کو جمع کر دُوں گا بلکہ باہر بھی اعلان کر دوں گا کہ جو دوست آنا چاہیں آجائیں۔ وہ اپنی باتیں سُنا دیں اور مَیں یا میرا نمائندہ اپنی سُنا دے گا . . .

. . . مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے جلسہ پر بھی اتنے آدمی نہیں ہوتے جتنے یہاں عام جمعہ کے دن جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی جمعہ کے لئے جتنے لوگ بیٹھے ہیں اتنے کبھی بھی انہیں اپنے جلسہ میں نصیب نہیں ہوتے۔ اگر مَیں ان کے جلسہ پر جاؤں یا میرا نمائندہ جائے۔ فرض کرو مولوی ابوالعطاء صاحب جائیں تو انہیں وہاں اتنے سامعین تو نہیں مل سکتے جتنے یہاں جمعہ میں بیٹھے ہیں۔ پس انہیں اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ اور حق تو یہ ہے کہ باتیں ایک دوسرے کی سُننے والے سُنتے اور پہنچانے والے پہنچاتے ہی رہتے ہیں۔ اس انتظام کی بھی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ یہ تو ہم نے ان کی خواہش کو پُورا کرنے کے لئے بطورِ احسان دعوت دی تھی مگر انہوں نے اس احسان کی قدر نہ کی اور غیر معقول مطالبات شروع کر دیئے "[1]

حضرت امیرالمؤمنین نے جناب مولوی محمد علی صاحب کو اپنے خیالات قادیان کی مرکزی جماعت کو سُنانے کے لئے جو سنہری موقعہ دیا تھا اُسے انہوں نے اپنے عقائد کی کمزوری کو بھانپ کر خود ہی ضائع کر دیا۔ مگر اپنے رفقاء کو طفل تسلیاں دیتے ہوئے کہا:۔

" ان کی جماعت وہ تو نہیں جو قادیان میں ہے وہ تو اُن کے ملازمین اور ایسے لوگ ہیں۔ جن کی ضروریات اُن سے وابستہ ہیں۔ جماعت تو وہ چیز ہے جو اس سلسلہ کو قائم رکھنے والی ہے۔ بیرونی لوگ جو جلسہ پر آتے ہیں اصلی جماعت وہ ہے "[2]

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت مسیح موعودؑ پر اس نئے حملہ کا پُرزور دفاع کرتے ہوئے فرمایا کہ

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو قادیان میں رہنے کی تعلیم دی ہے[3] اور آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سب کچھ چھوڑ کر اس جگہ آکر آباد نہیں ہوتا یا کم سے کم یہ تمنا دل میں نہیں رکھتا وہ منافق ہے اور مولوی محمد علی صاحب کے نزدیک جو لوگ قادیان میں آبسے ہیں وہ منافق ہیں۔ گویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جتنی باتیں بیان فرمائی تھیں۔ غیر مبائعین کے نزدیک وہ سب

---

[1] "الفضل" ۱۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۵-۶

[2] "پیغام صلح" ۸ دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲ [3] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

بدلتی جاتی ہیں . . . . غرض قادیان کے رہنے والوں کے متعلق یہ اتنا بڑا اتہام اور بہتان ہے کہ خود مولوی محمد علی صاحب بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے۔ اوّل تو یہی دیکھ لو کہ قادیان میں انجمن کے ملازم کتنے ہیں۔ قادیان میں دس ہزار احمدی بستے ہیں۔ ان میں سے ملازم زیادہ سے زیادہ سو دو سو ہوں گے۔ اگر ان کے ساتھ ان کے بیوی بچوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو پانچ چھ سو بن جائیں گے۔ ان کے علاوہ چھ سات ہزار وہ لوگ ہیں جو زمیندار ہیں یا پیشہ ور ہیں۔ اور ایک اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی ہے جن کے باپ بھائی یا خاوند وغیرہ گورنمنٹ کی ملازمت میں ہیں اور انہوں نے اپنے بچوں یا دوسرے عزیزوں کو قادیان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیج دیا ہے۔ ان پر بھلا انجمن کا کیا دباؤ ہو سکتا ہے۔ یا میرا ان پر کیا دباؤ ہو سکتا ہے۔ وہ تو خود چندے دیتے اور سلسلہ کے لئے قربانیاں کرتے ہیں۔ بہرحال کثرت ان لوگوں کی ہے جو پنشن یافتہ ہیں یا پیشہ ور ہیں زمیندار وغیرہ ہیں یا پھر قادیان میں وہ لوگ رہتے ہیں جن کے باپ بھائی وغیرہ گورنمنٹ کی ملازمت میں ہیں اور وہ انہیں تعلیم کے لئے اخراجات بھیج دیتے ہیں۔ یا اگر وہ پڑھتے نہیں تو ان کا گذارہ بہرحال اپنے باپ یا بھائی کی آمد پر ہے۔ اس قسم کے تمام لوگ کونسے جماعت کے دباؤ کے ماتحت ہیں۔ . . . . خود پیغامیوں میں ایک خاصہ طبقہ ایسے لوگوں کا ہے جو گورنمنٹ کی ملازمت میں ہے مگر ان کے نزدیک گورنمنٹ کی ملازمت ان کے اعتقادات پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ میاں غلام رسول صاحب

---

[۳] حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ :۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ پر قادیان میں ہجرت کر کے آنے والے احمدیوں کی نسبت الہام ہوا " اَصْحٰبُ الصُّفَّةِ وَمَا اَدْرٰكَ مَا اَصْحٰبُ الصُّفَّةِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ يُصَلُّوْنَ عَلَيْكَ " اس الہام کی تشریح حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے قلم سے یہ فرمائی کہ " خدا تعالیٰ نے انہی اصحاب الصفہ کو تمام جماعت میں سے پسند کیا اور جو شخص سب کو چھوڑ کر اس جگہ آکر آباد نہیں ہوتا اور کم سے کم یہ تمنا دل میں نہیں رکھتا اس کی حالت کی نسبت مجھ کو بڑا اندیشہ ہے کہ وہ پاک کرنے والے تعلقات میں ناقص نہ رہے اور یہ ایک پیشگوئی عظیم الشان ہے اور ان لوگوں کی عظمت ظاہر کرتی ہے کہ جو خدا تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وہ اپنے گھروں اور وطنوں اور املاک کو چھوڑ دیں گے اور میری ہمسائیگی کے لئے قادیان میں آکر بود و باش رکھیں گے "

(تریاق القلوب طبع اوّل صفحہ ۶۰)

تمیم، میاں محمد صادق صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب، یہ سب عیسائی حکومت کے ملازم تھے۔ کیا یہ سب ان ایام میں عیسائی ہو گئے تھے یا عیسائیوں کی ہاں میں ہاں ملانے لگ گئے تھے؟ کیا اس وقت جو لوگ انجمن اشاعت اسلام کے ملازم ہیں وہ سب کے سب مولوی صاحب کے تجربہ کے مطابق منافق ہیں کیونکہ وہ مولوی صاحب اور ان کی انجمن کے لڑ لگے ہوئے ہیں۔ اگر مولوی صاحب کے نزدیک یہ لوگ منافق نہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ لوگ تو انگریزوں یا انجمن اشاعت اسلام کی ملازمت کر کے منافق نہ ہوئے مگر قادیان کے احمدی صدر انجمن احمدیہ کی ملازمت کر کے اپنے ایمان کو سلامت نہ رکھ سکے۔ اگر صدر انجمن احمدیہ کی نوکری کرنے سے عقیدہ بھی بدل جاتا ہے تو پیغامیوں میں جتنے لوگ گورنمنٹ کے ملازم ہیں ان سب کے متعلق یہ سمجھا جانا چاہیئے کہ یہ سب عیسائی ہیں۔ کیونکہ مولوی محمد علی صاحب کے اس اصل کے مطابق یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ گورنمنٹ کے ملازم ہو کر انہوں نے اپنے ایمان کو محفوظ رکھا ہو۔

پھر میں کہتا ہوں مولوی محمد علی صاحب کو اپنا تجربہ بھی یاد ہونا چاہیئے۔ اب تو قادیان کی آبادی کا ایک کثیر حصہ ایسا ہے جو صدر انجمن احمدیہ کا ملازم نہیں مگر جب مولوی محمد علی صاحب قادیان میں رہتے تھے تو یہاں کے اسّی فی صد انجمن کے نوکر یا ان نوکروں سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ اور مولوی محمد علی صاحب کو یاد ہوگا کہ باوجود اس کے کہ وہی سیکرٹری تھے اور باوجود اس کے کہ خزانہ اُن کے پاس تھا، قادیان کے لوگوں نے مولوی صاحب کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ جب ایمان کا معاملہ آیا تو انہی قادیان والوں نے جس طرح مکھی کو دودھ سے نکال کر باہر پھینک دیا جاتا ہے، اسی طرح انہوں نے مولوی محمد علی صاحب کو نکال کر باہر کر دیا۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جن کے مال اور جن کی جانیں اسی طرح مولوی محمد علی صاحب کے قبضہ میں تھیں جس طرح اب وہ ہمارے متعلق کہتے ہیں کہ ہمارے قبضہ میں لوگوں کے مال اور ان کی جانیں ہیں اگر اس وقت قادیان والوں نے ایمان کے معاملہ میں کسی قسم کی کمزوری نہیں دکھائی تو اب وہ کس طرح خیال کر سکتے ہیں کہ قادیان کے رہنے والے ایمان کے معاملہ میں کمزوری دکھاتے اور منافقت سے کام لیتے ہیں۔ ان کو تجربہ ہے کہ قادیان والوں نے اپنے ایمان کو فروخت نہیں کیا

تھا بلکہ جب انہیں معلوم ہوا کہ اب دین اور ایمان کا سوال پیدا ہو گیا ہے تو انہوں نے مقابلہ کیا اور اس بات کی انہوں نے کوئی پروا نہ کی کہ وہ صدر انجمن احمدیہ کے ملازم ہیں۔ پھر میں مولوی محمد علی صاحب سے کہتا ہوں۔ مولوی صاحب! آپ بھی قادیان کی نوکری کرتے رہے ہیں۔ کیا اس وقت آپ کا ایمان بگڑا ہوا تھا یا سلامت تھا۔ آپ تو اس وقت اڑھائی سو روپیہ ماہوار تنخواہ لیا کرتے تھے جن پر آپ اعتراض کر رہے ہیں ان میں سے اکثر تو بیس تیس چالیس لینے والے ہیں مگر آپ اڑھائی سو روپیہ ماہوار وصول کیا کرتے تھے۔ پس آپ بتائیں کہ آپ کے اعتقاد کا اس وقت کیا حال تھا؟

پھر ہمارے اعتقادات کے بدلنے کا تو اُن کے پاس کوئی ثبوت نہیں مگر مولوی محمد علی صاحب کے متعلق ہمارے پاس اس بات کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ جب تک وہ قادیان سے اڑھائی سو روپیہ ماہوار تنخواہ لیتے رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی کہتے کہتے ان کی زبان خشک ہوتی تھی۔ مگر جب وہ اڑھائی سو روپیہ ماہوار ملنے بند ہو گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجدد کہنے لگ گئے۔ جس شخص کے ایمان کا یہ حال ہو کہ وہ اڑھائی سو روپیہ کے بدلے کسی کو نبی کہنے کے لئے تیار ہو جائے اور عدالتوں میں قسمیں کھا کھا کر کہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی تھے اُسے یہ کس طرح زیب دیتا ہے کہ وہ دوسروں پر طعنہ زنی کرے۔ پھر جس شخص کو اس دن کی روٹی بھی اسی ترجمہ کے طفیل ملی ہو جو اُس نے قادیان میں بیٹھ کر اور جماعت احمدیہ سے تنخواہ پا کر کیا تھا اس کو کب یہ زیب دیتا ہے کہ وہ قادیان والوں کی عیب چینی کرے۔ حالانکہ اُس نے اُس روز صبح کو جو ناشتہ کیا تھا وہ بھی اسی ترجمہ کے طفیل تھا جو اُس نے قادیان میں باقاعدہ تنخواہ لے کر کیا۔ اور اس نے اس روز جو روٹی کھائی تھی وہ بھی اسی ترجمہ کے طفیل تھی جو اس نے قادیان میں تنخواہ پر کیا اور اس نے اس روز جو کپڑے پہنے تھے وہ بھی اسی ترجمہ کے طفیل تھے جو اس نے قادیان میں تنخواہ پا کر کیا۔ کیونکہ اس کا کون انکار کر سکتا ہے کہ جس ترجمہ کے کمشن پر مولوی صاحب کا گذارہ ہے وہ ترجمہ مولوی صاحب نے اپنے گھر سے کھا کر نہیں کیا بلکہ صدر انجمن احمدیہ سے تنخواہ لے کر اور اس کی خریدی ہوئی لائبریری کی مدد سے کیا تھا۔ (جس لائبریری کو وہ بعد میں دھوکا دے کر کہ میں چند روز کے لئے لے جاتا

ہوں غصب کر بیٹھے ہیں) ایسا انسان بھلا کس مونہہ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ قادیان والے منافق ہیں۔ مولوی صاحب نے شاید سمجھا ہوگا کہ باہر والے اتنے کمزور ہیں کہ جب وہ یہ سُنیں گے کہ قادیان والوں کو انہوں نے اصل جماعت احمدیہ قرار نہیں دیا ہے بلکہ اصل جماعت احمدیہ باہر کے رہنے والوں کو قرار دیا ہے تو وہ خوش ہو جائیں گے۔ مگر یہ ان کی غلطی ہے۔ ان سے پہلے اور بھی بعض لوگ اس قسم کی باتوں سے تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ چنانچہ مدینہ میں ایک شخص نے ایک دفعہ انصار اور مہاجرین میں تفرقہ پیدا کرنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنۡفَضُّوۡا (المنافقون ۱ : ۱۳) ارے یہ لوگ روٹیاں کھانے کے لئے یہاں بیٹھے ہیں۔ تم ذرا ان کی روٹیاں تو بند کر دو پھر دیکھو گے کہ کس طرح یہ لوگ یہاں سے بھاگ نکلتے ہیں۔ مگر جانتے ہو کہ یہ بات کہنے والے کا کیا حشر ہوا۔ اسی کا بیٹا حضرت رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کے فعل پر لعنت ڈالی۔

پس مولوی محمد علی صاحب کو بھی یاد رہے کہ ان کا یہ حملہ جو انہوں نے قادیان کی جماعت احمدیہ پر کیا ہے اس سے باہر کے لوگ خوش نہیں ہوں گے بلکہ باہر کی جماعتیں خود اس حملہ کا جواب دیں گی اور وہ ان کی تائید نہیں کریں گی بلکہ اُن کے اس دعوے کی پُر زور تردید کریں گی۔ کیونکہ ان کا اخلاص اس بات کا تقاضا کرتا ہے اور اُن کے دل اس حسرت سے پُر ہیں کہ کاش انہیں بھی قادیان میں رہنے کی توفیق ملتی۔ وہ قادیان میں آنے کو نفاق نہیں سمجھتے بلکہ ایمان اور اخلاص کی علامت سمجھتے ہیں“ [۱]

یہ اعلان چونکہ بیرونی مخلصین احمدیت کے دلوں کا ترجمان اور ان کی قلبی کیفیت کا آئینہ دار تھا اس لئے جونہی حضرت امیرالمومنین کی آواز اُن کے کانوں تک پہنچی انہوں نے مولوی محمد علی صاحب کے رویہ کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا [۲] اور ریزولیوشن پاس کر کے قادیان کے احمدیوں کی فضیلت کا اقرار کیا۔ اس سلسلہ میں انبالہ کی

---

[۱] ”الفضل“ ۲۱ رفتح / دسمبر ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۵، ۶، ۷ ۔

[۲] حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں :- ”مولوی صاحب کے یہ الفاظ جب شائع ہوئے تو یہاں کے لوگوں نے ان کے خلاف احتجاج کے لئے جلسہ کرنا چاہا اور مجھ سے اس کے لئے اجازت طلب کی۔ مگر میں نے کہا۔ ہرگز نہیں یہ حملہ تم پر ہوا ہے۔ پس یہ بات وقار کے خلاف ہے کہ تم ہی اس کا جواب بھی دو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن مومن بھائی ہوتے ہیں جب ایک پر حملہ ہو تو دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اس وقت باہر کی جماعتوں کے اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کا جواب دیں اور تم چپ رہو۔ ہاں جب ان پر حملہ ہو تو اس وقت تمہارا فرض ہے کہ جواب دو“ (”الفضل“ ۱۶ رصلح / جنوری ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۵) ۔

جماعت اوّل نمبر پر آئی جس نے سب سے پہلے تار دیا کہ وہ مولوی صاحب کے اس حملہ کو بُری نظر سے دیکھتے اور اس کی مذمت کرتے ہیں۔ اسی طرح مجوکہ ضلع سرگودھا کے ایک احمدی نے حقیقی مومنانہ جذبہ دکھایا۔ اور نہایت معقول رنگ میں جواب دیا۔ انہوں نے لکھا کہ مولوی محمد علی صاحب اس بات پر مُصر ہیں کہ مَیں باہر کی جماعتوں کو اپنی تقریر سُنانا چاہتا ہوں۔ ان کے دل میں یہ وہم ہے کہ باہر کے لوگ چونکہ عموماً ناخواندہ ہوتے ہیں اس لئے ممکن ہے قادیانی جماعت کا ساتھ چھوڑ دیں۔ مگر مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے مَیں موضع مجوکہ ضلع سرگودھا کا رہنے والا ہوں۔ اس علاقہ کی جماعتیں آپ کے عقیدہ سے خوب واقف ہیں۔ مَیں ان جماعتوں کے متعلق قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اگر سُورج بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہونے لگے تو بھی وہ ہرگز ہرگز حضرت امیرالمومنین کا پاک دامن چھوڑنے والی نہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء پر جماعت انبالہ کی اوّلیت کا ذکر کیا اور مجوکہ کے احمدی کے اس جواب پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "یہ جواب ہے تو بہت سادہ مگر ایمان کا نہایت عمدہ مظاہرہ ہے"[1]

بیرونی جماعتوں نے محض اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ باہر سے قرار دادیں بھجوا دیں۔ بلکہ انہوں نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء کے اجلاس اوّل (منعقدہ ۲۶ فتح/دسمبر) میں جبکہ وہ ہزاروں کی تعداد میں جمع تھیں حسب ذیل قرارداد پاس کی:۔

"مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبائعین کا مطالبہ کہ ان کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر تقریر کرنے کی اجازت دی جائے حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا جائے۔ بیرونی جماعتوں میں سے کوئی بھی ان کا لیکچر سُننا نہیں چاہتی۔ چونکہ انہوں نے ہمارے مقدس اور جان سے پیارے امام حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور جماعت قادیان دارالامان کی جس کو تمام جماعتیں سب سے بہتر و افضل جماعت یقین کرتی ہیں سخت ہتک کی ہے اس لئے وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کو اس سٹیج پر بولنے کی اجازت دی جائے۔ ہم میں سے کوئی شخص بھی ان کی بات سننے کے لئے طیار نہیں"

یہ قرارداد ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بی اے، ایل ایل بی نے پیش کی اور متفقہ طور پر پاس کی گئی۔[2] اب بیرونی احمدی جماعتوں کے جذبات وخیالات کا پوری طرح اظہار ہو چکا تھا اور مولوی محمد علی صاحب

---

[1] "الفضل" ۱۶ صلح/جنوری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۵۔
[2] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۳۔

کی گہری تدبیر جو انہوں نے ان جماعتوں کو خوش کرکے مرکزِ احمدیت سے بدظن کرنے کے لئے کی تھی پوری طرح ناکام ہو چکی تھی مگر اس کے باوجود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اگلے دن اپنی تقریر کے دوران دوبارہ تمام حاضرین سے رائے طلب کی کہ

"اگر آپ لوگ جلسہ کے موقعہ پر ان کی تقریریں سننا چاہتے ہیں تو بتا دیں۔ مَیں کل کا دن انہیں دے سکتا ہوں اور ابھی تار دے کر ان کو بُلا لیتا ہوں" [1]

یہ سُن کر جلسہ میں شامل سب احباب نے بالاتفاق کہا کہ ہم ان کی کوئی بات نہیں سُننا چاہتے۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح نے فرمایا :-

"اگر جماعت سُننا نہیں چاہتی تو ہم نے کونسا اُن کا قرض دینا ہے کہ اُن کو ضرور موقعہ دیں اور اس طرح سال میں تین دن قادیان میں گذارنے اور میری اور سلسلہ کے علماء کی تقریریں سُننے کا جو موقعہ دوستوں کو ملتا ہے وہ ان کی نذر کر دیں"

پھر فرمایا :-

"یہ وہی چالاکی ہے جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے زمانے میں مہاجرین اور انصار کو باہم لڑانے کے لئے منافقین کیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب نے سمجھا یہ جماعت بیوقوف ہے۔ جب مَیں کہوں گا کہ قادیان کی جماعت تو اصل جماعت نہیں تو باہر والے خوش ہوں گے اور کہیں گے کہ مولوی صاحب نے ہماری تو تعریف کر دی ہے۔ لیکن انہیں پتہ نہیں کہ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اس دھوکے میں آنے والی نہیں اور ہمارے دوست انہیں خوب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدت را مے شناسم

یعنی تم خواہ کسی قسم کا لباس پہن کر آؤ مَیں چال سے اور قد کے انداز سے سمجھ جاتا ہوں کہ کون ہوگا" [2]

---

[1] "الفضل" ۱۶؍صلح/جنوری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۴۔
[2] " " " " ۔

سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں حضرت امیر المومنین کا خطاب

سالانہ جلسہ پر اللہ تعالیٰ کے بہت سے افضال کا نزول ہوا جن میں سے ایک نمایاں فضل یہ تھا کہ اگرچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی صحت بیماری اور کام کی وجہ سے بہت کمزور تھی مگر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف معجزانہ طور پر حضور کو سالانہ جلسہ پر حسب دستور ایمان افروز تقاریر کرنے کی طاقت بخشی بلکہ جہاں گذشتہ سالوں میں ان ایام کی مصروفیات کے باعث کھانسی کا شدید حملہ ہو جاتا تھا وہاں اس سال اس تکلیف میں نمایاں کمی واقع ہو گئی۔ چنانچہ حضور نے ۳؍صلح/جنوری ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء کو خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے باوجود اس کے کہ میری طبیعت جلسہ سے قبل بیماری اور کام کی زیادتی کی وجہ سے بہت ضعیف تھی اور میں اپنے نفس میں سمجھتا تھا کہ غالباً میں جلسہ کے موقع پر اس حد تک بھی تقریریں نہ کر سکوں گا جس حد تک کہ پہلے کیا کرتا تھا۔ اور دوسرے کاموں میں بھی غالباً کمی کرنی پڑے گی۔ مگر اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ کسی کام میں کوئی کمی نہیں کرنی پڑی۔ بلکہ پہلے جلسوں کے بعد میں جس قدر کوفت محسوس کیا کرتا تھا۔ اس سال اس سے بہت کم کوفت محسوس ہوئی۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا جلسہ آیا ہی نہیں۔ بلکہ کئی لحاظ سے میں اس وقت اپنی طبیعت کو جلسہ سے پہلے کی نسبت بہت بہتر پاتا ہوں۔ گویا ایک قسم کا علاج ہو گیا۔ بے شک جلسہ کے بعد کھانسی ضرور ہوئی ہے مگر یہ کھانسی حلق کی معلوم ہوتی ہے اور اس کھانسی سے ضعف نہیں ہوتا۔ اور پھر پہلے سالوں کی نسبت اس سال کھانسی میں بھی کمی ہی رہی ہے۔ گو دو چار روز قبل کھانسی کچھ زیادہ تھی مگر کل نہیں اٹھی۔ آج کچھ کچھ اُٹھ رہی ہے۔ مگر اس دفعہ کا حملہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں جو پہلے سالوں میں جلسہ کے بعد ہوا کرتا تھا۔ پہلے تو جلسہ کے بعد ایسی شدید کھانسی ہوا کرتی تھی کہ مجھے رات کے ایک ایک دو دو بجے تک بستر میں بیٹھ کر وقت گذارنا پڑتا تھا۔ اور نیند نہیں آتی تھی۔ اس سال گو صبح شروع ہوتی ہے مگر دس بجے تک ہٹ جاتی ہے۔ اور پھر شام کو کچھ شروع ہو کر سونے کے وقت تک رُک جاتی ہے۔ اس کے علاوہ سردی لگنے کی وجہ سے متلی کی بھی کچھ شکایت ہوئی اور جگر کی خرابی کا کچھ دورہ ہوا۔ مگر مجموعی لحاظ سے اور توقع کے بالکل خلاف میری طبیعت بہت اچھی رہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسی نصرت کی ہے کہ کام بھی ہو گیا اور طبیعت میں بھی کوئی خرابی نہیں ہوئی۔ بلکہ طبیعت پہلے کی نسبت اچھی ہے۔ اس میں

کچھ دخل ایک اَور بات کا بھی ہے مگر وہ بھی خدا تعالےٰ کا فضل ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ مَیں ہمیشہ عام طور پر جلسہ کی تقریروں کے نوٹ دوران جلسہ میں لیا کرتا ہوں۔ چونکہ فرصت نہیں ہوتی اس لئے میرا قاعدہ ہے کہ سفید کاغذ تہہ کرکے جیب میں رکھ لیا کرتا ہوں اور دوسرے کاموں کے دوران میں جو وقت مل جائے اس میں کاغذ نکال کر نوٹ کرتا رہتا ہوں۔ مثلاً ڈاک دیکھ رہا ہوں۔ دفتر والے کاغذات پیش کرنے کے لئے لانے گئے اور اس دوران میں مَیں نوٹ کرنے لگ گیا یا نماز کے لئے تیاری کی۔ سُنّتیں پڑھیں اور جماعت تک جتنا وقت ملا اس میں نوٹ کرتا رہا۔ اس طرح یہ تیاری پندرہ سولہ ستمبر سے شروع کر دیتا تھا۔ اور قریباً ۲۲۔ ۲۳؍ دسمبر تک کرتا رہتا تھا اور اس کے بعد دوسرے کاموں سے فراغت حاصل کرکے نوٹوں کی تیاری میں لگ جاتا۔ ان کو درست کرکے لکھنے کا کام مَیں بالعموم ۲۷۔ ۲۸ کو کرتا۔ اور اس کے لئے وقت انہی تاریخوں میں ملتا تھا۔ اس وجہ سے طبیعت میں کچھ فکر بھی رہتا تھا کہ صاف کرکے لکھ بھی سکوں گا یا نہیں۔ لیکن اس دفعہ قرآن کریم کی تفسیر کا کام رہا اور اس کے لئے وقت نہ تھا۔ ۲۲؍ کی شام کو ہم تفسیر کے کام سے فارغ ہوئے۔ ۲۳؍ کو بعض اَور کام کرنے تھے' وہ کئے۔ ۲۴؍ کی شام کو نوٹوں کا کام شروع کیا اور فکر تھا کہ یہ کس طرح کروں گا۔ مگر اللہ تعالےٰ کا ایسا فضل ہوا کہ نوٹوں کی تیاری میں بہت آسانی ہوگئی حوالے وغیرہ بہت جلد جلد ملتے گئے اور ۲۵؍ کی شام کو تینوں لیکچروں کے نوٹوں سے مَیں فارغ ہو چکا تھا یہ بھی ایک وجہ ہے کہ مجھے زیادہ کوفت نہیں ہوئی۔ کیونکہ زیادہ محنت نہ کرنی پڑی۔ اگر مضمون پیچیدہ ہو جاتا تو مجھے زیادہ محنت کرنی پڑتی اور پھر بوجھ بھی زیادہ محسوس ہوتا اور تکلیف ہوتی مگر اللہ تعالےٰ نے اس سے بچا لیا" [1]

حضرت امیر المومنین کی تقریر کا ذکر اخبار "سٹیٹسمین" میں

دہلی کے مشہور اخبار "سٹیٹسمین" نے اپنی ۲۹؍ دسمبر ۱۹۴۰ء کی اشاعت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی سالانہ جلسہ کی ایک تقریر (فرمودہ ۲۷؍ دسمبر ۱۹۴۰ء) کی حسب ذیل رپورٹ شائع کی:۔

"قادیان ۲۸؍ دسمبر۔ آج جماعت احمدیہ کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے فرمایا کہ دنیا اس وقت نہایت ہی نازک دَور میں سے گذر رہی ہے

---

[1] "الفضل" ۱۴؍ صلح/جنوری ۱۳۲۰ ہش/ ۱۹۴۱ء صفحہ ۱۔۲

اور ابھی اَور نازک دَور آنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ انسانیت کی موجودہ مشکلات اور دکھوں میں ایک نیا نظام پیدا ہوگا جو موجودہ نظام سے بہت مختلف اور اس سے بہت بہتر ہوگا۔ تقریر کے دوران میں آپ نے جماعت کی تعمیری سرگرمیوں نیز اندرونی مخالفین کی شرارتوں اور بیرونی دشمنوں کے حملوں پر بھی تبصرہ کیا اور آئندہ سال کے لئے ایک عملی پروگرام جماعت کے سامنے رکھا حکومت کے ساتھ جماعت کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ قادیان میں سکھوں کی کانفرنس کے موقعہ پر جو سلوک ہم سے کیا گیا ہم اُسے سخت ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے جماعت کو سادہ زندگی اختیار کرنے کی تاکید فرمائی اور نوجوانانِ جماعت سے پُرزور اپیل کی کہ وہ اسلام کی خدمت کے لئے میدان میں نکلیں۔ آپ نے عورتوں کے جلسہ میں بھی تقریر کی جو لجنہ اماء اللہ کے زیر اہتمام ایک علیحدہ پنڈال میں منعقد ہوا" [1]

مختلف مذاہب اور مختلف فرقوں کے معززین کی سالانہ جلسہ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں شرکت

حسب معمول اس سال بھی غیر احمدی اور غیر مسلم معززین نے سالانہ جلسہ میں شرکت کی۔ ایسے اصحاب کی تعداد دو سو کے قریب تھی۔ اکثر نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض سے شرف ملاقات بھی حاصل کیا اور مقامات مقدسہ دیکھے۔ ذیل میں بعض چیدہ اصحاب کے نام درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) مسٹر ولفریڈ سی سمتھ آف ٹورنٹو سٹی کینیڈا۔ امریکہ۔ جو سینٹ جان کالج کیمبرج انگلستان کے طالب علم تھے اور "اسلام میں نئی مذہبی اور نیم مذہبی تحریکات" پر مضمون تیار کر رہے تھے۔

(۳-۲) مسٹر دلتے جال صاحب آف چیکوسلواکیہ مع اہلیہ صاحبہ

(۵-۴) مسٹر بامک صاحب آف چیکوسلواکیہ مع اہلیہ صاحبہ

(۶) رائے صاحب لالہ نتھو لال صاحب پوری۔ پی۔سی۔ایس (ریٹائرڈ) وزیر ریاست شاہ پورہ (راجپوتانہ)

(۷) پنڈت راجندر کشن صاحب کول سب جج درجہ اوّل لائل پور۔

(۸) لالہ کرم چند صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی پلیڈر کانگڑہ

(۹) لالہ اوم پرکاش صاحب امپیریل سکرٹریٹ دہلی۔

---

[1] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۴۔

(۱۰) مسٹر انیس احمد صاحب عباسی ایڈیٹر روزنامہ "حقیقت" لکھنؤ۔

(۱۱) چودھری عنایت علی صاحب آنریری مجسٹریٹ گوجرانوالہ۔

(۱۲) خانصاحب میاں مراد بخش صاحب آنریری مجسٹریٹ جلال پور بھٹیاں ضلع گوجرانوالہ

(۱۳) چودھری محمد نواز خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ رسول پور ضلع گوجرانوالہ۔

(۱۴) پنڈت نگیندر موہن پرشاد صاحب تیوری جج ریاست جے پور۔

(۱۵) ملک علی بہادر خاں صاحب آف گوٹھی آوان ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع گوجرانوالہ۔

(۱۶) چودھری اکرام اللہ خانصاحب رئیس ایمن آباد۔

(۱۷) لفٹیننٹ کرتی سنگھ اہلو والیہ آف پیٹھانکوٹ ڈائرکٹر واہ سیمنٹ کمپنی۔

(۱۸) سردار منظور احمد خانصاحب تمندار د آنریری مجسٹریٹ کوٹ قیصرانی ضلع ڈیرہ غازیخاں۔

(۱۹) چودھری فیض علی خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ و جاگیردار ضلع گوجرانوالہ

ان کے علاوہ بہت سے معزز غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب، آنریبل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کوٹھی بیت الظفر میں فروکش تھے جن میں سے بعض کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:۔

(۲۰) ملک غلام محمد صاحب[۱] کنٹرولر جنرل پرچیز دہلی

(۲۱) مسٹر زاہد حسین صاحب[۲] فنانشل ایڈوائزر سپلائی ڈیپارٹمنٹ دہلی

(۲۲) اے۔کے ملک آئی۔سی۔ایس انڈین سٹورز ڈیپارٹمنٹ دہلی

(۲۳) خان بہادر ڈاکٹر عبدالحمید صاحب بٹ اسسٹنٹ ڈائرکٹر پبلک ہیلتھ پنجاب۔

(۲۴) خان بہادر راجہ اکبر علی صاحب دہلی۔

(۲۵) شیخ محمد تیمور صاحب وائس پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور۔

(۲۶) باوا جھنڈا سنگھ صاحب ریٹائرڈ سب جج امرتسر

(۲۷) مسٹر فضل الرحمٰن صاحب شریف امرتسر۔

(۲۸) مسٹر مظہر شریف صاحب ایم۔اے امرتسر۔

---

[۱] آپ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۱ء سے ۶ر اگست ۱۹۵۵ء تک پاکستان کے گورنر جنرل رہے۔

[۲] گورنر بنک دولت پاکستان۔

(۲۹) خاں بہادر میاں غلام قادر محمد شعبان صاحب ایم۔ایل۔اے سنٹرل کراچی۔

(۳۰) مسٹر شونڈر بہادر سہگل حیدر آباد دکن۔

(۳۱) لالہ کرم چند صاحب ایڈیٹر "پارس" لاہور۔

(۳۲) مسٹر اے۔کے مشتاق صاحب حیدر آباد دکن۔

(۳۳) میاں محمد رشید صاحب آسٹریلین دواخانہ (لاہور)

(۳۴) بخشی جانن شاہ صاحب لاہور۔

(۳۵) شیخ لائق علی صاحب سینئر سب جج امرتسر۔

(۳۶) چودھری عبدالکریم صاحب آنریری مجسٹریٹ لاہور۔

(۳۷) شیخ عبدالعزیز صاحب امرتسر۔

(۳۸) شیخ عبدالرشید صاحب امرتسر۔

(۳۹) رفعت پاشا صاحب امرتسر[۱]

سالانہ جلسہ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد ۱۳۱۹ھش/۱۹۴۰ء کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر جو اصحاب سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دست مبارک پر بیعت کر کے داخل احمدیت ہوئے ان کی تعداد تین سو چھیاسی (۳۸۶) تھی۔ جن میں ۱۹۹ مرد اور ۱۸۷ خواتین تھیں۔[۲]

فصل ہشتم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال اس سال سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعدد جلیل القدر صحابہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ ان کے نام مع مختصر حالات کے

---

[۱] پہلے سرگودھا ڈویژن کے کمشنر رہے۔ اس کے بعد ملتان ڈویژن کے کمشنر بنے اور اب ریونیو بورڈ حکومت مغربی پاکستان کے ممبر ہیں۔ (روزنامہ "الفضل" قادیان۔ یکم صلح/جنوری ۱۳۲۰ھش/۱۹۴۱ء)

[۲] "الفضل" ۲ صلح/جنوری ۱۳۲۰ھش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

درج ذیل کئے جاتے ہیں :-

۱۔ میاں خیر دین صاحب کھماچوں (ضلع جالندھر) وفات : امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء[۱]

۲۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب حلالپوری ۔ (زیارت مسیح موعودؑ : نومبر ۱۹۰۴ء بمقام لاہور بیعت تحریری : ۱۷ فروری ۱۹۰۸ء، دستی ۱۳ اپریل ۱۹۰۸ء ۔ وفات : ۸ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء)

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب سلسلہ احمدیہ کے ایک بلند پایہ عالم، بہت بڑے محقق، علوم شرقیہ کے ماہر، نہایت منکسر المزاج، طبیعت کے سادہ، دل کے غنی اور محبت و اخلاص کے مجسمہ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک کے آخری ایام میں قادیان آئے اور حضورؑ کے دست مبارک پر بیعت کرکے واپس چلے گئے۔ پھر ۱۹۰۹ء میں ہجرت کرکے مستقل طور پر قادیان میں رہائش پذیر ہو گئے۔ پہلے مدرسہ احمدیہ میں مدرس ہوئے۔ آخر میں جامعہ احمدیہ کے پروفیسر مقرر ہو کر ۱۹۳۹ء میں ریٹائر ہوئے[۲] ریٹائر ہونے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان کے سپرد دو اہم کام کئے :-

۱۔ مجاہدین تحریک جدید کی تعلیم و تربیت

۲۔ ترجمہ قرآن کریم کے لئے لغات کے حوالوں کی تخریج۔[۳]

حضرت مولوی صاحب بوڑھے ہو چکے تھے اور مسلول بھی تھے مگر آپ یہ دونوں کام آخر دم تک نہایت خوش اسلوبی سے نبھاتے رہے۔ آپ کی المناک وفات نے جماعت احمدیہ کے افراد کو عموماً اور علمی ذوق رکھنے والی شخصیتوں کو محسوس کرا دیا کہ جماعت سے صرف ایک عالم جدا نہیں ہوا بلکہ علوم کا ایک سورج اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا ہے۔ چنانچہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب[۴]، حضرت مفتی محمد صادق صاحب[۵]، مولانا ابو العطاء صاحب[۶] اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب[۷] نے آپ کے علم و فضل اور اخلاق و شمائل کی نسبت درد و گداز سے ڈوبے ہوئے مضامین لکھے اور شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ اور حضرت مولانا ذوالفقار علیخان صاحب گوہر نے آپ کی یاد میں مرثئے کہے۔[۸]

---

۱ "الفضل" ۷ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۔

۲ " ۱۲ " " صفحہ ۴۔

۳ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۸۔

۴-۵ "الفضل" ۱۲ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۴ و صفحہ ۵۔

۶ " ۱۵ " " صفحہ ۶۔ ۷ "الفضل" ۱۹ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۳۔

۸ "الفضل" ۱۹ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش صفحہ ۲، "الفضل" ۲۲ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۴۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کے شاگردوں کا سلسلہ بہت وسیع تھا۔ آپ نے ایک بیش بہا لٹریچر اپنے پیچھے بطور یادگار چھوڑا۔ آپ کی مشہور تالیفات و تصنیفات حسب ذیل ہیں:۔

تنویر الابصار ۔ نشانِ رحمت ۔ تبدیلی عقائد مولوی محمد علی صاحب ۔ درود شریف ۔ محامد خاتم النبیین ۔ اہلِ پیغام کے بعض خاص کارنامے ۔ تعلیمات مسیح موعود درباره درود شریف ۔ میرا عقیدہ درباره نبوت مسیح موعود ۔ تبدیلی عقیدہ کے جواب الجواب ۔ احمدی لڑکی کا رشتہ ۔ اہلِ پیغام کا کچا چٹھا۔[1]

۳۔ قاضی تاج الدین صاحب (وفات ۱۶ مارچ ۱۹۴۰ء بعمر ۷۷ سال) حضرت قاضی کرم الٰہی صاحب کے چھوٹے بھائی اور قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے حال پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے چچا تھے۔[2]

۴۔ حضرت شیخ میاں فقیر علی صاحب برادر حضرت حافظ حامد علی صاحب بقہ غلام نبی۔

(وفات ۲۷ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء بعمر نوے[90] سال)[3]

قدیم صحابہ میں سے تھے۔ پہلی بار آپ ۱۸۹۲ء کے سالانہ جلسہ پر شامل ہوئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضرین جلسہ کی فہرست میں آپ کا نام ۱۵۶ نمبر پر درج فرمایا۔[4] اس کے علاوہ جلسہ احباب (منعقدہ ۲۰ تا ۲۲ جون ۱۸۹۷ء) میں بھی آپ کی شرکت ثابت ہے۔[5] آپ بقہ غلام نبی میں فوت ہوئے۔ اور موضع بازید چک میں دفن کئے گئے۔[6]

۵۔ مہر اروڑا صاحب سیالکوٹ (وفات ۲ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء بعمر ننانوے سال)[7]

۶۔ حضرت ماسٹر عبدالرؤف صاحب بھیروی (تاریخ پیدائش اپریل ۱۸۷۷ء، بیعت: ۱۸۹۸ء، وفات ۱۰ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء بعمر ۷۰ سال)[8]

---

[1] کتابچہ "وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ" صفحہ ۳۳، ۳۴ مرتبہ مکرم عبدالعظیم صاحب درویش قادیان مینجر احمدیہ بکڈپو قادیان۔

[2] "الفضل" ۱۹ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[3] "الفضل" ۱۰ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

[4] "آئینہ کمالات اسلام" صفحہ ۶۲۲۔

[5] ملاحظہ ہو اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بعنوان "جلسہ احباب" صفحہ ۳۰۶ (روحانی خزائن جلد ۱۲)۔ نوٹ:۔ تبلیغ رسالت جلد ششم میں "جلسہ احباب" کے مہمانوں کی فہرست حذف کر دی گئی ہے۔

[6] "اصحاب احمد" جلد سیزدہم صفحہ ۸۸ (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے)۔

[7] "الفضل" ۵ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱۔

[8] "الفضل" ۱۲ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

مئی ۱۸۹۹ء سے لے کر دسمبر ۱۹۰۲ء تک مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان میں مدرس رہے۔ ۱۹۰۳ء و ۱۹۰۴ء میں پہلے خانصاحب عجب خاں صاحب تحصیلدار کے ہاں اور پھر حضرت سید ناصر شاہ صاحب کے ہاں قیام کیا۔ ۱۹۰۵ء میں واپس قادیان تشریف لے آئے۔ ۱۹۰۶ء کے آغاز سے پھر تعلیم الاسلام سکول کی خدمت پر بطور کلرک دوم اور بالآخر ہیڈ کلرک بن کر ۲۷ نومبر ۱۹۲۷ء کو پنشن یاب ہوئے۔[۱]

۷۔ ابو اکمل حضرت مولوی امام الدین صاحبؓ گجراتی (ولادت: نومبر ۱۸۵۱ء، بیعت: ۱۸۹۷ء، وفات: ۱۲/۱۳ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء بعمر اکانوے سال)[۲]

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے آپ کے انتقال پر لکھا کہ

"حضرت مولانا صاحب ایک جید عالم اور عارف تھے اور حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر ایک عالمانہ و عارفانہ یقین کے ساتھ نہایت پختگی سے قائم تھے۔ پہلے گولیکی میں رہائش تھی پھر ہجرت کر کے قادیان چلے آئے اور یہاں متفرق کلاس میں اور اس کے علاوہ بھی مولوی فاضل کلاس اور اس کے اوپر دینیات کی جماعت کے طلباء کو پڑھانے میں مصروف رہتے تھے۔ باوجود پیرانہ سالی اور ضعیفی کے ہر نماز باجماعت ادا کرتے اور باقاعدگی سے تہجد پڑھتے۔ آپ صاحب کشف و الہامات تھے"[۳]

۸۔ چوہدری نواب خاں صاحب آف گھٹیالیاں (ضلع سیالکوٹ)
(وفات: ۱۲ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء)[۴]

۹۔ چوہدری محمد اسمٰعیل خاں صاحب نمبردار و صدر جماعت احمدیہ بگول ضلع گورداسپور (بیعت: ۱۹۰۴ء، وفات ۲۳ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء)

احمدیت کے شیدائی اور نہایت عابد و زاہد انسان! جن کی تبلیغ سے بگول، بھیر وچیچی، گھوڑیواہ، شیں بھٹی، جلال پور اور بھٹیاں میں کئی لوگوں نے احمدیت قبول کی۔ پروفیسر ناصر الدین عبد اللہ، وید بھوشن

۱۔ مزید تفصیل حضرت ماسٹر عبد الرؤف صاحبؓ کا مضمون مطبوعہ "الحکم" ۷، ۲۱ اپریل ۱۹۳۹ء میں ملاحظہ ہو۔
۲۔ "الفضل" ۱۶ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
۳۔ "الفضل" ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۲۷ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۴ تا ۶، نیز "الفضل" ۱۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔
۴۔ "الفضل" ۱۰ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔

کادیہ تیرتھ پروفیسر جامعہ احمدیہ کے والد) اوائل عمر میں کٹر عیسائی ہو گئے تھے بلکہ اسلام کے خلاف دو کتابیں بھی لکھیں۔ حتیٰ کہ اپنے بیٹے (ناصر الدین عبداللہ صاحب) کو مشن کالج میں تعلیم دلا کر عیسائیت کا مُناد بنانے کا مصمم ارادہ کر چکے تھے۔ چوہدری محمد اسماعیل صاحب کو پتہ چلا تو آپ ناصر الدین عبداللہ صاحب کو (جو ٹیمری پاس کر چکے تھے) قادیان لے گئے۔ اگلے روز اُن کے والد بھی قادیان پہنچ گئے۔ جنہیں چودھری صاحب نے اس رنگ میں تبلیغ کی کہ وہ عیسائیت چھوڑ کر پرجوش احمدی ہو گئے۔

چودھری صاحب موصوف کو تبلیغ کا گویا ایک جنون سا تھا۔ آپ جس افسر کے پاس تشریف لے جاتے، سرکاری کام کرنے کے بعد اُسے ضرور حق کا پیغام پہنچاتے تھے۔[۱]

۱۰- سردار محمد علی صاحب ساکن جوڑہ کرنانہ ضلع گجرات (مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب کے داداجان کے بھائی)[۲]

تاریخ بیعت: ۲۱ر اپریل ۱۹۰۲ء، وفات: ۲۵ر امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء۔ آپ ۱۹۰۲ء میں فوج میں بطور وٹرنری آفیسر مرٹھ چھاؤنی میں ملازم تھے تو کچھ عرصہ چکر وتہ پہاڑ پر آپ کو حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم کے ساتھ اکٹھا رہنے کا موقعہ ملا اور انہی کی بدولت آپ نے احمدیت قبول کی۔ آپ جماعت کی ہر تحریک کے چندوں میں باقاعدہ حصہ لیا کرتے تھے چنانچہ آپ کا نام منارۃ المسیح پر بھی کندہ ہے۔ آپ موصی تھے۔ آپ کی وصیت کا نمبر ۳۰۷۹/۲۹-۶-۱۲ء ہے۔ آپ کی نعش بعض وجوہات کی بناء پر قادیان نہ لائی جا سکی اور آپ کو اپنے گاؤں کے قبرستان میں بطور امانت دفن کر دیا گیا۔ بہشتی مقبرہ قادیان میں آپ کا یادگار کتبہ ۳۲۴ نمبر کے تحت نصب ہے۔ آپ مورخہ یکم اگست ۱۹۲۱ء کو پنشن حاصل کر کے اپنے وطن آ گئے اور تا وفات وہیں رہے۔ آپ کے گھر کے سامنے ایک مسجد ہے۔ شروع میں ایک دن ظہر کے وقت آپ اس مسجد میں تشریف لے گئے تو ایک مخالف نے اُن سے پانی کا لوٹا چھین لیا اور کہا کہ تم کافر ہو اس مسجد سے چلے جاؤ۔ چنانچہ اس کے بعد آپ اپنے مکان ہی پر نماز ادا کرنے لگے۔ پنشن پر آنے کے بعد آپ اٹھارہ سال زندہ رہے۔ اس عرصہ میں آپ ہر روز بلاناغہ صبح کی نماز کے بعد دو گھنٹہ تک اپنے دروازہ کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز میں احمدیت کی تبلیغ کیا کرتے تھے حالانکہ آپ عمر رسیدہ تھے اور قصبہ کے تمام لوگ مخالف تھے۔ آپ کے مکان ہی پر دوسرے احمدی اکٹھے ہو کر نماز پڑھتے اور جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے۔ وفات کے وقت عمر ۸۴ سال تھی۔

۱۱ چودھری محمد شفیع صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ۔ بیعت[۳] وفات ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء

۱۲- حاجی احمد الدین صاحب محلہ ناصر آباد۔ قادیان (وفات: احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)[۴]

۱۳- حضرت حافظ قاری غلام یٰسین صاحب (بیعت: ۱۸۹۷ء، وفات: ۲۲ر وفا/جولائی بعمر ۷۲ سال)[۵]

---

[۱] "الفضل" ۴ر ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲۔
[۲] "الفضل" ۵ر ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
[۳] " ۳۰ر " " صفحہ ۲۔
[۴] " ۲۲ر احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۳۔
[۵] " ۲۵ر وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۱۴۔ حضرت میاں معراج الدین صاحب عمرؓ

(بیعت: ۱۶ جولائی ۱۸۹۱ء وفات: ۲۸ وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء بعمر ۷۵ سال)[1]

مؤلف "لاہور تاریخ احمدیت" کی تحقیق کے مطابق شہر لاہور کے اصل باشندوں میں سے حضرت میاں چراغ دین صاحبؓ رئیس لاہور کے خاندان نے سب سے پہلے احمدیت قبول کی اور اس خاندان میں جو بزرگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں سب سے پہلے آئے وہ حضرت میاں معراج الدین صاحب عمرؓ تھے۔ جنہیں حضرت مولوی رحیم اللہ صاحبؓ کے فیض تربیت سے شناختِ حق کی توفیق ملی[2]۔ جیسا کہ خود ہی تحریر فرماتے ہیں:۔

"خاکسار مولوی رحیم اللہ مرحوم کے حق میں دُعا کرتا ہے کہ ان کی صحبت اور تربیت کے طفیل مجھے اس امام سے اس وقت میں بیعت کا شرف نصیب ہوا جبکہ آپ نے ابھی دعویٰ کا اعلان کیا تھا اور اس وقت میری عمر بھی بہت تھوڑی تھی"[3]

بیعت کے قدیم ریکارڈ سے تو یہانتک ثابت ہے کہ آپ حضرت مولوی رحیم اللہ صاحب سے بھی قریباً ڈیڑھ ماہ پہلے حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔ چنانچہ اس ریکارڈ میں جہاں آپ کی تاریخ بیعت ۱۶ جولائی ۱۸۹۱ء درج ہے وہاں حضرت مولوی رحیم اللہ صاحبؓ کی بیعت کا دن ۳۰ اگست ۱۸۹۱ء لکھا ہے[4]۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت میاں معراج الدین صاحبؓ کی مشہور تالیفات و مطبوعات یہ ہیں:۔

(۱) صداقت مریمیہ

(۲) واقعہ صلیب کے چشمدید حالات

(۳) تقویم عمری (۱۷۸۳ء سے ۱۹۰۷ء تک، ایک سو پچیس سال کی جنتری)

---

[1] "الفضل" ۳۰ وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

[2] "لاہور تاریخ احمدیت" صفحہ ۸۷ مولفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحبؓ فاضل (سابق سوداگرمل) طابع و ناشر شیخ عبدالشکور صاحب مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ لاہور (حال مکان نمبر ۵ گلی نمبر ۲۰ سلطان پورہ جناح پارک لاہور)

[3] "حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام مولف براہین احمدیہ کے مختصر حالات" مشمولہ براہین احمدیہ بار چہارم صفحہ ف

[4] "لاہور تاریخ احمدیت" صفحہ ۹۱ پر آپ کی بیعت کا یہ اندازہ درج ہے کہ "آپ نے حضرت میاں عبدالعزیز صاحب مغلؓ سے آٹھ دن پہلے کی تھی" مگر یہ صحیح نہیں ہے وجہ یہ کہ حضرت میاں عبدالعزیز صاحب مغلؓ کی تاریخ بیعت ۱۰ جنوری ۱۸۹۲ء ہے (ملاحظہ ہو بیعت کا قدیم رجسٹر)

علاوہ ازیں آپ نے اپریل ۱۹۰۶ء میں اپنے مطبع بدر لاہور سے براہین احمدیہ کے پہلے چار حصے شائع کئے اور حصہ اولی کے شروع میں اپنے قلم سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانحمری بھی لکھی جو اٹھانوے صفحات پر مشتمل تھی۔

۲۱ مارچ ۱۹۰۵ء کو اخبار "بدر" کے مالک و مدیر حضرت بابو محمد افضل صاحبؓ انتقال فرما گئے۔ تو اخبار حضرت میاں معراجدین صاحب عمرؓ نے خرید لیا جو آپ کے زیر انتظام "بدر" کے نام سے ۱۹۱۳ء تک برابر جاری رہا اور سلسلہ کی نہایت مخلصانہ خدمات انجام دیتا رہا۔

۱۵۔ حاجی میراں بخش صاحب قریشی محلہ فلوت انبالہ شہر

(بیعت: ۱۹۰۴ء / وفات: ۱۳/۱۴ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)

نہایت نیک طینت اور خوش اخلاق بزرگ تھے۔ جماعت کی ہر تحریک میں حصہ لیتے تھے۔ تبلیغ احمدیت کا بہت شوق تھا۔ مسجد احمدیہ انبالہ[1] جس کی زمین بابو عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ انبالہ نے دی تھی آپ ہی کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی۔

۱۳/۱۴ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کی درمیانی شب آپ اور آپ کی اہلیہ صاحبہ نہایت سفاکانہ رنگ میں شہید کر دیئے گئے۔ ملک محمد مستقیم صاحب وکیل نے "الفضل" ۲۰ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں اس المناک واقعہ کی تفصیل حسب ذیل الفاظ میں شائع کی:-

"مورخہ ۱۳، ۱۴ اگست کی درمیانی شب کے گیارہ بجے جبکہ آپ اور آپ کی اہلیہ اپنے مکان میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ پہلے حاجی صاحب مرحوم پر قاتلوں نے تیز چاقو سے حملہ کیا اور پسلی کے قریب ایک گہرا زخم لگایا۔ جس پر حاجی صاحب فوراً ہی جان بحق ہو گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اس ہیبت ناک واقعہ کو دیکھ کر ان کی اہلیہ کی آنکھ کھلی اور وہ شور مچا کر مدد حاصل کرنے کے لئے چھت پر چڑھنے لگی کہ سنگدل قاتلوں نے مرحومہ کو سیڑھیوں سے نیچے گرا لیا اور ایک دو وار میں ہی کام ختم کر دیا۔ چھوٹی بچی بعمر دس ماہ ان کی گود میں تھی۔ وہ اُن کے نیچے دب گئی اور ان کی لاش تڑپ کر ٹھنڈی ہو گئی۔ بوقت ملاحظہ ..... اُن کے جسم پر گہرے زخم آئے تھے اور جسم خون میں تر تھا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

[1] یہ مسجد محلہ پختہ باغ کے چوک میں واقع تھی۔

یہ سنسنی خیز خبر ہوا کی طرح شہر میں پھیل گئی اور صبح تک مردوں اور عورتوں کا تانتا لگ گیا۔ پولیس آگئی اور تفتیش شروع ہوئی۔ لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لئے سول ہسپتال بھیجا گیا اور واپسی پر جماعت احمدیہ نے ان لاشوں کا مطالبہ کیا۔ مگر ان کے نام نہاد رشتہ داروں نے کہا۔ کہ یا تو حاجی صاحب اور ان کی بیوی کی لاش کو فوراً قادیان لے جاؤ۔ ورنہ ہم ان کو بکس میں بطور امانت دفن نہیں کرنے دیں گے۔ مقامی پولیس نے بھی جماعت احمدیہ کی مدد نہ کی۔ چنانچہ مرحوم و مرحومہ کی لاشوں کو بلا بکس کے ہی سپرد خاک کر دیا۔" [1]

۱۶۔ میاں سندھی شاہ صاحب ساکن بنگہ (تحصیل نوانشہر دوآبہ ضلع جالندھر)

(وفات: ۱۹ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء بعمر ۷۵ سال) [2]

۱۷۔ حکیم غلام محمد صاحب قبولہ ضلع منٹگمری۔ [3]

۱۸۔ چودھری فضل الدین صاحب پٹواری سیکھواں ضلع گورداسپور۔ [4]

۱۹۔ رعایت اللہ صاحب بھونچال کلاں ضلع جہلم [5]

۲۰۔ حضرت میاں اللہ بخش صاحب بزدار متوطن بزدار تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازی خاں۔

(وفات: ۷ تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء بعمر قریباً ستّر سال)

ڈیرہ غازی خاں کے علاقہ میں سب سے پہلے ۱۹۰۰ء میں حضرت مولوی محمد ابوالحسن صاحب نے قبول احمدیت اور صحابیت کا شرف پایا۔ حضرت مولوی صاحب کی تبلیغ و تحریک پر جن لوگوں کو شناخت حق کی توفیق ملی۔ ان میں بستی بزدار کے حضرت مولوی جند وڈا صاحب اور حضرت میاں اللہ بخش صاحب بھی تھے۔ یہ دونوں بزرگ پہلے تحریری بیعت کے چھ ماہ یا زیادہ سے ایک سال بعد حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کے شوق میں بزدار سے پاپیادہ چل دیئے پہلے موضع کالہ (ضلع ڈیرہ غازیخان) میں پہنچے جہاں مولوی ہوت خاں صاحب احمدی مدرس تھے۔[6]

---

[1] "الفضل" ۲۰ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶ کالم ۳-۴۔

[2] " " ۲۲ " " صفحہ ۲ کالم ۱۔

[3] " " ۸ تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

[4] " " " " " ۔

[5] " " " " " ۔

[6] ان کی بیعت کا ذکر "الحکم" ۲۴ اگست ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۶ کالم ۲ میں موجود ہے۔

پھر وہاں سے پیدل چل کر ملتان آئے۔میاں محمد بخش صاحب احمدی چھاپ گر کے ہاں رات بسر کی۔ زادِ راہ کم تھا اس لئے صرف ملتان سے لاہور تک گاڑی میں سفر کیا اور پھر پیدل سفر کرتے اور تکلیف اُٹھاتے پروانہ وار قادیان پہنچے۔ صبح کی نماز کے وقت حضرت اقدس مسیحِ زماں مہدئ دوراں تشریف لائے۔حضرت مولوی جند وڈا مرحوم نے اپنے رویار کی بنار پر حضور کو پہچان لیا۔

حضرت میاں اللہ بخش صاحب فرمایا کرتے تھے۔میں نے چہرہ مبارک کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو دل باغ باغ ہوگیا۔ دیکھنے سے دل کی سیری نہ ہوتی تھی۔ چاہتے تھے کہ دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر آپ کا دیدار کرتے رہیں۔حضرت اقدس نماز کے بعد تھوڑی دیر تک مسجد میں جلوہ افروز رہے۔ پھر اندرون خانہ تشریف لے گئے ہم نے بیعت کی درخواست کی۔ فرمایا کچھ دن ٹھہرو۔ہم شنبہ یعنی سنیچر کے دن دارالامان بوقت شام پہنچے۔ اور جمعہ پڑھ کر واپس لوٹے۔گویا ہمارا قیام دارالامان میں صرف سات دن رہا۔جمعہ کے دن ہم دونوں نے بیعت کی۔ کچھ اور آدمیوں نے بھی بیعت کی اور ہم واپس لوٹے۔حضرت اقدس نے ہمارے لئے دُعا فرمائی۔حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ سے جب ہم رخصت ہونے لگے تو آپ نے بھی دُعا فرمائی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارے وطن کے حالات بھی دریافت فرمائے اور نہایت ہمدردی سے پیش آئے۔ ہم جمعہ پڑھ کر واپس روانہ ہوئے۔ جب ہم دارالامان سے واپس آ گئے تو ہماری سخت مخالفت شروع ہوگئی۔ مولوی جند وڈا صاحب بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے۔بچوں کو اُن سے پڑھانا بند کر دیا۔ اُن کی جو خدمت کرتے تھے اس سے ہاتھ اُٹھا لیا۔اُن کا اس کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ مگر اس متوکل انسان نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔میرے رشتہ داروں نے قطع تعلق کر لیا۔ ہر طرح ستایا اور مَیں اکیلا رہ گیا۔ چھ سات سال بعد شیر محمد خاں نمبردار جو ہماری برادری کے معزز فرد تھے۔حضرت خلیفہ اوّل کے زمانۂ خلافت میں شاملِ احمدیت ہوگئے۔ پھر میرے خُسر نے بیعت کر لی اور آہستہ آہستہ ایک اچھی جماعت بستی بزدار میں قائم ہوگئی[1]

حضرت میاں اللہ بخش صاحبؓ کو حدیث شریف پڑھنے اور سُننے کا ازحد شوق تھا۔ قرآن و حدیث یا سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب کا مطالعہ کرتے تو آپ کی آنکھیں پُرنم ہوجاتیں۔نمازیں

[1] "الحکم" ۷ - ۲۸ ہجرت/مئی ۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۱۹ - ۲۰، "الحکم" ۷ - ۲۸ احسان/جون ۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۸ میں آپ کے مفصل حالات شائع ہوچکے ہیں +

خشوع وخضوع سے ادا فرماتے اور نماز تہجد میں رقت وسوز کا عجیب رنگ پایا جاتا تھا۔ صاحب رویا تھے۔

۲۱۔ محمد یحییٰ خاں صاحب کارکن دفتر پرائیویٹ سکرٹری۔

(ولادت: ۱۸ جون ۱۸۹۴ء ، وفات: ۲۱ تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء)[1]

حضرت حکیم مولوی محمد انوار حسین خانصاحب ساکن شاہ آباد ضلع ہردوئی کے فرزند[2] ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے فیض یاب ہوئے[3]۔ آپ قادیان میں اپنی پہلی آمد کا ذکر ان لفظوں میں فرماتے ہیں:۔

"۱۹۰۲ء میں میرے بڑے بھائی عبدالغفار خاں کو تعلیم کی غرض سے دارالامان بھیجا۔ اور اس کے بعد ۱۹۰۴ء میں جب بڑے بھائی صاحب گرمی کی رخصتیں ختم کرنے کے بعد واپس آنے لگے مجھے بھی بھیج دیا۔ اور اس کے بعد میرے منجھلے بھائی عبدالستار خاں کو۔ مَیں جب قادیان آیا اس وقت میری عُمر دس سال کی تھی اور بورڈران میں سب سے چھوٹا تھا۔ والد صاحب مرحوم جب کبھی قادیان آتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اطلاع ہوتی تو حضور حافظ حامد علی صاحب مرحوم کو بھیج کر بُلوا لیتے۔ مَیں بھی والد صاحب کے ہمراہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ ان دنوں اکثر حضور مسجد مبارک کی بغلی کوٹھڑی جہاں امّ المومنین ایدہا اللہ کا راستہ ہے یا مسجد میں ملاقات فرمایا کرتے تھے اور وہاں کے علماء اور اعزا کی مخالفت کا حال دریافت فرماتے رہتے"[4]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ایک مکتوب[5] سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ خلافت ثانیہ کے اوائل میں ایک "احمدیہ ایجنسی" قائم ہوئی تھی جس کے کام کو وسیع کرنے نیز ایک اور تجارتی کام کے لئے حضور انہیں قادیان بُلوانا چاہتے تھے۔ مگر اس مکتوب سے یہ ظاہر ہے کہ فی الحال وہ تجاویز عملی صورت اختیار کرنے سے رہ گئیں۔ تاہم اس کے جلد بعد ہی حضور نے انہیں یاد فرمایا اور وہ حضور کے دفتر میں بعض خصوصی خدمات

---

[1] "الفضل" ۲۴ تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[2] ۳۱۳ اصحاب کی فہرست میں آپ کا نام نامی ۵۲ نمبر پر درج ہے۔

[3] رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۳ صفحہ ۱۳۴۔

[4] رجسٹر "روایات صحابہ" جلد ۳ صفحہ ۱۳۵۔

[5] اس خط کا چربہ اگلے صفحہ پر دیا گیا ہے۔

عزیز مکرم

السلام علیکم - آپ کے دونوں خط بوجہ سفر کے جواب نہیں لکھ سکا - میں نے آپکو اس لئے خط لکھا تھا کہ لندن ایجنسی کے لئے تجویز تھی کہ ایجنٹ مقرر کرکے کام کو وسیع کیا جائے میں چاہتا تھا کہ اگر ہو سکے تو آپکو یہاں بلوا لوں - ایک اور کام بھی تھا جسکے متعلق امید تھی کہ جلد شروع ہو جائیگا - چونکہ آپکی ایک دفعہ کی گفتگو سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپکو تجارت سے دلچسپی ہے میں نے آپکو خط لکھ دیا لیکن فی الحال وہ تجاویز عملی صورت اختیار کرنے سے رہ گئی ہیں اسلئے جب کبھی موقعہ ہوا میں آپکو لکھوں گا انشاء اللہ - چونکہ میں سمجھتا ہوں آپ اس کام کو اچھی طرح کر سکیں گے

والدہ عبد المنان کی بیماری کا علم ہونے سے افسوس ہوا اللہ تعالیٰ انکو شفا عطا فرمائے اور سب خیریت سے ہو والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد

بجا لانے لگے۔ حضرت امیر المومنینؓ کی ذاتی لائبریری کا انتظام، ڈاک کے ضروری کاغذات اور اخبارات کے تراشوں کی حفاظت، حضور کے سفروں کے انتظامات اور بعض دوسرے اہم فرائض آپ کے سپرد ہوتے تھے۔ آپ کا شمار حضرت خلیفہ ثانیؓ کے خاص خدام میں ہوتا تھا جو خلیفۂ وقت سے غایت درجہ ادب و احترام کے ساتھ ساتھ نہایت بے تکلفی سے گفتگو کر سکتے تھے اور مجالس کی رونق ہوتے تھے

آپ نہایت خوبصورت، وجیہہ و شکیل، باذوق، زندہ دل اور غایت درجہ مستعد اور فرض شناس بزرگ تھے۔

۲۲۔ حضرت حافظ عبد الرحمٰن صاحب بھیروی (والد ماجد مکرم حافظ مبارک احمد صاحب سابق پروفیسر جامعہ احمدیہ۔)

(وفات: ۲۳ / تبوک / ستمبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء)[1]

۲۳۔ نواب خاں صاحب ساکن پرانہ تحصیل پنڈی گھیپ ضلع کیمبلپور

(وفات: ۲ / فتح / دسمبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء)[2]

بقول حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ایک درویش صفت عاشقانہ رنگ کے احمدی تھے[3]

حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ نے ان کی وفات پر لکھا:-

"مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک مخلص صحابی تھے۔ سلسلہ اور مرکزِ سلسلہ قادیان سے ازحد محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ باوجود اپنی غربت اور افلاس کے اخلاص کے ساتھ سال میں ایک دفعہ اور بعض اوقات دو دفعہ ضرور قادیان آتے تھے۔ اپنے دور دراز وطن سے اکثر پیدل ہی قادیان آتے۔ اور پیدل ہی اپنے وطن واپس جاتے تھے۔ کئی دفعہ اپنے بچوں کو بھی ہمراہ لاتے تاکہ اپنے ساتھ اپنے بچوں کو بھی قادیان کی مقدس بستی اور سلسلہ کے ساتھ اخلاص میں ثابت قدم رکھیں۔ مخالفوں میں بھی صداقت کا اظہار کرنے سے کبھی نہ چوکتے تھے۔ ان کے لڑکے نے اطلاع دی ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت نزع کی حالت میں بھری مجلس میں جو کہ غیر احمدیوں کی تھی فرمایا کہ "تم سب گواہ رہو کہ میں احمدی ہوں" یہ ان کے آخری الفاظ تھے۔"[4]

---

[1] "الفضل" ۲۴ / تبوک / ستمبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
[2] " ۱۲ / فتح / دسمبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۴۔
[3] " ۲۶ / صلح / جنوری ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۳۔
[4] " ۱۷ / صلح / جنوری ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۶۔

۲۴- حضرت مولوی فخر الدین صاحب رضی اللہ عنہ آف گھوگھیاٹ - میانی (ضلع شاہ پور) (والد ماجد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ فاضل طاہر انچارج شعبہ زود نویسی) ولادت قریباً :- ۱۸۸۰ء

(بیعت : ۱۸۹۵ء وفات : ۱۰ر نبوت/ نومبر ۱۳۱۹ ہش ۱۹۴۰ء بعمر ۵۹ سال)

پنشن لینے کے بعد قادیان میں ہجرت کر کے آگئے تھے۔ تین سال نظارت بیت المال میں ناظر صاحب کے پرسنل اسسٹنٹ کے طور پر کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ نظارت دعوۃ و تبلیغ میں بھی کام کیا اور چھ سال تک سیکرٹری امانت فنڈ تحریک جدید کے فرائض انجام دیئے۔ علاوہ ازیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اور حضور کے برادران عالی مقام کے مختار عام بھی رہے۔[1]

۲۵- میاں مولا بخش صاحب بنگوی (وفات ۲۱ر نبوت/ نومبر ۱۳۱۹ ہش ۱۹۴۰ء)[2]

۲۶- بابو غلام نبی صاحب ریٹائرڈ انجنیئر ساکن ہریانہ ضلع ہوشیار پور

(وفات : ۱۳ر فتح/ دسمبر ۱۳۱۹ ہش ۱۹۴۰ء)[3]

۲۷- میاں محمد صاحب مکی متوطن چکنی ضلع پشاور

(بیعت : ۱۹۰۱ء ، وفات : ۱۴ر فتح/ دسمبر ۱۳۱۹ ہش ۱۹۴۰ء بعمر ۷۵ سال)

آپ ایک عالم، عمدہ شاعر اور باخبر بزرگ تھے۔ اگرچہ ۱۹۱۴ء میں اختلاف سلسلہ کے دوران غیر مبائعین کا ساتھ دیا مگر وفات سے قبل دوبارہ خلافت سے وابستہ ہو گئے۔[4]

۲۸- شیخ عطا محمد صاحب سیالکوٹی

(ڈاکٹر سر محمد اقبال کے بڑے بھائی اور شیخ اعجاز احمد صاحب کے والد بزرگوار)

(وفات : فتح/ دسمبر ۱۳۱۹ ہش ۱۹۴۰ء)[5]

---

[1] "الفضل" ۱۲ر نبوت/ نومبر ۱۳۱۹ ہش ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[2] " " ۲۸ر " " صفحہ ۲ کالم ۱۔

[3] " ۷ر صلح/ جنوری ۱۳۲۰ ہش ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[4] " ۹ر " " " "

[5] " ۲۵ر فتح/ دسمبر ۱۳۱۹ ہش ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ شیخ عطا محمد صاحب نے تین بیٹے اپنی یادگار چھوڑے۔ (۱) شیخ اعجاز احمد صاحب (۲) شیخ امتیاز احمد صاحب (۳) شیخ مختار احمد صاحب

فصل نہم

۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب

۱- صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے ہاں ۲۱ صلح/جنوری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو صاحبزادی امۃ القدوس پیدا ہوئیں۔[۱]

۲- ۲۲ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مسجد نور میں اپنی صاحبزادی امۃ الرشید بیگم صاحبہ کا نکاح میاں عبدالرحیم احمد صاحب[۲] بھاگلپوری (ابن مولوی علی احمد صاحب ایم-اے) سے ایک ہزار مہر پر اور اپنی دوسری صاحبزادی امۃ العزیز بیگم صاحبہ کا نکاح مرزا حمید احمد صاحب (خلف الرشید حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحبؓ) کے ساتھ ایک ہزار روپیہ مہر پر پڑھا۔[۳]

۳- ۱۱ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو مرزا ظفر احمد صاحب بی-اے کی تقریب شادی منعقد ہوئی۔[۴]

۴- خان مسعود احمد خاں صاحب بی-اے کی شادی ۱۷ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ہوئی۔[۵]

۵- حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کے ہاں ۲۶ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو صاحبزادی امۃ الشکور صاحبہ کی ولادت ہوئی۔[۶]

۶- ۸ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو بعد نماز عصر حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی صاحبزادی سیدہ بیگم صاحبہ کی تقریب رخصتانہ عمل میں آئی- اس تقریب پر حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ نے ایک مفصل مضمون پڑھا جس میں ازدواجی تعلقات کے متعلق اسلام کی تعلیم پیش کی اور میاں بیوی کے حقوق بیان کئے- آخر میں حضرت

---

[۱] "الفضل" ۲۵ صلح/جنوری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-

[۲] پہلے آپ کا نام عبدالرب تھا جو حضرت خلیفہ ثانیؓ نے ایک رویاء کی بناء پر بدل دیا اور یہ نیا نام رکھا ("الفضل" ۲۴ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱)

[۳] "الفضل" ۲۴ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۲-

[۴] "الفضل" ۱۳ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء-

[۵] "الفضل" ۱۹ " " " -

[۶] "الفضل" ۲۸ " " " -

خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے مختصر سی تقریر فرمائی اور رشتہ کے بابرکت ہونے کے لئے مجمع سمیت دعا کی[۱]
اگلے دن شام کو ملک عمر علی صاحب بی۔ اے نے اپنی کوٹھی واقع دارالانوار میں وسیع پیمانہ پر دعوت ولیمہ دی۔ سیدنا حضرت امیر المومنینؑ نے بھی شرکت فرمائی اور دعا کی۔[۲]

اناطولیہ (ترکی) میں ہولناک زلزلہ اور جماعت احمدیہ

ایشیائے کوچک (ASIA MINOR) میں اناطولیہ کے نام سے ایک جزیرہ نما ہے جو آرمینیا اور کردستان کی سطح مرتفع کے مغرب، بحیرۂ اسود کے جنوب اور شام و لبنان کے شمال میں مشہور مسلمان ملک ترکی کے حدود سلطنت میں واقع ہے۔

۲۶۔۲۷ دسمبر ۱۹۳۹ء کی درمیانی رات کو اس خطہ میں ایک ہولناک زلزلہ آیا جس کے شدید جھٹکے ۳ صلح/جنوری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء تک محسوس ہوتے رہے۔ ترکی وزارت داخلہ کے بیان کے مطابق قریباً ۴۵ ہزار نفوس زخمی اور تیس ہزار کے قریب لقمۂ اجل ہو گئے۔ ضلع ارزنجان کی کل آبادی ۶۵ ہزار تھی جس میں سے ۳۰ فیصدی ہلاک اور ۲۰ فیصدی مجروح ہوئے۔ ۱۶ صوبائی شہر اور ۹۰ دیہات پیوند زمین ہوئے اور ساٹھ ہزار مربع میل کا علاقہ زلزلہ کی تباہ کاری سے ہسپتال اور قبرستان کا منظر پیش کرنے لگا۔ اس آفتِ ناگہانی کے علاوہ ترکی کا وسیع علاقہ سیلاب کی زد میں آگیا۔ خصوصاً سمرنا، بروسا اور اڈریا نوپل کے اضلاع میں بے شمار انسان اور مویشی بہہ گئے اور جو لوگ زلزلہ سے بچ گئے وہ بے خانماں ہو کر ادھر ادھر مارے مارے پھرنے لگے اور ناقابل برداشت سردی اور برفباری سے مرنے لگے۔

ترکی کے طول و عرض میں اس زلزلہ سے کہرام مچ گیا اور صفِ ماتم بچھ گئی اور خصوصاً عالم اسلام کو اس ہولناک اور قیامت خیز زلزلہ سے شدید صدمہ پہنچا۔ قادیان میں جب زلزلہ کی یہ ہوشربا خبر پہنچی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ارشاد پر سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور خارجہ نے صدر جمہوریہ ترکی عصمت انونو کے نام حسب ذیل تار بھیجا:۔

"جماعت احمدیہ اور اس کے امام کو زلزلہ کی مصیبت اور آفت پر سخت صدمہ ہوا ہے۔
مہربانی فرما کر عمیق ہمدردی کا پیغام ترک قوم اور بالخصوص مصیبت زدگان تک پہنچا دیں۔"[۳]

ہمدردی کے اس تار کا جواب جمہوریہ ترکی کی طرف سے سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو فرانسیسی

---

[۱] "الفضل" ۱۰ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ [۲] "الفضل" ۱۱ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۸-۹۔
[۳] "الفضل" ۱۰ جنوری/صلح ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء۔

زبان میں موصول ہوا جس کا ترجمہ یہ ہے :-

"آپ کے ہمدردانہ پیغام سے ہم بہت ہی متاثر ہوئے ہیں اور صدر جمہوریہ ترکیہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے متعلق آپ کا شکریہ ادا کروں۔

کمال گیدیلگ جنرل سیکرٹری انقرہ" [1]

مصیبت زدگانِ ترکی کی حالت زار پر اخبار "الفضل" نے متعدد نوٹ شائع کئے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے خاص ارشاد پر ناظر بیت المال قادیان نے ستم رسیدہ ترکوں کے لئے امدادی چندہ کی اپیل شائع کی جس میں لکھا :-

"کسی کی مصیبت میں ہمدردی کرنا ایک عام انسانی جذبہ ہے جس سے کوئی فرد خالی نہیں۔ لیکن سب سے زیادہ اور مناسب اور لازمی طریق پر یہ جذبہ مومنین کی جماعت سے ہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ خدا شناسی کے نور کے باعث شفقت علیٰ خلق اللہ کا رنگ ان پر سب سے زیادہ چڑھا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے مجھے یقین ہے کہ ہر احمدی جس نے زلزلہ کی اس تباہی کا کچھ بھی حال سُنا ہے۔ وہ مصیبت زدگان کے لئے ہمدردی کا جوش اپنے اندر ضرور رکھتا ہوگا۔ یُوں تو بلغیر کسی امتیاز مذہب و ملّت کے بھی اس قسم کے مصائب و آلام میں اظہار ہمدردی کرنا واجب ہوتا ہے۔ لیکن جس سلطنت اور علاقہ میں یہ تباہی آئی ہے وہ چونکہ اسلام سے نسبت رکھتا ہے اس وجہ سے بھی ان لوگوں سے ہماری ہمدردی دوسروں سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ پس حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کے ارشاد کے ماتحت میں اناطولیہ کے مصیبت زدگان کی امداد کے متعلق اپیل کرتا ہوں کہ ہر احمدی اپنی اپنی حیثیت اور حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے ضرور چندہ دے اور عہدیداران جماعت ہائے احمدیہ اس کا انتظام کریں کہ تمام احمدی افراد سے ان کی حیثیت کے مطابق چندہ جمع کر کے محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام پر امداد مصیبت زدگانِ اناطولیہ کی مدّ میں بھجوا دیں۔ لیکن اس چندہ کی فراہمی اور ترسیل میں جلد کوشش کرنی چاہیئے۔ تا حتی الوسع مرکز سے جماعت کی طرف سے یکجائی طور پر بر وقت مصیبت زدگان کو معتد بہ رقم امداد کے طور پر بھیجی جا سکے" [2]

---

[1] "الفضل" ۱۴ ار صلح / جنوری ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔

[2] "الفضل" ۱۳ ار صلح / جنوری ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۱ ۔

حضور کی اس اہم تحریک پر جس قدر رقم جماعت کی طرف سے جمع ہوئی وہ ترکی کے مفلوک الحال باشندوں کی بہبودی کے لئے بھجوا دی گئی۔

سناتن دھرم سبھا شام چوراسی میں ایک احمدی مبلغ کی تقریر

۱۰ / تبلیغ ۱۳۱۹ہش مطابق ۱۰ / فروری ۱۹۴۰ء کو سناتن دھرم سبھا شام چوراسی کی طرف ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی گئی جس میں ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم نے "میرا دھرم مجھے کیوں پیارا ہے" کے مقررہ موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کی۔ آپ کی تقریر کے بعد سناتن دھرمی پنڈت گوپال مصر صاحب نے کہا کہ

"آج سے قبل جن مسلمانوں یا عیسائیوں سے مجھے ملنے کا موقع ملا، انہوں نے یہی کہا کہ ہمارے نبی کے بعد خدا کسی سے کلام نہیں کرتا۔ اور مَیں یہ کہتا کہ اگر آپ کا خدا کلام نہیں کرتا تو کیا وہ گونگا ہے مگر آج مولوی صاحب کی تقریر سے مجھے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ اور مجھے خوشی ہوئی کہ آج بھی مسلمانوں کے اندر ایسے خیال کے لوگ موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا بولتا ہے اور اس نے فلاں شخص سے کلام کیا"

کانفرنس میں ہر مذہب کے لوگ کثیر تعداد میں موجود تھے سب نے احمدی مبلغ کی تقریر پسند کی۔[۱]

فرقہ ست سنگ (بنگال) کے مرکز میں تبلیغ احمدیت

کلکتہ کے ایک ممتاز احمدی محمد شمس الدین صاحب ۱۰ / تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو ہندوؤں کے مشہور فرقہ "ست سنگ" کے مرکز میں (جو پبنہ شہر سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے) گئے۔ اور فرقہ کے بانی شری ٹھاکر انوکل چندراجی سے ملاقات کر کے ان تک احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ شمس الدین صاحب نے کلکتہ واپس آکر ٹھاکر صاحب کے مطالعہ کے لئے ٹیچنگز آف اسلام، پارہ اوّل مترجم انگریزی اور پیغام صلح (انگریزی ترجمہ) وغیرہ کتب بھی بھجوا دیں۔[۲]

سب سے پہلا احمدی ہوا باز

میاں محمد لطیف صاحب (ابن میاں محمد شریف صاحب ای۔ اے۔ سی پنشنر) جو کچھ عرصہ سے لاہور فلائنگ کلب میں ہوا بازی کی ٹریننگ لے رہے تھے۔ انہیں ۱۹۴۰ء کے شروع میں سرکاری طور پر بطور ہوا باز منتخب کر لیا گیا۔[۳] میاں صاحب سب سے پہلے احمدی ہوا باز ہیں۔

۱۔ "الفضل" ۲۵ / تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۳-۴۔

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "فاروق" ۱۴ / تبوک / ستمبر ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۳-۴۔

۳۔ "الفضل" ۲۷ / تبلیغ / فروری ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

ونجواں کے احمدیوں پر پولیس کے مظالم

۲۳ تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو بٹالہ صدر پولیس نے پولیس سٹیشن میں علاقہ کے چند بدمعاشوں کو طلب کیا اور ساتھ ہی مخالفین احمدیت کے ایماء سے ونجواں (تحصیل بٹالہ) کے تین احمدیوں کو بلا کر ان میں سے دو بیکسوں کے ساتھ نہایت وحشیانہ سلوک کیا یعنی ان غریبوں کو منہ کے بل زمین پر لٹا کر ان کے ہاتھوں پر مضبوط جوان کھڑے کر دیئے اور پھر ان کو برہنہ کر کے ایک سب انسپکٹر نے اُن کی کمر پر گھٹنے ٹیک دیئے اور ایک حوالدار نے دوسرے کی گردن اپنے پاؤں میں دبا لی اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کی رانوں اور سرینوں پر جوتے ماریں۔ پھر بدمعاشوں نے ایک ایک طمانچہ پورے زور سے لگایا اور یہ سب کارروائی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور کی موجودگی میں ہوئی۔[1]

اس تشدد بیجا پر جماعت احمدیہ کے پریس نے زبردست احتجاج کیا اور ڈی۔ آئی۔ جی پولیس پنجاب نے خاص تحقیقات کا حکم دے دیا۔

احمدی ہواباز کی قادیان پر پرواز

احمدی ہواباز میاں محمد لطیف صاحب ۱۲ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو لاہور سے پرواز کر کے قادیان آئے اور دُعا کے لئے بکثرت پرچیاں پھینکتے رہے۔[2]

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا دوبارہ تقرر اور اخبار "انقلاب"

آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب وائسرائے ہند کی ایگزیکٹو کونسل کے ممبر کی حیثیت سے ملک و قوم کی شاندار خدمات بجا لا رہے تھے۔ آپ کے اس عہدہ کی میعاد ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ ملک معظم نے آپ کا دوبارہ تقرر ایگزیکٹو کونسل وائسرائے ہند کی ممبری کے لئے منظور کر لیا جس پر شمالی ہند کے مشہور مسلم اخبار "انقلاب" نے اپنی ۱۴ مارچ ۱۹۴۰ء کی اشاعت میں لکھا:-

"مسلمانان پنجاب بجا طور پر اس امر پر فخر کر سکتے ہیں کہ آج تک وائسرائے کی کونسل میں جتنے پنجابی مسلمان ممبر مقرر ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی قابلیت، محنت، ہوشمندی اور تدبر کا بہترین ثبوت دیا ہے اور مجالس وضع قوانین سے ہمیشہ تحسین و اعتراف کا خراج حاصل کیا ہے سر محمد شفیع مرحوم اور سر فضل حسین نے حکومت ہند میں اپنی قابلیت کے روشن نقوش چھوڑے

---

[1] "فاروق" قادیان ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۸۔

[2] "الحکم" ۱۴ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

ہیں اور اب سر محمد ظفراللہ خاں کا وجود بھی مسلمانان پنجاب کے لئے افتخار اور نیک نامی کا باعث ہے۔ ہم ان کو توسیع عہدہ[1] پر دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔"[2]

محلہ دارالانوار کی مسجد کا افتتاح

۲۲/امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قادیان کے محلہ دارالانوار کی مسجد کا افتتاح فرمایا اور مغرب وعشاء کی نمازیں اس میں پڑھائیں۔[3]

ملک غلام محمد صاحب قادیان میں

۲۱/شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ملک غلام محمد[4] صاحب چیف کنٹرولر آف ریلوے سٹورز قادیان تشریف لائے اور چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب کے ہاں قیام پذیر ہوئے اور مرکزی اداروں اور کارخانوں کا معائنہ کرنے کے بعد حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ملاقات سے بھی مشرف ہوئے۔[5]

نمائندہ اخبار "لائف" (نیویارک) کی حضرت اقدس رضی اللہ عنہ سے ملاقات

مسٹر ویلیس کرک لینڈ آف شکاگو جو نیویارک کے مشہور اخبار "لائف" (LIFE) کے نمائندہ تھے۔ ۲/شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے اور شام کو واپس چلے گئے۔[6]

مسجد احمدیہ موسیٰ بنی (بہار) کا افتتاح

۵/ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو حضرت الحاج مولوی عبدالرحیم صاحب نیر رضی اللہ عنہ نے مسجد احمدیہ موسیٰ بنی (بہار) کا افتتاح کیا اور سب سے پہلی اذان (ابوالبشارت) مولوی عبدالغفور صاحب نے دی۔[7]

---

[1] جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ یہ توسیع میعاد کی صورت نہیں تھی بلکہ اسی عہدہ پر پانچ سال کے لئے دوبارہ تقرر تھا۔

[2] "انقلاب" لاہور (۱۴/مارچ ۱۹۴۰ء) بحوالہ "الفضل" ۱۵/امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء۔

[3] "الفضل" ۲۴/امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[4] یہ وہی ملک غلام محمد صاحب ہیں جو قیام پاکستان کے بعد پہلے مرکزی حکومت کے وزیر خزانہ رہے پھر گورنر جنرل کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔

[5] "فاروق" ۲۸/شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

[6] "الفضل" ۲۳ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔

[7] "الفضل" ۱۲/مئی/ہجرت ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶۔ یہ مسجد انڈین کاپر کارپوریشن لمیٹڈ کے افسروں نے کمپنی کے خرچ پر بنوا کر دی تھی۔

ایک احمدی طالب علم کی شاندار کامیابی

۱۹۴۰ء میں تیس ہزار طلباء پنجاب یونیورسٹی کے میٹرک کے امتحان میں شریک ہوئے جن میں سے بائیس ہزار کے قریب پاس ہوئے جن میں سے جھنگ کے ایک احمدی طالب علم عبدالسلام جو چودھری محمد حسین صاحب ہیڈ کلرک سررشتہ تعلیم جھنگ کے صاحبزادے ہیں نہ صرف ۷۶۵ نمبر لے کر پنجاب بھر میں اوّل آئے[1] بلکہ یونیورسٹی کا گذشتہ ریکارڈ توڑ دیا۔ یہی وہ طالب علم ہیں جو آج پروفیسر عبدالسلام کے نام سے دنیائے سائنس میں عالمگیر شہرت رکھتے ہیں اور صدر مملکت پاکستان کے سائنسی مشیر کی حیثیت سے اہم قومی خدمات بجا لا رہے ہیں۔

مکانات کے سنگِ بنیاد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس سال مندرجہ ذیل مکانات کا سنگِ بنیاد اپنے دستِ مبارک سے رکھا۔

۱۔ مرزا احمد بیگ صاحب انکم ٹیکس آفیسر
(تاریخ سنگِ بنیاد : ۲۳ صلح/جنوری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)[2] دارالانوار

۲۔ ملک عمر علی صاحب بی۔ اے کھوکھر
(تاریخ سنگِ بنیاد : ۳ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)[3] دارالانوار

۳۔ چودھری ابوالہاشم خاں صاحب
(تاریخ سنگِ بنیاد : ۳ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)[4] دارالانوار

۴۔ ڈاکٹر احمدی صاحب آف افریقہ
(تاریخ سنگِ بنیاد : ۳ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء)[5] دارالبرکات

بدھوں کے جلسہ میں ایک احمدی کا پیغام احمدیت

نالندہ (بنگال) میں بدھوں کی ایک مشہور قدیم درسگاہ قائم تھی جس کے نام پر ہندوؤں نے نالندہ ودیا بھون کے نام سے ایک ادارہ جاری کیا۔ جس میں بدھسٹ علوم کی ہر شاخ، جین ازم، زمانہ وسطیٰ کی ہندوستانی فلاسفی اور ہندوستان کی قدیم و جدید زبانوں کے مطالعہ کا انتظام کیا جہاں بدھ طلباء

---

[1] "الفضل" ۲۱ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، الفضل ۲۳ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء

[2] "الفضل" ۲۵ صلح/جنوری ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[3] "الفضل" ۵ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

[4] " " " " " "

[5] " " " " " "

بنگال کے علاوہ برما اور سیام سے بھی آتے تھے۔ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں اچاریہ جگدیش چندر اچیٹرجی ہندو اور بدھ علوم کے مشہور سکالر اس کے انچارج تھے۔ اس درسگاہ کے طلبا نے ۱۷ر وفا/جولائی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ۵½ بجے شام جلسہ کیا جس میں مسٹر پدم راج (مشہور ہندو مہا سبھائی لیڈر) کی زیر صدارت اچاریہ جگدیش چندر چیٹرجی، ڈاکٹر کالیداس ناگ ایم۔اے ڈی لٹ اور بعض دوسرے اصحاب کے علاوہ احمدیہ ایسوسی ایشن کلکتہ کے سیکرٹری مولوی دولت احمد خاں صاحب خادم نے بھی تقریر کی جس میں بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہی تعلیم ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی نہ کوئی نبی اور رسول نہ گذرا ہو۔ اور حضرت بُدھ، حضرت کرشن، حضرت زرتشت اور حضرت کنفیوشس تمام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے مولوی دولت احمد خاں صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بھی بتایا کہ حضرت بُدھ نے جو اپنی آمد ثانی کی خبر دی تھی وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور سے پُوری ہو چکی ہے۔ نیز آپ نے بدھوں کو احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی تحریک کی۔

ایک اعلیٰ کلاس کے طالب علم نے یہ تقریر سُنکر اس رائے کا اظہار کیا کہ اسلام کی یہ تشریح میرے لئے ایک انکشاف جدید ہے کیونکہ مَیں اسلام کو اس سے قبل ایک محدود اور فرقہ وارانہ مذہب خیال کرتا تھا۔[1]

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کا ایک دلچسپ مشورہ

اس سال مولوی کرم الٰہی صاحب ظفر مجاہد تحریک جدید کو دہلی سے ۱۳ میل دور رقبہ مہرولی میں ولی کامل حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا جہاں مسلمانوں کی قبر پرستی کا افسوسناک مظاہرہ بچشم خود دیکھا جس کی تفصیل انہوں نے "الفضل" (۲۳ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء) میں شائع کر دی جسے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے اخبار اہلحدیث مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۴۰ء میں نقل کر کے حسب ذیل دلچسپ نوٹ لکھا:۔

"برادران توحید! کیا یہ آواز سُن کر بھی آپ لوگ بزم توحید قائم کرنے میں غفلت سے کام لیں گے کیا ابھی کچھ اَور بھی سُننا چاہتے ہیں۔ میری رائے کو کوئی صاحب غلط نہ ٹھیرائیں تو مَیں یہ کہنے سے نہیں رُک سکتا کہ مسلمان قوم آپس میں تقسیم کار کر لے۔ سیاسی مسلمان جن میں مرزائی بھی شامل ہیں۔ بیشک غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کریں اور ان کو کلمہ پڑھا کر مردم شماری کی

---

[1] "الفضل" ۲ ظہور/اگست ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۴ کالم ۳

حیثیت میں مسلمانوں کی تعداد بڑھاتے جائیں جو ان کی اصلی غرض ہے۔ مگر اہلِ توحید اصحاب یہ کام اپنے ذمّہ لیں کہ مسلمانوں میں جو رسوم شرکیہ رائج ہو چکی ہیں وہ اُن کی اصلاح پر توجّہ کریں تاکہ وہ لوگ صحیح معنیٰ سے عنداللہ مسلمان ہو جائیں۔ پس دونوں فریق اپنا اپنا کام کرتے جائیں۔ ہمارے مشورہ پر عمل کریں تو دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں" [۵۱]

زکیہ صنعتی سکول قادیان

زکیہ خانم صاحبہ بنت شیخ محمد لطیف صاحب نے گرلز سکول قادیان کے نزدیک اپنے سرمایہ سے ایک صنعتی سکول جاری کیا جس کا افتتاح حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ۱۵ تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو فرمایا۔ اس موقعہ پر حضرت ام ناصر احمد صاحب، حضرت ام طاہر احمد، حضرت ام مظفر احمد صاحب اور صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ بھی موجود تھیں۔ خاندان مسیح موعود کی خواتین ہی نے نہیں خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے بھی سکول کے صنعتی نمونوں کو پسند فرمایا۔[۵۲]

بچوں کو تیراکی سکھانے کیلئے تالاب کی تعمیر

حضرت مولوی محمد دین صاحب سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول کی تحریک اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں محلہ دارالعلوم میں بچوں کو تیراکی سکھانے کے لئے ایک تالاب تعمیر کیا گیا۔ جس کا افتتاح ۱۰/اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو ہوا۔ اس تقریب پر تلاوت و نظم کے بعد حضرت مرزا شریف احمد صاحب نے تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ

"اس کے متعلق سب سے پہلے تحریک مولوی محمد الدین صاحب سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول نے کی تھی اور یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس تحریک کو عملی صورت دی جائے مگر اس کے لئے کوئی فنڈ نہ تھا۔ باوجود اس کے اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی گئی اور یہ تالاب سکول کے طلباء نے خود کھودا۔ اس وقت یہ خیال تھا کہ کچا تالاب کام دے جائے گا۔ صرف ارد گرد کی دیواریں پختہ کرائی جائیں۔ لیکن جب تعمیر شروع ہوئی تو بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ جب تک فرش پختہ نہ ہو تالاب نہانے کے قابل نہ بنے گا۔ اس لئے تعمیر کے وقت دیواروں کے ساتھ ہی فرش بھی پختہ تیار کیا گیا۔ اس وقت اخراجات سپورٹس فنڈ کے چندہ سے اور باقی قرض لے کر پورے

---

[۵۱] "اہلحدیث" ۳ شعبان المعظم ۱۳۵۹ہجری مطابق ۶ ستمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۸ ۔

[۵۲] "الفضل" ۱۵ تبوک/ستمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۲ ۔

کئے گئے۔ لیکن پھر جب دیکھا گیا کہ تالاب کے کنارے کچے ہونے کی وجہ سے مٹی نہانے والوں کے پاؤں کے ساتھ لگ کر تالاب میں جاتی ہے اور اردگرد روک نہ ہونے کی وجہ سے بعض بیمار بھی نہاتے ہیں جن کی بیماری سے دوسروں کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو سکتا ہے تو کوشش کی گئی کہ تالاب کے اردگرد بھی پختہ فرش بنا دیا جائے اور تالاب کے گرد چار دیواری ہو۔ نیز دوسری ضروریات کے لئے بھی انتظام کیا جائے۔ ان حالات میں موجودہ صورت میں اُسے تعمیر کیا گیا ہے تاکہ بچے تیرنے کی مفید ورزش کر سکیں اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالٰے تیراکی کی ورزش کے متعلق جو ارشاد کئی بار فرما چکے ہیں اس پر عمل کیا جائے۔ اس تعمیر اور پچنگ کے انتظام پر چھ ہزار سے کچھ اوپر رقم خرچ ہو چکی ہے جس میں ۹۵۰/- روپے صدر انجمن نے دیئے ہیں۔ کچھ چندہ جمع ہوا۔ اور باقی قرض ہے۔ امید ہے کہ تعلیم الاسلام سکول کے اولڈ بوائز اس قرض کی ادائیگی کی طرف توجہ کریں گے۔ اس موقعہ پر دُعا کی جائے کہ یہ کام بابرکت ہو۔ بچّوں کی صحت، ایمان اور سلسلہ کے مفاد کے لئے جو بچے اس میں تیرنا سیکھیں انہیں جسمانی طور پر ہی فائدہ نہ ہو بلکہ وہ دین کی خدمت کرنے کے قابل بھی بن سکیں اور کسی ڈوبتے ہوئے کو بچا سکیں"[1]

حضرت صاحبزادہ صاحب کے خطاب کے بعد بالترتیب حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے، حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے تقریریں کیں اور بالآخر حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب نے دعا کرائی۔

ان تقاریر کے بعد تالاب کا عملی افتتاح اس طرح ہوا کہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب، حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور بعض اور بزرگ تالاب میں تیرتے رہے اور ان کے ساتھ سکول کے بہت سے بچوں نے بھی اس کی مشق کی[2]

احمدیہ مسجد سرینگر کی بنیاد

۲۰؍اخاء ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو دس بجے دن مسجد احمدیہ سرینگر کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس تقریب پر سرینگر اور ناسنور کے احباب جماعت موجود تھے۔

---

[1] "الفضل" ۱۲؍اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۱

[2] " " " صفحہ ۱-۲

سب سے قبل حضرت مسیح موعودؑ کے قدیم صحابی حضرت خلیفہ نورالدین صاحب جمونی نے دعا کرائی۔ ازاں بعد مولانا ابوالعطاء صاحب نے اللہ تعالیٰ کے اس گھر کا پہلا بنیادی پتھر رکھا۔ پھر سب احباب نے مل کر دعا کی[1]

مسجد کا ایک کمرہ اگلے سال ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء میں تیار ہوا تو اس میں پہلا خطبہ جمعہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ سرحد نے پڑھایا اور ۷۰ افراد کے قریب احمدی احباب نے نماز ادا کی۔[2]

چندہ مسجد کی فراہمی کے سلسلہ میں چوہدری عبدالواحد صاحب نے سندھ[3] حیدرآباد دکن، بہار، بنگال، اڑیسہ، یوپی اور دہلی کی جماعتوں کا دورہ کیا اور احباب جماعت نے عموماً اور جماعت ٹاٹانگر جمشید پور موسیٰ بنی نے خصوصاً نہایت اخلاص سے تعاون کیا۔ ان دنوں چوہدری عبداللہ خاں صاحب ٹاٹانگر کی جماعت احمدیہ کے امیر تھے۔[4]

سناتن دھرم سبھا لاہور کی مذہبی کانفرنس میں احمدی مبلغ کی کامیاب تقریر

۲۹ نبوت/نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو سناتن دھرم سبھا لاہور نے ایک مذہبی کانفرنس منعقد کی۔ مضمون "ایشور اپاسنا" یعنی عبادتِ الٰہی تھا۔ دوسرے مختلف مذاہب کے نمائندوں کے علاوہ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی نے بھی تقریر فرمائی اور دس منٹ کے مختصر سے وقت میں نہایت پُرفصاحت اور پُرجوش طریق سے اس موضوع پر اسلام اور احمدیت کے نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ خدا تعالیٰ کی کامل اطاعت اس کے نقش کو قبول کرنا اور اُس کے صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا اصلی عبادت ہے۔ آپ نے یہ بھی واضح کیا کہ اسلام نے عبادت الٰہی کا ایک بہترین طریق نماز کا قائم کیا ہے۔ جس کی ابتداء اَللّٰہُ اَکْبَرُ سے ہوتی ہے اور انتہاء سلامتی کی کیفیت پر۔ اسلامی نماز میں صفوں کا قیام دُنیا میں مساوات کا بہترین طریق ہے۔ یہ وہ طریق ہے جس سے ایمان کا شجر ہمیشہ سرسبز اور باثمر رہتا ہے جس کا زندہ ثبوت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مبارک ہے۔[5]

---

۱ "الفضل" ۲۹ اخاء/اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۲ "الفضل" ۶ و ۱۶ تبوک/ستمبر ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۳ "الفضل" ۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے خصوصاً بہت معاونت فرمائی۔

۴ "الفضل" ۴ شہادت/اپریل ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔

۵ "الفضل" ۳ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۴۔

انگلستان میں پہلا کامیاب مناظرہ

اگرچہ عالمگیر جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے انگلستان کا پورا ملک فضائی حملوں کی زد میں آچکا تھا مگر مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلغ انگلستان پرائیویٹ ملاقاتوں، لیکچروں اور لٹریچر کی اشاعت اور دوسرے ذرائع سے تبلیغ اسلام کا فریضہ پوری سرفروشی سے بجا لا رہے تھے۔ خصوصاً ہائیڈ پارک میں آپ نے متعدد لیکچر دیئے اور دوسرے لیکچراروں پر بھی سوالات کرتے رہے۔

اس سال کا ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ آپ نے ہائیڈ پارک میں "حضرت مسیح کی صلیبی موت" کے موضوع پر پہلا کامیاب مناظرہ کیا جو اس سرزمین میں اپنی طرز کا مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان پہلا مباحثہ تھا۔ اس دلچسپ مباحثہ کی تفصیل حضرت مولانا شمس صاحب کے الفاظ میں لکھنا زیادہ مناسب ہوگا۔ فرماتے ہیں :-

"متعدد مرتبہ میر عبد السلام صاحب اور خاکسار نے ہائیڈ پارک میں تقریریں کیں۔ نیز دوسرے لیکچراروں پر سوالات کئے۔ ۳۱ جولائی کو میں ابطال الوہیت مسیح کے موضوع پر بولا۔ سوال وجواب کے دوران میں مسیح کی صلیبی موت کا بھی ذکر آیا۔ لیکچر کے بعد ایک پادری نے اس مسئلہ کے متعلق مجھ سے گفتگو کی۔ آخر قرار پایا کہ ۷ اگست کو اس موضوع پر مباحثہ کیا جائے۔ چنانچہ وقت مقررہ پر جب میں نے بولنا شروع کیا تو وہ پادری بھی آگیا۔ اس نے وقت مانگا۔ میں نے کہا اپنا پلیٹ فارم لے آؤ۔ چنانچہ وہ اپنا پلیٹ فارم لے آئے۔ ۸ بجے سے ۱۰ بجے شام تک دو گھنٹے مباحثہ ہوا۔ دس دس منٹ بولنے کی باری مقرر ہوئی۔ ایک شخص کو ٹائم کیپر مقرر کیا گیا۔ مباحثہ ہوتے دیکھ کر پبلک خوب اکٹھی ہوگئی۔ میں نے اپنی پہلی تقریر میں مسیح کے صلیب پر نہ مرنے کے ثبوت میں انجیل سے مسیح کی دعا پیش کی کہ اے خدا! ہر ایک طاقت تجھ کو ہے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے۔ چنانچہ عبرانیوں ۵ میں لکھا ہے کہ وہ دعا اس کی سنی گئی۔ نیز زبور سے اس دعا کی قبولیت کے لئے پیشگوئیوں کا بھی ذکر کیا اور کہا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ دعا قبول نہیں ہوئی تھی تو مسیح مطابق یوحنا گنہگار ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں عیسائی مناظر نے کہا کہ مسیح کی دعا پوری نہیں پیش گئی۔ اس کے ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ میری مرضی نہیں بلکہ جو تیری مرضی ہے وہی ہو۔ اور وہ اس لئے آیا تھا کہ صلیب پر مر کر لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ہو۔ میں نے کہا۔ اگر اس فقرہ کا یہ مطلب ہے کہ اگر تیری مرضی ہے کہ میں صلیب پر مارا جاؤں تو پھر مجھے مارا جانا چاہیئے

تو یہ دُعا بے معنی ہوگی کیونکہ اس دُعا کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اے خدا! ہر ایک طاقت تجھ کو ہے۔ تو یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹال دے۔ .. ..

.. ..

.. .. .. ۔ پر اگر تو نہیں چاہتا تو نہ ٹال۔ کیا یہ بامعنیٰ دُعا کہلا سکتی ہے خدا کی مرضی تو ہو کر ہی رہے گی چاہے کوئی کہے یا نہ کہے۔ دُعا صرف اتنی ہوگی کہ اے خدا تو موت کا پیالہ مجھ سے ٹال دے اور اگر یہ درست ہے کہ وہ لوگوں کی خاطر مرنے کے لئے آئے تھے تو پھر انہیں موت کے پیالہ سے بچنے کے لئے دُعا کرنا درست نہ تھا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ پادری صاحبان مسیح کے اس قول کا کہ (اے خدا میری نہیں بلکہ تیری مرضی پوری ہو) کا مطلب نہیں سمجھے۔ مسیح کی دعا کے الفاظ جیسا کہ مرقس میں لکھا ہے یہ تھے "اے خدا ہر ایک چیز تیرے لئے ممکن ہے سو یہ پیالہ تو مجھ سے ٹال دے لیکن اس لئے نہیں کہ جو میں کہتا ہوں وہ ہو۔ بلکہ اس لئے کہ تا تیری مرضی پوری ہو" اس کا مطلب یہ تھا کہ میں جو موت سے بچنے کے لئے دُعا کرتا ہوں تو وہ اس لئے نہیں کہ میں تیرے راستے میں اپنی جان دینے سے ڈرتا ہوں۔ میں تو حاضر ہوں لیکن چونکہ میں تیرا رسُول ہوں اور تو میری صداقت کو دُنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے اس لئے اگر میں جیسا کہ میرا دشمن چاہتا ہے مارا گیا تو ان کے نزدیک میں جھوٹا ثابت ہوں گا۔ اس لئے میری یہ درخواست ہے کہ مجھ سے موت کا پیالہ ٹال دیا جائے یہ صرف تیری مرضی اور ارادہ پورا کرنے کے لئے ہے نہ موت کے ڈر سے۔ اور اگر یہ معنیٰ نہ لئے جائیں تو وہ دُعا ہی بے معنی ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب وہ آخر تک نہ دے سکے۔ اسی طرح دیگر دلائل پر بحث ہوئی دورانِ بحث میں اس نے بعض سخت الفاظ استعمال کئے اور کہا کہ تم جھُوٹ بولتے ہو۔ اگر یہی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سکھایا اور قرآن میں لکھا ہے تو یہ جھُوٹ سکھایا۔ نیز لوگوں کو اُکسانے کے لئے کہا یہ عیسائیت کو تباہ و برباد کرنے کیلئے آئے ہیں۔ ان کی جرأت تو دیکھو کہ عیسائیت کے سینٹر میں اس لنڈن کے ایک پارک میں عیسائیت کے عقائد کی اس طرح تردید کی جاتی ہے۔ اگر مسیح صلیب پر نہیں مرے تو وہ کفارہ بھی نہیں ہوئے۔ اس سے تو عیسائیت باطل ہو جاتی ہے مگر اس سے بڑھ کر جھُوٹ کیا ہو سکتا ہے۔ یہ اس جگہ جہاں سے کہ دنیا میں مشنری بھیجے جاتے ہیں عیسائیت کی تردید کرتے ہیں اور اسلام پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس کے سخت الفاظ پر حاضرین نے شیم شیم کے آوازے

گئے۔ مَیں نے کہا مَیں اسلام کی تعلیم کے مطابق گالیوں کا جواب گالی سے نہیں دُوں گا اور نہ ہی مَیں اس پر دوسرے انگریزوں کو قیاس کر سکتا ہوں۔ کیونکہ مَیں نے بہت سے چھوٹے اور بڑوں سے گفتگوئیں کی ہیں لیکن مَیں نے انہیں نہایت متین اور شریف پایا۔ معلوم ہوتا ہے۔ اس نے ایسے ماحول میں پرورش پائی ہے جس قسم کے اخلاق کا اُس نے مظاہرہ کیا ہے۔ مَیں نے اپنی آخری تقریر میں کہا۔ کہ اسلام سے پہلے یہود نے اس عقیدہ کی بناء پر کہ مسیح مصلوب ہو گئے انہیں لعنتی اور مفتری قرار دیا اور عیسائیوں نے بھی جیسا کہ پولوس نے کہا اُسے ملعون تسلیم کیا چنانچہ مناظر نے بھی اقرار کیا کہ اُن کی غلط ملعون ہوا۔ لیکن انہوں نے ملعون پر غور نہیں کیا۔ ایک انسان ملعون اس وقت کہلاتا ہے جب اس کا خدا سے تعلق بالکل منقطع ہو جائے اور وہ اپنے اقوال و اعمال میں شیطان کی مانند ہو جائے۔ اسی لئے شیطان کا نام ملعون ہے اور ایک ملعون شخص دوسرے کو لعنت سے کیونکر بچا سکتا ہے۔ کیا اندھا اندھے کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ پس یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا احسان تھا کہ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اس لعنت کے داغ سے بری قرار دیا اور فرمایا وہ صلیب پر نہیں بلکہ طبعی موت سے مرے اور ہماری تحقیقات کی رُو سے صلیب سے بچ کر کشمیر میں آئے اور وہیں وفات پائی چنانچہ ان کی قبر محلہ خانیار سرینگر کشمیر میں موجود ہے۔ اس نے اپنی تقریر میں چونکہ یہ بھی کہا تھا۔ کہ اناجیل میں لکھا ہے مسیح نے اپنی جان دے دی۔ اس کا مَیں نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اناجیل میں ایسے اختلافات موجود ہیں جن کے درمیان مطابقت نہیں دی جا سکتی اور یقینی طور پر بعض بیانات غلط ہیں۔ اس لئے مَیں اپنے مدمقابل کو چیلنج دیتا ہوں کہ وہ آئندہ ۱۴ اگست کو اختلافات اناجیل پر مجھ سے مباحثہ کر لے۔ لیکن اس چیلنج کا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پبلک پر اچھا اثر ہوا۔ کئی حاضرین نے مجھ سے کہا کہ آپ کے دلائل زبردست تھے۔ اور اس کی سخت کلامی کی مذمت کی۔ ۱۴ اگست کو مَیں نے انجیل سے اختلافات پیش کئے جن پر بعض نے سوالات کئے جن کے مَیں نے جوابات دیئے۔ ایک اختلاف مَیں نے یہ پیش کیا تھا کہ مسیح نے جب اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کے لئے بھیجنا چاہا تو بعض ہدایات دیں۔ متی کہتا ہے کہ اس نے یہ ہدایت بھی دی کہ وہ اپنے ساتھ سونٹا نہ لیں لیکن مرقس کہتا ہے کہ اس نے یہ ہدایت دی تھی کہ وہ سوائے سونٹے کے اَور کچھ نہ لیں۔ یہ ایک صریح تناقض ہے جو کسی طرح نہیں اُٹھ سکتا۔ ہر ایک عقلمند یہی کہے گا کہ دونوں

میں سے ایک نے ضرور غلط بیانی کی ہے کیونکہ دونوں ایک ہی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک عورت نے کہا مثلاً جرمن کہتے ہیں کہ آج ہم نے برٹش کے سو ہوائی جہاز گرائے۔ لیکن انگریز کہتے ہیں صرف پچیس گرائے۔ اس اختلاف سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا۔ میں نے کہا کہ میں واقعہ کا تو انکار نہیں کرتا۔ میں تو صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ متی اور مرقس میں سے انگریز کون ہے اور جرمن کون؟ کس کا خلاف واقعہ بیان ہے۔ میرے علم کے مطابق اس طرز کا مباحثہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان پہلا مباحثہ ہے۔" [1]

مولانا رحمت علی صاحب کی جزائر شرق الہند کو روانگی

مولوی رحمت علی صاحب مبلغ انچارج جزائر شرق الہند ۱۴ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو گیارہ بجے صبح کی گاڑی سے چوتھی بار جزائر شرق الہند میں تبلیغ کے لئے روانہ ہوئے۔ [2]

مشرقی جاوا کے پہلے احمدی کا انتقال

مسٹر مانکو دی آسترو جو مشرقی جاوا میں پہلے احمدی تھے۔ ۱۸ فتح / دسمبر ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو ستر سال کی عمر میں انتقال کر گئے مرحوم نہایت مخلص احمدی تھے۔ دن رات تبلیغ میں مصروف رہتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق تھا۔ مسجد سروبایا کے لئے نہ صرف اپنی زمین وقف کر دی تھی بلکہ اس کی تعمیر کے لئے چندہ بھی دیا۔ جماعتی چندوں میں بھی بہت باقاعدہ اور جماعتی کاموں میں بہت سرگرم تھے۔ [3]

۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کی نئی مطبوعات

۱۔ "خطبات عیدین" (سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے حقائق و معارف سے لبریز خطبات کا مجموعہ جو ملک فضل حسین صاحب نے مرتب کر کے شائع کیا)

۲۔ "روئیداد جلسہ خلافت جوبلی" (مرتبہ مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے سیکرٹری خلافت جوبلی)

۳۔ "بہائی تحریک پر تبصرہ" (مولفہ مولوی ابوالعطاء صاحب)

بہائیت کے متعلق تاریخی معلومات کا مستند مجموعہ جس میں بہائی شریعت اقدس کا اصل نسخہ اور اس کا ترجمہ

---

[1] "الفضل" ۱۷ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۵۔
[2] " ۱۶ " " صفحہ ۷ کالم ۲۔
[3] " ۱۷ شہادت / اپریل ۱۳۲۰ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

شامل کرنے کے علاوہ اسلامی شریعت سے اس کا موازنہ بھی کیا گیا ہے اور احمدیہ عقائد اور بہائی عقائد کا مقابلہ بھی کیا گیا ہے۔

رسالہ "معارف" (بابت ماہ فروری ۱۹۴۲ء) نے اس پر حسب ذیل ریویو کیا:۔

"ابوالعطاء صاحب نے اس کتاب میں خود بہائی لٹریچر اور ان کی کتابوں سے اس تحریک کی تاریخ اور اس کے عقائد پر تبصرہ کر کے اس کی گمراہیوں کو آشکارا کیا ہے۔ بہائیوں کی کتاب اقدس کا عربی متن بھی معہ ترجمہ کے دیدیا ہے۔ کتاب مفید اور دلچسپ ہے لیکن لائق مصنف اپنے فرقہ کی تبلیغ سے نہیں چوکے ہیں"

۴۔ "مسلم نوجوانوں کے سنہری کارنامے" (مرتبہ جناب رحمت اللہ خاں صاحب شاکر اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل") یہ کتاب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی تحریک پر لکھی گئی تھی چنانچہ اس کے دیباچہ میں آپ نے تحریر فرمایا کہ

"شاکر صاحب نے جس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔ وہ ایک عرصہ دراز سے بلکہ طالب علمی کے زمانے سے میرے مدنظر تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب یہ خاکسار سکول کی نہم اور دہم جماعت میں تعلیم پاتا تھا تو اس وقت ہمیں ایک انگریزی کی کتاب "گولڈن ڈیڈز" پڑھائی جاتی تھی جس میں بعض مغربی بچوں اور نوجوانوں کے سنہری کارناموں کا ذکر درج تھا۔ مجھے اس کتاب کو پڑھ کر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ایک کتاب اردو میں مسلمان نوجوانوں کے کارناموں کے متعلق لکھی جائے جس میں مسلمان بچوں کے ایسے کارنامے درج کئے جائیں جو مسلمان نونہالوں کی تربیت کے علاوہ دوسری قوموں کے لئے بھی ایک عمدہ سبق ہوں۔ یہ خواہش طالب علمی کے زمانہ سے میرے دل میں قائم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد جب میں نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا۔ تو یہ خواہش اور بھی ترقی کر گئی کیونکہ میں نے دیکھا کہ جو کارنامے مسلمان نوجوانوں کے ہاتھ پر ظاہر ہو چکے ہیں۔ وہ ایسے شاندار اور رُوح پرور ہیں کہ ان کے مقابل مسیحی نوجوانوں کے کارناموں کی کچھ بھی حیثیت نہیں اور میں نے ارادہ کیا کہ جب بھی خدا توفیق دے گا میں اس کام کو کروں گا۔ مگر افسوس ہے کہ ایک لمبے عرصہ تک میری یہ خواہش عملی جامہ نہ پہن سکی۔ بالآخر گذشتہ سال اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ تقریب پیدا کر دی کہ شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر نے مجھ سے مشورہ پوچھا کہ میں آجکل رخصت کی وجہ سے فارغ

ہوں۔ مجھے کوئی ایسا مضمون بتایا جائے جس پر مَیں ایک مختصر کتاب لکھ کر اسلام اور احمدیت کی خدمت کر سکوں۔ اس پر مَیں نے شاکر صاحب کو اپنی یہ خواہش بتا کر یہ تحریک کی کہ وہ اس موضوع پر مطالعہ کر کے کتاب تیار کریں اور مَیں نے چند ایسی کتابوں کے نام بھی بتا دیئے جس سے وہ اس مضمون کی تیاری میں مدد لے سکتے تھے اور انتخاب وغیرہ کے متعلق بھی مناسب مشورہ دیا اور مجھے خوشی ہے کہ شاکر صاحب نے مطلوبہ کتاب کے تیار کرنے میں کافی محنت سے کام لے کر ایک اچھا مجموعہ تیار کر لیا ہے۔ میں نے اس سارے مجموعہ کو بالاستیعاب نہیں دیکھا۔ مگر بعض حصے دیکھے ہیں اور بعض جگہ مشورہ دے کر اصلاح بھی کروائی ہے اور مَیں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ کتاب نوجوانوں کے لئے مفید ثابت ہوگی" [1]

۵۔ "گورو گوبند سنگھ کے بچوں کا قتل" (مؤلفہ گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ)

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رض نے مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء کے موقعہ پر جماعت کے اہل قلم کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا تھا کہ

"اگر علمی مذاق رکھنے والے لوگ اپنی فرصت کے اوقات میں کوئی کتاب ہی لکھ دیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ . . . مگر یہ ضروری بات ہے کہ جو کتاب لکھیں وہ معقول ہو اور علمی رنگ میں لکھی گئی ہو۔ . . . مصنف وہ ہوں جو ہوش و حواس قائم رکھتے ہوں اور عقل و فکر سے کام لینے والے ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ کوئی ایسا فلسفہ نکالیں جس سے دنیا میں تہلکہ مچ جائے بلکہ ایسی باتیں لکھی جائیں جو عام سمجھ کے مطابق ہوں اور جن میں اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا حل کیا گیا ہو مثلاً مورخین کی کتابیں ہیں ان میں مسلمان بادشاہوں پر سخت ظلم کئے گئے اور ان پر نہایت گندے الزامات لگائے گئے ہیں۔ . . . مثال کے طور پر کہتا ہوں۔ اورنگ زیب کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجدد کہا کرتے تھے۔ . . . لیکن اورنگ زیب کی شکل تاریخوں میں نہایت ہی تاریک دکھائی گئی ہے . . . . . . غرض تاریخوں میں مسلمان بادشاہوں پر بہت سے اعتراضات عائد کئے گئے ہیں۔ ہماری جماعت کے مصنف اس طرف بھی توجہ کریں تو سلسلہ کے لئے مفید لٹریچر مہیا کر سکتے ہیں۔" [2]

گیانی واحد حسین صاحب کا یہ رسالہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کے مندرجہ بالا ارشاد کی تعمیل کی ایک کامیاب

[1] دیباچہ "مسلم نوجوانوں کے سنہری کارنامے" صفحہ ۱، ۲۔ [2] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴۔

کوشش تھی جس میں ٹھوس واقعات کی روشنی میں پانچ زبردست دلائل سے اس الزام کو بے بنیاد اور فرضی ثابت کیا گیا کہ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں اس کی پالیسی کے ماتحت گورو گوبند صاحب کے دو لڑکے مسلمانوں کے ہاتھوں چمکور میں قتل ہو گئے اور دو اور چھوٹے بچوں کو محض اسلام قبول نہ کرنے کی پاداش میں قلعہ سرہند کی دیواروں میں زندہ چنوا دیا گیا۔ گیانی صاحب نے اس رسالہ میں یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں نے گورو گوبند سنگھ صاحب اور ان کے بچوں پر کبھی ظلم نہیں کیا بلکہ ہمیشہ نرمی و ملاطفت سے پیش آتے رہے۔ تبھی تو گورو صاحب ہمیشہ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے مدح سرا رہے جیسا کہ ظفرنامہ میں لکھا ہے۔ اس رسالہ کا دیباچہ ملک کے بلند پایہ ادیب مولانا عبدالمجید خاں صاحب سالک ایڈیٹر روزنامہ "انقلاب" نے لکھا۔

۶۔ "احمدیت کی تھنی کتاب" (مؤلفہ ماسٹر محمد شفیع ... سا

۷۔ "مولوی محمد علی صاحب کا جنگ موعود نبی سے" (مؤلفہ ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم سابق ... مجاہد علاقہ ملکانہ)

۸۔ "مولوی محمد علی اور اس کی تفسیر بیان القرآن خلاف مذہب آخر الزمان" (مؤلفہ قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی امیر جماعتہائے احمدیہ سرحد) یہ رسالہ میاں حیات محمد صاحب احمدی بھیروی سب ڈویژنل آفیسر پشاور کی تحریک اور ان کے خلف الرشید میاں محمد انور صاحب کی خاص دلچسپی سے لکھا گیا۔

۹۔ "چشمہ عرفان" (مرتبہ مبارک احمد خاں صاحب امین آبادی سابق مدیر جریدہ "عبرت" کلکتہ) یہ کتاب چوہدری محمد مالک خاں صاحب تسنیم بی۔اے متعلم لاء کالج رئیس امین آباد کی یادگار کے طور پر شائع کی گئی جو مبارک احمد خاں صاحب کی تحریک و تبلیغ سے دسمبر ۱۹۳۵ء میں حلقہ بگوش احمدیت ہوئے اور اپنے اخلاص، سعادت مندی اور دینی ذوق میں جلد جلد ترقی کرنے لگے مگر افسوس کہ زندگی نے وفا نہ کی۔ اور تقریباً ایک ماہ تک تپ محرقہ میں مبتلا رہ کر ۱۸ جولائی ۱۹۳۹ء کو ۲۴ برس کی عمر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔[1] "چشمہ عرفان" دینی اور روحانی نکات و مضامین کا ایک مختصر مگر نہایت مفید مجموعہ ہے۔

۱۰۔ "گلدستہ دینیات" (احمدی لڑکوں کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خلفاء

---

[1] آپ کی وفات پر جن بزرگان سلسلہ نے تعزیت نامے لکھے۔ ان میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب مبلغ انگلستان و امریکہ، حضرت مولوی محمد دین صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول، ملک خدابخش صاحب جنرل سکرٹری جماعت احمدیہ لاہور، ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم، پیر اکبر علی صاحب ایم۔بی۔ای، ایم۔ایل۔اے ایڈووکیٹ فیروزپور اور پیر محمد بخش صاحب پلیڈر امیر جماعت احمدیہ گوجرانوالہ کے اسماء قابل ذکر ہیں مرحوم کا جنازہ بھی پیر محمد بخش صاحب نے پڑھایا تھا۔

اور دوسرے بزرگان سلسلہ کی تحریرات پر مشتمل دینی اسباق جو پیر صلاح الدین صاحب بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی اور ملک مبارک احمد خاں صاحب نے مرتب کئے۔ رسالہ کے آخر میں بہت سی دلچسپ، مفید اخلاقی و روحانی کہانیاں درج تھیں جو وہ بھی بیشتر انہی عظما، کی بیان فرمودہ تھیں۔

۱۱۔ "غلبہ اسلام بذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام" (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایمان پرور تحریرات کا مجموعہ مرتبہ مولوی عبدالرحمن صاحب مبشر مولوی فاضل)

اندرونِ ملک کے مشہور مباحثات

مباحثہ امین آباد (ضلع گوجرانوالہ) ۲۴ تبلیغ ۱۳۱۹ ہش مطابق ۲۴ فروری ۱۹۴۰ء کو امین آباد ضلع گوجرانوالہ میں مسئلہ ختم نبوت پر مناظرہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد سلیم صاحب اور غیر احمدیوں کی طرف سے سائیں لال حسین صاحب اختر نے بحث کی۔ لال حسین صاحب کو دو بار اپنی بدزبانی پر احمدیوں سے معافی مانگنی پڑی اور دو بار حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کے ادھورے اقتباس پیش کر کے اور اعتراض کر کے شرمندگی اور رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا۔ غیر احمدی شرفاء نے اعتراف کیا کہ ان کا نمائندہ احمدی مناظر کے مقابلہ میں دلائل پیش کرنے سے قاصر رہا۔ ہندو پبلک نے عام طور پر یہ رائے ظاہر کی کہ احمدی مناظر علم، دلائل اور شرافت و متانت میں اپنی نظیر آپ تھے۔[1]

مباحثہ قادیان ۱۰ امان/مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کو حضرت سید محمد اسحاق صاحب کے زیر اہتمام مولوی ناصر الدین عبداللہ صاحب وید بھوشن مولوی فاضل کا وید تیرتھ پروفیسر جامعہ احمدیہ اور پنڈت ترلوک چند صاحب شاستری ٹیچر ڈی۔اے۔وی ہائی سکول قادیان کے درمیان نہایت دوستانہ ماحول میں تحریری مناظرہ ہوا۔ مولوی ناصر الدین عبداللہ صاحب کا دعویٰ یہ تھا کہ ہندو دھرم کی مقدس کتاب اتھرو وید کانڈ[2] میں ایک رشی کی آمد کا ذکر ہے جس کی آمد کا مقام قادیان اور نام احمد بتایا گیا ہے حسب تجویز مولوی عبداللہ ناصر الدین صاحب پنڈت ترلوک چند صاحب اپنے بعض رفقاء سمیت حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے دفتر میں آگئے اور فریقین نے اپنے اپنے پرچے آپ کی نگرانی میں لکھے۔ پہلا پرچہ مولوی صاحب نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں لکھا جس کا جواب پنڈت صاحب نے تحریر کیا۔ اس طرح باری

---

[1] ملاحظہ ہو مضمون ملک مبارک احمد خاں صاحب امین آبادی مطبوعہ "الفضل" ۳ امان/مارچ ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۷ کالم ۲۔

[2] اتھرو وید کانڈ نمبر ۲۰ سوکت ۵۰ منتر ۱-۲ نیز سوکت ۶۷ منتر ۱-۲-۳، سوکت ۱۱۵ منتر ۱، سوکت نمبر ۱۲۷ منتر ۷، سوکت ۹۷ منتر ۳، سوکت نمبر ۷۳ منتر ۶۔

باری چار پرچے مولوی صاحب نے اور تین پرچے پنڈت صاحب نے لکھے۔ اس کے بعد اسی روز ۹ بجے شب مسجد اقصیٰ میں حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کی صدارت میں ایک پبلک جلسہ منعقد ہوا جس میں احمدیوں کے علاوہ بہت سے آریہ صاحبان اور احراری بھی شامل ہوئے اور حسب ترتیب ساتوں پرچے باری باری سنائے گئے۔ جلسہ گیارہ بجے ختم ہوا۔[۱،۲]

یہ مناظرہ اسی سال "ویدوں میں احمد اور قادیان" کے نام سے چھپ گیا تھا جس کا دیباچہ حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا۔[۳]

مباحثہ گوجرانوالہ

۲۱ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو گوجرانوالہ شہر میں مولانا ابوالعطاء صاحب کا مولوی احمد یار صاحب (غیر مبائع) سے مسئلہ کفر و اسلام اور مسئلہ نبوت پر کامیاب مناظرہ ہوا۔ اگرچہ باہمی فیصلہ کے مطابق "مسئلہ خلافت" پر بھی مباحثہ قرار پایا تھا مگر غیر مبائعین نے کہلا بھیجا کہ وہ اس کے لئے تیار نہیں۔ مجلس مناظرہ میں بعض غیر احمدی بھی شامل ہوئے تھے جنہوں نے مولانا ابوالعطاء صاحب کی علمی قابلیت اور شستہ حاضر جوابی کی تعریف کی اور غیر مبائع مناظر کی بے بسی، بے علمی اور کم حوصلگی پر اظہار ناپسندیدگی کیا۔[۴]

مباحثہ کوٹ گورایا (تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور)

موضع دیوانی وال (تحصیل بٹالہ) کے قریب ایک گاؤں کوٹ گورایا ہے جہاں دیوانی وال کے بعض احمدی تبلیغ کے لئے گئے۔ تبلیغ شروع ہوئی تو گاؤں والے مسائیاں کے ایک مخالف عالم مولوی فیروز الدین صاحب، دو مددگار علماء اور ایک حافظ قرآن

۱۔ "الفضل" ۱۲ امان / مارچ ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۔

۲۔ بلدیہ گڑھ ضلع پوری اڑیسہ میں بابو بیراگی چرن مصر صاحب نے جلسہ عام میں تسلیم کیا کہ وید میں احمد اور قادیان کا ذکر ہے مگر ساتھ ہی عذر کیا کہ ابھی کلجگ پورا نہیں ہوا تو اوتار کیسے آ سکتا ہے (الفضل ۱۲ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۳) پروفیسر عبداللہ ناصر الدین صاحب نے "الفضل" (۱۸ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء) میں یہ جواب دیا کہ حضرت کرشن نے گیتا میں خود ہی فیصلہ فرما دیا ہے کہ "سمبھوامی یگے یگے" یعنی کرشن یگ کے دوران میں آتا ہے نہ کہ یگ کے خاتمہ پر۔ (اس سلسلہ میں پروفیسر صاحب کے ایک اہم مضمون کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل ۲۱ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۳)

۳۔ حضرت میر صاحب نے اپنے دیباچہ میں لکھا "میرے نزدیک یہ بحث ہمارے نقطۂ نگاہ سے کوئی اصولی بحث نہیں ہے اگر اتھرو وید میں احمد کا نام یا قادیان کا لفظ ثابت نہ ہو تو اس سے ہمیں کوئی نقصان نہیں۔ قادیان کی اہمیت یا احمد کی صداقت خود ان کے وجود سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اگر اتھرو وید ان کے ذکر سے خالی ہو تو کیا مضائقہ؟ لیکن اگر یہ دونوں نام اتھرو وید میں ثابت ہو جائیں تو آریوں پر بے شک یہ بڑی حجت ہے۔ کیونکہ اگر ان کی الہامی کتاب احمد کے ذکر اور قادیان کے نام پر مشتمل ہو تو اُن کا فرض ضرور ہے کہ وہ ان کی صداقت کے قائل ہو جائیں"

(رسالہ "ویدوں میں احمد اور قادیان" صفحہ ۲-۳)

۴۔ "الفضل" ۹ شہادت / اپریل ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۶۔

اور چالیس پچاس سید صاحبان کو لے آئے۔ احمدیوں نے مسئلہ وفات مسیح پر گفتگو کے لئے کہا مگر انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے کوئی حضرت عیسیٰؑ کی وراثت تقسیم کرنی ہے۔ ہمیں حضرت عیسیٰؑ کی موت سے کیا تعلق ہم تو یہ ثابت کرنے آئے ہیں کہ مرزا صاحب مسلمان ہیں یا نہیں۔ آخر لمبی گفتگو کے بعد سامعین کے اصرار پر قرآن مجید کی رو سے مسئلہ ختم نبوت پر مناظرہ کرنے پر رضامند ہو گئے۔ فریقین نے اپنے اپنے صدر مقرر کئے۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی محمد اعظم صاحب مولوی فاضل اور فریق ثانی کی طرف سے مولوی فیروزدین صاحب فاضل مدرسہ عثمانیہ مناظر قرار پائے۔ مولوی محمد اعظم صاحب نے نہایت عمدگی کے ساتھ قرآن مجید سے ثابت کر دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضورؐ کی غلامی سے فیض نبوت جاری ہے مگر مد مقابل عالم قرآنی دلائل کا کوئی جواب نہ دے سکے اور خلاف شرط صرف حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ پر سارا زور صرف کرتے رہے۔ بعد ازاں انہوں نے احمدی مناظر کی تقریر کے دوران شور ڈالنا شروع کر دیا۔ آخر کار قرآن وحدیث سے پیش شدہ دلائل کے سامنے جب بالکل عاجز اور بے بس ہو گئے تو مناظرہ چھوڑ کر بیرون مناظرہ میں اپنا جلسہ شروع کر دیا جماعت کی طرف سے اس وقت صدر مناظرہ محمد ملک صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ دیوانی وال تھے۔ انہوں نے درخواست کی کہ احمدی مناظر کو بھی اختتام جلسہ پر جواب دینے کا تھوڑا سا وقت دیا جائے مگر انہوں نے بالکل انکار کر دیا جس پر سب احمدی دوست واپس دیوانی وال آ گئے۔[1]

مباحثہ غازی کوٹ (ضلع گورداسپور)

۱۵/۱۶ احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو گورداسپور سے تین میل کے فاصلہ پر واقع گاؤں غازی کوٹ میں تین مناظرے ہوئے۔ طے شدہ شرائط کے مطابق پہلا مناظرہ ختم نبوت پر مولوی ابوالعطاء صاحب اور لال حسین صاحب اختر کے مابین، دوسرا صداقت حضرت مسیح موعودؑ پر مولوی دل محمد صاحب اور اختر صاحب کے مابین اور تیسرا وفات مسیح پر مولوی ابوالعطاء صاحب اور حافظ محمد شفیع صاحب کے مابین ہوا۔ تینوں مناظروں میں احمدی علماء نے قرآن کریم اور حدیث شریف سے واضح استدلال کئے اور اپنی تائید میں بزرگان احناف کے اقوال بھی پیش کئے مگر دوسرے علماء زیادہ تر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض تحریروں کو غلط انداز میں پیش کر کے عوام کو مغالطہ دینے کی کوشش کرتے رہے مگر خدا کے فضل و کرم سے اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ دوسرا مناظرہ شروع ہونے سے قبل لال حسین صاحب اختر نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شان مبارک میں خواہ مخواہ بدزبانی شروع کر دی جس پر احمدیوں نے احتجاج کیا اور صدر جلسہ مولانا ابوالعطاء صاحب نے پورے زور کے ساتھ مجسٹریٹ صاحب علاقہ کو (جو مناظرہ میں موجود تھے) توجہ دلائی کہ اس شخص کو ان الفاظ کے واپس لینے پر مجبور

---

[1] "الفضل" ۳۱ ہجرت/مئی ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲

کیا جائے۔ انسپکٹر صاحب پولیس نے شہادت دی کہ واقعی لال حسین صاحب نے سخت ناروا کلمہ کہا ہے اور احمدیوں کی واقعی دلآزاری کی گئی ہے۔ اس پر مجسٹریٹ صاحب نے احراری نمائندہ شریف حسین صاحب وکیل کو بُلوا کر حکم دیا کہ مولوی لال حسین صاحب یہ الفاظ واپس لیں ورنہ مناظرہ بند کر دیا جائے اور آپ لوگ یہاں سے فوراً چلے جائیں۔ اس پر سائیں لال حسین صاحب نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ اس پر مناظرہ شروع ہوا۔[۱]

اس مناظرہ کو سننے کے لئے قادیان دارالامان سے بہت سے احباب تشریف لے گئے تھے۔

مباحثہ پٹھانکوٹ آریہ سماج پٹھانکوٹ نے اپنے جلسہ کے موقعہ پر اشتہار کے ذریعے تبادلہ خیالات کی عام دعوت دی جسے جماعت احمدیہ دولت پور پٹھانکوٹ نے قبول کرتے ہوئے شرائط مناظرہ طے کیں اور آریوں کا جلسہ ختم ہونے کے دوسرے دن ۱۹؍اگست کو پہلے پہر اصول آریہ سماج پر اور پچھلے پہر اصولِ احمدیت پر مناظرہ ہوا۔ ہر مضمون کے لئے سوا تین گھنٹے وقت تھا۔ پہلی تقریریں آدھ آدھ گھنٹہ اور بعد کی تقریریں پندرہ پندرہ منٹ کی تھیں۔ پہلے مضمون میں جماعت احمدیہ کی طرف سے مہاشہ محمد عمر صاحب مولوی فاضل مناظر اور مولوی ظہور حسین صاحب مبلّغ بخارا پریذیڈنٹ تھے۔ آریہ مناظر پنڈت شانتی پرکاش صاحب نے اپنی پہلی تقریر میں ویدوں کے متعلق کہا کہ وہ ابتدائے دُنیا میں اُتارے گئے تھے اور اُن میں سائنس کی باتیں ہیں۔ پرمیشور کے متعلق اعلیٰ تعلیم ہے وغیرہ۔ مہاشہ صاحب نے اپنی تقریر میں بتایا کہ پرمیشور کے متعلق ویدک تعلیم یہ ہے کہ وہ مالوں کو چُراتا اور چُرواتا ہے۔ سوم رس پیتا ہے اور ایسی مثالوں سے بعض نصائح کی گئی ہیں کہ انسان کو بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ ویدوں کے محرّف و مبدّل ہونے کے ثبوت میں مختلف مثالیں پیش کیں اور مختلف ایڈیشنوں سے دکھایا کہ بعض ویدوں میں سے منتر کے منتر اُڑا دیئے گئے ہیں۔ اور بعض جگہ بیس پچیس منتروں تک زائد کر دیئے گئے ہیں۔ ویدوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ کس پر نازل ہوئے اور ویدک تعلیم کے متعلق مثالوں سے بتایا کہ وہ ہرگز قابلِ عمل نہیں۔ آریہ مناظر نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن آخر تک مہاشہ صاحب کے اعتراضات کا قطعاً کوئی جواب نہ دے سکا۔ قرآن مجید اور مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات پر جو اعتراضات پنڈت صاحب نے کئے۔ مہاشہ صاحب مکرم نے ان کے تسلی بخش جواب دیئے اور ایسا اچھا اثر ہوا کہ غیر احمدی مسلمانوں نے بھی تعریف کی۔ دوسرے مناظرہ میں جماعت احمدیہ کی طرف سے چودھری محمد یار صاحب عارف مناظر تھے۔ آپ نے پہلی تقریر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض حوالے جن سے احمدیت اور اسلام کے اصول ایک ہی ثابت ہوتے ہیں سُنانے کے بعد دس اصول جماعت احمدیہ کے بیان کئے مثلاً آپ نے بتایا کہ ہم

---

[۱] "الفضل" ۱۹؍احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۲، ایضاً "الفضل" ۲۶؍احسان/جون ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵۔

خدا کو ایک مانتے ہیں۔ آریوں کی طرح صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ رُوح و مادّہ کو پیدا کرنے والا مان کر اس کی حقیقی توحید کے قائل ہیں۔ پھر یہ کہ ہم زندہ خدا کو ماننے والے ہیں۔ اس کو کامل صفات والا مانتے ہیں۔ ایسی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں جس پر ہر انسان عمل کر سکتا ہے۔ ایسی الہامی کتاب ماننے کی دعوت دیتے ہیں جس کی زبان زندہ اور جو ہر ضروری دعویٰ خود کرتی اور خود ہی اس کے دلائل دیتی ہے وغیرہ۔ آپ نے ہر بات کے لئے قرآن مجید سے ثبوت دیا اور ساتھ ساتھ آریوں کے پرمیشور اور ویدوں کا اور ویدک تعلیم کا نہایت موثر طریق سے مقابلہ کیا۔ آریہ مناظر نے کھڑے ہوتے ہی کہا کہ یہ مناظرہ مسلمانوں سے نہیں بلکہ احمدیوں سے ہے۔ اس لئے میں بیان کردہ امور کی بجائے حضرت مرزا صاحب (علیہ السلام) کی باتیں پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد اُس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراضات کئے اور بعد کی تقریروں میں بھی پیشگوئیوں اور الہامات وغیرہ پر اعتراض کرتا رہا۔ عارف صاحب نے جواب میں ستیارتھ پرکاش کے دو چار حوالے پڑھ کر جن میں اسلام پر گندے اعتراضات کئے گئے ہیں بتایا کہ آریہ سماج کے مقابلہ میں سب مسلمان ایک ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیشک مامور ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا ماننا ضروری قرار دیا۔ لیکن آپ کی بعثت کی غرض تو اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنا تھی۔ پھر پیشگوئیوں اور الہامات پر اعتراضات کے مدلّل جواب دیئے۔ بعد کی تقریروں میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسلام کا نمائندہ ثابت کیا اور پنڈت لیکھرام کی پیشگوئی اور مقابلہ کا وضاحت سے ذکر کر کے اسلام کی افضلیت ثابت کی۔ آریہ مناظر نے ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمانوں کو جماعت احمدیہ کے خلاف بھڑکائے لیکن احمدی مناظر ایسی عمدگی سے جواب دیتا رہا کہ آریہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بلکہ دورانِ مناظرہ میں جب بعض آریہ ہمارے مناظر کے ناقابل تردید مطالبات اور اپنے پنڈت کی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے بول پڑے تو مسلمانوں نے نہایت سختی سے ان کا مقابلہ کیا۔ احمدی مناظر نے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اپنے بیان کردہ اصول کو بھی بار بار دُہرا کر پنڈت شانتی پرکاش صاحب کو چیلنج کیا کہ ان کے مقابلہ میں ویدک اصول کی کمزوری کا جواب دیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات پر اعتراض کا جواب دے کر ویدوں کے چالیس پچاس بے معنی منتر پیش کر کے بار بار پُوچھا کہ کیا یہی وہ کامل الٰہی کتاب ہے جس کے قبول کرنے کی دعوت آپ مسلمانوں کو دیتے ہیں اور خواب دیکھا کرتے ہیں کہ اوم کا جھنڈا مکہ اور مدینہ میں بھی گاڑا جائے گا۔ لیکن آریہ مناظر آخر دم تک ان مطالبات کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ آخری تقریر میں عارف صاحب نے نہایت احسن پیرایہ میں تبلیغ کی اور آریوں کو مخاطب کر کے کہا کہ مذہب کوئی کھیل تماشا نہیں۔ جو باتیں ہم نے پیش کی ہیں اُن پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے مناظرہ بہت کامیاب رہا۔ آریہ مناظر نے ہر چند کوشش

کی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات اور تحریرات پر اعتراض کرکے مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرے اور اس کوشش میں اس نے ویدوں اور بانی آریہ سماج پر ہمارے مناظر کے کئے ہوئے اعتراضات کو بالکل نظر انداز کر دیا اور کسی ایک اعتراض کا بھی جواب نہ دیا۔ اس سے جہاں آریہ سماج کے اصولوں کی کمزوری حاضرین پر واضح ہو گئی وہاں جماعت احمدیہ پر عام اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیئے گئے اور ایسے مسلمان جو احمدیت پر محض اعتراض کرنا ہی جانتے ہیں اور جوابات سننا بھی جنہیں گوارا نہیں ان پر ان اعتراضات کی لغویت اچھی طرح واضح کی گئی اور اس طرح غیر احمدیوں کو تبلیغ کرنے کا ایک نہایت ہی اچھا موقع مل گیا اور تقریباً دو ہزار لوگ جو نصف کے قریب مسلمان تھے نہایت اچھا اثر لے کر گئے۔[1] الحمد للہ علٰی ذالک۔

مباحثہ مردان ۱۷ / تبوک / ستمبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کو بمقام مردان احمدیوں اور غیر احمدیوں کے مابین وفات مسیح اور ختم نبوت کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے مناظر مولوی چراغ الدین صاحب مبلغ سلسلہ تھے اور غیر احمدی اصحاب کی طرف سے مولوی مصلح الدین صاحب۔ مناظرہ میں غیر احمدی عالم لاجواب ہو گئے۔[2]

مباحثہ کلُشنا (بنگال) بنگال میں کلُشنا اہلحدیث کا مشہور گاؤں تھا جہاں قریشی محمد حنیف صاحب قمرؔ سائیکل سیاح کا مولوی نعمت اللہ صاحب اور دیگر چار علماء سے مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ پر مباحثہ ہوا۔ پندرہ منٹ کے بعد مولوی نعمت اللہ صاحب مجلس سے فرار کر گئے اور اُن کے باقی رفقاء گالیوں پر اُتر آئے۔ قریشی صاحب نے جب اہلحدیث کتب خانہ سے بعض کتابیں لے کر انہی سے حوالے دکھانے شروع کئے تو اُن سے کتابیں چھین لی گئیں اور کتب خانہ مقفل کر دیا۔[3]

مباحثہ مونگ (ضلع گجرات) جماعت احمدیہ اور جماعت حنفیہ مونگ کے درمیان ۲۹-۳۰ / اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کو مباحثہ قرار پایا تھا۔ شرائط حسب ذیل تھیں:-

(۱) مبحث تین ہوں گے (۱) وفات مسیح (۲) ختم نبوت (۳) صداقت حضرت مسیح موعود

(۲) مابہ الاستدلال قرآن، حدیث و اقوال اہلسنت والجماعت و اقوال حضرت مرزا صاحب و بزرگان احمدی

(۳) پہلی تقریر بیس بیس منٹ کی اور اس کے بعد ہر تقریر دس منٹ کی۔ مباحثہ تین گھنٹے دس منٹ ہوگا۔ پہلی اور پچھلی تقریر مدعی کی ہو گی۔ (۴) مباحثہ زبانی ہوگا (۵) ہر فریق کے مناظر دائرۂ تہذیب میں رہ کر مناظرہ

---

[1] "الفضل" ۵ / ظہور / اگست ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۶، ۷۔ [2] "الفضل" ۱۰ / اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۴۔

[3] "الفضل" ۱۰ / اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۱، ۲۔

کریں گے۔ ہر فریق جو بد زبانی کرے یا تالی بجائے شکست خوردہ سمجھا جائے گا۔ (۶) ہر فریق کے تین تین آدمی حفظِ امن کے ذمہ دار ہوں گے۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے سید حیدر شاہ صاحب، خان محمد صاحب اور روشن خاں صاحب قرار پائے، فریق مخالف کی طرف سے راجہ مہدی خاں صاحب، مولوی اللہ دتہ صاحب اور راجہ حاکم خاں صاحب (۷) مباحثہ دائرہ راجہ احمد خاں میں ہوگا (۸) حضرت مرزا صاحب کا صرف قول ہی پیش کیا جائے گا تشریح نہیں کرنی ہوگی۔

حسب قرارداد ۲۹ ؍ اکتوبر کو ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے مناظرہ شروع ہوا۔ سامعین کی تعداد خاصی تھی اور اُن میں ہندو اور سکھ بھی شامل تھے۔ پہلے مباحثہ میں جو حیات ممات مسیح پر تھا مدعی لال حسین اختر اور مجیب مولانا محمد یار صاحب عارف تھے۔ مباحثہ نہایت خوش اسلوبی سے ہوا۔ اگرچہ لال حسین صاحب نے لوگوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی مگر عارف صاحب کی تقریر کچھ ایسی مؤثر ہوئی تھی کہ لوگ لال حسین صاحب کے دھوکے میں نہ آئے۔ میدان مناظرہ میں بالکل سکوت چھایا ہوا تھا۔ مخالفین بھی آپ کی تقریر کے وقت ہمہ تن گوش ہو کر سُن رہے تھے۔

دوسرا مباحثہ اسی تاریخ کو زیر صدارت عارف صاحب شیخ عبد القادر صاحب فاضل نومسلم نے کیا۔ آپ نے بھی اپنے وقت میں اچھے دلائل دیئے اور ختم نبوت کے مسئلہ کو بہت عمدگی سے واضح کیا۔

تیسرا مباحثہ ۳۰ ؍ اکتوبر کی صبح کو ۹ بجے شروع ہوا۔ اور ایک بجے ختم ہوا۔ اس مباحثہ میں جو صداقتِ حضرت مسیح موعودؑ پر تھا ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم بی اے۔ ایل ایل بی پلیڈر گجرات کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اور مناظر چودھری محمد یار صاحب عارف تھے۔ اس مباحثہ میں نقضِ امن کا زیادہ خطرہ تھا مگر قابل صدر کی کوشش سے اور قابل مقرر کی عالمانہ تقریر سے جو درحقیقت خدا کے فضل کے اسباب تھے کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ اگرچہ مخالف احمدیت نے بڑی کوشش کی کہ لوگوں کو مشتعل کرے۔ غلط باتیں پیش کر کے حاضرین کو اکسایا مگر وہ اپنے بد ارادہ میں کامیاب نہ ہوا۔[1]

مباحثہ پیرول (بہار) پیرول صوبہ بہار (انڈیا) کی ایک بستی ہے جہاں ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کے آخر میں ابو البشارت مولوی عبد الغفور صاحب فاضل نے ایک غیر احمدی عالم سے ایک گھنٹہ تک مناظرہ کیا۔ جب غیر احمدیوں نے دیکھا کہ ان کے مولوی صاحب احمدیت کے معقول دلائل تسلیم کر چکے ہیں اور بعض سے ساکت آگئے ہیں تو انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا۔[2]

مباحثہ لاہور مسجد احمدیہ (بیرون دہلی دروازہ) لاہور میں ۲۷ ؍ اخاء / اکتوبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو مسئلہ نبوت پر اور ۱۷ ؍ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء کو مسئلہ کفر و اسلام پر غیر مبائع اصحاب سے نہایت کامیاب مناظرے ہوئے۔

---

[1] "الفضل" ۹ ؍ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۶
[2] "الفضل" ۲۳ ؍ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۵ کالم ۲-۳

مبلغین سلسلہ عالیہ احمدیہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے ساتھ (دسمبر ۱۹۳۹ء) ناموں کی تفصیل ضمیمہ میں درج ہے

سالانہ جلسہ قادیان

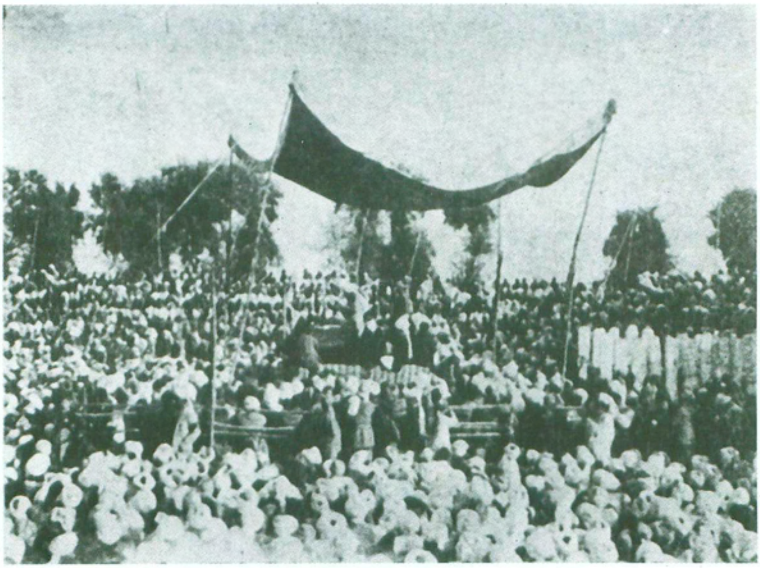

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تقریر فرما رہے ہیں

اوّل الذکر موضوع میں جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے میاں محمد عمر صاحب بی۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ ایل۔ بی نے اور فریق لاہور کی طرف سے مولوی احمد یار صاحب نے بحث کی۔ میاں محمد عمر صاحب نے اثبات نبوت مسیح موعودؑ میں چار فیصلہ کن دلائل پیش کئے اور ہر دلیل کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی واضح تحریرات پیش کیں اور غیر مبائعین کے غلط استدلال کے دندان شکن جوابات دیئے مگر فریق لاہور کے مناظر صاحب بار بار دو ایک حوالوں کو ہی دُہراتے رہے[1]

شیخ روشن دین صاحب تنویر کا قبول احمدیت

اس سال جو خوش نصیب سلسلہ احمدیہ سے وابستہ ہوئے۔ ان میں شیخ روشن دین صاحب تنویر[2] بی۔ اے، ایل ایل بی سیالکوٹ (حال مدیر "الفضل") خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔ آپ نے ۲۰ صلح / جنوری ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء کو بیعت کا فارم پُر کیا۔ شیخ صاحب نے انہی دنوں اپنے قبول احمدیت کے حالات "الفضل" میں بھی شائع کرا دیئے تھے جن کا ایک ضروری حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"دسمبر ۱۹۳۹ء کے شروع میں میری ایک مربّیہ[3] نے جو نہایت مخلص احمدی ہیں مجھے قادیان دارالامان کی زیارت کی دعوت دی۔ مَیں نے یونہی کچا پکا وعدہ کر لیا۔ انہی دنوں محترمی محمد نذیر صاحب فاروقی ضلعدار ریاست بہاولپور نے بھی (جو میرے لنگوٹیے یار ہیں) ایک خط میں اسی قسم کی دعوت دی۔ ان کا ایک مطلب یہ بھی تھا کہ دیرینہ مفارقت کے بعد ملاقات کا اچھا موقعہ ہاتھ آجائے گا۔ مزید برآں مرکز سے بھی ایک فارمل دعوت ایک عزیز نے بھجوا دی۔ اس سہ گونہ دعوت کا مقابلہ میری بے پروائی سے نہ ہو سکا۔

۲۴ دسمبر ۱۹۳۹ء کی مبارک صبح کو مَیں قادیان کا واپسی ٹکٹ خرید کر پلیٹ فارم پہ گاڑی کی روانگی کے انتظار میں ٹہل رہا تھا کہ اخویم چودھری شاہنواز صاحب ایڈووکیٹ سے مڈھ بھیڑ ہوئی۔ مَیں نے اُن سے قادیان جانے کا تذکرہ کیا مگر ان کو یقین نہ آیا۔ اور آتا بھی کس طرح۔ ان کو خوب معلوم تھا کہ مَیں احمدیت کا سخت مخالف ہوں۔ جب مَیں نے اُن کو ٹکٹ دکھایا تو وہ حیران رہ گئے۔ انہوں نے فرمایا۔ قادیان سے تم ضرور احمدی ہو کر پلٹو گے۔ مَیں نے جواب دیا یہ ناممکن ہے۔ آپ جانتے ہیں مجھ جیسا آزاد منش آدمی ایسی قیدوں میں نہیں سما سکتا۔ مَیں تو صرف ایک

---

[1] عبدالرحمن صاحب مغل سیکرٹری تبلیغ حلقہ دہلی دروازہ لاہور نے اس مباحثہ کی مفصل روئیداد "الفضل" ۲۹ نبوت / نومبر ۱۳۱۹ہش / ۱۹۴۰ء میں شائع کرادی تھی۔

[2] ولادت ۲۰ اپریل ۱۸۹۲ء۔ ۱۶ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء سے اخبار "الفضل" کی ادارت کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ آپ کی تالیفات: "صور اسرافیل" (ابتدائی دینی نظموں کا مجموعہ) "اسلام میں ارتداد کی سزا" اس کے علاوہ "الامام المہدی" اور "الجہاد" کے عنوان سے آپ کے معرکۃ الآراء مضامین رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو میں شائع ہوئے۔

[3] ان کا نام سکینہ بی بی ہے۔

تماشہ دیکھنے جا رہا ہوں تعطیلات ہیں، لاہور نہ سہی قادیان سہی - اتنے میں روانگی کی سیٹی بجی اور ہم سوار ہو گئے - ویرکا ریلوے سٹیشن تبدیلی کے لئے اُترنا پڑا - پلیٹ فارم پر، احمدی خاندانوں کے خاندان اُتر پڑے پلیٹ فارم سوٹ کیسوں، ٹرنکوں اور بستروں سے پٹ گیا - اس منظر نے ایک عجیب و غریب اثر میرے دل پر کیا - مجھے ایسا معلوم ہوا کہ صدیوں کی سوئی ہوئی کوئی چیز میرے رگ و پے میں جاگ رہی ہے - مرد، عورتیں اور بچے، بچے کچھ ماؤں کی گودوں میں، اور کچھ ننھے ننھے قدم اُٹھاتے ہوئے، اُنگلیاں پکڑے، اس سردی کے موسم میں، کنبوں کے کنبے، گھروں کو تالے لگا کر، کس شوق و ذوق سے آمادۂ سفر ہیں پختگیٔ اعتقاد کا ایک مقدس پہاڑ میری نگاہوں میں بلند ہو رہا تھا - مرد، عورتیں اور بچے، ماؤں کی گودوں میں ہمکتے ہوئے بچے چلتے پھرتے بچے، سب میری آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر رہے تھے میں ایک اور ہی دنیا میں چلا گیا - ایسی دُنیا میں جو گذشتہ دنیا سے پاکیزہ تر اور ارفع و اعلیٰ تھی - جو مقدس اعتقاد کی دنیا ہے - جہاں سوائے صفائی قلب اور جذب رُوحانی کے اَور کچھ نہیں - یہ اثر تھا جو میری رُوح پر ہوا - یہ پہلا اثر تھا جس نے زیارتِ قادیان کا جوش پوری طاقت کے ساتھ میرے دل میں پیدا کر دیا - انتظار کی گھڑیاں مجھے قیامت کی صدیاں معلوم ہونے لگیں - خدا خدا کر کے ہماری گاڑی آپہنچی اور میں بڑے اشتیاق کے ساتھ سوار ہوا - اگرچہ گاڑی میں اس قدر بھیڑ تھی کہ بہت سے لوگوں کو کھڑے ہونے کے لئے بھی جگہ میسر نہ تھی اور مسافر سخت تنگی میں تھے مگر مجھے اشتیاق قادیان کی وجہ سے اس کھچا کھچی میں بھی ایک لطف آرہا تھا اور میں اپنے آپ کو جنت میں بیٹھا ہوا تصور کرتا تھا - گو گاڑی کی رفتار مجھے سُست معلوم ہوتی تھی - میں چاہتا تھا کہ میری رُوح اور جسم کی تمام طاقت بھی انجن کی قوت کے ساتھ مل جائے اور گاڑی فوراً قادیان پہنچ جائے - غروب آفتاب کے وقت آخر گاڑی قادیان کے سٹیشن پر جا کھڑی ہوئی سٹیشن پر اتنا ہجوم تھا کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا - یہ ابھی پہلا روز تھا چھبیس تاریخ کو جلسہ کا آغاز ہونا تھا ایک حشر تھا کہ بپا ہو گیا تھا - تقدس کا ایک سمندر تھا کہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور میں اس کی موجوں کی آغوش میں ہچکولے کھا رہا تھا جس مکان میں ہم ٹھہرے وہ محلہ دارالبرکات میں واقع تھا - محلوں کے نام سُننے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہم خلد بریں میں آگئے ہیں - عزت و تکریم کی لہر میری رگ رگ میں دوڑ گئی اور ایک رُوحانی بارش میری رُوح پر برس رہی تھی - ایک بیرونی کمرے میں ہم اُترے - نیچے کماد کا چھلکا بچھا تھا - سردی کا موسم تھا - نرم گدیلوں میں یہ لطف کہاں - آرام و تعیش پر موت وارد ہو چکی تھی - سوا تسکین کے اَور کوئی بات ہی نہ تھی لنگر سے کھانا منگوایا - کھایا اور سو رہے -

صبح اُٹھ کر بازار سے ہوتے ہوئے بہشتی مقبرہ کی زیارت کی - قبروں کی قطاریں زندہ انسانوں کی صفیں معلوم

ہوتی تھیں۔ مُردوں کی پاک نفسی قبروں کے گوشوں سے نکل نکل کر میری رُوح سے ہم آغوش ہوگئی۔ تربتوں کی سادگی نہایت جاذب نظر تھی۔ زندہ مُردوں کی ایک دُنیا! ایسے مُردے کہ جن کے سامنے مجھ جیسا زندہ ایک مُردہ معلوم ہوتا۔ یہ اُن عقیدت کیش لوگوں کی آخری آرام گاہ ہے جنہوں نے اپنا تن، من، دھن اسلام کے نام پہ قربان کر دیا۔ پاک نفسوں کا اتنا بڑا جمگھٹا شاید ہی کسی اَور جگہ دیکھنے میں آئے۔ بے اختیار میرے ہاتھ فاتحہ کے لئے اُٹھ گئے اور میری رُوح ان مٹی کی پاک قبروں کے ساتھ لپٹ گئی۔ بعدۂ ہم اس چار دیواری میں داخل ہوئے جہاں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار مقدس ہے۔ سادگی پہ ہزاروں بناوٹیں قربان ہو رہی تھیں۔ خاک کے ذرّے ذرّے سے صداقت کی آواز اُٹھ رہی تھی۔ یہ قبر اس انسان کی تھی جس نے اپنے مسیحائی کے دعوے کی وجہ سے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے ساتھ عمر بھر نبرد آزمائی کی جس کی تکفیر کے فتوے لکھے گئے جس پر عیاذاً باللہ صرف عیاشی کے ہی اتہام نہ لگائے گئے بلکہ جس کو قتل کی دھمکیاں بھی دی گئیں اور جس کی اہانت کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا گیا۔ مگر خدا نے اس کو ہر ایک گزند سے بچایا۔ وہی انسان آج اس سادہ سے اور تہی از تکلف مزار کی آغوش میں جاودانی نیند پڑا سو رہا ہے۔ اس مٹی کی ڈھیری نے میرے دل میں ایمان کا شعلہ بھڑکا دیا اور مَیں ایک مضطرب جان لے کر وہاں سے لوٹا۔

. . . . . بعد دوپہر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کی باتیں، انجمن خدام احمدیہ کے جلسہ میں سُنیں۔ اس گرانمایہ شخصیت کے متعلق جتنے شکوک مَیں اپنے دل میں لے کر آیا تھا تمام کے تمام اس طرح مِٹ گئے کہ گویا کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ اتنا سادہ اور پُر زور کلام مَیں نے پہلے کبھی نہیں سُنا۔ تقریر میں کوئی دقیق مسائل نہیں بیان کئے گئے تھے۔ سادہ روزمرّہ کی باتیں تھیں۔ مگر انہی سادہ باتوں میں خدا جانے کہاں کی جاذبیت تھی کہ مَیں نے ایک ایک لفظ ہمہ تن گوش ہو کر سُنا۔ اور اپنے آپ کو زندہ سے زندہ تر پایا۔ دورانِ جلسہ میں حضور کی دیگر تقاریر بھی سُنیں جو اپنی سادگی، برجستگی، اور تاثیر کے لحاظ سے بے مثل تھیں۔ باوجود ان تاثرات کے مَیں پکا غیر احمدی رہا اور مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء کو صبح کی گاڑی قادیان سے رخصت ہو کر گھر کو روانہ ہوا۔ میرے ہمراہ اَور بھی بہت سے لوگ اس گاڑی پہ واپس ہو رہے تھے جو عموماً احمدی تھے۔ میرے ڈبے میں ایک شخص کے پاس چند کتب تھیں جو وہ قادیان سے خرید کر لایا تھا۔ مَیں نے دفع الوقتی کے لئے ایک کتاب اُن میں سے اُٹھائی اور پڑھنے لگا۔ یہ کتاب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کی تقریر "انقلاب حقیقی" تھی۔ اس تقریر کے ختم کرنے تک مَیں

دل میں احمدی ہوچکا تھا۔ زمین تو پہلے تیار تھی۔ صرف بیج ڈالنے کی دیر تھی جو "انقلاب حقیقی" نے ڈال دیا۔ اور خدا کی رحمت یکبارگی مجھ پر نازل ہوگئی۔ پہلے مَیں نے احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ ایک مخالفانہ نکتہ نگاہ سے کیا ہوا تھا۔ وہ تمام مطالعہ اب یکدم مجھ پر کریمانہ انداز سے جھپٹا اور مَیں شکار ہوگیا۔ مجھے اپنے آپ پر خود یقین نہ آتا تھا۔ میری رگ رگ میں ایک ہیجان بپا تھا اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ابھی ابھی میری روح میرے جسم کو چھوڑ دے گی جس طرح اچانک کسی ہتھیلی پر جلتا ہوا کوئلہ رکھ دیا جائے اور وہ اس اثر سے تلملانے لگے یہی حال میری رُوح کا تھا۔ عید قربان کی نماز جامع احمدیہ سیالکوٹ میں ادا کی اور گھر آکر بیعت کا فارم پُر کر کے امیر جماعت احمدیہ سیالکوٹ کو بھیجدیا۔ جس کے زیر عنوان مندرجہ ذیل فی البدیہہ رُباعی تھی ؎

عید قُربان ہے آج اے تنویرؔ
مجھ پر ہے فضلِ ربِّ سُبحانی
پیش کرتا ہوں رُوح و قلب و دماغ
کاش منظور ہو یہ قُربانی "[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے ۱۲ رشہادت / اپریل $\frac{۱۳۱۹}{۱۹۴۰ء}$ ہش کو خطبہ جمعہ کے دوران شیخ صاحب موصوف کے شاملِ احمدیت ہونے کا ذکر بایں الفاظ فرمایا:۔

"ابھی سیالکوٹ میں ایک دوست احمدیت میں داخل ہوئے ہیں۔ شیخ روشن الدین صاحب تنویرؔ ان کا نام ہے اور وکیل ہیں۔ جب مجھے ان کی بیعت کا خط آیا تو مَیں نے سمجھا کہ کالج کے فارغ التحصیل نوجوانوں میں سے کوئی نوجوان ہوں گے مگر اب جو وہ ملنے کے لئے آئے اور شوریٰ کے موقع پر مَیں نے انہیں دیکھا تو اُن کی ڈاڑھی میں سفید بال تھے۔ مَیں نے چوہدری اسد اللہ خاں صاحب سے ذکر کیا کہ مَیں سمجھتا تھا کہ یہ نوجوان ہیں اور ابھی کالج میں سے نکلے ہیں مگر ان کی تو ڈاڑھی میں سفید بال آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ تو دس بارہ سال سے وکیل ہیں۔ پہلے احمدیت کے سخت مخالف ہوا کرتے تھے مگر احمدی ہو کر تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی کایا ہی پلٹ دی ہے۔"[2]

---

[1] "الفضل" ۱۵ امان / مارچ $\frac{۱۳۱۹}{۱۹۴۰ء}$ ہش صفحہ ۴-۵

[2] "الفضل" ۲۱ رشہادت / اپریل $\frac{۱۳۱۹}{۱۹۴۰ء}$ ہش صفحہ ۱۲ کالم ۲

دوسرا باب

اشاعتِ احمدیت کی خصوصی تحریک سے لیکر واقعہ ڈلہوزی تک

خلافتِ ثانیہ کا اٹھائیسواں سال[28]

ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ (صلح ۱۳۲۰ ہش / جنوری ۱۹۴۱ء) تا ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ (فتح ۱۳۲۰ ہش / دسمبر ۱۹۴۱ء)

فصل اوّل

صحابہ کرام کو اشاعتِ احمدیت کیلئے سرگرمِ عمل ہونے کی تحریک

۳ / صلح ۱۳۲۰ ہش (۳ / جنوری ۱۹۴۱ء) کو سال کا پہلا جمعہ تھا جس کے خطبہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے سالِ نو کا پروگرام رکھتے ہوئے صحابہ مسیح موعودؑ کو تلقین فرمائی کہ وہ احمدیت کی عمارت کو دنیا میں مضبوط و مستحکم بنانے کے لئے ہر ممکن جلد جلد سے کام لیں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

"ہر دن اور ہر رات ہمیں موت کے قریب کرتی جا رہی ہے اور صحابیوں کے بعد جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا یہ کام تابعین کے ہاتھ میں اور پھر اُن کے بعد تبع تابعین کے ہاتھوں میں جائیگا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ آئندہ احمدی ہونے والے جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں دیکھا وہ یہ تو کہہ سکیں کہ ہم نے آپ کے دیکھنے والوں کو دیکھا یا یہ کہ آپ کے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ پس جن لوگوں نے حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا اُن کی زندگیاں بہت قیمتی ہیں اور جتنا کام وہ کر سکتے ہیں دوسرے نہیں کر سکتے، اس لئے اُن کو کوشش کرنی چاہیئے کہ مرنے سے قبل احمدیت کو مضبوط کر دیں تا دُنیا کو معلوم ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ نے ایسی محنت سے کام کیا کہ احمدیت کو دنیا میں پھیلا کر مرے۔"[۵۱]

حضرت امیرالمومنینؓ کا خطاب خدام الاحمدیہ کے تیسرے سالانہ اجتماع پر

خدام الاحمدیہ کا تیسرا سالانہ اجتماع ۶؍ تبلیغ ۱۳۲۰ہش (فروری ۱۹۴۱ء) کو مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوا[۵۲] جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے نماز ظہر کے بعد ایک نہایت ایمان افروز خطاب فرمایا[*] اور نوجوانانِ احمدیت کو خاص طور پر اس طرف توجہ دلائی کہ:-

"...... حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ اپنی زندگیوں میں اسلامی تعلیم کا کامل نمونہ پیش کر کے توڑ دو اُس تہذیب اور تمدن کی عمارت کو جو اس وقت دنیا میں اسلام کے خلاف کھڑی ہے ٹکڑے ٹکڑے کر دو اُس قلعہ کو جو شیطان نے اس میں بنا لیا ہے اُسے زمین کے ساتھ لگا دو بلکہ اس کی بنیادیں تک اکھیڑ کر پھینک دو۔ اور اس کی جگہ وہ عمارت کھڑی کرو جس کا نقشہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو دیا ہے۔ یہ کام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا اور اس کام کی اہمیت بیان کرنے کے لئے کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت نہیں ہر انسان سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کے جس گوشہ میں ہم جائیں، دُنیا کی جس گلی میں سے ہم گذریں، دُنیا کے جس گاؤں میں ہم اپنا قدم رکھیں وہاں ہمیں جو کچھ اسلام کے خلاف نظر آتا ہے اپنے نیک نمونہ سے اُسے مٹا کر اُس کی جگہ ایک ایسی عمارت بنانا جو قرآن کریم کے بنائے ہوئے نقشہ کے مطابق ہو ہمارا کام ہے۔ پس تم سمجھ سکتے ہو کہ تمہارا عمل اور تمہارا طور اور تمہارا طریق اُسی وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشا کو پورا کرنے والا ہو سکتا ہے جبکہ تم دنیا میں خدا نما وجود ہو۔ اور اسلام کی اشاعت کے لئے کفر کی ہر طاقت سے ٹکر لینے کے لئے تیار رہو"[۵۳]

---

[۵۱] الفضل ۱۴؍ صلح ۱۳۲۰ہش (جنوری ۱۹۴۱ء) صفحہ ۴ کالم ۱ [۵۲] اس اجتماع کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں پہلی بار بیرونی خدام نے بھی شرکت کی۔ [*] یہ تقریر "الفضل" ۲-۴-۶-۷ اکتوبر میں بالاقساط شائع ہوئی۔

[۵۳] "الفضل" ۲؍ اخاء ۱۳۳۹ہش (اکتوبر ۱۹۶۰ء) صفحہ ۴ کالم ۱

سفر سندھ

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس سال بھی سندھ تشریف لے گئے۔ حضور ۲۱ شہادت/اپریل[51] کو روانہ ہوئے اور ۲۱ ماہ ہجرت/مئی کو واپس قادیان دارالامان میں تشریف لائے۔[52] حضور کے سفر کے دوران ۴ ہجرت ۱۳۲۰ ہش/مئی ۱۹۴۱ء کو مع اہلبیت بذریعہ کار ناصر آباد سے کراچی تشریف لے جا رہے تھے کہ ٹھٹھہ روڈ سٹیشن کے راستہ میں کار کو ایک خطرناک حادثہ پیش آیا۔ مگر حضور معجزانہ طور پر محفوظ رہے۔[53]

حضرت امیر المومنینؓ کی آل انڈیا ریڈیو سٹیشن سے حالات عراق کی نسبت تقریر

دوسری جنگ عظیم کے دوران مشہور مسلم مملکت عراق کو ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں شیخ رشید علی جیلانی اور ان کے ساتھیوں نے شورش برپا کر دی جس پر مسلمانان عالم نے سخت نفرت و حقارت کا اظہار کیا۔ شیخ رشید علی کے طرز عمل سے نازی طاقتوں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور عالم اسلام کے مقدس ترین مقامات خطرہ میں گھر گئے۔ ان حالات میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خاموش رہنا گوارا نہ فرمایا اور ۲۵ ہجرت ۱۳۲۰ ہش/مئی ۱۹۴۱ء کو آٹھ بجکر پچاس منٹ پر لاہور ریڈیو سٹیشن سے "عراق کے حالات پر تبصرہ" کے عنوان سے ایک اہم تقریر فرمائی جسے دہلی اور لکھنؤ کے سٹیشنوں نے بھی نشر کیا۔ اس تقریر کا متن درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"عراق کی موجودہ شورش دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے بھی اور ہندوستانیوں کے لئے بھی تشویش کا موجب ہو رہی ہے۔ عراق کا دارالخلافہ بغداد اور اس کی بندرگاہ بصرہ اور اس کے تیل کے چشموں کا مرکز موصل ایسے مقامات ہیں جن کے نام سے ایک مسلمان بچپن ہی سے روشناس ہو جاتا ہے۔ بنو عباس کی حکومت علوم و فنون کی ترقی کو مد نظر رکھتے ہوئے طبعاً مسلمانوں کے لئے ایک خوشکن یادگار ہے لیکن الف لیلہ جو عربی علوم کی طرف توجہ کرنے والے بچوں کی بہترین دوست ہے اس نے تو بغداد اور بصرہ اور موصل کو اس طرح روشناس کر رکھا ہے کہ آنکھیں بند کرتے ہی بغداد کے بازار اور بصرہ کی گلیاں اور موصل کی سڑکیں ان کے سامنے اس طرح آ کھڑی ہوتی ہیں گویا کہ انہوں نے ساری عمر انہی میں بسر کی ہے۔ میں اپنی نسبت تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ بچپن میں بغداد اور بصرہ مجھے لنڈن اور پیرس سے کہیں زیادہ دلکش نظر آیا کرتے تھے کیونکہ اول الذکر میرے علم کی دیواروں کے اندر تھے اور ثانی الذکر میری قوت واہمہ کے ساتھ تمام عالم میں پرواز کرتے نظر آتے تھے۔ جب ذرا بڑے ہوئے تو علم حدیث نے امام احمد بن حنبلؒ کو نقشہ

---

51 "الفضل" ۲۳ شہادت ۱۳۲۰ ہش/اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۳ ۔ 52 "الفضل" ۲۳ ہجرت ۱۳۲۰ ہش/مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱

53 "الفضل" ۷ ہجرت ۱۳۲۰ ہش/مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۱ کالم ۳ ۔ "الفضل" ۱۵ ہجرت ۱۳۲۰ ہش/مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱

امام ابوحنیفہؒ اور امام یوسفؒ کو تصوف نے، جنیدؒ شبلیؒ اور سید عبدالقادر جیلانیؒ کو تاریخ نے، عبدالرحمٰنؒ بن فہیمؒ کو علم تدریس نے، نظام الدین طوسیؒ کو ادب نے، مبردؒ۔ سیبویہؒ۔ جریرؒ اور فرزدقؒ کو سیاست ہارون۔ مامون اور ملک شاہ جیسے لوگوں کو جو اپنے دائرہ میں یادگار زمانہ تھے اور ہیں ایک ایک کرکے آنکھوں کے سامنے لاکر اس طرح کھڑا کیا کہ اب تک اُن کے کمالات کے مشاہدہ سے دل اُمید سے پُر ہیں اور افکار بلند پروازیوں میں مشغول۔

ان کمالات کے مظہر اور دلکشیوں کے پیدا کرنے والے عراق میں فتنہ کے ظاہر ہونے پر مسلمانوں کے دل دُکھے بغیر کس طرح رہ سکتے ہیں، کیا ان ہزاروں بزرگوں کے مقابر جو دنیوی نہیں روحانی رشتہ سے ہمارے ساتھ منسلک ہیں ان پر بمباری کا خطرہ ہمیں بے فکر رہنے دے سکتا ہے؟ عراق سُنّی اور شیعہ دونوں کے بزرگوں کے مقدس مقامات کا جامع ہے۔ وہ مقام کے لحاظ سے بھی اسلامی دُنیا کے قلب میں واقع ہے۔ پس اس کا امن ہر مسلمان کا مقصود ہے۔ آج وہ امن خطرہ میں پڑ رہا ہے اور دنیا کے مسلمان اس پر خاموش نہیں رہ سکتے اور خاموش نہیں ہیں۔ دُنیا کے ہر گوشہ کے مسلمان اِس وقت گھبراہٹ ظاہر کر رہے ہیں اور ان کی یہ گھبراہٹ بجا ہے کیونکہ وہ جنگ جس کے تصفیہ کی افریقہ کے صحراء میڈیٹرینین کے سمندر میں اُمید کی جاتی تھی اب وہ مسلمانوں کے گھروں میں لڑی جائیگی۔ اب ہماری مساجد کے صحن اور ہمارے بزرگوں کے مقابر کے احاطے اُس کی آماجگاہ بنینگے۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جرمنوں نے جن ملکوں پر قبضہ جما رکھا ہے ان کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ اگر شیخ رشید علی جیلانی اور ان کے ساتھی جرمنی سے سازباز نہ کرتے تو اسلامی دُنیا کے لئے یہ خطرہ پیدا نہ ہوتا۔

اس فتنہ کے نتیجہ میں ٹرکی گِر گیا ہے، ایران کے دروازہ پر جنگ آ گئی ہے، شام جنگ کا راستہ بن گیا ہے، عراق جنگ کی آماجگاہ ہو گیا ہے، افغانستان جنگ کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہے، اور سب سے بڑا خطرہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ مقامات جو ہمیں ہمارے وطنوں، ہماری جانوں، اور ہماری عزتوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں جنگ اُن کی عین سرحد تک آ گئی ہے۔ وہ بے فصیلوں کے مقدس مقامات، وہ ظاہری حفاظت کے سامانوں سے خالی جگہیں جن کی دیواروں سے ہمارے دل لٹک رہے ہیں اب بمباروں اور چھاتہ بردار طیاروں کی زد میں ہیں۔ اور یہ سب کچھ ہمارے ہی چند بھائیوں کی غلطی سے ہوا ہے کیونکہ ان کی اس غلطی سے پہلے جنگ ان مقامات مقدسہ سے سینکڑوں میل پرے تھی۔

ان حالات میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس فتنہ کو اس کی ابتداء میں ہی دبا دینے کی کوشش کرے ۔ ابھی وقت ہے کہ جنگ کو پرے دھکیل دیا جائے کیونکہ ابھی تک عراق اور شام میں جرمنی اور اٹلی کی فوجیں کسی بڑی تعداد میں داخل نہیں ہوئیں ۔ اگر خدانخواستہ بڑی تعداد میں فوجیں یہاں داخل ہو گئیں تو یہ کام آسان نہ رہیگا ۔ جنگ کی آگ سرعت کے ساتھ عرب کے صحرا میں پھیل جائے گی ۔

اس فتنہ کا مقابلہ شیخ رشید علی صاحب یا مفتی یروشلم کو گالیاں دینے سے نہیں کیا جا سکتا ، انہیں غدار کہکر ہم اس آگ کو نہیں بجھا سکتے ۔ میں شیخ رشید صاحب کو نہیں جانتا لیکن مفتی صاحب کا ذاتی طور پر واقف ہوں ۔ میرے نزدیک وہ نیک نیت آدمی ہیں اور انکی مخالفت کی یہ وجہ نہیں کہ انکو جرمنی والوں نے خرید لیا ہے بلکہ ان کی مخالفت کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جنگ عظیم میں جو وعدے اتحادیوں نے عربوں سے کئے تھے وہ پورے نہیں کئے گئے ۔ ان لوگوں کو برا کہنے سے صرف یہ نتیجہ نکلے گا کہ ان کے واقف اور دوست اشتعال میں آ جائیں گے ۔ کیونکہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنے تجربے کی بناء پر دیانتدار سمجھتا ہے تو جب کوئی اس دوسرے شخص پر بددیانتی کا الزام لگائے تو خواہ جس فعل کی وجہ سے بددیانتی کا الزام لگایا گیا ہے برا ہی کیوں نہ ہو چونکہ اس پہلے شخص کے نزدیک وہ فعل بددیانتی کے باعث سے نہیں ہوتا وہ اس الزام کی وجہ سے جسے وہ غلط خیال کرتا ہے اس دوسرے مجرم شخص سے ہمدردی کرنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کے افعال میں شریک ہو جاتا ہے ۔ پس ان ہزاروں لاکھوں لوگوں کو جو عالم اسلامی میں شیخ رشید اور مفتی یروشلم سے حسن ظنی رکھتے ہیں ٹھوکر اور ابتلاء سے بچانے کے لئے ہمارا فرض ہے کہ اس نازک موقع پر اپنی طبائع کو جوش میں نہ آنے دیں اور جو بات کہیں اس میں صرف اصلاح کا پہلو مدنظر ہو اظہار غضب مقصود نہ ہو تا کہ فتنہ کم ہو بڑھے نہیں ۔ یاد رہے کہ اس فتنہ کے بارہ میں اس قدر سمجھ لینا کافی ہے کہ شیخ رشید علی صاحب اور ان کے رفقاء کا یہ فعل اسلامی ملکوں اور اسلامی مقدس مقامات کے امن کو خطرہ میں ڈالنے کا موجب ہوا ہے ہمیں ان کی نیتوں پر حملہ کرنے کا نہ حق ہے اور نہ اس سے کچھ فائدہ ہے اس وقت تو مسلمانوں کو اپنی ساری طاقت اس بات کے لئے خرچ کر دینی چاہیئے کہ عراق میں پھر امن ہو جائے ۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ مسلمان جان اور مال سے انگریزوں کی مدد کریں اور اس فتنہ کے پھیلنے اور بڑھنے سے پہلے ہی اس کے دبانے میں ان کا ہاتھ بٹائیں تا کہ جنگ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ سے دور رہے اور ترکی ایران عراق اور شام اور فلسطین اس خطرناک آگ کی لپٹوں سے محفوظ رہیں ۔ یہ وقت

بھنّوں کا نہیں کام آتا ہے۔ اِس وقت ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے ہمسایوں کو اِس خطرہ سے آگاہ کرے جو عالمِ اسلام کو پیش آنے والا ہے تاکہ ہر مسلمان اپنا فرض ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائے اور جو قربانی بھی اُس سے ممکن ہو اُسے پیش کر دے۔ جنگ کے قابل آدمی اپنے آپ کو بھرتی کے لئے پیش کریں اور روپیہ والے لوگ روپیہ سے اور اہلِ دین، اہلِ قلم اپنی علمی قوتوں کو اِس خدمت میں لگا دیں اور جس سے اَور کچھ نہیں ہو سکتا وہ کم سے کم دُعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اِس جنگ سے اسلامی ملکوں کو محفوظ رکھے۔ اور ہمارے جن بھائیوں سے غلطی ہوئی ہے اُن کی آنکھیں کھول دے کہ وہ خود ہی پشیمان ہو کر اپنی غلطی کا ازالہ کرنے میں لگ جائیں۔

میرے نزدیک عراق کا موجودہ فتنہ صرف مسلمانوں کے لئے تازیانۂ تنبیہہ نہیں بلکہ ہندوستان کی تمام اقوام کے لئے تشویش اور فکر کا موجب ہے کیونکہ عراق میں جنگ کا دروازہ کھلنے کی وجہ سے جنگ ہندوستان کے قریب آگئی ہے اور ہندوستان اب اِس طرح محفوظ نہیں رہا جس طرح کہ پہلے تھا۔ جو فوج عراق پر قابض ہو عرب یا ایران کی طرف سے آسانی سے ہندوستان کی طرف بڑھ سکتی ہے۔ پس ہندوستان کی تمام اقوام کو اِس وقت آپس کے جھگڑے بُھلا کر اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر برطانوی حکومت کی امداد کرنی چاہیئے کہ یہ اپنی ہی امداد ہے۔ شاید شیخ رشید علی جیلانی کا خیال ہو کہ سابق عالمگیر جنگ میں عربوں کو یقین دلایا گیا تھا کہ ایک متحد عرب حکومت کے قیام میں اُن کی مدد کی جائے گی مگر ہُوا یہ کہ عرب جو پہلے ترکوں کے ماتحت کم سے کم ایک قوم تھے اب چار پانچ ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ بے شک انگریزوں نے عراق کو ایک حد تک آزادی دی ہے مگر عربوں نے بھی سابق جنگ میں کم قربانیاں نہ کی تھیں۔ اگر اِس غلطی کے ازالہ کا عہد کر لیا جائے تو مَیں یقین رکھتا ہوں کہ سب اسلامی دنیا متحد ہو کر اپنے علاقوں کو جنگ سے آزاد رکھنے کی کوشش کرے گی .... اِس جنگ کے بعد پولینڈ اور زیکوسلوکیہ کی آزادی ہی کا سوال حل نہیں ہونا چاہیئے بلکہ متحدہ عرب کی آزادی کا بھی سوال حل ہو جانا چاہیئے ...
.... شام، فلسطین اور عراق کو ایک متحد اور آزاد حکومت کے طور پر ترقی کرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ انصاف اس کا تقاضا کرتا ہے۔"[51]

اخبار "ریاست" دہلی کا تبصرہ | یہ نشری تقریر ملک کے مختلف حلقوں میں بہت پسند کی گئی۔[52] چنانچہ دہلی کے

---

۵۱ "الفضل" ۲۷ ہجرت ۱۳۲۰ ہش / ۲۷ مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۱ و ۲ + ۵۲ اخبار اصلاح ۲۹ مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۱

مشہور سکھ اخبار "ریاست" ۲؍جون ۱۹۴۱ء نے اس پر حسب ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا :-

"غلام اقوام اور غلام ممالک کے کیریکٹر کا سب سے کمزور پہلو یہ ہوتا ہے کہ ان کے افراد اخلاق سچائی اور جرأت سے محروم ہو جاتے ہیں اور چاپلوسی جھوٹ خوشامد اور بزدلی کی سپرٹ ان میں نمایاں ہو جاتی ہے۔ عراق کا رشید علی برطانوی حکومت یا برطانوی رعایا کے نقطۂ نگاہ سے غلطی پر ہو یا اس کا برطانیہ سے جنگ کرنا غیر مناسب ہو مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ شخص اپنے ملک کی سیاسی آزادی کے لئے لڑ رہا ہے اور اس کو کسی قیمت پر بھی اپنے ملک کا غدار یا ٹریٹر[1] قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر ہمارے غلام ملک کے والیان ریاست اور لیڈروں کا کیریکٹر دیکھئے جو والی ریاست عراق کے متعلق تقریر کرتا ہے رشید علی کو غدار[2] کہہ کر پکار رہا ہے اور جو لیڈر جنگ کے متعلق بیان دیتا ہے سب سے پہلے وہ رشید علی کو ٹریٹر قرار دیتا ہے اور پھر اپنے بیان کی بسم اللہ کرتا ہے۔ اور ان والیانِ ریاست اور لیڈروں کا کیریکٹر غلامی کے باعث اسقدر پست ہے کہ یہ غلط خوشامد اور چاپلوسی کو ہی ملک یا حکومت کی خدمت سمجھ رہے ہیں۔ ہمارے والیانِ ریاست اور لیڈروں کی اس احمقانہ خوشامد کی موجودگی میں قادیان کی احمدی جماعت کے پیشوا کی اخلاقی جرأت آپ کا بلند کیریکٹر اور آپ کی صاف بیانی دلچسپی اور مسرت کے ساتھ محسوس کی جائیگی جس کا اظہار آپ نے پچھلے ہفتہ اپنی ریڈیو کی ایک تقریر میں کیا"[3]

فصل دوم

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کا وصال

۱۳۲۰ھش / ۱۹۴۱ء میں جن جلیل القدر صحابہ نے انتقال کیا ان میں سب سے ممتاز اور سب سے قدیم اور انتہائی پاک نفس بزرگ حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی تھے جنہوں نے ۱۸۸۹ء میں لدھیانہ کی بیعت اولیٰ کے موقعہ پر حضرت منشی اروڑا صاحبؓ کے بعد بیعت کا شرف حاصل کیا اور ساری عمر سلسلہ احمدیہ کی نہایت درجہ عاشقانہ اور والہانہ خدمات بجا لانے کے بعد ۲۰؍ظہور ۱۳۲۰ھش / ۲۰؍اگست ۱۹۴۱ء کی صبح کو انتقال فرما گئے۔[4]

جماعت احمدیہ کی کوئی تاریخ آپ کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔[5] حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۳۱۳ صحابہ

---

[1] "Traitor" [2] "غدار" [3] "الفضل" ۷؍احسان ۱۳۲۰ھش / ۷؍جون ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۳ [4] الفضل ۹؍تبوک ۱۳۲۰ھش / ۹؍ستمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲
[5] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "اصحاب احمد" جلد چہارم مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان

کی فہرست میں آپ کا نام نمبر ۹ پر درج فرمایا۔[۵۱] علاوہ ازیں حضور علیہ السلام کی کتب اشتہارات اور مکتوبات میں آپکا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً "ازالہ اوہام" میں آپ کی نسبت حسب ذیل تعریفی کلمات موجود ہیں:۔

"حِبّی فی اللہ[۵۲] منشی ظفر احمد صاحب۔ یہ جوان صالح، کم گو اور خلوص سے بھرا دقیق فہم آدمی ہے۔ استقامت کے آثار و انوار اس میں ظاہر ہیں۔ وفاداری کی علامات و امارات اس میں پیدا ہیں۔ ثابت شدہ صداقتوں کو خوب سمجھتا ہے اور ان سے لذت اٹھاتا ہے۔ اللہ اور رسول سے سچی محبت رکھتا ہے اور ادب جس پر تمام مدار حصولِ فیض کا ہے۔ اور حسن ظن جو اس راہ کا مرکب ہے دونوں سیرتیں ان میں پائی جاتی ہیں جزاھم اللہ خیر الجزاء۔"[۵۳]

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ دسمبر ۱۹۳۷ء میں بیمار ہوئے تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۶ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو اُن کے فرزند شیخ محمد احمد صاحب مظہرؓ ایڈووکیٹ کپورتھلہ کو اپنے قلم مبارک سے ایک مکتوب میں لکھا کہ:۔

"منشی صاحب کی بیماری کی خبر سے افسوس ہوا، آپ یہ کام ضرور کریں کہ بار بار پُوچھ پُوچھ کر اُن سے ایک کاپی میں سب روایات حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق لکھوا لیں۔ اس میں تاریخی اور واعظانہ اور سب ہی قسم کی ہوں یعنی صرف ملفوظات ہی نہ ہوں بلکہ سلسلہ کی تاریخ اور حضور علیہ السلام کے واقعاتِ تاریخی بھی ہوں۔ یہ آپ کے لئے ثواب اور اُن کے لئے بہترین یادگار اور سلسلہ کے لئے ایک کارآمد سامان ہوگا۔ والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی)

۳۷ - ۱۲ - ۱۵

محترم شیخ محمد احمد صاحب نے اپنے آقا کے اس ارشاد کی تعمیل میں ۱۹ر دسمبر ۱۹۳۷ء سے روایات تحریر کرنا شروع کر دیں۔ حضرت منشی صاحبؓ جو واقعات لکھاتے آپ انہی کے الفاظ میں اور اُسی ترتیب سے قلمبند کرتے گئے۔ حضرت منشی صاحبؓ نے قریباً سو نہایت مُوثر پُر درد روایات[۵۴] لکھوائیں۔ اس سلسلہ کی آخری روایت یہ تھی کہ:۔

"حضور میں یہ ایک خاص بات ہم نے دیکھی کہ اگر معترض کے پاس اعتراض کرنے کے لئے کافی الفاظ نہ ہوتے تھے تو حضور اس کو اظہار مدعا میں مدد دیتے تھے حتّٰی کہ معترض سمجھتا کہ اب جواب نہیں ہو سکیگا پھر حضور جب جواب دیتے تو سماں بندھ جاتا۔"

---

[۵۱] ضمیمہ "انجام آتھم" صفحہ ۴۱ کالم ۱ [۵۲] ایضاً "آئینہ کمالاتِ اسلام" صفحہ ۵۸۲ (حاشیہ) [۵۳] "ازالہ اوہام" طبع اوّل صفحہ ۸۰۰۔

[۵۴] حال امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع لائلپور مغربی پاکستان [۵۵] صفحہ ۸۶ تا ۱۴۰ (طبع اوّل) مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان۔

جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر یہ روایت درج کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"۶ راگست ۱۹۴۱ء کو عاجز نے مندرجہ بالا روایات لکھیں اور اس روایت کے بعد کہ "حضور میں یہ ایک خاص بات میں نے دیکھی" عرض کیا کہ کچھ اور لکھوائیں - والد صاحبؓ نے نہایت دردمندانہ الفاظ میں آبدیدہ ہو کر فرمایا" محمد احمد! ہمیں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسی خاص الخاص خدمات کا موقع ملا ہے کہ ہم تو وہ باتیں اب بیان بھی نہیں کر سکتے"۔ روایات کے متعلق آپ کے یہ آخری الفاظ تھے جو بعد میں مضمون کو ختم کرنے والے ثابت ہوئے - کیونکہ اس کے بعد روایات لکھنے کا عاجز کو موقع نہیں ملا - ۱۳ راگست ۱۹۴۱ء کو آپ بیمار ہو گئے - ۱۹ راگست ۱۹۴۱ء کو بہت کمزور ہو چکے تھے - . . . . ۲۰ راگست ۱۹۴۱ء کو صبح ۶ بجے آپ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے - انا للہ وانا الیہ راجعون"۔

حضرت منشی صاحبؓ کی بیان فرمودہ یہ سب روایات پہلی بار ریویو آف ریلیجنز اردو (صلح ھش ۱۳۲۱ / جنوری ۱۹۴۲ء) میں چھپیں - بعد ازاں ملک صلاح الدین صاحب ایم - اے نے انکو "اصحاب احمد" کی چوتھی جلد میں بھی شائع کر دیا -

حضرت امیر المومنینؓ کی زبانِ مبارک سے حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ اور کپورتھلہ کے دوسرے عشاقِ احمدیت کا مفصّل تذکرہ

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کی رحلت جماعت احمدیہ کے لئے ایک بہت بڑا قومی المیہ تھا - یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۲ ر ماہ ظہور ھش ۱۳۲۰ (۲۲ راگست ۱۹۴۱ء) کو ایک مفصّل خطبہ ارشاد فرمایا جس کے شروع میں ان کے جنازہ کی نسبت فرمایا کہ :-

"اس ہفتہ جماعت کو ایک نہایت ہی درد پہنچانے والا اور تکلیف میں مبتلا کرنے والا واقع پیش آیا ہے یعنی منشی ظفر احمد صاحبؓ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ابتدائی صحابہ میں سے ایک تھے وہ اس ہفتہ میں فوت ہو گئے ہیں - مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت ڈلہوزی میں تھا جب انکی نعش یہاں لائی گئی اور میں اس جنازہ میں جو اُن کی لاش پر پڑھا گیا شامل نہیں ہو سکا - مجھے ایسے وقت میں اطلاع ہوئی جبکہ میں کل صبح ہی آ سکتا تھا - پہلے تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ تار دوں کہ جنازہ کو اس وقت تک روک لیا جائے جب تک میں نہ پہنچ جاؤں لیکن گرمی کی وجہ سے اور اس خیال سے کہ کہیں اس عرصہ تک روکنے سے نعش کو نقصان نہ پہنچے میں نے تار دینا مناسب نہ سمجھا اور اس بات کو مقامی لوگوں پر چھوڑ دیا کہ اگر نعش رہ سکتی ہے تو وہ میرا انتظار کریں گے کیونکہ انہیں علم ہے کہ

میں آنے والا ہوں اور اگر مناسب نہ ہوا تو وہ انتظار نہیں کریں گے۔ چنانچہ جب میں یہاں پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ پرسوں رات ہی انہیں دفن کیا جا چکا ہے۔ سو میں جمعہ کے بعد اُن کا جنازہ پڑھوں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کس حد تک یہاں کے لوگوں کو اس جنازہ کا علم ہوا اور وہ کس حد تک اس میں شامل ہوئے لیکن بہرحال جو لوگ اُن کے جنازہ میں شامل نہیں ہو سکے تھے اب اُن کو بھی موقع مل جائیگا اور جو لوگ شامل ہو چکے ہیں انہیں دوبارہ دُعا کا موقعہ مل جائیگا .... میں سمجھتا ہوں لوگوں کو یہ احساس ہونا چاہیئے کہ وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کے ابتدائی ایام میں آپ پر ایمان لائے، آپ سے تعلق پیدا کیا اور ہر قسم کی قربانیاں کرتے ہوئے اس راہ میں انہوں نے ہزاروں مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کیں اُن کی وفات جماعت کے لئے کوئی معمولی صدمہ نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک ایک مومن کو اپنی بیوی اپنے بچوں اپنے باپ اپنی ماں اور اپنے بھائیوں کی وفات سے اِن لوگوں کی وفات کا بہت زیادہ صدمہ ہونا چاہیئے اور یہ واقعہ تو ایسا ہے کہ دل اُس کا تصور کر کے سخت دردمند ہوتا ہے کیونکہ منشی ظفر احمد صاحبؓ ان آدمیوں میں سے آخری آدمی تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ابتدائی ایام میں اکٹھے رہے اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہ رتبہ پنجاب کی دو ریاستوں کو ہی حاصل ہوا۔ پٹیالہ میں میاں عبداللہ صاحبؓ سنوری کو خدا تعالیٰ نے یہ رتبہ دیا۔ اور کپورتھلہ میں منشی اروڑے خان صاحبؓ، عبدالمجید خان صاحب کے والد منشی محمد خان صاحبؓ اور منشی ظفر احمد صاحبؓ کو یہ رتبہ ملا۔ یہ چار آدمی تھے جن کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دعویٰ ماموریت اور بیعت سے بھی پہلے کے تعلقات تھے اور اس قسم کے خادمانہ تعلقات تھے کہ ایک منٹ کے لئے بھی دُور رہنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ پس ایسے لوگوں کی وفات ایک بہت بڑا اور اہم مسئلہ ہوتا ہے اور ان لوگوں کے لئے دُعا کرنا اُن پر احسان کرنا نہیں ہوتا بلکہ اپنے اوپر احسان ہوتا ہے۔"[1]

ازاں بعد حضور نے حضرت منشی عبداللہ صاحبؓ سنوری، حضرت منشی روڑے خان صاحبؓ، حضرت منشی محمد خان صاحبؓ اور حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کے بلند مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کے والہانہ اخلاص و فدائیت کے متعدد واقعات بیان کئے۔ چنانچہ فرمایا:۔

"وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ابتدائی زمانہ میں خدمات کی ہیں ایسی ہستیاں ہیں کہ جو

---

[1] الفضل ۲۸ ظہور/اگست ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۱، ۲

دنیا کے لئے ایک تعویذ اور حفاظت کا ذریعہ ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے انبیاء کا قرب رکھتے ہیں، خدا تعالیٰ کے نبیوں اور اُس کے قائم کردہ خلفاء کے بعد دوسرے درجہ پر دنیا کیلئے امن اور سکون کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ بڑے لیکچرار ہوں، یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ خطیب ہوں، یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ پھر پھر کر لوگوں کو تبلیغ کرنے والے ہوں اُن کا وجود ہی لوگوں کے لئے برکتوں اور رحمتوں کا موجب ہوتا ہے اور جب کبھی خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی نافرمانی کی وجہ سے کوئی عذاب نازل ہونے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عذاب کو روک دیتا ہے اور کہتا ہے ابھی اِس قوم پر مت نازل ہو کیونکہ اِس میں ہمارا ایسا بندہ موجود ہے جسے اس عذاب کی وجہ سے تکلیف ہوگی پس اُس کی خاطر دنیا میں امن اور سکون ہوتا ہے۔ مگر یہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے یہ تو اس عام درجہ سے بھی بالا تھے۔ اِن کو خدا نے آخری زمانہ کے مامور اور مُرسل کا صحابی اور پھر ابتدائی صحابی بننے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور ان کی والہانہ محبت کے نظارے ایسے ہیں کہ دنیا ایسے نظارے صدیوں میں بھی دکھانے سے قاصر رہے گی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے وہ نظارہ نہیں بھولتا اور نہیں بھول سکتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے کہ ایک دن باہر سے مجھے کسی نے آواز دے کر بلوایا اور خادمہ یا کسی بچہ نے بتایا کہ دروازہ پر ایک آدمی کھڑا ہے اور وہ آپ کو بُلا رہا ہے مَیں باہر نکلا تو منشی روڑے خاں صاحب مرحومؓ کھڑے تھے۔ وہ بڑے تپاک سے آگے بڑھے مجھ سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد انہوں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے اپنی جیب سے دو یا تین پاؤنڈ نکالے اور مجھے کہا کہ یہ امّاں جان کو دے دیں اور یہ کہتے ہی اُن پر ایسی رِقّت طاری ہوئی کہ وہ چیخیں مار کر رونے لگ گئے اور اُن کے رونے کی حالت اس قسم کی تھی کہ یُوں معلوم ہوتا تھا جیسے بکرے کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ مَیں کچھ حیران سا رہ گیا کہ یہ رو کیوں رہے ہیں۔ مگر مَیں خاموش کھڑا رہا۔ انتظار کرتا رہا کہ وہ خاموش ہوں تو ان سے رونے کی وجہ دریافت کروں۔ اِس طرح وہ کئی منٹ تک روتے رہے۔ منشی روڑے خاں صاحب مرحومؓ نے بہت ہی معمولی ملازمت سے ترقی کی تھی۔ پہلے کچہری میں وہ چپڑاسی کا کام کرتے تھے، پھر اہلمد کا عہدہ آپ کو مل گیا۔ اس کے بعد نقشہ نویس ہو گئے۔ پھر اور ترقی کی تو سررشتہ دار ہو گئے اس کے بعد ترقی پا کر نائب تحصیلدار ہو گئے اور پھر تحصیلدار بن کر ریٹائر ہوئے۔ ابتداء میں اُن کی تنخواہ دس پندرہ روپے سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ جب اُن کو

ذرا صبر آیا تو مَیں نے اُن سے پُوچھا کہ آپ روئے کیوں ہیں۔ وہ کہنے لگے۔ مَیں غریب آدمی تھا۔ مگر جب بھی مجھے چھٹی ملتی قادیان آنے کے لئے چل پڑتا تھا۔ سفر کا بہت سا حصّہ مَیں پیدل ہی طے کرتا تھا تاکہ سلسلہ کی خدمت کے لئے کچھ پیسے بچ جائیں مگر پھر بھی روپیہ ڈیڑھ روپیہ خرچ ہو جاتا۔ یہاں آکر جب مَیں امراء کو دیکھتا کہ وہ سلسلہ کی خدمت کے لئے بڑا روپیہ خرچ کر رہے ہیں تو میرے دل میں خیال آتا کہ کاش میرے پاس بھی روپیہ ہو اور مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں چاندی کا تحفہ لانے کی بجائے سونے کا تحفہ پیش کروں۔ آخر میری تنخواہ کچھ زیادہ ہو گئی (اُس وقت اُن کی تنخواہ شاید بیس پچیس روپیہ تک پہنچ گئی تھی) اور مَیں نے ہر مہینے کچھ رقم جمع کرنی شروع کر دی اور مَیں نے اپنے دل میں یہ نیّت کی کہ جب یہ رقم اس مقدار تک پہنچ جائے گی جو مَیں چاہتا ہوں تو مَیں اسے پونڈوں کی صورت میں تبدیل کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرونگا۔ پھر کہنے لگے کہ میرے پاس ایک پونڈ کے برابر رقم جمع ہو گئی۔ پھر وہ رقم دے کر مَیں نے ایک پونڈ لے لیا۔ پھر دوسرے پونڈ کے لئے رقم جمع کرنی شروع کر دی۔ اور جب کچھ عرصہ کے بعد اس کے لئے رقم جمع ہو گئی تو دوسرا پونڈ لے لیا۔ اِس طرح مَیں آہستہ آہستہ کچھ رقم جمع کر کے انہیں پونڈوں کی صورت میں تبدیل کرتا رہا اور میرا منشا یہ تھا کہ مَیں یہ پونڈ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کرونگا۔ مگر جب میرے دل کی آرزو پوری ہو گئی اور پونڈ میرے پاس جمع ہو گئے تو یہاں تک وہ پہنچے تھے کہ پھر اُن پر رقّت کی حالت طاری ہو گئی اور آخر روتے روتے انہوں نے اس فقرہ کو اِس طرح پورا کیا کہ جب پونڈ میرے پاس جمع ہو گئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ یہ اخلاص کا کیسا شاندار نمونہ ہے کہ ایک شخص چندے بھی دیتا ہے قربانیاں بھی کرتا ہے، مہینہ میں ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بلکہ تین تین دفعہ جمعہ پڑھنے کے لئے قادیان پہنچ جاتا ہے سلسلہ کے اخبار اور کتابیں بھی خریدتا ہے۔ ایک معمولی سی تنخواہ ہوتے ہوئے جبکہ آج اس تنخواہ سے بہت زیادہ تنخواہیں وصول کرنے والے اس قربانی کا دسواں بلکہ بیسواں حصّہ بھی قربانی نہیں کرتے اُس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ امیر لوگ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں سونا پیش کرتے ہیں تو مَیں اُن سے پیچھے کیوں رہوں۔ چنانچہ وہ ایک نہایت ہی قلیل تنخواہ میں سے ماہوار کچھ رقم جمع کرتا اور ایک عرصہ دراز تک جمع کرتا رہتا ہے، نامعلوم اِس دوران میں اُس نے اپنے گھر میں کیا کیا تنگیاں برداشت کی

ہونگی کیا کیا تکلیفیں تھیں جو اُس نے خوشی سے جھیلی ہونگی محض اِس لئے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اشرفیاں پیش کر سکے۔ مگر جب اُس کی خواہش پورا کرنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اُس کو اِس رنگ میں خوشی حاصل کرنے سے محروم کر دیتی ہے جس رنگ میں وہ اُسے دیکھنا چاہتا تھا۔ مَیں نے کئی دفعہ سُنایا ہے کہ منشی روڑے خاں صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ بعض غیر احمدی دوستوں نے کہا کہ تم ہمیشہ ہمیں تبلیغ کرتے رہتے ہو فلاں جگہ مولوی ثناء اللہ صاحب آئے ہوئے ہیں تم بھی چلو اور اُنکی باتوں کا جواب دو۔ منشی روڑے خاں صاحب مرحوم کچھ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے دورانِ ملازمت میں ہی انہیں پڑھنے لکھنے کی جو مشق ہوئی وہی انہیں حاصل تھی۔ وہ کہنے لگے جب ان دوستوں نے اصرار کیا تو مَیں نے کہا اچھا چلو۔ چنانچہ وہ انہیں جلسہ میں لے گئے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے احمدیت کے خلاف تقریر کی اور اپنی طرف سے خوب دلائل دیئے۔ جب تقریر کر کے وہ بیٹھ گئے تو منشی روڑے خاں صاحبؓ سے اُن کے دوست کہنے لگے کہ بتائیں اِن دلائل کا کیا جواب ہے؟ منشی روڑے خاں صاحبؓ فرماتے تھے مَیں نے اُن سے کہا۔ یہ مولوی ہیں مَیں اَن پڑھ آدمی ہوں ان کی دلیلوں کا جواب تو کوئی مولوی ہی دے گا۔ مَیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ مَیں نے مرزا صاحبؑ کی شکل دیکھی ہے وہ جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ اِسی طرح ایک دفعہ کسی دوست نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک واقعہ سُنایا جس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہنسے اور مجلس میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ بھی بہت محظوظ ہوئے۔ منشی روڑے خاں صاحبؓ شروع میں قادیان بہت زیادہ آیا کرتے تھے۔ بعد میں چونکہ اہم کام اُن کے سپرد ہو گئے اسلئے جلدی چھٹی ملنا اُن کے لئے مشکل ہو گیا تھا مگر پھر بھی وہ قادیان اکثر آتے رہتے تھے۔ ہمیں یاد ہے۔ جب ہم چھوٹے بچے ہُوا کرتے تھے تو ان کا آنا ایسا ہی ہُوا کرتا تھا جیسے کوئی مدّتوں کا بچھڑا ہُوا بھائی سالہا سال کے بعد اپنے کسی عزیز سے آکر ملے۔ کپورتھلہ کی جماعت میں سے منشی روڑے خاں صاحبؓ منشی ظفر احمد صاحبؓ اور منشی محمد خان صاحبؓ جب بھی آتے تھے تو اُن کے آنے سے ہمیں بڑی خوشی ہُوا کرتی تھی۔ غرض اُس دوست نے بتایا کہ منشی روڑے خاں صاحبؓ تو ایسے آدمی ہیں کہ یہ مجسٹریٹ کو بھی ڈرا دیتے ہیں۔ پھر اُس نے سُنایا کہ ایک دفعہ انہوں نے مجسٹریٹ سے کہا مَیں قادیان جانا چاہتا ہوں مجھے چھٹی دے دیں۔ اُس نے انکار کر دیا۔ اُسوقت وہ سیشن جج کے دفتر میں لگے ہوئے تھے انہوں نے کہا۔ قادیان میں مَیں نے ضرور جانا ہے مجھے آپ چھٹی دے دیں۔ وہ کہنے لگا کام بہت ہے اِس وقت

آپ کو چھٹی نہیں دی جا سکتی۔ وہ کہنے لگے بہت اچھا! آپ کا کام ہوتا رہے میں تو آج ہی بددعا میں لگ جاتا ہوں۔ آپ اگر نہیں جانے دیتے تو نہ جانے دیں۔ آخر اُس مجسٹریٹ کو کوئی ایسا نقصان پہنچا کہ وہ سخت ڈر گیا اور جب بھی ہفتہ کا دن آتا وہ عدالت والوں سے کہتا کہ آج کام ذرا جلدی بند کر دینا۔ کیونکہ منشی روڑے خاں صاحب کی گاڑی کا وقت نکل جائیگا۔ اِس طرح وہ آپ ہی جب بھی منشی صاحبؓ کا ارادہ قادیان آنے کا ہوتا انہیں چھٹی دے دیتا۔ اور وہ قادیان پہنچ جاتے۔ پھر اُن کی محبت کا یہ نقشہ بھی مجھے کبھی نہیں بھولتا جو گو انہوں نے مجھے خود ہی سُنایا تھا مگر میری آنکھوں کے سامنے وہ یوں پھر رہا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے اس واقعہ کے وقت میں بھی وہیں موجود تھا۔ انہوں نے سُنایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک دفعہ ہم نے عرض کیا کہ حضور کبھی کپورتھلہ تشریف لائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وعدہ فرما لیا کہ جب فرصت ملی تو آ جاؤنگا۔ وہ کہتے تھے ایک دن کپورتھلہ میں میں ایک دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شدید ترین دشمن اڈے کی طرف سے آیا۔ اور مجھے کہنے لگا لو تمہارا مرزا کپورتھلے آ گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب مہلت ملی وہ اطلاع دینے کا وقت نہ تھا اس لئے آپ بغیر اطلاع دیئے ہی چل پڑے۔ منشی روڑے خاں صاحب نے یہ خبر سُنی تو وہ خوشی میں ننگے سر اور ننگے پاؤں اڈے کی طرف بھاگے مگر چونکہ خبر دینے والا شدید ترین مخالف تھا۔ وہ ہمیشہ احمدیت سے تمسخر کرتا رہتا تھا اُن کا بیان تھا کہ تھوڑی ہی دُور جا کر مجھے خیال آیا کہ یہ بڑا خبیث دشمن ہے اِس نے ضرور مجھ سے ہنسی کی ہوگی۔ چنانچہ مجھ پر جنون سا طاری ہو گیا اور یہ خیال کر کے کہ نامعلوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئے بھی ہیں یا نہیں۔ میں کھڑا ہو گیا اور میں نے اُسے بے تحاشہ بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ تُو بڑا خبیث اور بدمعاش ہے۔ تُو کبھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتا اور ہمیشہ ہنسی کرتا رہتا ہے بھلا ہماری قسمت کہاں کہ حضرت صاحب کپورتھلہ تشریف لائیں۔ وہ کہنے لگا کہ آپ ناراض نہ ہوں اور جا کر دیکھ لیں مرزا صاحب واقع میں آئے ہوئے ہیں۔ اُس نے یہ کہا تو میں پھر دوڑا مگر پھر خیال آیا کہ اس نے ضرور مجھ سے دھوکہ کیا ہے چنانچہ پھر میں اُسے کوسنے لگا کہ تو بڑا جھوٹا ہے ہمیشہ مجھ سے مذاق کرتا رہتا ہے ہماری ایسی قسمت کہاں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ مگر اُس نے پھر کہا۔ منشی صاحب وقت ضائع نہ کریں مرزا صاحب واقع میں آئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ پھر اسی خیال سے کہ شاید آ ہی گئے ہوں میں دوڑ پڑا مگر پھر یہ خیال آ جاتا کہ کہیں

اس نے دھوکہ ہی نہ دیا ہو۔ چنانچہ پھر اسے ڈانٹا۔ آخر وہ کہنے لگا۔ مجھے بُرا بھلا نہ کہو اور جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو واقع میں مرزا صاحب آئے ہوئے ہیں۔ غرض میں کبھی دوڑتا اور کبھی یہ خیال کرکے کہ مجھ سے مذاق ہی نہ کیا گیا ہو ٹھہر جاتا۔ میری یہی حالت تھی کہ میں نے سامنے کی طرف جو دیکھا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لا رہے تھے۔ اب یہ والہانہ محبت اور عشق کا رنگ کتنے لوگوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ یقیناً بہت ہی کم لوگوں کے دلوں میں۔ میاں عبداللہ صاحبؓ سنوری بھی اپنے اندر ایسا ہی عشق رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وہ قادیان میں آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن سے کوئی کام لے رہے تھے اس لئے جب میاں عبداللہ صاحبؓ سنوری کی چھٹی ختم ہوگئی اور انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جانے کیلئے اجازت طلب کی تو حضور نے فرمایا۔ ابھی ٹھہر جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے مزید رخصت کے لئے درخواست بھجوادی مگر محکمہ کی طرف سے جواب آیا کہ اور چھٹی نہیں مل سکتی تو انہوں نے اِس امر کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ذکر کیا تو آپ نے پھر فرمایا کہ ابھی ٹھہرو۔ چنانچہ انہوں نے لکھ دیا کہ میں ابھی نہیں آسکتا۔ اِس پر محکمہ والوں نے انہیں ڈسمس کر دیا۔ چار یا چھ مہینے جتنا عرصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں رہنے کے لئے کہا تھا وہ یہاں ٹھہرے رہے۔ پھر جب واپس گئے تو محکمہ نے یہ سوال اُٹھا دیا کہ جس افسر نے انہیں ڈسمس کیا تھا اُس افسر کا یہ حق ہی نہیں تھا کہ وہ انہیں ڈسمس کرتا۔ چنانچہ وہ پھر اپنی جگہ پر بحال کئے گئے اور پچھلے مہینوں کی جو قادیان میں گذر گئے تھے تنخواہ بھی مل گئی۔ اِسی طرح منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کے ساتھ واقعہ پیش آیا جو کل ہی ڈلہوزی کے راستہ میں میاں عطاء اللہ صاحب وکیل سلمہ اللہ تعالیٰ نے سُنایا۔ یہ واقعہ الحکم ۱۴ اپریل ۱۹۳۴ء میں بھی چھپ چکا ہے اِس لئے منشی صاحب کے اپنے الفاظ میں اسے بیان کرتا ہوں:۔

"میں جب سررشتہ دار ہوگیا اور پیشی میں کام کرتا تھا تو ایک دن مسلیں وغیرہ بند کرکے قادیان چلا آیا۔ تیسرے دن میں نے اجازت چاہی تو فرمایا ابھی ٹھہریں۔ پھر عرض کرنا مناسب نہ سمجھا کہ آپ ہی فرمائیں گے۔ اِس پر ایک مہینہ گذر گیا۔ ادھر مسلیں میرے گھر میں تھیں کام بند ہوگیا اور سخت خطوط آنے لگے مگر یہاں یہ حالت تھی کہ اِن خطوط کے متعلق وہم بھی نہ آتا تھا۔ حضور کی صحبت میں ایک ایسا لطف اور محویت تھی کہ نہ نوکری جانے کا خیال تھا اور نہ کسی بات پرسی کا اندیشہ

آخر ایک نہایت ہی سخت خط وہاں سے آیا۔ مَیں نے وہ خط حضرت صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ پڑھا اور فرمایا لکھ دو ہمارا آنا نہیں ہوتا۔ مَیں نے وہی فقرہ لکھ دیا۔ اس پر ایک مہینہ اور گذر گیا۔ تو ایک دن فرمایا کتنے دن ہو گئے۔ پھر آپ ہی گننے لگے اور فرمایا اچھا آپ چلے جائیں مَیں چلا گیا اور کپورتھلہ پہنچ کر لالہ ہرچرن داس مجسٹریٹ کے مکان پر گیا تاکہ معلوم کروں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا۔ منشی جی! آپ کو مرزا صاحب نے نہیں آنے دیا ہوگا۔ مَیں نے کہا۔ ہاں۔ تو فرمایا اُن کا حکم مقدم ہے۔"

میاں عطاء اللہ صاحب کی روایت میں اسقدر زیادہ ہے کہ منشی صاحب مرحومؓ نے فرمایا۔ کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ لکھ دو ہم نہیں آسکتے۔ مَیں نے وہی الفاظ لکھ کر مجسٹریٹ کو بھجوا دیئے۔ یہ ایک گروہ تھا جس نے عشق کا ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ دکھایا کہ ہماری آنکھیں اب پچھلی جماعتوں کے آگے نیچی نہیں ہو سکتیں۔"[۵۷]

جماعتِ احمدیہ کو نصیحت

حضرت امیر المومنینؓ نے اپنے خطبہ کے آخر میں احباب جماعت کو نصیحت فرمائی کہ:۔

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے نقش قدم پر جماعت کے دوستوں کو چلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ کہنے والے کہیں گے کہ یہ شرک کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ جنون کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ پاگل پن کی تعلیم دی جاتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ پاگل وہی ہیں جنہوں نے اِس رستہ کو نہیں پایا اور اُس شخص سے زیادہ عقلمند کوئی نہیں جس نے عشق کے ذریعہ خدا اور اُس کے رسولؐ کو پا لیا۔ اور جس نے محبت میں محو ہو کر اپنے آپ کو اُن کے ساتھ وابستہ کر لیا۔ اب اُسے خدا سے اور خدا کو اُس سے کوئی چیز جُدا نہیں کر سکتی کیونکہ عشق کی گرمی اِن دونوں کو آپس میں اِس طرح ملا دیتی ہے جس طرح ویلڈنگ کیا جاتا ہے اور دو چیزوں کو جوڑ کر آپس میں بالکل پیوست کر دیا جاتا ہے مگر وہ جسے محض فلسفیانہ ایمان حاصل ہوتا ہے اُس کا خدا سے ایسا ہی جوڑ ہوتا ہے جیسے قلعی کا ٹانکہ ہوتا ہے ذرا گرمی لگے تو ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر جب ویلڈ ہو جاتا ہے تو ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کسی چیز کا جزو ہو۔ پس اپنے اندر عشق پیدا کرو اور وہ راہ اختیار کرو جو اِن لوگوں نے اختیار کی۔ پیشتر اِس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جو صحابی باقی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں

---

۵۷ الفضل ۲۸ ظہور ۱۳۲۰ہش / اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۳ تا ۶ +

بیشک ابتدائی گہرا تعلق رکھنے والے لوگوں میں سے منشی ظفر احمد صاحبؓ آخری صحابی تھے گو ابھی بعض اَور پُرانے لوگ موجود ہیں گو اتنے پُرانے نہیں جتنے منشی ظفر احمد صاحبؓ تھے۔ چنانچہ کوٹلہ میں میر عنایت علی صاحب ابھی زندہ ہیں جنہوں نے ساتویں نمبر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی تھی مگر پھر بھی یہ جماعت کم ہوتی جا رہی ہے اور وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں آپ سے گہرا تعلق اور بے تکلفی رکھتے تھے اُن میں سے غالباً منشی ظفر احمد صاحب آخری آدمی تھے۔ کپورتھلہ کی جماعت کو ایک یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس جماعت کو یہ لکھکر بھیجا تھا کہ مجھے یقین ہے جس طرح خدا نے اِس دنیا میں ہمیں اکٹھا رکھا ہے اِسی طرح اگلے جہان میں بھی کپورتھلہ کی جماعت کو میرے ساتھ رکھیگا۔ مگر اِس سے کپورتھلہ کی جماعت کا ہر فرد مراد نہیں بلکہ صرف وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ساتھ دیا۔ جیسے منشی روڑے خان صاحبؓ تھے یا منشی محمد خان صاحبؓ تھے یا منشی ظفر احمد صاحبؓ تھے۔ یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہزاروں نشانوں کا چلتا پھرتا ریکارڈ تھے۔ نامعلوم لوگوں نے کس حد تک اِن ریکارڈوں کو محفوظ کیا مگر بہرحال خدا تعالیٰ کے ہزاروں نشانات کے وہ چشم دید گواہ تھے۔ ان ہزاروں نشانات کے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ اور آپ کی زبان اور آپ کے کان اور آپ کے پاؤں وغیرہ کے ذریعے ظاہر ہوئے۔ تم صرف وہ نشانات پڑھتے ہو جو الہامات پورے ہو کر نشان قرار پائے مگر ان نشانوں سے ہزاروں گُنے زیادہ وہ نشانات ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی زبان ناک کان ہاتھ اور پاؤں پر جاری کرتا ہے اور ساتھ رہنے والے سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ خدا کے نشانات ظاہر ہو رہے ہیں وہ انہیں اتفاق قرار نہیں دیتے کیونکہ وہ نشانات ایسے حالات میں ظاہر ہوتے ہیں جو بالکل مخالف ہوتے ہیں اور جن میں اِن باتوں کا پورا ہونا بہت بڑا نشان ہوتا ہے۔ پس ایک ایک صحابی جو فوت ہوتا ہے وہ ہمارے ریکارڈ کا ایک رجسٹر ہوتا ہے جسے ہم زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ اگر ہم نے اِن رجسٹروں کی نقلیں کر لی ہیں تو یہ ہمارے لئے خوشی کا مقام ہے اور اگر ہم نے اِن کی نقلیں نہیں کیں تو یہ ہماری بدقسمتی کی علامت ہے۔ بہرحال اِن لوگوں کی قدر کرو۔ اِن کے نقشِ قدم پر چلو اور اس بات کو اچھی طرح یاد رکھو کہ فلسفیانہ ایمان انسان کے کسی کام نہیں آتا۔ وہی ایمان کام آ سکتا ہے جو مشاہدہ پر مبنی ہو اور مشاہدہ کے بغیر

عشق نہیں ہو سکتا۔ جو شخص کہتا ہے کہ بغیر مشاہدہ کے اُسے محبت کامل حاصل ہوگئی ہے وہ جھوٹا ہے مشاہدہ ہی ہے جو انسان کو عشق کے رنگ میں رنگین کرتا ہے۔ اور اگر کسی کو یہ بات حاصل نہیں تو وہ سمجھ لے کہ فلسفہ انسان کو محبت کے رنگ میں رنگین نہیں کر سکتا بلکہ فلسفہ فرعونی پیدا کرتا ہے۔"[1]

فصل سوم

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے افغانستان سے حیدر آباد تک پھیلی ہوئی مخلص احمدی جماعتوں کا ذکر۔

حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب حیدر آبادی رضی اللہ عنہ ایک نہایت مخلص اور سلسلہ کے فدائی بزرگ تھے۔ ۱۴؍ ستمبر ۱۹۴۱ء کو ان کی چھوٹی لڑکی (امۃ الحی صاحبہ) کی تقریب نکاح تھی جس کا اعلان حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حضور نے خطبۂ نکاح میں افغانستان سے لے کر حیدر آباد تک پھیلی ہوئی احمدی جماعتوں کا بڑی شرح و بسط سے ذکر کرتے ہوئے بعض مخلصین کی خاص طور پر تعریف کی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کی سنت کے ماتحت جو قدیم سے ماموروں کے متعلق چلی آتی ہے اُس نے ہماری جماعت کو بھی مختلف علاقوں میں پھیلایا ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت ہے کہ الٰہی جماعتیں بطور بیج کے پھینکی جاتی ہیں۔ جس طرح ہم اگر ایک فٹ سے زمین پر دانے پھینکیں تو وہ تھوڑی سی جگہ میں پھیلیں گے لیکن اگر ایک بلند مینار پر سے پھینکیں تو دُور دُور گریں گے اور کسی بلند پہاڑ پر سے پھینکیں تو اور بھی بعید زمین پر پھیلیں گے۔ اسی طرح چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان آسمان سے پھینکا جاتا ہے وہ ساری دنیا پر پھیل جاتا ہے .... اسی پھیلنے میں مختلف علاقوں میں مختلف مدارج کے لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ افغانستان میں سید عبد اللطیف صاحب شہید۔ نعمت اللہ صاحب رضی اللہ عنہ اور اور کئی شہداء پیدا ہوئے۔ پھر کئی اُن میں سے قادیان آ گئے۔ اور اُن کے ذریعہ تمام علاقہ میں تبلیغ ہوگئی ورنہ کہاں ہندوستان اور کہاں افغانستان۔ ہمارے لئے تو سرحدوں پر تبلیغ کرنا مشکل تھا مگر یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ وہ ان لوگوں کو سرحدوں سے پار لے گیا تا کہ ان تمام علاقہ میں تبلیغ ہو سکے .....

[1] الفضل ۲۸؍ اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۷ و ۸۔

...... کسی کو بہار میں اور کسی کو بنگال میں اور کسی کو یوپی میں بیعت کی توفیق ہوئی ، اور ان سب نے اپنی اپنی جگہ پر احمدیت کو پھیلانا شروع کر دیا - انہی میں سے ایک حیدر آباد کی جماعت ہے جو یہاں سے قریباً ڈیڑھ ہزار میل دُور ہے - بیچ میں ایک لمبا علاقہ ہے جہاں نام کو بھی کوئی احمدی نہیں سی پی کا علاقہ بیچ میں ہے اُس میں جتنے احمدی ہیں وہ سب ملا کر بھی شاید شہر حیدر آباد کی جماعت کے برابر نہ ہوں - یوپی میں بھی بہت کم ہیں - اور ان سب علاقوں کو پار کر کے اللہ تعالےٰ نے حیدر آباد میں ایک جماعت پیدا کر دی اور وہاں ایسے مخلص احباب پیدا ہوئے جنہوں نے احمدیت کے لئے بہت قربانیاں کی ہیں اور ایثار سے کام کیا وہاں جماعت مولوی محمد سعید صاحب کے ذریعہ قائم ہوئی - اڑلیسہ میں ایک گاؤں سنبل پور سارے کا سارا احمدی ہے - اور وہ بھی در اصل حیدر آباد کی ہی پیدا شدہ جماعت ہے - سید عبدالرحیم صاحب وہاں کے رہنے والے حیدر آباد آگئے تھے وہاں وہ مولوی محمد سعید صاحب سے ملے - مولوی صاحب نے انہیں تبلیغ کی اور بعض کتابیں بھی دیں جن کے مطالعہ سے وہ احمدی ہوگئے اور پھر اُن کے اثر کی وجہ سے یہ گاؤں سارے کا سارا احمدی ہوگیا - اِس وقت مَیں جن کی لڑکی کے نکاح کا اعلان کرنے والا ہوں وہ حیدر آباد کے رہنے والے سیٹھ محمد غوث ہیں وہ بھی اُن مخلصین میں ہیں جنکا دل خدمتِ سلسلہ کے لئے گداز ہے اور وہ اِس بات کا بہت ہی احساس رکھتے ہیں ہیں تو وہ پہلے سے احمدی مگر میرے ساتھ اُن کی واقفیت جو ہوئی تو وہ حج کو جاتے ہوئے ۱۹۱۲ء میں ہوئی تھی - شاید اُن کو علم ہو کہ مَیں جا رہا ہوں یا شاید وہ تجارت کے سلسلے میں وہاں آئے ہوئے تھے - بہرحال اُن سے میری پہلی ملاقات وہاں ہوئی اور پھر ایسے تعلقات ہوگئے کہ گویا واحد گھر کی صورت پیدا ہو گئی مستورات کے بھی آپس میں تعلقات ہوگئے - حج کے موقعہ پر عبدالحی عرب بھی میرے ساتھ تھے وہاں سے روانگی کے وقت سیٹھ صاحب نے اُن کو بعض چیزیں دیں جن میں ایک گلاس بھی تھا - وہ انہوں نے عبدالحی صاحب کو یہ کہہ کر دیا تھا کہ جب آپ اِس میں پانی پئیں گے تو مَیں یاد آجاؤنگا اور اس طرح آپ میرے لئے دُعا کی تحریک کر سکیں گے - غرض سیٹھ صاحب حیدر آباد کے نہایت مخلص لوگوں میں سے ہیں - چندہ کی فراہمی کے لحاظ سے ، جماعت میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کے لحاظ سے انہوں نے بہت اچھا کام کیا ہے اور بغیر اس کے کہ کوئی دقعہ پڑا ہو کیا ہے - اور اُن کے اخلاص کا ہی نتیجہ ہے کہ اُن کو اولاد بھی اللہ تعالےٰ نے مخلص دی ہے - بعض لوگ خود تو مخلص ہوتے ہیں مگر اُن کی اولاد میں وہ اخلاص نہیں ہوتا مگر سیٹھ صاحب

کی اولاد بھی مخلص ہے۔ ان کے بڑے لڑکے محمد اعظم صاحب میں ایسا اخلاص ہے جو کم نوجوانوں میں ہوتا ہے تبلیغ اور تربیت کی طرف انہیں خاص توجہ ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے ریاستوں میں تبلیغ کرنے سے لوگ... عام طور پر ڈرتے ہیں اور کوئی بات ہو بھی تو کوشش کرتے ہیں کہ بڑے بڑے لوگوں کو اسکی اطلاع نہ ہوسکے۔ مگر مَیں نے دیکھا ہے کہ محمد اعظم صاحب کو شوق ہے کہ ریاست میں کھلی تبلیغ اور اشاعت کی جائے اِس کے متعلق وہ مجھ سے بھی مشورہ لیتے رہتے ہیں اور وہاں بھی نوجوانوں میں جوش پیدا کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے لڑکے معین الدین ہیں وہ بھی بہت اخلاص سے سلسلہ کے کاموں میں حصہ لیتے اور خدام الاحمدیہ کی تحریک میں بہت جدوجہد کرتے ہیں۔ ہاتھ سے کام کرنے کی تحریک کو مقبول بنانے کا بھی انہیں شوق ہے۔ لڑکیوں میں سے اُن کی بڑی لڑکیوں کے تعلقات امۃ الحی مرحومہؓ کے ساتھ تھے۔ پھر اُن کی چھوٹی لڑکی خلیل کے ساتھ بیاہی گئی جو تحریک جدید کا مجاہد ہے۔ اس لڑکی کے امۃ القیوم کے ساتھ بہنوں جیسے تعلقات ہیں اور شروع سے اب تک اِس خاندان نے ایسے اخلاص کے ساتھ تعلق رکھا اور اسے نبھایا ہے کہ اس میں کبھی بھی کمی نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ ایسے مخلصین کے لئے ذرائع بھی خود مہیا کرتا ہے۔ ان کے لڑکوں کی شادیاں بھی ایسے گھرانوں میں ہوئی ہیں جو بہت مخلص ہیں۔ محمد اعظم کی شادی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص اور فدائی صحابی حکیم محمد حسین صاحبؓ قریشی موجد مفرح عنبری کی لڑکی سے ہوئی ہے قریشی صاحب بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی صحابہ میں سے تھے اور ایسے مخلص تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ابتلاء سے انہیں بچالیا۔ جب پہلے پہل خلافت کا جھگڑا اُٹھا تو خواجہ صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے لاہور کی جماعت کو جمع کیا اور کہا کہ دیکھو سلسلہ کس طرح تباہ ہونے لگا ہے۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خلافت کا زمانہ تھا جب میر محمد اسحاق صاحبؓ نے بعض سوالات لکھ کر آپ کو دیئے تھے اور آپ نے جواب کے لئے وہ باہر کی جماعتوں کو بھجوا دیئے۔ اُس وقت لاہور کی ساری کی ساری جماعت اس پر متفق ہوگئی تھی کہ دستخط کر کے خلیفہ اوّلؓ کو بھجوائے جائیں کہ خلافت کا یہ طریق احمدیہ جماعت میں نہیں بلکہ اصل ذمہ وار جماعت کی انجمن ہے۔ جب سب لوگ اس امر کی تصدیق کر رہے تھے قریشی صاحب خاموش بیٹھے رہے کہ مَیں سب سے آخر میں اپنی رائے بتاؤں گا۔ آخر پر اُن سے پُوچھا گیا تو انہوں نے بڑے زور سے اِس خیال کی تردید کی اور کہا کہ یہ گستاخی ہے کہ ہم خلیفہ کے اختیارات معیّن کریں۔ ہم نے اُن کی بیعت کی ہے اِس لئے ایسی باتیں جائز نہیں۔ وہ آخری آدمی تھے اُن سے پہلے سب اپنی اپنی رائے ظاہر کر چکے تھے مگر ان کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ سب لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور خواجہ صاحب کے مؤید صرف وہ لوگ رہ گئے جو اُن کے ساتھ خاص تعلقات رکھتے تھے۔ اِسی طرح میری خلافت کے ابتدائی ایام میں بھی غیر مبائعین سے مقابلہ کرنے میں بڑی

تندہی سے حصّہ لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام انہی کی معرفت لاہور سے سامان وغیرہ منگوایا کرتے تھے۔ حضور خط لکھ کر کسی آدمی کو دے دیتے جو اُسے حکیم صاحب کے پاس لے جاتا اور وہ سب اشیاء خرید کر دیتے۔ گویا وہ لاہور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایجنٹ تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اُن سے بہت محبت رکھتے تھے اور لاہور کی احمدیہ مسجد بھی انہی کا کارنامہ ہے۔ دوسروں کا تو کیا کہنا مَیں خود بھی اس کا مخالف تھا کیونکہ مَیں سمجھتا تھا کہ یہ اتنا بڑا بوجھ ہے کہ جو لاہور کی جماعت سے اُٹھایا نہ جا سکیگا مگر انہوں نے پیچھے پڑ کے مجھ سے اجازت لی اور ایک بڑی بھاری رقم کے خرچ سے لاہور میں ایک مرکزی مسجد بنادی۔ سیٹھ صاحب کے دوسرے لڑکے کی شادی خانصاحب ذوالفقار علی خان صاحبؓ کی لڑکی سے ہوئی ہے۔ خانصاحب بھی مخلص آدمی ہیں اور گو بہت پُرانے نہیں مگر پیچھے آکر بھی انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے تعلقات مضبوط کئے اور بڑھائے تو ان کے لڑکوں کے رشتے بھی اللہ تعالیٰ نے مخلص گھرانوں میں کرا دیئے۔ لڑکیوں کی شادیاں بھی وہ چاہتے تھے پنجاب میں ہی ہوں۔ غرض امۃ الحفیظ کا نکاح تو خلیل احمد صاحب سے ہو گیا .... اور چھوٹی لڑکی امۃ الحی کے نکاح کا اعلان میں اِس وقت کر رہا ہوں جو خانصاحب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کے ایک قریبی عزیز اور شاید بھانجے محمد یونس صاحب کے ساتھ قرار پایا ہے۔ اِس رشتہ میں بھی سیٹھ صاحب نے اخلاص کو مدنظر رکھا ہے۔ تمدن کے اختلاف کی وجہ سے مَیں انکو لکھتا تھا کہ حیدرآباد میں ہی رشتہ کریں۔ مگر اُن کی خواہش تھی کہ قادیان یا پنجاب میں ہی رشتہ ہو تا قادیان آنے کے لئے ایک اور تحریک اُن کیلئے پیدا ہو جائے۔ محمد یونس صاحب ضلع کرنال کے رہنے والے ہیں جو دہلی کے ساتھ لگتا ہے مگر حیدرآباد کی نسبت قادیان سے بہت نزدیک ہے۔ سیٹھ صاحب کا خاندان ایک مخلص خاندان ہے اُنکی مستورات کے ہمارے خاندان کی مستورات سے ان کی لڑکیوں کے میری لڑکیوں سے اور ان کے اور ان کے لڑکوں کے میرے ساتھ ایسے مخلصانہ تعلقات ہیں کہ گویا خانہ واحد والا معاملہ ہے۔ ہم اُن سے اور وہ ہم سے بے تکلف ہیں اور ایک دوسرے کی شادی و غمی کو اس طرح محسوس کرتے ہیں جیسے اپنے خاندان کی شادی و غمی کو۔"[1]

حافظ آباد، گکھڑ، چنیوٹ اور کوئٹہ میں مسجدوں کی تعمیر

۱۳۲۰ ہش (۱۹۴۱ء) کے دوران مندرجہ ذیل چار مقامات پر احمدی مساجد تعمیر کی گئیں:۔

۱۔ حافظ آباد ۲۔ گکھڑ ۳۔ چنیوٹ ۴۔ کوئٹہ

[1] الفضل ۵ نبوت ۱۳۲۰ ہش / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳ و ۴

مسجد احمدیہ حافظ آباد :- اِس مسجد کے لئے قطعہ زمین ناصر الدین صاحب صدیقی تحصیلدار حافظ آباد کی کوشش سے فراہم ہوا۔ اور اس کی بنیادی اینٹ حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی نے ۱۳ شہادت ۱۳۲۰ھش / اپریل ۱۹۴۱ء کو رکھی۔[1]

مسجد احمدیہ گکھڑ :- اِس سال کے آغاز میں ضلع گوجرانوالہ کے قصبہ گکھڑ میں ایک احمدیہ مسجد کی تعمیر ہوئی۔[2]

مسجد احمدیہ چنیوٹ :- چنیوٹ ضلع جھنگ کا ایک مشہور تجارتی شہر ہے۔ جہاں ظہور ۱۳۲۰ھش / اگست ۱۹۴۱ء میں ایک خوبصورت احمدیہ مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچی[3] سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی (کلکتہ) مسجد احمدیہ چنیوٹ کے ابتدائی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"غالباً ۱۹۱۸ء کا ذکر ہے جماعت احمدیہ چنیوٹ کے احباب غیر احمدیوں کی مسجد میں جو بڑے بازار کے عقب میں واقع ہے اور "اندر والی مسجد" کہلاتی ہے جمعہ کی نماز ادا کیا کرتے تھے کیونکہ اس ایریا کے غیر احمدی مسجد ٹاہلی والی میں جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک جمعہ کی نماز کے معاً بعد ان لوگوں کے سرکردہ ممبر ایک حاجی صاحب نے اعلان کیا کہ دو سنتیں پڑھنے کے بعد بیٹھ جائیں کیونکہ "مرزائی" ہماری مسجد میں جمعہ پڑھتے ہیں اس مسجد سے اُن کو نکال دینا چاہیئے۔ .... بعد ازاں یہ قریباً دو تین صد اشخاص کا جمِ غفیر حاجی صاحب مذکور کی سرکردگی میں "مسجد اندر والی" پہنچا۔ اُس وقت احمدیوں کا خطبہ ہو رہا تھا۔ اُن حاجی صاحب نے آگے بڑھکر احمدیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے غصہ اور درشت الفاظ میں کہا کہ "یہ مسجد ہماری ہے۔ تم لوگ یہاں نماز پڑھنے کیوں آتے ہو۔ اگر آئندہ یہ حرکت کی تو نہایت بُرا سلوک کیا جائیگا"۔ یہ کہکر وہ جواب کے انتظار میں کھڑے ہوگئے۔ اُس وقت شیخ مولا بخش صاحب لگوں مرحوم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ انہوں نے خطبہ کے دوران ہی میں آسمان کی طرف مُنہ کرتے ہوئے کہا کہ "خدایا! ہم تو اس مسجد کو تیرا گھر سمجھ کر تیری عبادت کرنے یہاں آیا کرتے تھے۔ اب یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تیرا گھر نہیں ہے بلکہ ان کا ہے۔ سو اُن کے گھر میں تو ہم تیری عبادت کرنے نہیں آئیں گے"۔ اِس جواب کو سُنکر وہ لوگ چلے گئے۔ اُن ایّام میں ہی خاکسار کلکتہ سے چنیوٹ گیا ہوا تھا۔ مَیں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے احباب جماعت سے درخواست کی کہ آئندہ سے جمعہ کی نمازیں وہ میرے مکان پر ادا کیا کریں۔ اور اِس کے لئے ضروری انتظام بھی کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اِس جمعہ سے تین ہفتہ قبل انجمن اسلامیہ چنیوٹ نے اپنی مملوکہ زمین واقعہ محلہ راجن پورہ کو فروخت کرنے کا بذریعہ منادی اعلان کیا۔ زمین کے

---

[1] الفضل ۱۶ شہادت ۱۳۲۰ھش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۲ ۔ [2] الفضل ۱۹ شہادت ۱۳۲۰ھش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ کالم ۳ ۔ [3] الفضل ۲۷ ظہور ۱۳۲۰ھش / اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲

مختلف پلاٹ بنائے گئے تھے ۔ اور مذکورہ حاجی صاحب کو جو اُس انجمن کے آنریری نائب منتظم تھے نیلام کنندہ کی ڈیوٹی پر مامور کیا تھا۔ نیلام کے لئے مذکورہ واقعہ والے جمعہ کے بعد آنے والی جمعرات کا دن بعد از نمازِ عصر مقرر تھا جب نیلامی شروع ہوئی تو مَیں بھی تماشائی کے طور پر اس مجمع میں اُن حاجی صاحب کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ جب اس پلاٹ کی باری آئی جس پر اب مسجد احمدیہ بنی ہوئی ہے تو نیلام کنندہ نے سرگوشی کے ساتھ مجھے مخاطب کرتے ہوئے آہستہ سے کہا کہ "تمہارے پاس کوئی مسجد نہیں یہ بہت موقعہ کا چوکور پلاٹ ہے کیوں اسے خرید نہیں لیتے؟" ان کے یہ الفاظ میرے کانوں سے گذر کر اس طرح دل میں اُتر گئے جس طرح سوئچ کے دبانے سے بجلی کا بلب روشن ہو جاتا ہے۔ اس بارہ میں احباب جماعت سے مشورہ تو الگ رہا سرسری ذکر بھی کبھی نہیں ہُوا تھا مگر مَیں نے توکّل بخدا بولی میں حصّہ لینا شروع کر دیا۔ دوسرے خریدار چونکہ دنیاوی اغراض کے لئے اِس پلاٹ کے خواہشمند تھے اِس لئے وہ قیمت کے بارہ میں محتاط رنگ میں بولی دے رہے تھے مگر میرے دل میں تو خدا کے گھر کی تعمیر کی خاطر ایک خاص جوش پیدا ہو چکا تھا اس لئے مَیں نے اِس بولی میں حصہ لینا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں چھ مرلہ کا یہ ٹکڑا دو سو ستّر روپے فی مرلہ کے حساب سے میرے نام پر ختم ہُوا ۔ گو مَیں نے نیلام کنندہ کی تحریک کے جواب میں ایک لفظ بھی اپنے مُنہ سے نہیں نکالا تھا مگر ابھی نیلام کنندہ حاجی صاحب نے فی الفور اُس مجمع میں اعلان کر دیا کہ "بھائیو! یہاں مرزائیوں کی مسجد بنے گی"۔ خدا تعالےٰ کے کیا ہی عجیب تصرفات ہیں کہ جس شخص نے احمدیوں کو اپنی مسجد سے نکالا تھا دوسرا جمعہ آنے سے قبل اُسی کی تحریک پر احمدیوں نے مسجد کے لئے زمین خریدی اور خود اُسی کی زبان سے اللہ تعالےٰ نے اِس کا اعلان بھی کرا دیا۔ سُبحان اللہ العظیم۔ دوسرے دن جمعہ کی نماز کے لئے حسب انتظام جب احمدی احباب میرے مکان پر جمع ہوئے تو مَیں نے ان کو یہ خوشخبری سُنائی اور اُسی وقت زمین کی قیمت وغیرہ کے لئے چندہ کی اپیل کی۔ چنیوٹ کے جو احباب کلکتہ لاہور آگرہ وغیرہ مقامات پر تجارت کرتے تھے سب کو تحریک کی گئی مولا کریم کی مہربانی سے سب نے حسب توفیق دل کھول کر چندہ دیا۔ کافی عرصہ تک وہ زمین یونہی پڑی رہی اور غالباً بیس بائیس سال بعد جماعت کے دوستوں کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ اس خانۂ خدا کی تعمیر کریں۔ میرے نہایت ہی ذی الاحترام بزرگ چچا میاں جناب حاجی تاج محمود صاحب مرحوم کی سرپرستی میں اور میرے چھوٹے بھائی میاں محمد یوسف صاحب بانی کی نگرانی میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے یہ

خوبصورت مسجد تیار ہوگئی۔ چنیوٹ کے اور بھی بعض دوستوں نے اس کی تعمیر میں نمایاں خدمات سرانجام دیں"[۵۱]

مسجد احمدیہ کوئٹہ:۔ اس سال جماعت احمدیہ کی چوتھی مشہور مسجد[۵۲] کوئٹہ میں تعمیر ہوئی۔ اس مسجد کا سنگِ بنیاد ۲۴ ظہور ۱۳۲۰ہش / اگست ۱۹۴۱ء کو رکھا گیا۔ سب سے پہلے امیر جماعت کوئٹہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا مسجد فضل لندن سے متعلق افتتاحی خطاب پڑھ کر سنایا۔ ازاں بعد کوئٹہ میں موجود صحابہ نے مسجد مبارک کی دو اینٹیں (جن پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے دعا فرمائی تھی)[۵۳] ایک رومال میں رکھ کر محراب کی بنیاد تک پہنچائیں۔ اور امیر جماعت نے اُن کو نصب کر دیا[۵۴]۔ مسجد کی تعمیر جب تمام مراحل طے کرتی ہوئی چھت تک پہنچی تو احمدیوں نے کنکریٹ کی چھت ڈالنے کے لئے ۱۲ اخاء (اکتوبر) کو رمضان شریف کے مبارک مہینہ میں ڈھائی بجے دوپہر سے لیکر نو بجے شب تک نہایت جوش وخروش سے وقارِ عمل منایا[۵۵]۔ ۲۸ نبوت ۱۳۲۰ہش / نومبر ۱۹۴۱ء کو نماز جمعہ کے بعد اس کا افتتاح عمل میں آیا[۵۶]۔ اس مسجد کی تعمیر میں کوئٹہ کے مخلص احمدیوں کے علاوہ سمنار پار کے احمدیوں نے بھی فراخدلی سے چندہ دیا[۵۷]

فصل چہارم

واقعۂ ڈلہوزی حکومت پنجاب کے بعض اعلیٰ افسر سالہا سال سے جماعت احمدیہ کو باغی ثابت کرکے اس کے خلاف جارحانہ اور منتقمانہ کارروائیوں پر تُلے ہوئے تھے۔ اس خوفناک منصوبہ نے جو اندر ہی اندر ایک خاص سکیم کے تحت جاری تھا ۱۳۲۰ہش / ۱۹۴۱ء میں یکایک ایک نئی اور بھیانک شکل اختیار کرلی جس کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یہ رائے ظاہر فرمائی کہ "سلسلہ کی تاریخ میں ایک نرالا واقعہ ہے۔ ایسا نرالا کہ میں اسے ۱۹۳۴ء کے اس واقعہ سے بڑھ کر سمجھتا ہوں جبکہ گورنر پنجاب نے مجھ کو رات کے وقت نوٹس بھجوایا تھا کہ تم احمدیہ جماعت کے افراد کو روک دو کہ وہ قادیان میں نہ آئیں اور بعد میں گورنر ان کونسل نے اس کے متعلق دو دفعہ معذرت کی اور اپنی غلطی کا اقرار کیا"[۵۸]

---

۵۱ الفضل ۳۰ ظہور ۱۳۴۳ہش / اگست ۱۹۶۴ء صفحہ ۵ + ۵۲ پہلی مسجد ۱۹۳۵ء کے زلزلے میں شہید ہوگئی تھی اور احمدی ایک عارضی عمارت میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ + ۵۳ ایک اینٹ جو مسجد مبارک کی شمال مغربی کھڑکی کی تھی محراب کے مغربی حصہ میں اور دوسری اینٹ جو مسجد مبارک کی سیڑھیوں کی تھی محراب کے دائیں طرف نصب کی گئی۔ الفضل ۲۹ ظہور ۱۳۲۰ہش / اگست ۱۹۴۱ء صفحہ ۳ پر مفصّل روئیداد موجود ہے۔ ۵۵ تفصیل الفضل ۵ نبوت ۱۳۲۰ہش / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۶ پر شائع شدہ ہے +
۵۶ الفضل ۲ فتح ۱۳۲۰ہش / دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ + ۵۷ تعمیر مسجد میں نمایاں حصہ لینے والوں کا نام مسجد کی شرقی دیوار کے کتبہ پر کندہ ہے۔
۵۸ الفضل ۱۴ تبوک ۱۳۲۰ہش (ستمبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۱ کالم ۲ +

یہ اہم واقعہ ۱۰ر تبوک ہش ۱۳۲۰ (۱۰ر ستمبر ۱۹۴۱ء) کو پیش آیا جبکہ حضور ڈلہوزی میں تبدیلیٔ آب و ہوا کے لئے تشریف فرما تھے۔

واقعہ ڈلہوزی کی تفصیلات حضرت امیر المومنینؓ کے الفاظ میں

یہ واقعہ جسے ہم آئندہ "واقعۂ ڈلہوزی" کے نام سے موسوم کریں گے اپنی اہمیت کے لحاظ سے تقاضا کرتا ہے کہ اس کی تفصیلات خود حضرت امیر المومنینؓ کی زبانِ مبارک سے بیان کی جائیں۔ حضور نے ۱۲ر تبوک/ستمبر ہش ۱۳۲۰/۱۹۴۱ء کو اس واقعہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:—

"بارہ بجے کا وقت تھا کہ میرا لڑکا خلیل احمد جس کی عمر اس وقت پونے سترہ سال ہے میرے پاس آیا اُس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا جو بند تھا۔ وہ پیکٹ گول تھا اُس کے باہر ایک کاغذ لپٹا ہوا تھا اور اُس کاغذ پر اُس کا پتہ لکھا ہوا تھا۔ خلیل احمد نے وہ پیکٹ مجھے دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ پیکٹ کسی نے میرے نام بھجوایا ہے اور گورنمنٹ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مَیں نے وہ پیکٹ اُس کے ہاتھ سے لیا اور چونکہ وہ بند تھا اس لئے طبعًا مجھے خیال پیدا ہوا کہ اُسے کیونکر معلوم ہوا کہ یہ پیکٹ گورنمنٹ کے خلاف ہے۔ چنانچہ مَیں نے اس سے کہا یہ پیکٹ تو بند ہے تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ اس میں کوئی ایسے کاغذات ہیں جو گورنمنٹ کے خلاف ہیں۔ اُس نے کہا کہ اس پیکٹ کا خول کچھ ڈھیلا سا ہے مَیں نے بغیر اوپر کا کور پھاڑنے کے اندر سے کاغذات نکال کر دیکھے تو معلوم ہوا کہ اس میں گورنمنٹ کے خلاف باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ اس پر مَیں نے بھی دیکھا تو واقعہ میں کور کچھ ڈھیلا سا تھا۔ پھر تجربہ کے طور پر مَیں نے بھی بغیر کور پھاڑنے کے اُس میں سے کاغذات نکالے اور مجھے فورًا معلوم ہو گیا کہ خلیل احمد جو کچھ کہتا ہے ٹھیک ہے۔ مَیں نے وہ اشتہار سب کا سب نہیں پڑھا بلکہ صرف ایک سطر دیکھی اس کا مضمون کچھ اس قسم کا تھا کہ گورنمنٹ نے بعض ہندوستانی سپاہیوں کو کسی جگہ مروا دیا ہے۔ غرض بغیر اس کے کہ مَیں اس اشتہار کو پڑھتا صرف ایک سطر دیکھ کر اور خلیل احمد کی بات کو درست پا کر مَیں نے وہ پلندا کور میں ڈال دیا اور درد صاحب کی طرف آدمی بھجوایا کہ وہ فورًا مجھ سے آ کر ملیں۔ درد صاحب ایک دو منٹ بعد ہی سیڑھیوں پر آ گئے۔ مَیں سیڑھیوں میں اُن کے پاس گیا اور مَیں نے اُن کے ہاتھ میں وہ پیکٹ دیتے ہوئے کہا کہ یہ پیکٹ خلیل احمد کے نام آیا ہے اور اس نے مجھے ابھی آ کر دیا ہے اُس نے مجھے بتایا تھا کہ یہ پیکٹ گورنمنٹ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور جب مَیں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس طرح

پتہ لگا کہ یہ گورنمنٹ کے خلاف ہے تو اُس نے بتایا کہ مَیں نے بغیر کوَر پھاڑنے کے اندر کے کاغذات نکال کر دیکھے تھے اور مجھے اس کا مضمون گورنمنٹ کے خلاف معلوم ہُوا۔ اِس پر مَیں نے بھی بغیر پھاڑنے کے اس میں سے کاغذات نکال کر دیکھے تو وہ آسانی سے باہر آ گئے اور اس پر نظر ڈالتے ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ گورنمنٹ کے خلاف ہیں۔ نہ صرف اِس لئے کہ ایک سطر جو مَیں نے پڑھی اس کا مضمون گورنمنٹ کے خلاف تھا بلکہ اس لئے بھی کہ گورنمنٹ کے خلاف جو اشتہارات وغیرہ شائع کئے جاتے ہیں وہ دستی پریس پر چھاپے جاتے ہیں اور وہ کاغذات بھی دستی پریس پر ہی چھپے ہوئے تھے اس پیکٹ کے اوپر جو پتہ لکھا ہُوا تھا وہ خوشخط لکھا ہُوا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی مسلمان نے لکھا ہے۔ یہ تو مَیں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں مرزا کا لفظ بھی تھا یا نہیں مگر "صاحبزادہ خلیل احمد" ضرور لکھا ہُوا تھا۔ ص کا دائرہ بھی بڑا اچھا تھا اور ح کے گوشے بھی خوب نکالے ہوئے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پتہ کسی مسلمان کے ہاتھ کا لکھا ہُوا ہے۔ خیر مَیں نے وہ پیکٹ درد صاحب کو دیا اور کہا کہ یہ کسی کی شرارت معلوم ہوتی ہے اور چونکہ ممکن ہے کہ اِس قسم کے ٹریکٹ تمام پنجاب کے نوجوانوں میں عام طور پر تقسیم کئے جا رہے ہوں اس لئے آپ فوراً یہ پیکٹ ہز ایکسی لینسی گورنر صاحب پنجاب کو بھجوا دیں اور انہیں لکھ دیں کہ میرے لڑکے خلیل احمد کے نام ایسا پیکٹ آیا ہے۔ اور چونکہ ممکن ہے کہ اور پنجاب کے نوجوانوں کے نام بھی اِسی طرح ٹریکٹ اور اشتہارات وغیرہ بھیجے گئے ہوں اس لئے یہ پیکٹ آپ کو بھجوایا جاتا ہے آپ اس کے متعلق جو محکمانہ کارروائی کرنا مناسب سمجھیں کریں۔ مَیں یہ بات کر کے واپس ہی لوٹا تھا کہ ایک آدمی پیچھے سے آیا اور درد صاحب سے کہنے لگا کہ پولیس والے آئے ہیں اور وہ آپ کو بلاتے ہیں۔ مَیں نے اُس آدمی کو نہیں دیکھا کیونکہ وہ سیڑھیوں کے موڑ کے پیچھے تھا۔ یہ بات سُن کر مَیں نے درد صاحب سے کہا کہ آپ جائیں اور جا کر معلوم کریں کہ پولیس والے کیا کہتے ہیں۔ درد صاحب گئے اور تین چار منٹ کے بعد ہی واپس آ گئے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ پولیس کے کچھ سپاہی آئے ہوئے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے مرزا خلیل احمد صاحب سے ملنا ہے۔ درد صاحب کہنے لگے کہ مَیں نے انہیں کہا کہ خلیل تو بچہ ہے اُس سے آپ نے کیا بات کرنی ہے۔ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں وہ مجھے لکھ کر دیدیں۔ مگر انہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ ہم اُسی سے بات کرنا چاہتے ہیں اور اس بارہ میں ہم کچھ لکھ کر نہیں دے سکتے۔ درد صاحب کچھ اور باتیں بھی کرنا چاہتے تھے

گر مَیں نے اس خیال سے کہ معمولی بات ہے اُن سے کہا۔ کوئی حرج کی بات نہیں میں خلیل کو بھجوا دیتا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے اُسی وقت خلیل احمد کو بھجوا دیا۔ چند منٹ کے بعد ہی خلیل احمد واپس آیا اور اُس نے مجھے کہا کہ سپاہیوں نے مجھ سے یہ پوچھا تھا کہ کیا اس قسم کا پیکٹ تمہارے نام آیا ہے اور مَیں نے کہا کہ ہاں آیا ہے مگر مَیں نے اپنے ابّا کو دے دیا ہے۔ پھر پولیس والوں نے اس پیکٹ کی طرف اشارہ کرکے (جو درد صاحب نیچے لے گئے تھے) کہا کہ یہ پیکٹ اپنے ہاتھ میں لے کر کھول دو مگر مَیں نے کہا کہ مَیں اِسے نہیں کھول سکتا۔ خلیل احمد سے جب یہ بات مَیں نے سُنی تو مَیں نے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا جو پیکٹ اپنے ہاتھ سے نہیں کھولا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کے ہاتھ سے پیکٹ کھلوانے کا منشاء یہ تھا کہ وہ شرارتاً اس طرح اپنی کانشنس کو یہ تسلّی دلانا چاہتے تھے کہ انہوں نے خلیل کے ہاتھ سے یہ پیکٹ لیا ہے۔ خیر وہ بات کرکے ہٹا تو اُسی وقت درد صاحب نے سیڑھیوں پر سے آواز دی اور میرے جانے پر انہوں نے کہا کہ ان لوگوں نے مجھ سے وہ پیکٹ مانگا تھا مگر مَیں نے دینے سے انکار کر دیا اور اُن سے کہا کہ تم مجھے وہ قانون بتاؤ جس کے ماتحت تم مجھ سے یہ پیکٹ لینا چاہتے ہو۔ پھر مَیں نے اُن سے آپ کا نام لے کر کہا کہ مجھے خلیفۃ المسیح کی طرف سے یہ پیکٹ ایک بڑے افسر کو بھجوانے کیلئے ملا ہے اس لئے مَیں یہ پیکٹ تمہیں نہیں دے سکتا۔ اس پر انہوں نے وہ پیکٹ مجھ سے چھین کر باہر پھینک دیا اور ایک سپاہی اُسے لیکر بھاگ گیا۔ مَیں نے پھر جلدی میں اُن کی پوری بات نہ سُنی اور مَیں سمجھ گیا کہ یہ ہم سے شرارت کی گئی ہے۔ چنانچہ مَیں نے اوپر آکر گورنر صاحب کو ایک تار لکھا جس میں وہ اہم واقعات جو اس وقت تک ہوئے تھے لکھ دیئے۔ یہ تار دے کر مَیں پھر سیڑھیوں میں آیا تو اُس وقت درد صاحب واپس جا چکے تھے مَیں نیچے اُتر کر بیٹھک میں آیا تو مَیں نے دیکھا کہ ہماری کوچ اور کرسیوں پر پولیس والے اپنی لاتیں دراز کرکے یوں بیٹھے ہیں کہ گویا اُن کا گھر ہے مَیں جھٹ دروازہ بند کرکے برآمدہ کی طرف سے دفتر کے کمرہ میں آیا تو مَیں نے دیکھا کہ برآمدہ میں بھی پولیس والے کھڑے ہیں۔ خیر مَیں نے درد صاحب کو تار دیا اور کہا کہ یہ ابھی گورنر صاحب کو بھجوا دیا جائے۔ پھر مَیں گورنر صاحب کو ایک مفصّل چٹھی لکھنے بیٹھ گیا۔ اِس عرصہ میں دو دفعہ مجھے پھر نیچے جانا پڑا۔ ایک دفعہ تو مَیں درد صاحب کو یہ کہنے کے لئے گیا کہ آپ اِس تار کا مضمون پولیس کے سپاہیوں کو بھی سُنا دیں اور اُن سے پُوچھ لیں کہ اس میں کوئی غلط بات تو بیان نہیں کی گئی اور اگر کسی واقعہ کا وہ انکار کریں تو

مجھے بتایا جائے تاکہ اگر کسی قسم کی اس میں غلطی ہو تو اُس کو دُور کر دیا جائے۔ میرے اس کہنے کی وجہ یہ تھی کہ نیچے جو واقعات درد صاحب کو پیش آئے تھے وہ مَیں نے نہیں دیکھے تھے اور میرا فرض تھا کہ ان واقعات کے بیان کرنے میں دوسروں کو صفائی کا موقعہ دوں۔ اور اگر کوئی خلاف واقعہ بات درج ہوگئی ہو تو اس کی تصحیح کر دوں۔ پھر بعد میں مجھے ایک اور بات کی نسبت خیال آیا کہ اُس کا لکھنا بھی تار میں ضروری تھا اس لئے میں دوسری دفعہ پھر نیچے اُترا اور مَیں نے درد صاحب کو اس واقعہ کے لکھنے کی بھی ہدایت کی اور ساتھ ہی پھر انہیں کہہ دیا کہ یہ واقعہ بھی ان کو سُنا دینا۔ اُس وقت بھی پولیس برابر ہمارے مکان کے نچلے حصّہ پر قبضہ جمائے بیٹھی رہی۔ اتفاق کی بات ہے کہ اُس دن ہمارے اکثر آدمی باہر کام پر گئے ہوئے تھے۔ عزیزم مرزا مظفر احمد صاحب جو ڈلہوزی میں ہمارے ہاں مہمان آئے ہوئے تھے وہ بھی مرزا ناصر احمد کو ملنے کے لئے اُنکی کوٹھی پر گئے ہوئے تھے۔ خیر کچھ دیر کے بعد مجھے خیال آیا کہ ہمیں تو قانون کی واقفیت نہیں مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد کو بلوا لیا جائے۔ چنانچہ مَیں پھر نیچے اُترا اور ایک شخص سے کہا کہ درد صاحب سے جا کر کہیں کہ فوری طور پر مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد کو بلوا لیا جائے۔ اُس وقت مجھے پھر معلوم ہوُا کہ ابھی تک پولیس مکان پر قابض تھی۔ خیر اس شخص نے مجھے بتایا کہ درد صاحب پہلے ہی ایک آدمی اُن کی طرف بھجوا چکے ہیں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد دونوں پہنچ گئے اور انہوں نے بتایا کہ پیچھے آرمڈ پولیس رائفلیں لے کر چلی آ رہی ہے۔ درد صاحب نے مرزا عبدالحق صاحب پلیڈر کی طرف بھی آدمی بھجوا دیا اور وہ بھی تھوڑی دیر کے بعد آ گئے۔ اُس وقت تک بھی پولیس کمرہ اور برآمدہ پر قابض تھی۔ مجھے اس وقت خیال گذرا کہ پولیس والوں نے ضرور تھانہ میں کوئی رقعہ بھیجا ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ آرمڈ پولیس رائفلیں لے کر ہمارے مکان پر پہنچ گئی۔ اس کے بعد مَیں پھر خط لکھنے میں مشغول ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد مَیں نے مرزا مظفر احمد سے کہا کہ مجھے تو قانون کا علم نہیں تم قانون پڑھے ہوئے ہو کیا پولیس کا کسی کے مکان کے اندر داخل ہونا جائز ہے۔ انہوں نے کہا کہ قانون کی رُو سے یہ بالکل ناجائز ہے مَیں نے کہا تو پھر تم جاؤ اور پولیس والوں سے بات کرو۔ اتنے میں مرزا ناصر احمد بھی آ گئے اور کہنے لگے کہ پولیس والے ہمارے مکان کے اندر کیوں بیٹھے ہیں اور درد صاحب نے انہیں بیٹھنے کیوں دیا یہ بالکل خلافِ قانون حرکت ہے جو پولیس والوں نے کی ہے۔ پولیس والے بغیر اجازت کے کسی گھر میں داخل

نہیں ہوسکتے۔ اور اگر وہ داخل ہوں تو اس صورت میں انہیں اپنی تلاشی دینی ضروری ہوتی ہے۔ کیونکہ کیا پتہ کہ وہ کوئی ناجائز چیز اندر پھینک جائیں۔ اس لئے قانون یہی کہتا ہے کہ پولیس کی پہلے تلاشی ہونی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی طرف سے کوئی ناجائز چیز پھینک دے اور گھر والوں کو مجرم بنا دے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا پولیس والوں کی تلاشی لے لی گئی تھی۔ مَیں نے کہا کہ میرے علم میں تو یہ بات نہیں آئی کہ پولیس والوں کی تلاشی لی گئی ہو۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ یہ درد صاحب کا فرض تھا کہ پولیس والوں کو اندر نہ آنے دیتے۔ مرزا ناصر احمد نے چونکہ بیرسٹری کی بھی کچھ تعلیم پائی تھی وہ کچھ قانون سے واقف ہیں۔ مَیں نے کہا کہ جب پولیس والوں کو قانوناً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے کے مکان میں داخل ہوں تو پھر جاؤ اور ان کو قائل کرو۔ اس پر وہ نیچے آئے اور پولیس والوں سے اونچی باتیں کرنے لگے۔ مرزا ناصر احمد کی آواز ذرا زیادہ بلند تھی مَیں نے اس وقت یہ خیال کیا کہ یہ بچہ ہے ابھی پورا تجربہ نہیں ہم اس وقت چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اگر اس نے کوئی بات کی تو ممکن ہے کہ پولیس والے اس پر کوئی الزام لگا دیں کہ اس نے ہم پر دست درازی کی ہے اس لئے مَیں جلدی سے نیچے اترا اُس وقت پولیس والے اندر کمرے سے نکل کر برآمدہ میں آچکے تھے اور مرزا ناصر احمد انہیں یہ کہہ رہے تھے کہ تم جہاں اندر بیٹھے تھے وہیں جا بیٹھو مَیں اسی حالت میں تمہاری تصویر لینا چاہتا ہوں اور وہ کہہ رہے تھے کہ ہم وہاں نہیں جاتے۔ مَیں نے جب اُن کی یہ باتیں سُنیں تو مَیں نے سپاہیوں سے کہا کہ تم سب پہلے اندر بیٹھے ہوئے تھے اور کئی بھلے مانس اس کے گواہ ہیں مَیں نے خود تمہیں اندر بیٹھے دیکھا۔ درد صاحب نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا۔ مرزا مظفر احمد اور مرزا ناصر احمد نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا۔ ہمارے عملہ کے اور کئی آدمیوں نے تم کو اندر بیٹھے دیکھا ہے۔ اب اس میں تمہارا کیا حرج ہے کہ پھر تم وہیں جا بیٹھو اور تمہاری اس وقت کی تصویر لے لی جائے۔ اگر تمہارا اندر آنا قانون کے مطابق تھا تو تم اب بھی وہیں بیٹھ سکتے ہو اور اگر تمہارا اندر بیٹھنا قانون کے خلاف تھا تو تم اپنی غلطی کا اقرار کرو۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ ہم تو اندر بیٹھے ہی نہیں۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ تین دفعہ تو مَیں نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا ہے۔ اسی طرح درد صاحب نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا ہے۔ خلیل احمد سے جو تم نے باتیں کیں وہ اندر ہی کیں۔ اسی طرح تمہیں مظفر احمد نے اندر دیکھا ناصر احمد نے اندر دیکھا۔ اب تم کس طرح کہہ رہے ہو کہ تم اندر بیٹھے ہی نہیں اور اتنا بڑا جھوٹ بولتے ہو۔ مگر اس پر بھی انہوں نے

یہی کہا کہ ہم اندر بالکل نہیں بیٹھے ۔ اتنے میں مرزا مظفر احمد نے کہا کہ مَیں جب آیا تھا تو اس وقت بھی یہ سب سپاہی اندر بیٹھے تھے ۔ اور نہ صرف اندر بیٹھے ہوئے تھے بلکہ ایک سپاہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ خلافِ قانون اپنی پیٹی کھول کر بیٹھا تھا ۔ مگر وہ یہی کہتے چلے گئے کہ ہم اندر نہیں گئے ۔ اِس پر مَیں نے انہیں کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ آج مجھے ذاتی طور پر اس بات کا تجربہ ہوا کہ عدالتیں کن جھوٹے آدمیوں کی گواہیوں پر لوگوں کو سزا دیتی ہیں ۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ تم وہ ہو کہ تمہیں اس بات کا علم ہے کہ مَیں تمہارے پاس آیا اور مَیں نے تمہیں اندر بیٹھے دیکھا ایک دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ ۔ پھر تم نے درد صاحب سے یہاں باتیں کیں ۔ تم نے خلیل احمد سے یہاں باتیں کیں تم نے مظفر احمد سے یہاں باتیں کیں ۔ تم نے ناصر احمد سے یہاں باتیں کیں اور تم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ جو کچھ مَیں کہہ رہا ہوں وہ درست ہے مگر اتنے گواہوں کے باوجود تم کہہ رہے ہو کہ تم اندر نہیں بیٹھے ۔ جس قسم کا جھوٹ تم لوگ بول رہے ہو اس قسم کی گواہیوں پر عدالتوں کی طرف سے لوگوں کو سزاؤں کا ملنا یقیناً نہایت ہی افسوسناک اور ظالمانہ فعل ہے ۔ اِس پر وہ کچھ کھسیانے سے ہو گئے مگر اقرار انہوں نے پھر بھی نہ کیا کہ وہ کمرہ کے اندر بیٹھے تھے ۔ جب مَیں نے دیکھا کہ وہ اِس طرح کھلے طور پر جھوٹ بول رہے ہیں تو مَیں نے خیال کیا کہ نامعلوم ہمارے متعلق وہ اور کیا باتیں بنالیں ۔ شاید وہ یہی کہہ دیں کہ ہم پر انہوں نے حملہ کر دیا تھا اور ہمیں مارنے پیٹنے لگ گئے تھے ۔ اِس لئے مَیں نے مرزا مظفر احمد سے کہا کہ مظفر اس ملک میں احمدیوں کے قول پر کوئی اعتبار نہیں کرتا تم تعلیم یافتہ ہو عہدیدار ہو لیکن پھر بھی اگر کوئی واقعہ ہؤا تو تمہاری کسی بات پر اعتبار نہیں کیا جائیگا بلکہ اعتبار انہی لوگوں کی بات پر کیا جائیگا ۔ اِس لئے بہتر ہے کہ اِن واقعات کی شہادت کے لئے کسی اور کو بھی بُلا لیا جائے ۔ ہمارے ہمسایہ میں ایک غیر احمدی ڈپٹی کمشنر صاحب چھٹی پر آئے ہوئے تھے مَیں نے مرزا مظفر احمد سے کہا کہ فوراً اُنکی طرف ایک آدمی دوڑا دیا جائے اور کہا جائے کہ ایک ضروری کام ہے آپ مہربانی کر کے تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے آئیں ۔ میرا منشاء یہ تھا کہ وہ آئیں تو اس واقعہ کے گواہ بن جائیں گے ۔ چنانچہ مرزا مظفر احمد نے ان کی طرف ایک آدمی دوڑا دیا کہ ضروری کام ہے آپ جلدی تشریف لائیں ۔ اسکے بعد مَیں پھر اوپر چلا گیا ۔ اِتنے میں نیچے سے مجھے آوازیں آئیں ۔ اور مَیں نے آواز سے پہچان لیا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب آگئے ہیں اور وہ اُن سپاہیوں سے بات کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے تم نے صریحاً خلافِ قانون

حرکت کی ہے۔ یہ باتیں سُنکر میں بھی نیچے اُتر آیا اور میں نے اُن کے سامنے تمام پہلی باتوں کو دہرانا شروع کیا۔ میں نے کہا کہ اِس طرح خلیل احمد کے نام ایک پیکٹ آیا تھا جو میں نے ورد صاحب کو اِس لئے دیا کہ وہ گورنر صاحب پنجاب کو بھجوا دیں۔ انہوں نے ورد صاحب سے وہ پیکٹ چھین لیا۔ اور پھر انہوں نے تھانہ میں کوئی جھوٹی رپورٹ بھیج دی جس پر مسلح پولیس آگئی۔ پھر میں نے ان سپاہیوں سے کہا کہ یہ جو مسلح پولیس آئی ہے یہ ضرور کسی تمہاری رپورٹ کے نتیجہ میں آئی ہے۔ تم نے لکھا ہو گا کہ یہ لوگ ہمیں مارنے اور قتل کرنے کے درپے ہیں۔ یقیناً تم نے ایسا ہی لکھا ہے ورنہ تھانے والوں کو کیا پڑی تھی کہ وہ مسلح پولیس یہاں بھیج دیتے۔ پھر میں نے اُن سے کہا کہ جب ورد صاحب سے تم نے پیکٹ چھینا تھا تو کیا اس سے تمہاری غرض یہ نہیں تھی کہ تم یہ بات بنا سکو کہ تم نے یہ پیکٹ خلیل سے لیا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے جس طرح آپ نے کوئی بات بنانی تھی اسی طرح ہم نے بھی کوئی بات بنانی ہی تھی۔ یہ باتیں انہوں نے اُن ڈپٹی کمشنر صاحب کے سامنے کیں۔ اور میں نے بھی اُن سے اِس لئے کہلوائیں تاکہ وہ ڈپٹی کمشنر صاحب ان باتوں کے گواہ بن جائیں (گو میں نہیں کہہ سکتا ان باتوں میں سے انہوں نے کتنی سُنیں کیونکہ اس وقت مختلف باتیں ہو رہی تھیں۔) اِسی طرح ابھی ڈپٹی کمشنر صاحب نہیں آئے تھے کہ مجھے نیچے سے ایک سپاہی کی آواز آئی جو دوسرے سپاہی سے بات کر رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کوئی سپاہی بدقسمتی سے اندر آنا چاہتا تھا کہ ہمارے آدمیوں نے اُسے اندر داخل ہونے سے روک دیا۔ اِس پر دوسرا سپاہی اُسے کہنے لگا۔ ” ایدھر آجا اوئے اینہاں دا کی اعتبار ہے جو چاہن گل بنا لین۔“ یعنی ان کا کیا اعتبار ہے ان کا جو جی چاہے گا ہمارے خلاف بات بنا لیں گے۔ گویا ہمارے سب لوگ جھوٹے تھے اور وہ لوگ جو روزانہ جھوٹی قسمیں کھاتے اور ہمارے سامنے جھوٹ بول رہے تھے وہ سچے تھے۔ خیر اُن ڈپٹی کمشنر صاحب نے کچھ دیر اُن سے باتیں کرنے کے بعد مجھ سے کہا کہ ان سپاہیوں سے باتیں کرنی فضول ہیں ان میں کوئی افسر نہیں ہے اور نہ ہی ان کا کوئی اختیار ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ ضلع گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر صاحب کی طرف آدمی بھجوا دیں اور انہیں ان تمام حالات سے اطلاع دیں۔ میں نے کہا۔ اِس کا میں پتہ کرا چکا ہوں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب اور سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس دونوں اِس وقت باہر ہیں اِسی وجہ سے ہم حیران ہیں کہ کیا کریں۔ انہوں نے کہا کہ پھر یہ جو کانسٹیبل یا ہیڈ کانسٹیبل ہیں ان سے بات کرنی فضول ہے انہیں دیکھ کر تو یہ بھی پتہ نہیں لگتا کہ ان کا افسر کون ہے۔ پھر انہوں نے کہا۔

یہاں مسٹر سلیبر ایس ڈی او ہیں۔ مرزا مظفر احمد صاحب اُن کے پاس چلے جائیں۔ مَیں نے کہا مظفر احمد کا جانا ٹھیک نہیں۔ وہ یہاں گواہ کے طور پر ہیں۔ مَیں درد صاحب اور مرزا ناصر احمد کو بھجوا دیتا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے اِن دونوں کو مسٹر سلیبر کی طرف بھجوا دیا اور خود ان سپاہیوں سے پوچھا کہ تم میں افسر کون ہے۔ اِس پر پہلے تو وہ کہنے لگے کہ ہمیں پتہ نہیں ہمارا کون افسر ہے۔ پھر جب مزید اصرار کیا تو اُن میں سے کوئی کہے کہ یہ افسر ہے اور کوئی کہے وہ افسر ہے۔ آخر ایک کی طرف اشارہ کر کے وہ کہنے لگے کہ ہم میں سے یہ سب سے بڑا ہے اور وہ بغیر وردی کے تھا۔ اُس سے پوچھا تو وہ کہنے لگا مَیں وردی میں ہی نہیں فلاں شخص ہے۔ اُس نے اس سے پُوچھا تو اُس نے کہا کہ وہ بے وردی شخص سینیئر ہے مَیں افسر نہیں۔ جب اُسے کہا گیا کہ وہ تو منکر ہے تو اُس نے جواب دیا کہ "جینہوں سمجھ لو" یعنی جسے چاہیں افسر سمجھ لیں۔ آخر ان ڈپٹی کمشنر صاحب نے ان سے پُوچھا کہ تم کو یہ تو بتانا چاہیئے تم میں سے بڑا کون ہے۔ اِس پر بھی انہوں نے کچھ ایسا ہی جواب دیا۔ غرض اسی قسم کی آئیں بائیں شائیں کرتے رہے۔ خیر انہوں نے کہا مسٹر سلیبر ایس ڈی او ابھی آجائیں گے۔ ان لوگوں سے بات کرنی فضول ہے آپ اندر چل بیٹھیں۔ چنانچہ وہ اَور مَیں اور عزیزم مظفر احمد کمرہ میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں مسٹر سلیبر ناصر احمد کے ساتھ آگئے۔ مسٹر سلیبر نے کوٹ اتارا اور بیٹھتے ہی کہا کہ مَیں پولیس افسر نہیں۔ میرے پاس تو جب کیس آتا ہے اُس وقت اُسے سُنتا ہوں۔ وہ مجھے ذاتی طور پر نہیں جانتے تھے۔ یونہی یہ سُنکر کہ کوئی شخص باہر سے یہاں چند دنوں کے لئے آیا ہُوا ہے اور اُسے پولیس والوں کے متعلق کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے چلے آئے۔ مَیں نے بھی اُن کا شکریہ ادا کیا کہ آپ بغیر اس علم کے کہ کیا واقعہ ہوا ہے اور ہم پر کیا گذری ہے تشریف لے آئے ہیں۔ خیر انہیں تمام واقعات بتلائے گئے۔ انہوں نے کہا کہ ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت پولیس بغیر وارنٹ دکھائے گرفتار کر سکتی ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کہنے لگے یہ اختیارات انسپکٹر پولیس یا سب انسپکٹر پولیس کو حاصل ہیں ہر ایک کو حاصل نہیں اس پر مسٹر سلیبر نے بتایا کہ انسپکٹر پولیس بیمار تھا اور تھانہ دار دورہ پر تھا اُس وقت انچارج ایک ہیڈ کانسٹیبل ہی ہے اس لئے اُسے اختیار حاصل ہے۔ پھر وہ واقعات سُنتے رہے اور انہوں نے اس پر افسوس کا بھی اظہار کیا۔ اور کہا کہ کیا آپ کے نزدیک یہ کافی نہ ہوگا کہ مَیں انسپکٹر کو کہوں کہ وہ ان لوگوں کے متعلق مناسب کارروائی کرے۔ مَیں نے انہیں کہا کہ مَیں تو اس کے متعلق گورنر صاحب کو بھی تار دے چکا ہوں۔

اس نے اُن کے فیصلہ کا مجھے انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی دوران میں پولیس کے بعض نقائص کو بھی انہوں نے تسلیم کیا۔ اور جب انہیں بتایا گیا کہ وہ بغیر تلاشی کے اندر آ گئے تھے تو انہوں نے کہا کہ یہ واقعہ میں خلافِ قانون حرکت ہے۔ اور انہیں اندر نہیں آنا چاہیئے تھا۔ مگر انہوں نے کہا کہ میں مجسٹریٹ ہوں اور صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ جب کیس میرے سامنے آئے تو اس کا فیصلہ کر دوں۔ پولیس کی کارروائی میں دخل نہیں دے سکتا۔ البتہ لڑکے کی ضمانت ابھی لے لیتا ہوں۔ ڈی سی صاحب نے کہا۔ میں اس بارہ میں تجربہ کار ہوں۔ آپ یہ بات نہ کریں کیونکہ اس طرح آپ خود الزام کے نیچے آجائینگے۔ پولیس نے ابھی تک آپ کے پاس رپورٹ نہیں کی اور قاعدہ یہ ہے کہ پہلے پولیس رپورٹ کرے۔ اور پھر اس پر کسی قسم کا ایکشن لیا جائے۔ انہوں نے کہا۔ بہت اچھا۔ میں انچارج کو بلا لیتا ہوں۔ اُن کے ساتھ نائب تحصیلدار تھا۔ انہوں نے اُسے بھیجا کہ جا کر تھانیدار انچارج کو بلا لاؤ۔ اس پر وہی شخص آیا جو بے وردی تھا۔ مسٹر سلیٹر نے اُس سے پوچھا کہ کیا تم انچارج ہو؟ اُس نے کہا میں تو وردی میں نہیں میں کس طرح انچارج ہو سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا اچھا تو پھر کسی وردی والے کو بلاؤ۔ اس پر وہ کسی دوسرے کو بلا لایا جو وردی پہنے ہوئے تھا۔ اُس سے جب پوچھا گیا کہ کیا تم انچارج ہو؟ تو وہ کہنے لگا میں کس طرح انچارج ہو سکتا ہوں میں تو جونیئر ہوں انچارج تو یہ ہے جو بغیر وردی کے ہے۔ اس پر مسٹر سلیٹر بھی حیران ہوئے اور انہوں نے اُسی شخص سے جو بغیر وردی کے تھا کہا کہ تم اس کیس کے متعلق میرے پاس رپورٹ کرو۔ پھر میں اس کا فیصلہ کروں گا۔ میں نے اس دوران میں انہیں توجہ دلائی کہ آپ دیکھیں یہ لوگ کس قسم کی حرکات کر رہے ہیں کہ اصل انچارج بغیر وردی کے ہے اور جو وردی میں ہے وہ انچارج ہونے سے منکر ہے۔ اس سے وہ بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ انسپکٹر بیمار تھا۔ اگر وہ اچھا ہوتا تو شائد اس طرح واقعات نہ ہوتے۔ خیر وہ بے وردی شخص تو رپورٹ لکھنے کیلئے چلا گیا اور مسٹر سلیٹر انتظار کرتے رہے۔ مگر جب دیر ہو گئی ہم نے اُن سے کہا کہ آپ تشریف لے جائیے جب رپورٹ آئیگی اور آپ چاہیں گے لڑکے کو آپ کے پاس ضمانت کے لئے پیش کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس پر رضامند ہو کر چلے گئے۔ اور کہہ گئے کہ ڈی سی بھی شام کو آجائینگے میں نو بجے اطلاع دونگا۔ اگر ضرورت ہوئی تو مرزا مظفر احمد خلیل احمد کو لے کر آجائیں میں ضمانت لے لوں گا۔ وہ تو چلے گئے مگر پولیس والے برابر ۱۲ بجے سے لیکر رات بجے شام تک رائفلیں لے کر

ہمارے مکان کے صحن میں کھڑے رہے۔ پھر میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ اب تم ان سے پوچھو کہ یہ کس قانون کے ماتحت یہاں کھڑے ہیں اور ان سے لکھوا لو تاکہ بعد میں یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو اس وقت تک وہاں نہیں ٹھہرے۔ انہوں نے کہا ہم کچھ لکھ کر دینے کے لئے تیار نہیں۔ اس پر مرزا عبدالحق صاحب نے کہا کہ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ جس طرح تم نے آج جھوٹ بولا ہے۔ اسی طرح کل جھوٹ بول دو اور کہہ دو کہ ہم تو وہاں گئے ہی نہیں تھے۔ پھر مرزا عبدالحق صاحب پلیڈر نے اُن سے کہہ دیا کہ اگر لکھ کر نہیں دیتے کہ ہم اس وقت تک بالا افسروں کے حکم سے مکان پر قبضہ کئے ہوئے ہیں تو پھر تمہارا کوئی حق یہاں ٹھہرنے کا نہیں پھر تم نکل جاؤ۔ میں نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپ انہیں یہ نہ کہیں کہ یہاں سے نکل جاؤ کیونکہ ممکن ہے یہ لوگ جاکر یہ رپورٹ کریں کہ ہمیں مارا گیا ہے اور بات آخر وہی مانی جائیگی جو یہ کہیں گے۔ آجکل چونکہ جنگ ہو رہی ہے اس لئے مجسٹریٹوں کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ پولیس والوں کو کیا ضرورت تھی کہ وہ جھوٹ بولتے پس میں نے اُن سے کہا آپ یہ نہ کہیں کہ نکل جاؤ بلکہ کہیں کہ نہیں لکھ کر دیتے تو تمہاری مرضی ہم یہ لکھ لیں گے کہ تم فلاں وقت تک یہاں ٹھہرے ہو اور دوبارہ اُن کی تصویر لے لو اور اس تصویر پر وقت بھی لکھ دو کہ اتنے بجے یہ تصویر لی گئی ہے۔ آخر شام کو اطلاع ملی کہ ایس ڈی او صاحب کے حکم کے مطابق جب پولیس نے رپورٹ کی تو معلوم ہوا کہ جس دفعہ کے ماتحت پولیس والوں نے کارروائی کرنی چاہی تھی اس کے ماتحت کارروائی کرنے کا پولیس کو اختیار ہی حاصل نہیں تھا۔ غرض اُن کی اور بے ضابطگیوں میں ایک بڑی بے ضابطگی یہ بھی پائی گئی کہ جس دفعہ کے ماتحت انہوں نے کارروائی کرنی چاہی اس دفعہ کے ماتحت مجسٹریٹ کے حکم کے بغیر کارروائی کرنے کا انہیں حق ہی حاصل نہیں تھا۔ سُنا گیا ہے کہ اس رپورٹ پر ایس ڈی او صاحب نے انچارج ہیڈ کانسٹیبل کو بلا کر کہا کہ تم نے اس دفعہ کے ماتحت کس طرح کارروائی کی ہے جبکہ کارروائی کرنے کا تمہیں کوئی حق ہی حاصل نہیں تھا مجسٹریٹ نے کہا۔ قانون تمہیں اس بات کا اختیار نہیں دیتا البتہ مجسٹریٹ کے حکم سے تم ایسا کر سکتے ہو۔ اس کے بعد انہوں نے اُسی وقت آدمی بھجوا دیا کہ وہاں جو پولیس کھڑی ہے اُسے کہہ دیا جائے کہ وہ کوٹھی سے واپس چلے جائیں۔ چنانچہ سات بجے شام کو پولیس وہاں سے ہٹی۔ رات کو ایس ڈی او صاحب کا پھر رقعہ آیا کہ صبح میں مرزا خلیل احمد کے بارہ میں اطلاع دونگا۔ دوسرے دن

حسب وعدہ گیارہ بجے کے قریب اُن کا رقعہ آیا کہ آپ خلیل احمد کو بے شک لے جائیں - ہماری طرف سے اس میں کسی قسم کی روک نہیں - چنانچہ اس پر ہم قادیان آ گئے - صبح کے شور و شر کے بعد جب مختلف لوگوں کی گواہیاں لینے کے لئے مَیں نے مرزا عبدالحق صاحب کو مقرر کیا تاکہ تازہ بتازہ شہادت قلمبند ہو جائے تو مجھے معلوم ہُوا کہ پولیس ڈاک آنے سے پہلے ہی ڈاکخانہ کے پاس بیٹھی تھی حالانکہ ابھی پیکٹ نہیں آیا تھا - اسی طرح وہ سڑکوں پر بھی مختلف جگہوں پر کھڑی تھی - جس کے معنے یہ ہیں کہ پولیس پیکٹ کے منصوبہ میں شامل تھی اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہُوا کہ ڈاکیہ نے اصرار کرکے خلیل احمد کو پیکٹ دیا تھا - واقعہ یہ ہے کہ جب ڈاکیہ پیکٹ لایا تو خلیل احمد وہ پیکٹ درد صاحب کے پاس لایا اور کہنے لگا کہ یہ میرے نام بیرنگ پیکٹ آیا ہے کیا مَیں لے لوں ؟ درد صاحب کہتے ہیں کہ مَیں نے اُس سے کہا ایسا پیکٹ نہیں لینا چاہیئے - مگر وہ باہر جا کر پھر آیا اور اُس نے دو آنہ ڈاکیہ کو دینے کے لئے طلب کئے - جب اُس سے پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اُس نے کہا کہ ڈاکیہ اصرار کرنے لگا تھا کہ ضرور پیکٹ لے لیا جائے اور کہنے لگا کہ دو آنے خرچ کرنا کونسی بڑی بات ہے - جس کے معنے یہ ہیں کہ ڈاکیہ کو بھی پولیس نے یہ کہکر بھجوایا تھا کہ تم اصرار کرنا تاکہ خلیل احمد اس پیکٹ کو وصول کر لے - یہ واقعات ہیں جو مَیں نے بغیر کسی قسم کی جرح کے اور بغیر اپنے جذبات کو ظاہر کرنے کے بیان کر دیئے ہیں - مَیں نے یہ نہیں بتایا کہ کس کس طرح ان واقعات سے سلسلہ اور ہم پر حرف آیا ہے یا ان واقعات سے اور ان سے جن کو مَیں نے ظاہر نہیں کیا کس طرح پولیس والوں کی بدنیتی اور ان کی جماعت کو ذلیل کرنے کی کوشش ظاہر ہوتی ہے - مَیں ان امور کو اس وقت تک ملتوی رکھتا ہوں جب تک گورنمنٹ سے اس بارہ میں مَیں گفتگو نہ کر لوں اور یہ نہ معلوم کر لوں کہ اس کی ذمہ داری کس پر ہے - مگر جو چیز مجھے عجیب لگی ہے جو میرے دل میں کھٹکتی ہے اور جس کے بیان کرنے سے مَیں نہیں رُک سکتا وہ یہ ہے کہ اگر اس ایکٹ کا وہی مفہوم ہے جو اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر اس ایکٹ کے ماتحت کسی کو بھی کوئی پیکٹ بھجوا کر گرفتار کرا دینا بالکل آسان امر ہے اور اس طرح ہماری جماعت کا کوئی فرد اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا - کل ممکن ہے میرے پاس اس طرح کا کوئی پیکٹ آ جائے اور پولیس مجھے گرفتار کر لے - آخر سوشلسٹوں کے لئے یا پولیس کے لئے اس قسم کا پیکٹ بھجوانا کیا مشکل ہے - سوشلسٹوں کے اشتہارات وغیرہ اس کے قبضہ میں آتے ہی رہتے ہیں

وہ آسانی سے کسی دوسرے کے نام وہی اشتہارات بصورت پیکٹ بھیج کر اُسے گرفتار کرا سکتی ہے۔
گویا تمام معززین کی عزتیں اور جانیں خطرہ میں ہیں اور امن محض سی۔آئی۔ڈی کے چند افسروں کے ہاتھ میں رہ گیا ہے۔ میں نے اس خط میں جو ہز ایکسی لینسی گورنر پنجاب کو بھجوایا ہے یہی لکھا ہے۔ اور اُن سے پوچھا ہے کہ کیا قانون کا یہی منشاء ہے۔ میں کسی بڑے افسر کا نام ادب کی وجہ سے نہیں لیتا لیکن کیا اُن کو اس قسم کا پیکٹ اگر کوئی بھیج دے تو پولیس تین چار منٹ کے بعد ہی اُن کو گرفتار کرے گی حالانکہ تین چار منٹ میں کوئی انسان خواہ کتنا ہی سمجھدار ہو کتنا ہی طاقتور ہو کتنے ہی وسیع ذرائع رکھنے والا ہو یہ نہیں کر سکتا کہ اس پیکٹ کو ڈپٹی کمشنر یا سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس بھجوا دے۔ آخر وہ کونسا ذریعہ ہے جس کے ماتحت اس قسم کا پیکٹ پہنچنے کے تین چار منٹ بعد ہی انسان اُسے کسی ذمہ دار افسر تک پہنچا سکے۔ اور اس طرح اپنی بریت ثابت کر سکے میں سمجھتا ہوں انگریز وزیر جرنیل اور کرنیل بھی یہ طاقت نہیں رکھتے کہ وہ باوجود بڑی طاقت رکھنے کے باوجود ہوائی جہاز رکھنے کے اس قسم کا پیکٹ پہنچنے کے بعد تین چار منٹ کے اندر اندر اس کے متعلق کوئی کارروائی کر سکیں۔ پس اگر اس قانون کا یہی مفہوم ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ہندوستان کے ہر شخص کی عزت خطرے میں ہے۔ فرض کرو میں اُس وقت وہاں موجود نہ ہوتا تو کیا اس قانون کے ماتحت خلیل احمد مجرم نہیں تھا۔ یا فرض کرو وہ اس کی اہمیت کو نہ سمجھتا اور اس پیکٹ کو کمرہ میں پھینک دیتا تو کیا وہ مجرم نہ بن جاتا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس قانون کا یہ منشاء ہو جو پولیس نے سمجھا۔ لیکن چونکہ میں نے اس کے متعلق گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے اس لئے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ اس کا کیا جواب دیتی ہے۔ اگر گورنمنٹ کا یہی منشاء ہے تو بغیر مزید تحقیق کئے ابھی سے یہ کہے دیتا ہوں کہ اس کے ماتحت ہندوستان میں کسی شخص کی عزت محفوظ نہیں۔ اور اگر اس قانون کا یہ منشاء نہیں اور اگر گورنمنٹ نے ایسے اصول تجویز کئے ہیں جن سے اس قسم کے خطرات کا ازالہ ہو سکتا ہے تو یقیناً گورنمنٹ کا فرض ہے کہ ان لوگوں کو جو اس واقعہ کے ذمہ دار اور اصل مجرم ہیں سزا دے۔"[1]

مخلصین جماعت کا ردِ عمل

اس واقعہ کا منظر عام پر آنا ہی تھا کہ مخلصین جماعت کے دلوں میں زبردست ہیجان اور جوش پیدا ہو گیا۔ اور انہوں نے حضرت امیر المومنینؓ کے حضور اپنے نام پیش کرنے شروع کر دیئے کہ اس موقعہ پر ہم سے انفرادی طور پر جس جس قربانی کا مطالبہ

[1] الفضل ۱۷ تبوک ۱۳۲۰ ہش (۱۷ ستمبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ تا ۷

کیا جائے گا اس سے دریغ نہیں کریں گے۔ تاہم جذبات کے حد درجہ مجروح ہونے کے باوجود انہوں نے ہر نوع کے غیر آئینی اقدام سے کلیتہً اجتناب کیا اور صبر و تحمل کا بے نظیر نمونہ دکھایا۔

دوسروں کا ردِّ عمل

جماعتِ احمدیہ کی مظلومیت کا یہ نظارہ دیکھ کر ملک کے سنجیدہ اور معزز مسلم و غیر مسلم حلقوں نے بھی پولیس کی ظالمانہ کارروائی کو سخت نفرت و حقارت سے دیکھا اور جماعت سے ہمدردی کا اظہار کیا[۱]

اخبارات کا زبردست احتجاج

سب سے عمدہ نمونہ ہندوستان کے پریس نے دکھایا جس نے اس واقعہ کی تفصیلات شائع کرنے کے علاوہ اس پر زوردار احتجاجی نوٹ لکھے۔

اخبار "انقلاب" لاہور:۔ شمالی ہند کے مشہور مسلمان اخبار "انقلاب" (لاہور) نے ۱۴ ستمبر ۱۹۴۱ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"قادیانیوں کے متعلق کسی سرکاری یا غیر سرکاری آدمی کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ حکومت کے خلاف باغیانہ لٹریچر کی اشاعت میں شریک ہو سکتے ہیں۔ حکومت کے ساتھ تعاون اور مساعی جنگ کی پُرزور حمایت کے باب میں اُن کی پالیسی ساری دنیا پر آشکارا ہے، پھر اگر اس گروہ کے امام کا صاحبزادہ بھی ایک ایسے معاملے میں محلِّ شبہات بن سکتا ہے جس سے نظر بظاہر اس کا کوئی تعلق نہ تھا تو ان لوگوں کی آزادیاں اور عزتیں کیونکر محفوظ سمجھی جا سکتی ہیں جن کے متعلق حکومت یا عوام کو وفاداری کا ویسا یقین نہیں ہو سکتا جیسا کہ قادیانی اصحاب کے متعلق ہے۔

ہم مرزا صاحب کی اس رائے سے متفق ہیں کہ قانون کا ایسا استعمال جو اَن پڑھ یا قریباً اَن پڑھ پولیس کے معمولی جوانوں کو مختار بنا دینا یقیناً بے حد خطرناک ہے اور جن حوادث سے مرزا صاحب کو سابقہ پڑا وہ کسی شریف انسان کے لئے بھی اطمینان بخش نہیں ہو سکتے۔

حکومت کا فرض ہے کہ اس قسم کے واقعات کا سختی سے انسداد کرے حکومت کے وقار امن و تحفظ

---

[۱] پورے ملک میں غالباً غیر مبائعین کی ہی واحد پارٹی تھی جس کے ساتھ تعلق رکھنے والے بعض لوگوں نے کھلم کھلا سراسر خلاف ضابطہ، مومنانہ وقار اور شرافت و انسانیت سے گرا ہوا رویہ اختیار کیا حتّٰی کہ ڈلہوزی میں موجود غیر مبائعین نے پولیس کی کارروائی پر زبردست خوشیاں منائیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ذات اقدس کیلئے نہایت درجہ نازیبا الفاظ استعمال کئے (الفضل ۲۲ ستمبر ۱۹۴۱ء / تبوک ۱۳۲۰ہش)

کوئی آئین پسند انسان اختلاف نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس شخص کے نام کوئی شخص خلافِ آئین لٹریچر بھیج دے اُسے معاً مجرم سمجھ لیا جائے اور اُس کی زندگی کے محکم حقائق کی طرف سے آنکھیں بالکل بند کر لی جائیں۔ یہ طرزِ عمل سراسر غلط اور دل آزار ہے۔ حکومتِ پنجاب کا فرض ہے کہ وہ اس واقعہ کی مناسب تلافی کرے اور آئندہ کے لئے قانون کے صحیح استعمال کے متعلق تمام لوگوں کو یقین دلائے کہ یہ کم سے کم صورت ہے۔ معاملہ مرزا صاحب یا اُن کی جماعت کا نہیں بلکہ ہر ہندوستانی کو اس کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔"[۱]

اخبار "پارس" لاہور:۔ لاہور کے ہندو اخبار "پارس" نے "امیر جماعتِ احمدیہ سے بدسلوکی" کے عنوان سے (۲۷ ستمبر ۱۹۴۱ء کو) حسب ذیل اداریہ لکھا:۔

" ایک مذہبی پیشوا کی حیثیت سے مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کو ملک میں جو قابلِ رشک پوزیشن حاصل ہے اُس سے ہر شخص واقف ہے۔ جماعت احمدیہ کے ہر فرد کے لئے اُن کا لفظ حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ ایک ایسی جماعت کے رہبر ہیں جس کے بانی نے بادشاہِ وقت کی اطاعت کو ایک اصول کا درجہ دیا۔ حکومتِ برطانیہ کی وفاداری اور اُس سے دوستی کو جماعت مذکور نے اپنا فرض قرار دیا جس کیلئے اُسے اپنے ہم وطنوں کے طعن و تشنیع برداشت کرنے پڑے۔ گذشتہ اور موجودہ جنگ میں مرزا صاحب اور اُن کے پیروکاروں نے حکومت کی مالی اور بھرتی کے سلسلہ میں جو مدد کی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن اُن کے ساتھ حکومت کے کارندوں کی طرف سے جو نامناسب سلوک روا رکھا گیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ جسے آسانی سے نظر انداز کیا جائے۔

مرزا صاحب موصوف کو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے استعمال پر اپنے ساتھ پیش آمدہ مذکورہ بالا واقعہ سے کس قدر ذہنی تکلیف ہوئی ہے اس کا اندازہ اُن کے ذیل کے تلخ الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ آپ اپنے خطبہ کے دوران میں فرماتے ہیں۔ (آگے حضور کے خطبہ سے اقتباس دیا گیا ہے۔ ناقل)

جہاں ہمیں اس رنجدہ معاملہ میں خلیفہ صاحب قادیان سے دلی ہمدردی ہے وہاں ہم حکومت کے اس نظام کی خامیوں پر ماتم کئے بغیر نہیں رہ سکتے جس کی رُو سے ایک ایسی جماعت کے پیشوا کی توہین ہوئی جو حکومت برطانیہ کی بہت بڑی مددگار اور دوست سمجھی جاتی ہے۔ اگر مرزا صاحب کے خاندان

---

[۱] الفضل ۱۹ تبوک ۱۳۲۰ہش (۱۹ ستمبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ کالم ۲

کے کسی فرد پر محض ایک پیکٹ کے وصول ہونے کی وجہ سے سڈیشن[۵] کا شبہ کیا جا سکتا ہے اور مرزا صاحب ایسی پوزیشن کے بلند مرتبت بزرگ کے ساتھ پولیس کے معمولی سپاہی بدسلوکی سے پیش آسکتے ہیں تو پھر کسی بھی شخص کی عزت محفوظ نہیں سمجھنی چاہیئے۔ حکومت کو چاہیئے کہ اس معاملہ کو معمولی سمجھ کر ٹال نہ دے بلکہ کسی خاص افسر کے ذریعہ اس کی تحقیقات کروائے اور اس سازش کا پتہ لگا کر جس کے ذریعہ مرزا صاحب کو نقصان پہنچانے کی مذموم حرکت کی گئی۔ سازش کنندگان کو قرار واقعی سزائیں دے تاکہ آئندہ کسی کو اس قسم کی جسارت کی جرأت نہ ہو سکے۔ ہماری رائے میں بلا لحاظ مذہب و ملت ہر جماعت اور ہر اخبار کو اس واقعہ کی جو مرزا صاحب قادیان کے ساتھ پیش آیا پرزور الفاظ میں مذمت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اسے اگر نظر انداز کیا گیا تو اس قسم کے واقعات بڑی سے بڑی پوزیشن کے مذہبی اور سیاسی رہنما کے ساتھ پیش آسکتے ہیں۔"

اخبار "حق" لکھنؤ :۔ لکھنؤ کے اخبار "حق" نے ۲۷ ستمبر ۱۹۴۱ء کی اشاعت میں "جماعت احمدیہ کی توہین" کے عنوان سے حسب ذیل نوٹ لکھا :۔

"اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو ہم گورنمنٹ پنجاب سے یہ پوچھنے کا پورا حق رکھتے ہیں کہ ایک ایسی محترم اور باعثِ عزت شخصیت کے خلاف کہ جو ایک طاقتور جماعت کا سردار اور امیر ہے اور جس کی شخصی اور جماعتی وفاداری حکومت کے ساتھ ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے اس سے پولیس نے اس قسم کا اہانت آمیز برتاؤ کیوں کر کیا۔ اور کس کے حکم سے اس جماعت کے بارے میں ظاہر ہے کہ یہ شبہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اس کا کوئی فرد چہ جائیکہ اس کا خود امیر حکومت کے خلاف کسی باغیانہ لٹریچر کی نشر و اشاعت کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ نہ صرف سابقہ موقعوں پر بلکہ موجودہ جنگ میں بھی ان کا گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ اتحادِ عمل اور اتحادی حکومتوں کی تائید میں اُن کا پروپیگنڈا ہر ایک کے علم میں ہے۔ اور اگر اس کے باوجود بھی کسی ایسی ممتاز و محترم شخصیت کے ساتھ حکومت پنجاب اس قسم کے طرزِ عمل کو جائز قرار دے سکتی ہے تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی دوسرے کو اس سے کیا توقع رکھنی چاہیئے۔ اور یہ بھی تو دیکھئے کہ انصاف اور قانون کے کس ضابطہ اور اصول کے ماتحت ایسے شخص کو کہ جس کا وفاداری کا ریکارڈ اتنا

---

۵ "SEDITION"۔ فساد، بغاوت، بلوہ، حکومت کے خلاف اشتعال انگیزی۔

شاندار ہو محض مغویانہ لٹریچر کے ڈاک سے وصول کرنے کی پاداش میں مجرم قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر قصور وار کوئی ہو سکتا ہے تو اُس کا بھیجنے والا نہ کہ اُس کا پانے والا۔ بہر حال ہم ان زبردست مذہبی اور سیاسی اختلافات کے باوجود کہ جو ہمارے اس جماعت سے ہیں پنجاب پولیس کے اس غیر شریفانہ طرزِ عمل کے خلاف اپنے دلی غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے حکومتِ پنجاب سے اس کی تحقیقات اور تلافی اور آئندہ کے لئے اس کے انسداد کی پُر زور خواہش کرینگے۔ اگر واقعات وہ نہیں ہیں کہ جو اس سلسلہ میں ہمارے علم میں آئے .... تو حکومت پنجاب کا یہ ایک ضروری اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ امیر جماعت احمدیہ کے اس بیان کے جواب میں جو انہوں نے روزنامہ "الفضل" میں اس کے متعلق شائع کیا ہے اپنا جوابی بیان شائع کرکے اپنی پوزیشن کی صفائی پیش کردے تاکہ عام قلوب میں اس کے اس طرزِ عمل سے جو بے چینی پیدا ہوئی ہے وہ رفع ہو جائے۔ کیا سر سکندر کی حکومت ہمارے اس جائز مطالبہ کو پورا کرنے پر تیار ہو سکتی ہے؟"[۱]

اخبار "سرفراز" لکھنؤ: ۔ شیعہ اصحاب کے جماعتی آرگن روزنامہ "سرفراز" لکھنؤ نے جماعتِ احمدیہ کی ایک قابل لحاظ شکایت" کے عنوان سے ۱۲ر ستمبر ۱۹۴۱ء کو لکھا:۔

"ہم کسی مذہب و ملت کے پیشوا کی توہین پسند نہیں کرتے اس لئے ہمیں یہ سُنکر افسوس ہوا کہ جماعت احمدیہ (قادیان) کے موجودہ پیشوا کے ساتھ کوہ ڈلہوزی پر جہاں آپ بغرض تبدیل آب و ہوا معہ اپنے متعلقین کے مقیم تھے پنجاب کی پولیس نے غالباً کسی خفیہ رپورٹ کی بناء پر اتنا زیادہ نامناسب برتاؤ کیا جس سے خود آپ کو نیز آپ کے معتقدین کو بڑی تکلیف پہنچی۔

ہم کو اُمید ہے کہ حکومت اس معاملہ کی چھان بین کرکے اس کی مناسب تلافی کرے گی۔ تاکہ ہندوستان کی ہر ملت و قوم کو یہ اطمینان ہو سکے کہ اس کے پیشوا کی عزت سرکاری عمال کے ہاتھوں معرضِ خطر میں نہیں لائی جائیگی۔"[۲]

اخبار "حقیقت" لکھنؤ: ۔ صوبہ متحدہ کے سُنّی مسلمانوں کے ترجمان اخبار "حقیقت" نے ۱۹ر ستمبر کو "جماعت احمدیہ کے پیشوا کی توہین" کی سُرخی سے حسب ذیل شذرہ سپردِ قلم کیا:۔

"معاصر "الفضل" (قادیان) سے ہمیں یہ معلوم کرکے بہت افسوس ہوا کہ امام جماعت احمدیہ قادیان

۱۔ بحوالہ اخبار "الفضل" قادیان مؤرخہ ۳ اخاء ۱۳۲۰ ہش / ۳ اکتوبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۴ + ۲۔ الفضل ۱۵ اخاء ۱۳۲۰ ہش / ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳

کے ساتھ کوہ ڈلہوزی پر جہاں آپ بغرض تبدیل آب و ہوا معہ اپنے متعلقین کے مقیم تھے پنجاب پولیس کی جانب سے غالباً پنجاب سی۔آئی۔ڈی کی کسی رپورٹ کی بناء پر بہت ہی نازیبا اور قابل اعتراض برتاؤ کیا گیا...... اگر کسی اور جماعت کے لیڈر کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا ہوتا تو ہمارا خیال ہے کہ اس وقت ہندوستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایسی آگ لگ چکی ہوتی جو آسانی سے بجھائی نہیں جا سکتی تھی.......... عام مسلمانوں کو احمدی جماعت سے عقائد میں یقیناً اختلاف ہے لیکن اس وقت ہم جس واقعہ کا ذکر کر رہے ہیں وہ ان عقاید کے سوال سے بالا ہے اور یہ وہ امور ہیں جن پر سب کو متفق ہو کر پنجاب گورنمنٹ کے اس نازیبا فعل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایک ایسی حکومت کے لئے جس کا وزیر اعظم ایک مسلمان ہو اس قسم کے امور ضرور شرمناک کہے جائیں گے۔ یہ ایسی بات ہے جس کے بارے میں اگر احتجاج نہ کیا گیا تو کسی بڑے سے بڑے ہندوستانی لیڈر کی عزت اور آبرو محفوظ نہ رہے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سر سکندر کی حکومت میں ہندوستان کے سب سے زیادہ اطاعت شعار وفادار اور پابند قانون جماعت کے لیڈر کے ساتھ ایسا انسانیت سوز برتاؤ ہو سکتا ہے تو پھر کانگرسی رہنماؤں سے کیا کچھ سلوک نہ ہوتے ہونگے۔ کاش! اسی واقعہ سے احمدیوں کو اس بات کا احساس ہو جائے کہ اس زمانہ میں حکومت کی وفاداری اور اطاعت شعاری کی نہ تو پبلک میں کچھ قدر ہے اور نہ خود گورنمنٹ کی نظروں میں کچھ وقعت ہے"۔[۱]

نیشنل هیرلڈ" لکھنؤ:۔ لکھنؤ کے مؤقر انگریزی جریدہ "نیشنل ہیرلڈ" نے لکھا:۔

"ڈیفنس آف انڈیا رولز کا ایسا غلط استعمال بہت خطرناک ہے اور حکومت کا فرض ہے کہ اس کا انسداد کرے۔ یہ بالکل غلط اصول ہے کہ جس کسی کے نام کوئی باغیانہ لٹریچر ڈاک میں آئے اُسے مجرم گردان لیا جائے اور اُس کی وفاداری کے گذشتہ ریکارڈ کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ بات واضح ہے کہ ڈیفنس آف انڈیا رولز پاس کرتے وقت لیجسلیچر کا منشاء وہ نہ تھا جو پنجاب پولیس سمجھ رہی ہے"۔[۲]

---

[۱] الفضل ۱۵ ر اخاء ۱۳۲۰ہش/ ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳ • [۲] الفضل ۱۵ ر اخاء ۱۳۲۰ہش (۱۵ اکتوبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۳۔

اودھ اخبار لکھنؤ :۔ لکھنؤ کے "اودھ اخبار" نے ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۱ء کے پرچہ میں مندرج ذیل نوٹ لکھا:۔

"ابھی چند روز ہوئے کہ ڈلہوزی میں ایک ایسا ناگوار واقعہ پیش آیا جس پر مختلف اخباروں نے احتجاجی مقالے لکھے اور حکومت پنجاب کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ وہ ایسے واقعہ کے متعلق پوری تحقیقات کرے اور اگر یہ واقعہ صحیح ہو تو اس کی تلافی کرے۔ اسی سلسلہ میں واقعہ کی تفصیل پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا تھا کہ گذشتہ ستمبر کی کسی تاریخ کو جبکہ ڈلہوزی میں امام جماعت احمدیہ مقیم تھے ایک چٹھی رساں نے ایک پیکٹ امام جماعت احمدیہ کے صاحبزادے خلیل احمد کے نام تقسیم کیا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ پیکٹ بیرنگ تھا اور اس نے پہلے وصول کرنے سے انکار کر دیا لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ چٹھی رساں نے صاحبزادہ خلیل احمد صاحب سے اصرار کیا کہ وہ اس پیکٹ کو لے لیں۔ بہرحال انہوں نے اس پیکٹ کو وصول کر لیا اور اس کے فوراً ہی بعد صاحبزادہ موصوف اپنے والد صاحب کے پاس پہنچے اور پیکٹ حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ اس پیکٹ میں کوئی باغیانہ لٹریچر ہے۔ چنانچہ امام جماعت احمدیہ نے بھی چونکہ پیکٹ ڈھیلا تھا اس کا لٹریچر نکال کر ملاحظہ کیا تو یہ بات صحیح معلوم ہوئی کہ اس میں کسی انقلابی جماعت کی طرف سے یہ لٹریچر نوجوانوں کے نام روانہ کیا گیا تھا۔ امام جماعت احمدیہ نے فوراً ہی پرائیویٹ سکرٹری کو بلا کر اس بات کی ہدایت کی کہ وہ اس خبر کو گورنر صاحب پنجاب کو روانہ کر دیں کہ ایسا لٹریچر پیکٹ میں کسی نے شرارتاً ان کے لڑکے کے پاس روانہ کیا ہے ممکن ہے اور نوجوانوں کو بھی بھیجا گیا ہو اس لئے اسکے متعلق فوری کارروائی کی جائے۔ ظاہر ہے کہ امام جماعت احمدیہ کا یہ فعل بر بنائے خلوص ہی تھا لیکن ابھی یہ ہدایات دی ہی جا رہی تھیں کہ فوراً پولیس کی ایک جماعت بھی امام جماعت احمدیہ کی کوٹھی میں پہنچ گئی۔ اور اس پیکٹ کے متعلق تحقیقات شروع کر دی۔ اس پیکٹ کو بھی چھین لیا اور مکان کے اس ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی جہاں خود امام جماعت احمدیہ کی نشست گاہ تھی اور وہاں پولیس کی جماعت نے نہایت توہین آمیز طریقہ اختیار کیا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اصل واقعات کیا ہیں لیکن اگر یہ واقعہ صحیح ہو سکتا ہے تو ہمیں پنجاب پولیس کے اس رویہ پر سخت افسوس اور تکلیف ہے کہ اس نے ایک جماعت کے پیشوا اور رہنما کے ساتھ نہایت توہین آمیز رویہ اختیار کر کے اس جماعت کے وفادارانہ جذبات کو ٹھیس لگائی۔ جماعت احمدیہ کے متعلق یہ بتانے کی ضرورت

نہیں ہے کہ اس جماعت کے پیشوا سے لیکر افراد تک جن کی تعداد ہندوستان اور بیرون ہند میں لاکھوں تک ہے برطانوی حکومت کے ساتھ کسقدر وفادارانہ وابستگی رکھتے ہیں۔ دنیا میں ہزاروں قسم کی سیاسی اور غیر سیاسی تحریکات شروع ہوتی اور ختم ہوجاتی ہیں۔ ہزاروں تحریکات ایسی ہوتی ہیں جن کا براہ راست اثر حکومت پر بھی پڑتا ہے لیکن جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ اندازہ ہو کہ اس نے کسی ایسی تحریک میں حصہ لیا ہو جو حکومت کی مخالفت میں پیش کی جاسکے بلکہ یہ جماعت ہمیشہ حکومت کی ایک نہایت وفادار جماعت رہی ہے ایسی وفادار کہ جس کی کوئی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔ پھر اس جماعت کے قائد کے ساتھ یہ توہین آمیز رویہ ناجائز اور غیر قانونی تھا جیسا کہ مختلف اخبارات سے ظاہر ہوتا ہے یہ طریقہ اختیار کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور ہم پولیس کے ایسے ناروا طریقہ پر اظہار رنج کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ حکومت پنجاب کا یہ فرض ہوجاتا ہے کہ وہ ان واقعات کی تحقیقات خاص طور پر کرائے ورنہ جب پولیس حکومت کے ایک ایسے وفادار دوست کے ساتھ یہ سلوک کرسکتی ہے تو پھر ظاہر ہے کہ اس کی زد سے کسی اور کا دامن کیسے بچ سکتا ہے۔ اصل میں ان لوگوں کی تلاش کرنا چاہیئے جو اس قسم کی شرارتیں کرتے ہیں جن کی زندگی ہی ایسے ہنگاموں کے لئے وقف ہے۔ اخبار "الفضل" میں اس واقعہ کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ کافی بے چینی پیدا کرنے والی ہے اور اس جماعت کے پیروؤں میں تو یقیناً بہت زیادہ بے چینی ہوگی۔ اس لئے حکومت کو بھی جلد از جلد اس سلسلہ میں اپنی پوزیشن کی وضاحت کردینا چاہیئے۔"[1]

حکومتِ پنجاب کی طرف سے کمشنر صاحب لاہور کو معذرت کرنے کی ہدایت

واقعہ ڈلہوزی کی نسبت جماعتِ احمدیہ اور حکومت کے درمیان نو ماہ تک خط و کتابت جاری رہی حکومت نے تحقیقات بھی کرائی اور پھر پولیس کے ڈی۔آئی۔جی نے بھی تفتیش کی۔[2] بعد ازاں شہادت ۱۳۲۱ھش (اپریل ۱۹۴۲ء) میں کمشنر صاحب لاہور کو اس غرض کے لئے مقرر کیا کہ وہ اس معاملہ میں حضرت امام جماعتِ احمدیہ کے پاس اظہار افسوس کریں۔ چنانچہ کمشنر صاحب لاہور گورداسپور آئے اور اُن کی چٹھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں آئی کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے یہاں آکر مل سکتے ہیں؟ اگر آپ نہ مل سکتے ہوں تو اپنے کسی رشتہ دار کو ہی بھجوا دیں

---

[1] الفضل ۱۲؍ نبوت ۱۳۲۰ھش / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۵ ۔ [2] الفضل ۳۰؍ ہجرت ۱۳۲۱ھش / مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۱ ۔

کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے مَیں ایک پیغام لایا ہوں جو آپ کو پہنچانا چاہتا ہوں۔ حضور کو قبل از وقت معلوم ہو چکا تھا کہ کمشنر صاحب لاہور اس غرض کے لئے آنے والے ہیں۔ چنانچہ حضور نے انہیں کہلا بھیجا کہ مجھے اگر آپ سے ملاقات کی ضرورت ہوتی تو مَیں خود آپ کے پاس آتا مگر چونکہ کام آپ کو ہے اس لئے میرے آنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اگر کسی افسر کو مجھ سے کوئی کام ہے تو اُس کا فرض ہے کہ وہ میرے پاس آئے نہ یہ کہ مَیں اُنہی کے پاس جاؤں۔ باقی مجھے معلوم ہے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو واقعہ ڈلہوزی پر اظہار افسوس کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ مگر آپ مجھے یہ بتائیں کہ وہ واقعہ گورنمنٹ کی نادانی سے پریس میں آچکا اور سارے ہندوستان میں مشہور ہو چکا ہے۔ اب اگر مَیں یہ اعلان کر دوں کہ گورنمنٹ نے اپنی غلطی کا ازالہ کر دیا ہے اور اُس نے اپنے فعل پر اظہار افسوس کیا ہے تو دشمن ہنسے گا اور کہے گا کہ خود ہی ایک بات بنالی گئی ہے ورنہ گورنمنٹ نے اظہار افسوس نہیں کیا۔ جیسے ہماری پنجابی زبان میں ضرب المثل ہے کہ "آپے میں رَجّی پُجّی آپے میرے بچے جیوَن"۔ اگر گورنمنٹ اس فعل پر اظہار ندامت کرنا چاہتی ہے تو اُسے چاہیئے کہ تحریراً کرے تاکہ دُنیا کے سامنے اُس تحریر کو رکھا جا سکے"۔

کمشنر صاحب لاہور نے اس پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا کہ مَیں تو ایسی تحریر نہیں دے سکتا کیونکہ مجھے اجازت نہیں البتہ مَیں گورنمنٹ کو آپ کی یہ بات پہنچا دوں گا[1]۔

حکومتِ پنجاب کا تحریری معذرت نامہ

چنانچہ کمشنر صاحب لاہور کی رپورٹ پر حکومت پنجاب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں تحریری طور پر معذرت نامہ بھیجا۔ اس سلسلہ میں حکومت پنجاب کے ہوم سیکرٹری (ایف۔ بی ویس) نے جو چٹھی لکھی اُس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:-

نمبر ۲۹۵۲ - ایچ (جی) ۴۲/۲۶۳۹۵ منجانب ایف بی ویس۔ سی آئی ای آئی سی ایس

ہوم سیکرٹری حکومت پنجاب

بنام خلیفۃ المسیح حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ

قادیان ضلع گورداسپور

---

[1] الفضل ۳۰ ہجرت ۱۳۲۱ھش صفحہ ۲
مئی ۱۹۴۲ء

N. 2952—H (G) 42/26395 Dated 27. 4. 1942

From

F.B. Wace Esquire,
C.I.E., I.C.S. Home Secretary to
Government Punjab.

To

Khalifatul Masih
Hazrat Mirza Bashiruddin Mahmud Ahmad
Head of the Ahmadiyya Community
Qadian' Disst, Gurdaspur.

Your Holiness,

The Punjab Government have had under examination the incident in Dalhousie last September at your residence there, when certain action was taken by the police in connection with unauthorised news sheets.

Owing to achain of unfortunate circumstances, no superior police officer was available in Dalhousie, to take charge of this action and enquiry seems to show that the junior officer who was in charge displayed a lack of tact and consideration in carrying out his duties. Suitable action has been taken against this officer and the subordinate officials concerned and I am to express the great regret of the Punjab Government for any unnecessary inconvenience which may have been caused to you and your household in consequence. It need hardly be said that no kind of insult or indignity was intented to you personally or to the religious body of which you are the respected head.

I have the honour to be
Your holiness
Your most obedient servent
Sd/-
F.B. Wace
Home Secretary to
Government Punjab.

تقدس مآب!

پنجاب گورنمنٹ اس واقعہ کے متعلق جو گذشتہ ستمبر میں ڈلہوزی میں آپ کے گھر پر ہوا تھا اور جس میں پولیس نے ایک ضبط شدہ ٹریکٹ کے متعلق کارروائی کی تھی اِس وقت تک تحقیقات کرتی رہی ہے اور اب اس کے متعلق مندرجہ ذیل تحریر بھجواتی ہے:-

بعض اتفاقی واقعات کی وجہ سے جو قابلِ افسوس ہیں پولیس کا کوئی اعلیٰ افسر اُس وقت ڈلہوزی میں موجود نہیں تھا جو اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیتا۔ مگر یہ بات تحقیقات سے ثابت ہے کہ جونیئر افسر انچارج نے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں عقل اور پوری توجہ سے کام نہیں لیا۔ گورنمنٹ نے اس افسر اور ماتحت افسروں کے خلاف جن کا اس واقعہ سے تعلق تھا مناسب کارروائی کی ہے۔ اور مجھے گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے ہدایت ہوئی ہے کہ مَیں اِس بارہ میں تحریر کروں کہ گورنمنٹ پنجاب کو اِس تکلیف پر جو آپ کو یا آپ کے خاندان کے لوگوں کو پہنچی ہوگی شدید افسوس ہے۔ آخر میں مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ اِس واقعہ سے کسی قسم کی ہتک یا تحقیر مدّنظر نہیں تھی۔ آپ کی ذات کی یا اس مذہبی جماعت کی جس کے آپ معزز سردار ہیں۔"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اعلان

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اِس چٹھی کے پہنچنے پر ٢٢ ہجرت ١٣٢٠ ہش / مئی ١٩٤٢ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:-

"جہاں تک امام جماعت احمدیہ کا سوال ہے گورنمنٹ شروع میں ہی اظہار افسوس کر چکی تھی لیکن ہماری بحث گورنمنٹ سے یہ نہیں تھی کہ امام جماعت احمدیہ سے یہ واقعہ پیش نہیں آنا چاہیئے تھا بلکہ ہماری بحث یہ تھی کہ کسی ہندوستانی سے بھی ایسا واقعہ نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ گورنمنٹ نے جو مجھے اُس وقت چٹھی لکھی تھی اُس میں اس نے لکھا تھا کہ افسوس ہے ہمیں غلطی لگی اور ہمیں اس وقت یہ معلوم نہیں ہُوا کہ امام جماعت احمدیہ کا اس سے کوئی تعلق ہے۔ مَیں نے اُسی وقت اس چٹھی کے جواب میں گورنمنٹ کو لکھ دیا تھا کہ میری اِس جواب سے تسلی نہیں ہو سکتی کیونکہ میرا سوال انصاف کے قیام کے متعلق ہے۔ میرا سوال یہ نہیں کہ امام جماعت احمدیہ سے اس قسم کا واقعہ پیش نہیں آنا چاہیئے تھا بلکہ میرا سوال یہ ہے کہ کسی ہندوستانی کو بھی ایسا واقعہ پیش نہ آئے۔ پس اس کا

---

[1] الفضل ٣٠ ہجرت ١٣٢١ ہش / مئی ١٩٤٢ء صفحہ ٥

یہ اعتراض کہ جماعت کے نظام کا کوئی فائدہ نہ ہوا بے محل اعتراض تھا۔ کیونکہ جہاں تک امام جماعت احمدیہ کا تعلق تھا گورنمنٹ چند دنوں کے اندر اندر معذرت کا اظہار کر چکی تھی اور میں نے اس معذرت کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس لئے کہ میرے نزدیک امام جماعت احمدیہ ہونے کی حیثیت سے حکومت کی معذرت کافی نہ تھی۔" [۱]

اس وضاحت کے بعد حضور نے کمشنر صاحب لاہور کے گورداسپور آنے اور پھر حکومت کے تحریری معذرت نامہ کرنے کا ذکر کرنے کے بعد حکومت پنجاب کے ہوم سیکرٹری کی انگریزی چٹھی اور اس کا ترجمہ سنایا اور پھر اعلان فرمایا :۔

"گو اس چٹھی میں اُن بعض سوالات کا جو ہم نے اُٹھائے ہوئے تھے جواب نہیں دیا گیا مگر بہرحال اس میں گورنمنٹ نے اس طریق کو اختیار نہیں کیا جو پہلے کیا تھا کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ اس میں آپ کا تعلق ہے تو ایسا واقعہ نہ ہوتا۔ بلکہ محض واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ قابلِ افسوس ہے اور اُن افسروں کو سزا دی گئی ہے جو اس کے ذمہ وار ہیں۔ میں نے جنگ کے حالات کو مدّنظر رکھتے ہوئے گورنمنٹ کے اسی اظہار افسوس کو قبول کر لیا ہے اور اسے لکھ دیا ہے کہ ہم اس واقعہ کو اب ختم شدہ سمجھتے ہیں۔" [۲]

واقعہ ڈلہوزی میں حکومت کے اعلیٰ حکام کے ملوّث ہونے کا ثبوت

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے گو حکومت پنجاب کی معذرت قبول فرمانے کا اعلان کر دیا مگر ساتھ ہی اس واقعہ کے پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے پوری وضاحت سے بتایا کہ :۔

"میں جہاں تک سمجھتا ہوں گو گورنمنٹ کے لئے یہ ماننا مشکل ہے کہ اس واقعہ کی بنیاد بعض اعلیٰ حکام کی سلسلہ احمدیہ سے مخالفت ہے کیونکہ واقعات بتاتے ہیں کہ جن امور کی وجہ سے یہ کارروائی کی گئی ہے وہ ڈیڑھ سال پہلے کے تھے۔ اور اس کی ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھی اطلاعیں دی جا چکی تھیں۔ ان مخالف افسروں میں سے مثال میں سی آئی ڈی کے ایک اعلیٰ افسر کا ذکر کرتا ہوں۔ سال سوا سال ہوا انہوں نے ہمارے مبلغ صوفی عبدالقدیر صاحب کو بلایا اور اُن سے کہا کہ

---

[۱] الفضل ۳۰ ہجرت ۱۳۲۱ھش / ۳۰ مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۳، ۴ + [۲] الفضل ۳۰ ہجرت ۱۳۲۱ھش / ۳۰ مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ کالم ۲ +

جاپان کے متعلق مجھے وہ معلومات دو جو تم نے وہاں رہ کر حاصل کی ہیں - اور جو کارروائیاں وہاں ہو رہی ہیں وہ مجھے بتاؤ - صوفی عبدالقدیر صاحب نے درست طور پر جواب دیا کہ میں جماعت کا ایک فرد ہوں اور اس کی طرف سے میں جاپان میں تبلیغی خدمت پر مقرر رہا ہوں - میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا ہوں - ایک مبلّغ کی حیثیت سے اُن کا یہ جواب بالکل صحیح اور درست تھا - دُنیا کی تمام مہذّب گورنمنٹیں پادریوں کو اس قسم کے معاملات میں نہیں گھسیٹا کرتیں - اور اگر وہ مبلّغوں کو بھی اس لپیٹ میں لے لیں تو تبلیغ کرنی مشکل ہو جائے - آخر مبلّغ دوسرے ملکوں میں تبلیغ کرنے کے لئے جاتا ہے جاسوسی کرنے کے لئے تو نہیں جاتا - اگر جاپان اور امریکہ اور روس اور اٹلی اور سپین اور جرمن وغیرہ حکومتوں کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ احمدی مبلّغ انگریزوں کے جاسوس ہوتے ہیں تو وہ انہیں تبلیغ کی کہاں اجازت دیں گے - ایسی صورت میں تو جب کوئی مبلّغ اُن کے ملک میں جائیگا وہ اُسے پکڑ کر باہر نکال دیں گے - پس یہ نہایت ہی نامناسب بات ہے کہ کسی جماعت کے مبلّغوں کو اس کام پر مامور کیا جائے - اُس افسر نے صوفی صاحب سے یہ بھی کہا کہ اگر آپ جاپان کے حالات نہیں بتائیں گے تو ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت آپ کو گرفتار کر لیا جائیگا - صوفی صاحب نے کہا کہ اگر آپ نے مجھے گرفتار ہی کرنا ہے تو بے شک کر لیں - اس واقعہ کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انہیں نمبر دس کے بستے میں رکھ لیا گیا - چنانچہ اب تک اُن کی مخفی نگرانی کی جاتی ہے - یوں مخفی تو نہیں کہ کسی کو اس کا پتہ نہیں جس شخص کی نگرانی کی جاتی ہے اُسے تو پتہ لگ ہی جاتا ہے - البتہ ظاہر میں پولیس ان کے دروازے پر نہیں بیٹھتی - اب یہ یکدم وہ پرانا واقعہ جو سال ڈیڑھ سال کا تھا اُٹھانا شروع کر دیا گیا - پس ہمارے لئے اس بات کے یقین کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ اس میں بعض اعلیٰ حکام اور بعض سی آئی ڈی کے افسروں کا ہاتھ تھا -

چنانچہ ہمارے دوسرے مبلّغ مولوی عبدالغفور صاحب کو جو مولوی ابوالعطاء صاحب کے بھائی ہیں انہیں بھی دھوکہ دے کر امرتسر بُلایا گیا اور اُن سے کہا گیا کہ کیا تم جاپان کے متعلق ہمیں معلومات دے سکتے ہو یا اگر تمہیں جاسوس بنا کر بھیجا جائے تو تم یہ کام کر سکتے ہو - حالانکہ جس افسر نے یہ بات کہی اس کا ضلع گورداسپور کے کسی فرد کو گورداسپور کی پولیس کی وساطت کے بغیر بُلانے کا کوئی اختیار ہی نہیں تھا - اس کے ساتھ ہی اُس نے یہ دھمکی بھی دی کہ جاپان سے جو لوگ

آئے ہیں انہیں گورنمنٹ پکڑ رہی ہے اگر تم نے حالات نہ بتائے تو تمہیں بھی پکڑ لیا جائے گا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ہزاروں لوگ ایسے ہیں جو جاپان سے آئے مگر انہیں کسی نے گرفتار نہیں کیا۔ صرف سی آئی ڈی کے بعض افسر معلومات حاصل کرنے کے لئے اس قسم کی دھمکی دے دیتے ہیں۔ پس اگر گورنمنٹ کے معنے وزراء کی باقاعدہ مجلس کے ہیں تو مَیں مان سکتا ہوں کہ اس واقعہ میں گورنمنٹ کا ہاتھ نہیں تھا لیکن دوسرے بعض حکام اور سی آئی ڈی کے بعض افسروں کا اِس میں ہاتھ ضرور تھا۔ .... جب یہاں ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس آئے تو مَیں نے اُن کے سامنے ایسے واقعات رکھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ ڈیڑھ سال کا ایک پُرانا واقعہ ہے اور مَیں نے اُن سے پوچھا کہ یہ ڈیڑھ سال کا واقعہ نئی صورت کس طرح اختیار کر گیا۔ اِس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ ایک عجیب اتفاق ہے مگر دنیا میں عجیب اتفاقات ہو ہی جایا کرتے ہیں پھر مَیں نے دوسری مثال دی۔ کہنے لگے یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے۔ مَیں نے کہا یہ سارے عجوبے یہاں کس طرح اکٹھے ہو گئے۔ اور ان پُرانے واقعات نے نئی صورت کس طرح اختیار کر لی؟

غرض ہمارے پاس اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ درحقیقت اس واقعہ میں بعض بالا افسروں کا ہاتھ تھا لیکن جو فعل ہُوا وہ مقامی آدمیوں سے ہُوا۔ گویا وہی لفظ جو اس چٹھی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی "اَن فارچونیٹ"٭ وہ اس واقعہ پر پوری طرح منطبق ہوتا ہے کہ بدقسمتی سے بعض اَور لوگ مارے گئے۔ حالانکہ اصل مجرم اَور تھے۔ مَیں اِس وقت ساری باتیں اپنے خطبہ میں بیان نہیں کر سکتا اور بعض باتیں تو ایسی ہیں جن کا بیان کرنا مناسب بھی نہیں۔ صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے پاس ایسے یقینی ثبوت ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بالا افسر اس کارروائی میں شامل تھے۔ مَیں یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ قانوناً جس شکل کو گورنمنٹ کہتے ہیں وہ اس واقعہ کی ذمہ وار نہ تھی۔ مگر بعض اَور بھی بالا افسر ایسے ہوتے ہیں جو گورنمنٹ کے قائم مقام سمجھے جاتے ہیں۔ اور جب اُن کی رائے کسی کے خلاف ہوتی ہے تو ماتحت افسر اسے خود بخود نقصان پہنچانا شروع کر دیتے ہیں۔ پس بیشک اصطلاحی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ گورنمنٹ کا ہاتھ اس واقعہ میں نہیں تھا مگر حقیقی طور پر گورنمنٹ کے بعض افسروں کا اس میں ہاتھ تھا۔ بہرحال چونکہ گورنمنٹ نے قطع نظر

٭ UNFORTUNATE "بدقسمتی سے"

اِس سے کہ اِس واقعہ کا تعلق امام جماعت احمدیہ سے تھا یا نہیں ...... اقرار کیا ہے کہ اس کے افسروں نے عقل اور تدبیر سے کام نہیں لیا بلکہ ہتک آمیز طریق اختیار کیا جس پر اُس نے اظہار افسوس کرتے ہوئے اُن افسروں کے خلاف ایکشن لیا ہے جو اس فعل کے مرتکب ہوئے تھے۔"[1]

فصل پنجم

قادیان سے ہجرت کر کے پہاڑیوں کے دامن میں نیا مرکز تعمیر کرنے کا آسمانی انکشاف

سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں ۱۳۲۰ھش/۱۹۴۱ء کی ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اِس سال کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر بذریعہ رؤیا انکشاف فرمایا کہ حضور کو مستقبل میں قادیان سے ہجرت کر کے پہاڑیوں کے دامن میں تنظیم کی غرض سے ایک نیا مرکز قائم کرنا پڑے گا۔ چنانچہ حضور نے ۱۲؍ فتح ۱۳۲۰ھش (۱۲؍ دسمبر ۱۹۴۱ء) کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:-

"ایک رؤیا ہوا۔ مَیں نے دیکھا کہ مَیں ایک مکان میں ہوں۔ جو ہمارے مکانوں سے جنوب کی طرف ہے۔ اور اُس میں ایک بڑی بھاری عمارت ہے جو کئی منزلوں میں ہے۔ اُس کئی منزلہ عمارت میں مَیں بھی ہوں اور یُوں معلوم ہوتا ہے کہ یکدم غنیم حملہ کر کے آگیا ہے اور اس غنیم کے حملہ کے مقابلہ کے لئے ہم سب لوگ تیاری کر رہے ہیں۔ مَیں اُس وقت اپنے آپ کو کوئی کام کرتے نہیں دیکھتا مگر مَیں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مَیں بھی لڑائی میں شامل ہوں۔ یوں اُس وقت مَیں نے نہ توپیں دیکھی ہیں نہ کوئی اور سامان جنگ مگر مَیں سمجھتا یہی ہوں کہ تمام قسم کے آلاتِ حرب استعمال کئے جا رہے ہیں۔ اِسی دوران میں مَیں نے محسوس کیا کہ وہاں ... . پھر یہ نظارہ بدل گیا اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ جیسے ہم اس مکان سے نکل آئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دشمن غالب آگیا ہے اور ہمیں وہ جگہ چھوڑنی پڑی ہے۔ باہر نکل کر ہم حیران ہیں کہ کس جگہ جائیں اور کہاں جا کر اپنی حفاظت کا سامان کریں۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور اُس نے کہا کہ مَیں آپ کو ایک جگہ بتاتا ہوں

---

[1] الفضل ۳۰؍ ہجرت ۱۳۲۱ھش/مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ و ۶ +

آپ پہاڑوں پر چلیں وہاں ایک اٹلی کے پادری نے گرجا بنایا ہوا ہے اور ساتھ ہی اُس نے بعض عمارتیں بھی بنائی ہوئی ہیں جنہیں وہ کرایہ پر مسافروں کو دے دیتا ہے۔ وہاں چلیں وہ مقام سب سے بہتر رہے گا۔ مَیں کہتا ہوں بہت اچھا۔ چنانچہ مَیں گائیڈ کو ساتھ لیکر پیدل چل پڑتا ہوں۔ ایک دو دوست اَور بھی میرے ساتھ ہیں۔ چلتے چلتے ہم پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچ گئے مگر وہ ایسی چوٹیاں ہیں جو ہموار ہیں۔ اس طرح نہیں کہ کوئی چوٹی اونچی ہو اور کوئی نیچی جیسے عام طور پر پہاڑوں کی چوٹیاں ہوتی ہیں بلکہ وہ سب ہموار ہیں جس کے نتیجہ میں پہاڑ پر ایک میدان سا پیدا ہو گیا ہے۔ وہاں مَیں نے دیکھا کہ ایک پادری کالا سا کوٹ پہنے کھڑا ہے اور پاس ہی ایک چھوٹا سا گرجا ہے۔ اُس آدمی نے پادری سے کہا کہ باہر سے کچھ مسافر آئے ہیں انہیں ٹھہرنے کے لئے مکان چاہیئے۔ وہاں ایک مکان بنا ہوا نظر آتا ہے وہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پادری لوگوں کو کرایہ پر جگہ دیتا ہے۔ اُس نے ایک آدمی سے کہا کہ انہیں مکان دکھا دیا جائے۔ وہ مجھے مکان دکھانے کے لئے لے گیا۔ ایک دو دوست اَور بھی ہیں۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ کچا مکان ہے اور جیسے فوجی بارکیں سیدھی چلی جاتی ہیں اسی طرح وہ مکان ایک لائن میں سیدھا بنا ہوا ہے۔ مگر کمرے صاف ہیں۔ مَیں ابھی غور ہی کر رہا ہوں کہ جو شخص مجھے کمرے دکھا رہا تھا اُس نے خیال کیا کہ کہیں مَیں یہ نہ کہہ دوں کہ یہ ایک پادری کی جگہ ہے ہم اس میں نہیں رہتے ایسا نہ ہو کہ ہماری عبادت میں کوئی روک پیدا ہو۔ چنانچہ وہ خود ہی کہنے لگا۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی کیونکہ یہاں مسجد بھی ہے۔ مَیں نے اسے کہا کہ اچھا مجھے مسجد دکھاؤ اُس نے مجھے مسجد دکھائی جو نہایت خوبصورت بنی ہوئی تھی مگر چھوٹی سی تھی مسجد مبارک سے نصف ہوگی لیکن اُس میں چٹائیاں اور دریاں وغیرہ بچھی ہوئی تھیں اسی طرح امام کی جگہ ایک صاف قالینی مصلّیٰ بھی بچھا ہوا تھا مجھے اس مسجد کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ اور مَیں نے کہا کہ ہمیں یہ جگہ منظور ہے۔ خواب میں مَیں نے یہ خیال نہیں کیا کہ مسجد وہاں کس طرح بنائی گئی ہے مگر بہرحال مسجد دیکھ کر مجھے مزید تسلی ہوئی اور مَیں نے کہا کہ اچھا ہوا مکان بھی مل گیا اور ساتھ ہی مسجد بھی مل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد مَیں باہر نکلا اور مَیں نے دیکھا کہ اِکّا دُکّا احمدی وہاں آ رہے ہیں خواب میں مَیں حیران ہوتا ہوں کہ مَیں نے تو ان سے یہاں آنے کا ذکر نہیں کیا تھا ان کو میرے یہاں آنے کا پتہ کیسے لگ گیا ہے

تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی محفوظ جگہ نہیں۔ چاہے یہ دوست ہی ہیں لیکن بہر حال اگر دوست کو ایک مقام کا علم ہو سکتا ہے تو دشمن کو بھی ہو سکتا ہے۔ محفوظ مقام تو نہ رہا۔ چنانچہ خواب میں مَیں پریشان ہوتا ہوں اور مَیں کہتا ہوں کہ ہمیں پہاڑوں میں اور زیادہ دُور کوئی جگہ تلاش کرنی چاہیئے۔ اتنے میں مَیں نے دیکھا کہ شیخ محمد نصیب صاحب آگئے ہیں۔ مَیں اس وقت مکان کے دروازے کے سامنے کھڑا ہوں۔ انہوں نے مجھے سلام کیا۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ لڑائی کا کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا۔ دشمن غالب آگیا ہے۔ مَیں کہتا ہوں مسجد مبارک کا کیا حال ہے۔ انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ مسجد مبارک کا حلقہ اب تک لڑ رہا ہے۔ مَیں نے کہا کہ اگر مسجد مبارک کا حلقہ اب تک لڑ رہا ہے تب تو کامیابی کی اُمید ہے۔ مَیں اس وقت سمجھتا ہوں کہ ہم تنظیم کے لئے رہیں اور تنظیم کرنے کے بعد دشمن کو پھر شکست دے دیں گے۔

اس کے بعد مَیں نے دیکھا کہ کچھ اور دوست بھی وہاں پہنچ گئے ہیں۔ اُن کو دیکھ کر مجھے اور پریشانی ہوئی اور مَیں نے کہا کہ یہ تو بالکل عام جگہ معلوم ہوتی ہے۔ حفاظت کے لئے یہ کوئی خاص مقام نہیں۔ ان دوستوں میں ایک حافظ محمد ابراہیم صاحب بھی ہیں۔ اور لوگوں کو مَیں پہچانتا نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ احمدی ہیں۔ حافظ صاحب نے مجھ سے مصافحہ کیا اور کہا کہ بڑی تباہی ہے۔ بڑی تباہی ہے۔ پھر ایک شخص نے کہا کہ نیلے گنبد میں ہم داخل ہونے لگے تھے مگر وہاں بھی ہمیں داخل نہیں ہونے دیا گیا۔ مَیں نے تو نیلا گنبد لاہور کا ہی سُنا ہوا ہے۔ واللہ اعلم کوئی اَور بھی ہو۔ بہر حال اس وقت مَیں نہیں کہہ سکتا کہ نیلے گنبد کے لحاظ سے اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے البتہ اس وقت بات کرتے کرتے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ نیلا سمندر کا رنگ ہوتا ہے .... اس کے بعد حافظ صاحب نے کوئی واقعہ بیان کرنا شروع کیا اور اُسے بڑی لمبی طرز سے بیان کرنے لگے جس طرح بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بات کو جلدی ختم نہیں کرتے بلکہ اُسے بلا وجہ طول دیتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح حافظ صاحب نے پہلے ایک لمبی تمہید بیان کی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جالندھر کا کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں بھی بڑی تباہی ہوئی ہے اور ایک "منشی" کا جو غیر احمدی ہے اور پٹواری یا گرداور ہے

بار بار ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ منشی جی ملے اور انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ مَیں خواب میں بڑا گھبراتا ہوں کہ یہ موقعہ تو حفاظت کے لئے انتظام کرنے کا ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی مرکز تلاش کیا جائے۔ انہوں نے منشی جی کی باتیں شروع کر دی ہیں۔ چنانچہ مَیں اُن سے کہتا ہوں کہ آخر ہُوا کیا؟ وہ کہنے لگے منشی جی کہتے تھے کہ ہماری تو آپ کی جماعت پر ہی نظر ہے مَیں نے کہا بس اتنی ہی بات تھی نہ کہ منشی جی کہتے تھے کہ اب اُن کی جماعت احمدیہ پر نظر ہے یہ کہکر مَیں انتظام کرنے کے لئے اُٹھا اور چاہا کہ کوئی مرکز تلاش کروں کہ میری آنکھ کھل گئی۔[۱]

مندرجہ بالا رؤیا میں اللہ تعالےٰ نے مندرجہ ذیل خبریں دیں :۔

۱۔ قادیان اور اس کے گرد و نواح میں دشمن یکدم حملہ کر کے آجائے گا۔

۲۔ دشمن کی طرف سے جنگ خفیہ رنگ میں ہوگی۔

۳۔ قادیان سے جالندھر تک بڑی خوفناک تباہی آئے گی اور لوگ نیلا گنبد یعنی کھلی فضا کے نیچے پناہ گزین ہونگے۔

۴۔ دشمن قادیان پر بھی غالب آجائے گا۔ مگر مسجد مبارک کا حلقہ استقلال اور پامردی سے ڈٹا رہے گا اور محفوظ رہے گا۔

۵۔ اس تباہی کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اپنے خاندان کے علاوہ بعض اپنے جاں نثار خدام کے ساتھ قادیان سے کسی دوسرے ملک میں مرکز کی تلاش میں ہجرت کر آئیں گے۔

۶۔ اور بالآخر پہاڑیوں کے دامن میں جماعت احمدیہ کا ایک نیا مرکز تعمیر کرینگے جہاں پہلے فوجی بارکوں کی طرز پر مکان بنانے پڑیں گے۔

یہاں اس امر کا ذکر کرنا مناسب نہ ہوگا کہ یہ سب واقعات تقسیم ہند کے بعد جماعت احمدیہ کے نئے مرکز ربوہ کی تعمیر سے لفظاً لفظاً پورے ہوئے جیسا کہ اس کا ذکر اپنے مقام پر آئیگا۔

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کی وفات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اب یہاں ۱۳۲۰ہش / ۱۹۴۱ء میں رحلت کرنے والے دوسرے سترہ[۱۷] جلیل القدر صحابہ کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے :۔

---

[۱] الفضل ۲۱ / فتح ۱۳۲۰ہش / دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳

۱۔ حضرت شیخ عبدالرشید صاحب رضؓ پٹیالوی (وفات ۷ تبلیغ ۱۳۲۰ ہش / فروری ۱۹۴۱ء)[1]

۲۔ میاں شمس الدین صاحب سوداگر چرم لاہورؓ (بیعت ۱۹۰۶ء وفات تبلیغ ۱۳۲۰ ہش / فروری ۱۹۴۱ء بعمر ۶۲ سال)

مخیّر بزرگ تھے۔ لاہور کی مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ کیلئے آپ نے پانچ ہزار روپیہ چندہ دیا۔ تجارتی حلقوں میں آپ ایک نمونہ تھے۔ ہمیشہ عمدہ مال خریدتے اور فروخت کرنے میں بھی نہایت دیانتداری سے کام لیتے۔ حلقہ سلطان پورہ لاہور کے امام الصلوۃ تھے۔[2]

۳۔ بابو وزیر خان صاحب اوورسیرؓ (وفات ۲۸ تبلیغ ۱۳۲۰ ہش / فروری ۱۹۴۱ء)[3]

۴۔ مولوی محمد عبداللہ صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ پھیروچیچی (بیعت ۱۹۰۶ء وفات ۵ امان ۱۳۲۰ ہش / مارچ ۱۹۴۱ء)[4]

۵۔ عبداللہ صاحبؓ ساکن داتہ ضلع ہزارہ (وفات ۱۳ امان ۱۳۲۰ ہش / مارچ ۱۹۴۱ء)[5]

۶۔ میاں امام الدین صاحبؓ ساکن قادیان (وفات ۱۲ شہادت ۱۳۲۰ ہش / اپریل ۱۹۴۱ء) نہایت سادہ طبع اور محنتی انسان تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے انہیں اُبلے ہوئے چنے فروخت کرکے معاش پیدا کرنے کا ارشاد فرمایا جس پر مرحوم آخر وقت تک کاربند رہے اور خدا تعالیٰ نے اس میں بہت برکت ڈالی۔[6]

۷۔ حضرت میاں امام الدین صاحبؓ سیکھوانی والد ماجد حضرت مولانا جلال الدین صاحبؓ شمس (بیعت ۲۳ نومبر ۱۸۸۹ء وفات ۸ ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء بعمر تقریباً اسّی سال) آپ دعویٰ مسیحیت سے قبل بھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور کھانا اپنے رشتہ داروں کے ہاں کھایا کرتے تھے مگر دعویٰ کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ اب سے آپ ہمارے مہمان ہیں چنانچہ اس کے بعد جب قادیان آتے تو اکثر حضرت اقدس کے دسترخوان اور لنگرخانہ سے ہی کھانا کھاتے۔ حضرت میاں امام الدین صاحبؓ اور ان کے دونوں حقیقی بھائی (حضرت میاں جمال الدینؓ صاحب اور حضرت میاں خیر دین صاحبؓ) باوجودیکہ نہایت غریب تھے لیکن ہر حال میں قانع اور خدا تعالیٰ کے شکرگذار رہتے تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہنے اور مالی قربانی میں اپنی طاقت اور بساط سے بڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے جس کا تذکرہ خود حضور علیہ السلام نے بھی اپنی کتب واشتہارات میں نہایت محبت اور پیار کے الفاظ میں فرمایا ہے۔ چنانچہ ضمیمہ انجام آتھم میں ۳۱۳ صحابہ کی فہرست میں

---

[1] الفضل ۷ ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۲۔ [2] الفضل ۲۷ تبلیغ ۱۳۲۰ ہش / فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ [3] الفضل ۲۸ تبلیغ ۱۳۲۰ ہش / فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[4] الفضل ۹ ہجرت ۱۳۲۰ ہش (۹ مئی ۱۹۴۱ء) صفحہ ۵ کالم ۳۔ [5] الفضل ۲۶ شہادت ۱۳۲۰ ہش (۲۶ اپریل ۱۹۴۱ء) صفحہ ۵

[6] الفضل ۲۴ شہادت ۱۳۲۰ ہش (۲۴ اپریل ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ کالم ۱۔

میاں امام الدین صاحبؓ کا نام (معہ اہلبیت) ۳۲ پر اور اُن کے بھائیوں کے نام (معہ اہلبیت) ۳۰-۳۱ نمبر پر لکھے[۵۱] اور تحریر فرمایا:—

"میں اپنی جماعت کے محبت اور اخلاص پر تعجب کرتا ہوں کہ اُن میں سے نہایت ہی کم معاش والے جیسے میاں جمال الدین اور خیر دین اور امام الدین کشمیری میرے گاؤں سے قریب رہنے والے ہیں وہ تینوں غریب بھائی ہیں جو شاید تین آنہ یا چار آنہ روزانہ مزدوری کرتے ہیں سرگرمی سے ماہواری چندہ میں شریک ہیں۔ ان کے دوست میاں عبدالعزیز پٹواری کے اخلاص سے بھی مجھے تعجب ہے کہ وہ باوجود قلت معاش کے ایک دن سو روپیہ دے گیا کہ میں چاہتا ہوں کہ خدا کی راہ میں خرچ ہو جائے۔ وہ سو روپیہ شاید اُس غریب نے کئی برسوں میں جمع کیا ہوگا۔ مگر للّٰہی جوش نے خدا کی رضا کا جوش دلایا۔"[۵۲]

پھر اکتوبر ۱۸۹۹ء کو اپنے اشتہار بعنوان "جلسۃ الوداع" میں وفد نصیبین کے اخراجات کے تعلق میں تحریر فرمایا:—

"منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری ساکن اوجلہ ضلع گورداسپورہ نے باوجود قلت سرمایہ کے ایک سو پچیس (۱۲۵) روپے دیئے ہیں۔ میاں جمال الدین کشمیری ساکن سیکھواں ضلع گورداسپورہ اور اُن کے دو برادر حقیقی میاں امام الدین اور میاں خیر دین نے پچاس روپے دیئے ہیں۔ ان چاروں صاحبوں کے چندہ کا معاملہ نہایت عجیب اور قابلِ رشک ہے کہ وہ دنیا کے مال سے نہایت ہی کم حصہ رکھتے ہیں گویا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح جو کچھ گھروں میں تھا وہ سب لے آئے ہیں اور دین کو آخرت پر مقدم کیا جیسا کہ بیعت میں شرط تھی۔"[۵۳]

علاوہ ازیں جب حضور علیہ السلام نے یکم جولائی ۱۹۰۰ء کو منارۃ المسیح قادیان کے لئے سو سو روپیہ دینے والے مخلصین کی فہرست شائع فرمائی تو ان تینوں بھائیوں اور اُن کے والد محمد صدیق صاحبؓ چاروں کی طرف سے ایک سو روپیہ منظور فرما کر اُن کے نام نمبر ۴۸ پر درج فرمائے۔[۵۴] المختصر حضرت مولوی امام الدین صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت عالی مرتبہ صحابہ میں سے تھے۔

۸۔ منشی احمد دین صاحبؓ نقشہ نویس پورہ لاہور (وفات ۵ احسان ۱۳۰۰ھش مطابق ۵ جون ۱۹۲۱ء)[۵۵]

---

۵۱ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۱ کالم ۳۔ ۵۲ ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲۹، ۳۰۔ ۵۳ ضمیمہ اشتہار "الانصار" ۴ اکتوبر ۱۸۹۹ء مشمولہ "تبلیغ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۷۶۔ ۵۴ اشتہار یکم جولائی ۱۹۰۰ء مشمولہ "تبلیغ رسالت" جلد نہم صفحہ ۶۳۔
۵۵ الفضل ۷ احسان ۱۳۰۰ھش (۷ جون ۱۹۲۱ء) صفحہ ۲ کالم ۱۔

۹ - بابا علی محمد صاحبؓ ساکن مدّ ضلع امرتسر (وفات وفا ۱۳۲۰ ہش / جولائی ۱۹۴۱ء بعمر ۷۰ سال)[۱]

۱۰ - مولوی جان محمد صاحبؓ متوطن ڈسکہ مہاجر محلہ دار البرکات ربوہ (وفات ۲۸ وفا ۱۳۲۰ ہش / ۲۸ جولائی ۱۹۴۱ء بعمر ۸۲ سال)[۲]

۱۱ - محمد حسین صاحبؓ ناظر و پنشنر دھرم سالہ (بیعت ۱۸۹۴ء وفات وفا ۱۳۲۰ ہش / جولائی ۱۹۴۱ء)[۳]

۱۲ - حضرت سید مہدی حسین صاحبؓ موج متوطن سید کھیڑی علاقہ راجپورہ ریاست پٹیالہ (ولادت ۳۰ محرم الحرام ۱۲۸۵ھ / ۳۰ اپریل ۱۸۶۸ء[۴] بیعت مارچ ۱۸۹۳ء وفات ۳۱ ظہور ۱۳۲۰ ہش / ۳۱ اگست ۱۹۴۱ء بعمر ۷۵ سال)[۵] ۳۱۳ صحابہ کبار کی فہرست میں آپکا نام ۱۶۷ پر درج ہے۔[۶] حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشہور خدام میں سے تھے۔ کتب خانہ مسیح موعود علیہ السلام کے مہتمم بھی رہے۔ "نزول المسیح" آپ ہی کی زیر نگرانی شائع ہوئی۔ کاپیوں کی تصحیح میں آپ کو خاص دسترس تھی۔ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں بغرض تبلیغ ایران تشریف لے گئے اور چھ ماہ تک اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف رہنے کے بعد ۲ مئی ۱۹۳۵ء کو واپس آئے۔[۷] حضرت میر صاحبؓ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی روایات اور اپنے حالات اخبار الحکم (۲۸ اکتوبر - ۸ دسمبر ۱۹۳۶ء و الحکم ۲۱ اگست ۱۹۳۸ء و ۱۴ - ۲۱ ستمبر ۱۹۳۸ء میں شائع کرائے تھے۔

۱۳ - میاں غلام خشم صاحبؓ (تاریخ وفات ۶ تبوک ۱۳۲۰ ہش / ۶ ستمبر ۱۹۴۱ء بعمر ۷۷ سال)[۸]

۱۴ - حاجی مفتی گلزار محمد صاحبؓ بٹالوی (بیعت ۱۹۰۲ء وفات ۱۶ تبوک ۱۳۲۰ ہش / ۱۶ ستمبر ۱۹۴۱ء بعمر ۷۶ سال)[۹]

۱۵ - مولوی غلام حسین صاحبؓ ڈنگوی (وفات ۱۸ نبوت ۱۳۲۰ ہش / ۱۸ نومبر ۱۹۴۱ء)[۱۰]

۱۶ - میاں احمد بخش صاحبؓ امام مسجد احمدیہ تلونڈی جھنگلاں (وفات نبوت ۱۳۲۰ ہش / نومبر ۱۹۴۱ء)[۱۱]

۱۷ - میاں رحمت اللہ صاحبؓ باغانوالہ ساکن بنگہ ضلع جالندھر (وفات ۵ ماہ فتح ۱۳۲۰ ہش مطابق ۵ دسمبر ۱۹۴۱ء)[۱۲]

۱۸ - چوہدری محبوب عالم صاحبؓ بقاپوری برادر اصغر مولانا محمد ابراہیم صاحبؓ بقاپوری واعظ مقامی (بیعت ۱۹۰۶ء وفات ۲۷ فتح ۱۳۲۰ ہش مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۴۰ء)[۱۳]

---

[۱] الفضل ۲۲ وفا ۱۳۲۰ ہش مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱ + [۲] الفضل ۳۰ وفا ۱۳۲۰ ہش / ۳۰ جولائی ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱ + [۳] الفضل ۲۰ وفا ۱۳۲۰ ہش / ۲۰ جولائی ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱
[۴] الحکم ۲۱ اگست ۱۹۳۸ء صفحہ ۶ کالم ۱ + [۵] الفضل ۳ تبوک ۱۳۲۰ ہش / ۳ ستمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۱ + [۶] ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۳ +
[۷] تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد ہفتم صفحہ ۲۴۴ تا ۲۵۰ پر گذر چکی ہے۔ [۸] الفضل ۹ تبوک (ستمبر) ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۱ کالم ۲
[۹] الفضل ۱۸ تبوک ۱۳۲۰ ہش (۱۸ ستمبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۱ + [۱۰] الفضل ۲۰ نبوت ۱۳۲۰ ہش (۲۰ نومبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۱ کالم ۲ +
[۱۱] الفضل ۱۷ نبوت ۱۳۲۰ ہش (۱۷ نومبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۱ کالم ۲ + [۱۲] الفضل ۱۰ فتح ۱۳۲۰ ہش (۱۰ دسمبر ۱۹۴۱ء) و صفحہ ۱ کالم ۳ +
[۱۳] الفضل ۲۰ تبلیغ ۱۳۲۱ ہش (۲۰ فروری ۱۹۴۲ء) صفحہ ۵ +

مندرجہ بالا صحابہ کے علاوہ اس سال حضرت شیخ محمد یعقوب صاحب پانی پتی (والد ماجد شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی) نے بھی وفات پائی۔ آپ حضرت خلیفہ اولؓ کے زمانہ خلافت میں احمدیت سے مشرف ہوئے تھے۔[۵۱]

حضرت امیر المومنین کی تقریریں سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء پر

حسب معمول اس سال بھی ۲۶، ۲۷، ۲۸؍ فتح؍ دسمبر کو جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تین ایمان افروز تقاریر فرمائیں۔

(۱) افتتاحی تقریر جو "اپنی نیتوں کو درست کرکے خدا تعالیٰ کے حضور جھک جانے کی نصیحت" پر مشتمل تھی (۲) مسائل حاضرہ پر تقریر جو پونے تین بجے سے شروع ہو کر پونے سات بجے ختم ہوئی۔ (۳) "سیر روحانی" کے موضوع پر علمی تقریر جو اڑھائی بجے سے شروع ہو کر ساڑھے سات بجے تک مسلسل پانچ گھنٹے جاری رہی۔[۵۲]

فصل ششم

۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء کے متفرق مگر اہم واقعات

خاندانِ مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب

۱۔ یکم تبلیغ ۱۳۲۰ ہش (یکم فروری ۱۹۴۱ء) کو صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب (خلف الرشید حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ) کے ہاں صاحبزادی امۃ المومن صاحبہ کی ولادت ہوئی۔[۵۴]

۲۔ ۱۲؍ ماہ شہادت (اپریل) کو خان مسعود احمد خان صاحب (ابن حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب

---

[۵۱] تاریخ وفات ۲۸؍ وفا ۱۳۲۰ہش مطابق ۲۸؍ جولائی ۱۹۴۱ء بعمر ۸۰ سال (الفضل ۲؍ ظہور ۱۳۲۰ہش / ۲؍ اگست ۱۹۴۱ء) آپ پانی پت کے پہلے احمدی تھے۔ قبولِ احمدیت کی وجہ سے آپ کو عمر بھر سخت مخالفت جاری رہی۔ شہر کے لوگ اُن کو ہمیشہ جانی مالی اور جسمانی تکالیف پہنچاتے رہے ایک دفعہ ایک مولوی ثروت نامی نے یو پی سے آکر آپ کے خلاف شہر میں آگ سی لگا دی نتیجہ یہ ہوا کہ کنبہ والوں نے متفقہ طور پر ان کا بائیکاٹ کر دیا جو دو اڑھائی سال تک قائم رہا۔ مگر حضرت شیخ صاحب نے انکی کوئی پرواہ نہ کی اور ہمیشہ تبلیغ حق اور پیغام احمدیت پھیلانے میں مصروف رہے مخالفت کرنیوالوں نے چونکہ دہلی اور پانی پت کے مولویوں سے فتویٰ حاصل کیا کہ یہ مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے نہ پائیں اسلئے ان کی وفات کے بعد جب انکے آبائی قبرستان میں قبر کھدنے لگی تو روک دی گئی مگر خدا کا کچھ ایسا تصرف ہوا کہ خود کنبے والے اس ننگِ انسانیت فعل کے خلاف اٹھ کھڑے ہو گئے اور خود موقعہ پر پہنچ کر اپنی نگرانی میں قبر کھدوائی۔ تفصیلی حالات کیلئے ملاحظہ ہو جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی کا مضمون مطبوعہ "الفضل" ۲؍ ثروت ۱۳۲۰ہش۔

[۵۲] "الفضل" یکم ماہ صلح ۱۳۲۱ہش (یکم جنوری ۱۹۴۲ء) [۵۳] "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۳۰۲ (مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے قادیان)۔ الفضل ۴؍ تبلیغ ۱۳۲۰ہش (۴؍ فروری ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ کالم ۱

رئیس مالیرکوٹلہ رضی اللہ عنہ) کے ہاں صاحبزادہ میاں محمود احمد خان پیدا ہوئے[۵۱]

۳۔ ۹ ر نبوت (نومبر) کو صاحبزادی امۃ العزیز بیگم صاحبہ (بنت حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کے رخصتانہ کی تقریب عمل میں آئی۔ صاحبزادی صاحبہ کا نکاح مرزا حمید احمد صاحب (ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) سے ۱۹ ر مشاورت ۱۳۲۰ ہش / ۱۹۴۱ء میں پڑھا گیا تھا۔ اس مبارک تقریب پر (جو قصر خلافت میں ہوئی) حضرت امیر المومنینؓ کی طرف سے ڈیڑھ سو کے قریب اصحاب مدعو تھے اور برات میں شامل ہونے والے اصحاب کی تعداد قریباً چالیس تھی۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، صاحبزادہ حضرت مرزا مبارک احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب اور دیگر افراد خاندان نے برات کا استقبال کیا۔ اور حضور نے اپنے دست مبارک سے مرزا حمید احمد صاحب کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا اور ساڑھے پانچ بجے مجمع سمیت دعا فرمائی[۵۲]

۴۔ حضرت امیر المومنین کے فرزند ارجمند صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کی برات ۱۴ ر نبوت ۱/۲ ۶ بجے شام کی گاڑی سے مالیر کوٹلہ گئی۔ برات میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب، مرزا منصور احمد صاحب اور مرزا منیر احمد صاحب شریک تھے۔ علاوہ ازیں حضرت سیدہ ام ناصر احمد صاحبہؓ حرم اول حضرت خلیفۃ المسیح اور حضرت سیدہ ام متین صاحبہ حرم رابع حضرت خلیفۃ المسیح بھی ہمراہ تھیں۔ برات ۱۶ ر ماہ نبوت (نومبر) کو دس بجے صبح کی گاڑی سے واپس پہنچی تو مقامی جماعت کے ہزاروں افراد نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ اور سب سے پہلے سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بعد ازاں بعض اور اصحاب نے صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کے گلے میں ہار ڈالے[۵۳]

مہاراجہ صاحب بہادر آف ریاست پٹیالہ قادیان میں

۱۴ ر شہادت ۱۳۲۰ ہش / اپریل ۱۹۴۱ء کو مہاراجہ یادوندر سنگھ مہندر بہادر مہاراجہ آف ریاست پٹیالہ ڈیڑھ بجے بعد دوپہر بذریعہ کار قادیان آئے۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ ناظر امور عامہ و خارجہ نے احمدیہ کور کے رضاکاروں کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ مہاراجہ صاحب نے چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی بیت الظفر میں قیام کیا۔ اسی روز عصر کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنی کوٹھی دار الحمد میں دعوت چائے

---

۵۱ الفضل ۱۶ ر شہادت ۱۳۲۰ ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ + ۵۲ الفضل ۱۱ ر نبوت ۱۳۲۰ ہش / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۱ + ۵۳ الفضل ۱۸ ر نبوت ۱۳۲۰ ہش / نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۱

دی۔ جس میں آنریبل چوہدری صاحب اور بعض اور معززین سلسلہ بھی مدعو تھے۔ شام کو آنریبل چوہدری صاحب نے مہاراجہ صاحب کے اعزاز میں دعوتِ طعام دی جس میں سیدنا حضرت امیرالمومنین نے بھی شرکت فرمائی۔[1]

اگلے روز (۱۵ ؍ شہادت کو) مہاراجہ صاحب بہادر نے صدر انجمن احمدیہ کے مختلف ادارے دیکھے اور سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار "نور" کی طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی گورمکھی زبان میں مطبوعہ سیرت تحفۃً قبول کی۔ مہاراجہ صاحب بہادر اداروں کے معائنہ کے بعد سوا دس بجے قبل دوپہر قادیان سے روانہ ہو گئے۔[2]

اس سال مہاراجہ صاحب پٹیالہ کے علاوہ جو لوگ قادیان میں زیارت کے لئے آئے ان میں ڈائرکٹر [3] آف کانفرنسات سرفریڈرک جیمز۔ سیٹھ حسن بھائی لال جی صاحب تاجر بمبئی و رکن مرکزی اسمبلی [4] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عبدالرحمن صاحب سماٹری کی وفات

مولوی ابوبکر صاحب سماٹری کے ایک بھائی عبدالرحمن صاحب ۱۹۳۸ء سے مرکز سلسلہ میں آکر دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے اسی سال کے وسط میں تپ محرقہ میں مبتلا ہو گئے اور ایک ماہ کے بعد ۱۳ ؍ ظہور ۱۳۲۰ہش / اگست ۱۹۴۱ء کو ۲۴-۲۵ سال کی عمر میں رحلت کر گئے۔ آپ جب قادیان تشریف لائے تو اردو سے بالکل ناآشنا تھے مگر بہت جلد اردو سمجھنے اور بولنے لگے۔ اور مدرسہ احمدیہ کی تیسری اور چوتھی جماعت کا امتحان ایک ہی سال میں پاس کر کے چھٹی جماعت میں داخلہ لے لیا۔ آپ اپنی جماعت کے چوٹی کے طلباء میں سے تھے۔ اور صرف و نحو میں ہمیشہ اوّل رہتے تھے۔ بہت شریف، بہت شرمیلے اور بہت پُرجوش احمدی نوجوان تھے۔ آپ اگرچہ موصی نہ تھے مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد سے مقبرہ بہشتی میں دفن کئے گئے۔[5]

فلسطین کے معمر ترین احمدی کا انتقال

الحاج عبدالقادر عودہ جو جماعت احمدیہ فلسطین کے معمر ترین احمدی تھے۔ اس سال کے آخر میں ۲۲ ؍ رمضان ۱۳۶۰ھ (اکتوبر ۱۹۴۱ء) کو ایک سو بارہ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ آپ علامہ جلال الدین صاحب شمس کے قیام فلسطین کے زمانہ میں داخل احمدیت ہوئے اور آخر دم تک نہایت اخلاص جوش اور ایثار سے اپنا عہد بیعت نبھایا۔ آپ سچ مچ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں خدا کے کلام میں ابدال الشام کہا گیا ہے۔ دعا ان کا روز و شب کا مشغلہ تھا۔ آخر عمر تک بڑھاپے کے باوجود قیام اللیل کے پابند رہے اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے تھے

---

[1] الفضل ۱۶ ؍ شہادت ۱۳۲۰ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۱ [2] الفضل ۱۷ ؍ شہادت ۱۳۲۰ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲ [3] الفضل ۲۵ ؍ تبلیغ ۱۳۲۰ہش / فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ و تاریخ آمد ۲۳ ؍ تبلیغ ۱۳۲۰ہش / فروری ۱۹۴۱ء [4] الفضل ۱۸ ؍ امان ۱۳۲۰ہش / مارچ ۱۹۴۱ء صفحہ ۲ کالم ۲ و تاریخ آمد ۱۶ ؍ امان ۱۳۲۰ہش۔

[5] الفضل ۱۵ ؍ ظہور ۱۳۲۰ہش (۱۵ ؍ اگست ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲۔

بارہا ازراہ مذاق کہا کرتے۔ تم جوان میرے ساتھ اب بھی کشتی نہیں کرسکتے۔ حضرت امیرالمومنین کی ذات بابرکات سے تو انہیں والہانہ عشق تھا۔ جب ہندوستان کی ڈاک پہنچتی تو سارے حالات دریافت فرماتے اور خیریت کا علم ہونے پر خوشی کا اظہار کرتے۔ حضور کی درازیٔ عمر کے لئے ہمیشہ دُعا کرتے رہتے۔ ہر شخص کے سامنے اپنے احمدی ہونے کو فخریہ طور پر پیش کرتے۔ اور جب کوئی شخص ملنے کے لئے آتا تو اُس سے ضرور یہ سوال کرتے کہ کیا تم احمدی ہو۔ اگر وہ کہتا کہ مَیں احمدی نہیں ہوں تو کہتے کہ فوراً احمدی ہو جاؤ۔ یہ دن پھر کہاں نصیب ہونگے۔ لوگ جب اُن سے پوچھتے کہ کیا آپ احمدی ہیں؟ تو زور سے کہتے "اَنَا اَحْمَدِیٌّ غَضْبًا عَنْکُمْ" تم خواہ کتنے ناراض ہو مَیں تو بہرحال احمدی ہوں۔ حضرت الحاج عبدالقادر آخری سانس تک ذکرِ الٰہی کرتے رہے اور آخری پیغام یہ دیا کہ میری طرف سے حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں السلام علیکم پہنچا دیا جائے۔ آپ نے اپنے پیچھے ایک مخلص خاندان اور قربانی کرنے والے بیٹے اور پوتے چھوڑے۔ آپ کے پوتے السید محمد صالح العودی پہلے احمدی ہیں جن کو فلسطین کی سرزمین سے وصیت کرنے کی توفیق ملی۔[۱]

بیرونی مبلّغین احمدیت کی آمد اور روانگی

۱۔ مولوی محمد الدین صاحب فاضل مجاہد البانیہ و مصر اٹلی البانیہ اور مصر وغیرہ میں قریباً پانچ سال تک تبلیغی فرائض انجام دینے کے بعد ۱۴ / امان ۱۳۲۰ ہش (۱۴ / مارچ ۱۹۴۱ء) کو ساڑھے نو بجے صبح کی گاڑی سے واپس تشریف لائے۔[۲]

۲۔ چوہدری محمد اسحاق صاحب سیالکوٹی مجاہد ہانگ کانگ (چین) ۸ / شہادت ۱۳۲۰ ہش (۸ / اپریل ۱۹۴۱ء) کو صبح کی گاڑی سے وارد قادیان ہوئے۔[۳]

۳۔ مولوی عبدالغفور صاحب مولوی فاضل جالندھری مبلغ جاپان ۳۰ / اخاء ۱۳۲۰ ہش (۳۰ / اکتوبر ۱۹۴۱ء) کو دس بجے کی گاڑی جاپان سے قادیان پہنچے۔[۴]

۴۔ ملک عزیز احمد صاحب مجاہد تحریک جدید (معہ صدر الدین یحییٰ صاحب[۵]) جاوا کے لئے روانہ ہوئے۔[۶]

---

[۱] الفضل ۳ / فتح ۱۳۲۰ ہش (دسمبر ۱۹۴۱) صفحہ ۵ + [۲] الفضل ۱۶ / امان ۱۳۲۰ ہش (مارچ ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ + [۳] الفضل ۱۰ / شہادت ۱۳۲۰ ہش (اپریل ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲

[۴] الفضل ۲ / نبوت ۱۳۲۰ ہش (نومبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ + [۵] آپ جزیرہ سیلے بیز سے تعلیم دین حاصل کرنے کے لئے قادیان تشریف لائے اور سات سال تک اس کی برکات سے فیضیاب ہونے کے بعد ملک صاحب کے ساتھ عازم وطن ہوئے (الفضل ۲ / نبوت ۱۳۲۰ ہش (نومبر ۱۹۴۱) صفحہ ۲)

[۶] الفضل ۳ / نبوت ۱۳۲۰ ہش (۳ / نومبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲

بیرونی مشنوں کے ضروری واقعات

گولڈ کوسٹ اس سال کے شروع میں کماسی (علاقہ شانٹی) میں مدرسہ احمدیہ کی عمارت پایۂ تکمیل تک پہنچی اور ۱۳؍صلح ۱۳۲۰ہش کو اس کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس موقعہ پر شاہ اشانٹی نے اپنے ایک خاص نمائندہ کو اپنا ایک پیغام دے کر بھجوایا اور مولانا نذیر احمد صاحب مبشر مبلغ گولڈ کوسٹ (غانا) نے اسلام کی خوبیوں اور اس کے تعلیمی نظریات پر دو گھنٹہ تک لیکچر دیا۔[1]

سیلون مولانا محمد عبداللہ صاحب مالاباری ۱۰؍رمضان (مارچ) کو کولمبو سے کنڈی تشریف لے گئے۔ تین روز وہاں قیام کر کے پیغام حق پہنچایا۔ علاوہ ازیں ایک غیر احمدی عالم سے ایک شب دو گھنٹے اور دوسری رات سات گھنٹے تک اختلافی مسائل پر کامیاب تبادلہ خیالات کیا۔[2]

جزائر شرق الہند مولانا رحمت علی صاحب مبلغ جزائر شرق الہند نے اسی سال کے شروع میں جاوا اور سماٹرا کا وسیع تبلیغی دورہ کیا۔ پہلے پندرہ دن سماٹرا کے شہر میدان میں رہے۔ پھر دو ماہ تک پاڈانگ میں قیام کیا اور ۱۶؍امان ۱۳۲۰ہش (۱۶؍مارچ ۱۹۴۱ء) کو جاوا میں پہنچے۔ جہاں آپ نے تیس لیکچرز دیئے۔ ان لیکچروں کا پروگرام پہلے سے اخبارات میں شائع کر دیا جاتا تھا۔ جاوا میں آپ یکم ہجرت ۱۳۲۰ہش (یکم مئی ۱۹۴۱ء) تک قیام فرما رہے۔[3]

مولوی محمد صادق صاحب مبلغ سماٹرا نے وفا ۱۳۲۰ہش (جولائی ۱۹۴۱ء) میں ایک تبلیغی دورہ کیا جس کے دوران آپ نے میدان سے بارہ میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ کے راجہ لیبوآن (LABUAN) سے بھی ملاقات کی اور احمدیت سے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائیں۔ راجہ صاحب نے کہا کہ ان کے کئی شکوک کا ازالہ ہو گیا ہے۔ نیز خواہش ظاہر کی کہ مجھے علامات مہدی پر مشتمل احادیث بھی بھجوا دیں اور ان کے پورا ہونے کا ثبوت بھی، میں اپنے علماء سے مزید تحقیق کراؤں گا۔ راجہ صاحب کو "اسلامی اصول کی فلاسفی" (انگریزی) اور "تصدیق المسیح" (سماٹری زبان) دو کتابیں پیش کی گئیں جو انہوں نے بخوشی قبول کیں۔[4]

---

[1] الفضل ۲؍امان ۱۳۲۰ہش (مارچ ۱۹۴۱ء) صفحہ ۶ کالم ۱ و ۲ ؛ [2] الفضل ۲۹؍شہادت ۱۳۲۰ہش (اپریل ۱۹۴۱ء) صفحہ ۵ کالم ۴ - آپ پینتیس[35] سال تک مالابار اور سیلون میں نہایت درجہ اخلاص و فدائیت سے تبلیغی جہاد کرنے کے بعد امسال ۹؍تبوک ۱۳۴۷ہش (۹؍ستمبر ۱۹۶۸ء) کو انتقال فرما گئے ہیں۔ [3] الفضل ۴؍وفا ۱۳۲۰ہش (جولائی ۱۹۴۱ء) صفحہ ۵ کالم ۳ + [4] الفضل ۳۱؍ظہور ۱۳۲۰ہش (اگست ۱۹۴۱ء) صفحہ ۶ کالم ۳ و ۴

مشرقی افریقہ مکرم شیخ مبارک احمد صاحب نے ہز ہائی نس سلطان آف زنجبار سے تین بار ملاقات کرکے اُن تک احمدیت کا پیغام پہنچایا جو ہز ہائی نس نے نہایت خوشی اور شوق سے سُنا اور کہا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں درست ہے۔ ایک زمانہ آئے گا کہ ہم سب ایک ہو جائیں گے۔[1]

نائیجیریا احمدیہ مشن لیگوس کی طرف سے ایک ٹریکٹ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئیاں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے الہامات" کے عنوان پر ایک ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا۔[2]

۱۳۲۰ھش/۱۹۴۱ء کی نئی مطبوعات

۱۔ "مسئلہ جنازہ کی حقیقت" مؤلفہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔ اے۔

۲۔ "احمدیت"۔ نظارت تعلیم و تربیت قادیان کا شائع کردہ تربیتی چارٹ۔[3]

۳۔ "علمِ طبّ مسیح موعود علیہ السلام"۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طبّی نسخہ جات کا مجموعہ۔ ناشر محمد یامین صاحب تاجر کتب قادیان۔

اندرونِ ملک کے بعض مشہور مناظرے

۱۔ مباحثہ فجوپورہ دھاریوال۔ ۱۲ صلح ۱۳۲۰ھش/۱۲ جنوری ۱۹۴۱ء کو جماعت احمدیہ فجوپورہ دھاریوال اور غیر احمدیوں میں مسئلہ ختم نبوت پر ایک کامیاب مناظرہ ہوا۔ احمدیوں کی طرف سے مولوی ابو العطاء صاحب اور غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد حیات صاحب مقرر ہوئے۔ سامعین احمدی مناظر کے بیان کردہ دلائل آیات و احادیث سے بہت متاثر ہوئے۔ دو افراد داخلِ سلسلہ احمدیہ بھی ہوئے۔ خاتمۂ بحث پر احمدی صدر[4] نے درخواست کی کہ اسی پُرامن طریق سے مسئلہ حیات و وفاتِ مسیح پر بھی بحث کرلی جائے مگر غیر احمدی مناظر نے بالکل انکار کر دیا۔[5]

۲۔ مباحثہ مدرسہ چٹھہ (ضلع گوجرانوالہ)۔ ۳۰ صلح ۱۳۲۰ھش (۳۰ جنوری ۱۹۴۱ء) کو مدرسہ چٹھہ ضلع گوجرانوالہ میں جماعت احمدیہ اور اہلِ سُنت والجماعت کے درمیان ایک شاندار مباحثہ ہوا۔ موضوع زیر بحث مسئلہ ختم نبوت تھا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکیؓ اور غیر احمدیوں

---

[1] الفضل ۸ نبوت ۱۳۲۰ھش/۸ نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۴ کالم ۳۔ [2] الفضل ۸ نبوت ۱۳۲۰ھش/۸ نومبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۴ کالم ۳۔ [3] الفضل ۲۵ فتح ۱۳۲۰ھش/۲۵ دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۳ کالم ۳
[4] مولوی عنایت اللہ صاحب جالندھری۔ [5] الفضل ۱۵ صلح ۱۳۲۰ھش (۱۵ جنوری ۱۹۴۱ء) صفحہ ۶ کالم ۳۔

کی طرف سے مولوی محمد نذیر صاحب مناظر تھے۔ مناظرہ تین گھنٹہ جاری رہا۔ غیر احمدی مناظر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد فیضانِ نبوت کے بالکل مسدود ہونے کی تائید میں جس قدر دلائل پیش کئے اُن سب کو حضرت مولانا راجیکی صاحب نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے بے بنیاد ثابت کیا۔ نیز سامعین پر واضح کیا کہ ایک طرف تو فریق ثانی کے مناظر یہ دعویٰ پیش کر رہے ہیں کہ آیت خاتم النبیین کے معنے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کو ختم کر دیا بند کر دیا اور دوسری طرف اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مسیح ناصری دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ گویا اُن کا اپنا عقیدہ ہی اُن کے دعویٰ کو غلط اور بے حقیقت ثابت کر رہا ہے۔ غیر احمدی مناظر آخر وقت تک اِس کا کچھ جواب نہ دے سکے اور غیر متعلقہ باتیں پیش کر کے پبلک کو غلط فہمی میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ مختصر یہ کہ خدا کے فضل سے اس مناظرہ نے احمدیت کے زوردار دلائل کی دھاک بٹھا دی [۱]

۲۔ مباحثہ روہڑی سکھر۔ ۲۳ر تبلیغ ۱۳۲۰ھش (۲۳ر فروری ۱۹۴۱ء) کو انجمن اسلامیہ روہڑی اور جماعت احمدیہ سکھر کے مابین ایک مناظرہ بمقام روہڑی منعقد ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابوالعطاء صاحب نے اور اہل سنت والجماعت کی طرف سے لال حسین صاحب اختر نے مناظرہ کیا۔ پہلا مناظرہ حیاتِ مسیحؑ اور رفع الی السماء پر تھا۔ مولوی ابوالعطاء صاحب نے پندرہ آیات۔ دس احادیث اور اقوالِ بزرگانِ سلف اور اجماعِ صحابہ سے وفاتِ مسیح ثابت کر دکھائی۔ مگر غیر احمدی مناظر ان دلائل کا جواب دینے اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کی بجائے اِدھر اُدھر کی باتوں میں اُلجھے رہے۔ دوسرا مناظرہ مسئلہ ختم نبوت پر تھا۔ احمدی مناظر نے لغت کی مستند کتاب مفردات القرآن (امام راغبؒ) پیش کر کے بتایا کہ خاتم النّبیّین کے حقیقی معنے کسی چیز کا دوسری چیز میں اپنی تاثیر پیدا کرنا اور اپنے نقوش قائم کر دینے کے ہوتے ہیں [۲] اِن حقیقی معنوں کی رُو سے خاتم النّبیین کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ نبی جس کی رُوحانی توجہ نبی تراش ہو۔ فاضل مناظر نے اپنے موقف کی تائید میں مسئلہ ختم نبوت پر لغوی نکتہ نگاہ سے روشنی ڈالنے کے علاوہ قرآن مجید، احادیثِ صحیحہ اور اقوال

---

[۱] الفضل ۵ر تبلیغ ۱۳۲۰ھش / فروری ۱۹۴۱ء صفحہ ۷ کالم ۱ و ۲ + [۲] حضرت امام راغب رحمۃ اللہ علیہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"اَلْخَتْمُ وَالطَّبْعُ يُقَالُ عَلٰى وَجْهَيْنِ مَصْدَرُ خَتَمْتُ وَطَبَعْتُ وَهُوَ تَأْثِيْرُ الشَّيْءِ كَنَقْشِ الْخَاتَمِ وَالطَّابِعِ وَالثَّانِىْ اَلْاَثَرُ الْحَاصِلُ عَنِ النَّقْشِ" (زیر لفظ ختم) یعنی ختم اور طبع کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ یہ خَتَمْتُ اور طَبَعْتُ کا مصدر ہے جس کے معنے ہیں دوسری چیز میں اثرات پیدا کر دینا جیسا کہ مُہر کا نقش دوسری چیز میں اپنے نقش و اثرات پیدا کرتا ہے۔ اور دوسری صورت اس نقش کی تاثیر کا اثر حاصل ہے۔

بزرگانِ سلف کے متعدد واضح دلائل پیش کئے۔ احمدی مناظر کی برجستہ مدلّل اور متین و شائستہ تقریروں کا اہل علم طبقہ پر نہایت ہی عمدہ اثر ہوا [۱]

۳۔ **مباحثہ فجو پورہ دھاریوال** [۲] :۔ فجو پورہ میں پہلے مناظرہ کے ایک ماہ بعد دوسرا مناظرہ "صداقت مسیح موعود علیہ السلام" کے موضوع پر ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل ہی مناظر تھے مگر اہل سنّت والجماعت کی طرف سے مولوی عبداللہ معمار صاحب امرتسری پیش ہوئے۔ مولوی ابوالعطاء صاحب نے قرآن مجید کی متعدد آیات، احادیث نبویہ اور معیارہائے صداقتِ انبیاء کے رُو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی ثابت کی مگر معمار صاحب نے دورانِ مباحثہ لاجواب ہو کر مرزا احمد بیگ والی پیشگوئی پر اعتراض شروع کر دیئے اور دعویٰ کیا کہ مرزا احمد بیگ کا چھ ماہ میں مرجانا پیشگوئی کے خلاف ہے کیونکہ اس کے لئے تین سال کی میعاد مقرر تھی۔ مولوی ابوالعطاء صاحب نے جواب دیا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں تحریر فرمایا تھا کہ وہ تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائیگا [۳] یعنی تین سال پورے ہونے ضروری نہیں۔ معمار صاحب نے جواب میں کہا کہ اگر ایک ہفتہ میں بھی یہ حوالہ دکھادیں تو میں پچاس روپے انعام دونگا مگر مولوی ابوالعطاء صاحب کے بار بار مطالبہ کے باوجود کہ وہ چیلنج لکھ کر دے دیں انہیں آخر وقت تک تحریر دینے کی جرأت نہ ہو سکی۔ جونہی مناظرہ ختم ہوا وہ چپکے سے احمدیوں کے سٹیج پر آ کر کہہ گئے کہ فساد کا اندیشہ ہے اس وقت تحریر کا مطالبہ نہ کریں مولوی ابوالعطاء صاحب نے ایک معزز غیر احمدی بابو عبدالستار صاحب کے ہاتھ مندرجہ ذیل تحریر لکھ بھیجی۔

"میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہار سے جو تبلیغ رسالت میں شائع ہو چکا ہے دکھاؤں گا کہ آپ نے لکھا ہے کہ احمد بیگ نکاح کے بعد تین سال بلکہ قریب عرصہ میں مرجائیگا اگر میں کل مؤرخہ ۳ مارچ ۱۹۴۱ء کو موضع فجو پورہ میں نہ دکھا سکا تو اپنے وعدہ میں جھوٹا ہونگا۔" خاکسار ابوالعطاء جالندھری ۴۱-۳-۲

بابو عبدالستار صاحب موصوف یہ رقعہ لے کر معمار صاحب کے پاس پہنچے اور جلد ہی واپس آ کر بتایا کہ معمار صاحب اب اس تحریر پر بھی فیصلہ کرنا نہیں چاہتے اور حسب ذیل الفاظ میں اپنا بیان لکھ دیا:۔

"یہ اصل میں سید اولاد حسین صاحب اور مولوی عبداللہ صاحب معمار کے پاس لیکر گیا۔ لیکن

---

[۱] الفضل یکم امان ۱۳۲۰ہش / ۱۹۴۱ء (یکم مارچ ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ • [۲] — [۳] تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۶۱ حاشیہ

انہوں نے اسے قبول نہیں کیا اور اس پر فیصلہ کرنا منظور نہیں کیا۔" دستخط (انگریزی) بابو عبدالستار ۲۶/۳ [۱]

۴۔ **مباحثہ موضع بیری** (ضلع گورداسپور) :۔ ۱۳ رامان ۱۳۲۰ہش (۱۳ رمارچ ۱۹۴۱ء) کو موضع بیری میں مولوی ابوالعطاء صاحب فاضل نے وفات حضرت مسیح علیہ السلام اور صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر مولوی عبداللہ صاحب معمار سے ایک کامیاب مناظرہ کیا جس میں قادیان سے بھی بکثرت لوگ شامل ہوئے۔[۲]

۵۔ **مباحثات دہلی** : امان ۱۳۲۰ہش / مارچ ۱۹۴۱ء کا آخری ہفتہ غیر مبائعین سے مناظرات کا مرکز بنا رہا۔ اس ہفتہ تین مناظرے ہوئے اور تینوں میں مولانا ابوالعطاء صاحب مناظر تھے۔

پہلا مناظرہ ۲۲ رامان (مارچ) کی شب کو ہوا جس میں غیر مبائعین کی طرف سے مولوی اختر حسین صاحب مقصود تھے۔ بحث کا موضوع حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ظلی نبوت قرار پایا۔ جناب مولوی ابوالعطاء صاحب نے پہلے نصف گھنٹہ اس موضوع پر تقریر فرمائی اور اس کے بعد مناظرہ شروع ہوا۔ جو دو گھنٹہ تک جاری رہا۔ فاضل مناظر نے ظلی۔ بروزی اور امتی نبی وغیرہ اصطلاحوں کی حقیقت کو حضرت اقدس کے کلام مبارک سے نہایت احسن طریق پر سامعین کے ذہن نشین کرایا۔ جس کے جواب میں مولوی اختر حسین صاحب آخیر تک کوئی معقول بات پیش نہ کر سکے۔ غیر مبائع مناظر نے اس بات پر زور دیا کہ حضرت اقدس نے کہیں ظلی مجدد یا ظلی محدث کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے ہاں ظلی نبی لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اپنے آپ کو مجدد، محدث سمجھتے تھے اس لئے نبی کے لفظ کے ساتھ ظلی کا استعمال فرمایا ہے۔ ہمارے فاضل مناظر نے اُن کی اس غلطی کو بھی نہایت عمدہ طریق پر ظاہر کر دیا اور "ازالہ اوہام" کے حوالہ سے واضح فرما دیا کہ حضور فرماتے ہیں کہ ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلی طور پر ملتا ہے۔ پس جب سب کچھ ظلی طور پر ملا ہے تو مجددیت یا محدثیت کہاں باہر رہ سکتی ہے اس کا کوئی جواب مولوی اختر حسین صاحب نے باوجود بار بار توجہ دلانے کے نہ دیا۔

دوسرا مناظرہ ۲۳ رامان (۲۳ رمارچ) کو ہوا۔ غیر مبائعین کی طرف سے شیخ عبدالحق صاحب مناظر تھے۔ موضوع مناظرہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت بر مسیح ناصری علیہ السلام اور اُس کی بنیاد نبوت پر ہے یا نہیں قرار پایا۔ مولوی ابوالعطاء صاحب نے دوران مناظرہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے حوالے سنانے کے بعد خاص طور پر "نزول المسیح" کی مندرجہ ذیل عبارت پڑھی کہ :۔

---

[۱] الفضل ۸ رامان ۱۳۲۰ہش (۸ رمارچ ۱۹۴۱ء) صفحہ ۵ ۔ [۲] الفضل ۱۵ رامان ۱۳۲۰ہش (۱۵ رمارچ ۱۹۴۱ء) صفحہ ۲ کالم ۱

"خدا تعالیٰ نے اور اُس کے پاک رسول نے بھی مسیح موعود کا نام نبی اور رسول رکھا ہے اور تمام خدا تعالیٰ کے نبیوں نے اُس کی تعریف کی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس شخص کو خدا تعالیٰ بصیرت عطا کرے گا وہ مجھے پہچان لیگا۔ مَیں مسیح موعود ہوں ۔ مَیں وہی ہوں جس کا نام سرورِ انبیاءؐ نے نبی اللہ رکھا ہے اور اُس کو سلام کہا ہے ۔"[۱] اِس حوالہ کا کوئی معقول جواب فریق لاہور کے مناظر سے نہ بن سکا ۔

تیسرا مناظرہ ۲۶ ؍ مارچ (امان) کی شب کو ہوا ۔ غیر مبائعین کی طرف سے مولوی اختر حسین صاحب مناظر تھے ۔ جناب مولوی ابوالعطاء صاحب نے نصف گھنٹہ تقریر فرمائی اور قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ نیز لغت محاورات اور بزرگان کے اقوال سے فیضانِ ختمِ نبوت کا ثبوت دیا اور نہایت احسن طریق پر ثابت کیا کہ اُمت محمدیہ میں صرف تشریعی نبوت کا دروازہ بند ہے ۔ یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے ۔ اور یہی بزرگانِ اُمت کے اقوال سے ثابت ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ مناظرے نہایت کامیاب ثابت ہوئے اور سامعین پر ان کا بہت اچھا اثر ہوا ۔[۲]

۵ ۔ مباحثہ مکیریاں :۔ ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء کے وسط میں مکیریاں (ضلع ہوشیارپور) میں ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب موگا نے مسئلہ ختمِ نبوت پر اور شیخ عبدالقادر صاحب فاضل (نومسلم) نے صداقتِ مسیح موعودؑ پر مباحثہ کیا ۔ ان ہر دو مباحثات میں غیر احمدیوں کی طرف سے لال حسین صاحب اختر نے بحث کی ۔[۳]

۶ ۔ مباحثہ داتہ زید کا :۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل دیالگڑھی نے ماہ شہادت ۱۳۲۰ ہش (مئی ۱۹۴۱ء) میں عیسائیوں کے ساتھ دو مناظرے کئے ایک "صداقتِ مسیح موعودؑ" پر اور دوسرا "انجیل کا پیشگوئی مسیح" پر ۔ عیسائیوں اور غیر احمدیوں نے احمدیہ علمِ کلام کی فوقیت تسلیم کی ۔[۴]

۷ ۔ مباحثہ لاہور :۔ ۲۵ ؍ احسان (جون) کو چند غیر مبائعین اپنے عقاید خصوصی کی اشاعت کیلئے بھاٹی گیٹ لاہور کے احمدی حلقہ میں آئے ۔ ۲۷ ؍ احسان (جون) کو لمبی دیر تک گفتگو ہوتی رہی جس نے اگلے روز (۲۸ ؍ احسان کو) باقاعدہ مناظرہ کی صورت اختیار کر لی جس میں جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے میاں محمد عمر صاحب بی ۔ ایس ۔ سی ۔ ایل ایل بی وکیل اور غیر مبائع اصحاب کی طرف سے مولوی احمد یار صاحب ایم ۔ اے مناظر تھے اور موضوع بحث تھا "مسئلہ نبوت مسیح موعودؑ" ۔ میاں محمد عمر صاحب نے اپنی اصولی بحث میں ثابت کیا کہ تعریفِ نبوت حضور علیہ السلام پر منطبق ہوتی ہے نیز واضح کیا کہ (۱) خدا تعالیٰ (۲) انبیاء علیہم السلام (۳) اسلام اور (۴) خود حضرت مسیح موعودؑ

---

[۱] نزول المسیح صفحہ ۴۸ ۔ [۲] الفضل ۱۲ ؍ شہادت ۱۳۲۰ ہش / اپریل ۱۹۴۱ء صفحہ ۶ ۔ [۳] الفضل ۲۵ ؍ ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء ۔ [۴] الفضل ۲۵ ؍ ہجرت ۱۳۲۰ ہش / مئی ۱۹۴۱ء صفحہ ۶ کالم ۲ ۔

کے نزدیک بھی نبی کو محدَث سے ممتاز کرنے کے لئے صرف ایک شرط ضروری ہے اور وہ ہے ۔ بکثرت اظہار امور غیبیہ اور یہ شرط یقیناً حضرت مسیح موعودؑ میں موجود ہے ۔ غیر مبائع مناظر دلائل کا جواب دینے سے قاصر رہے اور اس کی تلافی انہوں نے ذاتی حملوں اور غلط بیانیوں سے کی ۔ البتہ اپنے نامناسب الفاظ بار بار بلا تامل واپس بھی لیتے رہے ۔[1]

۸۔ مباحثہ لائل پور :۔ ماہ اخاء یا نبوت (اکتوبر نومبر) میں لائل پور کے مشہور غیر مبائع حاجی شیخ میاں محمد صاحب کی کوٹھی کے احاطہ میں جماعت احمدیہ قادیان اور فریق لاہور کا مناظرہ ہوا ۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری اور فریق ثانی کی طرف سے مولوی اختر حسین صاحب مناظر تھے ۔ قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری اور مرزا مظفر بیگ صاحب ساطع نے پریذیڈنٹ کے فرائض انجام دیئے ۔ مولانا ابو العطاء صاحب نے قرآن کریم ، احادیث ، اقوالِ بزرگان ، کتب مسیح موعود علیہ السلام ، لغتِ عرب سے ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں فیضانِ نبوت جاری ہے ۔ غیر مبائع مناظر نے نہایت واضح اقتباسات کو نظر انداز کر کے "منن الرحمٰن" کے ایک حوالہ پر بہت زور دیا لیکن جب اس حوالہ کا ترجمہ نیچے سے پڑھ کر سُنایا گیا تو کہنے لگے یہ ترجمہ غلط ہے لہذا حضرت صاحب کا نہیں ہو سکتا ۔ پھر کہا کسی غیر احمدی عالم سے دریافت کر لیا جائے کہ آیا ترجمہ غلط ہے یا صحیح ۔ جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے کہا گیا کہ ہم ہرگز کسی غیر احمدی عالم کو اس بارہ میں حَکَم ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں ۔ اس پر غیر مبائع مناظر نے اپنی پارٹی کے ایک مولوی صاحب کو کھڑا کرنا چاہا مگر انہوں نے بھی کہہ دیا کہ میں حضرت صاحب کے ترجمہ کو احمدی ہو کر کیسے غلط کہہ سکتا ہوں ۔ ازاں بعد غیر مبائع مناظر نے ایک غیر احمدی سے یہ کہلایا کہ یہ ترجمہ غلط ہے ۔ فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔[2]

---

[1] الفضل ۲ ؍ وفا ؍ ہش ۱۳۲۰ (۲ ؍ جولائی ۱۹۴۱ء) صفحہ ۵ + [2] الفضل ۱۲ ؍ نبوت ہش ۱۳۲۰ (۱۲ ؍ نومبر ۱۹۴۱ء) صفحہ ۶ ۔

تیسرا باب

رسالہ "فرقان" کے اجراء سے لیکر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے لیکچر نظامِ نو تک

خلافتِ ثانیہ کا انتیسواں (۲۹) سال

ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ مطابق صلح ۱۳۲۱ھش جنوری ۱۹۴۲ء تا ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ مطابق فتح ۱۳۲۱ھش دسمبر ۱۹۴۲ء

فصل اوّل

ماہنامہ "فرقان" کا اجراء

۱۳۲۱ھش (۱۹۴۲ء) کا آغاز قادیان کے ماہنامہ "فرقان" سے ہوتا ہے جو مجلس رفقاء احمدؐ کی طرف سے جاری کیا گیا۔ اس مجلس کے سب ارکان[۱]

---

[۱] مجلس کے ابتدائی ارکان :- ۱- مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری سابق مبلغ بلادِ عربیہ ۲- مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری ۳- شیخ ناصر احمد صاحب ۴- مولوی عبدالغفور صاحب فاضل ۵- مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی ۶- مولوی محمد سلیم صاحب ۷- شیخ عبدالقادر صاحب ۸- مولوی ظہور حسین صاحب فاضل ۹- مولوی تاج الدین صاحب لائلپوری ۱۰- صاحبزادہ عبدالمنان صاحب ایم۔اے ۱۱- حافظ قدرت اللہ صاحب مولوی فاضل ۱۲- مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز ۱۳- مرزا منور احمد صاحب مولوی فاضل ۱۴- محمد سعید احمد صاحب فاروقی ۱۵- قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی ۱۶- چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر ۱۷- مولوی محمد یار صاحب عارف ۱۸- ملک محمد عبداللہ صاحب ۱۹- مولوی علی محمد صاحب اجمیری ۲۰- مولوی احمد خان صاحب نسیم ۲۱- حافظ عبدالغفور صاحب جالندھری ۲۲- چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ ۲۳- ملک عطاء الرحمٰن صاحب ۲۴- سید اعجاز احمد صاحب مولوی فاضل ۲۵- چوہدری محمد شریف صاحب بی۔اے

(باقی اگلے صفحہ ۲۹۲ پر)

اور عہدیدار آنریری[51] کام کرتے اور حسب توفیق ماہوار چندہ بھی دیتے تھے۔ جس کی کم از کم مقدار چار آنہ مقرر تھی۔[52] چنانچہ اس مجلس نے سب سے پہلے ایک ٹریکٹ کی اشاعت کی۔ بعد ازاں حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کی تحریک پر صلح ۱۳۲۱ ہش / جنوری ۱۹۴۲ء سے "فرقان" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کر دیا۔

رسالہ "فرقان" کے پہلے پرچہ میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا مندرجہ ذیل ارشاد گرامی شائع ہوا:۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النّاصِرُ

میری تحریک پر بعض نوجوانوں نے لاہور کی انجمن احمدیہ اشاعت اسلام کی طرف سے جو ہماری نسبت اور سلسلہ احمدیہ جس کا مرکز قادیان ہے، کے عقائد کی نسبت بدظنیاں پھیلائی جاتی ہیں اُن کا جواب دینے کیلئے ایک ماہواری رسالہ کا اجراء کیا ہے۔ میں اس رسالہ کی پہلی اشاعت کے لئے یہ سطور بطور تعارف لکھ کر دے رہا ہوں۔ اور صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی نیتوں کو نیک کر کے کام کرو۔ کبر، ریاء اور نخوت سے آزاد ہو کر کام کرو۔ خدا تعالیٰ پر توکل کر کے کام کرو اس صورت میں خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تم اس جنگ سے فاتح لوٹو گے۔ خدا تعالیٰ تمہاری مدد کرے۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد
۲۲؍فتح ۱۳۲۰ ہش - ۲۲؍دسمبر ۱۹۴۱ء[53]

بقیہ حاشیہ: - ۲۶- مرزا محمد یعقوب صاحب ۲۷- صوفی عبدالقدیر صاحب بی۔ اے ۲۸- مولوی قمر الدین صاحب۔ ۲۹- حکیم عبداللطیف صاحب گجراتی ۳۰- مولوی محمد صدیق صاحب ۳۱- مولوی محمد دین صاحب مجاہد ۳۲- مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر ۳۳- چوہدری غلام لیسین صاحب بی۔ اے ۳۴- ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے ۳۵- مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور ۳۶- چوہدری عبداللطیف صاحب ۳۷- مولوی صدر الدین صاحب فاضل۔ ۳۸- میاں عبدالحی صاحب ۳۹- چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب خالد ۴۰- ملک سیف الرحمٰن صاحب مولوی فاضل ("فرقان" صلح ۱۳۲۱ ہش / جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۳۲)

[51] الفضل ۲؍صلح ۱۳۲۲ ہش / ۲۰؍جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

[52] رسالہ "فرقان" صلح ۱۳۲۱ ہش / جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۳۲ +

[53] رسالہ "فرقان" صلح ۱۳۲۱ ہش / جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ +

پہلے تین سالہ دَور میں رسالہ کی ادارت کے فرائض مولانا ابوالعطاء صاحب نے انجام دیئے اور نائب کے طور پر چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر نے کام کیا۔ ان تین برسوں میں رسالہ نے غیر مبائعین اصحاب پر نہایت درجہ معقولیت، سنجیدگی اور مدلّل طریق سے حجّت تمام کر دی جس سے ایک طرف سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں ٹھوس مستند اور قیمتی معلومات کا اضافہ ہوا اور دوسری طرف احمدی نوجوانوں اور دوسرے احمدیوں پر مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے اور اُن کے رفقاء کے عقائد و خیالات کی حقیقت بھی خوب واضح ہوئی۔ اور کئی سعید روحیں نظامِ خلافت سے بھی وابستہ ہوگئیں۔

رسالہ کے دوسرے دَور میں میاں عبدالمنان صاحب عمر مدیر تھے اور مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی، ملک عطاء الرحمٰن صاحب اور مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب نائب مدیر۔ "فرقان" کے دَورِ جدید کا ہر شمارہ غیر مبائعین اور بہائیوں کے متعلق مضامین پر مشتمل ہوتا تھا۔ رسالہ "فرقان" کا آخری ایشوع ظہور ۱۳۲۶ھش/اگست ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا جس کے بعد ہندو مسلم فسادات شروع ہوگئے اور اسے بند کر دینا پڑا۔[۱]

یہ رسالہ ایک ہزار کی تعداد میں چھپتا تھا اور کثیر تعداد میں غیر مبائعین اور بہائیوں کو مفت بھیجا جاتا تھا حکیم عبداللطیف صاحب منشی فاضل ہر دو دَور میں اس کے طابع و ناشر کے فرائض انجام دیتے رہے۔

مرکزی اسمبلی میں "قاضی بل" اور جماعتِ احمدیہ کا احتجاج

امان ۱۳۲۱ھش/مارچ ۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے کہ کانگرسی علماء[۲] کی کوششوں سے ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں ایک مسودہ قانون "قاضی بل" کے نام سے پیش کیا گیا۔ جس کا مفاد یہ تھا کہ مسلمانوں کا نکاح پڑھنے کے لئے سرکاری طور پر قاضی مقرر کئے جائیں جو شادیوں کا ریکارڈ رکھیں۔ اس بل کی بڑی دفعات یہ تھیں:-

۱۔ صوبائی حکومتیں موزوں اشخاص کو بطور قاضی مقرر کریں گی۔ نامزدگی ڈسٹرکٹ کمیٹیاں کریں گی۔

۲۔ ڈسٹرکٹ کمیٹی مندرجہ ذیل اشخاص پر مشتمل ہوگی:-

ڈسٹرکٹ جج۔ ڈپٹی کمشنر۔ ایک مسلم وکیل۔ میونسپل بورڈ کا ایک مسلم ممبر۔ دو علماء لیجسلیٹو اسمبلی کے مسلمان ممبر جو ضلع کی طرف سے منتخب شدہ ہوں۔ یہ ڈسٹرکٹ کمیٹی

---

[۱] رسالہ "فرقان" امان ۱۳۲۶ھش (مارچ ۱۹۴۷ء) صفحہ ۳۶ + [۲] پمفلٹ "مسلم لیگ کے شاندار اسلامی کارنامے" صفحہ ۲۔ (مرتّبہ جمعیۃ العلماء صوبہ دہلی۔ ناشر سید انظار الدین قاسمی) جمعیۃ العلماء کی طرف سے اس بل کا بظاہر یہ مقصد بتایا گیا کہ مسلمانوں کو اُن کے شرعی معاملات میں سہولتیں حاصل ہو جائیں گی۔ (ایضاً صفحہ ۲)

ضلع کے لئے قاضیوں کی تعداد اور اُن کے ناموں کی لوکل گورنمنٹ سے سفارش کرے گی۔
قاضیوں کے کام کی نگرانی کرے گی۔ اور وقتاً فوقتاً ان کے کام کے متعلق گورنمنٹ کو رپورٹ کریگی۔
۳۔ قاضی کے لئے ضروری ہو گا کہ وہ حسب ذیل مدرسوں کا فارغ التحصیل ہو:۔
دار العلوم دیو بند۔ مظہر العلوم سہارنپور۔ مدرسہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھوانی۔
مدرسہ شاہی مراد آباد۔ مدرسہ امروہہ۔ مدرسہ گولائی۔ مدرسہ بدایون۔ مدرسہ بریلی۔
مدرسہ الٰہیات کانپور۔ عربی مدرسہ الہ آباد[۱]

اس بل میں چونکہ اسلامی نکاحوں پر ناجائز قیود اور بے معنی پابندیاں عائد کر کے مسلمانانِ ہند کے لئے گوناگوں مشکلات پیدا کی گئی تھیں اور ملک کے تمام مختلف الخیال اسلامی فرقوں کے ایک اہم مذہبی و معاشرتی معاملہ کو سرکاری طور پر چند مخصوص مدرسوں کے فارغ التحصیل علماء کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا اس لئے احمدیہ پریس[۲] اور احمدیہ جماعتوں نے اس کے خلاف مؤثر آواز بلند کی۔ اور آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی اسی کی شدید مخالفت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "قاضی بل" اسمبلی میں پاس نہ ہو سکا اور مسلمانانِ ہند ایک نہایت درجہ ضرر رساں قانون کی زد سے بچ گئے۔

حکومت انگریزی سے شیخ الاسلام مقرر کرانیکی درخواست اور اخبار "الفضل"

ہندوستان کے مشہور و ممتاز عالم مولوی سید محمد سلیمان صاحب ندوی نے ۱۳۲۱ھش (۱۹۴۲ء) کے شروع میں "مسلمانانِ ہند کا نظامِ شرعی" کے عنوان سے ملکی اخبارات میں ایک مضمون شائع کیا جس میں ہندوستانی مسلمانوں کی پراگندگی اور زبوں حالی کا دردناک نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا:۔

"ہندوستان میں مسلمانوں میں مذہبی امور سخت انتشار اور بے ترتیبی کی حالت میں ہیں مسجدیں ویران ہیں۔ اماموں اور مؤذنوں کی حالت سخت قابلِ اصلاح ہے۔ مدرسے کس مپرسی میں پڑے ہیں۔ ہندوستان میں جس قدر مذہبی مدارس ہیں اُن میں کوئی باہمی نظم و سلسلہ نہیں۔ اوقاف کی حالت سخت قابلِ افسوس ہے۔ مسلمانوں کی ابتدائی مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ ملک کے بڑے بڑے رقبے مذہبی جہالت کی بناء پر اسلام اور حکومت دونوں کے لئے خطرناک ہیں۔ طلاق و نکاح فسق و تفریق کے ہزاروں معاملات جو رات دن پیش آتے رہتے ہیں تمام ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے انکا کوئی انتظام

---

[۱] الفضل ۱۳ امان ۱۳۲۱ھش مطابق ۱۳ مارچ ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۔ [۲] ملاحظہ ہو الفضل ۱۳۔ ۲۰۔ ۲۵ امان ۱۳۲۱ھش / مارچ و ۲ شہادت / اپریل ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء

نہیں۔ جناب مولوی صاحب موصوف نے مسلمانوں کی اس ناگفتہ بہ حالت کا علاج یہ تجویز کیا کہ حکومت انگریزی ایک مذہبی صیغہ قائم کرے جس کا ناظمِ اعلیٰ شیخ الاسلام ہو جو مسلمانوں کے انتخاب اور حکومت کی منظوری سے مقرر کیا جائے اور تنخواہ دار ہو۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:۔ "اسلام کی گذشتہ روایات اور موجودہ رسومِ جاریہ کے مطابق مسلمانوں کیلئے ایک مذہبی صیغہ ہندوستان میں قائم کیا جائے جس کا اعلیٰ عہدیدار شیخ الاسلام ہو جس کی عزت اور وقار کا سرکاری طور سے اعتراف کیا جائے اس کو ایک بڑی تنخواہ دے کر اس کے اعزاز کو بڑھایا جائے۔ اُس کا تقرر مسلمان جماعتوں کے انتخاب اور گورنمنٹ کی منظوری سے ہو۔ اس کے ماتحت صوبوں میں اور صوبوں کے ماتحت ضلعوں میں اس کے عہدیدار ہوں جو اپنے حدود کے انتظامات کریں"

اس مضمون کے آخر میں لکھا:۔ "گورنمنٹ کی اعانت کے بغیر یہ کام انجام نہیں پا سکتا۔"[۵]

اس مضمون کی اشاعت پر اخبار "الفضل" نے (اپنی ۲۴ ماہ شہادت ھ۱۳۲۱ش (۲۴ اپریل ۱۹۴۲ء) کی اشاعت میں) ایک ادارتی نوٹ لکھا جس میں اس تجویز کو غیر معقول اور ناقابلِ عمل قرار دیتے ہوئے بتایا کہ:۔

"موجودہ غیر مسلم حکومت کی قائم کردہ عدالتیں تو اکثر علماء کے نزدیک اس بات کی مجاز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے کسی جھگڑے کا فیصلہ کریں لیکن اس کا مقرر کردہ اور اس کا "تنخواہ دار شیخ الاسلام" مسلمانوں کو دین و دنیا کی برکات سے مالا مال کر دے گا۔ اُن کی مسجدوں کو آباد کر دے گا۔ اُن کے اماموں اور مؤذنوں کی اصلاح کر دے گا اور اُن کے ہر قسم کے جھگڑے فساد مٹا کر انہیں اسلام کی اصل تعلیم کا پابند بنا دے گا۔ یہ سب کچھ سہی مگر سوال یہ ہے کہ ایسا انسان حکومت کہاں سے ڈھونڈ کر لائیگی اگر ایسی قابلیت اور اس قسم کی استعداد رکھنے والا کوئی انسان ہندوستان کی سرزمین میں موجود ہی نہیں جو مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اُٹھا سکے اور اُن کی پراگندگی اور انتشار کو دُور کر کے ایک مسلک میں منسلک کر سکے۔ انہیں اسلامی تعلیم پر چلا سکے تو حکومت کیونکر مہیا کرے گی۔ لیکن اگر کوئی موجود ہے تو کیا وہ کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھا اس بات کا انتظار کر رہا ہے کہ گورنمنٹ انگریزی اُس کی عزت اور وقار کا سرکاری طور پر اعتراف کرے اور اُس کو ایک بڑی تنخواہ دے کر اُس کے اعزاز کو بڑھائے تب وہ نمودار ہو اور پھر مسلمانوں کی دینی اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ شان کسی دینی مصلح

---

[۵] بحوالہ الفضل ۲۴ شہادت ھ۱۳۲۱ش (۲۴ اپریل ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱ +

کی نہیں ہو سکتی ہاں ایک خود غرض اور نفس پرست انسان کی ہو سکتی ہے مگر اُس سے کسی قسم کی اصلاح کی توقع بالکل فضول ہے۔

افسوس مسلمانوں کی پراگندہ حالی نے اُن سے قوتِ غور و فکر بھی سلب کر لی ہے۔ وہ اوّل تو اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ اور اگر متوجہ ہوتے ہیں تو اس قسم کی سکیمیں بناتے اور ایسی تجاویز کے پیچھے پڑتے ہیں جو نہ تو قابلِ عمل ہوتی ہیں اور نہ اُن کا کوئی اچھا نتیجہ نکل سکتا ہے حکومتِ انگریزی سے تنخواہ دار "شیخ الاسلام" مقرر کرانے کی التجا بھی ایسی ہی ہے۔ اس سے یہ تو ممکن ہے کہ کسی عالم کہلانے والے کو معقول تنخواہ مل جائے اور وہ اپنے ڈھب کے مولویوں کو اپنے ماتحت عہدیدار مقرر کر کے حکومت کے تنخواہ دار ایجنٹ بنا دے۔ لیکن اس طرح مسلمانوں کی دینی لحاظ سے اصلاح ہو سکے اور دنیوی لحاظ سے وقار حاصل کر سکیں یہ قطعاً محال ہے۔ کاش مسلمان حکومت برطانیہ سے "شیخ الاسلام" مقرر کرانے کی بجائے خدا تعالیٰ کے حضور سچے دل سے التجا کریں کہ الٰہی ہمیں کسی ایسے مصلح کا دامن پکڑنے کی توفیق عطا فرما جسے تُو نے ہمارے لئے مقرر کیا ہو اور اسکی اطاعت کے لئے ہمارے دل کھول دے تاکہ ہم تیرا قرب اور تیری رضا حاصل کر سکیں"۔ [1]

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی شاندار فتح
شیخ الازہر علامہ محمود شلتوت کا فتویٰ وفاتِ مسیحؑ

جیسا کہ سلسلہ احمدیہ کی ابتدائی تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ مسیحیت کے بعد دنیائے اسلام کے سامنے جو مخصوص علم کلام پیش فرمایا اُس میں نظریہ وفاتِ مسیحؑ کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۹۱ء سے یعنی اُس زمانہ سے جبکہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہاماً انکشاف ہوا کہ مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اُس کے رنگ میں ہو کر وعدہ کے موافق آپ آئے ہیں[2] مخالف علماء نے نہ صرف آپ پر فتویٰ کفر لگایا بلکہ بڑے زور شور سے مسئلہ حیاتِ مسیحؑ کی تائید کے لئے مناظروں کا بازار گرم کر دیا اور اپنے موقف کی تائید میں پے در پے کتابیں اور رسائل شائع کرنے لگے۔ یہ علمی جنگ پوری شدّت سے جاری تھی کہ اس سال مشرقِ وسطیٰ کے بعض مسلم ممالک سے یکایک وفاتِ مسیحؑ کے حق میں ایک مفصّل فتویٰ شائع ہو گیا جس نے قائلین حیاتِ مسیحؑ کے کیمپ میں زبردست کھلبلی مچا دی۔

---

[1] الفضل ۲۴ر شہادت ۱۳۲۱ھش / اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۔ [2] ازالہ اوہام طبع اوّل صفحہ ۵۶۱-۵۶۲

یہ فتویٰ عالم اسلام کی قدیم ترین یونیورسٹی[1] جامعہ ازہر کی جماعت کبار العلماء کے رُکن فضیلۃ الاستاذ علامہ محمود شلتوت[2] کا تھا جو قاہرہ کے ہفت روزہ "الرسالہ" کی جلد ۱۰ شمارہ ۴۶۲ مؤرخہ ۱۱ مئی ۱۹۴۲ء میں "رفع عیسیٰ" کے عنوان سے شائع ہوا۔

علامہ محمود شلتوت کے فتویٰ کا مکمل متن

علامہ محمود شلتوت کے اس معرکۃ الآراء فتویٰ کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے:-

(ادارہ) وَرَدَ إِلَى مَشْيَخَةِ الْأَزْهَرِ الْجَلِيلَةِ مِنْ حَضْرَةِ عَبْدِ الْكَرِيمِ خَانَ بِالْقِيَادَةِ الْعَامَّةِ بِجُيُوشِ الشَّرْقِ الْأَوْسَطِ سُؤَالٌ جَاءَ فِيهِ " هَلْ عِيسَى حَيٌّ أَوْ مَيِّتٌ فِي نَظَرِ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ وَالسُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ، وَمَا حُكْمُ الْمُسْلِمِ الَّذِي يُنْكِرُ أَنَّهُ حَيٌّ - وَمَا حُكْمُ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ إِذَا فُرِضَ أَنَّهُ عَادَ إِلَى الدُّنْيَا مَرَّةً أُخْرَى؟ وَقَدْ حُوِّلَ هٰذَا السُّؤَالُ إِلَى فَضِيلَةِ الْأُسْتَاذِ الْكَبِيرِ الشَّيْخِ مَحْمُودِ شَلْتُوتَ عُضْوِ جَمَاعَةِ كِبَارِ الْعُلَمَاءِ فَكَتَبَ مَا يَأْتِي -

أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْقُرْآنَ الْكَرِيمَ قَدْ عَرَضَ لِعِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيمَا يَتَّصِلُ بِنِهَايَةِ شَأْنِهِ مَعَ قَوْمِهِ فِي ثَلَاثِ سُوَرٍ -

---

[1] مولانا محی الدین الالوائی ایم۔اے فاضل الازہر اپنی کتاب "عرب دنیا" میں لکھتے ہیں:- "یہ یونیورسٹی دنیا کی سب سے قدیم ترین یونیورسٹی ہے۔ جامعہ ازہر ۳۶۱ھ سے علمی ادبی اور مذہبی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جامعہ ازہر اپنے پیچھے ایک عظیم تاریخ رکھتا ہے...... جامعہ ازہر قاہرہ میں ہے اور قاہرہ شہر کے بانی المعزلدین اللہ الفاطمی نے اس کو قائم کیا تھا" (صفحہ ۳۸-۳۹ ناشر مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی)

[2] علامہ محمود شلتوت ۲۳ اپریل ۱۸۹۳ء کو منیہ بنی منصور (بحیرہ) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں عالمیہ نظامیہ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۲۷ء میں قاہرہ [illegible] التعلیم کے استاذ بنے۔ ۱۹۲۸ء میں جب الشیخ مراغی شیخ الازہر مقرر ہوئے تو آپ نے ازہر کی اصلاح و تجدید میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ ۱۹۳۵ء میں آپ کو کلیہ شریعۃ الاسلامیہ کی وکالت سپرد ہوئی۔ ۱۹۴۱ء میں آپ علماء کبار کی جماعت کے رکن تجویز کئے گئے۔ ۱۹۴۲ء میں آپ نے وفات مسیح سے متعلق معرکۃ الآراء فتویٰ دیا۔ ۱۹۵۷ء میں آپ مؤتمر اسلامی کے مشیر مقرر کئے گئے۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو منصب شیخ الازہر پر فائز کئے گئے اور دسمبر ۱۹۶۳ء میں انتقال فرما گئے۔ علامہ محمود شلتوت نے نہایت قابل قدر لٹریچر اپنے پیچھے علمی یادگار کے طور پر چھوڑا ہے (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "مجلۃ الازہر" جلد ۳۰ شمارہ ۴-۵ ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ)

١ - فِي سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ قَوْلُهُ تَعَالَى " فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ. قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ - إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ." ٥٢-٥٥ -

٢ - وَفِي سُورَةِ النِّسَاءِ قَوْلُهُ تَعَالَى. " وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا. بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا." ١٥٧، ١٥٨ -

٣ - وَفِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ قَوْلُهُ تَعَالَى - " وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ" - ١١٦ - ١١٧

هٰذِهِ هِيَ الْآيَاتُ الَّتِي عَرَضَ الْقُرْآنُ فِيهَا لِنِهَايَةِ شَأْنِ عِيسَى مَعَ قَوْمِهِ وَالْآيَاتُ الْأَخِيرَةُ (آيَةُ الْمَائِدَةِ) تَذْكُرُ لَنَا شَأْنًا أُخْرَوِيًّا يَتَعَلَّقُ بِعِبَادَةِ قَوْمِهِ لَهُ وَلِأُمِّهِ فِي الدُّنْيَا وَقَدْ سَأَلَهُ اللَّهُ عَنْهَا وَهِيَ تُقَرِّرُ عَلَى لِسَانِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ لَمْ يَقُلْ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرَهُ اللَّهُ بِهِ "اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ" وَأَنَّهُ كَانَ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مُدَّةَ إِقَامَتِهِ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُ لَا يَعْلَمُ مَا حَدَثَ مِنْهُمْ بَعْدَ أَنْ تَوَفَّاهُ اللَّهُ -

وَكَلِمَةُ "تَوَفَّى" قَدْ وَرَدَتْ فِي الْقُرْآنِ كَثِيرًا بِمَعْنَى الْمَوْتِ حَتَّى صَارَ

هٰذَا الْمَعْنٰى هُوَ الْغَالِبَ عَلَيْهَا الْمُتَبَادِرَ مِنْهَا وَلَمْ تُسْتَعْمَلْ فِيْ غَيْرِ هٰذَا الْمَعْنٰى إِلَّا وَبِجَانِبِهَا مَا يَصْرِفُهَا عَنْ هٰذَا الْمَعْنٰى الْمُتَبَادِرِ ـ

"قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ـ إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰئِكَةُ ظَالِمِيْ أَنْفُسِهِمْ ـ وَلَوْ تَرٰى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰئِكَةُ ـ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ـ وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفّٰى ـ حَتّٰى يَتَوَفّٰاهُنَّ الْمَوْتُ ـ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ ـ"

وَمِنْ حَقِّ كَلِمَةِ "تَوَفَّيْتَنِيْ" فِي الْآيَةِ أَنْ تُحْمَلَ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنَى الْمُتَبَادِرِ وَهُوَ الْإِمَاتَةُ الْعَادِيَّةُ الَّتِيْ يَعْرِفُهَا النَّاسُ وَيُدْرِكُهَا مِنَ اللَّفْظِ وَمِنَ السِّيَاقِ النَّاطِقُوْنَ بِالضَّادِ وَإِذَنْ فَالْآيَةُ لَوْ لَمْ يَتَّصِلْ بِهَا غَيْرُهَا فِيْ تَقْرِيْرِ نِهَايَةِ عِيْسٰى مَعَ قَوْمِهِ لَمَا كَانَ هُنَالِكَ مُبَرِّرٌ لِلْقَوْلِ بِأَنَّ عِيْسٰى حَيٌّ لَمْ يَمُتْ ـ

وَلَا سَبِيْلَ إِلَى الْقَوْلِ بِأَنَّ الْوَفَاةَ هُنَا مُرَادٌ بِهَا وَفَاةُ عِيْسٰى بَعْدَ نُزُوْلِهِ مِنَ السَّمَاءِ بِنَاءً عَلٰى زَعْمِ مَنْ يَرٰى أَنَّهُ حَيٌّ فِي السَّمَاءِ وَأَنَّهُ سَيَنْزِلُ مِنْهَا اٰخِرَ الزَّمَانِ لِأَنَّ الْآيَةَ ظَاهِرَةٌ فِيْ تَحْدِيْدِ عَلَاقَتِهِ بِقَوْمِهِ هُوَ لَا بِالْقَوْمِ الَّذِيْنَ يَكُوْنُوْنَ اٰخِرَ الزَّمَانِ وَهُمْ قَوْمُ مُحَمَّدٍ بِاتِّفَاقٍ لَا قَوْمُ عِيْسٰى ـ

أَمَّا اٰيَةُ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا تَقُوْلُ "بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ" وَقَدْ فَسَّرَهَا بَعْضُ الْمُفَسِّرِيْنَ بَلْ جُمْهُوْرُهُمْ بِالرَّفْعِ إِلَى السَّمَاءِ وَيَقُوْلُوْنَ إِنَّ اللّٰهَ أَلْقٰى عَلٰى غَيْرِهِ شِبْهَهُ وَرَفَعَهُ بِجَسَدِهِ إِلَى السَّمَاءِ فَهُوَ حَيٌّ فِيْهَا وَسَيَنْزِلُ مِنْهَا اٰخِرَ الزَّمَانِ فَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَعْتَمِدُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ ـ

أَوَّلًا عَلٰى رِوَايَاتٍ تُفِيْدُ نُزُوْلَ عِيْسٰى بَعْدَ الدَّجَّالِ وَهِيَ رِوَايَاتٌ مُضْطَرِبَةٌ مُخْتَلِفَةٌ فِيْ أَلْفَاظِهَا وَمَعَانِيْهَا اخْتِلَافًا لَا مَجَالَ مَعَهُ لِلْجَمْعِ بَيْنَهَا ـ وَقَدْ نَصَّ عَلٰى ذٰلِكَ عُلَمَاءُ الْحَدِيْثِ ـ وَهِيَ فَوْقَ ذٰلِكَ مِنْ رِوَايَةِ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ وَكَعْبِ الْأَحْبَارِ وَهُمَا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ الَّذِيْنَ اعْتَنَقُوا الْإِسْلَامَ وَقَدْ عُرِفَتْ دَرَجَتُهُمَا فِي الْحَدِيْثِ عِنْدَ عُلَمَاءِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ ـ

وَثَانِيًا عَلٰى حَدِيْثٍ مَرْوِيٍّ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ اُقْتُصِرَ فِيْهِ عَلَى الْإِخْبَارِ بِنُزُوْلِ عِيْسٰى

وَإِذَا صَحَّ هٰذَا الْحَدِيْثُ فَهُوَ حَدِيْثُ اٰحَادٍ - وَقَدْ اَجْمَعَ الْعُلَمَآءُ عَلٰى اَنَّ اَحَادِيْثَ الْاٰحَادِ لَا تُفِيْدُ عَقِيْدَةً وَلَا يَصِحُّ الْاِعْتِمَادُ عَلَيْهَا فِيْ شَأْنِ الْمُغَيَّبَاتِ -

وَثَالِثًا عَلٰى مَا جَآءَ فِيْ حَدِيْثِ الْمِعْرَاجِ مِنْ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَمَا صَعِدَ اِلَى السَّمَآءِ وَاَخَذَ يَسْتَفْتِحُهَا وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ فَتُفْتَحُ لَهٗ وَيَدْخُلُ رَاٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ هُوَ وَابْنَ خَالَتِهٖ يَحْيٰى فِي السَّمَآءِ الثَّانِيَةِ وَيَكْفِيْنَا فِيْ تَوْهِيْنِ هٰذَا الْمُسْتَنَدِ مَا قَرَّرَهٗ كَثِيْرٌ مِنْ شُرَّاحِ الْحَدِيْثِ فِيْ شَأْنِ الْمِعْرَاجِ وَفِيْ شَأْنِ اِجْتِمَاعِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَنْبِيَآءِ وَاَنَّهٗ كَانَ اِجْتِمَاعًا رُوْحِيًّا لَا جِسْمَانِيًّا اُنْظُرْ فَتْحَ الْبَارِيْ وَزَادَ الْمَعَادِ وَغَيْرَهُمَا وَمِنَ الطَّرِيْفِ اَنَّهُمْ يَسْتَدِلُّوْنَ عَلٰى اَنَّ مَعْنَى الرَّفْعِ فِي الْاٰيَةِ هُوَ رَفْعُ عِيْسٰى بِجَسَدِهٖ اِلَى السَّمَآءِ بِحَدِيْثِ الْمِعْرَاجِ بَيْنَمَا تَرٰى فَرِيْقًا مِنْهُمْ يَسْتَدِلُّ عَلٰى اَنَّ اِجْتِمَاعَ مُحَمَّدٍ بِعِيْسٰى فِي الْمِعْرَاجِ كَانَ اِجْتِمَاعًا جَسَدِيًّا بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى (بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ) وَهٰكَذَا يَتَّخِذُوْنَ الْاٰيَةَ دَلِيْلًا عَلٰى مَا يَفْهَمُوْنَهٗ مِنَ الْحَدِيْثِ دَلِيْلًا عَلٰى مَا يَفْهَمُوْنَهٗ مِنَ الْاٰيَةِ حِيْنَ يَكُوْنُوْنَ فِيْ تَفْسِيْرِ الْاٰيَةِ -

وَنَحْنُ اِذَا رَجَعْنَا اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى "اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ" فِيْ اٰيَاتِ اٰلِ عِمْرَانَ مَعَ قَوْلِهٖ "بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" فِيْ اٰيَاتِ النِّسَآءِ وَجَدْنَا الثَّانِيَةَ اَخْبَارًا عَنْ تَحَقُّقِ الْوَعْدِ الَّذِيْ تَضَمَّنَتْهُ الْاُوْلٰى وَقَدْ كَانَ هٰذَا الْوَعْدُ بِالتَّوْفِيَةِ وَالرَّفْعِ وَالتَّطْهِيْرِ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاِذَا كَانَتِ الْاٰيَةُ الثَّانِيَةُ قَدْ جَآءَتْ خَالِيَةً مِنَ التَّوْفِيَةِ وَالتَّطْهِيْرِ وَاقْتَصَرَتْ عَلٰى ذِكْرِ الرَّفْعِ اِلَى اللّٰهِ فَاِنَّهٗ يَجِبُ اَنْ يُلَاحَظَ فِيْهَا مَا ذُكِرَ فِي الْاُوْلٰى جَمْعًا بَيْنَ الْاٰيَتَيْنِ -

وَالْمَعْنٰى اَنَّ اللّٰهَ تَوَفّٰى عِيْسٰى وَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ وَطَهَّرَهٗ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَدْ فَسَّرَ الْاٰلُوْسِيُّ قَوْلَهٗ تَعَالٰى (اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ) بِوُجُوْهٍ مِنْهَا وَهُوَ اَظْهَرُهَا "اِنِّيْ مُسْتَوْفِيْ اَجَلَكَ وَمُمِيْتُكَ حَتْفَ اَنْفِكَ لَا اُسَلِّطُ عَلَيْكَ مَنْ يَقْتُلُكَ وَهُوَ كِنَايَةٌ عَنْ عِصْمَتِهٖ مِنَ الْاَعْدَآءِ وَمَا هُمْ بِصَدَدِهٖ مِنَ الْفَتْكِ بِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لأنّه يلزم من استيفاء الله أجله وموته حتف أنفه ذلك ظاهر أنّ الرّفع الّذي يكون بعد التّوفية هو رفع المكانة لا رفع الجسد خصوصًا وقد جاء بجانبه قوله (ومطهّرك من الّذين كفروا) ممّا يدلّ على أنّ الأمر أمر تشريف وتكريم. وقد جاء الرّفع في القرآن كثيرًا بهذا المعنى "في بيوت أذن الله أن ترفع". "نرفع درجٰت من نشاء". "ورفعنا لك ذكرك". "ورفعناه مكانًا عليًّا". "يرفع الله الّذين آمنوا..." الخ

وإذن فالتّعبير بقوله "ورافعك إليّ" وقوله "بل رفعه الله إليه". كالتّعبير في قولهم "لحق فلان بالرّفيق الأعلى". وفي "إنّ الله معنا" وفي "عند مليك مقتدر". وكلّها لا يفهم منها سوى معنى الرّعاية والحفظ والدّخول في الكنف المقدّس. فمن أين تؤخذ كلمة السّماء من كلمة (إليه)؟ اللّهمّ إنّ هذا لظلم للتّعبير القرآني الواضح خضوعًا لقصص وروايات لم يقم على الظّنّ بها فضلًا عن اليقين برهان ولا شبه برهان.

وبعد فما عيسى إلّا رسول قد خلت من قبله الرّسل ناصبه قومه العداء وظهرت على وجوههم بوادر الشّرّ بالنّسبة إليه فالتجأ إلى الله شأن الأنبياء والمرسلين فأنقذه الله بعزّته وحكمته وخيّب مكر أعدائه وهذا هو ما تضمّنته الآيات "فلمّا أحسّ عيسى منهم الكفر قال من أنصاري إلى الله" إلى آخرها بيّن الله فيها دقّة مكره بالنّسبة إلى مكرهم وأنّ مكرهم في اغتيال عيسى قد ضاع أمام مكر الله في حفظه وعصمته "إذ قال الله يا عيسى إنّي متوفّيك ورافعك إليّ ومطهّرك من الّذين كفروا" فهو يبشّره بإنجائه من مكرهم وردّ كيدهم في نحورهم وأنّه سيستوفي أجله حتّى يموت حتف أنفه من غير قتل ولا صلب ثمّ يرفعه الله إليه وهذا هو ما يفهمه القارئ للآيات الواردة في شأن نهاية عيسى مع قومه متى وقف على سنّة الله مع أنبيائه حين يتألّب عليهم خصومهم

ومتى خلا ذهنه من تلك الروايات التي لا ينبغي أن تحكم في القرآن ولست أدري كيف يكون إنقاذ عيسى بطريق انتزاعه من بينهم ورفعه بجسده إلى السماء مكرًا! وكيف يوصف بأنه خير من مكرهم مع أنه شيء ليس في استطاعتهم أن يقاوموه شيء ليس في قدرة البشر ألا إنه لا يتحقق مكر في مقابلة مكر إلا إذا كان جاريًا على أسلوبه غير خارج عن مقتضى العادة فيه وقد جاء مثل هذا في شأن محمد صلى الله عليه وسلم " وإذ يمكر بك الذين كفروا ليثبتوك أو يقتلوك أو يخرجوك ويمكرون ويمكر الله والله خير الماكرين " والخلاصة من هذا البحث :-

(١) أنه ليس في القرآن الكريم ولا في السنة المطهرة مستندًا يصلح لتكوين عقيدة يطمئن إليها القلب بأن عيسى رفع بجسمه إلى السماء وأنه حي إلى الآن فيها وأنه سينزل منها آخر الزمان إلى الأرض۔

(٢) أن كل ما تفيده الآيات الواردة في هذا الشأن هو وعد الله عيسى بأنه متوفيه أجله ورافعه إليه وعاصمه من الذين كفروا وإن هذا الوعد قد تحقق فلم يقتله أعداؤه ولم يصلبوه ولكن وفاه الله أجله ورفعه إليه۔

(٣) أن من أنكر أن عيسى قد رفع بجسمه إلى السماء وأنه فيها حي إلى الآن وأنه سينزل منها آخر الزمان فإنه لا يكون بذلك منكرًا لما ثبت بدليل قطعي فلا يخرج عن إسلامه وإيمانه ولا ينبغي أن يحكم عليه بالردة بل هو مسلم مؤمن إذا مات فهو من المؤمنين يصلى عليه كما يصلى على المؤمنين ويدفن في مقابر المؤمنين ولا شبهة في إيمانه عند الله والله بعباده خبير بصير۔

أما السؤال الأخير في الاستفتاء وهو (ما حكم من لا يؤمن به إذا فرض أنه عاد مرة أخرى إلى الدنيا) فلا محل له بعد الذي قررناه ولا يتجه السؤال عنه۔ والله أعلم۔

(محمود شلتوت) "

مندرجہ بالا عربی فتویٰ کا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

ترجمہ :۔ ازہر کی سب سے بڑی مجلس کے پاس جناب عبدالکریم خان صاحب[۵] نے جو ان دنوں مشرق وسطی کی فوجوں کی قیادت عامہ میں شامل ہیں ۔ایک استفسار بھیجا کہ کیا قرآن کریم اور سنّت نبویہ سے حضرت عیسیٰؑ فوت شدہ ثابت ہوتے ہیں یا زندہ ؟ نیز اس مسلمان کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو حیاتِ مسیحؑ کا منکر ہے ؟ اور اگر حضرت عیسیٰ کا دوبارہ دنیا میں آنا درست ہو تو جو شخص اس وقت ان پر ایمان نہ لائے گا اس کا کیا حکم ہے ؟ یہ استفسار جواب کے لئے جماعت کبار العلماء کے رُکن فضیلت الاستاذ علاّمہ محمود شلتوت کے سپرد کیا گیا ۔جنہوں نے حسب ذیل جواب تحریر کیا ہے :۔

امابعد قرآن کریم نے تین سورتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایسے طور پر ذکر فرمایا ہے جس سے اس انجام کا پتہ لگتا ہے جو ان کا اپنی قوم کے ساتھ ہوا ۔

۱ ۔ سورۃ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ (الآیۃ)

۲ ۔ سورۃ النِّسَآء میں آتا ہے وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ (الآیۃ)

۳ ۔ سورۃ المائدہ میں فرمایا ۔ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ (الآیۃ)

یہی آیات ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انجام کو قرآن پاک نے بیان کیا ہے ۔ آخری آیت (سورۃ مائدہ والی) اس معاملہ کا ذکر کرتی ہے جو دنیا میں نصاریٰ کے مسیح اور ان کی والدہ کی عبادت کرنے سے متعلق ہے اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں حضرت مسیحؑ سے سوال کیا ہے ۔ آیت مذکورہ حضرت مسیحؑ کی زبانی بتاتی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو ہمیشہ وہی کہا جس کا اللہ تعالیٰ نے انکو حکم دیا تھا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے نیز آیت بتلاتی ہے کہ جب تک حضرت عیسیٰؑ ان کے درمیان رہے اُن کے نگران تھے اور انہیں اپنی توفّی کے بعد اپنی قوم میں پیدا ہونے والے واقعات وحالات کا مطلقاً علم نہیں ہے ۔

لفظ توفّی قرآن مجید میں موت کے معنوں میں بکثرت آیا ہے یہاں تک کہ توفّی کے یہ معنے ہی غالب اور متبادر ہو گئے ہیں ۔ اور لفظ توفّی موت کے معنے کے سوا کسی اور معنی میں صرف اسی وقت استعمال ہوا ہے جبکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ پایا جاتا ہو جو اسے ان متبادر الی الذہن معنوں میں استعمال ہونے سے روکتا ہو ۔ آیاتِ ذیل

---

[۵] عبدالکریم خان صاحب یوسف زئی نومبر ۱۹۰۶ء میں بمقام کرپ (جہلم) پیدا ہوئے اور غالباً ۸ رجون ۱۹۳۳ء کو تحریری بیعت کرکے حلقہ بگوشِ احمدیت ہوئے (الحکم ۲۸ رجولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۹، ۱۰) دوسری جنگ عظیم کے دوران آپ مشرق وسطی میں مقیم تھے اور اسی زمانہ میں آپنے علماء مصر سے یہ فتویٰ طلب کیا تھا جس پر مخالفین نے پوری کوشش کی کہ آپ کو مصری عدالت میں گھسیٹا جائے مگر ناکام رہے ۔ افسوس!! ۱۳۲۲ہش (۱۹۴۳ء) میں پونچھ میں شہید کر دیئے گئے ۔ (الفضل ۳ ر ظہور ۱۳۲۲ہش)

بطور نمونہ یہ ہیں :—

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْ اَنْفُسِھِمْ ۔ وَلَوْ تَرٰی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ ۔ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا ۔ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ ۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۔

اور آیت قرآنی فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ میں لفظ تَوَفَّیْتَنِیْ کا حق ہے کہ اُسے مذکورہ بالا متبادر معنوں پر ہی محمول کیا جائے اور وہ یہ کہ توفّی کے معنے موت کے ہیں۔ اس لفظ کے یہ معنے تمام لوگ جانتے ہیں اور خود لفظ توفّی سے نیز آیت کے سیاق سے بھی سب عربی بولنے والے یہی معنی سمجھتے ہیں۔ اندریں صورت اگر اس آیت میں کچھ اور نہ ملایا جائے جس سے مسیحؑ کے انجام کی وضاحت کی جائے تو یہ کہنے کی ہرگز گنجائش نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ فوت نہیں ہوئے یا یہ کہ زندہ ہیں۔ اس آیت میں اس رکیک تاویل کا بھی موقعہ نہیں کہ وفات سے مراد اسجگہ وہ وفات ہے جو آسمان سے اُترنے کے بعد واقع ہوگی۔ یہ تاویل وہ لوگ کرتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان میں زندہ ہیں اور وہی آخری زمانہ میں آسمان سے اُترینگے کیونکہ زیر نظر آیت واضح طور پر اس تعلق کی حدبندی کر رہی ہے جو ان کا اپنی قوم سے تھا باقی وہ لوگ جو آخری زمانہ میں ہیں وہ تو بالاتفاق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰؑ کی قوم اسلئے ان سے حضرت عیسیٰؑ کا کیا تعلق ؟

سورۃ نساء کی آیت میں "بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ" آیا ہے۔ بعض بلکہ اکثر مفسّرین نے اس کی تفسیر آسمان پر اٹھائے جانے کے ساتھ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے مسیح کی شکل کسی اَور پر ڈال دی اور انہیں جسم سمیت آسمان پر اُٹھالیا۔ وہ اب آسمان میں زندہ ہیں۔ وہاں سے آخری زمانہ میں اُتریں گے۔ سوٴروں کو قتل کرینگے اور صلیبوں کو توڑیں گے مفسّرین اپنے اس عقیدہ کی بنیاد اوّل تو اُن روایات پر رکھتے ہیں جو بتاتی ہیں کہ عیسیٰؑ دجّال کے بعد نازل ہونگے۔ یہ روایات مضطرب ہیں۔ ان کے الفاظ اور معانی میں اتنا شدید اختلاف ہے کہ تطبیق ناممکن ہے خود علماء حدیث نے اس کی تصریح کی ہے۔ علاوہ ازیں یہ وہب بن منبہ اور کعب الاحبار کی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہوئے تھے۔ علماءِ جرح و تعدیل کے نزدیک ان راویوں کا جو درجہ ہے وہ آپ خود جانتے ہیں۔ دوسری بنیاد مفسّرین کے نزدیک حضرت ابوہریرۃؓ کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے نزولِ عیسیٰ کی خبر ذکر کرنے پر حصر کیا ہے۔ یہ حدیث اگر صحیح بھی ہو تو بھی حدیث احاد ہے اور علماء کا اسپر اجماع ہے کہ احادیث احاد

کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں بن سکتیں اور نہ پیشگوئیوں کے سلسلہ میں اُن پر اعتماد کیا جاسکتا ہے مفسّرین کے دعویٰ کی تیسری بنیاد حدیث معراج ہے جس میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر گئے تو یکے بعد دیگرے آسمان کھلتے جاتے تھے اور حضور اُن میں داخل ہوتے جاتے تھے اسی اثناء میں حضور نے دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰؑ اور اُن کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰؑ کو دیکھا۔ ہمارے نزدیک اِس سند سے اس استدلال کی کمزوری ظاہر کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اکثر شارحین حدیث نے معراج کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبیوں سے ملنا صرف رُوحانی قرار دیا ہے اور جسمانی ملاقات کی نفی کی ہے ملاحظہ ہو فتح الباری زاد المعاد وغیرہ۔ کتنی عجیب بات ہے کہ مفسّرین بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رفع کے معنے حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر لے جانے کا استدلال حدیث معراج سے کرتے ہیں جبکہ ان میں سے ہی ایک گروہ حدیث معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات کو جسمانی قرار دینے کیلئے آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے سند پکڑتا ہے گویا اس طرح جب وہ حدیث کی شرح کرنے لگتے ہیں تو اپنے مفہوم کے لئے آیت کو دلیل گردانتے ہیں اور جب آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو اپنے مفہوم کے لئے آیت پر حدیث کو دلیل بنا لیتے ہیں۔

ہم جب سورۃ آل عمران کی آیت اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ کو سورۃ نساء کی آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ سے ملاتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ مؤخر الذکر آیت میں پہلی آیت کے وعدہ کے ایفاء کی خبر دی گئی ہے اور یہ وعدہ وفات، رفع اور کفار کے الزامات سے تطہیر کا تھا۔ دوسری آیت (بل رفعه الله اليه) میں اگرچہ وفات اور تطہیر کا ذکر موجود نہیں صرف رفع الی اللہ کا بیان ہے لیکن ضروری ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے وقت دونوں آیتوں کو اکٹھا کرنے کے لئے پہلی آیت میں مذکور جملہ امور کو ملحوظ رکھا جائے۔ پس معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو وفات دی اُن کا رفع فرمایا اور کفار سے انہیں تطہیر بخشی۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کی تفسیر میں متعدد معانی ذکر کئے ہیں۔ جن میں سے زیادہ واضح اور موزون تر یہ ہیں کہ اے عیسیٰ! مَیں تیری مدّت حیات کو مکمل کرکے تجھے طبعی موت سے وفات دینے والا ہوں، تجھ پر اُن کو مسلط نہ ہونے دونگا جو تجھے قتل کردیں۔ یہ دشمنوں سے محفوظ رکھنے

اور اُن کے منصوبہ قتل سے بچانے کے لئے کنایہ ہے کیونکہ خدا کے پوری عمر دینے اور طبعی عمر سے وفات دینے سے یہی لازم آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو رفع بعد وفات ہوتا ہے وہ مرتبہ کی بزرگی کے معنوں میں ہی ہوتا ہے نہ کہ جسم کا اٹھانا بالخصوص جبکہ رَافِعُكَ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قول وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بھی موجود ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر صرف حضرت مسیحؑ کے اعزاز و تکریم کا معاملہ مذکور ہے۔ لفظ رفع اِن معنوں میں قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے جیسا کہ آیاتِ ذیل سے ظاہر ہے :۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ + نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ + وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ + وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا + يَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا +

پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد رَافِعُكَ اِلَيَّ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں اسی مطلب کو ظاہر کیا ہے۔ جو عربوں کے قول لَحِقَ فُلَانٌ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى اور آیت اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ نیز عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِن تمام الفاظ سے بجز نگہداشت، نگرانی اور خدائی حفاظت میں داخل ہو جانے کے کچھ اور مُراد نہیں ہوتا۔ نامعلوم لفظ اِلَيْهِ سے آسمان کا لفظ کیسے نکال لیا گیا ہے۔ یقیناً یہ قرآن کریم کی واضح عبارت پر ظلم ہے اور محض اُن روایات اور قصّوں کو ماننے کی بناء پر یہ ظلم کیا گیا ہے جن کی یقینی صحت تو کُجا ظنّی صحت پر بھی کوئی دلیل یا آدھی دلیل بھی قائم نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں حضرت عیسیٰؑ محض ایک رسول تھے۔ ان سے پہلے رسول گذر چکے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی قوم نے اُن سے دشمنی کی اور ان کے متعلق ان کے بُرے ارادے ظاہر ہو گئے۔ تب وہ جملہ انبیاء و مرسلین کی سنّت کے مطابق ذاتِ باری کی طرف ملتجی ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے غلبہ و حکمت کے مطابق اُن کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بچایا اور اُن کے منصوبہ کو ناکام کر دیا۔ یہی وہ امر ہے جو آیت قرآنیہ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ الخ میں مذکور ہوا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے کفار کی تدبیر کی نسبت اپنی تدبیر کے زیادہ مخفی ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے تباہ کرنے کے لئے جو مکر کیا تھا اس خدائی تجویز کے سامنے جو حضرت عیسیٰؑ کی حفاظت کے لئے تھی ناکام ہو گیا۔ فرمایا اِذْ قَالَ اللّٰهُ

یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسیحؑ کو بشارت دی ہے کہ وہ دشمنوں کی تدبیر کو ناکام کر دے گا اور مسیحؑ کو اُن کے مکر سے بچائیگا۔ مسیحؑ کو پوری عمر دے گا یہاں تک کہ مسیحؑ قتل وصلب کے بغیر طبعی موت سے فوت ہوگا پھر خدا اس کا رفع کرے گا۔ یہ وہ مفہوم ہے جو ہر پڑھنے والے کو ان آیات سے سمجھ آتا ہے۔ جن میں حضرت عیسیٰؑ کے انجام کی خبر دی گئی ہے بشرطیکہ وہ پڑھنے والا خدا تعالیٰ کی اس سنّت سے واقف ہو جو وہ نبیوں کے ساتھ اختیار کرتا رہا ہے جبکہ اُن کے دشمن اُن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ نیز اس قاری کا ذہن ان روایات سے بھی خالی ہو جو کسی صورت میں قرآن مجید پر حَکَم نہیں بن سکتیں۔

میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہود کے درمیان سے چھین کر آسمان پر لے جانا مکر کیسے کہلا سکتا ہے؟ اور پھر اُسے اُن کی تدبیر سے بہتر تدبیر کیسے قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ اس کا مقابلہ کرنا یہود کی اور نہ کسی اَور کی طاقت میں ہے۔ یاد رکھیئے کہ لفظ مکر کا اطلاق اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ وہ بات اسی طریق پر ہو اور عادت سے خارج نہ ہو۔ چنانچہ بالکل اسی طرح کی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وارد ہوئی ہے۔ فرمایا:-

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ۔

خلاصہ بحث :- مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) قرآن مجید اور احادیث نبویؐ میں کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے جو تسلی بخش طریق پر اس عقیدہ کی بنیاد بن سکے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے جسم سمیت آسمان پر اٹھالئے گئے ہیں اور وہ اب تک وہاں زندہ ہیں اور وہیں سے کسی وقت زمین پر نازل ہونگے۔

(۲) اس بارے میں آیات قرآنیہ صرف یہ ثابت کررہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے وعدہ فرمایا کہ وہ اُن کی مدّتِ عمر کو پورا کرے گا۔ اور پھر اس کا اپنی طرف رفع کرے گا اور اسے کافروں سے بچائیگا۔ اور یہ کہ یہ وعدہ پورا ہوچکا۔ دشمن حضرت عیسیٰؑ کو نہ قتل کرسکے نہ صلیب سے مار سکے بلکہ اللہ نے انکی مدّت زندگی کو پورا کرکے اُن کو وفات دی اور اُن کا رفع کیا۔

(۳) یقیناً جو شخص حضرت عیسیٰؑ کے زندہ جسم سمیت آسمان پر جانے اور آج تک وہاں بیٹھے رہنے

اور آخری زمانہ میں اُترنے کا منکر ہے وہ کسی ایسی بات کا منکر نہیں جو کسی قطعی دلیل سے ثابت ہو پس ایسا شخص اپنے اسلام و ایمان سے ہرگز خارج نہیں ہوتا۔ اور اُس کو مرتد قرار دینا ہرگز مناسب نہیں بلکہ وہ پکا مومن مسلم ہے۔ جب وہ فوت ہوگا تو مومن ہوگا۔ اس کی نماز جنازہ اسی طرح پڑھی جائے گی جس طرح مومنوں کی پڑھی جاتی ہے اور اُسے مومنوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اللہ کے نزدیک ایسے شخص کے ایمان میں کوئی داغ نہیں ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو جاننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

باقی رہا استفتاء میں مندرج آخری سوال کہ اگر حضرت عیسیٰؑ دوبارہ آئیں گے تو اُن کے منکر کا کیا حکم ہوگا؟ تو ہمارے مندرجہ بالا بیان کے بعد اس سوال کا کوئی موقعہ ہی نہیں اور یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

محمود شلتوت

فتویٰ کا ردِّ عمل

اس فتویٰ کا منظرِ عام پر آنا ہی تھا کہ مصر کے قدامت پرست علماء نے علامہ محمود شلتوت کے خلاف مخالفت کا زبردست طوفان کھڑا کر دیا اور اخبارات میں سبّ وشتم اور طعن و تشنیع سے بھرے ہوئے سخت اشتعال انگیز مضامین شائع کئے اور لکھا کہ یہ فتویٰ قادیانیوں کی موافقت میں ہے اور یہی وہ کامیاب ہتھیار ہے جس سے قادیانی ہمارے ساتھ مباحثات و مناظرات کرتے ہیں اور یہ فتویٰ قادیانیت کی عظیم الشان فتح ہے اس لئے ازہر کو چاہیئے کہ اس کو واپس لے لے۔

علماء مصر ازہر نے اس فتویٰ پر کس قدر گھبراہٹ اور پریشانی کا اظہار کیا؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے ذیل میں فضیلۃ الاستاذ الشیخ عبداللہ محمد الصدیق الغماری کے ایک مضمون کے بعض اہم اقتباسات[1] کا اردو ترجمہ دیا جاتا ہے۔ الشیخ محمد الصدیق الغماری نے لکھا:—

"ایک ہندوستانی عبدالکریم نامی نے ایک سوال مشائخ ازہر کے نام ارسال کیا جس میں یہ دریافت کیا گیا کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام از روئے قرآن کریم و حدیث زندہ ہیں یا وفات یافتہ۔

یہ اس سوال کا خلاصہ ہے۔ اگر سائل کا مقصد استفادہ اور استرشاد کا ہوتا تو وہ اس سوال کا جواب اُن ہندوستانی علماء کی کتب میں دیکھتا جو اس موضوع میں اردو اور عربی زبان میں تحریر کی گئی ہیں۔

[1] جناب شیخ نور احمد صاحب منیر مبلّغ بلادِ عربیہ کے ایک مفصّل مضمون (مطبوعہ الفضل ۲۹/ وفا ۱۳۲۵ھش رجولائی ۱۹۴۶ء) سے ماخوذ۔

لیکن یہ ہندوستانی اس سوال سے مستفید ہونا نہیں چاہتا تھا بلکہ وہ تو اس فتویٰ کو باقاعدہ قانونی طریقہ سے حاصل کرکے اپنے دعاوی کے اثبات میں بطور ایک دلیل اور سہارا بنانا چاہتا تھا۔ اس کا یہ حیلہ کارگر ہوگیا اور دنیا کے عجائبات میں سے ایک اعجوبہ ہوگیا ہے بلکہ یہ حیلہ اپنی نوع کے لحاظ سے اوّل نمبر پر ہے۔

یہ وہ اعجوبہ ہے جس سے ایک اندھے ہندوستانی نے ایک عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے چنانچہ الرسالۃ والروایۃ کے ۶۲ ۴ صفحہ میں ایک فتویٰ شیخ محمود شلتوت کے دستخطوں سے شائع ہوا ہے جس کا عنوان "رفع عیسیٰ" ہے اور اس فتویٰ کا مضمون یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حقیقی موت سے وفات پا چکے ہیں۔ اور آپ کا رفع آسمان کی طرف نہیں ہوا۔ اور نہ ہی وہ آخری زمانہ میں نزول فرمائیں گے۔ اور اس بارہ میں جتنی احادیث وارد ہیں وہ احاد کا درجہ رکھتی ہیں اور عقائد کے بارہ میں احاد کا کوئی درجہ نہیں۔ نیز یہ راویت وہب بن منبہ اور کعب الاحبار کی ہے اور ان دونوں کا درجہ محدثین کے نزدیک معروف ہے یعنی غیر مقبولین اور غیر ثقتین۔

یہ وہ فتویٰ ہے جس نے امت محمدیہ کے اجماع کو پاش پاش کر دیا ہے اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فتویٰ اس وجہ سے ایک بہت بڑی مصیبت اور ایک اہم واقعہ ہے۔ اس فتویٰ میں پہلی غلطی تو یہ ہے کہ اس کا دینے والا جلد باز معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب قاری اس فتویٰ اور غیر مصر کے علماء کی تحقیق کے درمیان موازنہ کرے گا تو وہ مندرجہ ذیل امور پر پہنچیگا کہ جامعہ ازہر کو علم حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ نتیجہ اس سے نکلتا ہے کہ مفتی نے دعویٰ کیا ہے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث احاد میں سے ہے۔ دوسرے اُسے اس حدیث کی صحت میں شک ہے جو کہ بخاری شریف اور مسلم میں موجود ہے۔ سوم وہ مفتی کہتا ہے کہ حدیث نزول وھب اور کعب سے مروی ہے۔ چہارم اس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ دونوں راوی ضعیف ہیں۔ حالانکہ ان کی احادیث صحیح ہیں۔ اور پنجم یہ کہ احادیث نزول میں اضطراب پایا جاتا ہے۔

دوم۔ ازہر میں کوئی ایسا فرد نہیں پایا جاتا جو اجماع اور خلاف کے مواقع کو جانتا ہو کیونکہ مفتی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور نزول سے انکار کیا ہے۔ دوم یہ کہ احاد احادیث عقائد اور مغیبات میں عمل نہیں ہوتا۔ یہ وہ امور ہیں جو قاری کے ذہن میں موازنہ کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس فتویٰ کو ازہر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ ازہر کے علماء کبار میں سے

ایک عالم نے یہ فتویٰ دیا ہے۔ اور لوگ آجکل ظاہری حالات کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور وہ جزو کو کُل پر محمول کرتے ہیں چاہے وہ صحیح امر کے خلاف ہی ہو۔

قادیانی جماعت نے اس فتویٰ کو اپنے لئے بطور ایک دلیل اور ہتھیار اختیار کر لیا ہے اور اس فتویٰ کو لے کر وہ مسلمانوں کے پاس جاکر ان کو بیوقوف بناتے اور اُن کے خیال کو خطا پر محمول کرتے ہیں اور وہ خوش اور مسرور ہیں اور وہ کامیاب اور فخمنار لہجہ میں کہتے ہیں هٰذا هُوَ ذَا الْاَزْهَرُ مُوَافِقُنَا وَ يُخَالِفُكُمْ فَلَيْسَ عِيْسٰى بِحَيٍّ وَلَا هُوَ مَرْفُوْعٌ وَ لَا هُوَ نَازِلٌ كَمَا تَزْعَمُوْنَ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ۔

یہ وہ جامعہ ازہر کا فتویٰ ہے جو ہماری تائید میں ہے اور تمہارے مخالف۔ پس عیسیٰ علیہ السلام نہ تو زندہ ہیں اور نہ ہی انکو آسمان پر اُٹھایا گیا ہے اور نہ ہی وہ تمہارے گمان اور خیال کے مطابق آسمان سے نزول فرمائیں گے تم کس خیال میں گھوم رہے ہو ....

ہم نے اس فتویٰ اور ان حالات کو بچشم دید دیکھا اور حضرت مفتی صاحب سے کہدیا جو کچھ اس فتوے کے متعلق سُنا اور دیکھا اور اس کی وجہ سے جو کچھ ہُوا اور جو آئندہ ہوگا اس کا بھی ذکر کیا مگر مفتی صاحب نے اس کا یہ جواب دیا اَنَا اَبْدَيْتُ رَاْيِيْ وَلَا يَضُرُّنِيْ اَنْ اُوَافِقَ الْقَادِيَانِيَّةَ اَوْ غَيْرَهُمْ۔ یعنی میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے قادیانی جماعت یا غیر کی تائید مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی ....

اِسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا:۔ بعض اوقات مصلحت عامہ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ بعض آراء کو ظاہر نہ کیا جائے اور ان کو زاویۂ خمول اور طاقِ نسیان میں رکھ دیا جائے۔ حضرت مفتی صاحب عالمِ مریخ میں زندگی بسر نہیں کرتے کہ اُن کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ ان کو زمانہ کے حالات کا علم نہیں۔ سرزمین ہند میں ایک گروہ جو قادیانی فرقہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس کی بحث اور کلام کا نکتۂ مرکزی موتِ عیسیٰ اور عدم رفع ہے۔ اِس جماعت نے اپنے مبلغین ترکی البانیہ۔ شام۔ مصر۔ امریکہ اور انگلستان وغیرہ میں بھیجے ہوئے ہیں ....

.... مفتی صاحب پر یہ واجب تھا کہ وہ اِس گروہ کی مخالفت کر کے خدا کا قرب حاصل کرتے اور مسلمانوں کی تائید کرتے۔ اگر وہ اس خیال سے بھی نہ کرتے تو کم از کم اُن علماء کبار کی

تائید کرتے جنہوں نے اپنی زندگی ان قادیانیوں کے دفاع کی خاطر وقف کر رکھی ہے۔

اے مفتی: تجھے تیرے رب کی ہی قسم ہے دیکھ کہ ہمارے ان ہندوستانی علماء بھائیوں کی کیا حالت ہوگی جنہوں نے کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کو، احادیث سے اور حیات عیسیٰ و رفع عیسیٰ کو ثابت کر دیا .... جب ان کو قادیانی جماعت کے ذریعہ سے یہ اطلاع ہوگی کہ ازہر اُن کی مخالفت کرتا ہے اور اس کی رائے ہے کہ ان مسائل میں نہ تو کوئی دلیل ہے اور نہ شبہ دلیل۔ خدا کی قسم میں تجھ سے پھر پوچھتا ہوں کہ وہ کیا کہیں گے؟ اور اُن کی کیا حالت ہوگی؛ مجھے یقین ہے کہ علماءِ ہند دو احتمالوں میں مبتلا ہو جائیں گے اور وہ دونوں ہی عار کا باعث ہیں۔ یا تو وہ یہ کہیں گے کہ ازہر علماء سے خالی ہو چکا ہے۔ یا وہ کتب ستہ یعنی صحاح ستہ اور کتب تفاسیر اور اُن کی احادیث کی کتب سے جو کہ اہل علم کے درمیان متداول ہیں اُن سے ناواقف ہیں۔ یا وہ اس امر کا اظہار کریں گے کہ علماء ازہر میں دینی جرأت نہیں ہے جو کہ خصوصاً ایک مومن کے شامل حال ہونی چاہیئے۔ چاہے وہ پہلی رائے کا اظہار کریں یا دوسری کا جامعہ ازہر کا رتبہ اُن کی آنکھوں سے گر جائے گا۔ اور قلوب سے تعظیم جاتی رہے گی اور علمائے ازہر کے متعلق وہ شاعر کا یہ قول پڑھیں گے ؎

وَاِخْوَانًا حَسِبْتُمُوْا دُرُوْعًا　　فَكَانُوْهَا، وَلٰكِنْ لِلْاَعَادِيْ

اور کئی بھائی ہیں جن کو میں نے اپنے لئے زرہ یعنی بچاؤ کا ذریعہ خیال کیا تھا۔ بے شک وہ آفات و مصائب سے بچانے کے لئے زرہیں تھیں لیکن حقیقت میں دشمنوں نے اُن سے فائدہ اٹھایا۔ [1]

الشیخ نے علامہ شلتوت کو وفات مسیح علیہ السلام کا صاف صاف اقرار کرنے کی پاداش میں بُرا بھلا کہنے کے علاوہ ان کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا:-

(۱) استاذ شلتوت نے اپنی رائے کے اظہار میں غلطی کی ہے۔ مفتی کو چاہیئے کہ وہ قواعد افتاء اور اصول سے کماحقہٗ واقف ہو۔ انہیں چاہیئے تھا کہ وہ از روئے علم غور سے دیکھتے اس معاملہ میں جو اُن کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور وہ مستفتی (فتویٰ دریافت کرنیوالے) کے

---

[1] بحوالہ الفضل ۸ رفا ۱۳۲۵ھش (۸ رجولائی ۱۹۴۶ء) صفحہ ۴: ۵

احوال کا خیال رکھتے ہوئے فتویٰ دیتے۔ نیز یہ خیال کرتے کہ اس سوال کا مقصد کیا تھا۔ کیونکہ بعض اوقات مفتی کے سامنے ایسا واقعہ پیش کرنے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ اُسے فتنہ برپا کرنے میں بطور جواب استعمال کیا جائے۔ اس لئے مفتی کو چاہیئے کہ وہ بیدار اور روشن بصیرت والا ہو اور سوال کے مطابق جواب دے جیسے علماء سابقین کیا کرتے تھے ...."

یہ فتوے ہمارے ایک ہندوستانی احمدی بھائی بابو عبدالکریم صاحب یوسف زئی نے دریافت کیا تھا اُن کے متعلق شیخ الغماری نے تحریر کیا:۔

"ایک ہندوستانی فوجی جو کہ چوبیس گھنٹے موت کے مُنہ کے سامنے کھڑا ہے اور وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ محتاج ہے کہ وہ احکام توبہ پر عمل کرے اور مظالم سے خلاصی کا طریقہ معلوم کرے اور حقوق اللہ والعباد کا علم حاصل کرے۔ کیونکہ ان حالات میں اسے ان باتوں کی معرفت زیادہ ضروری ہے لیکن اُسے کیا سوجھتا ہے؟ یہ کہ حضرت عیسیٰ زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں، وہ آسمان سے نزول فرمائیں گے یا نہیں؟ اُسے یہ کیا خیال آیا اور ان سوالات سے اُسے کیا تعلق؟ کیا اس نے تمام عقائد سے واقفیت حاصل کر لی ہے۔ اور اُس کے لئے سوائے اس عقیدہ کی تحقیق کے کوئی چیز باقی نہیں رہی؟ کیا اس نے ہر واجب علم حاصل کر لیا ہے؟ کیا احکام الصلوٰۃ والصوم کو اُس نے معلوم کر لیا؟ اور سمجھ لیا ہے؟ اگر فاضل استاذ جلدی نہ کرتے اور ان سوالوں پر غور کرتے تو وہ حقیقی راز معلوم کر لیتے جس کی وجہ سے یہ امر دریافت کیا گیا تھا اور پھر اس کو درست جواب دیتے لیکن علامہ شلتوت نے ان امور پر غور نہ کیا اور جلدی سے جواب دیکر ایک بہت بڑی مصیبت خرید لی ہے۔"[۱]

علامہ محمود شلتوت کی طرف سے علماء کو مدلل اور مسکت جواب

الغرض الشیخ عبداللہ محمد الصدیق الغماری اور دوسرے مصری علماء نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ علامہ شلتوت فتویٰ وفات مسیح واپس لے لیں مگر علامہ موصوف نے قرآن و حدیث کو چھوڑ کر نام نہاد علماء کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے صاف انکار کر دیا

---

[۱] الفضل ۹ر وفا ۱۳۲۵ہش (۹ر جولائی ۱۹۴۶ء) صفحہ ۴ +

اور خم ٹھوک کر میدانِ مقابلہ میں آگئے اور "الرسالۃ والروایۃ" کی پانچ اشاعتوں میں[۵۱] مخالفین کے چھوٹے بڑے سب اعتراضات کے عالمانہ رنگ اور شستہ اور پاکیزہ زبان میں نہایت درجہ مدلّل اور مسکت جوابات دیئے جن سے مسئلہ وفاتِ مسیح کے تمام پہلو بالکل نمایاں ہو کر سامنے آگئے۔

کتاب "الفتاوٰی" میں اشاعت

علاّمہ محمود شلتوت نے ایک عرصہ بعد اپنا یہ مکمل فتوٰی اور اس پر اعتراضات کے جوابات کا ملخص اپنی مشہور کتاب "الفتاوٰی" میں بھی چھاپ دیا۔[۵۲] یہ کتاب قاہرہ کے مشہور ادارہ "الادارۃ العامۃ للثقافۃ الاسلامیۃ" نے جمادی الآخرہ ۱۳۷۹ھ (دسمبر ۱۹۵۹ء) میں شائع کی جبکہ علاّمہ محمود شلتوت شیخ الازہر (RECTOR OF AL-AZHAR UNIVERSITY CAIRO) کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ اس طرح اس فتوٰی کو[۵۳] مصری حکومت کے مفتی اعظم کے سرکاری فتوٰی کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

فصل دوم

قادیان کے غرباء کے لئے غلّہ کی تحریک اور اس کا شاندار اثر

اس سال کے شروع میں ہندوستان کے اندر خطرناک قحط رونما ہوگیا اور غلّہ کی سخت قلت ہوگئی۔ اس ہولناک قحط کے آثار ماہ صلح ۱۳۲۱ہش/فروری ۱۹۴۲ء میں شروع ہوگئے تھے لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جنہیں خدائی بشارتوں میں "یوسف" کے نام سے بھی پکارا گیا تھا سالانہ جلسہ ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء پر احباب جماعت کو توجہ دلائی کہ انہیں غلّہ وغیرہ کا انتظام کرنا چاہیئے اور اعلان فرمایا کہ جو دوست غلّہ خرید سکتے ہیں وہ فوراً خرید لیں۔ بعض نے خریدا مگر بعض نے توجہ نہ دی کہ ہمارے پاس پیسے ہیں جب چاہیں گے لے لیں گے۔ مگر جب آٹا وغیرہ ملنا بند ہوا اور سیاہ دالوں کی گندم ڈیوڑھی دی

۵۱؎ ملاحظہ ہو الرسالۃ جلد ۱۱ شمارہ ۵۱۴، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹ (ایضاً "الفتاوٰی" صفحہ ۵۹-۷۵، ناشر "الادارۃ العامۃ للثقافۃ الاسلامیہ" جمادی الآخرہ ۱۳۷۹ھ (دسمبر ۱۹۵۹ء) ۵۲؎ علاّمہ محمود شلتوت نے یہ کتاب شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلادِ عربیہ کو بطور تحفہ دی تھی جو آجتک ان کے پاس موجود ہے۔ ۵۳؎ مجلۃ الازہر فروری ۱۹۶۰ء میں بھی یہ فتوٰی انگریزی زبان میں چھپ چکا ہے جس کا اردو ترجمہ مہتمم نشر و اشاعت صدر انجمن احمدیہ ربوہ (پاکستان) نے "رفع عیسیٰ علیہ السلام" کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

جانے لگی تو انکو اپنی غلطی کا احساس ہوا ۔ اس کے بعد جب فصل نکلی تو حضور نے پھر ارشاد فرمایا کہ دوست غلّہ جمع کرلیں ۔ اور ساتھ ہی زمیندار دوستوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ وہ غلّہ زیادہ پیدا کریں اور اسے حتی الوسع جمع رکھیں[1] ۔ اس ضمن میں حضور نے ۲۲ ہجرت ۱۳۲۱ ہش / ۲۲ مئی ۱۹۴۲ء کو ملک کی سب احمدی جماعتوں کو نصیحت فرمائی کہ وہ ہر جگہ اپنے غریب احمدی بھائیوں کے لئے غلّہ کا انتظام کریں ۔ نیز خاص طور پر یہ تحریک فرمائی کہ قادیان کے غرباء کے لئے زکوٰۃ کے رنگ میں اپنے غلّہ میں سے چالیسواں حصّہ بطور چندہ ادا کریں ۔ اور جو لوگ غلّہ نہ دے سکیں وہ رقم بھجوادیں کہ ہماری طرف سے اتنا غلّہ غرباء کو دے دیا جائے ۔ مقصود یہ تھا کہ غرباء کو کم از کم اتنی مقدار میں تو گندم مہیّا کر دی جائے کہ وہ سال کے آخری پانچ مہینوں[2] میں جو گندم کی کمی کے مہینے ہوتے ہیں بآسانی گذارہ کر سکیں ۔ اور تنگی اور مصیبت کے وقت انہیں کوئی تکلیف نہ ہو ۔ اس غرض کے لئے حضور نے پانچسو من غلّے کا مطالبہ جماعت سے فرمایا ۔ اور اس میں سے بھی پچاس من خود دینے کا وعدہ کیا ۔ چنانچہ فرمایا :-

" مومنوں کے متعلق قرآن کریم میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ وہ بھوک اور تنگی کے وقت غرباء کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں اور درحقیقت ایمان کے لحاظ سے یہی مقام ہے جس کے حاصل کرنے کی ہر مومن کو کوشش کرنی چاہیئے ۔ مگر موجودہ زمانہ میں ہمیں وہ نمونہ دکھانے کا موقعہ نہیں ملتا جو صحابہ نے مدینہ میں دکھایا ۔ اس لئے ہمیں کم سے کم اس موقعہ پر غرباء کی مدد کر کے اپنے اس فرض کو ادا کرنا چاہیئے جو اسلام کی طرف سے ہم پر عائد کیا گیا ہے ۔ اور اگر ہم کوشش کریں تو اس مطالبہ کو پورا کرنا کوئی بڑی بات نہیں ۔ پانچسو من غلّے کا اندازہ بھی درحقیقت کم ہے ۔ اور یہ بھی سارے سال کا اندازہ نہیں بلکہ آخری پانچ مہینوں کا اندازہ ہے جبکہ قحط کا خطرہ ہے ۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آئندہ فصل اچھی کر دے اور جوار وغیرہ نکل آنے کی وجہ سے گندم سستی ہو جائے ۔ بہرحال ہم میں سے ہر ایک کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے غریب بندے خدا تعالیٰ کے رزق کے ہم سے کم حصہ دار نہیں ۔ خدا کی نامعلوم کس حکمت نے ہم کو رزق دے دیا اور اُن کو نہیں دیا شاید خدا تعالیٰ کو ہمارا امتحان منظور ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ ہم اس رزق کو کس طرح استعمال

---

[1] تقریر فرمودہ جلسہ سالانہ ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء (مطبوعہ الفضل ۲۸ تبلیغ ۱۳۲۴ ہش / ۲۸ فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۴) [2] یعنی دسمبر سے اپریل تک کے مہینے ۔

کرتے ہیں یا شاید بعض کے لئے اس میں سزا کا کوئی پہلو مخفی ہو ۔ یا شاید اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں ثواب دینا چاہتا ہو کہ چونکہ ان کو رزق نہیں ملا اسلئے تم ان کو رزق دے کر اللہ تعالیٰ سے ثواب حاصل کرو ۔ نامعلوم ان تینوں باتوں سے کونسی بات اللہ تعالیٰ کے مدِّنظر ہے ۔ لیکن بہرحال یہ یقینی بات ہے کہ غریب بندے خدا تعالیٰ کے رزق میں ہم سے کم حصہ دار نہیں اور ہم میں سے کوئی فرد ایسا نہیں جو بشر ہونے کے لحاظ سے ایک غریب پر فوقیت رکھتا ہو ۔ بلکہ بشر ہونے کے لحاظ سے نبی اور کافر بھی برابر ہوتے ہیں ۔ قرآن کریم میں بار بار اللہ تعالیٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے ۔ قُلْ مَآ اَنَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ یعنی اے رسول! کہدے ۔ ابوجہل سے کہدے ، عتبہ سے کہدے ، شیبہ سے کہدے کہ بشر ہونے کے لحاظ سے مَیں تمہاری طرح ہی ہوں اور مجھ میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ۔ اگر فرق ہے تو یہ کہ مَیں نے خدا تعالیٰ کے قرب کو پا لیا اور تم نے اس کا انکار کرکے اُسے ناراض کر دیا ۔ اگر تم بھی نیکی اور تقویٰ اختیار کرو اور تم بھی قربانیوں میں حصہ لو ۔ تو اللہ تعالیٰ تم کو بھی ویسا ہی محبوب بنا سکتا ہے جیسے اس نے اور لوگوں کو بنایا ۔ آخر خدا نے ابوجہل کو ابوجہل اور ابوبکرؓ کو ابوبکرؓ اسلئے بنایا کہ ابوبکرؓ نے اپنی بشریت کا صحیح استعمال کیا ۔ ابوجہل نے صحیح استعمال نہ کیا ۔ اگر ابوجہل بھی اپنی بشریت کا صحیح استعمال کرتا تو وہ بھی ابوبکرؓ بن جاتا ۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں جن کے ماتحت وہ کسی کو رزق دے دیتا ہے اور کسی کو نہیں دیتا ۔ یہ بات غلط ہے کہ اگر کوئی عالِم ہو تو اسے رزق مل جاتا ہے اور اگر عالِم نہ ہو تو رزق نہیں ملتا ۔ ہزاروں انٹرنس پاس ہیں جو چار چار سو پانچ پانچ سو روپیہ تنخواہ لے رہے ہیں اور ہزاروں بی ۔ اے اور ایم ۔ اے ہیں جنہیں بیس بیس تیس تیس روپے کی بھی نوکری نہیں ملتی اور اگر ملتی ہے تو عارضی طور پر ۔ پس یہ کوئی خدا کی مشیت ہے جس کے ماتحت وہ اپنے بندوں کا امتحان لیتا رہتا ہے ۔ ہر شخص کو کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہو ۔"[1]

---

[1] الفضل ۳۰ ہجرت ۱۳۲۱ ہش (۳۰ مئی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۷ و ۸ ۔

غلہ کی تحریک کی دو اہم اغراض حضور کے مدنظر اس اہم تحریک کی دو اغراض تھیں۔ جن کی حضور نے خود ہی وضاحت فرمائی کہ :۔

"اس اعلان کے کرنے میں میری دو غرضیں ہیں .... ایک تو یہ کہ قرآن کریم نے خرچ کرنے کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں۔ اُن اقسام میں سے ایک قسم خرچ کی اپنے دوستوں اپنے رشتہ داروں اور اپنے بھائیوں کی امداد ہے .... مگر یہ اخراجات ان معنوں میں صدقہ نہیں کہلاتے جن معنوں میں غرباء کو روپیہ دینا صدقہ کہلاتا ہے۔ عربی زبان میں صدقہ کا مفہوم بہت وسیع ہے اور اس میں صرف اتنی بات داخل ہے کہ اپنے اس خرچ کے ذریعہ سے اس تعلق کا ثبوت دیا جائے جو انسان کو اپنے پیدا کرنے والے سے ہے۔ صدقہ کے معنے خداتعالیٰ سے اپنے سچے تعلق کا اظہار ہے .... تو صدقہ کی کئی اقسام ہیں اور لوگ عام طور پر قرآنی صدقہ کی بہت سی قسموں سے غافل ہوتے ہیں۔ پس اس تحریک سے میرا ایک مطلب تو یہ ہے کہ عربی زبان میں صدقہ کا جو مفہوم ہے وہ بھی پورا کرنے کا دوستوں کو موقعہ مل جائے اور یہ مفہوم یہ نہیں کہ ردّ بلا کے لئے خرچ کیا جائے بلکہ یہ ہے کہ خداتعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خرچ کیا جائے۔ پس میرا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جن دوستوں کو پہلے ایسا خرچ کرنے کا موقعہ نہیں ملا انہیں اس کا موقع مل جائے اور نیکی کا یہ خانہ خالی نہ رہے۔

دوسری غرض میری یہ ہے کہ ہماری جماعت میں یہاں بھی اور باہر بھی بعض سادات قابل امداد ہیں اور سادات کو معروف صدقہ دینا منع ہے۔ پس اگر یہ انہی معنوں میں صدقہ کی نیت سے دیا جائے جو ہمارے ملک میں اس کا مفہوم ہے تو اس سے ہم سادات کی مدد نہیں کر سکتے۔ ہاں ہدیہ اور تحفہ سے ان کی مدد بھی کر سکتے ہیں۔ تحفہ انسان ماں باپ بھائی بہن بیوی بچوں دوستوں رشتہ داروں غرضیکہ سب کو دے سکتا ہے۔ پس میری یہ دو اغراض ہیں جن کی وجہ سے مَیں نے کہا ہے کہ جو دوست میری اس تحریک میں حصہ لیں وہ صدقہ کی نیت نہ کریں"[۱]

اس اہم تحریک پر قادیان میں سب سے پہلے مولوی ملک سیف الرحمٰن صاحب، مولوی عبدالکریم صاحب (ابن حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحبؓ) اور میاں مجید احمد صاحب ڈرائیور نے وعدے بھجوائے جس پر

---

[۱] الفضل ۵ احسان ۱۳۲۱ھش / جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۱، ۲ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ ہجرت ۱۳۲۱ھش / مئی ۱۹۴۲ء)۔

حضور نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے تحریر فرمایا :-

"آج (۲۲ رمئی) مَیں نے خطبہ جمعہ میں اس امر کی تحریک کی ہے کہ قادیان کے غرباء کے لئے بھی غلّہ کا انتظام کیا جائے تاکہ جن دنوں میں غلّہ کم ہو انہیں تکلیف نہ ہو۔ پانچسو من غلّہ کے لئے مَیں نے جماعت سے مطالبہ کیا ہے۔ قادیان سے باہر میری کچھ زمین ہے وہ بٹائی پر دی ہوئی ہے کچھ گرو ہے جو پھر واپس مقاطعہ پر لی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس دفعہ فصل ماری گئی ہے اس کا مقاطعہ اور گورنمنٹ کا معاملہ اور اوپر کے اخراجات ادا کر کے کوئی پچاس من غلّہ بچتا ہے۔ وہ سب مَیں نے اس تحریک میں دے دیا ہے۔ اس کے علاوہ اس وقت تک مندرجہ ذیل وعدے آئے ہیں :-

مولوی سیف الرحمٰن صاحب ۱۶ سیر غلّہ - مولوی عبدالکریم صاحب خلف مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم ایک من

میاں مجید احمد صاحب ڈرائیور ایک من

خدا کی قدرت ہے کہ سب سے پہلے لبیک کہنے کی توفیق اُن کو ملی ہے جو خود غریب ہیں۔ شاید تبھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی وروحی) نے فرمایا ہے کہ خدا تعالےٰ مجھے غرباء میں شامل کرے۔ اس تحریک میں چندہ غلّہ کی صورت میں لیا جائے گا - یعنی گو بھیجنے والا روپیہ ارسال کرے مگر اس کا وعدہ غلّہ کی صورت میں ہونا چاہیئے - اس کے روپیہ وعدہ کے مطابق غلّہ خرید دیا جائیگا - لمبا وعدہ کوئی صاحب نہ کریں۔ جو ایک مہینہ کے اندر غلّہ دے سکیں وہی وعدہ کریں -

خاکسار مرزا محمود احمد (۲۲ رمئی)"[۵]

بیرونی جماعتوں میں سب سے پہلے وعدے بھجوانے والی جماعت لائل پور تھی - چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ۲۹ رہجرت ۱۳۲۱ھش (۲۹ رمئی ۱۹۴۲ء) کے خطبہ جمعہ میں فرمایا :-

"باہر کی جماعتوں میں سے سب سے بڑھ کر حصہ لینے والی اور اوّل نمبر حاصل کرنے والی لائلپور کی جماعت ہے۔ اس جماعت نے سب سے پہلے اور فوری طور پر اور جماعتی رنگ میں اپنا وعدہ بھجوایا۔ اس کے سوا باہر کی کوئی ایسی جماعت نہیں جس نے اِس وقت تک جماعتی طور پر حصہ لیا ہو

---

۵ الفضل ۲۴ رہجرت ۱۳۲۱ھش (۲۴ رمئی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۲ +

گو یہ جماعت چھوٹی ہے اور اس لحاظ سے اس نے حصہ بھی تھوڑا ہی لیا ہے اور خطبہ شائع ہونے سے بھی پہلے لیا ہے اور اجتماعی رنگ میں لیا ہے اور اس وجہ سے وہ بیرونی جماعتوں میں سے اوّل نمبر نے گئی ہے سوائے اُن جماعتوں کے جن تک ابھی یہ اطلاع نہیں پہنچی اور نہ پہنچ سکتی تھی۔"[۱]

یہ تو صرف اوّلیت کا شرف پانے والے افراد کا تذکرہ کیا گیا ہے ورنہ قادیان اور قادیان سے باہر دوسری مخلص احمدی جماعتوں نے اس تحریک پر جس والہانہ انداز میں لبیک کہا۔ اس کا نظارہ ہمیں سلسلۂ مامورین کے سوا کہیں نظر نہیں آتا۔ اُن سے مطالبہ صرف پانچسو من غلہ کا کیا گیا تھا مگر انہوں نے پندرہ سو من جمع کر دیا[۲] جس پر حضرت امیرالمومنین رضؓ نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا :۔

"میں نے تحریک کی تھی کہ غرباء کے لئے بھی دوست بطور امداد غلّہ جمع کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے قادیان کے غرباء کو پندرہ سو من گندم جو ان کی پانچ ماہ کی خوراک ہے تقسیم کی گئی اور انہیں ہدایت کی گئی کہ وہ اسے آخری پانچ ماہ کے لئے محفوظ رکھیں۔ اور خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ قحط بھی عین اسی وقت شروع ہوا۔ میں نے کہا تھا کہ جن لوگوں کو یہ گندم مہیا کی گئی ہے وہ اسے دسمبر میں کھانا شروع کریں۔ اور قحط بھی دسمبر میں ہی شروع ہوا ہے۔ یہ بھی نظام کی ایک ایسی خوبی ظاہر ہوئی ہے کہ ساری دنیا میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ کہ ہر غریب کے گھر میں پانچ ماہ کا غلّہ جمع کر دیا گیا۔"[۳]

قادیان کی دوسری احمدی آبادی کیلئے غلّہ کا انتظام اور مخلصین کا شاندار نمونہ۔

یہ تو غرباء کی بات ہے جہاں تک قادیان کی دوسری احمدی آبادی کا تعلق تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ارشاد پر صدر انجمن احمدیہ کے کارکنوں کو غلّہ کے لئے پیشگی رقم دے دی گئی تھی اور جو احمدی از خود غلّہ خرید سکتے تھے انہوں نے ذاتی کوشش سے خرید لیا مگر بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے استطاعت کے باوجود بر وقت غلّہ کا انتظام نہ کیا اور غفلت کا ثبوت دیا۔ ایسے لوگوں کے لئے بھی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایت اور بیرونی جماعتوں کے تعاون سے گندم کا انتہائی تسلّی بخش انتظام کر دیا گیا جس کی تفصیل خود حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے بیان کی جاتی ہے۔ حضور فرماتے ہیں :۔

---

[۱] الفضل ۵ ر احسان ۱۳۲۱ھش / جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱ [۲] الفضل ۲ فتح ۱۳۲۱ھش / دسمبر ۱۹۴۲ء [۳] الفضل ۲۸ تبلیغ ۱۳۲۴ھش / فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۴

باہر کے بعض لوگوں نے اس موقعہ پر قادیان والوں کی مدد کی ہے اور انہوں نے میری ہدایت پر نہایت اخلاص سے عمل کیا ہے۔ چنانچہ میں اُس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں جس کی کوئی اور نظیر مجھے ساری جماعت میں نہیں ملی۔ اور وہ چوہدری عبداللہ خان صاحب داتہ زید کا والوں کی مثال ہے۔ انہوں نے گذشتہ سال شروع میں ہی اپنی ضرورت سے زائد گندم محفوظ کر لی۔ تاکہ اگر قادیان والوں کو دَوران سال میں ضرورت پیش آجائے تو وہ دے سکیں۔ چنانچہ اس کے بعد جب گندم کی قیمتیں بہت زیادہ چڑھ رہی تھیں انہوں نے گورنمنٹ کے مقرر کردہ ریٹ پر اڑھائی سو من غلّہ ہمیں مہیّا کر دیا۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے تو اس سے پہلے چھ بلکہ سات روپے پر منڈی میں اسے فروخت کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے غلّے کو روکے رکھا اور جلسہ سالانہ پر مجھ سے کہا کہ ہم نے آج تک اپنے غلّہ کو اس لئے روک رکھا ہے کہ اگر قادیان والوں کو ضرورت ہو تو ہم انہیں دے دیں۔ تم خود سوچ لو کہ ایک زمیندار کی یہ کس قدر قربانی ہے کہ وہ اپنے غلّہ کو اچھے داموں پر فروخت نہیں کرتا محض اس لئے کہ اگر قادیان والوں کو ضرورت پیش آگئی تو ان کا کیا انتظام ہوگا۔ غرض یہ ایک ایسے اخلاص کی مثال ہے جس کے مقابلہ میں اس معاملہ میں مجھے کوئی دوسری مثال اپنی جماعت میں سے نہیں ملی گو ایسی جماعت میں جو خدا تعالیٰ کی جماعت ہو اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہونی چاہئیں۔ بعض جماعتوں نے بے شک ایسا نمونہ دکھایا۔ چنانچہ قادیان میں جب غلّہ کی سخت قلّت ہو گئی تو سرگودھا کی جماعت نے تمام جماعتوں سے بڑھ کر غلّہ مہیّا کر کے دیا۔ مگر یہ ایک جماعت کی مثال ہے اور چودھری عبداللہ خان صاحب کی مثال ایک فرد کی ہے۔ سرگودھا کی جماعت نے اس موقعہ پر ہمیں ۲۲۸ من غلّہ مہیّا کر کے دیا۔ اسی طرح شیخوپورہ کے ضلع والوں نے تقریباً ۸۰ من غلّہ دیا۔ بعض اور دوستوں نے بھی اپنے طور پر بعض واقف غیر احمدیوں سے غلّہ لے کر بھجوایا۔ ضلع منٹگمری کی طرف سے ۱۳۴ من غلّہ پہنچا۔ اور اسی طرح ان سب جماعتوں نے اپنے اپنے درجہ کے مطابق اخلاص اور محبت کا ثبوت دیا۔ بہرحال ان دنوں میں اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے قادیان والوں کو جو سہولتیں میسر آسکتی تھیں وہ باہر کی جماعتوں کی قربانی کی وجہ سے میسر آگئیں۔ بیرونی شہروں میں ان دنوں غلّہ کی قلّت کی وجہ سے لوگوں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ جو لوگ اخبارات پڑھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ لوگوں کو آٹے کیلئے سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ "انقلاب" اخبار میں بھی کئی دفعہ یہ بات

چھپی ہے کہ تھوڑے سے آٹے کے لئے لوگوں کو کئی کئی گھنٹے ڈپو کے سامنے کھڑے رہنا پڑتا تھا۔
مگر قادیان میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسا کوئی دن نہیں آیا جب کسی شخص کو آٹے کے لئے اسقدر تکلیف ہوئی ہو۔ سوائے اس کے کہ کسی نے بہت ہی نادانی کرکے اپنے حق کو زائل کر دیا ہو کیونکہ یہاں یا تو لوگوں کو غلّہ کے لئے قرض روپے دے دیئے گئے تھے یا غرباء میں غلّہ مفت تقسیم کر دیا گیا تھا۔ یا پھر باہر کی جماعتوں نے قادیان والوں کے لئے غلّہ مہیا کر دیا تھا جو قادیان والوں کو باہر کے ریٹوں سے بہت سستا دیا جا رہا تھا۔ جب باہر سوا چھ اور سات روپے گندم کا بھاؤ تھا ہم قادیان میں سوا پانچ روپے پر دیتے رہے اور جب باہر آٹھ اور نو روپیہ ریٹ تھا ہم سات روپیہ پر دیتے رہے اور جب باہر گندم سولہ روپے پر بک رہی تھی ہم نے جو انتظام کیا اُس کے مطابق قادیان والوں کو آٹھ روپے پر گندم ملتی رہی۔ گویا باہر کے بھاؤ میں اور اُس بھاؤ میں جس پر ہم نے قادیان میں گندم دی دو گنا فرق تھا۔ اس وقت بھی ہمارے پاس کچھ گندم باقی تھی مگر باوجود اس کے کہ اس وقت امرتسر میں ساڑھے نو اور دس روپیہ قیمت ہے میں نے دفتر والوں سے کہا اعلان کر دو کہ جن لوگوں نے روپیہ جمع کرا دیا ہوا ہے وہ آٹھ روپیہ کے حساب سے گندم لے لیں اور وہ نہ لیں تو دوسروں کو اسی قیمت پر گندم دیں۔
درحقیقت یہ قیمت بھی اس لئے مقرر کرنی پڑی کہ جب گندم بہت گراں ہو گئی تو اس وقت بعض جگہ ساڑھے نو اور پونے دس روپے پر گندم خریدی گئی مگر اس کے مقابلہ میں بعض احمدیوں نے ہمیں سستی گندم دے دی۔ اس لحاظ سے ہمیں اوسطاً آٹھ روپے قیمت مقرر کرنی پڑی۔ ورنہ جو گندم ہم نے آٹھ روپے پر فروخت کی ہے اس کا کچھ حصہ ایسا ہے جو ساڑھے نو اور دس پر خریدا گیا ہے۔ مگر چونکہ اس کے مقابلہ میں بعض احمدیوں سے سستی گندم مل گئی اس لئے تمام اخراجات ملا کر ایک اوسط قیمت مقرر کر دی گئی اور اس طرح قادیان والوں کو باہر کے مقابلہ میں پھر بھی سستی گندم مل گئی"۔[۸]

مجلس ارشاد کے ماتحت علمی تقریروں کا سلسلہ

حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ کو ہر وقت یہ تڑپ رہتی تھی کہ سب احمدی سلطان القلم حضرت

---

[۸] الفضل ۲۰ شہادت ۱۳۲۲ھش (۲۰ اپریل ۱۹۴۳ء) صفحہ ۲ و ۳

مسیح موعود علیہ السلام کے حقیقی معنوں میں وارث بن جائیں اور حضور علیہ السلام کی طرح اسلام کی خوبیوں اور قرآنی معارف کے بیان کرنے اور غیر مذاہب کے ردّ اور اُن کے اعتراضات کے دفاع میں ہر وقت منہمک رہیں۔ اسی غرض سے آپ نے قادیان میں مجلس ارشاد قائم کی تھی جو بہت مفید کام انجام دے رہی تھی[۵۱] اِس مجلس کے زیر انتظام آپ نے اِس سال علمی تقریروں کا ایک مفید سلسلہ جاری فرمایا۔ جو آپ کی وفات (امان ہش ۱۳۲۳ / مارچ ۱۹۴۴ء) تک برابر جاری رہا۔ اِس تعلق میں آپ کی زیر صدارت پہلا علمی جلسہ ۲۳؍ ہجرت ہش ۱۳۲۱ / ۲۳؍ مئی ۱۹۴۲ء کو مسجد اقصیٰ قادیان میں بعد نماز مغرب منعقد ہوا۔ جس میں حسب ذیل مقالے پڑھے گئے :۔

۱۔ "مسیحؑ اور ان کی والدہ کا مسِّ شیطان سے پاک ہونا۔" (مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل)

۲۔ "مسیحؑ کا مُردے زندہ کرنا۔" (ڈاکٹر حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ڈی ڈی پی ایچ ڈی)

۳۔ "مسیحؑ کا خالقِ طیور ہونا" (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب بی۔ اے آکسن)

۴۔ "مسیحؑ کا بن باپ پیدا ہونا" (مولوی عبدالمنان صاحب مولوی فاضل ایم۔ اے علیگ)

۵۔ "مسیحؑ کا روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونا" (حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ)[۵۲]

یہ پانچوں مقالے نہایت پُرمغز اور بہت معلومات افزا تھے۔ جن میں سے چار "ریویو آف ریلیجنز اردو" کی مختلف اشاعتوں میں بھی چھپ گئے۔[۵۳]

نماز باجماعت کے لئے حضرت امیرالمومنینؓ کا تاکیدی ارشاد

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں یہ افسوسناک اطلاعات موصول ہوئیں کہ قادیان کے بعض احمدی نمازوں میں سُست ہیں۔ حضور نے ۵؍ احسان / جون ہش ۱۳۲۱ / ۱۹۴۲ء کو خاص طور پر اسی مسئلہ پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں نماز باجماعت کی شرعی اہمیت واضح کرنے کے بعد انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کا فرض مقرر فرمایا کہ وہ قادیان میں اس امر کی نگرانی رکھیں کہ نمازوں کے اوقات میں کوئی دکان کھلی نہ رہے اور نماز کے متعلق ہر شخص اپنے ہمسایہ کی اس طرح جاسوسی کرے جس طرح پولیس مجرموں کی جاسوسی کا کام کرتی ہے۔ نیز فرمایا کہ میں اس کے بعد ان لوگوں کو مذہبی مجرم سمجھوں گا جو

---

۵۱ الفضل ۲۱؍ ہجرت ہش ۱۳۲۱ (۲۱؍ مئی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱ + ۵۲ الفضل ۲۱-۲۶؍ ہجرت ہش ۱۳۲۱ (۲۱/۲۶؍ مئی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۲-۱

۵۳ ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز اردو احسان/جون - وفا/جولائی - ظہور/اگست ہش ۱۳۲۱ / ۱۹۴۲ء و صلح/جنوری ہش ۱۳۲۲ / ۱۹۴۳ء -

نماز باجماعت ادا نہیں کریں گے۔ اور انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کو قومی مجرم سمجھوں گا کہ انہوں نے نگرانی کا فرض ادا نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ہی حضور نے بیرونی جماعتوں کو بھی توجہ دلائی کہ "انہیں بھی اپنے بچوں اور نوجوانوں اور عورتوں اور مردوں کو نماز باجماعت کی پابندی کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اگر اس بات میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے تو وہ ہرگز خدا تعالیٰ کے حضور سرخرو نہیں ہو سکتے چاہے وہ کتنے ہی چندے دیں اور چاہے وہ کتنے ہی ریزولیوشن پاس کرکے بھجوا دیں"۔[۱]

شعائر اسلامی کی پابندی کیلئے اہم ارشاد

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ ہمیشہ ہی مختلف طریق سے جماعت کو اس طرف توجہ دلاتے رہتے تھے کہ جماعت احمدیہ کسی انجمن کا نام نہیں یہ ایک مذہبی نظام ہے جس کا مقصد دنیا میں اسلامی شریعت کا قیام و احیاء ہے۔

یہ حقیقت احباب جماعت کے ذہن نشین کرانے کے لئے اس سال بھی حضور نے ۱۹ احسان ۱۳۲۱ھش / جون ۱۹۴۲ء کو ایک مفصل خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں شعائر اسلامی کی پابندی کی از حد تاکید کی اور بتایا کہ داڑھی منڈوانے والے احمدی شکست خوردہ ذہنیت رکھتے ہیں۔ انہیں جماعت کے کسی عہدہ کے لئے منتخب نہ کیا جائے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"جہاں شریعت کے احکام کا سوال آجائے وہاں اگر ہم دوسروں کی نقل کریں تو یقیناً ہم اسلام کی ذلت کے سامان کرکے دشمنوں کی مدد کرنیوالے قرار پاتے ہیں۔ انہی نقلوں میں سے ایک نقل داڑھی منڈوانا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ نہیں متواتر داڑھی منڈوانے سے منع فرمایا ہے۔ اور داڑھی منڈوا کر کوئی خاص فائدہ انسان کو نہیں پہنچتا...... جو شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتنی چھوٹی سی بات بجا نہیں مان سکتا اس سے یہ کب توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر اس کے سامنے کوئی بڑی بات پیش کی جائے تو وہ اسے مان لیگا"۔

نیز فرمایا:-

"میں نے متواتر جماعتوں کو توجہ دلائی ہے اور ہمارے ہاں قانون بھی ہے کہ کم سے کم جماعت کے عہدیدار ایسے نہیں ہونے چاہئیں جو داڑھی منڈواتے ہوں۔ اس طرح اسلامی

[۱] الفضل ۷ احسان ۱۳۲۱ھش (۷ جون ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱-۲

احکام کی ہتک کرتے ہوں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ اب بھی دنیا داری کے لحاظ سے جس کی ذرا تنخواہ زیادہ ہوئی یا چلتا پرزہ ہُوا یا دنیوی لحاظ سے اسے کوئی اور اعزاز حاصل ہُوا اسے جماعت کا عہدیدار بنا دیا جاتا ہے خواہ وہ داڑھی منڈواتا ہی ہو۔ حالانکہ دنیوی لحاظ سے ہماری جماعت کے بڑے سے بڑے آدمی بھی ان لوگوں کے پاسنگ بھی نہیں جو اس وقت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ اور اگر دنیوی لحاظ سے ایسے لوگوں کو عہدیدار بنایا جاسکتا ہے تو عیسائیوں اور ہندوؤں کو کیوں نہیں بنایا جاسکتا۔ وہ بہت زیادہ دولتمند اور دنیوی لحاظ سے بہت زیادہ معزز ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ کام وہی کرسکتا ہے جسے اسلام اور احمدیت کے جیتنے کی امید نہیں اور جو اسلام اور احمدیت کو ایک شکست خوردہ مذہب سمجھتا ہے۔ ورنہ جو شخص اسلام اور احمدیت کو جیتنے والا مذہب سمجھتا ہے اس کے سامنے تو اگر کروڑ پتی بھی آجائیں تو وہ اُن کو حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے اور دنیا کے تمام بادشاہوں کو بھی ایک سچے مومن کے مقابلہ میں ذلیل سمجھتا ہے۔ دنیا آخر ہے کیا چیز؟ کیا یہ خدا کے نبیوں کے مقابلہ میں کھڑی ہوئی اور کامیاب ہوئی؟ آخر ہزاروں نبی دنیا میں آئے ہیں۔ اِن ہزاروں نبیوں میں سے کب کوئی ایسا نبی آیا کہ اُسے دنیوی لحاظ سے کوئی عزت حاصل تھی لیکن کب اس کا سلسلہ ختم ہُوا اور وہ فاتح اور حکمران نہیں تھا۔ یہی حال احمدیت کا ہے۔ پس ایسی شکست خوردہ ذہنیت کے لوگ جنہوں نے مغربیت کے آگے اپنے ہتھیار ڈال رکھے ہیں وہ ہرگز کسی عہدہ کے قابل نہیں ہیں۔ وہ کھگوڑے ہیں اور بھگوڑوں کو حکومت دے دینا اوّل درجہ کی حماقت اور نادانی ہے۔

...... پس میں ایک دفعہ پھر جماعتوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ یہاں سوال چند بالوں کا نہیں بلکہ یہاں سوال اس ذہنیت کا ہے جو مغربیت کے مقابلہ میں اسلام اور احمدیت نے پیدا کرنی ہے اور جس ذہنیت کو ترک کرکے انسان مغربیت کا غلام بن جاتا ہے .... تمہارا ایمان تو ایسا ہونا چاہیئے کہ اگر دس کروڑ بادشاہ بھی آکر کہیں کہ ہم تمہارے لئے اپنی بادشاہتیں چھوڑنے کے لئے تیار ہیں تم ہماری صرف ایک بات مان لو جو اسلام کے خلاف ہے تو تم ان دس کروڑ بادشاہوں سے کہدو کہ تُف ہے تمہاری اس حرکت پر۔ میں تو محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات کے مقابلہ میں تمہاری اور تمہارے باپ دادا کی بادشاہتوں کو جوتی بھی نہیں مارتا

یہ ہے ایمان کی کیفیت۔ جو شخص یہ کیفیت اپنے دل میں محسوس نہیں کرتا اُس کا یہ دعویٰ کہ اس کا ایمان پکّا ہے ہم ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے"۔[۵]

فصل سوم

مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کیلئے دُعا کی تحریک

دوسری جنگِ عظیم کے دوران وسط ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء میں محوری طاقتوں کا دباؤ مشرقِ وسطیٰ میں زیادہ بڑھ گیا اور جرمن فوجیں جنرل رومیل کی سرکردگی میں ۲۱ احسان (جون) کو طبروق کی قلعہ بندیوں پر حملہ کر کے برطانوی افواج کو شکست فاش دینے میں کامیاب ہو گئیں جس کے بعد اُن کی پیشقدمی پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی۔ اور یکم وفا (جولائی) تک مصر کی حدود کے اندر گھس کر العالمین کے مقام تک پہنچ گئیں جو اسکندریہ سے تھوڑی دُور مغرب کی جانب برطانی مدافعت کی آخری چوکی تھی جس سے مصر براہ راست جنگ کی لپیٹ میں آگیا اور مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے اسلامی ممالک خصوصاً حجاز کی ارضِ مقدس پر محوری طاقتوں کے حملہ کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا۔

ان پُر خطر حالات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۶ احسان (جون) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کے خطبہ جمعہ میں عالمِ اسلام کی نازک صورتِ حال کا دردناک نقشہ کھینچتے ہوئے بتایا کہ:۔

"اب جنگ ایسے خطرناک مرحلہ پر پہنچ گئی ہے کہ اسلام کے مقدس مقامات اس کی زد میں آگئے ہیں۔ مصری لوگوں کے مذہب سے ہمیں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو وہ اسلام کی جو توجیہہ و تفسیر کرتے ہیں ہم اُس کے کتنے ہی خلاف کیوں نہ ہوں مگر اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ ظاہرا طور پر وہ ہمارے خدا ہمارے رسولؐ اور ہماری کتاب کو ماننے والے ہیں۔ اُنکی اکثریت اسلام کے خدا کے لئے غیرت رکھتی ہے، اُن کی اکثریت اسلام کی کتاب کیلئے غیرت رکھتی ہے اور ان کی اکثریت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے غیرت رکھتی ہے۔ اسلامی لٹریچر شائع کرنے اور اُسے محفوظ رکھنے میں یہ قوم صفِ اوّل میں رہی ہے۔ آج ہم اپنے مدارس میں

---

[۵] الفضل ۳۰ احسان ۱۳۲۱ھش/جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۳-۵-۶

بخاری اور مسلم وغیرہ احادیث کی جو کتابیں پڑھاتے ہیں وہ مصر کی چھپی ہوئی ہی ہیں۔ اسلام کی نادر کتابیں مصر میں ہی چھپتی ہیں اور مصری قوم اسلام کے لئے مفید کام کرتی چلی آئی ہے۔ اس قوم نے اپنی زبان کو بھلا کر عربی زبان کو اپنا لیا۔ اپنی نسل کو فراموش کر کے یہ عربوں کا حصہ بن گئی۔ اور آج دونوں قوموں میں کوئی فرق نہیں۔ مصر میں عربی زبان، عربی تمدن اور عربی طریق رائج ہیں۔ اور محمد عربی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مذہب رائج ہے۔ پس مصر کی تکلیف اور تباہی ہر مسلمان کے لئے دکھ کا موجب ہونی چاہیئے خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والا ہو۔ اور خواہ مذہبی طور پر اُسے مصریوں سے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں۔ پھر مصر کے ساتھ ہی وہ مقدس سرزمین شروع ہو جاتی ہے جس کا ذرہ ذرہ ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے نہر سویز کے ادھر آتے ہی آجکل کے سفر کے سامانوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چند روز کی مسافت کے فاصلہ پر ہی وہ مقدس مقام ہے جہاں ہمارے آقاؐ کا مبارک وجود لیٹا ہے جس کی گلیوں میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک پڑا کرتے تھے۔ جس کے مقبروں میں آپ کے والا وشیدا خدا تعالےٰ کے فضل کے نیچے میٹھی نیند سو رہے ہیں اُس دن کی انتظار میں کہ جب صُور پھونکا جائے گا وہ لبیک کہتے ہوئے اپنے ربّ کے حضور حاضر ہو جائینگے وہ اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر ہی وہ وادی ہے جس میں وہ گھر ہے جسے ہم خدا کا گھر کہتے ہیں اور جس کی طرف دن میں کم سے کم پانچ بار منہ کر کے ہم نماز پڑھتے ہیں اور جس کی زیارت اور حج کے لئے جاتے ہیں جو دین کے ستونوں میں سے ایک بڑا ستون ہے۔ یہ مقدس مقام صرف چند سو میل کے فاصلہ پر ہے اور آجکل موٹروں اور ٹینکوں کی رفتار کے لحاظ سے چار پانچ دن کی مسافت سے زیادہ فاصلہ پر نہیں۔ اور اُن کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں وہاں جو حکومت ہے اُس کے پاس نہ ٹینک ہیں، نہ ہوائی جہاز اور نہ ہی حفاظت کا کوئی اور سامان کھلے دروازوں اسلام کا خزانہ پڑا ہے بلکہ یُوں کہنا چاہیئے کہ دیواریں بھی نہیں ہیں۔ اور جوں جوں دشمن ان مقامات کے قریب پہنچتا ہے ایک مسلمان کا دل لرز جاتا ہے"۔ [1]

---

[1] الفضل ۳؍وفا ۱۳۲۱ھش ۳؍جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ و ۳ +

حضور نے خطبہ کے دوران مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کے خدائی وعدوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یقین دلایا کہ " اللہ تعالیٰ خود ہی ان کی حفاظت فرمائے گا "۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں کو اُن کی عملی ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلائی۔ اور فرمایا :-

" یہ ہمارا یقین ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے نہیں چھڑا سکتا۔ جس طرح مکہ کے متعلق خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ اُسکی حفاظت کریگا۔ جس طرح اسلام کی حفاظت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا اُسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا بھی وعدہ اُس نے کیا ہوا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ ع ۹ / ۱۳)

مگر باوجود اس وعدہ کے ایسے ہی مقدس اور یقینی وعدہ کے جیسا کہ مکّہ مکرمہ اور خانہ کعبہ کی حفاظت کے متعلق ہے پھر بھی صحابہ کرامؓ اِس وعدہ پر کفایت کرکے بے فکر نہیں ہوگئے تھے اور انہوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ خدا تعالیٰ خود آپ کو دشمنوں سے بچائیگا ہمیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ مدینہ میں آپکے داخلہ سے لیکر آپ کی وفات تک برابر وہ آپ کے گھر کا پہرہ دیتے رہے۔ مدینہ کے لوگوں یعنی انصار پر اللہ تعالیٰ بڑی بڑی برکتیں نازل کرے وہ بڑی ہی سمجھ دار اور قربانی کرنے والی قوم تھی۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو انہوں نے فوراً اِس بات کا فیصلہ کیا کہ اب آپ کی ذات کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور ہر رات الگ الگ گروہ آپ کے مکان پر پہرہ کے لئے آتا تھا۔ پہلے تو انصار بغیر ہتھیاروں کے پہرہ کے لئے آتے تھے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ مدینہ اسلامی شہر ہے یہاں خطرہ کی کوئی بات نہیں ہر قبیلہ باری باری پہرہ کے لئے اپنے آدمی بھیجتا تھا مگر وہ بغیر ہتھیاروں کے ہوتے تھے۔ ایک رات رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تھے کہ باہر آپ نے تلواروں اور نیزوں کی جھنکار سُنی۔ آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ انصار کا ایک گروہ سر سے پاؤں تک مسلح آپ کے مکان کے گرد پہرہ کے لئے کھڑا ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا بات ہے تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! لوگ تو بغیر ہتھیاروں کے پہرہ کے لئے آیا کرتے تھے مگر ہمارے قبیلہ نے فیصلہ کیا ہے کہ پہرہ کے انتظام کے معنے یہ ہیں کہ خطرہ کا احتمال ہے۔ اور جب خطرہ ہو سکتا ہے تو اُسے روکنے کیلئے ہتھیار بھی ضرور ہونے چاہئیں۔ اس لئے ہم مسلح ہو کر پہرہ کیلئے آئے ہیں

آپ نے اُن لوگوں کے لئے دُعا فرمائی اور اندر تشریف لے گئے۔ اِس کے بعد باقی قبائل نے بھی مسلح ہوکر پہرہ دینا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ مدینہ میں کچھ شور ہُوا اور خیال تھا کہ شاید رُومی حملہ کرینگے۔ اِس لئے مسلمان ہتھیار لے کر باہر کی طرف بھاگے۔ مگر چند صحابی دوڑ کر مسجد نبویؐ میں جمع ہوگئے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے، حملہ کا خوف تو باہر سے تھا۔ آپ لوگ مسجد میں کیوں آبیٹھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں تو یہی جگہ حفاظت کئے جانے کے قابل نظر آتی ہے اِس لئے یہیں آگئے .... یہ قربانیاں کرنے والے جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہُوا ہے اور فرمایا ہے کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کے حملوں سے بچائے گا مگر باوجود اِس وعدہ کے جو قربانیاں انہوں نے آپؐ کی حفاظت کے لئے کیں کیا اِس کے یہ معنے ہیں کہ اُن کا ایمان کمزور تھا اور وہ خدا تعالیٰ کو ایسے وعدہ کے پورا کرنے پر قادر نہ سمجھتے تھے؟ یا کیا وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی وعدہ نہیں فرمایا بلکہ نعوذ باللہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے پاس سے بنالیا ہے؟ اُن کی قربانیاں اور اُن کا اخلاص دونوں بتاتے ہیں کہ اِن میں سے کوئی بات بھی اُن کے وہم یا خیال میں نہ تھی۔ اُن کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے آپ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ وہ آپ کو بچانے کی طاقت رکھتا ہے اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے کے لئے سامان مہیا کر سکتا ہے مگر اُن کی تمنا اُن کی آرزو اور اُن کی خواہش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بچانے کے لئے جو ہتھیار اپنے ہاتھ میں لے وہ ہم ہوں۔ انہیں خدا تعالیٰ کے وعدے پر شک نہ تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پر شک نہ تھا بلکہ حرص تھی کہ اِس وعدہ کو پورا کرنے کا جو ذریعہ اللہ تعالیٰ اختیار کرے وہ ہم ہوں۔ وہ چاہتے تھے کہ کاش وہ ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچانے کا اختیار کرنا ہے وہ ہم بن جائیں اور وہ بن گئے۔ اور انہوں نے متواتر دس سال تک اپنی جانوں اور عزیز ترین رشتہ داروں کی جانوں کو قربان کر کے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا ہتھیار ثابت کر دیا۔ وہ مہاجر اور وہ انصار اس وعدہ کو پورا کرنے کا ذریعہ بن گئے جنہوں نے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے اور پیچھے ہوکر ہر موقعہ پر جنگ کی۔ اُن کی اوّل خواہش اور تمنا بھی

اور اُن کی آخری خواہش اور تمنا بھی یہی تھی کہ کاش وہ فنا ہو جائیں وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی آنچ نہ آئے۔ ایک صحابی کو کچھ لوگ قید کر کے لے گئے اور مکہ والوں کے پاس بیچ دیا۔ مکہ والوں کا کوئی آدمی کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اور وہ اُس کے بدلہ میں کسی مسلمان کو مارنا چاہتے تھے اِس لئے اُسے خرید لیا۔ انہوں نے اُس کے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی تھیں اور قتل کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اُن میں سے کسی نے اُس صحابی کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم یہ پسند نہ کرو گے کہ تم اس وقت آرام سے اپنے بیوی بچوں میں بیٹھے ہو اور تمہاری جگہ یہاں محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے قبضہ میں ہو۔ اُس صحابی نے جواب دیا کہ تم لوگ بڑے بیوقوف ہو جو یہ سوال کرتے ہو۔ تم تو یہ کہتے ہو کہ مَیں یہ پسند کرتا ہوں یا نہیں کہ مَیں مدینہ میں اپنے بیوی بچوں میں بیٹھا ہوں اور میری جگہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہاں تمہاری قید میں ہوں مَیں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ مَیں اپنے گھر میں بیٹھوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلوے میں مدینہ کی گلیوں میں کوئی کانٹا بھی چبھ جائے۔ پھر ایک صحابی کے متعلق لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنگ کے لئے تشریف لے گئے اور وہ صحابی کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے پیچھے رہ گئے وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے اُن کی بیوی بیٹھی تھیں۔ دونوں کی باہم بہت محبت تھی وہ صحابی جوش سے پیار کے لئے اپنی بیوی کی طرف بڑھے مگر وہ حقارت سے پیچھے ہٹ گئیں اور کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو لڑائی کے لئے تشریف لے گئے ہیں اور تم بیوی کو پیار کرنے لگے ہو۔ یہ بات سُنکر وہ فوراً باہر نکلے اور جنگ کے لئے چل پڑے۔ یہ وہ قربانیاں تھیں جو باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے وعدہ کے صحابہؓ نے آپ کی حفاظت کے لئے کیں۔ پس اس میں شبہ نہیں کہ مکہ اور مدینہ کی حفاظت کے لئے اللہ تعالےٰ کے وعدے ہیں مگر اللہ تعالےٰ حفاظت کے لئے آسمان سے فرشتے نہیں اُتارا کرتا۔ بلکہ بعض انسانوں کو ہی فرشتے بنا دیتا ہے۔ اور اُن کے دلوں میں اخلاص پیدا کر دیتا ہے کہ اُس کے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے ہتھیار بن جائیں۔ وہ گو انسان نظر آتے ہیں مگر اُن کی رُوحوں کو فرشتہ کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاتے

ہیں اُن کو مُردہ مت کہو وہ زندہ ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کام فرشتوں سے لینا تھا اُسے کرنے کے لئے وہ آگے بڑھتے ہیں اسلئے وہ فرشتے بن جاتے ہیں۔ اور جب وہ فرشتے ہو گئے تو مر کیسے سکتے ہیں۔ فرشتے نہیں مرا کرتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ شہداء کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں اور اپنے خدا کے حضور رزق دیئے جاتے ہیں۔ پس گو ان مقامات کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ مسلمان اُن کی حفاظت کے فرض سے آزاد ہو گئے ہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ ہر سچا مسلمان اُن کی حفاظت کے لئے اپنی پوری کوشش کرے جو اُس کے بس میں ہے۔"[1]

خطبہ کے آخر میں حضور نے خاص تحریک فرمائی کہ احمدی ممالک اسلامیہ کی حفاظت کیلئے نہایت تضرّع اور عاجزی سے دُعائیں کریں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

"یہ مقامات روز بروز جنگ کے قریب آرہے ہیں اور خدا تعالیٰ کی مشیت اور اپنے گناہوں کی شامت کی وجہ سے ہم بالکل بے بس ہیں اور کوئی ذریعہ ان کی حفاظت کا اختیار نہیں کر سکتے۔ ادنیٰ ترین بات جو انسان کے اختیار میں ہوتی ہے یہ ہے کہ اس کے آگے پیچھے کھڑے ہو کر جان دیدے مگر ہم تو یہ بھی نہیں کر سکتے اور اس خطرناک وقت میں صرف ایک ہی ذریعہ باقی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ کے حضور دُعائیں کریں کہ وہ جنگ کو ان مقامات مقدسہ سے زیادہ سے زیادہ دُور لے جائے اور اپنے فضل سے اُن کی حفاظت فرمائے۔ وہ خدا جس نے ابرہہ کی تباہی کے لئے آسمان سے وباء بھیجدی تھی اب بھی طاقت رکھتا ہے کہ ہر ایسے دشمن کو جس کے ہاتھوں سے اس کے مقدس مقامات اور شعائر کو کوئی گزند پہنچ سکے کچل دے .... پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی ذمہ واریوں کو سمجھیں اور خدا تعالیٰ سے دُعائیں کریں کہ وہ خود ہی ان مقامات کی حفاظت کے سامان پیدا کر دے۔ اور اس طرح دُعائیں کریں جس طرح بچہ بھوک سے تڑپتا ہوا چلاتا ہے جس طرح ماں سے جُدا ہونے والا بچہ یا بچہ سے محروم ہو جانے والی ماں آہ و زاری کرتی ہے اسی طرح اپنے رب کے حضور رو رو کر دُعائیں کریں کہ اے اللہ! تُو خود ان مقدس مقامات کی حفاظت فرما۔ اور ان لوگوں کی اولادوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جانیں فدا کر گئے

---

[1] الفضل ۳ / وفا ۱۳۲۱ھش / جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۳و۴ ۔

اور ان کے ملک کو ان خطرناک نتائج جنگ سے جو دوسرے مقامات پر پیش آ رہے ہیں بچا لے۔

اور اسلام کے نام لیواؤں کو خواہ وہ کیسی ہی گندی حالت میں ہیں اور خواہ ہم سے اُن کے کتنے اختلافات ہیں اُن کی حفاظت فرما اور اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ رکھ جو کام آج ہم اپنے ہاتھوں سے نہیں کر سکتے وہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ کر دے اور ہمارے دل کا دُکھ ہمارے ہاتھوں کی قربانیوں کا قائم مقام ہو جائے۔"[۵۱]

بعض متعصّب ہندو ہمیشہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے دلوں میں ہندوستان کی نسبت مکّہ اور مدینہ کی محبّت بہت زیادہ ہے۔ اِس موقعہ پر حضور نے اِس اعتراض کا یہ نہایت لطیف جواب دیا کہ:۔

"بے شک، دین کی محبت ہمارے دلوں میں زیادہ ہے مگر اِس کے یہ معنے نہیں کہ وطن کی محبّت نہیں ہے۔ اگر ہمارا ملک خطرہ میں ہو تو ہم اِس کے لئے قربانی کرنے میں کسی ہندو سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ لیکن اگر دونوں خطرہ میں ہوں یعنی ملک اور مقاماتِ مقدّسہ تو مؤخر الذکر کی حفاظت چونکہ دین ہے اور زندہ خدا کے شعار کی حفاظت کا سوال ہے اس لئے ہم اُسے مقدّم کرینگے۔ بیشک ہم عرب کے پتھروں کو ہندوستان کے پتھروں پر فضیلت نہ دیں لیکن ان پتھروں کو ضرور فضیلت دیں گے جن کو خدا تعالےٰ نے ہمارے لئے فضیلت کا مقام بنایا ہے .... ایک مادّہ پرست ہندو کیا جانتا ہے کہ وطن اور خدا تعالےٰ کے پیدا کردہ شعائر میں کیا فرق ہے۔ وہ عرفان اور نیکی نہ ہونے کی وجہ سے اِس فرق کو سمجھ نہیں سکتا..... حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ ہمارے ایمان کا جزو ہے مگر وہ گلیاں جن میں ہمارے پیارے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم چلتے رہے ہیں۔ وہ پتھر جنہیں خدا تعالےٰ نے ہمارے لئے عبادت کا مقام بنایا ہمیں وطن سے زیادہ عزیز ہیں۔ اِس پر کوئی ہندو یا عیسائی حاسد جلتا ہے تو جل مرے ہمیں اِس کی کوئی پروا نہیں۔"[۵۲]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی اِس تحریک پر قادیان اور بیرونی احمدی جماعتوں میں مقامات مقدسہ کے لئے مسلسل نہایت پُردرد دُعاؤں کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب خلیفہ اور اپنی پیاری جماعت کی تضرّعات کو بپایۂ قبولیت جگہ دی اور جلد ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ چنانچہ ۲۳ر اخاء ۱۳۲۱ھش (۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۲ء) کو برطانی فوجوں نے العالمین پر جوابی یلغار شروع کی۔ اُدھر

---

[۵۱] الفضل ۳ر وفا ۱۳۲۱ھش / ۳ر جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ و ۵ + [۵۲] الفضل ۳ر وفا ۱۳۲۱ھش / ۳ر جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ +

بھرتی کے سلسلہ میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی گولیگی ضلع گجرات میں تشریف آوری (۲۶ تبلیغ ۱۳۲۲ ہش / فروری ۱۹۴۳ء)

دائیں سے بائیں ۱۔ پیر بشیر احمد صاحب ۲۔ پیر محمد عالم صاحب جاوید ۳۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب ۴۔ چوہدری اعظم علی صاحب سب جج۔ پیچھے چوہدری سردار خان صاحب

شمالی افریقہ کے مغربی حصے (یعنی مراکش اور الجزائر) میں امریکہ نے اپنی فوجیں اتار دیں جو مغرب سے مشرق کو بڑھنے لگیں۔ ۱۳ ماہ نبوت ھ۱۳۲۱ (۱۳ نومبر ۱۹۴۲ء) کو برطانی فوجوں نے طبرق پر اور ۲۰ ماہ نبوت (۲۰ نومبر) تک بن غازی پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔[51]

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس مرحلہ پر غیرت اسلامی کا جو اظہار فرمایا اسے مخالفین احمدیت نے بھی بہت سراہا۔ چنانچہ احراری اخبار "زمزم" نے اپنی ۱۹ جولائی ۱۹۴۲ء کی اشاعت میں لکھا:-

"موجودہ حالات میں خلیفہ صاحب نے مصر اور حجاز مقدس کیلئے اسلامی غیرت کا جو ثبوت دیا ہے وہ یقیناً قابل قدر ہے۔ اور انہوں نے اس غیرت کا اظہار کر کے مسلمانوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے۔"

نیز لکھا:-

"زمزم" معترف ہے کہ مقدس مقامات کی طرف سے خلیفہ صاحب کا اندیشہ بالکل حق بجانب ہے۔"[52]

احمدی نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی تحریک

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جماعت احمدیہ کے سامنے بار بار اور مختلف پیرایوں میں یہ حقیقت بیان فرمائی کہ:-

"جس دن کفر کو یہ معلوم ہو گیا کہ تم اُسے دنیا سے مٹا دینے والے ہو وہ یقیناً سختی سے تمہارا مقابلہ کریگا۔ اور تمہاری گردنوں میں تمہارے سینوں میں تمہارے جگر میں خنجر گاڑ دے گا۔ اور کفر اپنا سارا زور لگائیگا کہ اسلام کو قتل کر دے اور اسلامی عمارت کو منہدم کر دے۔ گو ابھی وہ دن دور ہیں لیکن آہستہ آہستہ قریب آتے جاتے ہیں۔ اب بھی کئی ممالک ایسے ہیں جن میں احمدیت کا داخلہ بند ہے۔ اور ہمارے مبلغین کو جانے سے روکا جاتا ہے۔

غرض مالی لحاظ سے تو جماعت کئی سال سے قربانیاں کرتی آ رہی ہے گو اعلیٰ معیار تک ابھی تک نہیں پہنچی مگر جانی قربانی کے لحاظ سے ابھی ابتداء نہیں ہوئی۔ البتہ وقف زندگی کے مطالبہ کے ذریعہ بنیاد کا ایک نشان لگا دیا گیا ہے۔ جیسے بنیاد کھودتے وقت کسّی سے ٹک لگایا جاتا ہے پھر بنیاد کھودی جاتی ہے۔ جب بنیاد کی کھدائی ہو جاتی ہے تو اُس پر دیواریں کھڑی کرتے ہیں۔ جب دیواریں بن جاتی ہیں تو

---

[51] "تاریخ اقوام عالم" صفحہ ۷۳۸ (مؤلفہ مرتضیٰ احمد خان) ناشر مجلس "ترقی ادب" نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور (سن اشاعت ۱۹۵۸ء)

[52] بحوالہ اخبار الفضل ۲۲ وفا ھ۱۳۲۱ (۲۲ جولائی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱ کالم ۴ +

ان دیواروں پر چھتیں ڈالی جاتی ہیں اس کے بعد پلستر کیا جاتا ہے۔ دروازے اور کواڑ لگائے جاتے ہیں تب کہیں جا کر مکان تیار ہوتا ہے۔ جس طرح مکان آہستہ آہستہ کچھ عرصہ کے بعد جا کر تیار ہوتا ہے اسی طرح جان دینے کی عمارت کے تیار ہونے میں کچھ دیر باقی ہے۔ کوئی عمارت بھی ایک دن میں تیار نہیں ہوتی۔ ایسے ہی یہ نہیں ہوسکتا کہ لوگ جمع ہوکر آئیں اور وہ کہیں کہ اگر تم میں سے پانچ ہزار آدمی اپنی گردنوں پر چھری پھیر لیں تو ہم اسلام کو قبول کریں گے۔ بلکہ یہ قربانیاں آہستہ آہستہ دینی پڑیں گی۔ پہلے ایک دو، پھر آٹھ دس، پھر پندرہ بیس اسی طرح آہستہ آہستہ یہ تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے۔ آخر وہ دن آجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو غلبہ عطا کرتا ہے۔ اور کفر ہتھیار ڈال دیتا ہے اور یہ کام ایک لمبے عرصہ میں جا کر ہوتا ہے۔"[۵۱]

اس سلسلہ میں مبلّغین احمدیت کو خاص طور پر انتباہ فرمایا کہ:-

"تم یہ مت سمجھو کہ ہم چونکہ تبلیغی جماعت ہیں اس لئے کوئی دشمن ہماری گردنوں کو نہیں کاٹے گا۔ ایسا خیال کرنا اوّل درجہ کی نادانی اور حماقت ہے۔ مَیں نے بار بار تمہارے ذہنوں سے اِس بات کو نکالا ہے مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ جب بھی کوئی ایسا ذکر آئے ہماری جماعت کے بعض لوگ فوراً کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ کیسی بیوقوفی کی بات ہے ہم تبلیغ کرنے والے ہیں لڑنے والے کہاں ہیں کہ ہماری گردنیں کاٹنے کے لئے قومیں آگے بڑھیں گی۔ مگر یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے۔ دُنیا میں ہمیشہ مبلّغوں کی گردنیں کاٹی جاتی ہیں۔ مسیحیوں کی تین سو سال تک گردنیں کاٹی گئیں حالانکہ مسیحی جنگ سے جتنے متنفر تھے اتنے ہم نہیں۔ ہمیں تو اسلام وقت پر لڑائی کی اجازت دیتا ہے مگر مسیحیوں کو لڑائی کی کسی صورت میں اجازت نہیں تھی لیکن باوجود اس کے اُن کی گردنیں کاٹی گئیں۔ اور سینکڑوں سال تک کاٹی گئیں۔ اِسی طرح جب ہم بھی صحیح معنوں میں تبلیغ کریں گے تو دُنیا اس بات پر مجبور ہوگی کہ ہماری گردنوں کو کاٹے۔ ابھی تک تو ہم نے تبلیغ کو اس رنگ میں جاری ہی نہیں کیا کہ ہماری جماعت کے آدمیوں کی گردنیں کاٹی جائیں، تمہارا مبلّغ امریکہ میں گیا اور اُسے وہاں کی حکومت نے نکال دیا مگر تم نے کیا کیا؟ تم اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر بیٹھ گئے۔ مگر جب حقیقی تبلیغ کا وقت آئیگا اُس وقت یہ طریق اختیار نہیں کیا جائیگا۔ فرض کرو

---

[۵۱] الفضل ۱۸ تبوک ۱۳۲۴ھش / ستمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ +

تمہارا مبلغ امریکہ میں جاتا ہے اور اُسے وہاں کی حکومت نکال دیتی ہے تو اُس وقت یہ نہیں ہوگا کہ تم خاموشی سے گھروں میں بیٹھے رہو بلکہ تمہارا دوسرا مبلغ اُس جگہ جائیگا اور اُس کو نکال دیا جائیگا تو تیسرا مبلغ جائیگا اُس کو نکال دیا جائیگا تو چوتھا مبلغ جائیگا۔ اسی طرح ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے اور تیسرے کے بعد چوتھے شخص کو وہاں جانا پڑے گا۔ اور جب اس طرح بھی کوئی اثر نہیں ہوگا تو ہزاروں شخصوں سے کہا جائیگا کہ وہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں اور خواہ انہیں بھوکا رہنا پڑے خواہ پیاس کی تکلیف برداشت کرنی پڑے وہ جائیں اور اس ملک میں داخل ہو کر تبلیغ کریں جس ملک میں داخل ہونے سے حکومت نے روک رکھا ہے۔ ایسی صورت میں کیا تم سمجھتے ہو امریکہ والے تمہیں قتل نہیں کرینگے؟ وہ ہر اُس شخص کو جو اُن کے ہاتھ آئیگا قتل کرینگے اور کوشش کریں گے کہ اُن کے ملک میں ہمارا کوئی مبلغ داخل نہ ہو۔ لیکن اس کے باوجود جو مبلغ داخل ہونے میں کامیاب ہو جائیگا وہ ایسی شان کا مبلغ ہوگا کہ امریکہ کے لوگ خود بخود اُس کی باتیں سُننے پر مجبور ہونگے۔ مگر اب تو یہ ہوتا ہے کہ سیکنڈ یا تھرڈ کلاس میں ایک شخص سفر کرتا ہوا جاتا ہے۔ اُسے ہر قسم کی سہولتیں میسر ہوتی ہیں اور وہ کسی غیر ملک میں جا کر تبلیغ کرنے لگ جاتا ہے۔ ایسا شخص مبلغ نہیں سیاح ہے۔ مبلغ قومیں وہی ہیں کہ جب حکومتیں انہیں اپنے ملک میں داخل ہونے سے روکتی ہیں تو وہ خاموش نہیں بیٹھ جاتیں بلکہ اپنی تجارت اپنی زراعت اپنی ملازمت اور اپنے گھربار کو چھوڑ کر نکل کھڑی ہوتی ہیں اور اُن میں سے ہر شخص یہ تہیہ کئے ہوئے ہوتا ہے کہ اب میں اس ملک میں داخل ہو کر رہونگا۔ اور تبلیغ کرونگا۔ ایسی صورت میں دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں یا تو حکومت رستہ دے اور مبلغوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے دے یا انہیں داخل نہ ہونے دے اور ان سب کو اپنے حکم سے مروا ڈالے۔ اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں جو قربانیوں کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اگر حکومت رستہ دیگی تو تم تبلیغ میں کامیاب ہو جاؤ گے اور اگر حکومت تمہیں مارے گی تو تم خون کی ندی میں بہہ کر اپنی منزلِ مقصود کو پہنچو گے۔

پس یہ خیال مت کرو کہ مبلغوں کے لئے قربانیاں نہیں ہوتیں وہ تبلیغ جو دلوں کو ہلا دیتی ہے ابھی تک ہم نے شروع ہی نہیں کی۔ لیکن اب اس جنگ کے بعد غالباً زیادہ انتظار نہیں کیا جائیگا اور تمہیں ان قربانیوں کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلنا پڑے گا۔"[ا]

[ا] الفضل ۵ رتبوک ۱۳۲۱ہش (۵ رستمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۵ ۔

(اسلام اور کفر کا یہ فیصلہ کن معرکہ (جس کے بعد دنیا بھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بادشاہت قائم ہوگی اور ہر جگہ قانونِ اسلامی نافذ ہوگا) کب اور قربانیوں کے کن مراحل کے بعد پیش آئیگا؟ انکی تفصیلات پر تو سوہویں سترھویں صدی ہجری کا مؤرخ ہی روشنی ڈال سکیگا۔ البتہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی سورۃ التطفیف سے یہ لطیف استنباط فرمایا کہ:۔

"عیسائیت کی تباہی کے لئے دنیا میں تین جھٹکے لگیں گے اور چوتھا جھٹکا اسلام کے قیام کا موجب ہوگا۔ بظاہر جہاں تک عقل کام دیتی ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی جنگِ عظیم جو ۱۹۱۸ء میں ختم ہوئی پہلا جھٹکا تھا جو عیسائیت کو لگا۔ اب دوسری جنگ جو شروع ہے یہ دوسرا جھٹکا ہے۔ اس کے بعد ایک تیسری جنگِ عظیم ہوگی جو مغرب کی تباہی کے لئے تیسرا اور آخری جھٹکا ہوگا۔ اس کے بعد ایک چوتھا جھٹکا لگیگا جس کے بعد اسلام اپنے عروج کو پہنچ جائیگا اور مغربی اقوام بالکل ذلیل ہو جائیں گی۔"[۵]

چنانچہ دوسری جنگِ عظیم (یکم ستمبر ۱۹۳۹ء تا مئی ۱۹۴۵ء) مغربی تہذیب و تمدن اور عیسائیت کی تباہی کے لئے سچ مچ دوسرا زبردست جھٹکا ثابت ہوئی اور سلطنت برطانیہ کو جس کا بادشاہ عیسائیت کا پاسبان (DEFENDER OF FAITH) کہلاتا ہے اور جس کے مقبوضات کے متعلق مشہور تھا کہ اُن پر کبھی آفتاب غروب نہیں ہوتا ہندوستان جیسے برصغیر سے بھی ہاتھ دھو لینا پڑا اور ساتھ ہی سراسر مخالف حالات کے باوجود پاکستان کی عظیم ترین مسلمان حکومت معرض وجود میں آگئی۔ جیسا کہ آئندہ تفصیل سے ذکر آرہا ہے۔

خدائی تقدیر میں چونکہ دوسری جنگِ عظیم عیسائیت کی آخری تباہی اور اسلام اور مسلمانوں کے آخری غلبہ کو قریب سے قریب تر کرنے کے لئے لڑی جا رہی تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے جنگ کے آغاز ہی سے اپنے خلیفۂ برحق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی توجہ خود بخود اس طرف منتقل فرما دی کہ فوجی ٹریننگ کا ایک نہایت اہم موقعہ پیدا ہوا ہے جس سے مسلمانانِ ہند کو عموماً اور جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کو خصوصاً پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہیئے تا وہ اسلام کے جہاد میں حصہ لے سکیں۔ حصول آزادی کے بعد ملکی دفاع میں اپنے شایان شان اور مؤثر کردار ادا کرکے قوم و ملت کے سچے خادم بھی ثابت ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن میں ایسی بے مثال بہادری پیدا ہو جائے کہ جب حق و باطل کی آخری جنگ شروع ہو تو وہ صحابۂ رسول

---

[۵] تفسیر کبیر (سورۃ التطفیف) صفحہ ۳۰۷ کالم ۱ (مطبوعہ ظہور ۱۳۲۴ھش / اگست ۱۹۴۵ء)

(رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی طرح کفر کا ہر تیر پوری جانثاری اور جانبازی کے ساتھ اپنے کھلے سینوں پر تھام لیں اور ناموسِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عظمتِ اسلام کی خاطر اپنی جانیں نچھاور کر دیں اور اپنے خون سے اسلام کے مرجھائے ہوئے باغ کی آبیاری کرنا اپنی سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑا اعزاز سمجھیں۔ اس نوع کی متعدد اغراض کے پیشِ نظر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران جماعت کے نوجوانوں کو بار بار اور نہایت مؤثر رنگ میں توجہ دلائی کہ وہ فوج میں بکثرت بھرتی ہوں اور اس جنگ کو خدا تعالیٰ کی تقدیر کا ایک مظاہرہ سمجھتے ہوئے اسے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جاری کر کے ہمارے لئے یہ موقعہ بھی پیدا کر دیا ہے کہ اگر چاہیں تو فنونِ جنگ سیکھ سکتے ہیں اور جرأت و بہادری پیدا کرنے کے سامان کر سکتے ہیں[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں جو خطبات ارشاد فرمائے وہ اخبار "الفضل" (قادیان) میں شائع شدہ ہیں۔ اس جگہ بطور نمونہ حضرت امیر المومنینؓ کے ایک خطبہ جمعہ (فرمودہ ۳ وفا ۱۳۲۱ہش / جولائی ۱۹۴۲ء) کا ایک اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔ حضور نے احمدی نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:۔

"کوئی جماعت زندہ نہیں رہ سکتی جب تک اس کے افراد فوجی فنون کے ماہر نہ ہوں۔ قوموں کے مرنے کی علامت یہی ہوا کرتی ہے کہ موت کا خوف ان کے دلوں میں بڑھ جاتا ہے اور قوموں کی زندگی کی علامت یہ ہوتی ہے کہ موت کا خوف ان کے دلوں سے جاتا رہے۔ جو قومیں موت کا خوف اپنے دلوں میں بڑھا لیتی ہیں وہ کبھی فاتح نہیں ہو سکتیں اور جن قوموں کے دلوں میں سے موت کا خوف مٹ جاتا ہے انہیں کوئی مفتوح نہیں کر سکتا ..... صحابہؓ کو دیکھ لو۔ انہیں مارنے کیلئے دشمن نے کتنی کوششیں کیں، قریباً تیس چالیس جنگیں ہوئیں مگر سوائے ایک دو جنگوں کے جن میں چند مسلمان قید ہو گئے کبھی مسلمان قید نہ ہوتے ورنہ کافر تو بیسیوں کی تعداد میں قید ہوتے تھے مگر مسلمان ایک بھی قید نہیں ہوتا تھا۔ اور ان کے قید نہ ہونے کے معنے یہی تھے کہ وہ اتنا لڑتے تھے کہ یا تو مارے جاتے تھے یا فتح حاصل کر لیتے تھے۔ گویا موت سے نڈر رہنے کی وجہ سے وہ قیدی نہیں بنتے تھے۔ اور یہی چیز ان کے غلبہ کا موجب بن گئی۔ مگر کافر ہمیشہ قیدی بننے کو ترجیح دیتے اور

[1] الفضل ۱۷ وفا ۱۳۲۱ہش (۱۷ جولائی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۵ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ وفا ۱۳۲۱ہش / جولائی ۱۹۴۲ء)

جب بھی دیکھتے کہ اُن کا پہلو لڑائی میں کمزور ہو رہا ہے تو وہ ہمت چھوڑ دیتے اور قیدی بن جاتے۔ رفتہ رفتہ یہی چیز اُن کی تباہی کا موجب ہو گئی۔ کیونکہ کچھ تو قید ہونے کی حالت میں ہی مسلمان ہو جاتے اور کچھ مسلمانوں سے ایسے مرعوب ہو جاتے کہ اُن کا مقابلہ کرنے کی رُوح کھو بیٹھتے۔ پس کافر قیدی یا تو مسلمان ہو جاتے تھے یا آجکل کی اصطلاح کے مطابق وہ مسلمانوں کا ففتھ کالم بن جایا کرتے تھے۔ اور اپنی قوم کو ڈرایا کرتے تھے کہ دیکھو مسلمانوں کا مقابلہ نہ کرنا وہ بڑے سخت لوگ ہیں۔ بالآخر اس کا وہی نتیجہ نکلا جو نکلنا چاہیئے تھا کہ مسلمان کامیاب ہو گئے اور کفار ناکام ہو گئے۔

ہماری جماعت کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں کے مطابق ایک زمانہ آنے والا ہے جب ہماری جماعت جو اسوقت سب سے زیادہ کمزور اور دُنیا کے ظلم کا نشانہ بنی ہوئی ہے دُنیا کی فاتح اور حکمران ہوگی۔ اور دنیا کی سب قومیں، دنیا کی سب حکومتیں اور دنیا کی سب سلطنتیں اس کی تابع اور فرمانبردار ہونگی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب ہماری جماعت ساری دنیا میں پھیل جائیگی۔ اور دوسری قومیں اُس کے مقابلہ میں ایسی ہی رہ جائیں گی جیسے چوہڑے اور چمار ہوتے ہیں۔ پس جب تک ہماری جماعت کے افراد کے اندر جرأت اور بہادری پیدا نہ ہو اور جب تک وہ فنونِ جنگ سے آشنا نہ ہوں وہ ایسے زمانہ میں کس طرح کام آ سکتے ہیں۔ حکومت ہمارے پاس نہیں کہ اُسکے زور سے ہم اپنی جماعت کے افراد کو ابھی سے یہ ٹریننگ دے سکیں۔ صرف یہی طریق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فوجی ٹریننگ حاصل کرنے کا جو ذریعہ ہماری جماعت کے لئے نکالا ہے اُس سے ہماری جماعت کے دوست زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ فوج میں داخل ہونے سے صرف ایک چیز کا خوف ہو سکتا ہے اور وہ موت ہے۔ مگر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے موت ایک ایسی چیز ہے جو گھر پر بھی آجاتی ہے اور ایسے ایسے طریق پر آتی ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ایک شخص رات کو اچھا بھلا سوتا ہے مگر اچانک پچھلی رات اُسے ہیضہ ہوتا ہے اور وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے فوت ہو جاتا ہے۔ یا چھت گرتا ہے اور وہ اُس کے نیچے دب کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ یا پاؤں پھسل جاتا ہے اور اُسکی ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی ہے۔ اور ایسے بیسیوں واقعات روزانہ ہوتے رہتے ہیں۔ پس موت سے ڈرنا جہالت کی بات ہے۔ مَیں تو سمجھتا ہوں ہماری جماعت چونکہ فوجی فنون سے ناآشنا ہے اسلئے اُسے سب سے زیادہ

فوجی کاموں میں حصہ لینا چاہیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ اُس کے اندر جرأت اور دلیری پیدا ہو۔ ہمارے ملک میں سکھ بہت تھوڑے ہیں مگر عام طور پر لوگ اُن سے ڈرتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ زیادہ تر فوج میں ملازم ہیں۔ اور فوجی کاموں کی وجہ سے وہ نڈر ہو جاتے ہیں۔ تو فوجی خدمت قوم کو بہادر بناتی اور اس کے افراد کے اندر جرأت اور بہادری پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح انتظام کی پابندی کی عادت بھی فوج میں داخل ہونے سے پیدا ہوتی ہے ...... پھر جیسا کہ میں نے بتایا ہے یہ جنگ اس قسم کی ہے کہ اسلام اور احمدیت پر اس کا بڑا بھاری اثر پڑنے والا ہے اس لئے اسلام اور احمدیت پر اس جنگ کا جو بھی اثر ہو اس کو مٹانے کا ذریعہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کے لوگ زیادہ سے زیادہ فوج میں داخل ہوں تاکہ ان بد اثرات کو مٹا سکیں اور اگر ان بد اثرات کو نہ مٹا سکیں تو کم سے کم وقت پر اپنی جماعت کی حفاظت تو کر سکیں۔ اگر آج وہ فوجی فنون نہیں سیکھیں گے تو کل وہ ان برکات کو بھی حاصل نہیں کر سکیں گے جو فاتح قوموں کے لئے مقدر ہوتی ہیں .... موت اور حیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ جو قومیں موت سے ڈرتی ہیں اور اپنے بچوں کی جانوں کی حفاظت کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے بچے دوسرے ذرائع سے اُن کے سامنے مار ڈالتا ہے۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں خصوصاً اُن اضلاع کی جماعتوں کو جن کا ناظر صاحب امور عامہ دورہ کر رہے ہیں کہ وہ ہمت اور کوشش کر کے نوجوانوں کو بھرتی کرائیں اور انہیں اس دن کے لئے تیار کریں جس دن احمدیت اُن سے قربانی کا مطالبہ کرے گی۔ اگر آج وہ تیار نہیں ہونگے تو وہ وقت پر کچے دھاگے ثابت ہونگے۔ اور اسلام اور احمدیت کے لئے قربانی نہیں کر سکیں گے۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر فوج میں بھرتی ہوئے تو جرمنوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ فوج میں بھرتی نہ ہوئے تو کیا جرمن اُسی جگہ نہیں آجائیں گے۔ اس صورت میں تو وہ اسی جگہ جرمنوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے اور یہ ایک ذلت کی موت ہوگی جس سے انہیں بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ پھر میں کہتا ہوں مومن تو وہ ہوتا ہے جو سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے ڈرتا ہی نہیں۔ آج وہ جرمن سے ڈر گئے ہیں کل جاپان سے ڈر جائیں گے۔ پرسوں کسی اور قوم سے خوف کھاتے پھریں گے۔ پھر وہ فتح کس پر حاصل کریں گے؟ حالانکہ مومن تو وہ ہوتا ہے جو

کسی کی پرواہی نہیں کرتا اور وہ سمجھتا ہے کہ میرے مقابلہ میں کوئی دشمن نہیں ٹھہر سکتا۔ جس مومن کے دل میں یہ یقین پیدا ہوجاتا ہے وہ مقابلہ کے وقت سب پر بھاری ہوتا ہے .... پس میں دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اُن میں سے جو لوگ بھرتی کے قابل ہیں وہ اپنے آپ کو بھرتی کے لئے پیش کریں۔ ہر شخص بھرتی کے قابل نہیں ہوتا۔ گورنمنٹ نے اس کے لئے صحت کا ایک معیار مقرر کیا ہوا ہے جو دوست اس معیار پر پورے اُترتے ہوں انہیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھرتی ہونا چاہیئے تاکہ زیادہ سے زیادہ نوجوان فنونِ جنگ سے آشنا ہوسکیں۔ کسی کو کیا معلوم کہ کب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آنیوالی ہے کہ اپنا سب کچھ قربان کرکے خدا تعالیٰ کے دین کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ اور یہ کام آسان نہیں بلکہ لڑائی سے بہت زیادہ مشکل ہے لڑائی میں توپیں اور تلواریں ساتھ جاتی ہیں مگر اس لڑائی میں نہ توپ ساتھ ہوتی ہے نہ تلوار ساتھ ہوتی ہے۔ پس کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارے ایمان کی آزمائش کا موقعہ کب آنیوالا ہے۔ یہ آزمائشیں جو اس وقت ہو رہی ہیں یہ تو بالکل ابتدائی ہیں۔ اور ایسی ہی ہیں جیسے معمار اپنی ہتھوڑی سے اینٹ کے کنارے صاف کرتا ہے۔ اینٹ کے کنارے صاف کرنا اس کا اصل کام نہیں ہوتا بلکہ اصل کام وہ ہوتا ہے جب اینٹ دیوار میں لگ جاتی ہے۔ اسی طرح ابھی تو ہمارے کنارے صاف کئے جا رہے ہیں پھر وہ وقت آئیگا جب ان اینٹوں کو دیوار میں لگا دیا جائے گا اور سارا بوجھ ان اینٹوں پر آپڑے گا۔

اسی طرح جماعت کے جو کارکن ہیں ان کو بھی میں توجہ دلاتا ہوں کہ اُن میں ایسے دوست اپنے نام مجھے یا دفتر امورِ عامہ میں لکھ کر بھجوا دیں جو اپنے اپنے علاقوں میں اس غرض کے لئے دورہ کرنے اور نوجوانوں کو بھرتی پر آمادہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ہمارے خاندان میں سے ایک بچہ فوج میں گیا ہوا ہے۔ باقی بچے اس قابل نہیں۔ کسی کی آنکھیں کمزور ہیں اور کسی کی عمر نہیں۔ ہمارے ایک اور بچے نے تین دفعہ بھرتی ہونے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اُس نے اس غرض کے لئے اپنی پڑھائی بھی چھوڑ دی تھی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ تو ہمارے خاندان نے اپنا نمونہ پیش کردیا ہے یہ نہیں کہ ہم نے اپنے بچے چھپا کر رکھے ہوئے ہوں۔ ایک بچہ فوج میں گیا ہوا ہے اور دوسرے نے پوری کوشش کی مگر اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ غرض اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر یقین رکھتے ہوئے آئندہ سلسلہ کی خدمات کے لئے تیار کرنے اور اس وقت جنگی

خدمات میں حصہ لینے کے لئے اِس بات کی ضرورت ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوان زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے آپ کو بھرتی کے لئے پیش کریں۔ اسی طرح مجھے یا ناظر صاحب امورِ عامہ کو وہ دوست اپنے اپنے نام بھجوا دیں جو اپنے اپنے علاقوں میں اس غرض کے لئے دورہ کرنے کو تیار ہوں۔ ایسے دوستوں کو چاہیئے کہ وہ گاؤں گاؤں میں پھر کر نوجوانوں کو تلقین کریں۔ اور اُن میں سے جو قابل ہوں انہیں فوج میں بھرتی کرائیں۔ مَیں نے جیسا کہ کہا ہے ایک دفعہ پھر اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ موت کا ڈر کسی زندہ قوم کے افراد کے دل میں نہیں ہو سکتا۔ اگر خدانخواستہ تمہارے دلوں میں موت کا ڈر ہے یا جاپانیوں کا ڈر ہے یا جرمنوں کا ڈر ہے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ تمہارے دل کا اتنا حصہ ایمان سے خالی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف طور پر فرماتا ہے اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ کہ مجھ سے ہی ڈرو۔ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے تین دفعہ اس بات پر زور دیا ہے کہ صرف خدا سے ہی ڈرنا چاہیئے کسی اَور سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ چنانچہ اِيَّايَ سے پہلے فعل محذوف ہے جو اِرْهَبُوْا ہے یعنی اِرْهَبُوْا اِيَّايَ اس کے بعد ایک اور امر محذوف ہے جس پر فَا کا حرف دلالت کرتا ہے اور وہ فعل بھی اِرْهَبُوْا ہے۔ تیسری بار فَارْهَبُوْنِ کہہ کر پھر تاکید کی گئی ہے گویا اس فقرہ کو اگر پھیلایا جائے تو یوں بنے گا کہ اِرْهَبُوْا اِيَّايَ۔ اِرْهَبُوْا فَارْهَبُوْنِ۔ یعنی مجھ سے ڈرو۔ ڈرو مجھ سے ہی ڈرو۔ یعنی سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ یہی مومن کی علامت ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے سوا کسی اَور سے نہیں ڈرتا اُس کو کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی۔ اسی طرح جب کسی قوم کے دل سے ڈر نکل جائے تو وہ قوم یا تو مر جائے گی یا فاتح ہو کر زندگی بسر کرے گی غلام کی زندگی نہیں بسر کرے گی۔ پس اپنے دلوں سے موت کا ڈر نکال دو اور سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرو۔ پھر دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی تم کو مغلوب نہیں کر سکیگی۔"[1]

حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا:۔

"تم مت سمجھو کہ احمدیت کی فتح اسی طرح ہو گی کہ ایک احمدی یہاں سے ہوا اور ایک وہاں سے۔ یہ تو ویسی ہی جنگ ہے جیسی بڑی جنگ سے پہلے ہزاروں دستوں سے چھوٹی چھوٹی

[1] الفضل ۹ رو فا ھ ۱۳۲۱ھش (۹ رجولائی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۳ تا ۹

جھڑپیں ہو جایا کرتی ہیں۔ اِن معمولی ہراول دستوں کی جنگوں کو بڑی جنگ سمجھنا غلطی ہے۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب احمدیت کو دوسرے تمام مذاہب کے مقابلہ میں ڈٹ کر مقابلہ کرنا پڑے گا۔ تب دنیا کے مستقبل کا فیصلہ ہوگا اور تب دنیا کو معلوم ہوگا کہ کونسا مذہب اس کی نجات کے لئے ضروری ہے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ یہ تلوار کی جنگ ہوگی مگر مَیں یہ ضرور کہونگا کہ یہ مضبوط دلوں کی جنگ ہوگی اور دلوں کی مضبوطی اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک انسان خطرات میں اپنے آپ کو ڈالنے کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ پس ہر جگہ جہاں کوئی شخص ڈوب رہا ہو وہاں ایک احمدی کو سب سے پہلے کودنا چاہیئے۔ اس لئے بھی کہ وہ مسلمان یا سکھ یا عیسائی یا ہندو اس کا ایک بھائی ہے جس کو بچانا اس کا فرض ہے اور اسلئے بھی کہ اُس کے اندر جرأت اور بہادری پیدا ہو۔ ہر جگہ جہاں آگ لگ گئی ہو وہاں ایک احمدی کو اس آگ کے بُجھانے کے لئے سب سے پہلے پہنچنا چاہیئے۔ اس لئے بھی کہ جس کے گھر کو آگ لگی ہے وہ خواہ مسلمان ہے یا ہندو ہے یا سکھ ہے یا عیسائی ہے بہرحال اس کا ایک بھائی ہے اور اس لئے بھی کہ اُس کے نفس کو آگ میں کودنے کی مشق ہو اور جرأت اور دلیری اُس کے اندر پیدا ہو۔ اِسی طرح ہر جنگ جو وطن کی حفاظت کے لئے لڑی جائے اس میں ایک احمدی کو سب سے پہلے شامل ہونا چاہیئے اس لئے بھی کہ وطن کا حق ہے کہ اُسکی حفاظت کے لئے جان دی جائے۔ اور اس لئے بھی کہ اس کے اندر جرأت اور بہادری پیدا ہو اور جب شیطان کی جنگ خدا تعالیٰ کی فوج کے ساتھ ہو تو اُس وقت وہ اس جنگ میں خدا تعالیٰ کے لئے اپنی جان کو قربان کرنے والا ہو۔ جو شخص آج اپنے آپ کو اس رنگ میں تیار نہیں کرتا۔ جو شخص آج اپنے نفس کی اس طرح تربیت نہیں کرتا۔ جو شخص آج اپنے اندر یہ جرأت اور دلیری پیدا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا کل اُس پر کوئی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ وہ کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ جائے گا۔ اور اس کی زبان کے دعوے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔"[۱]

جنگ میں بھرتی ہونے کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ اور سلسلہ کے بعض اور کارکنوں نے ملک کے وسیع دورے کئے جس کے نتیجہ میں قریباً سولہ ہزار [۱۶۰۰۰] احمدی جنگ میں بھرتی ہوئے۔[۲]

۱؎ الفضل ۲۴ وفا ۱۳۲۱ ہش (۲۴ جولائی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۶ و ۷ ۔ ۲؎ الفضل ۱۱ اخاء ۱۳۲۴ ہش / اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ا (خطبہ جمعہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرمودہ ۵ اخاء ۱۳۲۴ ہش (۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

جن کا سالانہ چندہ ایک لاکھ کے قریب پہنچ گیا۔ احمدی سپاہیوں نے اندرون ملک اور ملک سے باہر مشرق وسطیٰ، مشرق بعید میں فرض شناسی اور شجاعت بہادری کے خوب جوہر دکھلائے۔ اس دوران میں انہیں ہانگ کانگ وغیرہ علاقوں میں ہندوستانی فوجیوں کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا اور جاپان کی قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلنا پڑیں مگر انہوں نے کمال صبر و تحمل کا نمونہ دکھلایا۔ اور نظربندی کے زمانہ میں نمازوں اور دعاؤں کا خاص التزام رکھا[۱] جو احمدیت کی تعلیم کا اعجاز تھا۔

بیرونی مبلغین کے لئے خصوصی دعا کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو سلسلہ کے مبلغین سے از حد محبت تھی اور حضور اپنے بیٹوں سے بڑھ کر اُن پر شفقت فرماتے تھے۔ اور خصوصاً باہر جانے والے مبلغوں کی نسبت تو فرمایا کرتے تھے کہ میرے دل میں اُن کے لئے جذباتِ ممنونیت اس درجہ پیدا ہوتے ہیں کہ اگرچہ وہ محض سلسلہ کی خاطر اپنے وطنوں کو خیرباد کہتے ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ گویا میرے ذاتی کام کے لئے جا رہے ہیں۔

جنگ کے ایّام میں حضور اپنے اُن خدام کے لئے جو اکنافِ عالم میں مصروفِ تبلیغ تھے اور مصائب و آلام میں گھِر گئے تھے بہت متشوّش تھے اور اُن کی خیریت و سلامتی اور اُن کے مقاصد کی تکمیل کے لئے خود بھی دُعائیں فرماتے اور سالانہ جلسہ کے موقعہ پر احبابِ جماعت کو بھی ارشاد فرماتے کہ وہ اپنی دعاؤں میں اُن مجاہدین کو خاص طور پر یاد رکھیں۔ اِس سال کے دوران میں جب رمضان کے مبارک ایّام آئے جو دعاؤں کی قبولیت کے لئے خصوصیت رکھتے ہیں تو حضور نے ۱۵ ماہ تبوک ۱۳۲۱ہش / ستمبر ۱۹۴۲ء کو اپنے خطبہ جمعہ میں مبلغین کے لئے خصوصی دُعا کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:۔

"آج کل سینکڑوں نہیں ہزاروں احمدی لڑائی میں گئے ہوئے ہیں۔ شائد ہی کوئی ایسی جگہ ہو جہاں بڑی تعداد میں احمدی رہتے ہوں اور وہاں سے کوئی احمدی لڑائی میں نہ گیا ہو۔ پھر بہت سے احمدی ہیں جو لڑائی کی وجہ سے آجکل قید ہیں۔ اسی طرح ہمارے کئی مبلغ قید ہیں یا قید نما حالت میں ہیں۔ اُن میں سے دس بارہ تو مشرقی ایشیا میں ہی ہیں۔ مثلاً مولوی رحمت علی صاحب، مولوی شاہ محمد صاحب، ملک عزیز احمد صاحب، مولوی محمد صادق صاحب، مولوی

---

[۱] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۳۲۰ہش / ۴۰-۱۹۴۱ء صفحہ ۱۵۹ + [۲] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو محمد نصیب صاحب عارف دیسربابو محمد شریف صاحب مرحوم محلہ دارالرحمت قادیان) کے مضامین مطبوعہ الفضل ۲۹ اخاء ۱۳۲۴ہش / اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ و ۶ و الفضل ۱۹ فتح / دسمبر ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء و الفضل ۲۹ صلح ۱۳۲۵ہش / جنوری ۱۹۴۶ء و ۱۷ تبلیغ ۱۳۲۵ہش / فروری ۱۹۴۶ء

غلام حسین صاحب۔ ان کے علاوہ کچھ لوکل مبلّغ ہیں جو پانچ سات ہیں جن میں سے بعض کو یہاں سے مقرر کیا گیا تھا اور بعض کو وہاں کی جماعتوں نے اپنا مبلّغ بنا لیا تھا۔ ان تمام مبلّغین کے متعلق نہ ہمیں کوئی خبر ہے نہ اطلاع۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں کیونکہ وہ ہماری طرف سے ان ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض باتوں کو فرض کفایہ قرار دیا ہے اور تبلیغ بھی انہی میں سے ایک ہے۔ یعنی اگر قوم میں سے کوئی شخص بھی تبلیغ نہ کرے تو ساری قوم گنہگار اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مورد ہوگی۔ لیکن اگر کچھ لوگ تبلیغ کے لئے کھڑے ہو جائیں تو باقی قوم گنہگار نہیں ہوگی۔ پس اگر یہ لوگ تبلیغ کے لئے غیر ممالک میں نہ جاتے تو احمدیہ جماعت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں گنہگار ٹھہرتی۔ اور وہ اس کے عذاب کی مورد بن جاتی کیونکہ وہ کہتا کہ اس قوم نے تبلیغ کو بالکل ترک کر دیا ہے جیسے مسلمانوں کی حالت ہے کہ جب انہوں نے فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیا اور اُن میں ایسے لوگ نہ رہے جو اپنے وطنوں کو چھوڑ کر اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر اور اپنے آرام و آسائش کے سامانوں کو چھوڑ کر غیر ممالک میں جائیں اور لوگوں کو داخلِ اسلام کریں تو وہ موردِ عذاب بن گئے۔ پس جن لوگوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کو اپنی خاص رحمتوں کا مورد بنایا ہوا ہے، یقیناً اُن کا حق ہے کہ ہم انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اُن کے لئے دُعا کرنا اپنی ذاتی دعاؤں پر مقدم سمجھیں اور متواتر الحاح اور عاجزی سے اُن کی صحت اور سلامتی کے لئے دُعائیں کریں۔ اسی طرح اور بہت سے مبلّغ ہیں جن کی قربانیوں کا صحیح اندازہ ہماری جماعت کے دوست نہیں لگا سکتے۔ بالخصوص دو مبلّغ تو ایسے ہیں جو شادی کے بہت تھوڑا عرصہ بعد ہی تبلیغ کے لئے چلے گئے اور اب تک باہر ہیں۔ اُن میں سے ایک دوست تو نو سال سے تبلیغ کے لئے گئے ہوئے ہیں حکیم فضل الرحمٰن اُن کا نام ہے۔ انہوں نے شادی کی اور شادی کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی انہیں تبلیغ کے لئے بھجوا دیا گیا۔ وہ ایک نوجوان اور چھوٹی عمر کی بیوی چھوڑ کر گئے تھے مگر اب وہ آئیں گے تو انہیں ادھیڑ عمر کی بیوی ملے گی۔ یہ قربانی کوئی معمولی قربانی نہیں میرے نزدیک تو کوئی نہایت ہی بے شرم اور بے حیا ہی ہو سکتا ہے جو اس قسم کی قربانیوں کی قیمت کو نہ سمجھے اور انہیں نظر انداز کر دے۔ اسی طرح مولوی جلال الدین صاحب شمس ہیں

انہوں نے بڑی عمر میں شادی کی اور دو تین سال بعد ہی انہیں تبلیغ کے لئے بھیج دیا گیا۔ اُن کے ایک بچے نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا اور باپ نہیں جانتا کہ میرا بچہ کیسا ہے۔ سوائے اس کے کہ تصویروں سے انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا ہو۔ وہ بھی کئی سال سے باہر ہیں اور اب تو لڑائی کی وجہ سے اُن کا آنا اَور بھی مشکل ہے۔ قائم مقام ہم بھیج نہیں سکتے اور خود وہ آ نہیں سکتے کیونکہ راستے مخدوش ہیں۔ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کب واپس آئیں گے لڑائی ختم ہو اور حالات اعتدال پر آئیں تو اس کے بعد اُن کا آنا ممکن ہے اور نہ معلوم اس میں ابھی اور کتنے سال لگ جائیں۔ ان لوگوں کی ان قربانیوں کا کم سے کم بدلہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ہر فرد دُعائیں کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے اور اُن کے اعزہ اور اقرباء پر بھی رحم فرمائے۔ مَیں تو سمجھتا ہوں جو احمدی ان مبلّغین کو اپنی دعاؤں میں یاد نہیں رکھتا اس کے ایمان میں ضرور کوئی نقص ہے۔ اور مجھے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ایمان میں خلل واقع ہو چکا ہے اسی طرح اور بھی کئی مبلّغ ہیں جن کی قربانی گو اس حد تک نہیں مگر پھر بھی وہ سالہا سال سے اپنے اعزہ اور رشتہ داروں سے دُور ہیں اور قسم قسم کی تکالیف برداشت کر رہے ہیں۔ ان مبلّغین میں سے مغربی افریقہ کے دو مبلّغ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک مولوی نذیر احمد صاحب (ابن بابو فقیر علی صاحب) اور دوسرے مولوی محمد صدیق صاحب۔ یہ لوگ ایسے علاقوں میں ہیں جہاں سواریاں مشکل سے ملتی ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی آسانی سے میسّر نہیں آتیں۔ رستہ میں کبھی ستو پھانک کر گذارہ کر لیتے ہیں اور کبھی کوئی پھل کھا لیتے ہیں۔ پھر انہیں سینکڑوں میل کے دَورے کرنے پڑتے ہیں اور ان دَوروں کا اکثر حصّہ وہ پیدل طے کرتے ہیں۔ یہ قربانیاں ہیں جو سالہا سال سے یہ لوگ کر رہے ہیں۔ چیف اور رؤساء اُن کا مقابلہ کرتے ہیں بعض دفعہ (گو ہمیشہ نہیں) گورنمنٹ بھی اُن کے راستہ میں روڑے اٹکاتی ہے۔ عام پبلک اور مولوی بھی مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان تمام روکوں کے باوجود وہ مختلف علاقوں میں جماعتیں قائم کرتے اور خانہ بدوشوں کی طرح دین کی اشاعت کے لئے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ ایسے نہیں کہ جماعت ان کی قربانیوں کے واقعات کو تسلیم کرنے سے انکار کر سکے۔ مَیں "قربانیوں کے واقعات کو تسلیم کرنے" کی بجائے "ان کے احسانات کو تسلیم کرنے" کے الفاظ استعمال کرنے لگا تھا مگر پھر مَیں نے

لفظ احسان اپنی زبان سے نہیں نکالا۔ کیونکہ دین کے لئے قربانی کرنا ہر مومن کا فرض ہے۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ جماعت ان لوگوں کی قربانیوں کو تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتی۔ لیکن بہر حال اس میں کیا شبہ ہے کہ جو کام یہ لوگ کر رہے ہیں وہ ساری جماعت کا ہے اور اس لحاظ سے جماعت کے ہر فرد کو اپنی دعاؤں میں ان مبلغین کو یاد رکھنا چاہیئے۔

اسی طرح اور مبلغ دوسرے مختلف ممالک میں اخلاص اور قربانی سے کام کر رہے ہیں۔ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب امریکہ میں کام کر رہے ہیں اور بعض مشکلات میں ہیں۔ مولوی مبارک احمد صاحب مشرقی افریقہ میں کام کر رہے ہیں، مولوی رمضان علی صاحب ساؤتھ امریکہ میں کام کر رہے ہیں چوہدری محمد شریف صاحب فلسطین اور مصر میں کام کر رہے ہیں۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں ان کے علاوہ مولوی نذیر احمد صاحب مبشر سیالکوٹی آجکل گولڈ کوسٹ میں کام کر رہے ہیں۔ یہاں گو جماعتیں پہلے سے قائم ہیں مگر وہ اکیلے کئی ہزار کی جماعت کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ پھر اُن کی قربانی اس لحاظ سے بھی خصوصیت رکھتی ہے کہ وہ آنریری طور پر کام کر رہے ہیں۔ جماعت اُن کی کوئی مدد نہیں کرتی۔ وہ کبھی سات آٹھ سال سے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے جدا ہیں بلکہ تبلیغ پر جانے کی وجہ سے وہ اپنی بیوی کا رخصتانہ بھی نہیں کرا سکے۔"[۵۱]

خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور رحم سے حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ اور احباب کی متضرعانہ دعاؤں کو سُنا اور مجاہدین کی اعجازی رنگ میں حفاظت فرمائی۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن کی رہائش گاہ کے دائیں اور بائیں جرمن جہازوں نے بمباری کی مگر آپ محفوظ رہے۔ اسی طرح چوہدری محمد شریف صاحب مجاہد اٹلی بھی۔ ملک عزیز احمد خاں صاحب، مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری اور سید شاہ محمد صاحب کو جاوی علماء کی مخبری پر جاپانی حکام نے جیل میں ڈال دیا اور مولوی محمد صادق صاحب کو جاپانی حکومت نے پھانسی دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر قبل اس کے کہ اس ناپاک منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا جاتا خدائے ذوالجلال نے اس ظالم حکومت کا تختہ ہی اُلٹ دیا۔[۵۲]

---

[۵۱] الفضل یکم اخاء ۱۳۲۱ہش (یکم اکتوبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۲، ۳ + [۵۲] ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد نہم صفحہ ۵۱۹ — ۵۲۱ +

مبلغین سلسلہ کو ذکر الٰہی کیلئے اہم تحریک

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جہاں جماعت کے دوستوں کو بیرونی مبلغین کے لئے دعا کی تحریک فرمائی وہاں خود مبلغوں کو بھی ارشاد فرمایا کہ وہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مصروف رہیں تا اُن کی تبلیغ میں جذب و اثر پیدا ہو۔ چنانچہ فرمایا:۔

"حقیقت یہی ہے کہ اسی قوم کے دن زندہ ہوتے ہیں جس کی راتیں زندہ ہوں۔ جو لوگ ذکر الٰہی کی قدر و قیمت کو نہیں سمجھتے اُن کا مذہب کے ساتھ وابستگی کا دعویٰ محض ایک رسمی چیز ہے۔ کئی نوجوان ایسے ہوتے ہیں جو تبلیغ بڑے جوش سے کرتے ہیں چندوں میں بھی شوق سے حصہ لیتے ہیں مگر ذکر الٰہی کے لئے مساجد میں بیٹھنا اور اخلاق کی درستی کے لئے خاموش بیٹھنا اُن پر گراں ہوتا ہے اور جو وقت اس طرح گذرے اُسے وہ سمجھتے ہیں کہ ضائع گیا، اُسے تبلیغ پر صرف کرنا چاہیئے تھا۔ ایسے لوگ اِس بات کو بھول جاتے ہیں کہ تلوار اور سامانِ جنگ کے بغیر لڑائی نہیں جیتی جا سکتی جس طرح لڑائی کے لئے اسلحہ اور سامانِ جنگ کی ضرورت ہے اسی طرح تبلیغ بھی بغیر سامانوں کے نہیں ہو سکتی۔ تبلیغ کے میدانِ جنگ کے لئے ذکر الٰہی آرسنل اور فیکٹری ہے اور جو مبلغ ذکر الٰہی نہیں کرتا وہ گویا ایک ایسا سپاہی ہے جس کے پاس تلوار نیزہ یا گولی اور اسلحہ نہیں۔ ایسا مبلغ جس چیز کو تلوار یا اپنا ہتھیار سمجھتا ہے وہ کرم خوردہ لکڑی کی کوئی چیز ہے جو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ وہی دلیل محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم دیتے تھے اور دل پر اثر کرتی تھی۔ لیکن وہی دلیل دوسرا پیش کرتا ہے لیکن سننے والا ہنس کر گذر جاتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا بیہودہ باتیں کر رہا ہے۔ یہ فرق کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ اُس شخص کے پاس جو ہتھیار ہے وہ لکڑی کا کرم خوردہ ہتھیار ہے مگر محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوہے کی ایسی تیز تلوار تھی جو ذکر الٰہی کے کارخانے سے تازہ ہی بن کر نکلی تھی۔ کیا وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں میں جو اثر تھا وہ دوسروں کی باتوں میں نہیں۔ ہمارے مبلغوں کی تقریروں میں وہ اثر نہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ جس مبلغ کی تقریر کو ذکر الٰہی نے تلوار نہیں بنایا ہوتا۔ اُس کے ہاتھ میں لکڑی کا کرم خوردہ ہتھیار ہے جسے گھن لگا ہوا ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

ہاتھ میں جو تلوار تھی وہ ذکرِ الٰہی کے کارخانہ سے نئی نئی بن کر آئی تھی۔ جسے نہ کوئی زنگ لگا تھا نہ چربی وغیرہ کوئی چیز لگی تھی۔ مبلّغ جو تلوار استعمال کرتا ہے وہ کسی پُرانی فیکٹری میں بنی ہوئی ہوتی ہے۔ جسے زندانے اور نشان وغیرہ پڑ چکے ہیں اور جو پہلے استعمال ہو چکنے کی وجہ سے خراب ہو چکی ہے اور پُرانی ہونے کی وجہ سے اُس کے ہینڈل کو کیڑا لگا ہوا ہے۔ یہ اُسے مارتا ہے تو بجائے دوسرے کو نقصان پہنچانے کے خود ہی ٹوٹ کر گر جاتی ہے۔ دوسرے پر اثر تبلیغ اور دلیل سے ہی نہیں پڑتا بلکہ اس کے پیچھے جو جذبہ ہوتا ہے اُسکا اثر ہوتا ہے ایک بزرگ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جہاں وہ رہتے تھے اُس محلّہ میں ایک بہت فسادی اور شریر آدمی تھا جو ہر وقت عیّاشی میں مصروف رہتا۔ اور دین سے ہمیشہ مذاق کرتا تھا وہ اُسے بہت سمجھاتے تھے مگر اُس پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں حج کے لئے گیا۔ تو اُسے دیکھا کہ نہایت عجز و انکسار کی حالت میں طواف کر رہا ہے۔ جب فارغ ہوئے تو اس بزرگ نے اُس سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ تم حج کے لئے آ گئے ہاتم تو دین سے مذاق کیا کرتے تھے اور کسی نصیحت کا تم پر اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ اُس نے کہا۔ میری ہدایت کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مَیں بازار میں جا رہا تھا۔ عیّاشی کے خیالات میں محو تھا اور عیش و طرب کے مرکز کی طرف ہی جا رہا تھا کہ ایک مکان میں کوئی شخص قرآن شریف بلند آواز سے پڑھ رہا تھا کہ آیت اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ میرے کان میں پڑی یعنی کیا مومنوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ جب اُن کے دل خدا تعالیٰ کے ذکر کے لئے نرم ہو جائیں اور وہ ذکرِ الٰہی شروع کر دیں۔ اِس آواز میں ایسا سوز و گداز اور ایسی محبّت تھی کہ مجھے یوں معلوم ہُوا کہ وہ دنیا میں سے کسی انسان کی آواز نہ تھی۔ اُس آواز کو سُنتے ہی مَیں گویا اُڑ کر کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ اُسی وقت گھر آیا اور عیش و طرب کے سب سامان توڑ ڈالے اور حج کے لئے روانہ ہو گیا۔ یہ قرآن کی وہی آیت ہے جو کئی لوگ پڑھتے اور سُنتے ہیں مگر اُن پر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔ لیکن یہی آیت جب ایک ایسے دل سے نکلی جو ذکرِ الٰہی سے سرسبز اور شاداب تھا تو سُننے والے پر ایسا اثر کیا کہ اُسکی زندگی میں گویا ایک انقلاب پیدا کر دیا۔

اسی طرح ایک اور بزرگ کا واقعہ ہے کہ کسی شہر میں بادشاہ کا کوئی درباری رہتا تھا جس کے ہاں شب و روز گانا بجانا ہوتا اور محلہ والے سخت تنگ آچکے تھے۔ محلہ کے لوگ اُس بزرگ کے پاس گئے اور کہا کہ اِس طرح رات بھر شور و شر کی وجہ سے عبادت میں خلل پڑتا ہے اگر عبادت کرنا چاہیں تو شور کی وجہ سے نہیں کر سکتے اور اگر سونا چاہیں کہ تہجد کے وقت اُٹھیں گے تو شور کی وجہ سے نیند نہیں آتی۔ اِن حالات میں ہم لوگ کیا کریں؟ کئی لوگ اس درباری کو سمجھاتے رہے وہ بزرگ بھی پیغام بھیجتے رہے مگر اس پر کوئی اثر نہ ہونا تھا اور نہ ہوا۔ آخر جب لوگوں نے اُس درباری سے کہا کہ اب سختی سے تمہارا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اُس نے جواب دیا کہ تم میرا کیا مقابلہ کر سکتے ہو۔ تم جانتے نہیں کہ مَیں بادشاہ کا درباری ہوں۔ مَیں بادشاہ سے کہہ کر کل یہاں پولیس مقرر کرا دوں گا۔ پھر تم کو اچھی طرح پتہ لگ جائے گا۔ اُس بزرگ نے کہا کہ تم پولیس مقرر کرا لو گے تو ہم بھی مقابلہ کریں گے۔ اُس نے جواب دیا کہ بڑے آئے مقابلہ کرنے والے۔ تمہارے پاس کیا رکھا ہے جس سے بادشاہ کی فوجوں کا مقابلہ کرو گے؟ اُس بزرگ نے کہا کہ ہم تو راتوں کے تیروں سے مقابلہ کریں گے۔ اُس بزرگ کو دُعاؤں کی طاقت اور اپنی دعاؤں کی قبولیت کا جو یقین تھا اُس کا یہ اثر ہوا کہ اُن کے مونہہ سے یہ بات نکلنے کے ساتھ ہی اُس درباری کی چیخیں نکل گئیں۔ اُس نے فوراً حکم دیا کہ سارنگیاں وغیرہ توڑ دی جائیں۔ اور اُس بزرگ سے کہا کہ راتوں کے تیروں کا مقابلہ ہم واقعی نہیں کر سکتے۔ تو ذکرِ الٰہی کی طاقت سے بات میں بہت زیادہ اثر پیدا ہو جاتا ہے۔ دیکھو قرآن کریم وہی تھا مگر مسلمان اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے تھے اس لئے کہ اُن کے دلوں میں حقیقی ایمان نہ تھا۔ مگر وہی قرآن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ میں آکر کس طرح اسلام کے دشمنوں کو تہس نہس کر رہا ہے۔ اور چاروں طرف مُردے ہی مُردے نظر آتے ہیں۔ یہ اس لئے ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ذکرِ الٰہی کی طاقت تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وفاتِ مسیح کے جو دلائل پیش فرمائے ہیں اُن میں بیس تیس بلکہ اَور سو کا اضافہ بھی بے شک کر لو لیکن اگر ذکرِ الٰہی نہیں تو ان تمام دلائل اور انہیں بیان کرنے والے

مبلغوں کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اثر زبان نہیں دل کا جذبہ کرتا ہے۔ خالی زبانی باتوں سے کچھ نہیں بنتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے اور وہ معقول بات کو ہی قبول کرتا ہے۔ لیکن صرف بات کا معقول ہونا ہی اثر نہیں کر سکتا جب تک کہ اُس کے ساتھ محبت اور سنجیدگی نہ ہو۔ بات معقول بھی ہو اور پھر اس کے ساتھ محبت اور سنجیدگی بھی ہو تب اثر ہوتا ہے۔ اخلاص اور محبت کے بغیر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ یعنی دین اور اخلاص ایک چیز ہے۔ جب تک اخلاص نہیں دین بھی نہیں۔ اور جب اخلاص مٹے گا دین بھی مٹ جائیگا۔"[۱]

چینی مسلمانوں کے نمائندہ شیخ عثمان صاحب قادیان میں

چین کے مسلمانوں کی ایک مرکزی تنظیم "نیشنل اسلامک سالویشن فیڈریشن"[۲] کے نام سے قائم تھی جس کے نمائندہ شیخ عثمان صاحب نظارت دعوت و تبلیغ کی تحریک پر لاہور سے یکم اخاء ۱۳۲۱ھش (اکتوبر ۱۹۴۲ء) کو قادیان آئے۔ آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی کوٹھی بیت الظفر میں اُن کا پرتپاک استقبال کیا گیا۔ بعض احباب سے انگریزی اور چینی میں گفتگو کی۔ جزائر شرق الہند کے احمدی نوجوانوں سے بھی ملے اور بہت خوش ہوئے۔ اس ملاقات کے بعد آپ نے مرکزی ادارے دیکھے۔ شام کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بیت الظفر میں انہیں اور بعض دوسرے معززین کو دعوت افطاری دی اور دعوت سے قبل انگریزی میں مسلمانان چین کے مذہبی تمدنی اور معاشرتی حالات سے متعلق گفتگو فرماتے رہے۔[۳]

دوسرے روز (۲ اخاء کو) آپ نے ۹½ بجے صبح تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہال میں زیر صدارت حضرت مفتی محمد صادق صاحب مسلمانان چین کے کوائف پر لیکچر دیا۔ بعد ازاں آپ قصر خلافت میں آئے جہاں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کی درخواست پر الوداعی ملاقات کا شرف بخشا اور آپ ۱۱ بجے واپس لاہور روانہ ہوگئے۔

شیخ عثمان صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی زیارت سے بہت متاثر تھے چنانچہ انہوں نے خود ہی بعض دوستوں کو بتایا کہ حضور کی شخصیت نے میرے دل پر بہت گہرا اثر کیا ہے، آپ بہت ہی

---

[۱] الفضل ۶ اخاء ۱۳۲۱ھش / اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ و ۴ [۲] الفضل ۲۵ احسان ۱۳۲۱ھش صفحہ ۵ [۳] الفضل ۲ اخاء ۱۳۲۱ھش / اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱

قابلِ تعریف شخصیت ہیں اور آپ کی معلومات نہایت وسیع ہیں۔ آپ ہر ایک اہم موضوع پر نہایت عمدگی کے ساتھ عالمانہ گفتگو فرما سکتے ہیں اور کئی زبانوں سے واقف ہیں [۵۱]

ہندوستان میں پیغامِ حق کی منظم اشاعت کیلئے "تبلیغ خاص" کی تحریک

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں اس طرف توجہ ہوئی کہ اب تک جماعتِ احمدیہ انفرادی رنگ میں تبلیغ کرتی رہی ہے۔ اب اسے اجتماعی تبلیغ کا رنگ اختیار کرنا چاہیئے اور جنگ کے خاتمہ سے پہلے ہندوستان میں تبلیغ احمدیت کے لئے پورا زور لگا دیا جائے اور جونہی جنگ ختم ہو اور بیرونی رستے کھلیں تو غیر ممالک پر روحانی اور تبلیغی حملہ کر دیا جائے تا دنیا میں جو خلا پیدا ہو وہ احمدیت کے ذریعہ بآسانی پورا کیا جا سکے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"گو ہندوستان سے باہر مبلغ نہیں بھیجے جا سکتے مگر جنگ کے بعد بہت ضرورت ہوگی فی الحال ہمیں ہندوستان میں ہی تبلیغ کے کام کو بڑھانا چاہیئے اور باہر کا جو رستہ بند ہو چکا ہے اس کا کفارہ یہاں ادا کرنا ضروری ہے۔ پس کیوں نہ ہم یہاں اتنا زور لگائیں کہ جماعت میں ترقی کی رفتار سوائی یا ڈیوڑھی ہو جائے۔ اور دو تین سال میں ہی جماعت دوگنی ہو جائے۔ جب تک ترقی کی یہ رفتار نہ ہو کامیابی نہیں ہو سکتی۔ ہمارے سامنے بہت بڑا کام ہے۔ پونے دو ارب مخلوق ہے جن سے ہم نے صداقت کو منوانا ہے اور جب تک باہر کے راستے بند ہیں ہندوستان میں ہی کیوں نہ کوشش زیادہ کی جائے" [۵۲]۔

اس مقصد کے مدّنظر حضور نے ۹ ماہ اخاء ۱۳۲۱ھش / اکتوبر ۱۹۴۲ء کے خطبہ جمعہ میں ہندوستان کے چپّہ چپّہ تک پیغامِ احمدیت پہنچانے کے لئے ایک تبلیغ خاص کی نہایت اہم تحریک فرمائی جس کے دو حصے تھے۔ اوّل:- غیر احمدی علماء، امراء اور مشائخ کے نام خطبہ نمبر "الفضل" اور "سن رائز" کے ہزار ہزار پرچے جاری کرائے جائیں۔ دوم:- ملک کے با اثر اور مقتدر طبقہ کو خطوط کے ذریعہ بھی بار بار تبلیغ کی جائے۔ [۵۳]

تبلیغ خاص کی اس نئی تحریک کی تفصیلات پر حضور نے مندرجہ ذیل الفاظ میں روشنی ڈالی:-

---

[۵۱] الفضل ۴ / اخاء ۱۳۲۱ھش / اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ + [۵۲] الفضل ۱۰ / تبلیغ ۱۳۲۱ھش / فروری ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ (تقریر فرمودہ جلسہ سالانہ ۱۳۲۰ھش / ۱۹۴۱ء)

[۵۳] الفضل ۲۲ / اخاء ۱۳۲۱ھش / اکتوبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ - اُن دنوں "الفضل" کے خطبہ نمبر کا سالانہ چندہ اڑھائی روپے اور "سن رائز" کا (ہندوستان کیلئے) چار روپے تھا۔

"انبیاء کی جماعتیں جب حقیقی تبلیغ کے لئے اُٹھتی ہیں تو دیوانگی کا رنگ رکھتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں یہ لوگ پاگل ہیں۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ ہاں ہم پاگل ہیں۔ مگر اس جنون سے پیاری چیز ہمیں اَور کچھ نہیں۔ مگر اس دن کے آنے سے پہلے تبلیغ میں تیزی کی ضرورت ہے سمندر کو ایک دن میں کوئی شخص پار نہیں کر سکتا جو اُسے پار کرنا چاہے پہلے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اُس کے قریب کرے۔ ایک چھلانگ میں ہی کوئی اُس تک نہیں پہنچ سکتا پس پہلے اس کے لئے تیاری کی ضرورت ہے۔

اِس سلسلہ میں مَیں نے یہ تجویز کی ہے کہ سردست ضرورت ہے کہ ایک حد تک اِس طبقہ میں جو علماء اور رؤساء اور امراء یا پیروں اور گدی نشینوں کا طبقہ ہے اُس تک باقاعدہ سلسلہ کا لٹریچر بھیجا جائے "الفضل" کا خطبہ نمبر یا انگریزی دان طبقہ تک "سن رائز" جس میں میرے خطبہ کا انگریزی ترجمہ چھپتا ہے باقاعدہ پہنچایا جائے۔ تمام ایسے لوگوں تک ان کو پہنچایا جائے جو عالم ہیں یا امراء رؤساء یا مشائخ میں سے ہیں اور جن کا دوسروں پر اثر و رسوخ ہے۔ اور اس کثرت سے اُن کو بھیجیں کہ وہ تنگ آکر یا تو اس طرف توجہ کریں اور یا مخالفت کا بیڑہ اُٹھائیں اور اس طرح تبلیغ کے اس طریق کی طرف آئیں جسے آخر ہم نے اختیار کرنا ہے۔ لٹریچر اور "الفضل" کا خطبہ نمبر یا "سن رائز" بھیجنے کے علاوہ ایسے لوگوں کو خطوط کے ذریعہ بھی تبلیغ کی جائے اور بار بار ایسے ذرائع اختیار کر کے اُن کو مجبور کر دیں کہ یا وہ صداقت کی طرف توجہ کریں اور تحقیق کرنے لگیں اور یا پھر مخالفت شروع کر دیں۔ مثلاً ایک چٹھی بھیج دی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اَور بھیجی۔ پھر کچھ انتظار کے بعد اَور بھیج دی جس طرح کوئی شخص کسی حاکم کے پاس فریاد کرنے کے لئے اُسے چٹھی لکھتا ہے مگر جواب نہیں آتا تو اَور لکھتا ہے۔ پھر وہ توجہ نہیں کرتا تو ایک اَور لکھتا ہے حتّٰی کہ وہ افسر توجہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پس تکرار کے ساتھ علماء اور امراء و رؤساء و مشائخ نیز راجوں مہاراجوں نوابوں اور بیرونی ممالک کے بادشاہوں کو بھی چٹھیاں لکھی جائیں۔ اگر کوئی شکریہ ادا کرے تو اس پر خوش نہ ہو جائیں اور پھر لکھیں کہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کی طرف توجہ کریں۔ جواب نہ آئے تو پھر چند روز کے بعد اور لکھیں کہ

اس طرح آپ کو خط بھیجا گیا تھا مگر آپ کی طرف سے اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ پھر کچھ دنوں تک انتظار کے بعد اور لکھیں حتّٰی کہ یا تو وہ بالکل ایسا ڈھیٹ ہو کہ اُس کے دل پر مہر لگی ہوئی ہے اور اس کی طرف سے اس کے سیکرٹری کا جواب آئے کہ تم لوگوں کو کچھ تہذیب نہیں بار بار دق کرتے ہو۔ راجہ صاحب نے یا پیر صاحب نے خط پڑھ لیا اور وہ جواب دینا نہیں چاہتے۔ اور یا پھر اس کی طرف سے جواب آئے کہ آؤ جو سُنانا چاہتے ہو سُنا لو۔ اس رنگ میں تبلیغ کے نتیجہ میں کچھ لوگ غور کے لئے تیار ہو جائیں گے مگر اس وقت تو یہ حالت ہے کہ غور کرتے ہی نہیں۔ پس اب اس رنگ میں کام شروع کرنا چاہیئے اس کے لئے ضرورت ہے ایسے مخلص کارکنوں کی جو اپنا وقت اس کام کے لئے دے سکیں بہت سی چٹھیاں لکھنی ہونگی۔ چٹھیاں چھپی ہوئی بھی ہو سکتی ہیں مگر پھر بھی اُن کو بھیجنے کا کام ہوگا۔ اگر جواب آئے تو اُن کا پڑھنا اور پھر اُن کے جواب میں بعض چٹھیاں دستی بھی لکھنی پڑیں گی۔ بعض چٹھیوں کے مختلف زبانوں میں تراجم کرنے ہونگے اور یہ کافی کام ہوگا۔ اس کے لئے جن دوستوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دے وہ اس کام میں مدد دیں۔ پھر جو دوست "الفضل" کا خطبہ نمبر اور "سن رائز" دوسروں کے نام جاری کرا سکیں وہ اس رنگ میں مدد دیں ...... امداد دینے والے دوست اپنے نام میرے سامنے پیش کریں، میں خود تجویز کروں گا کہ کن لوگوں کے نام یہ پرچے جاری کرائے جائیں۔ پھر اس سلسلہ میں اور جو دوست خدمت کے لئے اپنے نام پیش کرنا چاہیں وہ بھی کر دیں۔ اُن کے ذمہ کام لگا دیئے جائیں گے۔ مثلاً یہ کہ فلاں قسم کے خطوط فلاں کے پاس جائیں اور اُن کے جواب بھی وہ لکھیں۔ اس کام کی ابتداء کرنے کے لئے میں نے ایک خط لکھا ہے جو پہلے اردو اور انگریزی میں اور اگر ضرورت ہوئی تو دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ کرا کے دنیا کے بادشاہوں اور ہندوستان کے راجوں مہاراجوں کی طرف بھیجا جائیگا۔ اس قسم کے خطوط بھی وقتاً فوقتاً جاتے رہیں۔ مگر اصل چیز "الفضل" کا خطبہ نمبر یا "سن رائز" ہے جو ہر ہفتہ اُن کو پہنچتا رہے۔ اور چونکہ خطبہ کے متعلق مسنون طریق یہی ہے کہ وہ اہم امور پر مشتمل ہو اس لئے اس میں سب مسائل پر بحثیں آجاتی ہیں۔ اس میں سلسلہ کے مسائل بھی ہوتے ہیں۔ جماعت کو قربانی کی طرف بھی توجہ دلائی جاتی ہے

اور مخالفوں کا ذکر بھی ہوتا ہے۔ اور اس طرح جس شخص کو ہر ہفتہ یہ خطبہ پہنچتا رہے ہماری جماعت گویا ننگی ہو کر اُس کے سامنے آتی رہے گی اور وہ بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس جماعت کی اُمنگیں اور آرزوئیں کیا ہیں؟ کیا ارادے ہیں؟ یہ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ دشمن کیا کہتا ہے اور یہ کس رنگ میں اُس کا مقابلہ کرتے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں؟ اگر اس رنگ میں کام شروع کیا جائے تو ایک شور مچ سکتا ہے۔ اگر دو ہزار آدمی بھی ایسے ہوں جن کے پاس ہر ہفتہ سلسلہ کا لٹریچر پہنچتا ہے تو بہت اچھے نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ان لوگوں کو چٹھیاں بھی جاتی رہیں اور ان سے پُوچھا جائے کہ آپ ہمارا لٹریچر مطالعہ کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی کہے نہیں تو اس سے پوچھا جائے کیوں نہیں؟ یہ پوچھنے پر بعض لوگ لڑیں گے اور یہی ہماری غرض ہے کہ وہ لڑیں یا سوچیں۔ جب کسی سے پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں پڑھتے؟ تو وہ کہے گا کہ یہ پوچھنے سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ پوچھنا ضروری ہے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی آواز ہے جو آپ تک پہنچائی جا رہی ہے۔ اس پر وہ یا تو کہیگا سُنا لو اور یا پھر کہے گا کہ مَیں نہیں مانتا اور جس دن کوئی کہیگا کہ جاؤ مَیں نہیں مانتا اُسی دن سے وہ خدا تعالیٰ کا مدّمقابل بن جائے گا اور ہمارے رستہ سے اُٹھا لیا جائے گا۔ جن لوگوں تک یہ آواز ہم پہنچائیں گے اُن کے لئے دو ہی صورتیں ہونگی یا تو ہماری جو رحمت کے فرشتے ہیں سُنیں اور یا پھر ہماری طرف سے مُنہ موڑ کر خدا تعالیٰ کے عذاب کے فرشتوں کی تلوار کے آگے کھڑے ہو جائیں۔ مگر اب تو یہ صورت ہے کہ نہ وہ ہمارے سامنے ہیں اور نہ ملائکۂ عذاب کی تلوار کے سامنے۔ بلکہ آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ نہ تو وہ خدا تعالیٰ کی تلوار کے سامنے آتے ہیں کہ وہ انہیں فنا کر دے اور نہ اُس کی محبت کی آواز کو سُنتے ہیں کہ ہدایت پا جائیں۔ اب تو وہ ایک ایسی چیز ہیں جو اپنے مقام پر کھڑی ہے اور وہاں سے ہلتی نہیں۔ لیکن نئی تعمیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُسے وہاں سے ہلایا جائے۔ یا تو وہ ہماری طرف آئے اور یا اپنی جگہ سے ہٹ جائے"۔[1]

اسی ضمن میں حضورؓ نے اپنے ایک دوسرے خطبہ میں ان اخبارات کو اور ان کے متعلقہ محکموں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے پرچوں کو زیادہ سے زیادہ مکمل اور دلچسپ بنانے کی کوشش کریں اور مواد اس طرح مرتب کریں کہ

[1] الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء (اخاء ۱۳۲۱ ہش) صفحہ ۴ و ۵۔

اسلام اور احمدیت کا صحیح نقشہ پڑھنے والوں کے سامنے آجائے اور ساتھ ہی اہلِ قلم اصحاب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :۔

"وہ مختصر عبارتوں میں ایسے مضامین لکھیں کہ جن سے یہ پرچے زیادہ دلچسپ اور زیادہ مفید بن سکیں اور لوگوں کی توجہ تبلیغ کی طرف کھینچ سکے۔ خالی دلچسپی بھی کوئی چیز نہیں۔ یہ تو بھانڈ پن ہے بلکہ دلچسپی کا مطلب یہ ہے کہ دین کے معاملات کو ایسی عمدگی اور خوبصورتی سے پیش کیا جائے کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں۔ قرآن کریم سے زیادہ دلچسپ کتاب اور کوئی نہیں ہو سکتی مگر اس میں کھیل تماشے کی کوئی بات نہیں۔ پھر بھی کافر یہ کہتے تھے کہ کانوں میں انگلیاں ڈال لو۔ خوب شور مچاؤ تا یہ کلام کانوں میں نہ پڑے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور قرآن کریم کو سحر کہتے تھے۔ یہ دلچسپی کی ہی بات ہے اور اس کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص اس کو پڑھے اس پر ضرور اثر ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی دوسری تحریکوں کی طرح یہ تحریک بھی بہت کامیاب رہی اور مخلصین جماعت نے چند ہفتوں کے اندر اندر "الفضل" اور "سن رائز" کے پرچوں کے لئے مطلوبہ رقم پیش کر دی[2]۔ اسی طرح کئی احمدی خطوط کے ذریعہ تبلیغ کرنے کی مہم میں شامل ہو گئے۔ اس تحریک کے بہت عمدہ اور خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔

حضرت امیر المومنینؓ سے پروفیسر سید اختر احمد صاحب اورینوی کی ایک اہم ملاقات

اخاء ۱۳۲۱ھش (اکتوبر ۱۹۴۲ء) کا واقعہ ہے کہ پٹنہ کے مشہور ادیب پروفیسر سید اختر احمد صاحب اورینوی کو اشتراکیت اور اشتمالیت کے مطالعہ کے دوران اسلام کے معاشی نظام کے متعلق بعض الجھنیں پیدا ہو چکی تھیں اور آپ ان کو حل کرنے کے لئے مختلف علماء سے تبادلہ خیالات بھی کر چکے تھے مگر آپ کا ذہن تسلّی نہ پا سکا تھا۔ آخر آپ اس پریشانی کے عالم میں اپنے مسائل کی عقدہ کشائی کے لئے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور نے آدھ گھنٹہ کی گفتگو[3] سے ان مسائل پر ایسے مؤثر انداز میں روشنی ڈالی کہ فکر و خیال کے نئے نئے دروازے کھل گئے اور ان کی ذہنی منزلیں آسان ہو گئیں اور جب حضور کے لیکچر "نظام نو"[4] اور "اسلام کا اقتصادی نظام"[5]

---

[1] الفضل ۵ نبوت ۱۳۲۱ھش / نومبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ + [2] الفضل ۲ فتح ۱۳۲۱ھش / دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱، کالم ۲ + [3] رسالہ "مجلۃ الجامعہ ربوہ" جلد ۲ شمارہ ۱ ماہ جنوری۔ فروری، مارچ ۱۹۶۶ء + [4] و [5] ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اشاعت پذیر ہوئے تو اُن کی بصیرت میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

اِس اہم ملاقات کی تفصیل خود پروفیسر صاحب موصوف کے قلم سے لکھی جاتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اکتوبر ۱۹۴۲ء کی بات ہے میں پٹنہ سے قادیان کے لئے روانہ ہوا۔ علی گڑھ، دہلی اور لاہور ہوتا ہوا دارالامان پہنچا اور مہمان خانہ میں ٹھہرا۔ میرے ذہن و دماغ میں کئی اہم سوالات اضطراب پیدا کر رہے تھے .... میرے ذہن میں جو عقدے تھے اور دل میں جو اضطراب تھا وہ اقتصادی مسائل کے متعلق تھا میں نے گذشتہ سالوں میں معاشی، صنعتی اور سماجی تنظیم کے متعلق اشتراکی، اشتمالی، فسطائی اور سرمایہ دارانہ نظریوں کا مطالعہ کیا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں فسطائیت نے دنیا کو آگ اور خون کی نذر کر رکھا تھا۔ سرمایہ دارانہ جمہوریتیں اور اشتمالی جمہوریت روس جسے ریاستی معاشیاتی آمریت بھی کہہ سکتے ہیں، فسطائیت کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ سُرخ فوج کی جراٴت اور پامردی نے ذہنوں اور تخیل کو گہرے طور پر متاثر کیا تھا میں رُوس کی اشتمالی تنظیم سے بہت متاثر ہو رہا تھا اور یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ مذہب دشمنی سے قطع نظر اشتمالیت کی معاشی اور صنعتی تنظیم کا پروگرام فلاکت زدہ انسانیت کے درد کا درماں ہے۔ سرمایہ داری تو بہت ہی رسوا طور پر ناکامیاب ثابت ہو چکی تھی۔ فسطائیت درد کا درماں نہیں بلکہ تجربۃً درد تھی۔ سرمایہ داری اور فسطائیت دونوں انسانیت آزار اور محبت کُش انتہا پسندانہ وطنیت کے شعلوں کو بھڑکا رہی تھیں مگر اشتمالیت بین القومیت کا خیال پیش کرتی تھی۔ سب کچھ تھا مگر اشتمالیت بے دین خدا دشمن اور دہریت پسند تھی۔ اور فسطائیت بھی بے دین، خدا ناآشنا اور مادیت نہاد تھی اور سرمایہ دارانہ جمہوریت بھی منافقانہ، بےیقین، سطحی، کاروباری مذہبیت کا ڈھونگ رچائے ہوئے تھی اور میں اسلامی اقتصادیات کی واضح شکل نہیں دیکھ سکا تھا اور اُس کی رُوح کو بھی نہیں سمجھ پایا تھا۔ لہٰذا میں متردّد اور متلاشی تھا۔ اور اس آزارِ جستجو کے درماں آفرین کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔

میں لاہور احمدیہ ہوسٹل میں چند دن ٹھہرا۔ وہاں خاندانِ مسیح موعود علیہ السلام کے بعض نوجوانوں سے ملنے کا موقعہ ملا۔ اُن سے میں نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔ سبھوں نے اِس موضوع سے

دلچسپی لی اور میرے سفر قادیان اور حضرت امام ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے ہدایت جوئی کے ارادہ کو بہت پسند کیا۔ اس وقت تک اسلام کا اقتصادی نظام تفصیلات کے ساتھ جماعت کے سامنے نہیں آیا تھا۔ "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" میں خود حضرت امام ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو چھیڑا تھا اور اس پر نظر ڈالی تھی لیکن حلقہ جماعت میں عالمی نظام ہائے معاشیات کی روشنی میں اس مسئلے پر بحث و نظر نہیں ہوئی تھی۔ احمدیہ علم الکلام نے بہت سے مسائل کے باب میں اغیار کے مقابلہ میں فتحیں حاصل کی تھیں مگر اس میدان میں ابھی کھل کے لڑائی نہیں لڑی گئی تھی متکلمینِ احمدیت، دانشورانِ جماعت، اس کے ذہین طبقے اور جمہور احمدی ہنوز اسلام کی معاشیاتی تعلیمات کا مقابلہ و موازنہ دوسرے نظاموں کے اصول سے اچھی طرح نہیں کر پائے تھے۔ دوسری طرف ملک کے تعلیم یافتہ طبقے میں کسان اور مزدوروں کے درمیان معاشی مسئلے چھڑے ہوئے تھے۔ اور دوسری عالمگیر جنگ نے عوام الناس اور دانشوروں کے احساسات و جذبات اور ذہن و ادراک کو اس طرف شدت سے منعطف کر دیا تھا۔

میں نے اس سے پہلے بھی بعض علمائے جماعت سے اپنی تشفی کرنا چاہی تھی مگر مجھے تسلی نہیں ملی تھی۔ قادیان پہنچ کر بھی میں نے بعض علماء سے ملاقاتیں کیں مگر مجھے شرح صدر نہ ہوا میں حضرت امیر المومنین کے سامنے جا کر تفصیلی سوال کرنے سے جھجک رہا تھا۔ دل میں خلش جستجو بھی تھی اور رعبِ خلافت بھی عجیب کشاکش کا عالم تھا۔ میں نے اپنی الجھن کا تذکرہ حضرت سید مختار احمد صاحب۔ جناب ملک غلام فرید صاحب اور مولوی علی احمد صاحب پروفیسر سے کیا۔ ان بزرگوں نے مجھے اس بات پر مجبور کر دیا کہ میں حضرت امام سے ضرور مذکورہ مسئلہ کے بارہ میں جماعت کی فلاح کی خاطر رہبری حاصل کروں۔ اس کے باوجود محمود کے سامنے جا کر سرگرم سوال ہونے کی اس ایاز کو جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے پروفیسر علی احمد صاحب سے درخواست کی کہ وہ بھی میرے ساتھ دربارِ خلافت میں حاضر ہوں اور مجھے سہارا دیں۔

آخرش ایک روز میں نے باریاب ہونے کی اجازت حاصل کی اور پروفیسر علی احمد صاحب کی معیت میں حضرت امیر المومنین سے ملنے "قصرِ خلافت" میں حاضر ہوا۔ غالباً ان دنوں مکرم عبدالرحیم صاحب درد پرائیویٹ سیکرٹری کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ ہم لوگوں کی باری آئی۔

اور ہم زینوں پر سے ہوتے ہوئے اوپر کی منزل پر گئے۔ محرابوں اور دروں پر چلمن پڑی ہوئی تھی۔ اور برآمدہ میں مونڈھے اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ ان میں سے ایک کرسی پر رونق افروز تھے۔ جیسے ہی ہم آخری زینے طے کرتے ہوئے بالائی منزل پر پہنچے۔ آپ ہمارے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور از راہِ محبت و خادم نوازی خندہ پیشانی کے ساتھ آگے بڑھتے چلے آئے۔ ہم نے بھی بڑھ کر دلی جذبات کے ساتھ معانقہ کیا۔ اللہ اللہ! کتنا کرم تھا! کیسی محبت تھی! کتنی سادگی! امیرالمومنین خلیفۃ المسیحؑ اپنے خادموں کے ساتھ مساوات، اخوت و محبت کا برتاؤ اس فطری انداز میں کر رہے تھے کہ میری جھجک کافور ہو گئی۔ اور میں اب اس قابل تھا کہ اپنے دل کی گرہیں اور ذہن کے عُقدے عقدہ کشا کے سامنے پیش کر دوں میں حضرت امیرالمومنین سے جلسہ سالانہ کے دنوں میں ملتا رہا تھا۔ مگر ان موقعوں پر ہماری جماعت کے ساتھ باریابی ہوا کرتی تھی۔ ہمارا امام جماعتوں کے ساتھ فرش پر بیٹھ کر انہیں شرفِ ملاقات عطا کرتا تھا۔ وہ دلکش مسکراتا ہوا چہرہ سب کے لئے ابدی مسرت کا سامان ہوتا تھا۔ اجتماعی ملاقاتوں کے علاوہ مجھے اس سے پہلے انفرادی ملاقات کا موقعہ نہیں ملا تھا اور انفرادی ملاقات بھی اس رنگ کی کہ حضرت امیرالمومنین سے ایک نہایت ہی اہم موضوع کے متعلق شرح صدر کے لئے گفتگو کرنے کی جرأت کرنی۔ لیکن حضرت امام نے ایسی خوشگوار فضا پیدا کر دی کہ میری ہمت بڑھ گئی اور میرے محبت آمیز اعتماد کو اتنی تقویت پہنچی کہ میں نے حضرت امیرالمومنین سے اشتمالی نظام کے متعلق باتیں شروع کیں۔

میں نے مختصر تمہید کے بعد اپنی اُلجھنیں حضرت امیرالمومنین کے سامنے پیش کیں اور تسلّی چاہی حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنی دقتوں کی وضاحت بھی نہیں کی تھی کہ مصلح موعود نے اپنی غیر معمولی خداداد بصیرت کی وجہ سے سب کچھ سمجھ لیا اور ظاہری و باطنی علوم کی مہارت کے سبب اپنی تقریر اس رنگ میں شروع کی اور اس دل نشین انداز میں عقدہ کشائی فرماتے رہے کہ نہ صرف میرے ذہن و دماغ کے پردے اُٹھتے چلے گئے بلکہ دل کو بھی نہایت تسکین و طمانیت حاصل ہوئی۔ آدھ گھنٹہ حضور متانت و محبّت سے باتیں کرتے رہے اور ہم (میں اور پروفیسر علی احمد صاحب) بیٹھے سُنتے رہے۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضور میرے دل و دماغ سے مرکزی اور

بنیادی سوالات چُنتے جاتے ہیں اور اُن کے جوابات تشفی بخش اور دلکشا طور پر دیتے جاتے ہیں۔

دُعائے مسیح اور وعدۂ خدائے ذوالجلال کے مطابق مصلح موعود بننے والے فوقِ فطرت طور پر اس ذہین و فطین شخص نے اشتمالیت اور اسلام کا اصولی مقابلہ و موازنہ تاریخ عالم کی روشنی اور علم النفس کی شہادتوں کے ساتھ کیا۔

حضرت محمود نے اشتمالیت کی دو خصوصیات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اشتمالیت جبر کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کرنا چاہتی ہے۔ وہ جبر سے اہل سرمایہ کی دولت چھین کر سماج پر خرچ کرتی ہے۔ اور اپنے نظام کے قیام کے لئے بھی جبر اور قہر کو عملاً مرکزی اور بنیادی حیثیت دیتی ہے آپ نے فرمایا جبر یہ طریقہ شدید ردِ عمل پیدا کرتا ہے۔ اور اس کے ظاہرا اچھے نتائج دیرپا نہیں ہوتے۔ آپ نے امریکہ میں جبریہ شراب بندی کی اسکیم کی رسوائے عالم ناکامیابی کی مثال دی اور پھر اسلامی ممانعتِ خمر کی کامیابی کو پیش کیا۔ اسلام نے پہلے نفسی انقلاب اور اخلاقی اصلاح کی بنیادیں مضبوط کریں۔ پھر شراب ممنوع قرار دی۔ تو یہ علت ایسی مٹی کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی طرح اسلام دولت یا ذرائع پیداوار پر بالجبر قبضہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ وہ سرمایہ داری کو جبر و قہر سے مٹانے کے اصول پیش نہیں کرتا بلکہ وہ ایسی تعلیمات دیتا ہے اور معاشرہ کی ایسی روحانی اور اخلاقی اصلاح کرتا ہے کہ طوعی طور پر رفتہ رفتہ مگر یقیناً وہ ساری معاشی برکتیں حاصل ہو جاتی ہیں جن کے حصول کا دعویٰ اشتمالیت کرتی ہے اور اسلامی تعلیم سے انفرادی تخلیقی روح اور قوتِ مسابقت فنا بھی نہیں ہوتی اور طوعی نیکی کی وجہ سے نیکی کی صلاحیت، سماجی احساس اور انسانی دردمندی کی حس افراد معاشرہ میں بڑھتی جاتی ہے۔ برخلاف اسلام کے امیرالمومنین نے واضح کیا کہ اشتمالیت نادانستہ دماغی قوتوں کو تدریجی طور پر کچلنے کا سامان کرتی ہے۔ اوّل تو اس طرح کہ اشتمالیت بدنی محنت کی قدر و قیمت سب کچھ بتاتی ہے اور دماغی کام کی قدر و منزلت کو وہ مقام نہیں دیتی جو اس کا حق ہے۔ اور دوم اس طرح کہ جبر اور میکانکی اور یکسانی کے ذریعہ روحِ مسابقت، دماغی اُپج، قوتِ ایجاد و اقدام، فیصلہ اور ارادہ کی طاقت کو مٹاتی ہے۔ دیرپا طور پر اس اشتمالی نظام کے بُرے نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں اور عاجلانہ

کامیابی مستقل نامرادی میں بدل جاتی ہے۔ اسلام نفسیاتی اور فطری، اخلاقی اور روحانی، آزاد اور خود مختارانہ طریقوں سے معاشرہ میں مساوات، اخوت اور حریت پیدا کرتا ہے۔ اسلام نہایت لطیف اور پُراثر رنگ میں تقسیم دولت کرکے موزوں معاشی مساوات پیدا کر دیتا ہے اور دماغی صلاحیتوں کی پرورش بھی کرتا ہے۔

امیرالمومنین کی دل میں گھر کر لینے والی تشریحات سے میری رُوح تسکین پاتی رہی اور جب حضور نے کلام ختم کیا تو میں نے ایک آخری سوال کرنے کی جرأت کی۔ میں نے پوچھا اگر بلا جبر و اکراہ معاشی تنظیم کے لئے حکومت اہل محنت اور ذرائع پیداوار کے مالک طبقہ کے درمیان کچھ ایسا سمجھوتہ ہو کہ اقتصادی منصوبہ بندی (PLANNED ECONOMY) ممکن ہو سکے اور متوازی حالات پیدا ہو سکیں تاکہ ملک کی معاشی قوت ضائع نہ ہو تو یہ جائز ہوگا یا نہیں۔ حضور نے فرمایا۔ یہ طریقہ جائز ہوگا۔ اس کے بعد میں نے اور پروفیسر علی احمد صاحب نے اجازت چاہی اور قصر خلافت سے واپس ہونے کیلئے اٹھے۔ ہمارے آقا نے ہمیں نہایت ہی محبت اور خاطر داری کے ساتھ رخصت کیا۔"[۵۱]

مولوی محمد الدین صاحب مجاہد البانیہ کی المناک شہادت!

اس سال کے المناک واقعات میں سے مولوی محمد الدین صاحب مبلغ البانیہ و مصر کی المناک شہادت کا سانحہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مولوی صاحب موصوف حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی کے ارشاد پر[۵۲] حکیم فضل الرحمن صاحب مبلغ نائیجیریا سے چارج لینے کے لئے ۱۶ ربوت ۱۳۲۱ھش/نومبر ۱۹۴۲ء کی شام کو قادیان سے روانہ ہوئے اور بمبئی سے شاداوہ نامی جہاز پر سوار ہوگئے۔ مگر بدقسمتی سے یہ جہاز محوریوں کے تارپیڈو سے غرق ہوگیا[۵۳] اور آپ میدانِ جہاد میں پہنچنے سے قبل ہی عالمِ جوانی میں اپنے ربّ کے حضور سُرخرو ہو کر حاضر ہوگئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی نے ۲۷ر فتح ۱۳۲۲ھش/دسمبر ۱۹۴۴ء کو سالانہ جلسہ کے موقعہ پر مولوی محمد الدین صاحب کی یورپ میں تبلیغی مساعی پر اظہار خوشنودی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:—

---

[۵۱] ماہنامہ درویش تبلیغ ۱۳۳۱ھش/فروری ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۱ تا ۲۴ و ۱۵۔ [۵۲] رجسٹر ریز ولیوشن صدر انجمن احمدیہ مورخہ ۱۴ر تبلیغ ۱۳۲۱ھش/فروری ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۱۴۔

[۵۳] "الفضل" ۲۰ر فتح ۱۳۲۱ھش/دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۔ مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "الفرقان" ربوہ احسان ۱۳۴۲ھش/جون ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۰۔

"مولوی محمد الدین صاحب اگرچہ انگریزی علوم سے ناواقف تھے اور اُن کو تجربہ بھی نہ تھا مگر یورپ میں تبلیغ کے زمانہ میں ایسا اعلیٰ نمونہ دکھایا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ وہ پہلے البانیہ گئے۔ اور وہاں تبلیغ شروع کی۔ متعدد لوگ داخلِ اسلام بھی ہوئے مگر مخالفین نے حکومت کے پاس شکایات کیں کہ یہ شخص مذہب کو بگاڑ رہا ہے۔ البانیہ کی حکومت مسلمان تھی۔ مسلمانوں نے شور کیا اور کنگ زدغو نے آرڈر دے دیا کہ مولوی صاحب کو وہاں سے نکال دیا جائے۔ پولیس اُن کو پکڑ کر سرحد پر چھوڑ آئی۔ وہاں سے نکالے جانے پر انہوں نے پہلے یونان میں تبلیغ شروع کر دی اور میرے لکھنے پر وہاں سے یوگوسلاویہ چلے گئے۔ البانیہ کی سرحد یوگوسلاویہ سے ملتی ہے۔ میں نے انہیں لکھا کہ وہاں بھی تبلیغ کرتے رہیں۔ اور اُن کی تبلیغ سے بعض ایسے لوگ بھی احمدی ہوئے جو مسلمانوں کے لیڈر سمجھے جاتے تھے اور پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے شامل تھے حکومتِ یوگوسلاویہ کو حکومتِ البانیہ نے توجہ دلائی اور تحریک کی کہ مولوی صاحب کو وہاں سے بھی نکال دیا جائے۔ چنانچہ انہیں وہاں سے بھی نکال دیا گیا۔ اس پر وہ اٹلی آگئے۔ اور پھر وہاں سے مصر اور وہاں سے ہندوستان واپس آگئے۔ پھر اُن کو مغربی افریقہ بھیجا گیا تھا اور وہ وہاں جا رہے تھے کہ اُن کا جہاز ڈوب گیا۔"[1]

فصل چہارم

تحریک جدید جاری کرنے کی ایک اہم غرض

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ پر ماہ نبوت ۱۳۲۱ھش (نومبر ۱۹۴۲ء) میں نقرس کا شدید حملہ ہوا جس کی وجہ سے چلنا تو درکنار بیٹھنا بھی تقریباً ناممکن تھا۔ سوائے اس کے کہ تکیہ لگا کر اور سہارا لے کر بیٹھیں۔ ان حالات میں حضور نے ارادہ فرمایا کہ اس ماہ تحریک جدید کے سال نہم کا اعلان خطبہ جمعہ کی بجائے ایک مضمون کے ذریعہ سے کر دیں لیکن پھر حضور کے ذہن میں بعض تاریخی واقعات اس قسم کے آئے کہ بعض جرنیلوں نے میدانِ جنگ میں نقرس کے درد کی حالت میں فوجوں کی کمان کی ہے اور پالکیوں میں لیٹے لیٹے لوگوں کو احکام دیئے

---

[1] غیر مطبوعہ

اور فتوحات حاصل کی ہیں۔ اس پر حضور نے سوچا کہ "گو یہ ایک تکلیف دہ امر ہے کہ انسان دوسروں کے کندھوں پر چڑھ کر آئے اور بظاہر یہ ایک معیوب سا فعل معلوم ہوتا ہے لیکن بہرحال جب تک ہمارا مقابلہ بھی دشمن سے ایک جنگ کے رنگ میں ہی ہے اگرچہ جسمانی نہیں بلکہ رُوحانی جنگ ہے اور پہلے انبیاءؑ نے بھی کہا ہے کہ آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ کے فرشتوں اور شیطان کی آخری جنگ ہوگی تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر دنیوی جنگیں نقرس کے حملہ میں پالکیوں میں بیٹھ کر لڑی گئی ہیں تو میں بھی اسی رنگ میں شامل نہ ہوں"۔ اس خیال کے آنے پر حضور نے فیصلہ کیا کہ "اس تکلیف کے باوجود میں خود جمعہ کے لئے جاؤں اور تحریک جدید کے نئے سال کے لئے اسی رنگ میں تحریک کروں جیسے گذشتہ سالوں میں ہمیشہ تحریک کرتا چلا آیا ہوں"۔[1] اس فیصلہ کے مطابق حضور آرام کرسی پر بیٹھ کر (جسے چند دوستوں نے اُٹھایا ہوا تھا) مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے اور بیٹھ کر ایک نہایت لطیف اور پُرجلال خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا[2] جس میں تحریک جدید کے سال نہم کا اعلان فرمایا اور تحریک جدید کے بنیادی اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ:۔

"تحریک جدید سے میری غرض جماعت میں صرف سادہ زندگی کی عادت پیدا کرنا نہیں بلکہ میری غرض انہیں قربانیوں کے تنور کے پاس کھڑا کرنا ہے تاکہ جب ان کی آنکھوں کے سامنے بعض لوگ اس آگ میں کود جائیں تو ان کے دلوں میں بھی آگ میں کودنے کے لئے جوش پیدا ہو۔ اور وہ بھی اس جوش سے کام لے کر آگ میں کود جائیں اور اپنی جانوں کو اسلام اور احمدیت کے لئے قربان کر دیں۔ اگر ہم اپنی جماعت کے لوگوں کو اس بات کی اجازت دے دیتے کہ وہ باغوں میں آرام سے بیٹھے رہیں تو وہ گرمی میں کام کرنے پر آمادہ نہ ہو سکتے اور بزدلوں کی طرح پیچھے ہٹ کر بیٹھ جاتے۔ مگر اب جماعت کے تمام افراد کو قربانیوں کے تنور کے قریب کھڑا کر دیا گیا ہے تاکہ جب اُن سے قربانیوں کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اپنی جان کو قربان کرتے ہوئے آگ میں کود جائیں۔ چنانچہ جب قربانی کا وقت آئیگا اُس وقت یہ سوال نہیں رہیگا کہ کوئی مبلغ کب واپس آئیگا۔ اُس وقت واپسی کا سوال بالکل عبث ہوگا۔ دیکھ لو عیسائیوں نے جب تبلیغ کی تو اسی رنگ میں کی۔ تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی حواری یا کوئی اور شخص کسی علاقہ میں تبلیغ کے لئے گیا تو پھر یہ نہیں ہوا کہ وہ واپس

---

[1] الفضل ۲؍ فتح ۱۳۲۱ھش / دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ تا ۳۔ [2] الفضل ۲۹؍ نبوت ۱۳۲۱ھش / نومبر ۱۹۴۲ء۔

آگیا ہو۔ بلکہ ہم تاریخوں میں یہی پڑھتے ہیں کہ فلاں مبلغ کو فلاں جگہ پھانسی دے دی گئی اور فلاں مبلغ کو فلاں جگہ قید کر دیا گیا۔ ہمارے دوست اس بات پر خوش ہوا کرتے ہیں کہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہیدؓ نے سلسلہ کے لئے اپنی جان کو قربان کر دیا حالانکہ ایک عبداللطیف نہیں جماعت کو زندہ کرنے کے لئے سینکڑوں عبداللطیف درکار ہیں جو مختلف ملکوں میں جائیں اور اپنی اپنی جانیں اسلام اور احمدیت کے لئے قربان کر دیں۔ جب تک ہر ملک اور ہر علاقہ میں عبداللطیف پیدا نہیں ہو جاتے اس وقت تک احمدیت کا رعب قائم نہیں ہو سکتا احمدیت کا رعب اُسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب سب لوگوں کو گھروں سے نکال کر ایک میدان میں قربانی کی آگ کے قریب کھڑا کر دیا جائے تا جب پہلی قربانی دینے والے قربانی دیں تو اُن کو دیکھ کر خود بخود آگ میں کودنا شروع کر دیں اور اسی ماحول کو پیدا کرنے کے لئے مَیں نے تحریک جدید جاری کی ہے۔"[۵۱]

ریڈیو کے متعلق حضرت امیرالمومنینؓ کی اہم وصیّت

دنیا کی موجودہ بداخلاقی اور عیاشی کے پھیلانے میں جن ایجادوں کا براہ راست عمل دخل ہے اُن میں سینما اور ریڈیو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سینما کی ایجاد مشہور سائنسدان ایڈیسن نے ۱۸۹۳ء میں کی اور ریڈیو کا موجد مارکونی تھا جس نے ۱۹۰۲ء میں یہ آلہ تیار کیا۔ یہ دونوں ایجادیں اپنی ذات میں بہت مفید تھیں مگر جدید زمانہ کی نام نہاد تہذیب و تمدّن نے انہی کو بے حیائی اور فحاشی کا ذریعہ بنا دیا جس کے ہولناک نتائج اب پوری دنیا کے سامنے کھل کر آ گئے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی دُوربین نگاہ نے مدّتوں قبل ہی سینما کی بڑھتی ہوئی رَو کے عواقب و اثرات بھانپ لئے تھے اسی لئے حضور نے ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کی بنیاد رکھتے ہوئے جماعت سے سینما بینی کو ترک کرنے کا مطالبہ فرمایا جس پر جماعت کی غالب اکثریت نے نہایت شاندار رنگ میں عمل کیا۔

اِس سال حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے ۲۷ نبوت (نومبر) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کے خطبہ جمعہ میں نوجوانوں کو سینما اور ریڈیو دونوں کی نسبت ایک خاص وصیت بھی فرمائی جو حضور ہی کے مقدّس الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ حضور نے فرمایا:۔

---

[۵۱] الفضل ۲ فتح ۱۳۲۱ھش (۲ دسمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۵

"بیشک ریڈیو کے ذریعہ بعض اچھی چیزیں بھی نشر کی جاتی ہیں مگر ناچ اور گانا ایسی گندی چیزیں ہیں جنہوں نے ہر گھر کو ڈوم اور میراثی بنا دیا ہے۔ اور ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور باقی دنیا کو اس کے ضرر سے بچائے اور اس کا صرف مفید پہلو قائم رکھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المائدہ ع ۱۴) جب تم ہدایت پر ہو تو تمہیں دوسرے کی گمراہی کی پروا بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ اگر تم صحیح راستہ پر چل رہے ہو اور دوسرا شخص تمہارے ساتھ یہ شرط کرنا چاہتا ہے کہ تم صحیح راستہ کو چھوڑ کر غلط راستے کو اختیار کر لو تو فرماتا ہے ایسے شخص کو بے شک تم گمراہ ہونے دو مگر صحیح راستے کو ترک نہ کرو۔ تو ان چیزوں کو دنیا سے تم نے مٹانا ہے اور تمہارا فرض ہے کہ خدا تعالیٰ تمہیں جب حکومت اور طاقت عطا فرمائے تو جس قدر ڈوم اور میراثی ہیں اُن سب کو رخصت کر دو اور کہو کہ جا کر حلال کمائی کماؤ۔ ہاں جغرافیہ یا تاریخ یا مذہب یا اخلاق کا جو حصہ ہے اس کو بے شک رہنے دو۔ اور اعلان کر دو جس کی مرضی ہے ریڈیو سُنے اور جس کی مرضی ہے نہ سُنے۔ اِس وقت ریڈیو والوں نے ایک ہی وقت میں دو نہریں جاری کی ہوئی ہیں۔ ایک نہر میٹھے پانی کی ہے اور دوسری نہر کڑوے پانی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بھی دو نہروں کا ذکر کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے ایک نہر میں تو میٹھا پانی ہے مگر دوسری نہر میں کڑوا پانی ہے۔ مَیں جب بھی ریڈیو سُنتا ہوں تو مجھ پر یہی اثر ہوتا ہے کہ یہی دو نہریں ہیں جن کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔ اِس سے ایک طرف میٹھا پانی جاری ہوتا ہے اور دوسری طرف کڑوا پانی جاری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اِن کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کڑوی نالی کے ہوتے ہوئے میٹھا پانی غالب آجائے۔ میٹھا پانی اُسی صورت میں غالب آسکتا ہے جب کڑوے پانی کی نالی کو بالکل بند کر دیا جائے۔"[۵]

سلسلہ احمدیہ کے مصنفوں اور ناشروں کیلئے اہم فرمان

شروع ماہ فتح ۱۳۲۱ھش (دسمبر ۱۹۴۲ء) کا واقعہ ہے کہ ایک احمدی نوجوان نے "الفضل" (۵ فتح ۱۳۲۱ھش) میں "تخت گاہِ رسول میں اہل اللہ کا عظیم الشان اجتماع" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جو کہ قرینہ کے بغیر

---

[۵] الفضل ۲ فتح ۱۳۲۱ھش (۲ دسمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۸ و ۹۔

"رسول" کا لفظ نہ صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کے لئے اور "تخت گاہِ رسول" کا لفظ صرف مدینہ منورہ کے لئے مخصوص ہے۔ اِس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مضمون پڑھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ اُس روز جو خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اُس میں اس مضمون کو "فتنہ کی بنیاد" قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف پوری قوت و طاقت کے ساتھ آواز بلند کی اور اس ضمن میں احمدیوں کو نصیحت فرمائی کہ جماعت میں کوئی ایسی تحریک نہ اُٹھنے دیں جس میں حضرت مسیح موعودؑ اور حضور کے خلفاء کے متعلق غلو سے کام لیا گیا ہو۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:—

"مَیں جماعت کے تمام مصنّفین وغیرہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ اِس قسم کے الفاظ کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ تم قادیان کے متعلق "تخت گاہِ رسول" کے الفاظ استعمال مت کرو مَیں یہ کہتا ہوں کہ جب مکّہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علاوہ دوسرے شہروں کا ذکر آجائے تو اس کے مقابلہ میں قادیان کو "تخت گاہِ رسول" کہا جاسکتا ہے۔ مگر جب شہروں کا عام ذکر ہو جن میں مکّہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی شامل ہوں تب قادیان کے متعلق "تخت گاہِ رسول" کے الفاظ کا استعمال درست نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں "تخت گاہِ رسول" صرف مدینہ منورہ ہوگا۔ جیسے "بیت اللہ" کا لفظ ہم ہر مسجد کے لئے بول سکتے ہیں مگر اس صورت میں جب کوئی اشارہ اور قرینہ موجود ہو۔ لیکن جب بغیر قرینہ کے "بیت اللہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہو تو اس سے مراد صرف بیت اللہ کی مسجد ہوگی اور کوئی مسجد نہیں ہوگی۔ پس اِس بارے میں ہمارے لئے احتیاط بہت ضروری ہے۔ ہمارا کام صرف یہ نہیں کہ ہم پیغامیوں کا مقابلہ کریں بلکہ ہمارا کام یہ بھی ہے کہ ایسی تحریکیں بھی جماعت میں نہ اُٹھنے دیں جن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا آپ کے خلفاء کے متعلق غلو سے کام لیا گیا ہو۔ مَیں نے دیکھا ہے حضرت خلیفۂ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بعض لوگ ایسے تھے جنہوں نے آہستہ آہستہ آپ کو ایک مستقل درجہ دینا شروع کردیا تھا۔ اور اب بھی اگر سلسلہ کے اخبارات کو گہرے غور سے پڑھا جائے جس طرح مَیں پڑھا کرتا ہوں تو تھوڑے تھوڑے مہینوں کے بعد اس کی لپک سی پیدا ہو جاتی ہے اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بعض لوگ حضرت خلیفۂ اولؓ کو مستقل طور پر کوئی الگ درجہ دینا چاہتے ہیں۔ میرے ڈر کی وجہ سے یا سلسلہ کے

نظام کے ڈر کی وجہ سے اس قسم کے خیالات اُبھرتے نہیں ۔ لیکن تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد اس کی جھلک سی پیدا ہو جاتی ہے ۔ اور مجھے ہمیشہ ایسی باتوں کو پڑھ کر مزا آتا ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دفعہ مجھے ہی مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اور شاید اسی لئے فرمایا کہ میں اس کی نگرانی کروں کہ ہماری جماعت میں تین قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں ۔ ایک تو وہ ہیں جو حضرت مولوی صاحبؓ کی وجہ سے سلسلہ میں داخل ہو گئے ہیں (حضرت خلیفہ اوّلؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام عام طور پر مولوی صاحب کہا کرتے تھے) وہ مولوی صاحب کی قدر جانتے ہیں ہماری نہیں ۔ چونکہ مولوی صاحب نے ہماری بیعت کرلی ہے اس لئے وہ بھی بیعت میں شامل ہوگئے ہیں ۔ اس سے زیادہ اُن کا ایمان نہیں بیشک اُن کے دلوں میں ایمان ہے مگر اُن کا ایمان واسطے کا ایمان ہے ۔ اس کے مقابلہ میں ایک گروہ ہماری جماعت میں ایسا ہے جس نے یہ دیکھا کہ ایک جماعت بن گئی ہے اور اس میں قربانی اور ایثار کا مادہ پیدا ہوگیا ہے تو قوم کی خدمت کے لئے وہ اس جماعت میں شامل ہو گیا ۔ کیونکہ قومی خدمت کے لئے قربانی اور ایثار کرنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ سوائے ہماری جماعت کے اور کہیں نہیں مل سکتے ۔ ایسے لوگ چاہتے ہیں کہ انجمنیں بنائیں ، مدرسے بنائیں ۔ دفاتر بنائیں اور دنیوی رنگ میں قوم کی بہبودی کے کام کریں ۔ ایسے لوگ بیشک ہم کو مانتے ہیں مگر اپنے کاموں کا آلۂ کار بنانے کے لئے ، ہمارے مقام کو مقدّم سمجھ کر نہیں مانتے ۔ مگر ان کے علاوہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے ہم کو سچّے دل سے مانا وہ ہمیں خدا کا مامور سمجھتے ہیں اور اُن کی نگاہ پہلے ہم پر پڑتی ہے اور ہم سے اُتر کر پھر کسی اَور پر پڑتی ہے اصل مخلص وہی ہیں باقی جس قدر ہیں وہ ابتلاء اور ٹھوکر کھانے کے خطرہ میں ہیں ۔ یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے سامنے بیان کی تھی حالانکہ میری عمر اُس وقت بہت چھوٹی تھی ۔ آپ کا اس بات کا میرے سامنے بیان کرنا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے ماتحت آپ اس بات کو جانتے تھے کہ لوگوں کی نگرانی کسی زمانہ میں میرے سپرد ہونے والی ہے اور آپ نے اُسی وقت مجھے ہوشیار کر دیا ۔ چنانچہ ایک ٹکراؤ تو میری خلافت کے شروع ہوتے ہی انجمن والوں سے ہو گیا اور وہ قادیان سے نکل گئے ۔ باقی جو غلو کرنے والے ہیں

وہ بھی ہمیشہ رہتے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ اُن کا سر کچلتے رہیں۔"[1]

حضرت امیرالمومنینؓ کا لیکچر "نظامِ نو"

دُنیا کی عالمی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء کا سال دنیا کی سب اقوام کے لئے نہایت درجہ پریشانی کا سال تھا جس میں ایک طرف خوفناک مادی جنگ لڑی جارہی تھی اور دوسری طرف سرمایہ داری اور اشتمالیت و اشتراکیت کے نظام ہائے زندگی آپس میں شدید طور پر متصادم ہو رہے تھے اور دنیا کا معاشرہ بے شمار سماجی۔ معاشی اور اقتصادی مصائب میں گھر چکا تھا اور ضرورت تھی کہ کوئی مردِ خدا دنیا کی راہنمائی کرے یہ تھے وہ حالات جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اقوامِ عالم کی قیادت کے لئے آگے بڑھے۔ اور حضور نے ۲۷ر فتح ۱۳۲۱ہش (دسمبر ۱۹۴۲ء) کو (جلسہ سالانہ کے تیسرے دن) "نظامِ نو کی تعمیر" پر ایک معرکۃ الآرا خطاب فرمایا۔ جس میں پہلے تو عہدِ حاضر کی اُن اہم سیاسی تحریکات (مثلاً جمہوریت، اشتمالیت اور اشتراکیت وغیرہ) پر سیر حاصل روشنی ڈالی جو عام طور پر غریبوں کے حقوق کی علمبردار قرار دی جاتی ہیں۔ اور خصوصاً اشتراکیت کے سات بنیادی نقائص کی نشاندہی کی۔ ازاں بعد غرباء کی حالت سدھارنے کے لئے یہودیت، عیسائیت، ہندو ازم کی پیشکردہ تدابیر کا جائزہ لیا اور آخر میں اسلام کی بے نظیر تعلیم بیان کرکے اسلامی نقطۂ نگاہ کے مطابق دنیا کے نئے نظام کا نقشہ ایسے دلکش اور مؤثر پیرائے میں پیش کیا کہ سُننے والے عش عش کر اُٹھے۔

اِس ضمن میں حضور نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن مجید کی عظیم الشان تعلیم کو دنیا میں قائم کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے مامور کے ہاتھوں دسمبر ۱۹۰۵ء میں نظامِ نو کی بنیاد قادیان میں رکھی گئی جس کو مضبوط کرنے اور قریب تر لانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید جیسی عظیم الشان تحریک کا القاء فرمایا گیا۔ اِس عظیم الشان لیکچر کے آخر میں حضور نے پُرشوکت الفاظ میں فرمایا:—

"غرض تحریک جدید گو وصیّت کے بعد آئی ہے مگر اس کے لئے پیشرو کی حیثیت میں ہے۔ گویا وہ مسیح کے لئے ایک ایلیاہ نبی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا ظہور مسیحِ موعود کے غلبہ والے ظہور کے لئے بطور ارہاص کے ہے۔ ہر شخص جو تحریک جدید میں حصّہ لیتا ہے وصیّت کے نظام کو وسیع کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اور ہر شخص جو نظامِ وصیّت کو وسیع کرتا ہے وہ

---

[1] الفضل ۱۰ر فتح ۱۳۲۱ہش (۱۰ر دسمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۲ و ۳۔

نظامِ نو کی تعمیر میں مدد دیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مَیں نے بتایا ہے وصیّت حاوی ہے اس تمام نظام پر جو اسلام نے قائم کیا ہے بعض لوگ غلطی سے یہ خیال کرتے ہیں کہ وصیّت کا مال صرف تبلیغ اشاعتِ اسلام کے لئے ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں وصیّت تبلیغ اشاعت اور عملی اشاعت دونوں کے لئے ہے جس طرح اس میں تبلیغ شامل ہے اسی طرح اُس میں اِس نئے نظام کی تکمیل بھی شامل ہے جس کے ماتحت ہر فردِ بشر کی باعزت روزی کا سامان مہیا کیا جائے۔ جب وصیّت کا نظام مکمل ہو گا تو صرف تبلیغ ہی اس سے نہ ہو گی بلکہ اسلام کے منشاء کے ماتحت ہر فردِ بشر کی ضرورت کو اُس سے پورا کیا جائیگا اور دُکھ اور تنگی کو دنیا سے مِٹا دیا جائیگا انشاء اللہ۔ یتیم بھیک نہ مانگے گا۔ بیوہ لوگوں کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے گی۔ بے سامان پریشان نہ پھرے گا۔ کیونکہ وصیّت بچّوں کی ماں ہوگی۔ جوانوں کی باپ ہوگی۔ عورتوں کا سُہاگ ہوگی اور جبر کے بغیر محبت اور دِلی خوشی کے ساتھ بھائی بھائی کی اِس کے ذریعہ سے مدد کرے گا۔ اور اس کا دینا بے بدلہ نہ ہو گا بلکہ ہر دینے والا خدا تعالےٰ سے بہتر بدلہ پائیگا۔ نہ امیر گھاٹے میں رہے گا۔ نہ غریب۔ نہ قوم قوم سے لڑے گی بلکہ اس کا احسان سب دنیا پر وسیع ہو گا۔

پس اے دوستو! دنیا کا نیا نظام نہ مسٹر چرچل بنا سکتے ہیں نہ مسٹر روزویلٹ بنا سکتے ہیں۔ یہ اٹلانٹک چارٹر کے دعوے سب ڈھکوسلے ہیں۔ اور اس میں کئی نقائص، کئی عیوب اور کئی خامیاں ہیں۔ نئے نظام وہی لاتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں مبعوث کئے جاتے ہیں۔ جن کے دلوں میں نہ امیر کی دشمنی ہوتی ہے نہ غریب کی بے جا محبت ہوتی ہے۔ جو نہ مشرقی ہوتے ہیں نہ مغربی۔ وہ خدا تعالےٰ کے پیغامبر ہوتے ہیں اور وہی تعلیم پیش کرتے ہیں جو امن قائم کرنے کا حقیقی ذریعہ ہوتی ہے۔ پس آج وہی تعلیم امن قائم کرے گی جو حضرت مسیح موعودؑ کے ذریعہ آئی ہے اور جس کی بنیاد الوصیۃ کے ذریعہ ۱۹۰۵ء میں رکھ دی گئی ہے ......

..... پس اے دوستو جنہوں نے وصیّت کی ہوئی ہے سمجھ لو کہ آپ لوگوں میں سے جس جس نے اپنی اپنی جگہ وصیت کی ہے اس نے نظامِ نو کی بنیاد رکھ دی ہے اُس نظامِ نو کی جو اُس کی اور اُس کے خاندان کی حفاظت کا بنیادی پتھر ہے اور جس جس نے تحریکِ جدید میں حصّہ لیا ہے اور اگر وہ اپنی ناداری کی وجہ سے اس میں حصّہ نہیں لے سکا تو وہ اس تحریک کی کامیابی کیلئے

مسلسل دُعائیں کرتا ہے اُس نے وصیت کے نظام کو وسیع کرنے کی بنیاد رکھدی ہے۔ پس اے دوستو! دنیا کا نیا نظام دین کو مٹا کر بنایا جا رہا ہے۔ تم تحریک جدید اور وصیت کے ذریعہ سے اس سے بہتر نظام دین کو قائم رکھتے ہوئے تیار کرو۔ مگر جلدی کرو کہ دوڑ میں جو آگے نکل جائے وہی جیتتا ہے۔

پس تم جلد سے جلد وصیت کرو تاکہ جلد سے جلد نظامِ نو کی تعمیر ہو۔ اور وہ مبارک دن آجائے جبکہ چاروں طرف اسلام اور احمدیت کا جھنڈا لہرانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی میں ان سب دوستوں کو مبارکباد دیتا ہوں جنہیں وصیت کرنے کی توفیق حاصل ہوئی اور میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی جو ابھی تک اس نظام میں شامل نہیں ہوئے توفیق دے کہ وہ بھی اس میں حصہ لیکر دینی و دنیوی برکات سے مالا مال ہو سکیں اور دنیا اس نظام سے ایسے رنگ میں فائدہ اٹھائے کہ آخر اُسے تسلیم کرنا پڑے کہ قادیان کی وہ بستی جسے کوردہ کہا جاتا تھا، جسے جہالت کی بستی کہا جاتا تھا اُس میں سے وہ نُور نکلا جس نے ساری دنیا کی تاریکیوں کو دُور کر دیا۔ جس نے ساری دنیا کی جہالت کو دُور کر دیا۔ جس نے ساری دنیا کے دُکھوں اور دردوں کو دُور کر دیا اور جس نے ہر امیر اور غریب کو، ہر چھوٹے اور بڑے کو محبت اور پیار اور اُلفت باہمی سے رہنے کی توفیق عطا فرما دی"۔[۵۰]

اخبار سٹیٹسمین میں ذکر

اخبار "سٹیٹسمین" (۳۰ر دسمبر ۱۹۴۲ء) نے "دنیا کا نظامِ جدید اسلامی نقطہ نظر" کے عنوان سے اس لیکچر کا خلاصہ جن الفاظ میں شائع کیا اُن کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ کے آخری دن کی آخری تقریر میں امام جماعت حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے دنیا کے نئے نظام کا ذکر کیا۔ پہلے آپ نے اُن تمدنی، اقتصادی اصولوں کا ذکر کیا جو مختلف طریق سے دنیا میں دولت کی غلط تقسیم کو مٹانے اور دنیا سے افلاس و محتاجی کو دور کرنے کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور فرمایا کہ اب ملوکیت کا زمانہ نہیں رہا۔ امپیریلزم کے ظالمانہ برتاؤ اور بے رحم اقتصادی دباؤ اور مختلف طبقوں کے

۵۰؎ "نظامِ نو" صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۴

بڑھتے ہوئے باہمی مقابلہ اور تصادم کی مدّت اب ختم ہو گئی اور نئے نظام کا وقت آگیا ہے
اٹلانٹک چارٹر کی نسبت فرمایا کہ اس سے بھی فائدہ نہ ہو گا۔ نیز فرمایا کہ اگرچہ اصول کے
لحاظ سے کمیونزم کا اصول خوشکن معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص سے اس کی مالی حیثیت کے مطابق
لے لیا جائے اور ہر شخص کو اس کی ضرورتوں کے مطابق دیا جائے مگر عمل میں یہ کامیاب
نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ذاتی ملکیت سے محروم کرتا ہے اور اس سے انسان کا جوشِ عمل
ضائع ہو جاتا ہے۔ نیز کمیونزم کے اصول میں یہ بڑا نقص ہے کہ وہ انسان کے وجدانِ روحانی
کو خدا پرستی سے روک کر سخت صدمہ پہنچاتا ہے۔ اس کے ساتھ آپ نے جرمنی، جاپان اور
اٹلی کے آمرانہ طریقِ حکومت پر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ یہ وحشیانہ تخیلات ہیں جن
میں قومی منافرت، تنگ نظری اور فوجی طاقتوں کا بھیانک مظاہرہ ہوتا ہے۔ موجودہ جنگ
ان ہی کے خراب منصوبوں کا نتیجہ ہے جن سے اُن کا یہ مقصد تھا کہ تمام دنیا پر غلبہ حاصل کریں
اگر یہ کامیاب ہوئے تو انسانی تہذیب و تمدّن برباد ہو جائے گا بلکہ مذہب بھی مٹ جائیگا
حضرت امام جماعت احمدیہ نے ایک نہایت خوش نما منظر اس نظام کا پیش کیا جس پر
بعد جنگ دنیا کی تعمیر ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ حد سے زیادہ منافعے نہیں لئے جائینگے
دولت کے ڈھیر سود کے ذریعہ جمع نہ ہو سکیں گے۔ اسلام اپنے قانونِ وراثت سے
دولت کو وسیع حلقہ میں تقسیم کرے گا اور روپیہ چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو سکے گا۔
زکوٰۃ ۲½ فیصدی ٹیکس آمدنی پر ہی نہ ہوگی بلکہ اصل اور منافع دونوں پر یہ ٹیکس
ہو گا۔ بہت سی صورتوں میں خالص منافع کا پچاس فیصدی تقسیم ہو گا۔ ان کے علاوہ
اسلامی حکومت کو اختیار ہے کہ وہ اور ذرائع سے بھی اپنا خزانہ پُر کرے۔
لیکن باوجود اس کے اسلامی حکومت جوشِ عمل کو برقرار رکھنے اور بڑھانے کے
لئے ذاتی ملکیت کو تسلیم کرتی ہے اور اسلام یہ سبق بھی دیتا ہے کہ قدرتی تمام اشیاء
تمام انسانوں کی ملکیت ہیں اور ان پر کوئی خاص انسان قبضہ نہیں کر سکتے۔" [۵]
سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا یہ لیکچر دفتر تحریک جدید کی طرف سے "نظامِ نو" کے نام سے

---

۵ بحوالہ اخبار الفضل ۱۳ صلح (جنوری) ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴-۵

کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔ اور بہت مقبول ہوا جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امان ۱۳۲۴ھش (مارچ ۱۹۴۵ء) تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ بک گئے۔[1]

"نظام نو" کو بیرونی دنیا سے روشناس کرانے کے لئے اب تک اس کے عربی، انگریزی اور ترکی زبان میں تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔

مصر کے مشہور ادیب الاستاذ عباس محمود العقاد[2] نے اس عظیم الشان لیکچر کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت پر مصر کے مشہور ادبی مجلہ "الرسالۃ" میں حسب ذیل تبصرہ کیا:۔

"اس لیکچر کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہے کہ فاضل لیکچرار (حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد) عالمگیر نظام کی توجہ اس طرف پھیرتے ہیں کہ فقر اور غربت کی مصیبت کو دور کیا جائے۔ یا بالفاظ دیگر جمع شدہ اموال کو تمام دنیا کی قوموں اور لوگوں میں بحصہ رسدی تقسیم کیا جائے۔ بلاشک آپ نے (لیکچرار صاحب نے) تمام دنیا کے جملہ نئے نظاموں پر جنہوں نے اس مصیبت اور مشکل کو دور اور حل کرنے کی کوشش کی ہے یعنی فیسی ازم، نازی ازم اور کمیونزم اور بعض دیگر جمہوری نظام۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ کو ان سب نظاموں کے متعلق ہر جہت سے مکمل اطلاع اور علم حاصل ہے۔

لیکن ساتھ ہی آپ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں جو بالکل صحیح اعتقاد ہے کہ سیاست دان اور پارٹی لیڈرز اور حکومتیں اس مشکل کو حل نہیں کر سکتیں اس لئے ایسی مشکلات کو حل کرنے کے لئے روحانی قوت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہر ایسی مشکل جو تمام انسانوں سے تعلق رکھتی ہے اس کا حقیقی حل اور علاج تمام کے تمام انسان مل کر ہی کر سکتے ہیں۔ اس لئے سب سے بڑی چیز جو اطمینان پیدا کرتی ہے اور نیک کاموں اور اصلاح کے لئے دلیری پیدا کرتی ہے یعنی اعتقاد

---

[1] پہلا ایڈیشن ۲۷ فتح ۱۳۲۲ھش / ۲۷ دسمبر ۱۹۴۳ء اور دوسرا ایڈیشن ۱۳ شہادت (اپریل) ۱۳۲۳ھش / ۱۹۴۴ء میں، تیسرا ایڈیشن ۲۹ امان ۱۳۲۴ھش / ۲۹ مارچ ۱۹۴۵ء کو شائع ہوا۔ تیسرے ایڈیشن کی طباعت میں حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے۔ ابو منیر مولوی نور الحق صاحب واقف زندگی۔ حافظ بشیر الدین صاحب واقف زندگی اور چوہدری محفوظ الحق صاحب واقف زندگی نے معاونت کی۔

[2] عباس محمود العقاد دنیائے عرب کی ایک مشہور ادبی شخصیت تھے جن کا شمار اس صدی کے گنے چنے عرب مؤلفین و مصنفین میں ہوتا ہے۔ آپ کی تالیفات و تصنیفات کی تعداد پچاسی (۸۵) سے متجاوز ہے۔ ہر کتاب اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے نغز ہے۔

اور ایمان ، اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد آپ نے ہندوستان میں موجودہ بڑے بڑے مذاہب پر عموماً اور دنیا کے دوسرے مذاہب پر عموماً ایک محققانہ نظر ڈالی ہے تا اُن سے وہ علاج دریافت کیا جائے جو وہ اس مشکل کے دُور کرنے کیلئے جسے دنیا بُری نظر سے دیکھتی ہے وہ پیش کرتے ہیں۔ اور تا اُن سے نیا نظام دریافت کیا جائے جو وہ موجودہ نظام کی بجائے پیش کر سکتے ہیں کیونکہ اُن کا بھی فرض ہے کہ وہ اس مشکل کو حل کریں اور اس مصیبت کو دُور کریں۔

اس کے بعد آپ نے بہت سے دلائل اس بات کے لئے پیش کئے ہیں کہ ان سب مذاہب میں سے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے اندر ان مشکلات کو حل کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور تمام اقوام اور تمام لوگ پہلے بھی اس پر عمل کر سکتے تھے اور اب اس موجودہ زمانہ میں بھی عمل کر سکتے ہیں۔ (اس کے بعد الاستاذ عباس محمود العقاد نے "نظام نو" اس حصّے کا خلاصہ اپنی زبان میں دیا ہے)

مؤلف یا بالفاظ دیگر فاضل لیکچرار صاحب نے صرف اُن مذہبی عقائد کا ہی جن کا ہم نے مذکورہ بالا سطور میں نہایت مختصر طور پر اشارةً ذکر کیا ہے مقابلہ اور موازنہ کرنے میں ہی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی بلکہ آپ نے خاص طور پر اُن پر گہری نظر ڈالی ہے اور خاص اہتمام سے کام لیا ہے۔ کیونکہ صرف عقیدہ ہی جیسا کہ آپ نے فرمایا ایک ایسی چیز ہے جس سے اصلاح کی اُمید رکھی جا سکتی ہے۔ اور ساتھ ہی آپ نے ان عقاید کا مقابلہ اور موازنہ کرنے کے علاوہ ان تمام سیاسی اور سوشل نظاموں کا بھی مقابلہ اور موازنہ کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سب کے سب عملی طور پر بھی اور رُوحانی طور پر بھی اپنے مقاصد میں ناکام رہے ہیں (اس کے بعد "نظام نو" کے اس حصہ کا خلاصہ دیا ہے جو سیاسی اور سوشل نظاموں پر مشتمل ہے)

لیکچر کا انگریزی ترجمہ جو مذکورہ بالا خلاصہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے متوسط تقطیع کے ایک سو اور کچھ اوپر صفحات پر مشتمل ہے۔ اور ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ اگر یہ آواز یورپ اور امریکہ کے انگریزی خوان طبقہ میں پھیلائی جائے بلکہ خود اہل ہندوستان اور اہل مشرق کے درمیان بھی پھیلائی جائے تو یقیناً اپنا اثر دکھلائے گی۔ (ترجمہ)[1]

---

[1] الفضل ۱۶؍ فتح ۱۳۲۵ھش (۱۶؍ دسمبر ۱۹۴۶ء) صفحہ ۴

تقریر کے نوٹ لکھوانا

"نظام نو" کے تعلق میں بالآخر یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس تقریر کے نوٹ حضرت سیدہ ام متین کو املاء کرائے تھے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتی ہیں:۔

"حضور کی تقریروں کے نوٹ لے لے کر خدا تعالیٰ کے فضل سے تیز لکھنے کی عادت پڑی اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ کتنا ہی تیزی سے مضمون لکھواتے تھے لکھ لیتی تھی۔ سب سے پہلی دفعہ آپ نے جس تقریر کے نوٹ مجھے املاء کروائے تھے وہ "نظام نو" والی تقریر تھی۔ آپ لکھواتے گئے میں لکھتی گئی۔ جب نوٹ مکمل ہوگئے تو فرمانے لگے کچھ سمجھ آیا؟ میں نے جو کچھ آپ نے لکھوایا تھا وہ بتانا شروع کیا۔ کہنے لگے۔ نہیں! یہ تو تمہیدیں ہیں۔ یہ قرآن مجید اور احادیث کے حوالہ جات ہیں۔ ان سے میں کس مضمون کی طرف آنا چاہتا ہوں؟ میں نے کہا۔ یہ تو سمجھ نہیں آئی۔ کہنے لگے۔ یہی تو کمال ہے کہ سارا مضمون اشاروں میں لکھوا گیا مگر تم بتا نہ سکیں کہ کیا موضوع میری تقریر کا ہوگا۔ میں نے کہا۔ پھر بتائیں۔ کہنے لگے۔ نہیں اب جلسہ پر ہی سننا"۔[1]

فصل پنجم

جلیل القدر صحابہؓ کا انتقال

۱۔ چوہدری حاکم علی صاحب چک پنیار ضلع گجرات۔ (تاریخ وفات ۶ ماہ صلح ۱۳۲۱ ہش / جنوری ۱۹۴۲ء)[2]

نہایت قدیم صحابی: جو نہایت متقی اور سلسلہ کے ساتھ گہرا اور والہانہ اخلاص رکھنے والے تھے۔

۲۔ بھائی محمد اسمٰعیل صاحب ساکن دیہہ ضلع علاقہ سندھ (بیعت ۱۹۰۷ء وفات ۱۱ صلح ۱۳۲۱ ہش / ۱۱ جنوری ۱۹۴۲ء)

بہت غیور اور اپنے علاقہ میں احمدیت کا اعلیٰ نمونہ تھے[3]

۳۔ میاں محمد رمضان صاحب پنڈی چری (وفات ۲۱ صلح ۱۳۲۱ ہش / ۲۱ جنوری ۱۹۴۲ء)[4]

آپ نہایت نیک اور صالح آدمی تھے۔ ایک عرصہ تک جماعت پنڈی چری کے امام الصلوٰۃ بھی رہے۔

---

[1] الفضل ۲۵ امان ۱۳۴۵ ہش (مارچ ۱۹۶۶ء) صفحہ ۳ کالم ۲ + [2] الفضل ۸ صلح ۱۳۲۱ ہش / ۸ جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۲ +

[3] الفضل ۱۲ تبلیغ ۱۳۲۱ ہش / فروری ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴ + [4] الفضل ۱۷ تبلیغ ۱۳۲۱ ہش (۱۷ فروری ۱۹۴۲ء) صفحہ ۲ کالم ۱ +

۴۔ چوہدری محمد حسین صاحب ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر ساکن محلہ دارالعلوم قادیان[1] (وفات ۲۱ صلح ۱۳۲۱ ہش / ۲۱ جنوری ۱۹۴۲ء)

۵۔ حکیم سید احمد صاحب ساکن میانی ضلع گجرات خسر مکرم حکیم غلام حسین صاحب لائبریرین تابیا (وفات ۳۰ صلح ۱۳۲۱ ہش / ۳۰ جنوری ۱۹۴۲ء)[2]

۶۔ حضرت مولوی غلام احمد صاحب اختر اوچ شریف ریاست بہاولپور (وفات ماہ تبلیغ / فروری ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابی اور فارسی کے متبحر عالم تھے[3] وفات کے وقت بچے چھوٹے تھے اور دیگر پسماندگان احمدی نہ تھے اس لئے مرکز قادیان میں ان کی وفات کی اطلاع ماہ وفا یعنی چار ماہ بعد پہنچی

۷۔ حضرت حافظ نبی بخش صاحبؓ متوطن فیض اللہ چک ضلع گورداسپور والد ماجد حکیم فضل الرحمن صاحب مجاہد مغربی افریقہ۔ (بیعت ۱۰ مارچ ۱۸۹۰ء۔ وفات ۲۳ امان (مارچ) ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء بعمر ۸۵ سال)

حضرت حافظ صاحبؓ کو ۱۸۷۸ء ۱۸۷۹ء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل تھا۔ حضور آپ کو گول کمرہ یا مسجد میں ٹھہرایا کرتے تھے۔ اوائل زمانہ میں آپ کو بیت الفکر میں کئی بار سونے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ اور کئی دفعہ حضور کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھانا کھانے کا موقعہ ملا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عصر کی ایک نماز آپ کی امامت میں بھی ادا فرمائی۔ ۱۹۰۷ء میں آپ کا لڑکا عبدالرحمن جو ہائی سکول قادیان کی ساتویں جماعت میں تعلیم پا رہا تھا وفات پا گیا۔ اس حادثہ کے چند دن بعد آپ قادیان آئے اور مسجد مبارک میں پہنچے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس وقت محراب میں کھڑکی کے درمیان اپنے خدام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ حضور کی نظر شفقت جونہی آپ پر پڑی حضور نے پاس بلا کر بٹھا لیا۔ اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اپنے بچے کی وفات پر بڑا صبر کیا ہے۔ پھر سر پر دست شفقت پھیرا اور فرمایا "ہم نے آپ کے لئے بہت دعا کی ہے اور کریں گے۔" یہ بھی فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نعم البدل دے گا"۔ اس دعا کے نتیجہ میں حضرت حافظ صاحبؓ کو جو بچہ نعم البدل کے طور پر عطا ہوا وہ حکیم فضل الرحمن صاحب تھے[4] جنہوں نے عین جوانی میں سلسلہ کی خدمت کے لئے اپنے تئیں وقف کیا اور قریباً ربع صدی تک مغربی افریقہ میں تبلیغی جہاد میں سرگرم عمل رہے اور ۲۸ ظہور (اگست) ۱۳۳۴ ہش / ۱۹۵۵ء کو انتقال فرمایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ان کی وفات پر ان کی دینی قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ "حکیم فضل الرحمن صاحب ...... شادی کے تھوڑا عرصہ بعد ہی مغربی افریقہ میں

---

[1] الفضل ۲۳ ماہ صلح ۱۳۲۱ ہش (۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱ ؛ [2] الفضل یکم ماہ تبلیغ ۱۳۲۱ ہش (یکم فروری ۱۹۴۲ء) صفحہ ۱ کالم ۲

[3] الفضل ۸ وفا ۱۳۲۱ ہش / ۸ جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱ ؛ [4] الفضل ۶ ہجرت ۱۳۲۱ ہش / مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۴

تبلیغ اسلام کے لئے چلے گئے۔ اور تیرہ چودہ سال تک باہر رہے۔ جب وہ واپس آئے تو اُن کی بیوی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ اور اُن کے بچّے جوان ہو چکے تھے۔"[۵۱]

حضرت حافظ صاحبؓ عابد زاہد بزرگ تھے۔ تہجد کا خاص طور پر اہتمام فرماتے۔ اوّل درجہ کے مہمان نواز تھے اور نہایت صابر و شاکر تھے۔ سلسلہ کے سب اخبارات خریدتے تھے۔ سلسلہ کی تحریکوں میں حتی الوسع حصّہ لیتے تھے۔ وصیّت کی رقم اور جائیداد کا حصّہ زندگی میں ہی ادا فرما دیا تھا۔[۵۲] ۱۹۳۵ء میں چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اور اس وقت سے مرض الموت تک فریش رہے۔ اس دوران میں اور بعد میں بھی مختلف عوارض کا حملہ آپ پر ہوتا رہا مگر کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور ہر شخص سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات فرماتے۔

۸۔ حضرت چودھری نظام الدین صاحبؓ والد ماجد حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے ناظر اعلیٰ قادیان (بیعت ۱۸۹۵ء وفات ۲۹ ہجرت / مئی ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء بعمر ۸۵ سال)[۵۳] آپ فرمایا کرتے تھے کہ میری پیدائش غدر سے کچھ پہلے ہوئی۔ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم شخصیت کا علم پہلے پہل ۱۸۸۴ء میں براہین احمدیہ سے ہوا جو سید عبدالوحید صاحب ڈپٹی کلکٹر نہر کے ذریعہ انہیں ملی۔ اوائل ۱۸۹۹ء میں آپ فریق مخالف کی شرارت سے قتل کے ایک مقدمہ میں ملوث کر دیئے گئے۔ مگر خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعا کی برکت سے بذریعہ کشف بریّت کی قبل از وقت اطلاع دے دی جس کا آپ نے لوگوں میں پہلے ہی اعلان کر دیا۔ دشمنوں نے اس کشف پر بہت ہنسی اُڑائی مگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ بَری ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے جون ۱۸۹۹ء میں اپنے بیٹے چوہدری فتح محمد صاحب سیال کو پڑھنے کے لئے قادیان بھیج دیا۔ جہاں آپ تعلیم الاسلام سکول میں داخل ہو گئے۔

حضرت چودھری نظام الدین صاحبؓ کو تبلیغ کا بہت شوق تھا کھر بیپڑ، لدھیکے نیوں، لدھیکے اونچے نلھتے کے، اور علی پور وغیرہ ضلع لاہور کی جماعتیں آپ ہی کے ذریعہ قائم ہوئیں۔[۵۴]

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے اُن کی وفات پر ایک مفصّل نوٹ لکھا جس سے اُن کے مخلصانہ مقام اور مرتبۂ فدائیت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عرفانی الکبیرؓ نے لکھا:۔

---

[۵۱] الفضل ۲۲ اخاء ۱۳۳۴ھش / اکتوبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳ کالم ۴ ۔ [۵۲] الفضل ۲۲ شہادت (اپریل) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ - ۵ (مضمون حکیم فضل الرحمٰن صاحبؓ مبلغ نائیجیریا) ۔ [۵۳] الفضل یکم شہادت ۱۳۲۱ھش / اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ ۔ [۵۴] الفضل ۵ شہادت ۱۳۲۱ھش / اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ (مضمون چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے) ایضاً ۱۰ شہادت ۱۳۲۱ھش صفحہ ۳ - ۵ ۔

"وہ بیعت سے قبل بھی ایک عام عقیدت کے آغاز میں اس قدر غیور تھے کہ حضرت اقدسؑ کے خلاف کچھ سُن نہ سکتے تھے۔ ان ایام میں کثرت سے دکھانولے سے آتے اور حضرت اقدسؑ کے اشتہارات اور تصنیفات کو سُنتے اور تصدیق کرتے۔ چونکہ اپنے علاقہ میں وہ ایک باثر اور دلیر معزز رئیس تھے اس لئے کسی کو یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ اُن کے سامنے سلسلہ کی مخالفت کرے۔ اس عہدِ جوانی میں باوجود زمیندار ہونے کے میں نے اُن کو منہیات شرعیہ سے ہمیشہ مجتنب پایا۔ اُن کی طبعیت میں خشونت تھی۔ شاید یہ لفظ ثقیل ہو مگر میں نے اس کو واقعات کی صورت میں لکھا ہے۔ لیکن جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ حالتِ اسلام میں صحیح مقام حاصل کر چکا تھا چوہدری نظام الدین صاحب کی خشونت غیرتِ دینی کے رنگ میں رنگین ہوگئی۔ وہ بہت صاف دل اور صاف گو تھے۔ دلیری اور جرأت قابل تقلید تھی۔ حق کہنے میں وہ کسی کی پروا نہ کرتے تھے۔ ان ایام میں باوجودیکہ ابھی انہوں نے بیعت نہ کی تھی مگر حضرت اقدسؑ کی تحریکاتِ چندہ میں حصہ لیتے تھے اور اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت اور تبلیغ میں سرگرمی کا عملی اظہار کرتے تھے۔

چودھری فتح محمد صاحب کو جب قادیان مدرسہ میں داخل کیا تو انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ شیخ صاحب میں نے تو فتح محمد کو یہاں اسواسطے داخل کیا ہے کہ ہم زمیندار لوگ ہیں بچے جوان ہو جاتے ہیں تو اپنے کاروبار میں لگانا ہم کو عزیز ہوتا ہے۔ میں نے اس کو یہاں بھیج دیا ہے کہ ہم تو اپنی زمینداری کے دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں فتح محمد جوان ہو کر کوئی دین کا کام کرے۔ ورنہ ہمارے پاس قصور میں کیا سکول نہیں۔ اس سے اُن کی مخلصانہ نیت کا پتہ لگتا ہے۔ انہوں نے اپنے دل میں چودھری فتح محمد صاحب کو بچپن میں وقف کر دیا تھا۔ اور ان کے صادق نیت اور اخلاص کا نتیجہ ہے کہ آخر فتح محمد سلسلہ کا ایک خادم سپاہی بن گیا۔

چودھری فتح محمد صاحب کی شادی کی تجویز جب مفتی فضل الرحمن صاحب مرحوم کی صاحبزادی ہاجرہ مرحومہ سے ہوئی تو چودھری صاحب مرحوم قادیان آئے۔ اُن کا معمول تھا کہ وہ قادیان آتے تو مجھے ضرور ملنے کے لئے آتے اور تمام ضروری باتیں اپنے معاملات کی بھی کرتے۔ وہ

اِس طرح پر عہدِ اخوّت و مودّت کا ایک قابلِ تقلید نمونہ پیش کرتے تھے۔ غرض میرے پاس آئے اور اس واقعہ کا ذکر کرکے کہنے لگے کہ مَیں نے تو احمدی ہو کر اپنا ارادہ ختم کر دیا ہے۔ اب جو منشاء وہاں کا ہوتا ہے وہی میرا ہوتا ہے۔ اِس معاملہ میں میری رائے کا دخل ہی نہیں۔ اور مَیں خوش ہوں کہ فتح محمد کے لئے جو مَیں نے ارادہ کیا تھا خدا اُسے پورا کر رہا ہے ایسا ہی جب چودھری صاحب کو ولایت بھیجا گیا تو وہ آئے اور مفتی صاحب مرحوم کے حجرہ میں ہی مقیم تھے۔ فرمایا کہ میری ایسی قسمت کہاں تھی کہ میرا بیٹا دین کی خدمت کے لئے لنڈن جائے۔ یہ تو خدا کا محض فضل ہے۔

غرض باوجود ایک زمیندار ہونے کے فہم دقیق رکھتے تھے اور سلسلہ کے لئے اُن کے دل میں ہر قسم کی قربانی کا جذبہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے اہلبیت کے ساتھ انہیں فدائیانہ محبّت تھی۔"[۵]

۹۔ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ ایڈیٹر "فاروق" قادیان (تاریخ بیعت جولائی ۱۹۰۲ء۔ وفات ۱۲ شہادت (اپریل) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء) حضرت میر صاحب جماعت احمدیہ کے ابتدائی مصنّفوں میں سے ایک کامیاب مصنّف تھے اور سلسلہ احمدیہ کی تاریخ صحافت میں بھی اُن کو بلند مقام حاصل تھا انہوں نے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد دہلی میں ایک باقاعدہ تبلیغی مرکز قائم کر دیا اور اپنی انفرادی کوششوں سے بہت سے اشتہارات، ٹریکٹ اور رسالے تائیدِ احمدیت میں شائع کئے۔ حضرت اقدسؑ کی وفات کے بعد خلافتِ اولیٰ میں جب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کی بد زبانی حد سے بڑھ گئی تو آپ نے ۱۹۱۱ء میں دہلی سے رسالہ "احمدی" جاری کیا جس میں مولوی صاحب موصوف کے اعتراضات کے دندان شکن اور قرار واقعی جوابات دیئے جاتے تھے۔ اِس کے ساتھ ہی آریوں کے اسلام پر اعتراضات کے جوابات کے لئے بھی آپ نے دہلی ہی سے ایک ہفتہ وار اخبار "الحق" جاری کیا۔ جو ہندوستان کے نصف درجن سے زائد آریہ اخبارات کا نوٹس لیتا تھا۔ اور اُن کے اسلام کے خلاف زہریلے اثر کو دُور کرتا تھا۔ خلافتِ ثانیہ کے عہد میں آپ نے سلسلہ کے مشہور ہفتہ وار اخبار "فاروق" کی بنیاد ڈالی۔ جس کا سب سے پہلا پرچہ ۷ / اکتوبر ۱۹۱۵ء کو قادیان دارالامان سے شائع ہوا جو بعض

---

[۵] الفضل ۱۵ / شہادت ۱۳۲۱ھش (۱۵ / اپریل ۱۹۴۲ء) صفحہ ۴۔

ناگزیر درمیانی وقفوں کے ساتھ اخیر مارچ ١٩٤٢ء تک جاری رہا۔

ان اخبارات کے علاوہ آپ نے تیس کے قریب چھوٹے بڑے رسالے اور کتابیں تصنیف فرمائیں[۵۱]۔ جن میں سے بعض مولوی ثناء اللہ صاحب کے جواب میں ہیں۔ اور بعض آریوں کے ردّ میں۔ غیر مبایعین اور دوسرے اندرونی مخالفین احمدیت کے مقابلہ میں بھی آپ نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے آپ کو ایک زبردست قوتِ تحریر عطا فرمائی تھی۔ اور دشمن آپ سے مرعوب اور لرزاں و ترساں رہتا تھا۔

فنِ خطابت اور مناظرہ میں بھی آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ بڑے بڑے جلسوں اور مناظروں میں آپ کی تقریریں مخالفین تک سے دادِ تحسین حاصل کرتی تھیں۔ آپ کا اندازِ بیان بہت دلکش ہوتا تھا جب کسی زمانہ میں غیر احمدی علماء مولوی ثناء اللہ صاحب، مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دربھنگی اور مولوی انور شاہ صاحب دیوبندی وغیرہ سال بسال قادیان میں جلسہ کرنے آیا کرتے تھے تو جناب میر صاحب مرحوم بڑی دلیری سے اُن کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ ١٩٢٢-٢٣ء میں جب آریہ سماج کے دریدہ دہن مصنفوں اور لیکچراروں نے ہندوستان کے طول و عرض میں آنحضرت صلے اللہ علیہ والہٖ وسلم اور اسلام کے خلاف گندے اعتراضات کر کے مسلمانوں کے دل دُکھائے اور ہر جگہ مناظرات کا میدان گرم ہوا تو جناب میر صاحب مرحوم نے اسلام کے ایک جری پہلوان کی طرح اس مقدس جنگ میں حصّہ لیا اور مخالفینِ اسلام کے دانت کھٹے کر دیئے۔ امرتسر اور لاہور وغیرہ مقامات میں آپ کے اس زمانہ کے لیکچروں کی مدّتوں تک دھوم تھی۔ ہندوستان کے دُور اور نزدیک کے دیگر شہروں سے بھی غیر احمدی اصحاب آریوں کے مقابلہ کے لئے قادیان ہی سے مبلغ بلوایا کرتے تھے اور ان کی طرف سے جناب میر صاحب کو بھجوانے کی خاص طور پر فرمائش ہوتی تھی۔ آپ کی تصنیف "چودھویں صدی کا مہرشی" اُس وقت کی فضاء میں آریوں کا بہترین

۵۱۔ فہرست:۔ فیصلہ خدائی بر ستمات ثنائی۔ جھوٹ چھات۔ پچپن۵۵ سوالات۔ دھرمپال کا کچا چٹھا۔ بھجن مقبول ازہاقِ باطل۔ جھوٹ کا بھوت۔ انیسویں صدی کا بلیدان۔ بٹالوی کا انجام۔ صاعقہ ذوالجلال حصہ اوّل و دوم۔ ہدیہ قاسم منظوم مشین گن۔ تارپیڈو۔ ذوالفقارِ علی برگردنِ دیوشقی۔ شدھی کی اشدھی الہامی۔ دین الحق یا ہمارا مذہب۔ علمائے غلط۔ تصدیق الالہام۔ ملہم ثانی۔ النبوۃ فی غیر الامۃ۔ ثنائی ہرزہ سرائی۔ ثنائی فرار اور مباہلہ سے انکار۔ فیصلہ الٰہی۔ ثنائی روسیاہی۔ فیصلہ خدائی بر ستمات ثنائی۔ تحفہ معترضان مباہلہ۔ مرقع ثنائی۔ انیسویں صدی کا مہرشی۔ مباحثہ منصوری۔ خلافتِ محمود و مصلح موعود۔ (وکتابچہ "اذا الصحف نشرت" مرتبہ میاں عبد العظیم صاحب پروپرائٹر احمدیہ بکڈپو قادیان دارالامان) حضرت میر صاحبؓ کا ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے سب اشتہارات "تبلیغ رسالت" کے نام سے شائع کر کے انکو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر دیئے۔

جواب تھی۔ اس کتاب کی اشاعت نے آریوں میں ایک ہلچل ڈال دی اور اُن کو معلوم ہو گیا کہ دوسرں کے بزرگوں کی توہین ایک نہایت خطرناک کھیل ہے۔ اس کتاب کی ضبطی کے لئے آریوں کی طرف سے کئی مرتبہ کوشش کی گئی لیکن چونکہ یہ کتاب اُن کی کئی زہریلی اور گندی کتابوں کے جواب میں شائع ہوئی تھی اسلئے وہ اسے ضبط کرانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے آپ کے وصال پر لکھا:۔

"حضرت میر قاسم علی صاحب مرحوم سلسلہ حقہ کے مشہور جرنلسٹ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے مخلص شیدائی اور پُر جوش اور پُر محبت خادم تھے۔ مضامین اخبار و رسائل اور تصنیف و تالیف کتب کے ذریعہ سے انہوں نے سلسلہ حقہ احمدیہ کی نہایت قابل قدر خدمات انجام دیں۔ دینِ اسلام کی تائید میں انہوں نے عیسائیوں اور آریوں کا ایسا مقابلہ کیا کہ خود دشمن بھی اُن کے بیان کی خوبی اور اُن کے دلائل کی قوت کا قائل تھا۔ مرحوم جب دہلی میں مقیم تھے اُسوقت عاجز کو جب کبھی تبلیغی دورے پر جانے کا اتفاق ہوتا تو مرحوم کے مکان پر ہی قیام ہوتا تھا۔ اور دیگر دوست بھی عموماً اُن کے ہاں قیام کرتے۔ اور اُنکی مہمان نوازی سے بہرہ ور ہوتے۔ اُسوقت دہلی کے مسلمان، آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مناظرات کے واسطے میر صاحب مرحوم کو ہی لے جایا کرتے تھے اور ان کا دہلی میں ہونا ایک نعمتِ غیر مترقبہ یقین کرتے تھے۔

مرحوم کو اس عاجز کے ساتھ محبت کا خاص تعلق تھا۔ اپنی عمر کے آخری سال میں اُن کا معمول تھا کہ روزانہ شام کو محلہ مسجد مبارک میں اپنی کتابوں کی دوکان فاروق ایجنسی میں آتے۔ عاجز بھی وہاں اُن کے پاس جا بیٹھتا اور بعض دیگر احباب بھی آ جاتے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کی باتوں اور کاموں کا ذکر رہتا جو حاضرین کے واسطے موجب ازدیاد ایمان ہوتا۔ ممبرانِ خاندانِ نبوت کے ساتھ مرحوم کا اخلاص حنیفانہ رنگ اپنے اندر رکھتا تھا۔

مرحوم کی اگرچہ نسبی اولاد نہ تھی مگر اپنے بعض عزیزوں کے بچوں کو اُن کی پیدائش کے زمانہ سے لیکر اسقدر محبت کے ساتھ اُن کی تعلیم و تربیت کی کہ اُن بچوں کو ہمیشہ یہی یقین رہا کہ میر صاحب ہی اُن کے باپ اور اُن کی مرحومہ بیوی اُن کی ماں ہے۔ اور اُن بچوں کو اچھے عہدوں پر ملازم کرایا۔ اور اُن میں سے بعض کی اولاد کی بھی پرورش کی۔"[1]

---

[1] الفضل ۳۰ شہادت ۱۳۲۱ہش / ۳۰ اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۵

مولانا ابو العطاء صاحب فاضل مدیر "فرقان" نے مندرجہ ذیل الفاظ میں آپ کو خراجِ تحسین ادا کیا:۔

" احمدیت کا پُرانا جرنیل، مسیح پاک کا غیور صحابی، خلافت کا وفادار خادم اور دشمنانِ اسلام و سلسلہ کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر ہونے والا سپاہی میر قاسم علی ۱۲ اپریل کی شب کو فوت ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جناب میر صاحب مرحوم کی زندگی میں غیرتِ دینی کا ایک بہترین نمونہ موجود تھا۔ جس طرح اپنی ذاتی متاع کی حفاظت میں انسان پوری قوت خرچ کر دیتا ہے اسی طرح حضرت میر صاحب مقدور بھر اسلام و احمدیت کی خدمت کرتے رہے۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں تحریر و تقریر میں خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ اور طبیعت بھی نکتہ رس اور بذلہ سنج تھی۔ تقریر کے وقت حاضرین کو مسحور کر لینا اور تحریر کے قارئین کی دلچسپی کو اخیر تک قائم رکھنا اُن کا نمایاں وصف تھا۔ بے شک حضرت میر قاسم علی صاحب نے طبعی عمر پائی اور جنت الفردوس کے وارث ہوئے لیکن انکی وفات ایک جماعتی صدمہ ہے اور ہر مخلص کے لئے رنجدہ حادثہ۔ زمانہ کی گردش ایسے جانباز خادمِ دین کے ذکر کو دلوں میں تازہ کرتی رہے گی اور رہتی دنیا تک احمدیت کی تاریخ میں میر قاسم علی کا نام عزت کے ساتھ یاد کیا جائیگا۔ مجھے ایامِ طالب علمی سے ہی میر صاحب سے واقفیت ہے۔ مَیں نے انہیں ہمیشہ سلسلہ کی عزت کے لئے غیور مومن پایا۔ غلطی انسان سے ہو جاتی ہے لیکن دینی غیرت کے ماتحت غلطی بھی انتظامی حصّہ کو مستثنیٰ کر کے ایک خوبصورت فعل ہے۔ میر صاحب کے کارنامے ایک طویل کتاب کے محتاج ہیں۔ خدا جسے توفیق دے گا وہ آسمانِ احمدیت کے اِن یکے بعد دیگرے نظروں سے اوجھل ہونے والے مگر ابد تک درخشندہ ستاروں کی تاریخ مرتب کر سکیگا۔ بہر حال میر صاحب مرحوم کی وفات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرنور چہرہ کو دیکھنے والا ایک اَور وجود کم ہو گیا۔ اے اللہ! تُو جناب میر صاحب کے درجات کو بلند فرما۔ اور ان کے پسماندگان پر رحم فرما۔ اور احمدیت کے جانباز سپاہیوں میں اضافہ فرما تا اسلام کا پرچم جلد تر دنیا کے سب ممالک پر لہرائے۔ اللّٰھم آمین۔"[۵۵]

---

[۵۵] رسالہ "فرقان" ہجرت ۱۳۲۱ھش (مئی ۱۹۴۲ء) صفحہ ۳۴ +

۱۰۔ حکیم عبدالرحمٰن صاحب محلہ مسجد فضل قادیان (وفات ۲۵ ہجرت ۱۳۲۱ ھش / مئی ۱۹۴۲ء)[۵۱]

۱۱۔ پیر محمد شاہ صاحب آف شاہ مسکین ضلع شیخوپورہ (ولادت ۱۸۷۹ء۔ بیعت ۱۸۹۶ء وفات ۱۳ احسان ۱۳۲۱ ھش / جون ۱۹۴۲ء)

اپنے ماموں حضرت میاں معراج دین صاحب عمرؓ کی تبلیغ سے احمدیت قبول کی۔ ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لائے تو آپ کو دورانِ قیام حضور کی خدمت کا قیمتی موقعہ میسر آیا۔ جن پُر جوش مخلصین نے منٹگمری[۵۲] میں جماعت قائم کی اُن میں آپ بھی تھے۔ مسجد احمدیہ منٹگمری آپ کی تبلیغی کوششوں اور جماعتی استحکام کی جدوجہد کی ایک عمدہ یادگار ہے۔ منٹگمری کے علاوہ آپ (ملازم محکمہ نہر کی حیثیت سے) کئی اور مقامات میں بھی رہے۔ اور ہر جگہ احمدیت کا ایسا اچھا نمونہ پیش کیا کہ دشمن بھی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے[۵۳]

۱۲۔ حضرت خلیفہ نورالدین صاحبؓ جمونی (ولادت ۱۹۰۸ بکرمی مطابق ۱۸۵۲-۵۱ء بیعت ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء ۳۱۳ صحابہ کبار میں ۱۶۴ نمبر۔ وفات ۲ تبوک ستمبر ۱۳۲۱ ھش / ۱۹۴۲ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقرب صحابی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا نورالدینؓ کے مایۂ ناز شاگرد! حضرت اقدس علیہ السلام دعوئے مسیحیت سے قبل جب حضرت مولانا نورالدین (خلیفۂ اوّلؓ) کی عیادت کے لئے جموں تشریف لے گئے تو حضور نے آپ ہی کے کمرہ میں قیام فرمایا تھا[۵۴]

حضرت خلیفہ صاحب رضی اللہ عنہ اپنے حالات زندگی میں لکھتے ہیں:۔

"مَیں ابتدائے جوانی میں گجرات میں رہتا تھا۔ اور اس وقت فرقہ اہل حدیث کا ابتدائی چرچا تھا اور پبلک میں اس کی سخت مخالفت تھی۔ اُن کی باتیں معقول پاکر مَیں بھی اہلِ حدیث میں شامل ہو گیا۔ ایک دفعہ سیال شریف جاتے ہوئے راستہ میں بھیرہ مولوی سلطان احمد صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ذکر کیا کہ میرا بھائی نورالدین نام مکّہ میں حدیث پڑھ رہا ہے۔ اِس طرح پہلی دفعہ مَیں نے حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسیح الاوّل کا حال سُنا۔ پھر جب مَیں نے سُنا کہ مولوی صاحب مکّہ سے واپس بھیرہ آگئے ہیں تو مَیں انہیں ملنے کے واسطے گیا۔ اور اُن کے عقائد اور تحقیقی مسائل سے متفق ہو کر ایک عرصہ اُنکے

---

[۵۱] الفضل ۲۸ ہجرت ۱۳۲۱ ھش / مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۲ + [۵۲] اب اس کا نام ساہیوال ہے + [۵۳] الفضل ۲۸ احسان ۱۳۲۱ ھش / جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ (ملخصاً مضمون سلطان محمود صاحب شاہد بی۔ ایس سی حال پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ) [۵۴] الحکم ۷/۱۴ نومبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵-۶- اس پرچہ میں آپ کی املاء کردہ سوانح حیات درج ہے +

پاس رہا اور پھر اُن کے ساتھ ہی جموں آگیا۔ جب حضرت مرزا صاحب کی خبر ملی۔ اُن کی ملاقات کے واسطے قادیان گیا۔ ایک عرصہ رہا۔ جب حضرت مرزا صاحب نے بیعت لینی شروع کی تو مَیں نے بھی بیعت کرنی چاہی مگر حضرت مولوی نورالدینؓ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے داماد عبدالواحد (پسر مولوی عبداللہ صاحب غزنوی ثم امرتسری) کو پہلے سمجھانا ضروری ہے۔ وہ بیعت کرنے والوں کی بات کو نہ سُنیگا تم ابھی بیعت نہ کرو اور اُسے سمجھاؤ۔ مَیں اُسے سمجھاتا رہا مگر اُس نے نہ مانا۔ اور جب حضرت مسیح موعودؑ دہلی سے واپس آئے تو مَیں نے بیعت کر لی۔ اُس وقت "نشانِ آسمانی" لکھی گئی تھی۔ جب کشمیر میں ایک سخت ہیضہ ہُوا اُسوقت مَیں سری نگر میں ملازم تھا۔ میری ڈیوٹی لگی کہ شہر کے مختلف حصّوں میں پھر کر لوگوں کو صفائی اور علاج وغیرہ کی طرف متوجہ کروں۔ اُسوقت سری نگر کے محلّہ خانیار میں مجھے معلوم ہُوا کہ یہاں ایک قبر ہے جسے شہزادہ نبی یوز آسف کی قبر کہتے ہیں اور بعض اُسے حضرت عیسٰی نبی کی قبر بھی کہتے ہیں۔ مَیں نے حضرت مولوی صاحب کے پاس اس بات کی رپورٹ کی وہ سُنکر چُپ ہو رہے۔ اِس کے بعد جب حضرت مولوی صاحب قادیان گئے اور ایک دفعہ اتفاقاً اس امر کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہُوا تو حضرت صاحب نے مجھے بلوایا اور اس امر کی تحقیقات کے واسطے کشمیر بھیجا"[۱]

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "آئینہ کمالاتِ اسلام" (صفحہ ۶۲۷ - ۶۳۴) "حجۃ الاسلام" (صفحہ ۵) "آریہ دھرم" (صفحہ ۱۲) "ضمیمہ انجام آتھم" (صفحہ ۴۳) "کتاب البریّہ" (صفحہ ۲۲) "تحفۂ گولڑویہ" (صفحہ ۱۵۱) "نزول المسیح" (صفحہ ۱۲۲ - ۲۲۸) اور اشتہار ۴؍ اکتوبر ۱۸۹۹ء (مشمولہ تبلیغ رسالت جلد ہشتم) میں آپ کا ذکر فرمایا ہے اور نہایت تعریفی کلمات سے نوازا ہے۔ چنانچہ تحفہ گولڑویہ میں لکھا ہے:۔

"جب مَیں نے اِس قصّہ کی تصدیق کے لئے ایک معتبر مرید اپنا جو خلیفہ نورالدین کے نام سے مشہور ہیں کشمیر سری نگر میں بھیجا تو انہوں نے کئی مہینے رہ کر بڑی آہستگی اور تدبیر سے تحقیقات کی۔ آخر ثابت ہو گیا کہ فی الواقعہ صاحب قبر حضرت عیسٰی علیہ السلام ہیں جو یوز آسف کے نام سے مشہور ہوئے"[۲]

---

[۱] "تحقیق جدید متعلق قبر مسیح" مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ناشر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان طبع اوّل اکتوبر ۱۹۳۶ء۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۷ پر آپکا اور حضرت مستری فیض احمد صاحب جمونی کا فوٹو بھی موجود ہے۔ [۲] "تحفہ گولڑویہ"

اسی طرح اپنے اشتہار ۴؍ اکتوبر ۱۸۹۹ء میں تحریر فرمایا:-

"اور خلیفہ نورالدین صاحب ہیں جو ابھی محض للہ ایک خدمت پر مامور ہوکر کشمیر بھیجے گئے تھے اور چند روز ہوئے فائز المرام ہوکر واپس آگئے ہیں۔ .... میں اس تحقیقات کے متعلق ایک کتاب تالیف کر رہا ہوں جس کا نام ہے "مسیح ہندوستان میں"۔ چنانچہ میں نے اس تحقیق کے لئے مخلصی محبی خلیفہ نورالدین صاحب کو جن کا ابھی ذکر کر آیا ہوں کشمیر میں بھیجا تھا تاکہ وہ موقعہ پر حضرت مسیحؑ کی قبر کی پوری تحقیقات کریں۔ چنانچہ وہ قریباً چار ماہ کشمیر میں رہ کر ہر ایک پہلو سے تحقیقات کرکے اور موقع پر قبر کا ایک نقشہ بنا کر اور پانسو چھپن ۵۵۶ آدمیوں کی اس پر تصدیق کراکر کہ یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے جس کو عام لوگ شہزادہ نبی کی قبر اور بعض یوز آسف نبی کی قبر اور بعض عیسیٰ صاحب کی قبر کہتے ہیں۔ ۱۷؍ ستمبر ۱۸۹۹ء کو واپس میرے پاس پہنچ گئے۔ سو کشمیر کا مسئلہ تو خاطر خواہ انفصال پا گیا۔ اور پانچ سو چھپن ۵۵۶ شہادات سے ثابت ہوگیا کہ درحقیقت یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے جو سری نگر محلہ خانیار کے قریب موجود ہے۔"

(حاشیہ) "خلیفہ نورالدین صاحب کو خدا تعالیٰ اجر بخشے کہ اس تمام سفر اور رہائش کشمیر میں انہوں نے اپنا خرچ اٹھایا۔ اپنی جان کو تکلیف میں ڈالا اور اپنے مال سے سفر کیا"[۵۱]

حضرت خلیفہ صاحبؓ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض نشانوں کے بھی گواہ تھے[۵۲]۔ بعض الہامات و رؤیا میں بھی آپ کا نام ملتا ہے[۵۳]۔ جنگ مقدس کے مباحثہ کی کارروائی آپ نے اور حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی نے قلمبند کی تھی۔

حضرت ماسٹر عبدالرحمن صاحبؓ نومسلم (سابق مہر سنگھ) کا بیان ہے کہ:-

"میں نے دیکھا کہ ایک ایک وقت میں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پانچ پانچ سو روپیہ نذر پیش کیا۔ جب سے آپ نے مخیرانہ طور پر چندہ میں حصہ لینا شروع کیا تب سے آپ کے کاروبار میں بھی خداوند کریم نے ترقی پر ترقی دی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

---

۵۱ "تبلیغ رسالت" جلد ہشتم صفحہ ۷۰ تا ۷۲ ۞ ۵۲ ملاحظہ ہو "نزول المسیح" ۞ ۵۳ ملاحظہ ہو "نزول المسیح" صفحہ ۲۱۱ (تذکرہ طبع دوم صفحہ ۴۲۹ - ۴۳۰) البدر ۲۸؍ نومبر و ۵؍ دسمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۵ والحکم ۲۴؍ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۴ (تذکرہ طبع دوم صفحہ ۴۵۲)

کے مساعیٔ جمیلہ میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر امداد دیا کرتے تھے اور سیالکوٹ لاہور وغیرہ لیکچروں میں حاضر ہو کر ہر طرح امداد دیا کرتے تھے ...... حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی نگرانی

طباعت میں اور پروف بینی میں بہت حصہ لیا کرتے تھے درثمین کا پہلا ایڈیشن[1] مولوی غلام قادر فصیح صاحب سیالکوٹی نے 1893ء میں دوسرا حضرت حکیم فضل الدین صاحب بھیروی نے 1896ء میں اور تیسرا ایڈیشن حضرت خلیفہ نورالدین صاحب نے "درثمین کامل" کے نام سے اکتوبر 1901ء میں شائع فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آپ کے نام رقم فرمودہ خطوط یا اپنی تالیفات کے بعض قیمتی مسودات اور تبرکات اکثر و بیشتر جموں میں ہی ضائع ہو گئے تھے۔ البتہ دو خط اور کشتی نوح اور نزول المسیح کے بعض قیمتی مسودات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قلم مبارک سے لکھے ہوئے ہیں اب تک ان کے فرزند الحاج خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب کے پاس محفوظ ہیں[۵۲]

۱۳ ۔ حضرت مستری فیض احمد صاحبؓ ۔ (ولادت ۱۸۶۷ء۔۶۸ء ۔ بیعت ۱۸۹۷ء

وفات ۴ ر تبوک ۱۳۲۱ھش ۴ ر ستمبر ۱۹۴۲ء)[۵۳]

میاں محمد ابراہیم صاحب بی۔ اے جمونی[۵۴] نے ان کی مختصر سوانح ۱۱ ر تبوک ۱۳۲۱ھش / ستمبر ۱۹۴۲ء کے الفضل میں شائع کرا دی تھی جس کا ایک ضروری حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی اہلحدیث اور حضرت مولوی فیض الدین صاحبؓ کے ساتھ پڑھتے رہے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کا شاگرد ہونے

---

[1] یہ ایڈیشن مؤلف کتاب ہذا کی "سلطان لائبریری" ربوہ میں موجود ہے۔

[۵۲] حضرت خلیفہ صاحبؓ کی اولاد:۔ ۱۔ غلام فاطمہ صاحبہ زوجہ حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نومسلم۔ ۲۔ حضرت خلیفہ عبدالرحیم صاحبؓ (ولادت ۱۲ ر دسمبر ۱۸۹۳ء) آپ کی پیدائش حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خاص دعاؤں کا نتیجہ تھی۔ ۳۔ امۃ اللہ بیگم صاحبہ زوجہ حضرت مستری فیض احمد صاحبؓ جمونی۔ ۴۔ الحاج خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب (ولادت مارچ ۱۹۱۰ء) آپ تقریباً تین سال تک جماعت احمدیہ سری نگر کے پریذیڈنٹ بھی رہے ہیں۔ ان دونوں کوئٹہ میں مقیم ہیں۔ [۵۳] الفضل ۶ ر تبوک / ستمبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[۵۴] حال ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ۔ محترم میاں صاحب موصوف آپ کے ہمشیرہ زاد بھائی ہیں جنہیں حضرت مستری صاحب نے آپ کے والد ماجد کی زندگی میں ہی اپنی تربیت میں لے لیا اور پھر آپ کی تعلیم پر اس قدر بے دریغ روپیہ خرچ کیا کہ بہت سے لوگ آپ کو حضرت مستری صاحب کا حقیقی بیٹا سمجھنے لگے۔

کا فخر حاصل تھا۔ ابتداء میں اہلحدیثوں کی طرف سے مناظروں میں شریک ہوتے تھے۔ بعد میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی تحریک پر احمدیت کی طرف توجہ ہوئی اور ۱۸۹۷ء میں بیعت کا شرف حاصل کیا۔ سیالکوٹ میں حکیم حسام الدین صاحب مرحوم اور حضرت میر حامد شاہ صاحب کے خاص مصاحبوں میں سے تھے اور ان کا دینی شغف اور علم انہیں بزرگوں کا رہین منت تھا کاروبار کے سلسلہ میں جموں سکونت اختیار کی تو حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی جو ان دنوں ریاست جموں میں سرکار کے طبیب تھے معیت نصیب ہوئی اور ان سے خاص انس و محبت پیدا ہو گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہو چکنے کے بعد اکثر قادیان آتے رہے اور وفات تک یہی معمول رہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت سے فیضیاب ہونے کی وجہ سے تقویٰ و روحانیت سے خاص حصہ ملا تھا اور حضور علیہ السلام سے ایک خاص اُنس و عقیدت تھی۔ باوجود کاروباری آدمی ہونے کے دین کو صحیح معنوں میں دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ تبلیغ مسائل سلسلہ اُن کا من بھاتا مشغلہ تھا۔ دن رات یہی دھن لگی رہتی تھی۔ گھر میں اور باہر ہر جگہ یہی چرچا ہوتا تھا۔ گفتگو نہایت مؤثر اور مدلّل ہوتی تھی اور ہر مخالف کو خداداد قابلیت اور جوش ایمان کی وجہ سے شکست دے سکتے تھے۔ ایمان اور عقیدہ اسقدر پختہ تھا اور پھر خود حق پر ہونے کا اسقدر یقین تھا کہ نہ صرف غیر احمدی اور غیر مبائع بلکہ غیر مذاہب کے بڑے بڑے عالم کا بلا خوف و خطر مقابلہ کرتے تھے۔ چنانچہ مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری۔ کشمیر کے میرواعظ اور سیر و سیاحت پر کشمیر آنے والے بڑے بڑے آریہ لیڈروں کے ساتھ نہایت کامیاب گفتگو کرتے رہے۔ غیر مبائع کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ چنانچہ جموں کے غیر مبائع اصحاب نے جہاں تک مجھے یاد ہے یہ فیصلہ کیا ہوا تھا کہ ان سے گفتگو نہ کی جائے۔ ایمان بالرسالت اور خلافت کے مسئلہ پر خاص طور پر عبور تھا اور اہل حدیثوں کی مزعومہ توحید کی مخصوص تشریح فرمایا کرتے تھے اور عام فہم اور معقول دلائل دیتے ہوئے خود فرمایا کرتے تھے۔ اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ اِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔ گھر میں دینی فضاء پیدا کرنے کا موجب ہونے کے علاوہ جموں کی جماعت کے روح رواں تھے۔ اور جب پیغامیوں کا فتنہ پیدا ہوا اور خواجہ جمال الدین صاحب برادر خواجہ کمال الدین مرحوم انسپکٹر مدارس جموں اور دیگر سرکردہ لوگ جماعت کا ساتھ چھوڑ گئے تو نہایت استقلال

اور استقامت کے ساتھ اُن کا مقابلہ کر کے جماعت احمدیہ جموں کے قیام کا باعث ہوئے ۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ اور چونکہ خدا کے فضل سے کاروبار کے سلسلہ میں حکّام سے واسطہ پڑتا رہتا اس لئے حکّام اور عوام میں جماعت اُن کے اثر و رسوخ کے طفیل ایک باوقار جماعت سمجھی جاتی تھی مبلّغین سلسلہ بلکہ افرادِ سلسلہ جنہیں جموں یا کشمیر ٹھہرنے یا جانے کا اتفاق ہوا ہے سبھی اس بات کے گواہ ہیں کہ احمدی احباب کی خاطر و مدارات کرنے میں وہ ایک گونہ راحت پاتے تھے ۔ اور اُن کی خدمت کرنا بلکہ مالی امداد تک کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور خود کوشش کر کے دوستوں کو اپنے ہاں مہمان ٹھہراتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔ خدا کے فضل سے صاحبِ کشوف و رؤیا تھے حتیٰ کہ خواب میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کر چکے تھے ۔"[51]

۱۴ ۔ میاں زین العابدین صاحبؓ (برادرِ خورد حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ) ساکن تھہ غلام نبی ضلع گورداسپور (وفات ۲۸ تبوک (ستمبر) ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء)[52]

۱۵ ۔ ڈاکٹر عالم الدین صاحبؓ کڑیانوالہ ضلع گجرات (وفات ۱۲ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء بعمر ۶۷ سال)[53]

۱۶ ۔ مرزا شریف اللہ خان صاحبؓ موضع مانیری پایاں تحصیل صوابی ضلع مردان ۔

(ولادت ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳-۶۴ء ۔ بیعت ۱۹۰۱ء وفات ۸ نبوت (نومبر) ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء)

آپ نے حضرت میاں محمد یوسف صاحبؓ اپیل نویس مردان کی کوشش سے احمدیت قبول کی ۔ بڑے خلیق ۔ مہمان نواز، خوش مزاج ، حاضر جواب ، متواضع اور جوانمرد انسان تھے ۔ تبلیغ کا بہت شوق تھا ۔ اور صوبہ سرحد میں اشاعت احمدیت کے لئے بڑی دلچسپی لیتے اور مالی امداد بھی کرتے رہتے تھے ۔[54]

۱۷ ۔ چوہدری غلام حیدر صاحبؓ نمبردار چک ۴۳ جنوبی ضلع سرگودہا ۔ (وفات ۱۳ نبوت / نومبر ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء)[55]

۱۸ ۔ حافظ محمد امین صاحبؓ تاجر کتب جہلم ۔

(وفات فتح (دسمبر) ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء)[56]

حضرت مولانا نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے رضاعی بھائی تھے ۔ آپ کا نام ۳۱۳ اصحاب مسیح موعود میں ۳۰۰ پر درج ہے[57]

---

[51] الفضل ۱۱ تبوک / ستمبر ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ ۔ [52] الفضل ۳۰ تبوک / ستمبر ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۱ ۔ [53] الفضل ۱۰ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۴

[54] الفضل ۵ فتح / دسمبر ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۶ ۔ [55] الفضل ۲۸ نبوت / نومبر ۱۳۲۱ ہش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔ [56] الفضل ۲ صلح / جنوری ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۱

[57] ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۴ کالم ۳ ۔

مندرجہ بالا صحابیات کے علاوہ اس سال اہلیہ صاحبہ حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخلص صحابیہ تھیں ۱۲/وفا/جولائی ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کو انتقال کر گئیں۔ آپ ۱۸۹۹ء میں بعمر پندرہ سولہ برس ہجرت کر کے قادیان آئیں اور ۱۹۰۱ء میں داخل احمدیت ہو گئیں اور پھر وفات تک یہیں رہیں۔ پابند صوم و صلوٰۃ، شب بیدار اور اپنے واجب التعظیم شوہر کی حد درجہ فرمانبردار خاتون تھیں[1]

حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ نے اُن کی وفات پر لکھا:۔

"مرحومہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی خواتین نہایت محبت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں اور یہ اس دیرینہ محبت کا تقاضا تھا کہ حضرت ام المومنین مدظلہا العالی نے مرحومہ کے چہرہ پر اپنے مبارک ہاتھ پھیرے۔ مرحومہ غریبوں پر رحم کرنے والی اور مصیبت زدوں پر ترس کھانے والی تھیں۔ وہ کسی کو بھی خالی واپس کرنا پسند نہ کرتی تھیں۔ نہایت فیاض اور مہمان نواز تھیں۔ میرے لئے تو سراسر مجسمۂ رحمت تھیں۔ جو سلوک اور برتاؤ انہوں نے میرے ساتھ کیا اُس کو دیکھ کر ہمیشہ میں یہی سمجھتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو خاص میرے لئے ہی بنایا تھا۔ مرحومہ ہمیشہ مجھے نماز کے لئے جگاتی رہیں اور اپنی اس ڈیوٹی کو اپنی بیماری کی شدید ترین حالت میں بھی ادا کرتی رہیں۔ مگر جب اُن کی کمزوری اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ اپنی آواز مجھ تک پہنچا نہ سکتی تھیں تو وہ اپنی نواسی کو جو اُن کے بالکل قریب سوئی ہوتی تھی جگاتیں تا کہ وہ مجھ کو جگا دے۔

اُن کو یقین تھا کہ یہ اُن کی آخری بیماری ہے۔ اس کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہونے والی ہیں۔ لیکن وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی آخری گھڑی کا انتظار کرتی رہیں۔ اپنے بچوں کو بھی صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہتیں کہ رونا نہیں صبر کرنا۔ کسی قسم کا اضطراب یا بے چینی ان کی طبیعت میں نہ پائی جاتی تھی۔ اس دنیا سے اور عزیزان سے آنے والی جدائی کے خیال پر کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا۔ بیمار پرسی کرنے والوں سے اُن کی اس کے سوا اور کوئی درخواست نہ تھی کہ میرے نیک خاتمہ اور ایمان کے لئے دعا کرو۔......

...... مرحومہ کے دادا نے جو ایک صالح انسان تھے غالباً رمضان شریف کے آخری عشرہ

---

[1] الفضل ۱۴/ وفا ۱۳۲۱ھش/جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ" صفحہ ۸۳-۹۴ (مؤلفہ ڈاکٹر ملک نذیر احمد صاحب ریاض)

کی راتوں میں جبکہ وہ اپنے کھیتوں میں کھڑے پانی دے رہے تھے ایک روشنی دیکھی اور اس روشنی میں دیکھا کہ فرشتے ایک پالکی اٹھائے لئے آرہے ہیں۔ اس نظارہ کے متعلق میرا یہی خیال رہا ہے کہ ان کو دکھایا گیا کہ اُن کی اولاد سے ایک خوش قسمت خاتون پیدا ہوگی جن کے لئے یہ مقدّر تھا کہ وہ نوعمری کی حالت میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں حاضر ہوئیں اور اپنی ساری عمر مسیح کی بستی میں گذاری۔ اور آخر خدا کے فضل سے حضرت فضل عمرؓ سے نماز جنازہ کا شرف حاصل کرتے ہوئے اور بہت سے بزرگوں اور خواتین کی دعائیں ساتھ لیتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں پہنچ گئیں۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ نے مزید احسان یہ کیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جنازہ کو کندھا دیا .... ابتدائی زمانہ میں مرحومہ کو دارِ مسیح موعود میں رہنے کا فخر حاصل ہوا۔ اوائل عمر میں اُن کو ہسٹیریا کے دورے بھی ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن سخت دورہ ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی گئی۔ آپ نے دُعا بھی کی اور دوا بھی دی۔ مرحومہ کہا کرتی تھیں کہ یہ آخری دورہ تھا جو مجھ کو ہُوا۔ اور یہ بات وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نشان کے طور پر ذکر کیا کرتی تھیں اسی طرح وہ اَور نشانات کا ذکر بھی کیا کرتی تھیں۔"[۵۱]

بعض دوسرے مخلصین کی وفات

مندرجہ ذیل مخلصین بھی اس سال دارِ فانی سے رحلت کر گئے:۔

۱۔ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب کارکن "الفضل"[۵۲] (ابن حضرت میاں شادی خان صاحبؓ)

۲۔ صوبیدار خوشحال خان صاحبؓ (شہید) مینی تحصیل صوابی ضلع مردان[۵۳]

۳۔ ڈاکٹر احمد خان صاحب شیخ پور ضلع گجرات[۵۴]

۴۔ مولوی محمد عثمان صاحب ضلع بستی (یو۔پی)[۵۵]

---

[۵۱] الفضل ۲۶ ر تبوک (ستمبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۴ و ۵ ۔ [۵۲] وفات ۱۲ ر ہجرت (مئی) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء بعمر ۵۲ سال ("الفضل" ۱۶ ر ہجرت (مئی) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۳ ۔ [۵۳] تاریخ شہادت ۲۹ ر ماہ ہجرت (مئی) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء (الفضل ۷ ر احسان (جون) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۳ ۔ [۵۴] وفات ۲۴ ر ظہور (اگست) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء بعمر ۴۷ سال (الفضل ۷ ر اخاء (اکتوبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۶ ۔ [۵۵] تاریخ وفات ۲۸ ر تبوک (ستمبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء (الفضل ۱۰ ر ماہ اخاء (اکتوبر) ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ ۔

۵۔ چوہدری علی محمد صاحب چدھڑ نائب تحصیلدار رودکوہی تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خاں متوطن ضلع جھنگ تحصیل چنیوٹ۔[۵۱]

۶۔ محمد ابراہیم صاحب (جنرل سیکرٹری جماعت ہائے احمدیہ برما)[۵۲]

۷۔ ملک شیر محمد خان صاحب امیر جماعت احمدیہ کوٹ رحمت خان ضلع شیخوپورہ۔[۵۳]

فصل ششم

۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء کے متفرق اہم واقعات

خاندان مسیح موعودؑ میں پُرمسرّت تقاریب

۱۔ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کے ہاں ۲۹ صلح ۱۳۲۱ھش / جنوری ۱۹۴۲ء کو صاحبزادی امۃ الحلیم صاحبہ کی ولادت ہوئی۔[۵۴]

۲۔ حضرت خان محمد عبد اللہ خان صاحب کی صاحبزادی طاہرہ بیگم صاحبہ کی تقریب رخصتانہ ۲۸ امان ۱۳۲۲ھش / مارچ ۱۹۴۲ء کو بعد نماز عصر نہایت سادگی سے ان کی کوٹھی واقع دار العلوم میں منعقد ہوئی۔ برات حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے فرزند صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب کی تھی۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے جو پہلے سے رونق افروز تھے اپنے دست مبارک سے دولہا میاں کو ہار پہنایا اور مجمع سمیت دعا فرمائی۔[۵۵] حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی طرف سے ۳۰ امان ۱۳۲۲ھش / مارچ ۱۹۴۲ء کو بعد نماز مغرب سابق زنانہ لنگر خانہ کے صحن میں دعوت ولیمہ دی گئی جس میں حضرت امیر المومنینؓ نے بھی شرکت فرمائی۔

۳۔ حضرت خان محمد عبد اللہ خان صاحب کی صاحبزادی زکیہ بیگم صاحبہ کی تقریب رخصتانہ ۷ ہجرت ۱۳۲۱ھش / مئی ۱۹۴۲ء کو بعد نماز عصر کوٹھی دار السلام کے باغ میں عمل میں آئی۔ صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب (ابن حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ) کی برات میں خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے صاحبزادگان کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگ تھے۔ اس موقعہ پر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اجتماعی دعا کرائی۔[۵۶] ۹ ہجرت ۱۳۲۱ھش / مئی ۱۹۴۲ء کو حضرت مرزا شریف احمد صاحب نے اپنی کوٹھی پر بعد نماز مغرب دعوت ولیمہ کا اہتمام فرمایا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی شرکت فرمائی اور دعا کرائی۔

---

۵۱ وفات ۱۰ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء (الفضل ۳ نبوت / نومبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۷) ۔ ۵۲ وفات ۶ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء (الفضل ۸ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۶) ۔ ۵۳ وفات یکم نبوت / نومبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء (الفضل ۲۲ نبوت / نومبر ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۶ کالم ۲) ۵۴ الفضل ۲۹ صلح / جنوری ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔ ۵۵ الفضل یکم شہادت / اپریل ۱۳۲۲ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ ۔ ۵۶ الفضل ۹ ہجرت / مئی ۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱

مدعوین کی تعداد پانچسو کے لگ بھگ تھی۔[۱]

۴۔ صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب (ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ) کے ہاں ۲۸ر نبوت ۱۳۲۱ھش/نومبر ۱۹۴۲ء کو صاحبزادی امۃ المجیب بیگم صاحبہ کی ولادت ہوئی۔[۲]

۵۔ حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کے فرزند میاں محمد احمد خان صاحب کے ہاں ۱۷ر فتح ۱۳۲۱ھش/دسمبر ۱۹۴۲ء کو میاں حامد احمد خان صاحب کی ولادت ہوئی۔[۳]

نامدھاری سکھوں کی اتحاد کانفرنس میں احمدی مبلغین کی شمولیت

نامدھاری سکھوں کے گورو شری پرتاپ سنگھ جی نے اپنے صدر مقام بھینی صاحب ضلع لدھیانہ میں یکم شہادت ۱۳۲۱ھش/اپریل ۱۹۴۲ء کو ایک اتحاد کانفرنس منعقد کی۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے منتظمین کی خواہش پر مہاشہ محمد عمر صاحب[۴] اور گیانی عباد اللہ صاحب اس کانفرنس میں شامل ہوئے۔ احمدی مبلغین کی تقریریں بہت دلچسپی سے سُنی گئیں اور بھرے مجمع میں اس بات کا اقرار کیا گیا کہ ہندو سکھ مسلم اتحاد کا سہرا اصل میں جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے سر ہے جنہوں نے آج سے برسوں قبل اپنی جماعت کے ہر فرد کو اس بات کی تلقین فرمائی کہ ہر ایک احمدی کا اوّلین فرض ہے کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کے مذہبی پیشواؤں کی عزّت اور عظمت کو دنیا میں قائم کرے۔ ایک صاحب نے اپنی تقریر میں بعض باتیں اسلام کے خلاف بیان کرنے کی کوشش کی مگر منتظمین نے اسے فوراً روک دیا اور وقت سے پہلے ہی اس کی تقریر بند کرا دی اور اُس کی اس حرکت پر اظہار نفرت کیا گیا۔ نامدھاری صاحبان کی طرف سے احمدی مبلغین کو سرپا* دیئے گئے جو نہایت محبت بھرے الفاظ میں پیش کئے گئے۔ گورو پرتاپ سنگھ صاحب جلسہ سے اُٹھ کر احمدی مبلغوں کو الوداع کہنے کے لئے آئے اور بغلگیر ہوئے۔ دوسرے نامدھاری اصحاب نے بھی معانقہ کیا۔[۵] اس کانفرنس میں تقریباً چالیس ہزار افراد نے شرکت کی۔

میجک لینٹرن پر تبلیغی لیکچر

اس سال ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم (امیر المجاہدین ملکانہ) نے اپنے ذاتی مصارف سے میجک لینٹرن مہیا کی تھی۔ اس سلسلہ میں آپ نے ایک لیکچر دوسری جنگ عظیم کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں پر تیار کیا۔ آپ پہلے حضور علیہ السلام کے الہامات اور نظم و نثر کے اقتباسات دکھاتے پھر جنگ کے ہولناک مناظر پیش کرکے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام حق پہنچاتے[۶] تھے۔ یہ لیکچر شیخوپورہ۔ لاہور۔ امین آباد۔ ڈسکہ۔ بدوملہی اور دوسرے بہت سے مقامات پر دیئے گئے جن سے بلا امتیاز

---

[۱] الفضل ۱۲ر ہجرت ۱۳۲۱ھش/مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۳ ٭ [۲] الفضل ۲ر فتح ۱۳۲۱ھش/دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۳ ٭ [۳] الفضل ۲۳ر فتح ۱۳۲۱ھش/دسمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ ٭
[۴] تابعین اصحاب احمد جلد ۲ ر تبوک ۱۳۴۷ھش/ستمبر ۱۹۶۸ء ٭ [۵] الفضل ۵ر شہادت ۱۳۲۱ھش/اپریل ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱ ٭ [۶] الفضل ۱۲ر ہجرت ۱۳۲۱ھش/مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۲

* سرپا: سر سے پاؤں تک کی پوشاک (انسائیکلو پیڈیا آف سکھ لٹریچر زیر لفظ سرپا)

مذہب و ملت ہزاروں لوگ متاثر ہوئے اور بعض نے تو علی الاعلان اقرار کیا کہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ خواہ کچھ ہی ہو مگر یہ پیشگوئیاں جو آپ نے جنگ کی نسبت کی تھیں وہ حرف بحرف پوری ہو رہی ہیں۔ کئی لوگ لیکچر سن کر حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔[۱]

سنگِ بنیاد

۲۴؍ہجرت ۱۳۲۱ ہش / مئی ۱۹۴۲ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے محلہ دارالانوار میں قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے (پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور) کی کوٹھی کا سنگِ بنیاد رکھا۔[۲]

آل اڑیسہ احمدیہ کانفرنس سونگڑہ

اس سال ۲۹-۳۰-۳۱ ماہ ہجرت ۱۳۲۱ ہش / مئی ۱۹۴۲ء کو سونگڑہ میں آل اڑیسہ احمدیہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی، مہاشہ محمد عمر صاحب۔ گیانی عباد اللہ صاحب اور مولوی محمد سلیم صاحب نے شرکت کی۔ ہندو مسلم اتحاد۔ فضائل نبیؐ۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام۔ کرشن اوتار کا ظہور۔ صداقت مسیح موعودؑ از روئے سکھ دھرم۔ دنیا کے مہاپرش۔ ختم نبوت کے موضوع پر بہت مؤثر۔ دلآویز اور پُر از حقائق تقاریر فرمائیں۔ یہ کانفرنس بہت کامیاب رہی اور غیر احمدی علماء کے روکنے کے باوجود ہر طبقہ کے لوگ بکثرت شامل جلسہ ہوئے۔ حضرت مولانا راجیکیؓ کی تقاریر سے سامعین ازحد متاثر ہوئے۔ اسی طرح مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل کی سنسکرت دانی اور گیانی عباد اللہ صاحب کی سکھ لٹریچر سے واقفیت نے غیر مسلموں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔[۳]

آل انڈیا مسلم گوجر کانفرنس میں احمدی مبلغ کی کامیاب تقریریں

۷-۸؍احسان ۱۳۲۱ ہش / جون ۱۹۴۲ء کو دومو پور رجوناں میں آل انڈیا مسلم گوجر کانفرنس منعقد ہوئی جس میں کانفرنس کے سیکرٹری کی درخواست پر نظارت دعوت و تبلیغ کی طرف سے ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب موگا مرحوم بھجوائے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریریں قومی ترقی کے وسائل کے موضوع پر تھیں۔ یہ کانفرنس بہت کامیاب رہی اور کارکنان مجلس نے وعدہ کیا کہ وہ ہمیشہ اپنی کانفرنسوں میں احمدی مبلغین کو دعوت دیا کریں گے۔[۴]

طلباء تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی نمایاں کامیابی

۱۹-۲۰-۲۱؍احسان ۱۳۲۱ ہش / جون ۱۹۴۲ء کو "پنجاب سوئمنگ چیمپئن شپ" کے تحت تیراکی کے مقابلے میڈیکل کالج لاہور اور گورنمنٹ کالج لاہور کے تالاب میں ہوئے۔ جن میں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی آٹھویں جماعت کے طالب علم مصلح الدین صاحب بنگالی نے بارہ سال تک کے لڑکوں میں ۵۰ میٹر الٹا تیرنے اور ۵۰ میٹر

---

[۱] الفضل ۲۶؍احسان ۱۳۲۱ ہش / جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۵ + [۲] الفضل ۲۶؍ہجرت ۱۳۲۱ ہش / مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۱ کالم ۲ + [۳] سید عبد السلام صاحب پراونشل سکرٹری تبلیغ اڑیسہ سونگڑہ کی رپورٹ (الفضل ۱۴؍احسان ۱۳۲۱ ہش صفحہ ۵) سے ملخصاً + [۴] الفضل ۱۶؍احسان ۱۳۲۱ ہش / جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۲ +

چھاتی کے زور سے تیرنے کے گذشتہ ریکارڈ توڑ کر نئے ریکارڈ قائم کئے۔ علاوہ ازیں ۵۰ میٹر سیدھا تیرنے میں بھی اوّل رہے۔ خان بہادر افضل حسین صاحب وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی نے مصلح الدین کو دو نئے ریکارڈ قائم کرنے پر خصوصیت سے شاباش دی۔[1]

آریہ سماج کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی اور اخبار "شیر پنجاب"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آریہ سماج کی نسبت ۱۹۰۳ء میں پیشگوئی فرمائی تھی کہ:۔

"جس مذہب میں روحانیت نہیں اور جس مذہب میں خدا کے ساتھ مکالمہ کا تعلق نہیں اور صدق وصفا کی روح نہیں اور آسمانی کشش اس کے ساتھ نہیں اور فوق العادت تبدیلی کا نمونہ اس کے پاس نہیں وہ مذہب مُردہ ہے۔ اس سے مت ڈرو۔ ابھی تم میں سے لاکھوں اور کروڑوں انسان زندہ ہونگے کہ اس مذہب کو نابود ہوتے دیکھ لوگے۔ کیونکہ یہ مذہب آریہ کا زمین سے ہے نہ آسمان سے اور زمین کی باتیں پیش کرتا ہے نہ آسمان کی۔"[2]

جن دنوں یہ پیشگوئی کی گئی آریہ سماجی تحریک پورے زوروں پر تھی۔ مگر کچھ عرصہ بعد ہی یہ زوال پذیر ہو نے لگی۔ یہاں تک کہ ۱۳۲۱ ہش/۱۹۴۲ء تک اس کی سرگرمیاں ایسی مدھم پڑ گئیں کہ خود غیر مسلموں نے اس حالت کو سکوتِ مرگ سے تعبیر کیا۔ چنانچہ سکھ اخبار "شیر پنجاب" (لاہور) نے اپنے ۱۲ر جولائی ۱۹۴۲ء کے پرچہ میں لکھا:۔

"انہی دنوں مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کا علم بلند کیا۔ وقت کی رفتار کے مطابق انہوں نے دلیل اور عقل سے اسلام کے خلاف اعتراضات کا جواب دینے کے لئے تحریر و تقریر کا سلسلہ جاری رکھا۔ مرزا صاحب کی یہ تحریک اسقدر کامیاب ہوئی کہ انہوں نے پیغمبری کا دعویٰ کیا اور ان کا یہ دعویٰ بھی ایک بڑی جماعت نے صحیح تسلیم کر لیا۔ مسلمانوں میں احمدی، ہندوؤں میں آریہ سماجی مذہبی واقفیت کے اعتبار سے باقی جماعتوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ احمدیوں کی تحریک تو اب تک زندہ ہے مگر آریہ سماج کی تحریک ختم ہو چکی ہے۔ سنگھ سبھائی تحریک کی جگہ اکالی تحریک نے لے لی۔ مگر اب سکھوں میں مذہب کیلئے نہ وہ جوش ہے نہ محبت۔ دھرم سے واقفیت کا نوجوانوں کو کوئی شوق نہیں۔"[3]

سرینگر میں مذاہب کانفرنس

جماعت احمدیہ سری نگر کے زیر اہتمام ۲۷ر ظہور ۱۳۲۱ ہش/اگست ۱۹۴۲ء کو گول باغ (میونسپل گارڈن) میں ایک عظیم الشان مذاہب کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جس میں اسلام، ہندو دھرم اور سکھ ازم کے نمائندوں نے "موجودہ بےچینی کا حل اپنی اپنی مذہبی کتاب اور بانی کی تعلیمات کی روشنی میں" کے موضوع پر تقریریں کیں

[1] الفضل ۲۵ر احسان ۱۳۲۱ ہش/جون ۱۹۴۲ء صفحہ ۷۔ [2] تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۶ طبع اول ۱۹۰۳ء۔ [3] الفضل ۲۱ر وفا ۱۳۲۱ ہش/جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

اس کانفرنس کے دو اجلاس تھے۔ پہلے اجلاس کی صدارت حضرت خان بہادر نواب چوہدری محمد الدین صاحب سابق ریونیو منسٹر جودھپور نے فرمائی اور مولوی عبدالواحد صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ۔ مسٹر صابر مدیر "البرق" مسٹر دیا بھوشن (نمائندہ آریہ سماج) چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر۔ پنڈت پرمانند صاحب۔ چوہدری اسد اللہ خان صاحب۔ ڈاکٹر دولت سنگھ صاحب راجہ نریندر ناتھ صاحب کول اور حضرت نواب محمد الدین صاحب نے خطاب کیا۔ دوسرا اجلاس خواجہ غلام السیدین صاحب ڈائریکٹر محکمہ تعلیم ریاست جموں و کشمیر کی صدارت میں ہوا۔ اور اس میں پنڈت امرناتھ صاحب کاک ممبر اسمبلی۔ مولانا ابو العطاء صاحب اور لالہ چرنجیت لال صاحب نے تقریریں کیں۔ بعد ازاں صاحب صدر نے منتظمین کانفرنس کو سراہا۔ یہ کانفرنس توقع سے زیادہ کامیاب رہی[1]

بیرونی مشنوں کے بعض اہم واقعات

مشرق بعید کی احمدی جماعتوں اور مبلغوں کیلئے دورِ ابتلاء

جنگِ عظیم کے دوران مشرقِ بعید کے احمدیوں اور اُنکے مبلغین کو نہایت درجہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ قید و بند کی زہرہ گداز صعوبتیں برداشت کیں اور جاوا اور سماٹرا کے مبلغین اور دوسرے احمدیوں پر جاپانی حکومت کی طرف سے بڑے بڑے مظالم ڈھائے گئے مگر اُن کا پتہ برسوں بعد چلا کیونکہ کئی سال تک مرکز کو ان کے حالات کی کچھ خبر نہیں مل سکی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۰؍ امان ۱۳۲۱ھش/مارچ ۱۹۴۲ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"ملایا کی فوجوں میں بڑے اور چھوٹے افسر اور سپاہی وغیرہ ملا کر سینکڑوں احمدی تھے اور اب وہ سارے ہی قید ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ انہیں تکلیفیں دی جا رہی ہیں یا نہیں دی جا رہیں۔ اور اگر نہیں دی جا رہیں تو بھی قید بہر حال قید ہے۔ ہمارا ایک مبلغ سنگاپور میں تھا اور ہمارے آٹھ نو مبلغ سماٹرا اور جاوا میں تھے اب سب کے متعلق جبتک جنگ کا خاتمہ نہ ہو جائے ہمیں کچھ علم نہیں ہو سکتا کہ اُن کا کیا حال ہے۔"[2]

فلسطین مشن

جماعت احمدیہ فلسطین نے ہجرت (مئی) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء میں وسیع پیمانہ پر یوم تبلیغ منایا۔ اور اس تقریب پر مبلغ بلاد عربیہ مولوی محمد شریف صاحب نے بیت المقدس۔ بیت لحم، خلیل و نابلس کا سفر کیا جس کی تفصیل مولوی صاحب موصوف کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"ماہ مئی میں حسب ہدایت نظارت دعوۃ و تبلیغ غیر مسلموں میں یوم التبلیغ منایا گیا۔ اُس روز احباب کبابیر و حیفا کے حسب سابق وفود بنائے گئے اور فلسطین کے مندرجہ ذیل مشہور مقامات ناصرہ۔ یافا۔ تل ابیب

---

[1] الفضل ۱۵؍ تبوک (ستمبر) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء صفحہ ۲
[2] الفضل ۲۹؍ امان (مارچ) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء صفحہ ۱

بیت المقدس۔ بیت لحم۔ خلیل۔ حیفا۔ عکا۔ بصہ۔ کفرکنا میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اور اس موقعہ پر سات ہزار کے قریب مختلف اشتہارات وکتب تقسیم کیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو راہِ حق کی طرف ہدایت دے اور ہمارے احمدی احباب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے جنہوں نے سخت عدیم الفرصتی کے ایام میں اپنے اپنے اخراجات پر یہ سفر کئے۔ آمین۔ خاکسار نے یوم التبلیغ کے موقعہ پر بیت المقدس و بیت لحم و خلیل و نابلس کا سفر کیا۔ میرے ہمراہ مکرم مرزا محمد صادق صاحب احمدی ایس ڈی او لاہور نزیل مشرق اوسط بھی تھے۔ اس سفر میں ہم نے زبانی اور بذریعہ اشتہارات حق تبلیغ ادا کیا۔ بازاروں اور چرچوں میں عربی اور انگریزی اشتہارات تقسیم کئے۔ ایک ارمنی چرچ میں جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام واقعہ صلیب سے پہلے قید خانہ میں رکھے گئے تھے (ایسے پانچ قید خانے بیت المقدس میں ہیں) ہم نے پادریوں کو اشتہارات دیئے۔ وہاں ایک مسلم شیخ طریقہ (پیر) الشیخ خلیل بھی موجود تھے جو اس چرچ کے قرب وجوار میں رہنے والے تھے۔ جب انہوں نے ہمارے اشتہارات کو دیکھا اور اُن کے ہیڈنگ پڑھے یعنی عیسائیوں وغیرہ کو روحانی مقابلہ کی دعوت۔ مسیحی اور اسلامی تعلیم کا مقابلہ۔ عیسائیوں سے بنیادی سوالات۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ثبوت بائبل سے۔ تو انہوں نے ہمارے متعلق خاص دلچسپی لینا شروع کر دی۔ چنانچہ جب ہم چرچ مذکور کے پادریوں سے فارغ ہوئے تو وہ ہمیں اپنے دولت خانہ پر لے گئے اور حسبِ دستور عرب قہوہ وغیرہ سے تواضع کی اُن سے دو گھنٹہ کے قریب مختلف موضوع سلسلہ عالیہ احمدیہ پر گفتگو ہوئی جس سے وہ خدا کے فضل سے متاثر ہوئے اور اپنے ہاں رات رہنے کیلئے بالحاح درخواست کی اور ہمارا مزید لٹریچر پڑھنے کیلئے مزید اشتیاق ظاہر کیا۔ جبل زیتون پر بھی وفاتِ مسیح کے متعلق ایک اجتماع میں گفتگو کی گئی جہاں قریباً سب حاضرین نے جو مسلمان تاجر تھے اس بات کو تسلیم کیا کہ آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت شدہ ہیں۔ وہاں جس مقام کے متعلق بعض مجاوروں نے مشہور کر رکھا تھا کہ وہاں سے حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے اور وہاں ایک مصنوعی قدم کا نشان بھی بنا رکھا ہے وہاں بھی گفتگو ہوئی۔ اگرچہ ایک غنڈے نے وہاں شرارت کرنی چاہی مگر الحمد للہ وہ اپنے مکر میں کامیاب نہ ہو سکا۔

خلیل میں جہاں حضرت ابراہیم و سارہ علیہما السلام اور آپ کے دیگر اعزہ اسحاق۔ رفقہ و یعقوب و یوسف علیہم السلام کی قبریں ہیں علاوہ اشتہارات وغیرہ تقسیم کرنے کے افسر اوقاف اسلامیہ الشیخ توفیق طہوب سے بھی خاص طور پر ملاقات کی گئی۔ اور ان کو اشتہارات وغیرہ دیئے گئے جنہیں دیکھ کر وہ بہت

خوش ہوئے کہ ہماری مساعی کا اچھے رنگ میں بہت سے دیگر علماء کے سامنے اعتراف کیا اور ہماری بہت خاطر و مدارات کی۔ فجزاہ اللہ خیراً آتے وقت خاکسار نے نابلس میں بھی قیام کیا اور دعوتِ حق پہنچائی وہاں پر حال ہی میں دو نوجوانوں نے بیعت کی ہے۔ انہوں نے خاکسار کی دعوت کی اور اپنے دیگر اعزہ کو پیغام حق پہنچوایا۔ اہالی نابلس کی ذہنیت عجیب واقعہ ہوئی ہے۔ ثورہ میں فتنہ پردازی کا یہی شہر اور اسکے نواحی دیہات مرکزی نقطہ تھے خاکسار کے آنے جانے کے بعد وہاں کے علماء کی طرف سے احمدی احباب کو قتل وغیرہ کی دھمکیاں دی گئیں۔ اور اب بھی ان کی مخالفت زوروں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے احمدی احباب کا حافظ و ناصر ہو۔ اور اُن کو ہر قسم کے مکروہات سے محفوظ رکھے۔ الغرض یہ سفر خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر لحاظ سے بہتر رہا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک" [1]

شام مشن

جماعت احمدیہ دمشق کی درخواست پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مولوی محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین کو شام بھجوایا۔ آپ یکم اخاء (اکتوبر) ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کو فلسطین سے شام پہنچے۔ شام میں اُن دنوں جماعت کے خلاف سخت جوش تھا۔ کئی مشائخ مثلاً الشیخ صابونی اور الشیخ جوجانی وغیرہ۔ مناظرہ کی دعوت دے رہے تھے۔ اور ایک شیخ تو مباہلہ کا چیلنج بھی دے چکا تھا۔ ماہ تبوک (ستمبر) میں تین دمشقی احمدیوں الاستاذ منیر الحصنی صاحب، الحاج عبد الرؤف الحصنی صاحب اور الاستاذ شفیق شبیب صاحب وغیرہ کو زدوکوب کیا جا چکا تھا۔ الاستاذ شفیق سبیب اور الاستاذ خیر المالکی ابھی داخل سلسلہ ہوئے تھے اسلئے علماء دمشق سخت غضب ناک تھے۔ مولوی محمد شریف صاحب نے یہاں باقاعدہ ایک پروگرام کے ماتحت کام شروع کر دیا۔ اور روزانہ انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ اکابر دمشق تک دعوت احمدیت پہنچانے لگے۔ یہ سب اصحاب نہایت حسن سلوک سے پیش آئے اور پیغام حق نہایت توجہ سے سُنا۔ ان اکابر میں سے الشیخ عبد القادر المغربی بھی تھے جنہوں نے ۱۹۲۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے دوران نزولِ دمشق کہا تھا کہ یہاں کوئی شخص احمدیت کو قبول نہیں کریگا جس پر حضور نے سفر ولایت سے واپسی پر حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور مولانا جلال الدین صاحب شمس کو بھجکر دمشق میں احمدیہ مشن قائم کر دیا اور کئی سعادتمند احمدیت میں شامل ہو گئے۔ خود الشیخ عبد القادر المغربی کے مسئلہ حیاتِ مسیح کے بارے میں خیالات میں انقلاب آگیا اور وہ وفاتِ مسیح کے قائل ہو چکے تھے۔ اور جماعتِ احمدیہ کی اسلامی خدمات کی تعریف کرتے تھے۔ جماعت کی طرف سے شام میں چونکہ کوئی ٹریکٹ نہیں شائع کیا جا سکتا تھا اسلئے مولوی محمد شریف صاحب نے مشائخ دمشق کو زبانی پیغامات بھجوائے کہ وہ مرد میدان بنیں اور باقاعدہ مناظرہ کریں اور مباہلہ بھی بشرطیکہ شام کے پچاس مشاہیر علماء اس میں شامل ہوں تا لوگوں پر حق و باطل واضح ہو جائے۔ مگر کسی

[1] الفضل ۵ ظہور ہش ۱۳۲۱ (۵ اگست ۱۹۴۲ء) صفحہ ۶-۷

غیر احمدی عالم کو یہ چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔جس سے دمشق کے احمدیوں خصوصاً نو مبائعین کے ایمانوں میں اور بھی اضافہ ہوا۔مولوی محمد شریف صاحب دمشق میں تین ہفتہ قیام فرما ہونے کے بعد حمص تشریف لے گئے جہاں ایک ہفتہ تک پیغامِ احمدیت پہنچاتے رہے۔ایک پرائیویٹ مناظرہ وفاتِ مسیح پر بھی کیا۔آپ نے ایک مخالف عالم الشیخ ابو ذر نظامی (ہندی) کے گھر جا کر ان سے گفتگو کرنا چاہی مگر وہ کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ تبادلہ خیالات کیلئے آمادہ ہی نہ ہوئے۔اور یہ کہکر انکار کر دیا کہ میں خلوت نشین آدمی ہوں مناظرہ کرنا نہیں چاہتا۔حالانکہ یہ وہ صاحب تھے جو ابتداء میں زمرۂ مکذبین کے سرخیل تھے۔حمص میں مولوی محمد شریف صاحب موصوف کی بشپ آرتھوڈکس اور پادری علیسی سے واقعۂ صلیب کے موضوع پر گفتگو بھی ہوئی۔حمص سے ہوکر آپ دوبارہ دس روز کے لئے دمشق میں نزیل ہوئے۔اور رات دن تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔خطبۂ عید الفطر میں جماعت کو قربانیوں کی طرف توجہ دلائی۔اور جمعہ کے خطبات میں رسالہ "الوصیت" پڑھ کر سُنایا۔جسے سُنکر الاستاذ منیر الحصنی صاحب نے دسویں حصّہ کی وصیّت کی اور اپنی منقولہ جائیداد کے دسویں حصّہ کے طور پر دو سو شامی پونڈ نقد پیش کر دیئے۔مولوی محمد شریف صاحب شام میں ایک ماہ سات دن رہ کر ۶ نبوت ۱۳۲۱ ہش / نومبر ۱۹۴۲ء کو واپس فلسطین پہنچ گئے۔[1]

شیخ علی القزق پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ حیفا کی وفات

اِس سال کے آخر میں فلسطین کے اوّلین احمدیوں میں سے ایک ممتاز بزرگ شیخ علی القزق ساٹھ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔مولوی ابو العطاء صاحب نے اُن کی وفات پر لکھا:۔

"آپ ایک نہایت درجہ غیور احمدی تھے۔سلسلہ کی محبت اُن کے رگ و ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ سے بہت ہی عقیدت تھی۔ہمیشہ حضور کی کامیابی کے لئے دُعا کرتے تھے۔جس دن ڈاک ہندوستان سے جاتی تو پہلی خبر یہ پوچھتے کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت کے متعلق کیا اطلاع ہے؟ نہایت زاہد اور متوکل انسان تھے۔ریلوے میں ملازم تھے مگر آخر ریٹائر ہوچکے تھے۔اس وقت ان کی انتہائی خواہش یہ تھی کہ قادیان ہجرت کر کے چلے جائیں۔مجھ سے بارہا اس نیت کا ذکر کیا۔چنانچہ جب میں ۱۹۳۶ء میں ہندوستان واپس آنے لگا تو رو کر کہنے لگے کہ وہ دن کب آئیگا جب ہم بھی دارالامان روانہ ہونگے۔انہیں جملہ مبلغین و خادمانِ دین سے دلی محبت تھی۔میرے قیامِ فلسطین کے عرصہ میں روزانہ بلا ناغہ تشریف لاتے اور جب کبھی نہ آئیں تو میں سمجھتا کہ بیمار ہونگے میں اُن کے مکان پر پہنچتا۔دوستی اور دلی محبت

---

[1] الفضل ۱۷ فتح ۱۳۲۱ ہش (۱۷ دسمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۵ +

کو آخر تک نبھانے والے بزرگ تھے۔ خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ میری بعض مجبوریوں کے باعث انہیں بجا شکوہ تھا کہ آپ کی طرف سے خط دیر سے اور بہت کم آتے ہیں۔ شیخ علی القزق نے سلسلہ کی خدمت کی ہر تحریک میں حصہ لیا اور احمدیت کے نام کو بلند کرنے کے کسی موقعہ کو ہاتھ سے نہیں کھویا۔ مرحوم سن رسیدہ ہونے کے باوجود جفاکش اور شگفتہ دل تھے۔ اُن کا ایک برجستہ جواب مجھے ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ ایک مرتبہ میرے پاس نابلس کے چند اساتذہ آئے تھے۔ اُن سے وفاتِ مسیحؑ پر سلسلہ گفتگو شروع تھا حضرت شیخ علی مرحوم بھی موجود تھے۔ اساتذہ میں سے ایک نے کہا کہ آپ ہمیں بتائیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی قبر کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ کشمیر میں اور اس پر دلیل قرآنی وَ اٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ موجود ہے۔ وہ نوجوان استاد تعجب اور حقارت آمیز لہجہ میں کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰؑ فلسطین سے اتنی دُور کشمیر میں کیسے چلے گئے؟ میں ابھی جواب دینے نہ پایا تھا کہ مرحوم جلد بول اُٹھے اور کہنے لگے ھَلْ کَانَتْ بِلَادُ الْکَشْمِیْرَۃِ اَبْعَدَ مِنَ السَّمَاءِ کہ کیا کشمیر کا ملک آسمان سے بھی دُور ہے؟ اس پر سب ہنس پڑے اور اُس شخص کو شرمندہ ہو کر خاموش ہونا پڑا۔ شیخ علی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے دینی امور میں نہایت عمدہ فراست عطا فرمائی تھی اور جرأت اور دلیری سے دین کا پیغام پہنچانا اُن کا مرغوب مشغلہ تھا۔ اُن کے گھر سے کبابیر اڑھائی تین میل کے بلند پہاڑ پر واقع تھا۔ مگر جب مدرسہ احمدیہ وہاں قائم ہوا تو اپنے چھوٹے بچے عبدالوہاب کو وہاں داخل کیا اور خود اس کے ساتھ جاتے تھے۔ احمدیہ مطبعہ میں اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ اُن کے بڑے بیٹے السید خضر افندی القزق جماعت کے سیکرٹری مال ہیں۔ الشیخ علی القزق کے تینوں بیٹے نہایت مخلص اور سلسلہ کے خادم ہیں۔ اُن کا گھر احمدیت کیلئے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔"[۵]

۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء کی نئی مطبوعات

اس سال جماعت کی طرف سے حسب ذیل لٹریچر شائع ہوا:۔

۱۔ "مرکزِ احمدیت قادیان" مؤلفہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان) اس کتاب میں مرکز سلسلہ احمدیہ کی تاریخ ایسے مؤثر اور اچھوتے اور دلچسپ پیرایہ میں لکھی تھی کہ پڑھنے والوں کے سامنے قادیان کے قدیم اور جدید ادوار کا پورا نقشہ کھنچ جاتا تھا۔ اور اُسکے دل میں یہ خواہش پیدا ہو جاتی تھی کہ وہ ایک بار ضرور قادیان کی زیارت کرے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس کتاب پر یہ تبصرہ فرمایا کہ:۔

"ایک سرسری نظر میں نے اِس کے مضامین پر ڈالی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بہت سے

---

۵ الفضل ۲۴؍ فتح ۱۳۲۱ھش (۲۴؍ دسمبر ۱۹۴۲ء) صفحہ ۴

مفید معلومات قادیان اور سلسلہ کے متعلق جمع کر دیئے گئے ہیں۔ ...... اس تنگی کے زمانہ میں انہوں نے اچھے موٹے کاغذ پر خوشخط کتاب چھپوائی ہے۔ جو دوست باہر کی دنیا کو قادیان اور سلسلہ کے حالات سے روشناس کرانا چاہیں اور اُن کی یہ بھی خواہش ہو کہ لمبے مضامین نہ ہوں بلکہ ایک مختصر کتاب میں جماعت کے کام اور مرکزی خصوصیّات کا ذکر ہو تاکہ اُسے خرید کر لوگوں کو اس کے مطالعہ کی تحریک کی جائے تو ایسے دوستوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔"[1]

۲۔ "اخلاقِ احمدؑ" (مرتبہ پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے مہتمم اطفال مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان) شعبۂ اطفال مجلس خدام الاحمدیہ قادیان کی طرف سے ہر چھ ماہ کے بعد کتب سلسلہ کے امتحانات کا انتظام کیا جاتا تھا یہ تالیف ماہ شہادت ۱۳۲۲ھش (اپریل ۱۹۴۳ء) کے امتحان کے لئے بطور نصاب مقرر کی گئی۔ صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے اپنے قلم مبارک سے اس کا حسب ذیل دیباچہ لکھا:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام اخلاقِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کامل حامل اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد بہترین اخلاق کے مالک ہیں۔ آپ کے اخلاق ہمارے لئے نمونہ ہیں جنہیں بڑے اختصار کے ساتھ اس رسالہ میں احمدی بچّوں کے سامنے رکھا جا رہا ہے تا اس نمونہ کی پیروی کرتے ہوئے ہمارے بچے حقیقی معنی میں اطفالِ احمدیت بن سکیں اور تا دنیا اُن کے نمونہ سے سبق لے اور تا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقتوں کو بہتر سے بہتر نشو و نما دے کر ہمارے بچّے اس کی خوشنودی حاصل کر سکیں (اللّٰھم آمین)

اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ انسان کی حقیقی اور کامیاب ترقی کا راز عقل کی پیروی میں ہے نہ جذبات کی پیروی میں حقیقی ترقی تبھی حاصل ہوتی ہے جب روحانیت کا سورج طلوع ہو کر عقل و جذبات کے حدود کو نمایاں کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو ان حدود میں رہنے کی توفیق عطا فرماتا ہے عقل اور جذبات کے اس صحیح استعمال کے بعد انسان جن عمدہ اخلاق کو اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے اُس کی بہترین مثال انبیاء علیہم السلام کے اخلاق ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق کا نمونہ اپنے بچّوں کے سامنے رکھنے سے ہماری یہی غرض ہے کہ تا انہیں معلوم ہو سکے کہ انہیں کیا بننا ہے؟ اور کس راہ پر چل کر وہ ایسا بن سکتے ہیں۔ وباللہ التوفیق خاکسار مرزا ناصر احمد صدر مجلس خدام الاحمدیہ"[2]

۳۔ "چشمۂ ہدایت" (بعض اہم عنوانات پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمات طیبات کا مجموعہ جو مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر نے شائع کیا)

---

[1] الفضل ۲۰ صلح ۱۳۲۲ھش (۲۰ جنوری ۱۹۴۳ء) صفحہ ۱۔ ۷؛ [2] "اخلاق احمد" نبوت ۱۳۲۱ھش / نومبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۔

اندرون ملک کے بعض مشہور مناظرے

مباحثہ امرتسر ۱۵ اور ۲۲ر تبلیغ ۱۳۲۱ھش (۱۵/۲۲ر فروری ۱۹۴۲ء) کو امرتسر میں مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل نے غیر مبائع مبلّغ مولوی احمد یار صاحب سے مسئلہ نبوت اور مسئلہ کفر اور اسلام پر کامیاب مناظرے کئے[۱]

مباحثہ بدوملہی بدوملہی (ضلع سیالکوٹ) غیر مبائعین کا گڑھ سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس جگہ ۲۵ر ۲۷ر تبلیغ ۱۳۲۱ھش (۲۵-۲۷ر فروری ۱۹۴۲ء) کو مولوی غلام مصطفیٰ صاحب مولوی فاضل نے مسئلہ ختم نبوت اور پیشگوئی مصلح موعود پر مباحثے کئے۔ غیر مبائع اصحاب کی طرف سے مولوی احمد یار صاحب نے بحث کی۔ غیر مبائع مناظر اصل موضوعات کو چھوڑ کر کفر و اسلام کے میدان میں گھومتے رہے۔ جس پر اُن کے اپنے پریذیڈنٹ نیز ایک اور معزز غیر مبائع دوست نے انہیں توجہ دلائی کہ آپ کیا کر رہے ہیں مگر وہ باز نہ آئے۔[۲]

۱۳۲۱ھش / ۱۹۴۲ء کے قادیان پر ایک اچٹتی نظر

اس سال کے متفرق واقعات بیان کرنے کے بعد مناسب ہوگا کہ ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء کے قادیان کی مادی ترقی پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تا یہ معلوم ہو سکے کہ قادیان کی گمنام بستی کو خلافتِ ثانیہ کے بابرکت عہد میں نہ صرف علمی روحانی اور اخلاقی لحاظ سے دنیا بھر میں عروج نصیب ہوا بلکہ خدائی بشارتوں کے مطابق اسے محض احمدیت کی برکت سے مادی لحاظ سے بھی حیرت انگیز ترقی ہوئی جس کا نقشہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم ایڈیٹر الحکم نے اپنی کتاب "مرکز احمدیت قادیان" میں بایں الفاظ کھینچا:-

"وہ قادیان جس کے بازاروں میں خریدنے کے لئے چیزیں دستیاب نہ ہوتی تھیں آج اس کے بازار دنیا کی چیزوں سے بھرے پڑے ہیں۔ وہ بازار جو اُجڑے ہوئے تھے آج پُر رونق اور بھرے ہوئے ہیں۔ کئی نئے بازار نکل آئے ہیں جہاں ایک روپیہ

---

[۱] الفضل ۲۲ر شہادت - ۲۵ر شہادت - ۶ر ہجرت - ۱۰ر احسان ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء میں ان مباحثات کی مفصل روئیداد چھپی ہوئی موجود ہے۔ [۲] الفضل ۵ر امان ۱۳۲۱ھش/مارچ ۱۹۴۲ء صفحہ ۵۔

ماہوار کو دوکان کرایہ پر نہ چڑھتی تھی اب دس دس بارہ بارہ روپے ماہوار کرایہ دینے والی دوکانیں موجود ہیں ۔ تجارت کا مال دنیا کے کونوں کونوں سے آتا ہے ۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ قادیان میں پان میسر نہ آتا تھا ۔ آج یہ وقت ہے کہ قادیان میں پان فروشوں کی متعدد دوکانیں موجود ہیں ۔ چند دن ہوئے کہ ایک پان فروش مولوی عبدالواحد نے مجھے بتلایا کہ اس کے پاس پچیس ہزار پان قادیان میں موجود ہیں ۔ ایک ایک چیز کی کئی کئی دوکانیں ہیں ۔ کپڑے کی دوکانوں کا یہ حال ہے کہ دوکان لالہ ہری رام راجہ رام پرتاب صاحب کی دوکان میں کم و بیش بیس ہزار کا کپڑا موجود ہے اور ویسے تو ایک درجن سے بھی زیادہ کپڑے کی دوکانیں موجود ہوں گی ۔ سینکڑوں من دودھ دس دس میل سے آتا ہے ۔ متعدد حلوائیوں کی دوکانیں ہیں جو سب خوب چلتی ہیں ۔ جہاں ایک آدھ موچی کام کرتا تھا وہاں بوٹ بنانے والے ایک درجن آدمی کام کر رہے ہیں ۔ دارالصناعت فٹ ویر کا کارخانہ الگ ہے جس میں خاصی مقدار میں مال تیار ہوتا ہے ۔ جہاں حجاموں کی یہ حالت تھی کہ وہ عید وغیرہ پر انعام ملنے کی امید پر کام کرتے تھے وہاں اب اعلیٰ درجہ کے ہیر کٹنگ سیلون بنے ہوئے ہیں ۔

دواخانے ہر قسم کے ڈاکٹر یونانی ۔ ویدک ۔ ڈاکٹری ۔ ہومیوپیتھی ۔ طب جدید وغیرہ کے ماہر موجود ہیں ۔ خون ۔ تھوک ۔ بلغم ۔ پیشاب یا خانہ وغیرہ ٹسٹ کرنے کے لئے ڈاکٹر کوڑک جیسے تجربہ کار ڈاکٹر کی لیبارٹری موجود ہے ۔ دانتوں کے لئے ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب ڈینٹل سرجن ۔ ڈاکٹر حاجی جنود اللہ صاحب ڈینٹل سرجن ہمدرد خلیق اور دلسوزی سے کام کرنے والے موجود ہیں ۔ آنکھوں کیلئے ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب دہلی والے نہایت محبت سے علاج کرتے ہیں ۔ ان کے پاس ہر قسم کی عینکیں میسر آسکتی ہیں ۔

طبی عجائبات کے لئے دواخانہ خدمت خلق ۔ ایڈیٹر صاحب "نور" کا دواخانہ ۔ حکیم نظام جان صاحب کا دواخانہ ۔ طبیہ عجائب گھر ۔ کاغانی صاحب کا دواخانہ ۔ ویدک یونانی دواخانہ دواخانہ نورالدینؓ ۔ دواخانہ رفیق حیات ۔ دواخانہ فاروقی وغیرہ اچھا کام کر رہے ہیں ۔ ان کے علاوہ متعدد انگریزی ڈسپنسریاں اور میڈیکل ہال کھلے ہوئے ہیں ۔

کارخانے "سٹار ہوزری" :- ایک بہت بڑا کارخانہ ہے - ایک ہزار کے قریب مرد اور عورتیں اس کارخانے کے ذریعے اپنی زندگی کے ایام بخوبی بسر کر رہے ہیں - اس کارخانے کے طفیل متعدد گھروں میں مشینیں لگی ہوئی ہیں - کہیں درزی کام کر رہے ہیں، کہیں عورتیں گھروں پر لاکر کام کر رہی ہیں - یہ کارخانہ بابو اکبر علی صاحب جیسے لائق اور قابل انسان کے ہاتھ میں ترقی کر رہا ہے -

"میک ورکس" :- قادیان کا قابلِ صد رشک کارخانہ ہے جس کی وجہ سے قادیان کی صنعتی شہرت دُور دُور کے شہروں تک پھیلی ہوئی ہے -

اس کے علاوہ اکبر علی اینڈ سنز - جنرل سروس - احمار برادرز - پیپر ورکس - مکینیکل انڈسٹریز آئرن سٹیل میٹل وغیرہ کارخانے لوہے کا کام کر رہے ہیں - جگہ جگہ بھٹیاں جل رہی ہیں - لوہے پگھل رہے ہیں - مختلف اشیاء ڈھل رہی ہیں - کہیں آٹا پیسنے کی مشینیں ہیں - کہیں روئی دھننے کی کلیں کام کر رہی ہیں اور کہیں لکڑی چیرنے کی مشینیں چل رہی ہیں - موسم گرما میں متعدد سوڈا واٹر فیکٹریاں کام کرتی ہیں - عطریات کے لئے پرفیومری کا کارخانہ ہے شیشہ کا کارخانہ ہے - غرض ہر طرف کارخانوں کی شان نظر آ رہی ہے -

سیمنٹ کی ایجنسیاں، لکڑی اور کوئلے کی متعدد دوکانیں ہیں - اینٹوں کیلئے بھٹے کام کر رہے ہیں - بجلی لگی ہوئی ہے - کئی مکانات میں الیکٹرک واٹر پمپ کام کر رہے ہیں عمدہ عمدہ باغات بن رہے ہیں - وسیع کوٹھیاں اور بنگلے بن رہے ہیں - سڑکیں اور راستے تیار ہو رہے ہیں -

ڈاکخانہ ڈاکخانہ کا ایسا اعلیٰ انتظام ہے - تار - رجسٹری - منی آرڈر - پارسل - وی پی وغیرہ کے لئے الگ کھڑکیاں ہیں متعدد پوسٹ مین کام کرتے ہیں - بابو لوگ معقول تنخواہیں لے رہے ہیں - ہزارہا روپیہ کا کاروبار اور ساری دنیا کے ملکوں سے خط وکتابت ہوتی ہے - قادیان کے ڈاکخانہ میں سب سے پُرانا آدمی منشی جان محمد صاحب پوسٹ مین ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کا صحابی ہے -

تار و ٹیلیفون احمدیت کے طفیل یہاں تار اور ٹیلیفون کے محکمے بھی کھل گئے ہیں -

قادیان بیٹھ کر جس ملک سے چاہو منٹوں میں ٹیلیفون پر گفتگو کی جا سکتی ہے۔ یہ ایک بہت بڑی سہولت ہے۔ جو خدا نے قادیان کو مہیّا کر دی۔

ریلوے اسٹیشن ریلوے ہونے کی وجہ سے قادیان تک سفر بہت آسان ہو گیا ہے۔ دُنیا بھر کے ملکوں سے ریلیں مہمانوں کو لے کر قادیان اسٹیشن پر آتی ہیں۔ اور مبلغین کو لے کر دنیا کے ملکوں میں جاتی ہیں۔

ٹاؤن کمیٹی یہاں ایک عرصہ سے ٹاؤن کمیٹی بھی قائم ہے جس کی وجہ سے صفائی کا اچھا انتظام ہو رہا ہے۔ بجلی کی روشنی ہے۔ اس وقت ملک مولا بخش صاحب پنشنر کمیٹی کے پریذیڈنٹ ہیں اور مرزا اسلم بیگ صاحب سیکرٹری ہیں۔ اس ماہ نومبر سے محکمہ چونگی بھی قائم ہو گیا ہے۔

پولیس اسٹیشن عرصہ سے قادیان کی حفاظت کے لئے پولیس چوکی قائم ہے۔ اسوقت پولیس چوکی سرکاری عمارت میں ہے۔ اور اس وقت چوہدری رادھا کرشن صاحب اسسٹنٹ سب انسپکٹر انچارج چوکی ہیں۔

ڈی۔ اے۔ وی ہائی سکول مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ مدرسہ احمدیہ۔ جامعہ احمدیہ اور نصرت گرلز ہائی سکول کے علاوہ ایک آریہ سماج کی طرف سے ڈی۔ اے وی ہائی سکول بھی چل رہا ہے اور لڑکیوں کے لئے ایک پُتری پاٹھ شالہ بھی ہے۔

الغرض ریل، تار، ٹیلیفون، ڈاکخانہ، شفاخانہ، ہر قسم کے کارخانے، بازار، تجارت کی فراوانی آج کی قادیان میں موجود ہیں اور یہ اس جدید قادیان کی مادّی ترقی ہے۔

دار الانوار کی شاندار کوٹھیاں، دار الحمد۔ بیت الظفر۔ بیت الحکمت۔ گیسٹ ہاؤس سیٹھ عبد اللہ بھائی کی کوٹھی۔ بیت النصرت۔ میر محمد اسحٰق صاحب مولانا درد صاحب، سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی کوٹھیاں۔ یہ سب کوٹھیاں قابلِ دید ہیں اس لئے یہ سب سلسلہ کی صداقت کی مُنہ بولتی تصویریں ہیں۔"[۵۷]

---

۵۷ "مرکزِ احمدیت قادیان" صفحہ ۴۱۵ تا ۴۱۹۔

چوتھا باب

ترکی وفد سے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی کے وضاحتی خطبہ سے لیکر سالانہ جلسہ کے لیکچر "اسوۂ حسنہ" تک

خلافت ثانیہ کا تیسواں سال

محرم ۱۳۶۳ھ مطابق صلح / جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء تا محرم ۱۳۶۴ھ مطابق فتح / دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء

فصل اوّل

ترکی وفد سے متعلق حضرت امیر المومنین کا وضاحتی خطبہ

اس سال کے شروع میں ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے ہندوستان میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ان دنوں ترک اخبار نویسوں کا ایک وفد دورہ کرتے ہوئے لاہور پہنچا تو اس کے لیڈر موسیو عطائی نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ہم پہلے ترک ہیں پھر مسلمان۔ نیز کہا کہ سفر میں روزانہ نماز کی ضرورت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں بعض جوابات انہوں نے ایسے دیئے یا ہندوستانی پریس نے ان کی طرف منسوب کرکے شائع کئے[1] جو مسلمانان ہند کے ایک حصہ کے لئے افسوس اور دوسرے حصہ کے لئے پریشانی کا باعث بنے چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر "اہلحدیث" (امرتسر) نے لکھا:۔

"لاہور میں اخبار نویسوں کی طرف سے ترکی وفد کو ٹی پارٹی (دعوت چائے) دی گئی جس میں رئیس وفد نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ "ہم پہلے ترک ہیں پھر مسلمان"۔ اس فقرہ سے ہم نے ترکوں کی اسلامی عقیدت کا جو نکتہ پایا ہے اس سے ہمیں سخت صدمہ ہوا۔ اس فقرے کا واضح اور صاف مطلب یہ ہے کہ ترکی قوم کی رسوم معاشرت اور سیاست ان کے نزدیک اسلامی رسوم اور معاشرت سے مقدم ہیں۔ مثلاً بعض جرائم پر جو سزائیں شرع شریف میں آئی ہیں ترکی قوانین کے خلاف ہوں تو ان کے ملکی قوانین ان کے نزدیک مقدم ہیں اور اسلامی احکام مؤخر۔ ایسا کہنا اور کرنا اسلام کے صریح خلاف ہے۔ ارشاد ہے۔ و ما کان

---

[1] "الفضل" ۲۱ صلح / جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ میں "پربھات" کے حوالہ سے ان جوابات کی تفصیل شائع شدہ ہے۔

لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ

خدا اور رسول کے حکم کے سامنے کسی مومن کو بجز تسلیم کے کوئی اختیار نہیں ہے۔ ترکوں کی سلطنت کو اور قومیت کو یورپ نے سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اس پر بھی وہ یورپ کی تقلید سے نہیں ہٹے۔ ہندوستانی مسلمان ترکوں کی ہر مصیبت میں شریک غم رہے مگر ترکوں نے آخر یہی جواب دیا جو اُن کے منقولہ مقولہ سے پایا جاتا ہے" [1]

اس موقعہ پر خصوصاً ہندو پریس نے ان جوابات کو بہت اُچھالا اور یہ نتیجہ نکالا کہ ترک اسلام سے بیزار ہیں۔ اور مسلمانانِ ہند کی سیاست سے ان کو اختلاف ہے۔ انہوں نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ ترکوں نے فیصلہ کر دیا کہ قومیت پہلے ہے اور مذہب بعد میں۔ اسی طرح ہندوستان میں قومیت کو مقدم رکھنا چاہیئے اور مذہب کو موخر سمجھنا چاہیئے۔ چنانچہ اخبار "ملاپ" (۳ فروری ۱۹۴۳ء) نے لکھا:-

"ترک اخبار نویسوں کے وفد کی وجہ سے پنجاب کے مسلم لیگیوں کو خصوصاً اور ہندوستان کے مسلم لیگیوں کو عموماً جو خفت اُٹھانی پڑی ہے اُسے شاید وہ ایک عرصہ تک فراموش نہ کر سکیں گے۔ . . . . ان باتوں نے مسلم لیگ کے اس سارے تخیل کو مٹی میں ملا کر رکھ دیا ہے جس پر وہ اپنی تمام سرگرمیوں کا محل کھڑا کر رہے تھے۔"

قبل ازیں ۳۱ جنوری ۱۹۴۳ء کی اشاعت میں لکھا:-

"ترک اخبار نویسوں نے اُن کے مونہہ پر ایک ایسی چپت لگائی ہے جسے وہ عمر بھر یاد رکھیں گے . . . یہ چپت اتنی کراری اور زبردست ہے کہ کسی وضاحت کی ضرورت نہیں" [2]

اخبار "پربھات" (یکم فروری ۱۹۴۳ء) نے لکھا:-

"ترک جرنلسٹوں نے ہندی مسلمانوں اور ترک مسلمانوں کی بھائی بندی کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا" [3]

ان حالات میں ملک بھر میں قصر قادیان ہی ایک مقدس بستی تھی جہاں سے ایک ایسی آواز اٹھی جس نے ہندوؤں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور مسلمانانِ ہند کو اسلام کے شاندار مستقبل کی خبر دے کر ان کے حوصلوں کو

---

[1] اخبار "اہلحدیث" امرتسر مورخہ ۵ فروری ۱۹۴۳ء صفحہ ۹۔

[2] بحوالہ "الفضل" مورخہ ۱۲ تبلیغ / فروری ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۔ [3] ایضاً۔ ایضاً

بلند اور اُن کے عزائم کو مستحکم کیا اور ان کے ولولوں کو حیاتِ نو بخشی۔ یہ آواز امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی آواز تھی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۵ تبلیغ / فروری ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء کو قادیان کی مسجد اقصٰی کے منبر سے ترکی وفد کے جوابات کی نسبت ایک خاص خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ترکی وفد کے اس جواب کے بارے میں کہ وہ "ترک پہلے اور پھر مسلمان ہیں" نہایت لطیف وضاحت کی کہ:۔

"اس کا مفہوم محض یہ تھا کہ ہمیں باقی مسلمان قوموں سے بے شک ہمدردی ہے۔ لیکن اگر ہم کسی وقت دیکھیں گے کہ ہماری قوم کو نقصان پہنچنے والا ہے تو اس وقت ہم اپنی جان پہلے بچائیں گے اور دوسروں کا فکر بعد میں کریں گے۔ یہ معنی نہیں تھے کہ ہم ترکی نسل کو مقدم کریں گے اسلام کو مقدم نہیں کریں گے۔ کیونکہ وہاں تو کوئی اختلاف ہے ہی نہیں۔ سب لوگ مسلمان ہیں۔ یہ اختلاف تو ہندوستان میں ہی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں مختلف مذاہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ترک تو سب کے سب مسلمان کہلاتے ہیں۔ ان کا ذہن ان معنوں کی طرف جا ہی کس طرح سکتا ہے۔ کہ ہم قومیت کو مقدم کریں گے اور مذہب کو موخر کریں گے۔ پس ان کا جواب سیاسی جواب ہے۔ اور یہ سیاسی جواب نیا تو نہیں جب ان میں خلافت قائم تھی۔ اس وقت بھی ان کی طرف سے یہی بات پیش کی جاتی تھی اور آج بھی یہی بات پیش کی جاتی ہے"

جہانتک ترکی وفد کے اس جواب کا تعلق تھا کہ سفر میں نماز کیا پڑھنی ہے حضورؓ نے اس کو بہت اہمیت دی اور فرمایا کہ

"اگر وہ سچ ہے تو واقعہ میں افسوسناک ہے۔ . . . . یہ جواب بتاتا ہے کہ اگر یہ بات سچی ہے تو ترکوں کا وہ وفد جو ہندوستان میں آیا ہے اس کے دل میں اسلام کی تعلیم نے پوری طرح گھر نہیں کیا۔ ہم اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ ساری ترک قوم ایسی ہے۔ کیونکہ بہرحال یہ چند افراد کا جواب ہے اور وہ اپنے فعل کے آپ ذمہ دار ہیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ وہ ترکوں کے منتخب نمائندے ہیں۔ پس بیشک اُن کا فعل ایک قوم کا فعل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مگر چونکہ ترکوں نے انہیں اپنا نمائندہ منتخب کر کے بھیجا ہے۔ اس لئے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ترکوں کی طرف سے جو نمائندے چُن کر بھیجے گئے ہیں ان کے دلوں میں نماز کی جو اسلام کے ارکان میں سے ایک بہت

بڑا رکن ہے کوئی عظمت نہیں"

اس ضمن میں ہندوؤں کی نسبت حضور نے فرمایا :-

"مگر میرے نزدیک اس میں بھی ہندوؤں کے لئے خوش ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مَیں نے خود ایک دفعہ ایک ہندو اخبار میں یہ لکھا ہوا دیکھا تھا کہ ہمارے ہاں سندھیا (یعنی صبح کی عبادت) کا جو طریق رائج ہے اس کا ہم میں سے ایک بھی پابند نہیں۔[1] پس جس قوم کی اپنی یہ حالت ہو اور جس قوم کا ایک فرد بھی عبادت کا پابند نہ ہو اُسے اس بات پہ کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ دو کروڑ ترکوں میں سے چھ ترک ایسے ہیں جو سفر کی حالت میں نماز نہیں پڑھتے۔"

حضور نے اس الزامی جواب پر اکتفار نہ کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ

"یہ اعتراض بھی تب ہوتا جب یہ تسلیم کیا جاتا کہ اسلام اپنی عملی صورت میں اس وقت دنیا میں موجود ہے مگر جہاں تک غیر احمدیوں کا سوال ہے وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ اسلام اپنی اصل شکل میں دُنیا میں موجود ہے۔ اور احمدیوں کا تو سوال ہی نہیں۔ ہمارے تو دعویٰ کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھیجا ہے تا کہ آپ اسلام کو اس کی اصل شکل و صورت میں پھر قائم کریں۔ پس اگر ترکوں نے یہ کہا کہ سفر میں نماز کیا پڑھنی ہے، تو اس کے معنے صرف اتنے ہیں کہ انہوں نے اپنے اس جواب سے ایک اَور تصدیق اس امر کی بہم پہنچا دی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لئے ضرور کوئی مامور مبعوث ہونا چاہیئے کیونکہ آج خود مسلمانوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ وہ اسلامی تعلیم پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ پس مسلمانوں کو اس جواب پر پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ . . .

. . . . آج سے پچاس سال پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تمام نقشہ کھینچ کر رکھ دیا تھا۔ ترکی وفد نے کونسی نئی بات بتائی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ ؏

ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمد کار نیست

ہر شخص کو اپنے اپنے کام سے تعلق ہے مگر رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین سے کسی کو کوئی واسطہ نہیں۔ اسی طرح آپ نے فرمایا تھا۔ ؏

بیکسے شُد دینِ احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست

---

[1] ملک فضل حسین صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے اس خطبہ کی تائید میں نہایت تحقیق کر کے ایک مضمون "الفضل" ۳ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کی اشاعت میں لکھا اور اس میں متعدد مشہور ہندو سماجی لیڈروں اور اخباروں کے حوالے دیئے۔

دینِ اسلام بیکس ہو گیا ہے اور کوئی اس کا دوست و مددگار نہیں رہا۔ یہ وہ چیز ہے جسے سلسلہ احمدیہ پچاس سال سے پیش کر رہا ہے اور ہم تسلیم کر چکے ہیں کہ آج مسلمانوں کی یہی حالت ہو رہی ہے۔ پھر اس کو اسلام کی ایک نئی شکست کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ بیماری تو وہ ہے جس کا اعلان آج سے پچاس سال پہلے بلکہ اس سے بھی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کر دیا تھا۔ پس یہ کوئی نئی بیماری نہیں جو ہمارے سامنے پیش کی جائے۔ دشمنانِ اسلام کو جو کچھ دیکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ کیا اس بیماری کے علاج کا کوئی شفاخانہ دُنیا میں قائم ہو چکا ہے یا نہیں۔ اگر دُنیا میں اس بیماری کے علاج کا شفاخانہ قائم ہو چکا ہے تو پھر اس میں اُن کے لئے خوشی کا کونسا موقعہ ہے۔ آج دوبارہ اسلام کی ترقی کے سامان خدا تعالیٰ نے پیدا کر دیئے ہیں اور دوبارہ اسلام کی بنیادوں کی تعمیر کیلئے قادیان میں اس نے اپنا ایک انجنیئر بھیج دیا ہے۔ اس انجنیئر نے اسلامی بُنیادوں کو مضبوط کر کے اس پر اسلام کے رفیع الشان محل کی عمارت کو کھڑا کرنا شروع کر دیا ہے۔ پس اگر کوئی دشمنِ اسلام، اسلام کی اس گرتی ہوئی بنیاد کو دیکھ رہا ہے تو وہ اُن اُٹھتی ہوئی بُنیادوں کو بھی دیکھے جس کے عظیم الشان محل میں دُنیا کی تمام پاکیزہ رُوحوں کو لا کر اکٹھا کر دیا جائے گا۔ ان کو وہ چھ شکست خوردہ ذہنیت کے مالک مسلمان نظر آتے ہیں مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے گھروں کے سامنے خدا تعالیٰ کی یہ آواز بلند کی جا رہی ہے کہ "میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" کیا یہ آواز ان کے کانوں میں نہیں آتی۔ وہ محل جس کی دیواریں ایک طرف گر رہی ہوں اور دوسری طرف اس کی نئی اور مضبوط دیواریں کھڑی کی جا رہی ہوں۔ اس محل کی دیواریں گرنے پر کسی دشمن کو کیا خوشی ہو سکتی ہے۔ اگر ایک طرف اسلام کی کوئی دیوار گر رہی ہے تو دوسری طرف اس کی نئی اور مضبوط دیواریں خدا تعالیٰ کے فضل سے کھڑی کی جا رہی ہیں۔ پس دشمن کے لئے خوشی کا کوئی موقعہ نہیں۔ بیشک یہ ایک کمزوری ہے اور ہم اس کمزوری کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر ہمارے لئے یہ کمزوری کوئی نئی چیز نہیں۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی خبر دے دی تھی۔ اور آپ بتا چکے تھے کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کی کیا حالت ہو جائے گی . . . . . تو دشمن کے لئے خوش ہونے کا کوئی موقع نہیں۔ اسلام کی دیواریں اگر ایک طرف گر رہی ہیں تو ساتھ ہی ایک نئی بنیاد اسلام کی ترقی کے لئے اُٹھائی جا رہی ہے۔ اگر دشمن یہ دیکھتا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلعہ میں سے آپ کے نام کی طرف منسوب ہونے والے چند شکست خوردہ لوگ ایک دروازہ سے نکلتے ہوئے اپنے ہتھیار پھینک رہے ہیں تو وہ آنکھیں اُٹھا کر

دیکھیے کہ دوسری طرف ایک اَور قوم جس کی رگوں میں جوانی، امید اور امنگوں کا خون تیزی سے دَورہ کر رہا ہے فتح کے جھنڈے اُڑاتی ہوئی محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کو بلند کرنے اور اس کی حکومت کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے ایک دوسرے دروازے سے محمدی قلعہ میں داخل بھی ہو رہی ہے" [1]

حضرت امیر المومنینؓ کا خطاب سندھ کی صوبائی انجمن احمدیہ کے سالانہ اجلاس میں

۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو ناصر آباد (سندھ) میں صوبائی انجمن احمدیہ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس میں قرب وجوار کی احمدی جماعتوں کے صدر اور کراچی، روہڑی، باڈا، کمال ڈیرہ اور ضلع حیدر آباد کے قریباً اسّی نمائندے شامل ہوئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے نماز مغرب وعشاء کے بعد اس نمائندہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"ہمارا سندھ میں آنا اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت کے ماتحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں ایک وسیع رقبہ عطا فرمایا ہے جس کی وسعت تیس میل تک پھیلی ہوئی ہے اور اس میں احمدی آبادیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے احمدیت اور اسلام کی اشاعت کے لئے پنجاب کو مرکز بنایا ہے اور سندھ کو ایک طرف پنجاب اور دوسری طرف سمندر سے ملا کر اُسے دوسری دُنیا کے لئے پنجاب کی ڈیوڑھی بنایا ہے۔ اس لئے سندھ میں سلسلہ احمدیہ کا استحکام باہر کی تبلیغ کا ایک اہم اور بنیادی حصہ ہے۔

حضور نے فرمایا کہ دوستوں کو سندھ میں تبلیغ کو بہت وسعت دینی چاہیئے اور دیوانہ وار تبلیغ میں لگ جانا چاہیئے۔ ایک دُھن ہو اور ایک آگ سی لگی ہوئی ہو۔ مجلس منتظمہ کو بار بار اجلاس بُلا کر اپنی مشکلات کو دُور کرنا اور کار آمد اور مفید تجاویز پر غور کرکے ان پر عمل کرتے رہنا چاہیئے۔ مبلغ سندھ کو چاہیئے کہ وہ سندھی مبلغ تیار کرے۔

حضور نے فرمایا۔ جب تک سندھی لوگ عقیدہ میں ہمارے ساتھ متفق نہیں ہوتے اس وقت تک پنجاب کام نہیں کر سکتا۔ سندھ کے ہمارے ساتھ شامل ہو جانے سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ غیر ممالک میں تبلیغ کے لئے آنے جانے کی سب دقتیں دور ہو کر آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اس وقت جو حالات پیدا ہو رہے ہیں وہ اسلام کے لئے نازک ہیں۔ اسلام کی ان حالات سے حفاظت کرنے اور اُسے ترقی دینے کے لئے ہمیں اپنی کوششوں کو وسیع اور ہمتوں کو بلند کرنا چاہیئے اور اپنا عملی نمونہ ایسا اعلیٰ درجہ کا بنانا چاہیئے کہ لوگوں کے دلوں میں احمدیت کو قبول کرنے کی کشش پیدا کر سکے" [2]

---

[1] "الفضل" ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳ و ۴۔ [2] "الفضل" ۲۵ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳۔

ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم کی گرفتاری اور رہائی

۳۱ امان / مارچ ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء[1] کا دن جماعت احمدیہ کے لئے ایک نہایت وحشت ناک خبر لے کر آیا اور وہ یہ کہ جماعت کے ممتاز مناظر اور عالم دین ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ (زیر دفعہ ۱۲۹) کے تحت گرفتار کئے گئے۔ یہ ظالمانہ کارروائی گجرات کے ہندو ڈپٹی کمشنر مسٹر گریوال کے خلاف شائع شدہ ایک نظم کی بناء پر کی گئی۔ حالانکہ جیسا کہ ملک صاحب نے حلفاً بیان دیا کہ ان کا اس نظم کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں تھا حتی کہ علم بھی نہیں تھا کہ یہ کس نے لکھی ہے۔[2]

جماعت احمدیہ کے سبھی حلقے اس نظربندی پر تڑپ اُٹھے اور انہوں نے ملک صاحب کے محترم والدین اور دیگر عزیزوں سے گہری ہمدردی کا اظہار کیا اور نہایت دردِ دل سے اُن کی باعزت بریّت کے لئے دُعائیں کیں۔[3] احمدی پریس نے اس صریح دھاندلی پر جو مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں مچائی گئی تھی، زبردست احتجاج کیا۔ اور مرکز سلسلہ نے حکومت کی مشینری کو اس ظلم کی طرف بار بار توجہ دلائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے ملک صاحب کو دو ہفتہ کے بعد رہا کر دیا۔[4]

مخلوط تعلیم کی ممانعت اور اسلامی پردہ کی ترویج کے متعلق پُرشوکت پیشگوئی

اس سال کی مجلس مشاورت (منعقدہ ۲۳-۲۴-۲۵ شہادت / اپریل ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء) کے دوران مخلوط تعلیم کا معاملہ پیش ہوا۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ

"مخلوط تعلیم کسی صورت میں بھی درست نہیں سمجھی جا سکتی۔ نظارت تعلیم و تربیت کو اس کے انسداد کے متعلق جماعتوں میں ایک عام اعلان کرنا چاہیئے تاکہ ہر شخص کو علم ہو جائے کہ مرکز اس بارہ میں کیا رائے رکھتا ہے۔ اس کے بعد جو لوگ اس جرم کے مرتکب ہوں ان سے جواب طلبی کی جائے اور انہیں اصلاح کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اگر اس تنبیہ کے باوجود ان کی اصلاح نہ ہو تو انہیں سزا دی جائے جس کی حد اخراج از جماعت تک ہو سکتی ہے۔"[5]

اس فیصلہ کا اعلان کرنے کے بعد حضور نے اسلامی پردہ کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی اور مستقبل میں برپا ہونے والے اسلامی انقلاب کی نسبت پیشگوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

---

[1] "الفضل" ۷ شہادت / اپریل ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ [2] "الفضل" ۳ شہادت / اپریل ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۳-۴۔

[3] " ۳۱ " " صفحہ ۴۔ [4] " ۲۷ " " صفحہ ۱ کالم ۱۔

[5] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴۶۔

"اچھی طرح یاد رکھو کہ پردہ اسلام کا اہم ترین حکم ہے۔ جو شخص پردہ کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اسلام کی ہتک کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مغربیت کی رَو دلوں میں اباحت پیدا کر رہی ہے اور بعض احمدی بھی کہتے سُنائی دیتے ہیں کہ اب پردہ دُنیا میں قائم رہتا نظر نہیں آتا۔ مگر مَیں اُن سے کہتا ہوں تمہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود بھی دُنیا میں قائم ہوتا نظر نہیں آتا تھا پھر آج کیا یہ نظارہ تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے کہ دُنیا کے کناروں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام پھیل چکا ہے . . . . . اسی طرح اب جو لوگ کہتے ہیں کہ پردہ قائم رہتا نظر نہیں آتا۔ مَیں اُن سے کہتا ہوں کہ تمہیں تو پردہ قائم ہوتا نظر نہیں آتا۔ اگر دُنیا ہمارے وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر بے پردگی سے باز نہیں آئے گی تو کیا تم سمجھتے ہو اس زمین کو پکڑ دینا خدا کے اختیار سے باہر ہے۔ یہ بگڑی ہوئی دُنیا جو آج تمہیں دکھائی دے رہی ہے خدا اُسے ایک ایسا چکّر دے گا کہ یہ مجبور ہوگی اس بات پر کہ اسلام کے احکام پر عمل کرے اور ہر قسم کی غلط آزادی کو خیرباد کہدے۔ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے اہم تغیرات مقدر ہیں۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی رات کو مومن سوئے گا اور صبح کو کافر اُٹھے گا۔ صبح کو کافر ہوگا اور رات اس پر ایسی حالت میں آئے گی جبکہ وہ مومن ہوگا۔ اس میں اسی امر کی* جو انسانی قیاسات سے بالکل بالا ہوں گے۔ ایک شخص مومن ہونے کی حالت میں سوئے گا اور دہریہ بن کر اُٹھے گا اور ایک دوسرا شخص دہریہ ہونے کی حالت میں صبح کرے گا اور شام کو وہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ غلامی میں آچکا ہوگا۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم خدا کے حکم کے مطابق چلتے چلے جائیں اور اپنی اطاعت اور وفاداری کا نمونہ دکھا کر خدا تعالیٰ کے سچے سپاہی بنیں۔ اگر ایک فوج کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دے تو سپاہیوں کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ اعتراض کریں اور کہیں کہ ہم سمندر میں اپنے گھوڑے کیوں ڈالیں۔ ہماری جانوں کا اس میں خطرہ ہے۔ اُن کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ بے دھڑک سمندر میں کود جائیں اور اپنے افسر کے حکم کو بجا لائیں۔ اسی طرح ہمیں اگر رُوحانی فوج میں داخل ہونے کے بعد بعض ناقابل عبور سمندر نظر آتے ہیں یا وہ گڑھے نظر آتے ہیں جن میں گر کر ہماری پسلیاں چُور چُور ہو سکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ہم سمندر کو عبور کر جائیں اور گڑھوں پر سے چھلانگ لگا کر گذر جائیں۔ تو اگر خدا کا منشاء یہ ہوگا کہ وہ ہمیں زندہ رکھے اور ہمارے ذریعہ سے دُنیا کے احیاء کے سامان پیدا فرمائے تو پیشتر اس کے کہ ہم ان گڑھوں میں گریں خدا تعالیٰ کے فرشتے

* اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اس زمانہ میں جلد جلد تغیرات رونما ہوں گے اور ایسے ایسے انقلابات پیدا ہوں گے۔

آسمان سے اُتر کر اُن کو پُر کر دیں گے اور جب ہم پہنچیں گے وہ ہمیں گڑھے نہیں بلکہ ہموار اور سیدھا اور کھلا راستہ نظر آئے گا۔ پس ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھیں بند کرکے چلتے چلے جائیں اور اس امر کی پرواہ نہ کریں کہ دُنیا ہمارے متعلق کیا کہتی ہے۔ جس خندق کو عبور کرنے کا خدا نے حکم دیا ہے وہ بہرحال عبور کی جائے گی۔ اگر ہمارے لئے یہ مقدر ہے کہ ہم اس میں گر کر مر جائیں تو اس موت سے زیادہ ہمارے لئے خوشی کی چیز اَور کوئی نہیں ہوسکتی۔ اور اگر ہمارے لئے بچنا مقدر ہے تو کوئی خطرہ ہمارے ارادوں کو پست اور ہماری ہمتوں کو کوتاہ نہیں کرسکتا۔ لیکن مَیں کہتا ہوں یہ خیال ہی غلط ہے کہ ہمارے رستے میں وہ گڑھے آنے والے ہیں جو ہمیں ہلاک کر دیں گے۔ اُن گڑھوں کو خدا کے فرشتے ہمارے پہنچنے سے پہلے پہلے ہی پُر کر دیں گے اور ہم سلامتی کے ساتھ دُنیا میں امن کا جھنڈا قائم کرکے رہیں گے۔ یہ خدا کی تقدیر ہے جسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ یہ عرش پر خدا کا وہ فیصلہ ہے جسے بدلنے کی کوئی شخص طاقت نہیں رکھتا۔ ہمارا کام دین کی عظمت اور اس کے جلال کو دُنیا میں قائم کرنا ہے۔ ہمارا کام محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کو دُنیا میں بلند کرنا ہے۔ ہمیں نہیں چاہئیے کہ ہم کوئی ایسا کام کریں جو دشمنوں کی نظر میں اسلام کو بدنام کرنے والا اور اُن کو دین کے متعلق اَور زیادہ شبہات میں مبتلا کرنے والا ہو۔ مجھے خدا تعالیٰ کے فضل سے کامل یقین ہے کہ یہ حالات جو بے پردگی وغیرہ کے سلسلہ میں دُنیا میں نظر آرہے ہیں چونکہ خدا تعالیٰ کے دین کے خلاف ہیں اس لئے اب دُنیا میں قائم نہیں رہ سکتے۔ بے پردگی مِٹ جائے گی۔ مرد اور عورت کا آزادانہ میل جول جاتا رہے گا۔ مغربیت اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود رہی ہے جس میں وہ ایک دن ہمیشہ کی نیند سُلا دی جائے گی اور اسلام اپنی پُوری شان اور اپنی پُوری آب تاب کے ساتھ دُنیا کے ہر گوشہ میں بلکہ ایک ایک گھر اور ایک ایک دل میں جلوہ نما ہوگا۔ اگر خدا ہمیں کل ہی حکومت دے دے اور ہم وائسرائے کی طرح ایک آرڈی نینس جاری کر دیں کہ جو عورتیں پردہ نہیں کریں گی انہیں قید کر دیا جائے گا، تو تم دیکھو گے کہ دوسرے ہی دن وہ عورتیں جو آج کھلے منہ سڑکوں اور بازاروں میں گھومتی دکھائی دیتی ہیں دوڑی دوڑی جائیں گی اور گھروں میں سے نہیں نکلیں گی جبتک انہوں نے بُرقع پہنا ہوا نہ ہوگا۔ پھر یہ سوال تو رہ جائے گا کہ بُرقع کا سُرخ رنگ ہونا چاہئیے یا سبز ہونا چاہئیے، سیاہ ہونا چاہئیے یا سفید ہونا چاہئیے۔ کوئی طبقہ کسی رنگ کو پسند کرے گا اور کوئی کسی رنگ کو۔ مگر یہ نہیں ہوگا کہ کوئی ایک عورت بھی بے پردہ نظر آئے۔ پس ہمارے لئے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔

آسمان پر فرشتے اسلام کی تائید کے لئے کھڑے ہیں اور وہ زمین پر اُترنے والے ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم نڈر ہو کر کام کرتے چلے جائیں اور اسلام کی اصل شکل میں ایک خفیف سے خفیف تبدیلی بھی کبھی برداشت نہ کریں۔"[1]

یہ انقلاب آہستہ آہستہ کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا فلسفہ بھی حضور نے اسی مجلس مشاورت میں بیان کیا۔ چنانچہ فرمایا:-

"میں سمجھتا ہوں لڑائی کا یہ سلسلہ جو اس وقت جاری ہے زیادہ عرصہ تک نہیں رہ سکتا۔ ۱۹۴۵ء کے پہلے نصف حصہ میں یا تو جنگ بالکل ختم ہو جائے گی یا ایسی صورت اختیار کر لے گی کہ انسان اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکے گا کہ اس لڑائی کا کیا انجام ہوگا۔ اور اس کی بنیاد اسی سال یعنی ۱۹۴۳ء میں پڑے گی۔ مگر یہ فتنے ابھی ختم نہیں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان فتنوں کو لمبا کرے گا اور لمبا کرتا چلا جائے گا تاکہ وہ قوم اس عرصہ میں تیار ہو جائے جس نے آئندہ دُنیا کی حکومتیں اپنے ہاتھ میں لینی ہیں۔ سُورۂ کہف میں ذکر آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھی کے ساتھ جا رہے تھے کہ انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گِر رہی تھی۔ انہوں نے دیوار کو بغیر کسی اُجرت کے دوبارہ کھڑا کر دیا اور اسے گِرنے سے محفوظ کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں یہ بتاتا ہے کہ دیوار کو مضبوط بنانے میں حکمت یہ تھی کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ جب تک وہ بچے جوان نہ ہو جائیں اُن کا خزانہ دیوار کے نیچے محفوظ رہے۔ جنگ کی موجودہ حالت بھی ایسی ہی ہے۔ مگر وہاں تو دیوار بنانے سے خزانہ محفوظ رہا تھا اور یہاں دیواریں گِرانے سے خزانہ محفوظ رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان دنیوی عمارتوں کو گِرا رہا ہے مگر بجائے اس کے کہ وہ یکدم سب عمارتوں کو گرائے اُن کو آہستہ آہستہ گرا رہا ہے کیونکہ وہ لوگ جن کے سپرد اس عمارت کی نئی تعمیر ہے وہ خدا تعالیٰ کے انجنیرنگ کالج میں اس وقت پڑھ رہے ہیں اور ابھی اپنی تعلیم سے فارغ نہیں ہوئے۔ پس اگر آج تمام عمارتیں یکدم گِر جائیں تو چونکہ وہ لوگ جنہوں نے نئی عمارتیں کھڑی کرنی ہیں، ابھی اپنی تعلیم کی تکمیل نہیں کر سکے۔ اس لئے خلا رہ جائے گا۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ ان دیواروں اور مکانات کو گرا رہا ہے۔ آج ایک دیوار کو گراتا ہے۔ تو کل دوسری دیوار کو گرا دیتا ہے۔ آج ایک چھت اُڑاتا ہے تو کل دوسری چھت کو اُڑا دیتا ہے۔ آج ایک کمرہ کو گراتا ہے تو کل دوسرے کمرے کو گرا دیتا ہے۔ اسی طرح وہ آہستہ آہستہ اور قدم بقدم دُنیا کی تمام

[1] "رپورٹ مجلس مشاورت" ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۵۴ تا ۵۶۔

عمارتوں، دُنیا کے تمام مکانوں اور دُنیا کے تمام سامانوں کو گرا رہا مٹا رہا اور تباہ و برباد کر رہا ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ وہ اُس وقت تک ان عمارتوں کو مکمل طور پر برباد نہ کرے جب تک خدا تعالیٰ کے کالج میں جو لوگ تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ اس کالج سے تعلیم حاصل کر کے فارغ نہ ہو جائیں اور اُن پر قبضہ کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ پس یہ رستہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہماری جماعت کی ترقی کے لئے کھولا گیا ہے۔ یہ تغیر ایک دن ہوگا اور ضرور ہوگا مگر آہستگی سے اس لئے ہو رہا ہے تاکہ وہ لوگ جنہوں نے اس پر قبضہ کرنا ہے پوری طرح تیار ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کے کالج میں تعلیم حاصل کر لیں"۔ [۱]

مغربی نظام کی تباہی اور اسلام کی عالمگیر حکومت کی نسبت دوبارہ پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا:-

"مَیں نے پہلے بھی بارہا کہا ہے اور اب پھر بڑے زور سے کہتا ہوں کہ دنیا میں مغربیت نے کافی حکومت کر لی۔ اب خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ وہ مغربیت کو کچل کر رکھ دے۔ جو لوگ ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مغربیت کا مقابلہ کس طرح ہو سکتا ہے پردہ قائم رہتا ہوا نظر نہیں آتا۔ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ یہ چیزیں ضروری ہیں۔ اور اگر ہم ان امور میں مغربیت کی پیروی نہ کریں تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ لوگ یاد رکھیں کہ وہ اپنے ان افعال سے اسلام اور احمدیت کی کامیابی کے راستہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ یہ چیزیں مٹنے والی ہیں۔ مٹ رہی ہیں اور مٹ جائیں گی ابھی تم میں سے کئی لوگ زندہ ہوں گے کہ تم مغربیت کے در و دیوار اور اس کی چھتوں کو گرتا ہوا دیکھو گے اور مغربیت کے ان کھنڈرات پر اسلام کے محلات کی نئی تعمیر مشاہدہ کرو گے۔ یہ کسی انسان کی باتیں نہیں بلکہ زمین و آسمان کے خدا کا فیصلہ ہے۔ اور کوئی نہیں جو اس فیصلہ کو بدل سکے۔ پس ہماری طاقت کا سوال نہیں۔ نہ ہم نے پہلے کبھی کہا کہ یہ تغیر ہماری طاقت سے ہوگا اور نہ آئندہ کبھی کہہ سکتے ہیں۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس تغیر کا خدا نے وعدہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ کے وعدوں کے اٹل ہونے کا ہم اپنی زندگی میں بارہا مشاہدہ کر چکے ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اس مشاہدہ کے بعد ہمارے ایمانوں میں تزلزل پیدا ہو۔ ہمارے اعتقادات میں کمزوری رونما ہو۔ یقیناً دنیا گھٹنوں کے بل گر کر عاجزی کرتی اور دانت پیستی ہوئی ہمارے سامنے آئے گی اور اُسے اپنے لئے قبول کرنا پڑے گا۔

[۱] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۴۸ - ۱۴۹ ٭

پس تم مت ڈرو کہ اگر ہم نے پردہ یا مخلوط تعلیم کے خلاف آواز بلند کی تو لڑکیاں بغاوت کر دیں گی یا لڑکیوں کے ماں باپ بغاوت کر دیں گے۔ ان لڑکیوں اور ان کے ماں باپ کا تو کیا ذکر ہے۔ وہ لوگ جو ان خیالات کے بانی ہیں وہ خود گھٹنوں کے بَل گِر کر ہم سے معافی مانگنے والے ہیں۔ پس یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہماری عورتیں بے پردہ ہوں اور ہمیں اُن کے مقابلہ میں ندامت اور شرمندگی حاصل ہو۔ بلکہ وہ خود ہزار ندامت اور پشیمانی سے اپنی گردنیں جھکائے ہوئے ہمارے سامنے حاضر ہوں گے اور انہیں اقرار کرنا پڑے گا کہ وہ غلط راستہ پر چل رہے تھے۔ صحیح راستہ وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا۔ یہ خدا کا فیصلہ ہے اور اس فیصلہ کے نفاذ کو دُنیا کی کوئی طاقت دُنیا کی کوئی حکومت اور دنیا کی کوئی بادشاہت روک نہیں سکتی . . . . . پس ان تغیّرات کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دُعائیں کرتے رہو اور اپنے اندر یقین اور وثوق پیدا کرو۔ جس دن تمہارے اندر یقین پیدا ہو گیا اس دن تمہارے سارے شک ہمارے شبہات اور سارے وساوس آپ ہی آپ دُور ہو جائیں گے۔ اور تم اپنے آپ کو ترقی کے ایک مضبوط اور بلند ترمینار پر کھڑا دیکھو گے“ [۵۱]

مشقی مباحثات پر اظہار ناپسندیدگی

قادیان میں کئی سال قبل مختلف اداروں اور مجالس میں مشقی مباحثات نے زور پکڑ لیا اور ان میں گہری دلچسپی لی جانے لگی تھی۔ ابتداءً بچوں میں ”قلم و تلوار“ اور ”علم و دولت“ اور ”صنعت و حرفت اور ملازمت“ کے موضوع زیر بحث آئے۔ رفتہ رفتہ یہ شوق بڑوں میں بھی سرایت کر گیا۔ حتیٰ کہ نوبت یہانتک جا پہنچی کہ معمولی مسائل کی بجائے سنجیدہ امور بھی زیر بحث لائے جانے لگے چنانچہ ایک بار مخلوط اور جداگانہ انتخاب پر بھی مبادلہ افکار ہوا۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے خطبہ جمعہ (فرمودہ ۱۰ فروری ۱۹۲۹ء) میں اس قسم کے بحث مباحثہ کو آوارگی سے تعبیر کیا۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

”اچھے انداز میں گفتگو کرنا بھی ایک خاص فن ہے۔ ایسی مجلسوں میں علمی اور دینی باتیں ہوں لیکن بحث مباحثہ نہ ہو۔ اس چیز کو بھی مَیں آوارگی سمجھتا ہوں۔ اور میرے نزدیک یہ بات سب سے زیادہ دل پہ زنگ لگانے والی ہے۔ مباحثہ کرنے والوں کے مدّنظر تقویٰ نہیں بلکہ مدّمقابل کو چُپ کرانا ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مَیں ہمیشہ مباحثات سے بچتا ہوں اور میری تو یہ عادت ہے کہ اگر کوئی مباحثانہ رنگ میں سوال کرے

---

[۵۱] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۲

تو ابتدا میں ایسا جواب دیتا ہوں کہ کئی لوگوں نے کہا ہے کہ انہوں نے کسی سوال پر پہلے پہل میرا جواب سُن کر یہ خیال کیا کہ شاید مَیں جواب نہیں دے سکتا۔ اور دراصل ٹالنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر جب کوئی پیچھے ہی پڑ جائے تو مَیں جواب کی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسا جواب دیتا ہوں کہ وہ بھی اپنی غلطی محسوس کر لیتا ہے۔ یاد رکھو۔ سچائی کے لئے کسی بحث کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مَیں نے ہمیشہ ایسی باتوں سے روکا ہے۔ ڈیبیٹنگ کلبیں بھی میرے نزدیک آوارگی کی ایک شاخ ہے اور مَیں اس سے ہمیشہ روکتا رہتا ہوں۔ لیکن یہ چیز بھی کچھ ایسی راسخ ہو چکی ہے کہ برابر جاری ہے۔ حالانکہ اس سے دل پر سخت زنگ لگ جاتا ہے۔ ایک شخص کسی چیز کو مانتا نہیں مگر اس کی تائید میں دلائل دینا جاتا ہے تو اس سے دل پر زنگ لگنا لازمی امر ہے۔ مجھے ایک واقعہ یاد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریق ایمان کو خراب کرنے والا ہے۔ مولوی محمد احسن صاحب امروہوی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سُنایا کہ مولوی بشیر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بہت مؤیّد اور مَیں مخالف تھا۔ مولوی بشیر صاحب ہمیشہ دوسروں کو براہین احمدیہ پڑھنے کی تلقین کرتے اور کہا کرتے تھے کہ یہ شخص مجدّد ہے۔ آخر مَیں نے اُن سے کہا کہ آؤ مباحثہ کر لیتے ہیں۔ مگر آپ تو چونکہ مؤید ہیں آپ مخالفانہ نقطہ نگاہ سے کتابیں پڑھیں اور مَیں مخالف ہوں اس لئے موافقانہ نقطہ نگاہ سے پڑھوں گا۔ سات آٹھ دن کتابوں کے مطالعہ کے لئے مقرر ہو گئے اور دونوں نے کتابوں کا مطالعہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مَیں جو مخالف تھا احمدی ہو گیا اور وہ جو قریب تھے بالکل دُور چلے گئے۔ اِن کی سمجھ میں بات آ گئی اور اُن کے دل سے ایمان جاتا رہا۔ تو علم النفس کی رُو سے ڈیبیٹیں کرنا سخت مضر ہے اور بعض اوقات سخت نقصان کا موجب ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے باریک مسائل ہیں جن کو سمجھنے کی ہر مدرّس اہلیت نہیں رکھتا۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا۔ یہاں ایک ڈیبیٹ ہوئی اور جس کی شکایت مجھ تک بھی پہنچی تھی۔ اس میں اس امر پر بحث تھی کہ ہندوستان کے لئے مخلوط انتخاب چاہیئے یا جُداگانہ۔ حالانکہ مَیں اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کر چکا ہوں۔ اور یہ سُوء ادبی ہے کہ اس بات کا علم ہونے کے باوجود کہ مَیں اس امر کے متعلق اپنی رائے ظاہر کر چکا ہوں پھر اس کو زیرِ بحث لایا جائے۔ جن امور میں خدا تعالیٰ یا اس کے رسُول یا اُس کے خلفاء اظہار رائے کر چکے ہوں ان کے متعلق بحث کرنا گستاخی اور بے ادبی میں داخل ہے۔ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ تو محض کھیل ہے لیکن کیا کوئی کھیل

کے طور پر اپنے باپ کے سر میں جُوتیاں مار سکتا ہے تو ڈیبیٹس سے زیادہ حماقت کی کوئی بات نہیں۔ ہر احمدی وفاتِ مسیح کا قائل ہے مگر ڈیبیٹ کے لئے بعض حیاتِ مسیح کے دلائل دینے لگتے ہیں۔ مَیں تو ایسے شخص سے یہی کہوں گا کہ بے حیا خدا تعالیٰ نے تجھے ایمان دیا تھا مگر تو کُفر کی چادر اوڑھنا چاہتا ہے۔ پس یہ ڈیبیٹس بھی آوارگی میں داخل ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے تمہیں یہ توفیق دی ہے کہ حق بات کو تم نے مان لیا تو اس کا شکریہ ادا کرو نہ کہ خواہ مخواہ اس کی تردید کرو۔ بعض نادان کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس سے عقل بڑھتی ہے۔ لیکن اس عقل کے بڑھانے کو کیا کرنا ہے جس سے ایمان جاتا رہے۔ دونوں باتوں کا موازنہ کرنا چاہیئے۔ اگر ساری دُنیا کی عقل مل جائے اور ایمان کے پہاڑ میں سے ایک ذرّہ بھی کم ہو جائے تو اس عقل کو کیا کرنا ہے۔ یہ کوئی نفع نہیں بلکہ سراسر خسران اور تباہی ہے۔ پس یہ بھی آوارگی میں داخل ہے۔ اور مَیں نے کئی دفعہ اس سے روکا ہے۔ مگر پھر بھی ڈیبیٹیں ہوتی رہتی ہیں۔ جس طرح کوڑھی کو خارش ہوتی ہے اور وہ رہ نہیں سکتا۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی کچھ ایسی خارش ہوتی ہے کہ جب تک ڈیبیٹ نہ کرالیں چین نہیں آتا اور پھر دینی اور مذہبی مسائل کے متعلق بھی ڈیبیٹیں ہوتی رہتی ہیں حالانکہ وہ تمام مسائل جن کی صداقتوں کے ہم قائل ہیں یا جن میں سلسلہ اظہارِ رائے کر چکا ہے ان پر بحث کرنا دماغی آوارگی ہے اور حقیقی ذہانت کے لئے سخت مضر ہے۔ مَیں نے سَو دفعہ بتایا ہے کہ اگر اس کے بجائے یہ کیا جائے کہ دوست اپنی اپنی جگہ مطالعہ کر کے آئیں اور پھر ایک مجلس میں جمع ہو کر یہ بتائیں کہ فلاں مخالف نے یہ اعتراض کیا ہے بجائے اس کے کہ یہ کہیں کہ مَیں یہ اعتراض فلاں مسئلہ پر کرتا ہوں۔ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب یا مولوی ابراہیم صاحب یا کسی اور مخالف کے اعتراض پیش کئے جائیں اور پھر سب مل کر جواب دیں اور خود اعتراض پیش کرنے والا بھی جواب دے تو یہ طریق بہت مفید ہو سکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں کیا جاتا بلکہ ڈیبیٹوں کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور انگریزوں کی نقل کی جاتی ہے کہ "ہاؤس" یہ کہتا ہے۔ ہماری مجلسِ شوریٰ میں بھی یہ "ہاؤس" کا لفظ داخل ہو گیا تھا مگر مَیں نے تنبیہ کی۔ اس پر وہاں سے تو نکل گیا ہے مگر مدرسوں میں رواج پکڑ رہا ہے۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ اس طرح کہنے سے اس بات میں کونسا سرخاب کا پَر لگ جاتا ہے۔ سیدھی طرح کیوں نہیں کہہ دیا جاتا کہ جماعت کی یہ رائے ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ دماغ کو کُفر کی کاسہ لیسی میں لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے۔"[1]

---

[1] "الفضل" ۱۸ر مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۸

حضور کے اس خطبہ کے بعد بعض مخلصین جماعت نے تقریری مقابلوں ہی کو سراسر ناجائز قرار دے لیا بعض لوگ یہ سمجھے کہ حضرت اقدس کی مباحثات سے مراد صرف ایسے مباحثات ہیں جن میں مذہبی مسائل زیر بحث لائے جائیں۔ دیگر مسائل پر مشتمل مباحثات قبیح اور ناپسندیدہ نہیں ہیں۔

اس پر پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔ اے نے مزید وضاحت و راہ نمائی کے لئے حضرت امیرالمومنینؓ کی خدمت اقدس میں حسب ذیل عریضہ تحریر کیا:۔

"پیارے آقا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ جامعہ احمدیہ کی طرف سے ایسے تقریری مقابلے کروائے جانے کا پروگرام مرتب کیا جا رہا ہے جس کے ماتحت مختلف اداروں سے مُقرّر ایک ہی موضوع پر تقریر کریں۔ مثلاً دیانت و امانت موضوع رکھ دیا جائے جس پر تقریروں کے لئے مختلف اداروں کو دعوت دی جائے۔ چونکہ اس میں ایک پہلو پر تقریریں ہوں گی اس لئے اس میں مناظرہ کی صورت نہیں ہوگی۔

بعض اصحاب کا خیال ہے کہ حضور کے ایک گذشتہ خطبہ جمعہ کی روشنی میں ایسے مقابلوں کی بھی اجازت نہیں اس لئے حضور کی خدمت میں عاجزانہ درخواست ہے کہ حضور مطلع فرما دیں کہ اس قسم کے مقابلے حضور کے منشاء کے خلاف تو نہیں۔ بعض حلقوں میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور کی مراد تو فقط مذہبی امور میں مناظروں کو بند کرنے سے ہے۔ سیاسی امور پر مناظرے حضور ناپسند نہیں فرماتے۔ بصد ادب عرض ہے کہ از راہِ شفقت اس پہلو پر بھی روشنی فرما دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

حضور کا ادنیٰ غلام خاکسار خالد ۱۸ ۲/۳۹"

اس پر حضور نے اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل عبارت تحریر فرمائی:۔

"دونوں باتیں ایسی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ مختلف لوگوں کے ایک موضوع کی تائید میں مضمون لکھنا مباحثہ کس طرح ہو سکتا ہے اور جبکہ میں نے مثال ہی سیاسی مباحثہ کی دی تھی یعنی مخلوط انتخاب کی تو یہ کہنا کہ میری مراد سیاسی مباحثات سے نہیں ہے کسی احمق کا ہی خیال ہو سکتا ہے۔

مرزا محمود احمد"[1]

---

[1] "الفضل" ۱۶؍احسان؍جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۵۔

فصل دوم

حادثہ بھامڑی

اس سال کے آغاز میں حادثہ بھامڑی پیش آیا جس کے تفصیلی حالات حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ (ناظر ضیافت و ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ) کے قلم سے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ حضرت میر صاحب تحریر فرمایا کہ :-

"شعبہ تبلیغ مقامی جماعت احمدیہ کا جب سے قیام ہوا ہے۔ اس کے افراد قانون رائج الوقت کی ہدایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے چلے آئے ہیں۔ کیونکہ احمدی جماعت ایک تبلیغی جماعت ہے اور اس سلسلہ کی تاریخ انفرادی اور اجتماعی تبلیغی تقریبوں سے بھری پڑی ہے۔ احمدی جماعت کی تبلیغی مساعی کا ایک حصہ مقامی تبلیغ کے نام سے موسوم ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو علاقہ مرکزِ سلسلہ کے اردگرد واقع ہے اس کا حق ہے کہ اُسے خصوصیت سے تبلیغ کی جائے۔ اس کام کے انچارج جناب چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے اور نائب انچارج مولوی دل محمد صاحب مولوی فاضل ہیں۔ اس ادارہ نے علاوہ انفرادی تبلیغ کے اس سال کے لئے یہ سکیم تجویز کی کہ کم سے کم ہر ماہ کسی ایک گاؤں میں تبلیغی جلسہ ہو جایا کرے۔ چنانچہ ۱۹۳۴ء کے شروع سے اس سکیم کو عملی جامہ پہنایا گیا اور مجھ سے فرمائش کی گئی کہ مَیں ان جلسوں کی صدارت کروں۔ چنانچہ میری صدارت میں ستکوہا، گھوڑیواہ، جاگووال، کھوکھر، اٹھوال اور قلعہ لال سنگھ میں جلسے ہو چکے ہیں۔ ایسے جلسوں کے انعقاد سے قبل اخبار "الفضل" میں ہمیشہ اعلان کر دیا جاتا رہا ہے کہ فلاں تاریخ فلاں جگہ جلسہ ہو گا۔ احباب اس میں شامل ہوں۔

بھامڑی کا جلسہ اور مخالفین کی مزاحمت

اس سکیم کے ماتحت ایک تبلیغی جلسہ موضع بھامڑی میں جو ایک بہت بڑا گاؤں قادیان سے پانچ میل کے فاصلہ پر جانبِ مشرق سری گوبند پور کے تھانہ میں واقع ہے تجویز کیا گیا۔ اس گاؤں میں ایک مخلص اور اہلِ علم احمدی گھرانہ ہے اور یہ گاؤں سکھوں اور مسلمان جاٹوں کی قریباً برابر آبادی پر مشتمل ہے اس جلسہ کے متعلق ۱۶؍جون کے اخبار "الفضل" میں جو ۱۵؍جون کو شائع ہوا تھا اعلان موجود ہے کہ ۱۷؍جون کو یہ جلسہ ہو گا۔ چونکہ یہ موضع قادیان سے قریب ہے اور چونکہ مدرسہ احمدیہ دینی تعلیم کے لئے مقرر ہے اور طلباء کو تبلیغ کی عملی مشق کرانا بھی ہمارا فرض ہے۔ اس لئے مَیں نے بحیثیت ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ کے مدرسہ کی آرڈر بک میں درج کر کے یہ آرڈر جاری کیا کہ ہر طالب علم کے لئے اس جلسہ کی شمولیت ضروری ہے اور غیر حاضر طالب علم کو ۱۲؍ جرمانہ کیا جائے گا۔ چنانچہ ۱۷؍جون کو صبح ۷ بجے مدرسہ کی گھنٹی بجائی گئی اور حاضری لے کر ہر جماعت کو ایک ایک اُستاد کی نگرانی

میں قطار وار موضع مذکور کی طرف روانہ کیا گیا۔ جب سب طلباء روانہ ہو گئے اور اُن میں کثرت کے ساتھ چھوٹے بچے اور حافظ کلاس کے نابینا بچے بھی شامل تھے تو مَیں خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب اور اپنے بچوں کو لے کر ٹانگہ میں سوار ہو کر روانہ ہوا۔ اور طلباء کے ساتھ آ ملا۔ اس وقت طلباء کی پہلی قطاروں کی طرف سے ایک طالب علم سائیکل پر آیا اور مجھے کہا کہ ہرچوِ وال کے نہر والے پُل پر موضع بھامڑی کے بہت سے آدمی راستہ روکے کھڑے ہیں اور طلباء کو آگے جانے سے روکتے ہیں۔ مَیں نے اس طالب علم کو کہا کہ تم ابھی جا کر جناب سید ولی اللہ شاہ صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع دو۔ اور یہ کہہ کر مَیں ٹانگہ سے اُتر پڑا۔ اور مَیں نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ ہمارے طلباء پُل پر رُکے کھڑے تھے اور پُل کے سامنے راستہ روک کر موضع بھامڑی کے ۳۰۔۴۰ آدمی لاٹھیاں لے کر مشتعل صورت بنائے ہوئے اُونچی اُونچی آواز سے کہہ رہے تھے کہ ہم نے بھامڑی میں جلسہ نہیں ہونے دینا۔ اس مجمع میں بھامڑی کے مولوی محمد یعقوب اور اس کا بھائی محمد ابراہیم اور حاجی محمد حسین اور اس کا بھتیجا یحییٰ بھی موجود تھے جو سب مخالفینِ سلسلہ میں سے ہیں۔ مَیں خاموشی سے آگے بڑھا اور لڑکوں کو کہا کہ تمام طلباء چار چار افراد کی قطار میں ہو کر خاموشی اور امن کے ساتھ بھامڑی کی طرف چل پڑو۔ یہ دیکھ کر مجمع کے لوگ اعلان کے طور پر کہنے لگے کہ اچھا چلو گاؤں چلتے ہیں وہاں جا کر دیکھتے ہیں کہ یہ جلسہ کس طرح کرتے ہیں۔ اب فساد ہی ہو گا۔ یہ کہہ کر وہ مختلف فقروں میں فساد کا لفظ دُہراتے ہوئے موضع بھامڑی کی طرف بجائے راستہ پر جانے کے کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے چل پڑے اور مَیں طلباء کو لے کر راستہ پر چل پڑا۔ مَیں نے علاوہ خاموش رہنے کی ہدایت کے یہ بھی حکم دیا تھا کہ کوئی طالب علم کسی شخص کی طرف نہ دیکھے اور ہم سب نظریں سامنے رکھ کر چل پڑے۔ چنانچہ قطار وار آہستہ آہستہ طلباء روانہ ہوئے۔ جب ہم موضع بھامڑی میں پہنچے تو گاؤں سے باہر کھڑے ہو کر میری اقتدار میں سب نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی کہ اے خدا ہمیں خیر و عافیت اور عزت اور امن و سلامتی سے توفیق دے کہ ہم تیرا پیغام اس گاؤں تک پہنچا سکیں۔ دُعا کے بعد پھر ہم گاؤں کے اندر داخل ہوئے۔ راستہ میں گاؤں کے ساتھ ایک سایہ دار افتادہ کھُلی جگہ میں ایک بڑا مشتعل گروہ کھڑا تھا جو کہ ہمارے راستہ کے عین دائیں طرف تھا۔ گزرتے وقت طلباء نے اس مجمع کی طرف عجوبہ کے رنگ میں نظر کی تو مَیں نے سختی سے کہا کہ خبردار کسی شخص کی طرف نظر نہ کرو۔ یہ گروہ جو اُن لوگوں پر بھی مشتمل تھا جنہوں نے ہم کو نہر پر روکا تھا اُونچی اُونچی آواز سے کہہ رہا تھا کہ ہم نے جلسہ نہیں ہونے دینا۔ نہیں ہونے دینا۔ ہم وہاں سے گذر کر اس مکان میں داخل ہوئے جہاں جلسہ تجویز ہوا تھا۔

جلسے کے انعقاد میں روکاوٹیں

یہ مکان ایک غیر احمدی کا تھا جو اس احمدی گھرانے کے قریبی رشتہ داروں

میں تھا جو موضع بھاڑی میں رہتا اور وہاں کا باشندہ ہے۔ ہمارے والنٹیرز نے اس مکان کی چھت پر سائبان لگایا۔ میز اور کرسیاں رکھیں اور قریب تھا کہ میں تلاوت اور نظم کے بعد جلسہ کی کارروائی شروع کرتا کہ میں نے دیکھا کہ ارد گرد کی متصل چھتوں پر غیر احمدی نوجوان چڑھنے شروع ہوئے ہیں اور ان کی طرز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہم کو گھیرنا چاہتے ہیں اور جلسہ میں مزاحم ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس مکان کے مالک کو بُلا کر دھمکایا گیا۔ وہ شخص باوجود اس کے کہ وہ ایک احمدی کا بھتیجا تھا گاؤں والوں سے ڈر گیا۔ . . . اور اس نے آکر مجھے کہا کہ آپ یہاں جلسہ نہ کریں۔ میں نے کہا کہ تم نے خود ہمیں اجازت دی تھی اب یہ اجازت واپس کیوں لیتے ہو۔ وہ کہنے لگا۔ کہ کیا کروں مجھے طاقت نہیں کہ گاؤں والوں کا مقابلہ کروں۔ میں نے کہا کہ بہت اچھا۔ یہ کہہ کر میں نے طلباء سے کہا کہ یہاں سے سائبان اکھیڑ لو۔ میز اور کرسیاں اور صفیں لے چلو۔ اس کے بعد ہم اس احمدی گھر میں گئے جو اکیلا اُس گاؤں میں تھا۔ یہ مکان بہت تنگ تھا مگر مجبوراً اُس میں جلسہ کیا گیا اور چھت پر سائبان لگایا گیا اور نیچے سخت گرمی میں ہمارے آدمی بیٹھ گئے اور جلسہ شروع ہوا۔ یہاں پہنچ کر مجھے رپورٹ دی گئی کہ صبح کو ہم سے پہلے بھی دو موقعوں پر گاؤں والوں نے جلسہ کے منتظمین سے مزاحمت کی۔ ایک اس وقت جبکہ مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب مولوی فاضل ٹانگہ میں بیٹھ کر اور سائبان وغیرہ سامان لے کر بھاڑی روانہ ہوئے تو ہرچووال کے پل پر اس مجمع نے جس نے ہم کو روکا تھا اُن کے ٹانگہ کو بھی روکنا چاہا۔ مگر وہ کسی نہ کسی طرح اُن سے چھوٹ کر گاؤں میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح جب وہاں کے احمدی خاندان نے ایک مقامی باورچی کو کھانا پکانے پر مقرر کیا تو گاؤں والوں نے اُسے اس کام سے روک دیا۔ پھر جب لنگر خانہ کے باورچی میاں مولا بخش صاحب کام کرنے لگے تو گاؤں والوں نے انہیں مارنا چاہا۔ انہوں نے اپنی ٹوپی اُتار کر اپنا سر ان کی طرف کر دیا کہ لو مار لو مگر مجھے کھانا پکانے دو۔ بلکہ یہاں تک سُنایا گیا ہے کہ جب صبح کے وقت ایک کنسٹیبل جس کا نام احمد حسین بتایا جاتا ہے بغیر وردی کے ہرچووال کے پُل پر سے گذرنے لگا تو اُسے بھی احمدی سمجھ کر روکا گیا مگر جب اس نے اپنی اصلیت ظاہر کی تب وہ گذر سکا۔ غرض مزاحمت کا سلسلہ صبح سے شروع تھا بلکہ جیسا کہ آگے چل کر ظاہر ہوگا اس سے بھی پہلے سے۔

ہمارے جلسہ کے مقابل مخالفین کا جلسہ بالآخر جب ہم نے مقامی احمدیوں کے مکان پر جلسہ شروع کیا۔ اور تلاوتِ قرآن کریم اور نظم کے بعد میں نے افتتاحی تقریر کی کہ مذہبی جماعتوں کو کبھی ہمت نہ ہارنی چاہیئے اگر کسی جلسہ میں ایک شخص بھی تقریر سُننے کے لئے نہ آئے تو یہ نہ سمجھا جائے کہ جلسہ ناکام رہا۔ کیونکہ کامیابی اور ناکامی کا معیار یہ ہے کہ ہم نے نیک نیتی اور حسنِ عمل کے ساتھ کام کیا ہے یا نہیں۔ اگر ہم نیت نیک رکھیں اور اپنی طرف سے کلمۂ حق سُنانے

میں کوشاں رہیں تو ہم کامیاب ہیں۔ خواہ کوئی سُنے یا نہ سُنے۔ پس ہم نیک نیتی سے آئے اور حُسنِ عمل کرتے ہوئے آئے۔ ہمدردی سے آئے۔ محض گاؤں والوں کی خیر خواہی سے، اور جب ایک جگہ جلسہ کرنے لگے تو ہمیں لوگوں نے روک دیا ہم تمام سامان وغیرہ لے کر یہاں آ گئے۔ اب ہم جلسہ شروع کرتے ہیں۔ خواہ کوئی سُنے یا نہ سُنے۔ اس پر جلسہ شروع ہوا۔ شروع میں میرے لڑکے محمود احمد نے تقریر کی اور پھر مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر نے تقریر کی۔ ابھی وہ پندرہ بیس منٹ ہی بول سکے تھے کہ یکدم ہماری چھت کے بالکل متصل چھت پر چند غیر احمدی چڑھنے شروع ہو گئے۔ اور مولوی محمد یعقوب بھامڑی والا ایک سائبان لے کر آیا اور جلدی سے سب نے مل کر سائبان لگایا۔ اور میز اور کرسی لگا کر فیض اللہ سُنانہ صدر بنا اور ایک شخص نے تلاوتِ قرآن مجید شروع کی۔ اس پر باوجود اس کے کہ ہمارے لئے شرعاً ایسا کرنا ضروری نہ تھا۔ میرے کہنے سے مولوی مبشر صاحب نے تلاوت کے احترام میں تقریر بند کر دی اور اُونچی آواز سے کہا کہ قرآن مجید پڑھا جا رہا ہے اس لئے مَیں تقریر بند کرتا ہوں۔ غیر احمدی تلاوت کنندہ دیر تک تلاوت کرتا رہا۔ جب وہ تلاوت ختم کر چکا تو ہمارے ایک آدمی نے تلاوت شروع کی اور پھر نظم شروع کی گئی۔ اور جب پھر مولوی صاحب تقریر شروع کرنے لگے تو غیر احمدیوں نے نعرے لگانے شروع کئے اور چونکہ وہ بالکل متصل چھت پر تھے اور دونوں چھتوں کے درمیان کوئی منڈیر بھی نہ تھی اس لئے ان نعروں کی وجہ سے ہماری تقریر کا ایک لفظ بھی سُنا نہ جا سکتا تھا۔ اس پر جلسہ کی کارروائی بند ہو گئی۔ اور ہمارے دوست صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وغیرہ وغیرہ نظمیں پڑھنے اور اللہ اکبر وغیرہ نعرے لگانے لگے۔

پولیس افسر کا عجیب فیصلہ اتنے میں سُنایا گیا کہ سری گوبند پور کے اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس موقع پر پہنچ گئے ہیں (دو پولیس کانسٹیبل پہلے پہنچ چکے تھے) اس عرصہ میں قادیان سے جناب سید ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امورِ عامہ بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے اس پولیس افسر کی طرف رقعہ لکھا کہ ہمارا جلسہ شروع تھا اور وہ بھی احمدی کے مکان پر مگر غیر احمدیوں نے بالکل متصل جلسہ شروع کر کے ہماری کارروائی کو بند کر دیا ہے۔ اس کا انسداد کیا جائے۔ اس درخواست کی دو کاپیاں تھیں کہ ایک پر رسیدی دستخط کر کے واپس کر دی جائے۔ مگر اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب نے ہمارا رقعہ تو لے لیا مگر رسید دینے سے انکار کیا۔ پھر دوبارہ رقعہ لکھ بھیجا۔ اور پھر تیسرا رقعہ بھیجا گیا جس میں چند مفسدین کے سرغنوں کے نام بھی تھے۔ اس وقت اسسٹنٹ سب انسپکٹر ہمارے جلسہ میں تشریف لائے اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور غیر احمدیوں کو بُلایا جس پر اُن کے چند آدمی آئے جن میں نام کشمیری سکنہ قادیان بھی تھا جو کہ ایک مقدمہ میں زیر ضمانت ہے۔ اسسٹنٹ سب انسپکٹر نے کہا کہ احمدیوں کا جلسہ پہلے سے

شروع ہے پھر تم یہاں کیوں جلسہ کرتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ان کا جلسہ یہاں نہیں ہونے دینا۔ غرض دیر تک بحث اور ردّ و کد ہوتا رہا۔ آخر ان کا اصرار اور ضد دیکھ کر اور ہماری شرافت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب نے ہمیں کہا کہ آپ ہی کسی اَور جگہ جلسہ کر لیں۔ حالانکہ ہمارا جلسہ پہلے سے شروع ہو چکا تھا۔ اور جس مکان پر ہم جلسہ کر رہے تھے وہ ایک احمدی کا مکان تھا اور سائبان وغیرہ لگانے کی زحمت ہم برداشت کر چکے تھے۔ اور جلسہ شروع تھا۔ مگر پھر بھی ہم نے اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب سے کہا کہ بہت اچھا آپ ہمیں کوئی اَور جگہ دیدیں ہم وہاں جلسہ کر لیں گے۔ اس پر وہ اُٹھ کر جگہ کی تلاش میں گئے۔ اور مخالف بدستور نعرے لگاتے رہے۔ جن میں احمدیت مردہ باد کے نعرے بھی تھے۔ اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب کے ساتھ مولوی دل محمد صاحب گئے۔ پہلے اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب نے ایک ایسی جگہ دکھلائی جو گندی اور گوبر سے اَٹی پڑی تھی۔ پھر جب ایک سکھ نے بطور خود کہا کہ ہمارے گوردوارہ کے پاس بڑ کے نیچے جلسہ کر لیا جائے تو سب انسپکٹر صاحب نے اس کی تائید کی جس پر مولوی دل محمد صاحب نے وہ جگہ صاف کروائی اور ہم کو اطلاع دی۔ ہم نے اپنا سامان صفوں وغیرہ کو اُٹھا لیا اور اُس بڑ کے نیچے جو گوردوارہ کے پاس تھا جلسہ شروع کیا۔

جب ہم اپنا سامان اٹھا کر نئی جگہ جانے لگے تو مخالفوں نے تالیاں بجائیں اور نعرے لگائے کہ گویا احمدی شکست کھا کر یہاں سے جا رہے ہیں۔ گوردوارہ میں جو کنواں تھا ہم اس سے پانی پینے لگے تو ہمیں پانی پینے سے روک دیا گیا اور غیر احمدیوں کی دھمکی سے گوردوارہ والے بھی متاثر ہوئے۔ اتنے میں ایک ہندو پرشوتم داس نے جو ڈی۔ اے۔ وی سکول قادیان کا طالب علم رہ چکا تھا اور ہمارے مدرسہ کے طلباء سے میچ وغیرہ کھیلنے کے سلسلہ میں ملاقات کی راہ و رسم رکھتا تھا۔ کہا کہ آپ ہمارے کنوئیں سے پانی لے سکتے ہیں۔ مگر بالآخر بعض لوگوں کے زور دینے پر گوردوارہ سے پانی ملنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد پھر گاؤں والوں نے گوردوارہ والوں پر زور ڈالنا شروع کیا کہ یہاں جلسہ نہ کرنے دیا جائے۔ چنانچہ سکھوں کی دو پارٹیاں ہو گئیں اور وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ مگر اکثریت ہمارے مخالفوں کی تھی۔ یہانتک کہ گوردوارہ والوں نے ڈر کر اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب سے کہا کہ ہمیں لوگ تنگ کرتے ہیں اس لئے ہم جلسہ نہیں ہونے دیں گے۔ مگر چونکہ وہ اسسٹنٹ سب انسپکٹر کے سامنے جگہ دے چکے تھے اس لئے اس نے کسی طرح انہیں تسلی دی اور جلسہ شروع رہا۔ جلسہ کے دوران میں لوگ اُٹھ کر باری باری کھانا کھانے لگے اور تقریریں جاری رہیں۔ اس عرصہ میں ناظر صاحب امور عامہ اور خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب سیٹھ پرشوتم داس کی دعوت پر اس کے ہاں چائے پینے چلے گئے۔

جلسہ کا اختتام اور بعد کے واقعات پانچ بجے کے قریب جب جلسہ ختم ہوا تو میں نے اعلان کیا کہ ہم ہرچووال کی نہر پر پہنچ کر اکٹھے نماز پڑھیں گے۔ اس پر لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ایک راستہ کی طرف رُخ کیا۔ اس وقت جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے بعض مقامی لوگوں نے ہمارے بعض آدمیوں سے کہا کہ اس راستہ سے نہ جائیں بلکہ دوسرے راستہ سے جائیں جس پر ہمارے لوگوں نے اس مشورہ کو نیک نیتی کا مشورہ سمجھ کر اُسے اختیار کر لیا۔ مگر یہ راستہ لمبا اور پیچیدہ ثابت ہوا۔ اور ہمیں بالآخر حاجیوں کی حویلی کے سامنے لے آیا۔ جہاں بہت سے مخالفین بدنیتی کے ساتھ جمع تھے۔ روانہ ہونے سے پہلے مَیں اپنا سامان درست کروانے لگا تاکہ سامان ٹانگہ پر رکھا جائے۔ اتنے میں بہت سا حصہ لوگوں کا روانہ ہو چکا تھا کہ مَیں بھی روانہ ہوا۔ میرے پیچھے چالیس پچاس لوگ ہوں گے باقی سب آگے تھے۔ راستہ میں سیٹھ پرشوتم داس کا مکان تھا۔ وہاں سے خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب اور سید ولی اللہ شاہ صاحب بھی ساتھ ہو لئے۔ اور ہم باتیں کرتے ہوئے اطمینان سے واپس چلنے لگے۔ ہمارے آگے پیچھے سے صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وغیرہ کی آوازیں آ رہی تھیں اور لوگ اطمینان سے واپس آ رہے تھے۔ اس جگہ مَیں ایک نقشہ دیتا ہوں جس سے احباب معلوم کر لیں گے کہ بعد کے واقعات کس طرح رُونما ہوئے۔

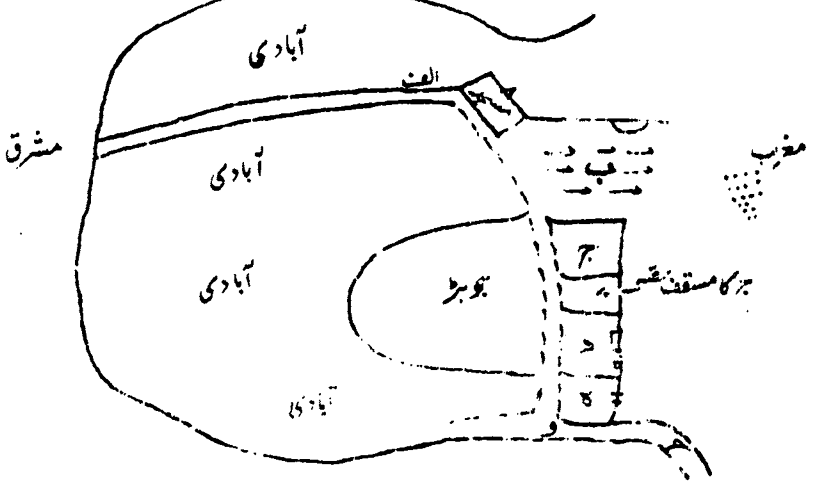

مخالفین کے ہجوم کی طرف سے شدید خشت باری ہمارے لوگوں کا اگلا حصہ۔ الف نام گلی سے نکل کر کھلے راستہ میں ہو کر ب اور ج کے درمیان سے گذر کر د سے گذرا۔ اور د سے ہوتا ہوا ھ تک جو کہ قادیان کی طرف جانے کا راستہ ہے پہنچ گیا۔ اگلے حصہ میں بہت سے مضبوط اور طاقتور آدمی تھے۔ مولوی دل محمد صاحب بھی اس حصہ میں جا رہے تھے جب ہمارے لوگوں کا پچھلا حصہ جس میں زیادہ تر چھوٹے لڑکے اور قادیان کے مدارس کے

طالب علم اور بوڑھے اور کمزور لوگ تھے ج نام حویلی کے سامنے جو حاجیوں کی حویلی کہلاتی ہے، قریب پہنچا۔ تو وہاں دو سو کے قریب مخالفین جمع تھے۔ چونکہ یہ مکان زیر تعمیر ہے اس لئے کم سے کم پانچ چھ ہزار کچی اینٹیں وہاں ڈھیر کی صورت میں رکھی تھیں۔ یہ لوگ احمدیت مُردہ باد کے نعرے لگا رہے تھے کہ اتنے میں نامی حاجی نے جو بھامڑی کے مخالفوں کا سرغنہ ہے تالی بجائی اور ہجوم نے سامنے راستہ پر چلنے والے احمدیوں پر اچانک خشت باری شروع کر دی۔ میں اس وقت الف مقام پر نہیں پہنچا تھا۔ اس لئے خشت باری کی ابتداء میں نے نہیں دیکھی۔ مگر جب میں الف کے مقام پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ حویلی ج سے ایک وقت میں سَو سَو اینٹیں سڑک پر ہمارے لوگوں پر پڑ رہی ہیں۔ خشت باری کیا تھی، اینٹوں کی موسلا دھار بارش تھی اور ٹڈی دل کی صورت میں فضا غبار آلود ہو رہی تھی۔ میرے ساتھ خانصاحب فرزند علی صاحب تھے۔ میرا لڑکا محمود احمد جس کی عمر ۱۳ سال ہے ذرا آگے تھا۔ سید ولی اللہ شاہ صاحب ذرا اور پیچھے تھے۔ مَیں نے جب اینٹوں کی بارش دیکھی تو مَیں دوڑ کر اینٹوں کی بوچھاڑ میں سے گذرتا ہوا حویلی ج کے کوٹھے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور ایک لکیر کھینچ کر بڑے زور دارانہ لہجہ میں آگے گذرے ہوئے لوگوں کو واپس لوٹنے سے روک کر کہا کہ خبردار کوئی احمدی اس لکیر سے آگے نہ بڑھے۔ میرے ہاتھ میں چھتری تھی۔ مجھے دیکھ کر مخالفوں نے خشت باری زیادہ کر دی اور چھت پر بھی چند آدمی چڑھ گئے اور مکان کے نو تعمیر ہونے کی وجہ سے جو ملبہ وہاں پڑا تھا وہ اُوپر سے مجھ پر پھینکنے لگے۔ چنانچہ ایک شکستہ گھڑا مجھ پر پھینکا گیا۔ مگر خدا کا فضل رہا کہ مجھے باوجود اس کے کہ مَیں عین نیچے کھڑا تھا ایک ٹکڑا بھی نہیں لگا۔ حالانکہ میرے پاس جو لوگ کھڑے تھے وہ زخمی ہوئے۔ وہاں پہنچ کر جو نظارہ مَیں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ اس وقت مجھے مخالف اور اُن کی اینٹیں یُوں معلوم ہوتی تھیں کہ جیسے مکھیاں بھنک رہی ہوں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ مَیں اس وقت اپنی ذاتی حیثیت میں نہ تھا بلکہ مَنْ اَطَاعَ اَمِيْرِيْ فَقَدْ اَطَاعَنِيْ۔ مَیں اس وقت خلیفۃ حق کا نمائندہ اور اس کی جماعت کا امیر تھا۔ غرض میں نے تمام مجمع کو واپس لوٹنے سے روک کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا۔ اب مجھے فکر ہوئی کہ شاہ صاحب اور خانصاحب کہاں ہیں؟ یہاں پر احباب نقشہ کو دیکھیں اور غور فرمائیں۔ جیسا کہ مَیں اُوپر لکھ آیا ہوں کہ مَیں راستہ چلنے والے احباب کے پچھلے حصہ میں تھا۔ میرے پیچھے چالیس پچاس کے قریب دوست ہوں گے جب یہ لوگ الف مقام پر پہنچے تو انہوں نے (ج) کے سامنے خشت باری دیکھی تو وہ بجائے اس کے کہ خشت باری کے سامنے سے گذر کر ہمارے پاس آجاتے وہ سامنے اینٹوں کی بارش دیکھ کر اور پہلو میں ایک کھلا میدان ایک طرف ہو کر نکل جانے کا پاکر اپنے بائیں جانب مُڑ کر (ب) کی طرف گھوم گئے اور غالباً گھبراہٹ سے بجائے اکٹھے

چلنے کے منتشر صورت میں چلنے لگے۔

چونکہ دشمنوں کا مقام (ج) سے اینٹیں مارنے کا بڑا مقصد بھی یہ تھا کہ وہ ہمارے پچھلے حصّہ کو ہم سے جُدا کر دیں اس لئے جب ہمارے پیچھے یہ چالیسؓ کے قریب لوگ بائیں طرف مُڑے اور خشت باری کے مقام سے کترا گئے اور ہم سے کٹ گئے تو مخالفین فوراً حویلی میں سے باہر کُود کر نکل آئے اور لاٹھیوں کرپانوں اور تلواروں سے اُن کو گھیر کر بُری طرح زخمی کیا۔ چنانچہ میرے بالکل پیچھے جناب خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب تھے۔ یہ جب خشت باری دیکھ کر میرے پیچھے پیچھے آنے لگے تو انہیں دو اینٹیں لگیں۔ اس پر یہ بائیں جانب مُڑ کر اور کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے (ح) کی طرف جا کر ڈانگوں تک پہنچ گئے۔ اُن کے پیچھے جناب سیّد ولی اللہ شاہ صاحب تھے۔ جب وہ الف کے مقام پر پہنچے تو آگے اینٹوں کی بارش دیکھ کر مقام (ب) کی طرف مُڑے۔ اُن کے ہمراہ اُن کا تیرہ سالہ لڑکا بھی تھا۔ شاہ صاحب نہایت ثبات قلب کے ساتھ آہستہ آہستہ جا رہے تھے کہ گاؤں والوں نے اُنہیں گھیر لیا اور ڈانگوں سے حملہ کر دیا۔ پہلے تو شاہ صاحب ہاتھوں پر روکتے رہے مگر جب کندھوں اور کمر پر لاٹھیوں سے زور سے چوٹیں لگیں تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ مگر ان کے گر جانے پر بھی لوگ مارتے رہے۔ شاہ صاحب کے جسم پر ایک نشان تلوار کی ضرب کا بھی معلوم ہوتا ہے گو خدا کے فضل سے اس نے کاٹا نہیں۔ ان کے بچے کو بھی چوٹ لگی اور وہ بھی شاہ صاحب پر گر کر رونے لگا۔ اسی طرح بقیہ لوگ جب منتشر ہو کر بجائے اس کے کہ ہم کو آ ملتے بائیں طرف مُڑے تو گاؤں والوں نے انہیں الگ الگ اور منتشر پا کر کسی کو کرپان تلواروں سے کسی کو ڈانگوں سے غرض مختلف طریقوں سے سخت زخمی کیا۔ مگر اس سارے عرصہ میں ہم کو جو کہ مقام (ج) اور مقام (د) کے سامنے کھڑے تھے بالکل معلوم نہ تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل تھے۔ لیکن جب مَیں نے اپنے احمدیوں کو پُرسکون مجمع کی صورت میں کھڑا کر لیا تو اب شاہ صاحب اور خان صاحب کا خیال آیا۔ اتنے میں اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس بھی میرے پاس آ پہنچا۔ مَیں نے اُسے غصّے سے کہا کہ دیکھو اتنے لوگ کھڑے ہیں اور ہم پر اتنا ظلم ہوا ہے۔ یہ لوگ اگر دفاع کرتے تو ان مخالفوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے مگر مَیں نے ان کو روک رکھا ہے لیکن آپ نے گاؤں والوں کو روکا تک نہیں۔ وہ شرمندگی کے لہجہ میں کہنے لگا کہ مَیں کیا کروں۔ میرے پاس سپاہی نہیں صرف تین چار آدمی ہیں۔ مَیں کس طرح اس مجمع کو روک سکتا تھا۔ اتنے میں شاہ صاحب اور خانصاحب کی تلاش کے لئے مَیں خود چل پڑا کہ مجھے جامعہ احمدیہ کے طلبہ نے گھیرا ڈال کر روک لیا کہ آپ نہ جائیں۔ اس پر اسسٹنٹ سب انسپکٹر نے کہا کہ مَیں شاہ صاحب کا پتہ لیتا ہوں۔ یہ وہ وقت

تھا کہ ہمارے گروہ کے پچھلے لوگ بسبب منتشر ہو جانے کے گاؤں والوں کے ہاتھوں سے پٹ رہے تھے نقشہ میں جو کھیتوں اور مقام ب کے پیچھے نقطے دیئے گئے ہیں یہ وہ احمدی لوگ ہیں جو منتشر ہونے کی وجہ سے گاؤں والوں نے گھیر کر زخمی کر دیئے۔ یہ حالت جاری تھی اور ہمارے آدمی پٹ رہے تھے اور ہم کو معلوم نہ تھا کہ یکدم . . . . . . ایک جاوی طالب علم احمد رشدی . . . . نے شور مچا کر کہا کہ ہمارے آدمیوں کو گاؤں والوں نے گھیر لیا ہے اور انہیں مار رہے ہیں۔ اس پر ہمارا مجمع جسے میں نے روکا ہوا تھا قریباً ڈیڑھ سو آدمی . . . . اپنے آدمیوں کی حفاظت کے لئے بے تحاشا کھیتوں میں پہنچا۔ ان کو دیکھ کر وہ مخالف جو احمدیوں کا تعاقب کر کے انہیں زخمی کر رہے تھے مقام ب کی طرف واپس بھاگ گئے۔ یہ دیکھ کر اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید یہ افواہ غلط ہو کہ ہمارے آدمی زخمی ہوئے ہیں . . . . . میں نے بلند آواز سے لوگوں کو واپس بلانا شروع کیا کہ واپس آؤ۔ واپس آؤ۔ اس پر اس مجمع میں سے مختلف احمدی میرا نام لے کر احمدیوں کو بلانے لگے کہ میر صاحب بلاتے ہیں۔ واپس آؤ۔ واپس آؤ۔ غرض بڑے زور سے میں نے مجمع کو واپس بلایا جو پھر . . . . میرے پاس پہنچ گئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ ہمارے بعض آدمی اپنے زخمیوں کو اٹھا کر مقام ح میں موٹر اور ٹانگوں کے پاس لے آئے ہیں۔ ان زخمیوں میں سے دو شخصوں کے سائیکل بھی مخالف چھین کر لے گئے۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کو چوٹ لگی ہے اور وہ بے ہوش ہو گئے تھے مگر اب ہوش میں ہیں اور ہمارے لوگ ان کو مقام ح تک لے آئے ہیں تو میں مقام ح تک تمام مجمع کو لے آیا۔ یہاں پر تمام زخمی موٹر اور ٹانگہ میں بٹھا دیئے گئے اور ہم مقام ح سے چل کر قادیان روانہ ہوئے۔

اس وقت اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ مقام ب سے چار پانچ سو آدمیوں کا مجمع جو کہ سب کا سب لاٹھیوں، ٹکوؤں، چھویوں اور تلواروں سے مسلح تھا اور جس میں مسلمانوں کے علاوہ سکھ بھی تھے نہایت تیزی سے ہماری طرف نعرے لگاتا اور چیلنج کرتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ یہ گویا دوسرا حملہ تھا۔ یہ مجمع ایسا خوفناک تھا کہ میں نے دیکھ کر اس وقت یہ یقین کر لیا کہ ہم وہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتے کیونکہ ہمارا مجمع غیر مسلح تھا۔ صرف تین یا چار فیصدی کے پاس لاٹھیاں تھیں۔ باقی سب نہتے تھے۔ مجمع میں نہایت نو دس سال عمر کے بہت سے بچے تھے حتیٰ کہ آٹھ نو نابینا بچے بھی تھے۔ بوڑھے اور معذور اور کمزور لوگ بھی تھے۔ یہ مجمع دیکھ کر ہمارے بعض نوجوان بالخصوص جامعہ احمدیہ کے طالب علم دفاع کے خیال سے آگے بڑھے اور خدا نے انہیں قوت بخشی کہ وہ موت کے منہ میں جانے کے لئے تیار ہوئے۔ مگر میں نے آگے بڑھ کر ان کو روکا اور واپس لے آیا۔ اس وقت میرے پاس اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس

آیا کہ آپ اپنے آدمیوں کو راستہ راستہ لے چلیں۔ مَیں اس مجمع کو روکتا ہوں۔ مَیں نے آواز دے کر سب کو واپس چلنے کو کہا اور سب کو لے چلا اور جب مُڑ کر مَیں نے دیکھا تو یہ نظارہ نظر آیا کہ اسسٹنٹ سب انسپکٹر صاحب معہ سپاہیوں کے مخالفوں کے مجمع کی طرف آگے بڑھا ہے اور جیسا کہ بعض لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ اس موقع پر پولیس نے مخالفین پر لاٹھی چارج بھی کیا۔ بہرحال مَیں نے دیکھا کہ لوگ واپس بھاگ رہے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ یہ لاٹھی چارج کا نتیجہ تھا یا یہ کہ کوئی اَور بات تھی۔ بہرحال مَیں اپنے سب آدمیوں کو لے کر واپس قادیان روانہ ہوا۔ اور زخمیوں کو ہرچووال کی ڈسپنسری میں بھیج دیا۔ نہر پر پہنچ کر مولوی دل محمد صاحب کو کہا کہ آپ تمام مجمع کو نماز پڑھا کر قادیان لے جائیں اور خود موٹر میں جو مجھے ہاسپیٹل سے شاہ صاحب نے بُلانے کے لئے بھیجی تھی بیٹھ کر ہرچووال کی ڈسپنسری میں پہنچا۔ وہاں ڈاکٹر انچارج موجود نہ تھا۔ ایک کمپاؤنڈر تھا جس نے ایک مضروب احمد دین کی پٹی کی۔ باقیوں کو موٹر اور ٹانگہ میں واپس قادیان لے آیا اور فوراً ہسپتال میں داخل کرا دیا۔

پولیس کی کارروائی اور بعد کے حالات اسی رات قادیان میں پولیس پہنچی اور صبح کے چار بجے کے بعد نورؔ ہاسپیٹل میں زخمیوں کے بیانات لئے گئے۔ دوپہر کو سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی پہنچ گئے۔ اور قادیان کی پولیس چوکی میں خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب کے اور میرے بیانات ہوئے۔ پھر ہم موضع بھاڑی سپرنٹنڈنٹ صاحب کے ساتھ گئے اور انہیں موقع دکھلایا۔ وہاں بھی مخالف پارٹی کے تین اشخاص کے بیان قلمبند کئے گئے۔ پھر مورخہ ۲۵؍۶؍۴۲ کو سری گوبند پور کے تھانہ دار صاحب نے قادیان آکر مجھ سمیت سولہ اشخاص کے چالان کی غرض سے حاضری عدالت کی ضمانتیں لیں۔

یہ ہیں مختصر سے کوائف اس جلسہ کے۔ اب معاملہ بظاہر عدالت انگریزی کے ہاتھ میں اور بباطن عدالتِ عالیہ سماویہ کے قبضہ میں ہے۔ وہی کچھ ہوگا جو آسمان پر مقدّر ہے کیونکہ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ پر ہم ایمان لانے والے ہیں۔ ہماری دُعا یہی ہے کہ ہمارے لئے وہی ہو جو ہمارے حق میں خیر اور بہتر ہو۔ ان مسلسل واقعات کی لڑی کے علاوہ بعض اور باتیں احباب کی واقفیت کے لئے بیان کر دیتا ہوں۔

(۱) جب ۱۷ جون کو ہمیں ہرچووال کی نہر کے پُل پر بھاڑی والوں نے جانے سے روکنے کی کوشش کی تو مَیں نے ناظر صاحب امور عامہ کو اطلاع کے لئے دو سائیکلسٹ یکے بعد دیگرے بھیجے تو ناظر صاحب امور عامہ نے ایک تار گورداسپور میں دن کے دس بجکر دس منٹ پر سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس اور ایک خط سائیکلسٹ کے ہاتھ سری گوبند پور کے تھانیدار صاحب کو بھیجا کہ وہاں کے لوگ فساد پر آمادہ ہیں انہیں روکا جاوے۔

(۲) اس سے قبل نے ہمارے جلسہ کا اعلان الفضل میں پڑھنے کے بعد ۱۶ رجون کو اپنے بورڈ پر قادیان میں اعلان کیا کہ بھاڑی میں ہم بھی ۱۷ رجون کو جلسہ کریں گے۔

(۳) جلسہ سے ایک روز قبل کے بورڈ کی اطلاع پا کر جناب چودھری فتح محمد صاحب انچارج مقامی تبلیغ نے مولوی احمد خاں صاحب نسیم کو اور مولوی عبدالعزیز صاحب سکنہ بھاڑی کو سری گوبند پور کے تھانیدار کے پاس رپورٹ دینے کے لئے بھیجا کہ بھاڑی والے فساد پر آمادہ ہیں مگر افسوس کہ تھانیدار صاحب نے یہ رپورٹ روزنامچہ میں درج نہیں کی۔

(۴) جب میں سپرنٹنڈنٹ صاحب کے سامنے بیان دے چکا تو ڈی۔ ایس۔ پی صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ میر صاحب آپ یہ فرماویں کہ جب آپ کا جلسہ ختم ہو چکا تو پھر بھاڑی والوں نے فساد کیوں کیا؟ اگر ان کی فساد کی نیت ہوتی تو جلسہ کے دوران میں کرتے۔ میں نے کہا کہ یہی موقعہ تو فساد کا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہم جلسہ کر سکیں اور ہمارے جلسہ کو روکنا چاہتے تھے۔ مگر جب ہم جلسہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں اپنی ناکامی کی وجہ سے اشتعال پیدا ہوا۔ اور انہوں نے اس کا انتقام فساد کے ذریعہ لیا۔

(۵) ایک بات میں نے سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کو یہ کہی تھی کہ آپ یہ نقطہ خیال کبھی نہ بھولیں کہ اگر ہماری طرف سے اشتعال دلایا گیا اور فساد ہوا تو عجیب بات ہے کہ ہم لوگ ایک لمبا فاصلہ گاؤں کے اندر طے کرتے رہے مگر انہیں اشتعال نہ آیا۔ مگر جب ہمارے لوگ اور وہ بھی طالب علم اور بچے اس حویلی کے پاس سے گذرے جہاں پر بہت سی اینٹیں ڈھیر کی صورت میں جمع تھیں اور جہاں ہمارے مخالفین دو سَو کی تعداد میں جمع تھے وہاں کیوں اشتعال آگیا۔ میں نے کہا۔ آپ یہ سوچیں کہ ہمارے مخالف اور کسی حویلی میں کیوں نہیں جمع ہوئے۔ کیوں حاجیوں کی حویلی میں جمع تھے جہاں اینٹیں جمع تھیں۔ کیا یہ دونوں اجتماع اتفاق سے ہو گئے علاوہ اس کے بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں مخالفوں نے لاٹھیاں بھی جمع کر رکھی تھیں اور زیر تعمیر عمارت کے بالے وغیرہ بھی پڑے تھے۔

(۶) میں نے اپنے بیان میں یہ بھی لکھایا تھا کہ اگر ہماری نیت فساد کی تھی تو کیا وجہ ہے کہ

(الف) مدرسہ احمدیہ کے چھوٹے سے چھوٹے طالب علم بھی میں جلسہ میں لایا۔ (ب) میں اپنے تینوں لڑکوں کو ہمراہ لایا۔ (ج) حافظ کلاس کے آٹھ کم عمر اندھوں کو ہمراہ لایا۔ (د) ہم لوگ کثرت کے ساتھ بغیر لاٹھی کے آئے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہم فساد کی نیت سے نہیں آئے۔

(۷) میں اور خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب اور مولوی دل محمد صاحب فساد کے دوسرے روز سپرنٹنڈنٹ

صاحب کے ساتھ موقعہ دکھانے کے لئے گئے تو اسسٹنٹ سب انسپکٹر نے جو ہمارے جلسہ کے انتظام کے لئے بھاٹی میں مقرر تھا سپرنٹنڈنٹ صاحب سے کہا کہ جب مَیں خشت باری کے موقعہ پر پہنچا تو میر صاحب اپنے لوگوں کو روک رہے تھے اور میں نے بھاٹی والوں کو روکا۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ تحریری طور پر اسسٹنٹ سب انسپکٹر نے کیا نوٹ درج کیا ہے۔ البتہ سُنا گیا ہے کہ ہمارے خلاف پولیس ہی کے بیان پر کارروائی کا آغاز ہوا ہے۔ گو مخالفین کے خلاف ہماری رپورٹ پر کارروائی کی گئی ہے۔

(۸) آخری بات مَیں احباب کی واقفیت کے لئے یہ کہتا ہوں کہ ہمارے گروہ میں اینٹوں کے ذریعہ جو لوگ زخمی ہوئے ہیں ان کے زخم خفیف ہیں۔ اور گو اینٹوں کی وجہ سے ۴۰ - ۵۰ کے قریب اشخاص کو معمولی چوٹیں آئی ہیں مگر جس قدر اشخاص شدید زخمی ہوئے ہیں وہ ڈانگوں، تلواروں اور کرپانوں وغیرہ سے ہوئے ہیں اور یہ سب وہ لوگ ہیں جو خشت باری دیکھ کر بجائے آگے بڑھ کر خشت باری کے مقام سے گذر کر ہمارے بڑے مجمع میں آ ملنے کے بائیں طرف مقام ب کی طرف مُڑ گئے تھے اور مُڑے بھی الگ الگ یعنی خانصاحب اکیلے شاہ صاحب اکیلے اور باقی احباب بھی اکیلے اکیلے اور اس طرح دشمن خشت باری کر کے اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا کہ اُس نے احمدیوں کے پچھلے حصّہ کو اگلے حصّہ سے الگ کر کے ایک ایک کو گھیر کر مار مار کر بیہوش کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اس میں ہم کو ایک سبق ملتا ہے کہ کبھی ہم لوگوں کو ایک دوسرے سے جُدا نہ ہونا چاہیئے بلکہ خواہ مصیبت ہو یا کیسی سخت آفت ہو سب کو مل کر اکٹھے رہنا چاہیئے۔

اس موقعہ پر مَیں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جب مخالف خشت باری کر رہے تھے ہمارے بعض نوجوان اُن کے مظالم کو دیکھ کر ایسے جوش میں تھے کہ اگر مَیں انہیں آگے بڑھنے کی اجازت دیتا تو یقیناً وہ مخالفوں کو اس شرارت کا مزا چکھا دیتے۔ مگر مَیں نے باوجود مظلوم ہونے کے باوجود حق دفاع رکھنے کے باوجود قانون کی اجازت کے دوستوں کو روکے رکھا۔ اور دوستوں نے بھی مجھے امیر جلسہ سمجھ کر میرے احکام کی تعمیل کی اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑے حادثہ سے ہم کو بچا لیا۔ اور ایک دفعہ پھر دُنیا پر ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور آپ کے خلفاء نے ایک ایسی جماعت تیار کی ہے جس سے بڑھ کر امن پسند اور عافیت پسند دُنیا میں اَور کوئی جماعت نہیں۔ مجھے میرے ساتھیوں میں سے بعض نے غصہ سے طعنہ دیا۔ . . . .

. . . مگر سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس وقت صرف یہ خیال تھا کہ اگر مَیں باوجود قانون کی اجازت کے اپنے آدمیوں کو دفاع کی اجازت دوں تو قادیان میں جا کر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کو کیا مُونہہ دکھاؤں گا۔ اور مَیں نے اپنے دل

میں یہ فیصلہ کیا کہ حضرت صاحب کا یہ عتاب برداشت کر لوں گا کہ تم نے اپنے آدمیوں کو خشت باری سے (کیونکہ اس وقت مجھے لاٹھیوں کے حملہ کا علم نہیں تھا) پٹوایا۔ مگر دفاع کی اجازت نہ دی۔ مگر یہ دوسری جہت کا عتاب میری طاقت سے باہر ہے کہ تم نے مار کیوں نہ کھائی اور لڑائی سے دوستوں کو باز کیوں نہ رکھا۔ یہ عتاب میری برداشت سے باہر تھا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

(نوٹ) اُوپر کے مضمون میں مَیں نے صرف جلسہ و حادثہ بھامڑی کے متعلق اپنے چشمدید قریب سے سُنے ہوئے حالات درج کئے ہیں۔ اور مخالفین ظاہری و مخفی کی اُن کارروائیوں کا ذکر نہیں کیا جو جلسہ سے باہر یا بعد میں ہوئی ہیں اور نہ دوسری زائد باتوں کا ذکر کیا ہے۔" [1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا پیغام جماعت احمدیہ کے نام

بھامڑی کے تشویشناک حالات کی اطلاع سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں پہنچی تو حسب دستور جماعت کے نام حسب ذیل پیغام دیا:۔

"برادران جماعت احمدیہ! السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

. . . اس وقت جماعت پر اس کے دشمنوں نے ایک سخت حملہ کیا ہے اور حکومت کے کچھ کَل پُرزے بھی اس میں شامل معلوم ہوتے ہیں۔ احمدیت کے لئے پھر ایک ابتلاء کی صورت پیدا ہو رہی ہے۔ گورنمنٹ کے دلی دشمن جو اس کے ملازموں میں شامل ہیں، انہیں ہماری جنگی خدمات نہیں بھائیں اور چونکہ کھلا مقابلہ وہ نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے دوسرے اوچھے ہتھیاروں سے کام لینا شروع کیا ہے۔ چند دنوں تک حقیقت واضح ہو جائے گی۔ مَیں زندہ رہوں یا مروں، جماعت کی عزت کی حفاظت کے لئے آپ لوگوں کا ہر قربانی کرنا فرض ہے۔ کیا پچاس سال شکست کھا کر دشمن اب غالب آجائے گا۔ کیا آج احمدیت کا ایمان جماعت کو گزشتہ قربانیوں سے زیادہ قربانیاں پیش کرنے کے لئے آمادہ نہ کرے گا۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر شخص کہے گا کہ ضرور ضرور اور آسمان آپ کی آواز پر تصدیق کرے گا اور احمدیت کے پوشیدہ دشمن ایک دفعہ پھر مُنہ کی کھائیں گے۔ اچھا خدا حافظ آج بھی اور ہمیشہ بھی۔ اس دُنیا میں بھی اور اگلے جہان میں بھی بہادر بنو اور کسی انسان سے نہ ڈرو سوائے خدا کے۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد ۲۰/۶/۴۳" [2]

---

[1] "الفضل" ۳۰ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ تا ۵ ۔ [2] "الفضل" ۲۲ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ ۔

ملکی پریس میں ذکر

اس واقعہ کی خبر ملکی پریس نے نہایت گمراہ کن اور مسخ شدہ صورت میں شائع کی۔ البتہ شمالی ہند کے مشہور مسلمان اخبار "انقلاب" نے اپنے ایک شذرہ میں اس کے صحیح واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا:۔

"یہ واقعات نہایت افسوسناک ہیں۔ ہمیں فریقین میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی خصوصی تعلق نہیں لیکن آزادیٔ تقریر کے اس دور میں کسی جماعت کے جلسہ کو بزور تشدد روکنا کسی اعتبار سے بھی جائز نہیں قرار دیا جا سکتا اور جس حالت میں جلسہ ہو چکا تھا اور قادیانی وہاں سے جا رہے تھے اس وقت اُن پہ حملہ کرنا صریح بلوہ و فساد تھا جو کسی حالت میں حق بجانب نہیں ہو سکتا"[1]

مظلوم احمدیوں کے خلاف مقدمہ کا تکلیف دہ سلسلہ

بھامڑی میں معاندین نے حملہ بھی کیا اور بعد میں جماعت احمدیہ کے بزرگوں اور جلسہ میں شامل ہونے والے دوسرے احمدیوں کے خلاف پولیس میں جھوٹی رپورٹ بھی دے دی جس پر پولیس نے ہر دو فریق کے آدمیوں کا چالان کر دیا اور پندرہ سولہ مظلوم احمدی جن میں حضرت میر محمد اسحٰق صاحب، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ، اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹؓ جیسے بلند پایہ بزرگ بھی شامل تھے، مستغاث علیہ گردان کر مقدمہ کے ایک نہایت تکلیف دہ سلسلہ میں اُلجھا دیئے گئے۔

مقدمہ بھامڑی کی عدالتی کارروائی کا باقاعدہ آغاز ۱۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو یعنی اصل واقعہ کے تقریباً دو ماہ بعد ہوا۔[2] چوہدری محمد اسحٰق صاحب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس مقدمہ کی سماعت کی۔ ۷ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو عدالت نے زیر دفعات ۱۴۸، ۱۴۹، ۳۲۳، ۳۲۵ مندرجہ ذیل تیرہ[13] احمدی اصحاب پر فرد جرم لگا دیا:۔

۱۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب ناظر ضیافت۔

۲۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ

۳۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل (جٹ) جنرل پریذیڈنٹ قادیان

۴۔ مولوی دل محمد صاحب مہتمم تبلیغ

۵۔ چوہدری محمد نذیر صاحب لاہور ہاؤس قادیان

---

[1] "انقلاب" ۳۰ جون ۱۹۴۳ء بحوالہ "الفضل" ۲ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

[2] "الفضل" ۱۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴۔

۶۔ چودھری محمد لطیف صاحب لاہور ہاؤس قادیان ۔ ۷۔ ٹھیکیدار علی احمد صاحب قادیان

۸۔ چودھری بڈھا صاحب ساکن لبسرا ۔ ۹۔ چودھری امیر احمد صاحب لبسراواں

۱۰۔ چودھری فضل الدین صاحب ممرا ۔ ۱۱۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل بھامڑی

۱۲۔ مولوی عبدالعزیز صاحب بھامڑی ۔ ۱۳۔ چودھری محمد شفیع صاحب بگول [1]

اس مقدمہ میں سماعت دھاریوال، بٹالہ یا گورداسپور میں ہوتی تھی۔ تقریباً پچاس سے زائد پیشیاں بھگتنی پڑیں [2] اور جماعت احمدیہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً مندرجہ ذیل وکلاء پیش ہوئے۔

مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ گورداسپور، میر محمد بخش صاحب ایڈووکیٹ گوجرانوالہ۔

شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کپورتھلہ، مولوی فضل الدین صاحب پلیڈر۔

چودھری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء لاہور، شیخ ارشد علی صاحب پلیڈر۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا مقدمہ بھامڑی میں مبارک طرز عمل

مقدمہ بھامڑی میں حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ امیر قافلہ ہوتے تھے۔ آپ نے اس مقدمہ کے دوران عدالت سے باہر اور عدالت کے اندر جو مبارک طرزِ عمل اختیار فرمایا وہ ایک مثالی چیز ہے جس کا تذکرہ ہمیشہ سنہری حروف میں کیا جائے گا۔ بطور مثال اس جگہ تین اہم بیانات درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ حضرت مولوی عبدالرحمن صاحب فاضل (جٹ) مقدمہ بھامڑی کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اس مقدمہ کی تاریخ کے لئے ہمیں گورداسپور اور دھاریوال جانا پڑتا تھا۔ ہم صبح کی گاڑی قادیان سے چل کر بٹالہ اُتر جاتے اور پٹھانکوٹ کی گاڑی کے لئے اسٹیشن کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں آرام کرتے جو بابو محمد شریف صاحب احمدی مرحوم کے آباؤ اجداد نے بنوائی ہوئی تھی۔ اسی جگہ صبح کا ناشتہ بھی کرتے۔ اُن دنوں قادیان سے یہ گاڑی مُنہ اندھیرے ہی روانہ ہوتی تھی۔ اس لئے ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ مسجد میں حضرت میر صاحبؓ نے جو امیر قافلہ ہوتے تھے آنے والوں کی گنتی کی تو معلوم ہوا کہ چار پانچ آدمی زیادہ آئے ہیں۔ اس پر آپ نے مجھے حکم دیا کہ اسٹیشن سے اتنے ٹکٹ بٹالہ تا قادیان لائے جائیں۔ چنانچہ ٹکٹ آنے پر آپ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پھاڑ دیا اور فرمایا چونکہ یہ دوست

[1] "الفضل" ۱۱ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۵ کالم ۱۔
[2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۱۳۲۳-۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۴-۴۵ء صفحہ ۳۴۔

گاڑی میں سواری کر چکے ہیں اور محکمہ ریل نے پوچھا نہیں مگر سرکار کو اس کا حق ملنا چاہیئے !!

اسی مقدمہ کے دوران میں ایک دفعہ جبکہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی شہادت ہمارے فریق مخالف کے خلاف ہو رہی تھی تو ایک ایسی بات جس سے فریق ثانی پر حرف آتا تھا وکیل مخالف کے سوال کرنے پر حضرت میر صاحبؓ نے بتائی۔ تب فریق مخالف کے وکیل نے آپ پر جرح کی۔ کہ یہ بیان آپ نے پولیس میں کیوں نہیں دیا تھا؟ کیونکہ آپ کے پولیس کے بیانوں میں یہ نہیں ہے جواب میں آپ نے فرمایا۔ مَیں تو اب بھی عدالت میں یہ بیان دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ لیکن آپ لوگوں نے پوچھا ہے تو مجھے مجبوراً جواب دینا پڑا۔ ورنہ مَیں قطعاً بیان نہ کرتا" [۱]

۲۔ مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ گورداسپور[۲] کا بیان ہے کہ

"شہادت استغاثہ کے ختم ہونے کے بعد ہماری طرف سے شہادتِ صفائی پیش ہوئی۔ محترم خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب مرحوم ہمارے گواہ صفائی تھے۔ آپ نے اپنے بیان میں حضرت میر صاحبؓ کے متعلق فرمایا کہ آپ ایک نہایت معزز سید خاندان سے ہیں۔ عالمِ قرآن و حدیث ہیں اور بعض اَور وجاہت کے پہلو بھی بیان فرمائے۔ حضرت میر صاحبؓ اس وقت میرے پاس ہی کرسی پر بیٹھے تھے۔ باوجود ملزم ہونے کے عدالت آپ کو ہمیشہ کرسی دیتی تھی۔ جب محترم خانصاحب مرحوم یہ بیان دے رہے تھے تو حضرت میر صاحبؓ کے آنسو رواں ہو گئے۔ آپ نے رومال نکال کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور آہستہ سے نہایت رقت سے مجھے فرمانے لگے۔ مرزا صاحب! ان چیزوں سے انسان بخشا نہیں جاتا۔ مومن اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخشا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ مجھے معاف فرمائے آپ کے الفاظ تو مجھے پورے طور پر یاد نہیں۔ لیکن ان کا مفہوم وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ آپ کی آواز میں خاص درد انگیز رقت تھی اور آپ کے آنسو بہہ رہے تھے۔

اسی کیس میں جس روز آپ کا بیان ہوا۔ آپ میرے پاس ہی میرے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ مجھے اندر سے بُلا کر اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھا لیا اور بڑی رقت کے ساتھ فرمانے لگے کہ مجھ سے کوئی نادانستہ غلط بیانی تو نہیں ہو گئی۔ مَیں نے تسلی دی لیکن آپ کے آنسو بہنے لگ گئے۔ اور آپ فرماتے رہے۔ یا اللہ! اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو مجھے معاف فرمانا۔ آپ کا بیان واقعات کے

---

[۱] "الفرقان" میر محمد اسحاق نمبر ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۴۵ +
[۲] حال مقیم سرگودھا۔ امیر صوبائی جماعت ہائے احمدیہ مغربی پاکستان +

بالکل مطابق تھا۔ لیکن تقویٰ کا یہ حال تھا کہ ہر حال میں خدا سے ڈرتے " [1]

۳۔ شیخ محمد احمد صاحب مظہر کپورتھلوی[2] ایڈووکیٹ کا بیان ہے کہ

"(الف) ہم چند وکلاء مقدمہ کی پیروی کرتے تھے۔ دھاریوال یا گورداسپور میں پیشی ہوتی تھی۔ دورانِ مقدمہ میں رمضان شریف آگیا۔ میر صاحبؓ فجر کی نماز کے بعد مسجد اقصیٰ قادیان میں درس دیکر بذریعہ موٹر دھاریوال پہنچ جاتے۔ باوجود مقدمہ کی پیشی کے آپ نے درس میں ناغہ نہ ہونے دیا۔

(ب) چونکہ میر صاحبؓ کی واپسی قادیان کو ہر روز ہو جاتی تھی۔ اس لئے آپ خود روزہ رکھتے تھے۔ اور احمدی وکلاء کے لئے جو بوجہ مسافرت روزہ نہ رکھ سکتے تھے قادیان سے دوپہر کا کھانا پکوا کر اپنے ہمراہ لاتے تھے۔

(ج) فریق مخالف کے بعض اشخاص کو میر صاحبؓ بڑی مہربانی سے عدالت سے باہر اپنے پاس بٹھاتے۔ انہیں تبلیغ وتلقین کرتے اور کسی قسم کا بغض وکینہ آپ کی طبیعت میں نہ تھا۔

(د) فریق ثانی کے وکیل نے میر صاحبؓ پر جرح کی اور یہ سوال بھی کیا کہ بھاڑی والوں نے آپ کے جلسے میں مزاحمت کی اس لئے آپ کے دل میں ان کے خلاف غم وغصہ ضرور پیدا ہوا ہوگا؟ میر صاحبؓ نے برجستہ جواب دیا کہ غم وغصہ نہیں بلکہ رحم وہمدردی کے جذبات میرے دل میں آپ کے موکلوں کے لئے پیدا ہوئے۔ اس جواب سے مجسٹریٹ متبسّم اور محظوظ ہوا۔ اور وکیل فریق ثانی شرمسار۔

(ہ) مجسٹریٹ میر صاحبؓ سے با ادب پیش آتا تھا۔ لیکن خاکسار نے دیکھا کہ میر صاحبؓ جب عدالت کے کمرہ میں داخل ہوتے تو تین چار منٹ تک ملزمان کے کٹہرے میں اکیلے اور غمزدہ سے ہو کر کھڑے رہتے۔ ہم سب بھی تعظیماً کھڑے رہتے۔ حتیٰ کہ میر صاحبؓ کٹہرے سے باہر نکلتے اور پھر ہم سب کرسیوں پر بیٹھ جاتے۔ یہ ماجرا میں نے کئی بار دیکھا لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ میر صاحبؓ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آخر ایک دن میں نے میر صاحبؓ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ آپ چشم پُرآب ہو گئے۔ فرمانے لگے کہ آتمارام مجسٹریٹ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عدالت میں کھڑا رہنے پر مجبور کیا۔ اس لئے جب کبھی مجھے عدالت میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو حضرت مسیح موعود

---

[1] "الفرقان" حضرت میر محمد اسحاق نمبر ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲۶ - ۲۷۔
[2] حال امیر جماعت ہائے احمدیہ شہر و ضلع لائل پور۔

علیہ السلام کی یاد میں چند منٹ میں بھی اسی طرح کھڑا رہتا ہوں۔

میر صاحب رضؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عزیز تھے اور آپ نے حضورؑ کے دامنِ تربیت میں پرورش پائی تھی اور نہایت قریب سے حضورؑ کو دیکھا تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت میر صاحبؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کس قدر عشق و محبت اور والہیت تھی ؎

ذوقِ ایں بادہ نیابی بخدا تا نچشی!!" ؎[1]

سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور کا مخالفانہ رویہ

مقدمہ بھامڑی کے معاملہ میں پولیس نے جماعت احمدیہ کے خلاف انتہائی معاندانہ رویہ اختیار کیا اور سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور سردار وریام سنگھ صاحب نے تو خاص طور پر مخالفین احمدیت کی پُر زور حمایت کی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ

"موضع بھامڑی میں جو جھگڑا ہوا تھا اس میں ایک سکھ سپرنٹنڈنٹ پولیس سردار وریام سنگھ صاحب نے جو اُن دنوں ضلع گورداسپور میں متعین تھے ظاہر طور پر ہماری جماعت کے خلاف حصہ لیا تھا۔ ہماری جماعت کے خلاف ان کے دل میں سخت غصہ تھا۔ ایک دفعہ چوہدری فتح محمد صاحب سیال اُن سے ملے تاکہ اُن کو جماعت کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائیں تو انہوں نے کہا کہ مجھے آپ کی جماعت سے بہت شکوہ ہے کیونکہ آپ کی جماعت سکھوں کی دشمن ہے۔ بھامڑی کے کیس میں باوجود اس کے کہ جو حالات ہماری جماعت نے پیش کئے وہی صحیح تھے اور ہمارے مقابل پر جو باتیں فریقِ مخالف نے پیش کیں وہ صریحاً غلط تھیں۔ ان سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس نے فریقِ مخالف کی باتوں کو درست تسلیم کیا اور ہماری باتوں کو غلط سمجھا۔ بہرحال ہماری طبیعت پر اُن کے متعلق بُرا اثر تھا۔ اور ان کو گورداسپور سے تبدیل کرانے میں بہت کچھ حصہ ہمارا بھی تھا۔ اُن کے ایک ماتحت افسر نے خلافِ قانون کام کیا۔ سردار وریام سنگھ صاحب نے اپنے ماتحت افسر کی حمایت کی۔ ہماری جماعت نے اس معاملہ میں ان کی مخالفت کی اور افسرانِ بالا کو صحیح حالات سے آگاہ کر دیا۔ سردار وریام سنگھ صاحب یہ سمجھے کہ مجھے ذلیل کرنے کے لئے جماعت نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ جب ڈپٹی کمشنر صاحب کو صحیح حالات پہنچائے گئے تو انہوں نے اس تھانیدار کو سزا دینی چاہی۔ اس بات پر سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس

---

[1] "الفرقان" حضرت میر محمد اسحاق رضؓ نمبر ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۵۳۔

اور ڈپٹی کمشنر صاحب میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ پہلے تو حکومت کی طرف سے ڈپٹی کمشنر صاحب کو بدلنے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن جب صحیح حالات حکومت کے سامنے رکھے گئے تو اس نے سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کو تبدیل کر دیا"[1]

دشمنانِ احمدیت کی ناکامی

پولیس نے جماعت احمدیہ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنا خاص فضل فرمایا اور عدالت نے سب احمدی احباب کو بری قرار دے دیا۔ اس ضمن میں گورداسپور پولیس نے مقدمہ کے دوران چوبیس[۲۴] احمدی احباب کے خلاف ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی دفعات ۵۴، ۵۶، ۱۲۱ کے تحت ایک الگ مقدمہ بھی کھڑا کیا اور اس میں اُن تیرہ[۱۳] افراد کے علاوہ جن پر مقدمۂ بھامڑی کے دوران فردِ جرم عائد کی گئی تھی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؓ، ماسٹر فضل داد صاحب وغیرہ گیارہ[۱۱] دوسرے احمدیوں کا بھی چالان کیا گیا اور اُن کو ضمانتیں داخل عدالت کرنا پڑیں[2] مگر پولیس کو اس منصوبہ میں بھی ناکامی ہوئی اور حکومت کو شروع ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں مقدمہ واپس لینا پڑا[3]۔ اور جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو اپنے پیغام میں صریحاً خبر دی تھی کہ "احمدیت کے پوشیدہ دشمن ایک دفعہ پھر مُنہ کی کھائیں گے" معاندینِ احمدیت کو فی الواقعہ شکست فاش ہوئی اور وہ اپنے ناپاک عزائم میں ہر طرح ناکام و نامراد رہے۔

فصل سوم

سفرِ ڈلہوزی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ چونکہ اس سال (۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء میں) کئی ماہ تک صاحبِ فراش رہے اس لئے حضور نے ڈاکٹری مشورہ کے مطابق بحالیٔ صحت کے لئے ڈلہوزی میں قیام فرمایا۔ حضور ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو قادیان سے روانہ ہوئے[4] اور چار ماہ بعد ۱۸/اکتوبر ۱۹۴۳ء کو واپس تشریف لائے۔[5] اس دوران میں حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ نے امیر مقامی اور حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ

---

[1] "الفضل" ۵ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔ [2] "الفضل" ۱۹ صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳۔

[3] "الفضل" ۳ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔ [4] "الفضل" ۲۲ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

[5] الفضل ۲۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۔ اگست میں حضور جمعہ پڑھانے چند دن کیلئے دارالامان میں آئے تھے

صاحبؓ نے امام الصلوٰۃ کے فرائض انجام دیئے۔[1] قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اس سفر کا ایک گھریلو واقعہ حسب ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

"حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ چونکہ گزشتہ سال ایک لمبی بیماری سے اُٹھے تھے۔ اس لئے قیام ڈلہوزی کے آخری ایام میں حضور نے صحت کے خیال سے بعض تفریحی سیروں کا انتظام فرمایا تھا۔ ان سیروں میں سے آخری سیر کالا ٹوپ پہاڑ تک کی تھی جو ڈلہوزی سے قریباً چھ سات میل چنبہ کی جانب واقع ہے۔ اس ٹرپ میں یہ خاکسار بھی ساتھ تھا۔ مستورات کے لئے عموماً گھوڑوں کا انتظام تھا۔ اور مرد پیدل تھے۔ اور ٹرپ کا اہتمام بدستور سیدہ ام طاہر احمد کے ہاتھ میں تھا۔ چونکہ سیدہ موصوفہ نے انتظام وغیرہ کی وجہ سے سب سے آخر میں آنا تھا۔ اس لئے میں نے دیکھا کہ جب ہم اپنے گھروں سے ایک میل نکل آئے تو سیدہ مرحومہ والے گھوڑے پر اُن کی بجائے ہماری بڑی ممانی آ رہی ہیں۔ مجھے حیرانی ہوئی کہ یہ کیا بات ہے۔ اور مَیں نے اس کا ذکر حضرت امیرالمومنین سے بھی کیا۔ اس پر مَیں نے دیکھا کہ حضور کے چہرے پر کسی قدر فکر اور اس کے ساتھ ہی رنج کے آثار ظاہر ہوئے۔ فکر اس لئے کہ سیدہ ام طاہر کی غیر موجودگی میں کہیں انتظام میں کوئی دقت نہ ہو اور رنج اس لئے کہ ٹرپ کو رونق دینے والی رفیقۂ حیات پیچھے رہ گئیں۔ مگر حضور نے زبان سے صرف اس قدر فرمایا۔ کہ سارا انتظام امّ طاہر نے ہی کیا ہوا ہے اور انہیں ہی معلوم ہے کہ کونسی چیز کہاں ہے اور کونسی کہاں، کسی اَور کو تو کچھ خبر نہیں۔ مَیں نے اشارہ سمجھ کر جلدی سے ایک شخص کو آگے بھگا دیا کہ ڈاک خانہ کے چوک کے پاس جا کر کوئی گھوڑا تلاش کرو۔ اور اگر مل جائے تو فوراً لے کر چلے آؤ اور سیدہ ام طاہر کو لے آؤ۔ اور خدا کا شکر ہے کہ گھوڑا فوراً مل گیا۔ مگر ابھی یہ گھوڑا واپس جا ہی رہا تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک خادمہ کو لے کر پیدل ہی چلی آ رہی ہیں۔ حالانکہ پیدل چلنے سے انہیں سخت تکلیف ہو جایا کرتی تھی۔ اس وقت مَیں نے محسوس کیا کہ انہیں دیکھ کر گویا حضرت صاحب کا فکر اور رنج سب دُور ہو گیا اور ہم خوشی خوشی آگے روانہ ہو گئے۔ ان کے پیچھے رہنے کی یہ وجہ معلوم ہوئی کہ جب وہ گھوڑے پر چڑھ کر روانہ ہو رہی تھیں تو حضرت ام المومنین اطال اللہ ظلہا نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ شوکت (ہماری بڑی ممانی صاحبہ) نے ضرور جانا ہے۔ ان کے لئے ضرور انتظام کر دو۔ سیدہ موصوفہ جنہیں حضرت اماں جان سے انتہائی محبت اور اخلاص تھا۔ فوراً اپنے گھوڑے سے

---

[1] "الفضل" ۲۲ احسان / جون ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

اُتر آئیں اور مہمانی جان کو اپنا گھوڑا دے کر روانہ کر دیا اور آپ پیدل چل پڑیں" [1]

احمدیہ لائبریری یادگیر

حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحبؓ جماعت احمدیہ یادگیر کے روح رواں اور بہت مخیر اور بلند پایہ بزرگ تھے۔ آپ نے اپنی ذاتی کوشش سے یادگیر میں ایک شاندار احمدیہ لائبریری قائم کی اور اس کا افتتاح ۱۱ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو عمل میں آیا۔ اور مولوی محمد اسماعیل صاحب فاضل وکیل اس کے پہلے ناظم مقرر ہوئے۔[2] یہ لائبریری آجتک قائم ہے اور اس علاقہ میں جماعت احمدیہ کی ایک بہت بڑی علمی ضرورت کو پورا کر رہی ہے۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ (عرفانی الکبیر) نے "حیاتِ حسن" میں اس لائبریری کا تذکرہ مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

"سلسلہ کی اشاعت اور عوام میں مذہبی اور علمی مذاق پیدا کرنے کے لئے حضرت حسنؓ نے ۱۹ مہر ۱۳۴۳ھ کو یادگیر بازار میں احمدیہ لائبریری کو قائم کیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک شخص جو بذاتِ خود عرفی دولتِ علم سے آشنا نہیں وہ اشاعتِ علم کا کس قدر جوش اپنے دل میں رکھتا ہے اور نہ صرف جوش بلکہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ لوگوں کے معلومات میں کس طرح اضافہ کیا جا سکتا ہے اور کس طرح ان میں علمی مذاق پیدا ہو سکتا ہے۔ غرض ایک نیک مقصد کے پیش نظر یہ لائبریری قائم کی گئی۔ اور ایک فرد واحد کی طرف سے یہ پہلی لائبریری تھی۔ اس لائبریری کے قیام اور اس کے ابتدائی اخراجات تو خود حسنؓ اور اس کے خاندان کے افراد نے اپنے ذمہ لئے۔ پھر حضرت سیٹھ عبداللہ بھائی نے گرانقدر امداد دی اور اس کے جاریہ اخراجات کے لئے سالانہ اعانت مقرر کی تھی۔ وہ لائبریری جو چند کتابوں سے شروع ہوئی۔ آج اس میں چار ہزار کتابیں موجود ہیں جو تفسیر، حدیث، فقہ، سیرۃ و سوانح، تاریخ، کتب سلسلہ احمدیہ جو خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفاء سلسلہ کے علاوہ علمائے سلسلہ کی تصانیف پر مشتمل ہیں۔ اور ان کے علاوہ مذاہب مختلفہ، ہر قسم کی اخلاقی کہانیاں، اخلاقی ناول (انگریزی، اُردو) گویا ہر مذاق کے لوگوں کے لئے ایک ذخیرہ جمع کر دیا گیا۔ اور عام ملکی اور غیر ملکی اخبارات کے علاوہ سلسلہ کے اخبارات و رسائل موجود رہتے ہیں۔ ماہانہ اوسطاً ۶۰۰ افراد اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ گویا ۸ ہزار کے قریب افراد دار المطالعہ میں آتے ہیں۔ ایک ہزار روپیہ سالانہ اس پر خرچ ہوتا ہے۔ اور خرید

---

[1] "تابعین اصحاب احمد" حصہ سوم صفحہ ۳۰۰ - ۳۰۲ (مرتبہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان ناشر احمدیہ بکڈپو ربوہ پاکستان) طبع اوّل دسمبر ۱۹۶۳ء۔ [2] "الفضل" ۲۸ ظہور ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴۰۔

کتب و اخبارات ملا کر تین ہزار سالانہ خرچ ہے۔

اس لائبریری سے ہر طبقہ کے شوقین اور علم دوست لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ اس کا باقاعدہ انتظام سکرٹری بیت المال جماعت احمدیہ یادگیر کے سپرد ہے۔ مستقل ممبروں کے لئے قواعد و ضوابط ہیں۔ غرض یہ لائبریری اپنی طرز کی تعلقہ یادگیر میں ایک ہی ہے اور ہر روز ترقی کرتی جاتی ہے، کیا کتابوں کے ذخیرہ کی وجہ سے اور کیا دارالمطالعہ میں آکر استفادہ کرنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے۔

یہ حسنؓ کی ان مساعی جمیلہ میں سے ایک ہے جو اس نے اشاعت علوم اور مذہب سے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے کی ہیں۔ اس قسم کی لائبریری ہر شخص قائم نہیں کر سکتا۔ یہ حکومت کا کام ہے مگر حسنؓ جس کے دل میں ملک اور قوم کی خدمت کا بے پناہ جذبہ تھا اور جو چاہتا تھا کہ گرے ہوئے انسانوں کو اٹھائے، اُن میں علمی مذاق پیدا ہو، اُن کی معاشی حالت درست ہو اور اُن کے اندر اخلاقِ فاضلہ پیدا ہوں۔ اس نے اس ضرورت کو اپنی ذاتی ضرورتوں پر مقدم کر لیا۔ اپنی ضروریاتِ زندگی میں کفایت اور سادگی پیدا کر کے دوسروں کو جو اُٹھ نہ سکتے تھے اپنے اموال کو اُن کے اُٹھانے پر خرچ کر دیا۔ اور آج اس کے وفات پا جانے پر بھی یہ سلسلہ بدستور قائم ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک "[1]

بنگال اور اُڑلیسہ کے قحط زدگان کی امداد

اس سال بنگال میں انتہائی ہولناک قحط رُونما ہوا جس میں ہزاروں لوگ روزانہ فاقہ کشی، بیماری اور قسم قسم کے دوسرے وبائی امراض کا شکار ہو گئے۔ معصوم اور شیر خوار بچے دودھ نہ ملنے کی وجہ سے اپنی ماؤں کی گود میں سسک سسک کر مر گئے۔ خاوند تنگ آکر اپنی بیویوں اور بال بچوں کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مائیں اپنے جگر گوشوں اور بچوں کو بازاروں اور گلیوں میں آوارہ چھوڑ گئیں۔ کئی جگہ والدین نے اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں دریا برد کر کے خودکشی کر لی۔ ایسے بیسیوں رُوح فرسا نظارے دیکھنے میں آئے کہ ماں بھوک کی وجہ سے مر چکی ہے مگر اس کا شیر خوار بچہ اس کی خشک چھاتیاں چُوس رہا ہے۔[2]

ان ہوشربا ایام میں جماعت احمدیہ کلکتہ کے امیر جناب شیخ دوست محمد صاحب شمس[3] اور مبلغ کلکتہ مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی تھے۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے اور حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کے فرزند صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب بھی اُن دنوں کلکتہ میں مقیم اور ایک معزز عہدہ پر فائز تھے۔ جونہی

---

[1] "حیاتِ حسنؓ" (احمدی) مرتبہ عرفانی الکبیرؓ صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۵۷ ۔ [2] مضمون سید اعجاز احمد صاحب مبلغ سلسلہ برہمن بڑیہ (مطبوعہ "الفضل" ۲۳ ر نبوت / نومبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴) سے ماخوذ۔ [3] حال لائلپور۔

صوبہ میں قحط شروع ہوا۔ ان اصحاب نے جماعت احمدیہ کلکتہ کے دوسرے مخلص احمدیوں مثلاً میاں محمد حسین صاحب آف کیپیٹل موٹر ہاؤس، میاں محمد حسین صاحب، میاں نذر محمد صاحب، بہاء الحق صاحب، سید ہمایوں جاہ صاحب، مولوی ظفر احمد صاحب (معتمد خدام الاحمدیہ کلکتہ) کے تعاون سے قحط زدگان کو کھانا کھلانے کا کام شروع کر دیا۔[1] مگر یہ ایک مختصر اور چھوٹے پیمانہ کی کوشش تھی جس میں وسعت اس وقت ہوئی جب حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ ناظر ضیافت قادیان نے ۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو بذریعہ "الفضل" کلکتہ کے احمدی دوستوں سے خطاب" کے عنوان سے اپیل کی کہ

"میرا دل چاہتا ہے کہ عزیزم مرزا ظفر احمد صاحب سلمہ اللہ جو کلکتہ میں ایک معزز عہدہ پر فائز ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے ہیں جب دفتر سے فرصت پائیں سب آرام اور آسائش چھوڑ کر ڈبل روٹی اور دودھ کی بوتلیں لے کر گلیوں میں دیوانہ وار پھریں اور سڑک پر گرے ہوؤں کے پاس جاویں اور انہیں کہیں کہ میرے مقدس دادا کو اس کے پاک و برتر خدا نے حکم دیا تھا۔ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَ۔ یعنی اے خدا کے نبی بھوکوں اور محتاجوں کو کھانا کھلا۔ میرا دادا اب اس دنیا میں نہیں اس لئے میں تمہارے پاس اس کا قائم مقام ہو کر آیا ہوں۔ منہ کھولو میں تمہارے منہ میں دودھ ڈالوں۔ پھر دودھ پی کر بیٹھ جاؤ۔ میں تم کو کھانا کھلاؤں اور آؤ میرے ساتھ چلو میں تم کو ٹریم کار میں بٹھا کر ایسی جگہ پہنچا دوں کہ تم وہاں آرام سے زندگی بسر کر سکو۔ یہی خواہش میری کلکتہ کے دوسرے احمدی دوستوں سے ہے کہ وہ فرصت نکالیں۔ اور کھانے کی چیزیں بالخصوص دودھ ضرور لیں کیونکہ یہ بھوک اور پیاس دونوں کا علاج ہے۔ اور خالی معدہ والوں کے لئے نہایت زندگی بخش غذا ہے۔ وہ سڑکوں پر گھومیں اور غیر احمدیوں سے بڑھ کر، ہندوؤں سے بڑھ کر، سرکاری افسروں سے بڑھ کر، سیوا سمتی والوں سے بڑھ کر، غرض دنیا کے ہر کارکن سے بڑھ کر، محنت سے، مشقت سے، تکلیف سے مگر شوق اور محبت سے، بھوکوں، قحط زدہ لوگوں، سڑکوں پر مرنے والوں کو دودھ پلاویں اور کھانا کھلاویں اور پھر ان کے بہترین مستقبل کا انتظام کر دیں۔ کیونکہ دنیا کے لوگ شہرت کے لئے یا تنخواہ کے لئے یا قومی ہمدردی سے یا طبعی اور فطری رأفت کی وجہ سے یہ کام کرتے ہیں۔ مگر تم خدا ہاں زندہ خدا کے لئے یہ کام کرتے ہو۔ پس تمہارا کام دوسروں سے بڑھ کر ہونا چاہیئے"[2]

---

[1] "الفضل" ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء نیز "الفضل" ۲۱-۲۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۵۔

[2] " ۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲۔

اس اپیل پر نہ صرف کلکتہ کے احمدیوں نے اپنی امدادی سرگرمیاں تیز کر دیں بلکہ کلکتہ کے علاوہ بعض دوسرے مقامات کے احمدیوں نے بھی اُن کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور ان کے اہلبیت اور دیگر اعزہ نے ایک گرانقدر رقم بطور چندہ بھجوائی۔ علاوہ ازیں متعدد اور مخلصین نے قحط زدگان کے لئے امدادی رقوم دیں۔[1] اسی طرح خدام الاحمدیہ محمد آباد سندھ نے بھی مالی امداد کی[2] اور صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب کی خاص جدوجہد کے نتیجہ میں ۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء سے بلا تفریق مذہب و ملت روزانہ ایک سو افراد کو کھانا کھلانے کا بندوبست ہو گیا جو کئی ہفتوں تک جاری رہا۔[3]

پارک سرکس ایریا میں صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب علی الصبح عبدالسلام صاحب مہتہ، مصلح الدین صاحب سعدی، اور چودھری ظفر احمد صاحب کو ساتھ لے کر بھوکے اور شیرخوار بچوں کو تلاش کر کے ان کو دودھ تقسیم کرتے تھے۔

احمدی مستورات میں سے محترمہ بلقیس بیگم صاحبہ اہلیہ مہتہ عبدالقادر صاحب اور اہلیہ صاحبہ چودھری انور احمد صاحب کاہلوں نے خاص طور پر مصیبت زدہ مستورات اور بچوں کی دیکھ بھال کی خدمت نہایت اخلاص سے انجام دی۔[4]

بنگال کے علاوہ اڑیسہ کے بعض اضلاع میں بھی قحط نے بڑی تباہی مچائی اور بعض ساحلی خطوں میں لوگ دانہ دانہ کے محتاج ہو گئے۔ زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار ہو کر گھاس اور درختوں کے پتوں اور جڑوں پر گذارہ کر کے ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کے رہ گئے۔ اڑیسہ کے ان فلاکت زدہ لوگوں کے لئے حکومت اور عوام کی متحدہ کوششوں سے قریباً ایک درجن لنگر خانے جاری کئے گئے۔ اس کار خیر میں حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب (سکندر آباد دکن)، نواب احمد نواز جنگ بہادر (سکندر آباد)، زینب حسن صاحبہ اور سکرٹری لجنہ اماء اللہ سکندر آباد نے نمایاں حصہ لیا۔[5]

مدراس یونیورسٹی میں ظہورِ اسلام پر کامیاب لیکچر

مدراس یونیورسٹی کے ماتحت پرنسپل ملر آنجہانی کی یادگار میں عرصہ سے ہر سال کچھ لیکچر دیئے جاتے تھے۔ جن کا موضوع مقصدِ حیات اور تاریخ عالم کا کوئی معنی خیز حصہ ہوتا تھا۔ اس سال یونیورسٹی کی طرف سے پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب (گورنمنٹ کالج لاہور) کو "ظہورِ اسلام" کے موضوع پر لیکچر دینے کا موقعہ دیا گیا۔ یہ لیکچر ۲۵ - ۲۷ - ۲۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو ہوئے[6] اور بہت کامیاب رہے۔ قاضی صاحب موصوف

---

[1] "الفضل" ۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۴ -
[2] "الفضل" ۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱ -
[3] " ۱۰ " " صفحہ ۱ کالم ۴ -
[4] " ۲۶ تبوک/ستمبر " صفحہ ۲ نیز "الفضل" ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱ -
[5] "الفضل" ۱۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء ص۲ ک ۳ -
[6] "الفضل" ۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ کالم ۱ -

نے پہلے لیکچر میں صداقتِ اسلام کے دلائل بیان کئے۔ دوسرے لیکچر میں ماہرینِ علم النفس میں سے بعض کی ظہورِ اسلام سے متعلق غلط توجیہات کا رد کیا اور تیسرے لیکچر میں اقتصادی، جغرافیائی اور سیاسی توجیہات کا ردّ پیش کر کے ثابت کیا کہ اسلام ایک عالمگیر رُوحانی تحریک ہے جو بنی نوع انسان کی رُوحانی تاریخ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے جاری ہوئی اور جس کا دَورِ ثانی ہمارے موجودہ زمانہ میں شروع ہوا۔ پہلے لیکچر میں مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر لکشمن سوامی مدالیار نے صدارت کے فرائض انجام دیئے اور دوسرے اور تیسرے لیکچر کے صدر، صدر یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر مہادیون تھے۔ لیکچروں میں یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے اساتذہ طلباء اور مدراس کے اہلِ علم اصحاب نیز احمدی دوست بھی شامل ہوئے اور گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔[1]

تبلیغِ اسلام کے جہاد کی خاص تحریک اور مباحثات سے ممانعت

یکم ماہ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو عید الفطر تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے اس روز ایک نہایت ایمان افروز خطبہ ارشاد فرمایا جس میں احمدیوں کو تبلیغِ اسلام میں دیوانہ وار منہمک ہو جانے کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا۔

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاد کو دعوۃ و تبلیغ سے وابستہ قرار دیا ہے۔ یعنی صرف ممانعتِ جہاد[2] کا آپ نے اعلان نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی آپ نے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ اب اسلام کی اشاعت اور اس کی ترقی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کو تبلیغ کی جائے اور انہیں اسلام کی طرف کھینچا جائے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسی ممانعتِ جہاد والی نظم کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:-

تم میں سے جس کو دین و دیانت سے ہے پیار
اب اس کا فرض ہے کہ وہ دل کر کے استوار
لوگوں کو یہ بتائے کہ وقتِ مسیح ہے
اب جنگ اور جہاد[2] حرام اور قبیح ہے

یعنی یہ نہیں کہ مَیں تم کو صرف جنگ سے روکتا ہوں بلکہ اس کے ساتھ ہی تمہیں یہ بھی کہتا ہوں کہ اسلام کی فتح کا راستہ اور ہے اور اسی راستہ پر چلانے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھ کو بھیجا ہے۔ پس میں تمہیں یہ بتاتا ہوں کہ اب تلوار کے ذریعہ تم کامیاب نہیں ہو سکتے بلکہ اگر تم دشمنوں پر فتح حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تم اسلام کو دوسرے تمام ادیان پر غالب اور برتر کرنا

---

[1] "الفضل" ۹ / اخاء / اکتوبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱ [2] مراد جہاد بالسیف مراد ہے۔ جیسا کہ "جنگ" اور "تلوار" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ (ناقل)

چاہتے ہو تو تم میری تعلیم اور میرے لائے ہوئے براہین کو لوگوں کے سامنے پیش کرو۔ اور پھر دیکھو کہ کس طرح اسلام دنیا پر غالب آتا ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاد کی ممانعت کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں میں مایوسی پیدا نہیں کی بلکہ جہاد کے غلط راستہ پر چلنے سے روک کر تبلیغ کا راستہ ان کے سامنے کھول دیا اور اس طرح ان کے دلوں میں اسلام کی فتح اور اس کی کامیابی کے متعلق ایک غیر متزلزل یقین اور ایمان پیدا کر دیا۔ آج زمانہ کے حالات نے بھی بتا دیا ہے۔ کہ اب اسلام کے احیاء اور اس کی تبلیغ و اشاعت کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ تبلیغ سے دوسرے ادیان پر فتح پانا ہے۔ پس ہر وہ شخص جس کے دل میں دین کا درد ہے۔ جو اپنے اندر سچا ایمان اور سچا اخلاص رکھتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ مسیح آگیا ہے۔ وہ لوگوں کو یہ پیغام پہنچائے کہ اسلام کا خدا سچا خدا ہے۔ محمد رسول اللہؐ اس کے سچے رسول ہیں۔ اور قرآن اس کی سچی کتاب ہے تاکہ اگر کوئی شخص مقابلہ کرے تو وہ اسلام کے نشانات و معجزات کی تلوار سے کاٹا جائے اور فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار اس کے سر پر پڑے۔ آخر ہوائی جہاز کیوں غالب آتے ہیں اسی لئے کہ وہ اُوپر ہوتے ہیں اور لوگ نیچے ہوتے ہیں۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں۔ یَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنْ یَّدِ السُّفْلٰی۔ اُوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے ہمیشہ بہتر ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز چونکہ اُوپر ہوتے ہیں اور لوگ نیچے ہوتے ہیں اس لئے وہ بمباری کر کے لوگوں کو تباہ کر دیتے ہیں لیکن خداوند تعالیٰ کے فرشتے تو ہوائی جہازوں سے بھی اُوپر ہوتے ہیں۔ پس جب کوئی خدا تعالیٰ کے دین کا مقابلہ کرتا ہے تو آسمان کی بلندیوں سے اس پر گولے برسائے جاتے ہیں اور کسی شخص کی طاقت میں نہیں ہوتا کہ ان کا مقابلہ کر سکے کیونکہ ہوائی جہاز بھی نیچے رہ جاتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی نیچے رہ جاتے ہیں مگر فرشتے اُوپر سے ان پر گولے برساتے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے موجودہ زمانہ کے حالات کے ذریعہ ہمیں بتا دیا ہے کہ اسلحہ کے ذریعہ دشمنوں کا کبھی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ . . . . دجالی طاقتوں کے کچلنے اور اسلام کو غالب کرنے کا ایک یہی ذریعہ ہے کہ ہر شخص تبلیغ میں منہمک ہو جائے اور لوگوں تک خدا تعالیٰ کی وہ آواز پہنچائے جو اس کے کانوں میں پڑی اور جسے قبول کرنے کی اُسے سعادت حاصل ہوئی۔ یہ ایسا

ذریعہ ہے کہ انسان بعض دفعہ یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ تلوار دوسرے کی بجائے وہ خود اپنے اُوپر چلا رہا ہے۔ وہ تبلیغ کرتا ہے اور مہینوں نہیں سالوں تبلیغ کرتا چلا جاتا ہے مگر اس کا اثر کوئی نہیں دیکھتا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ تلوار بے حقیقت ہے یا تبلیغ اپنے اندر کوئی اثر نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی نظارہ نظر آتا ہے کہ ایک مدت کے بعد جب تبلیغ کا اثر ہونے لگتا ہے تو لوگ یوں جوق در جوق حق کو قبول کرنے لگ جاتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دریا نے بڑی تیزی سے کناروں کو گرانا شروع کر دیا ہے۔ غلطی یہ ہے کہ صحیح طور پر تبلیغ نہیں کی جاتی اور استقلال سے تبلیغ نہیں کی جاتی۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ سال تبلیغ کی مگر مکہ میں صرف اسّی آدمیوں نے آپ کو قبول کیا۔ اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے گئے تو پانچویں سال کے آخر میں ہی قوموں کی قومیں، علاقوں کے علاقے اور قبیلوں کے قبیلے اسلام میں داخل ہونے لگ گئے اور وہ آپ کے پاؤں پر عقیدت کے پھول نچھاور کرنے لگے۔ غرض اس جنگ[1] نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اس زمانہ میں جہاد کا رستہ بند ہے تو تبلیغ کا رستہ پہلے سے زیادہ کھُلا ہوا ہے۔ مَیں نے جو کہا ہے کہ اس زمانہ میں تبلیغ کا رستہ پہلے سے زیادہ کھلا ہوا ہے تو اس کی میرے پاس دلیل بھی موجود ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ کہ آخری زمانہ میں جنّت قریب کر دی جائے گی جس کے معنی یہ ہیں کہ تبلیغ کا راستہ پہلے کی نسبت زیادہ کھُل جائے گا کیونکہ جنّت تبھی قریب ہو سکتی ہے جب بغیر کسی خاص مشقت کے جنّت میں داخل ہونے کے سامان میسّر آجائیں۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں ایسے ہی حالات پیدا ہو چکے ہیں کہ اب لوگوں کے دل خود بخود موجودہ دینوں سے متنفر ہو رہے ہیں جس طرح یورپین لوگوں کے دل ایشیائیوں کی حقارت سے پُر ہیں اسی طرح اُن کے دل اپنے مذہب کی تحقیر سے بھی لبریز ہیں۔ پس اگر ایک طرف وہ ہمارا مٹی کا گھر توڑنے کی فکر میں ہیں تو دوسری طرف وہ اپنے رُوحانی گھر کو بھی توڑ رہے ہیں۔ پس یہ کیسا ہی اچھا موقعہ ہے کہ جب وہ ہمارے مٹی کے گھر کو توڑ رہے ہوں ہم انہیں تبلیغ کے ذریعہ اپنے رُوحانی گھر میں لے آئیں۔ اس کے بعد خانہ واحد کا معاملہ ہو جائے گا اور ہمارا نقصان ان کا نقصان اور ہمارا فائدہ اُن کا فائدہ ہو جائے گا۔ غرض یہ ایک ایسی آنکھیں کھولنے والی بات ہے کہ اگر اس کو دیکھتے ہوئے بھی کسی شخص کے دل میں تبلیغ کے متعلق

[1] یعنی جہاد بالسیف (ناقل)

بیداری پیدا نہ ہو اور وہ یہ عہدِ صمیم کر کے نہ اُٹھے کہ مَیں اردگرد کے رہنے والوں کو اور اپنے ہمسائیوں کو اور جہاں جہاں مَیں پہنچ سکتا ہوں وہاں تک رہنے والوں کو اسلام کی تبلیغ کروں گا تو اس سے زیادہ بدقسمت انسان اَور کوئی نہیں ہو سکتا۔

آج اسلام کی ترقی کے لئے چاروں طرف تلوار کا راستہ بند ہے اور مسدود ہو چکا ہے۔ اسلام کی ترقی کے لئے بندوق کا راستہ بند اور مسدود ہو چکا ہے۔ اسلام کی ترقی کے لئے توپ کا راستہ بند اور مسدود ہو چکا ہے۔ اسلام کی ترقی کے لئے جہازوں اور ہوائی جہازوں کا راستہ بند اور مسدود ہو چکا ہے۔ ایک ایک قلعہ جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے صحابہؓ نے اپنے خون کو بہا کر قائم کیا تھا آج مسمار ہوتا نظر آ رہا ہے اور تلواروں ، بندوقوں ، توپوں اور ہوائی جہازوں سے اُن قلعوں کو محفوظ رکھنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ لیکن اسی دُنیا کے پردے پر ایک احمدیہ جماعت ایسی ہے جو اپنے دل میں یقین اور ایمان رکھتی ہے کہ توپوں کے ذریعہ سے نہیں، تلواروں کے ذریعہ سے نہیں ، بندوقوں کے ذریعہ سے نہیں، ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے نہیں بلکہ تبلیغ اور تعلیم اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے پھر دوبارہ ان گرتے ہوئے قلعوں کی تعمیر کی جائے گی۔ پھر دوبارہ اسلام کے احیاء کی کوشش کی جائے گی۔ پھر دوبارہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کو کسی چوٹی پر نہیں ، کسی پہاڑ پر نہیں، کسی قلعہ پر نہیں بلکہ دُنیا کے قلوب پر گاڑا جائے گا۔ اور اس میں کیا شبہ ہے کہ دلوں پر گاڑا ہوا جھنڈا اُس جھنڈے سے بہت زیادہ بلند اور بہت زیادہ مضبوط اور بہت زیادہ پائیدار ہوتا ہے ، جسے کسی پہاڑ کی چوٹی یا قلعہ پر گاڑ دیا جائے۔

پس آج اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ تبلیغ میں لگ جائے۔ اور غیر احمدیوں کو بھی تلقین کرے کہ وہ دوسرے مذاہب والوں کو تبلیغ کیا کریں۔ کیونکہ گو ہمارے احمدیت اور عام مسلمانوں کے عقائد میں بہت بڑا فرق ہے۔ مگر پھر بھی مشترکہ مسائل ایسے ہیں جن میں ہمارا اور اُن کا یکساں عقیدہ ہے۔ پس اگر غیر احمدی بھی تبلیغ کرنے لگ جائیں اور وہ غیر مذاہب والوں کو داخلِ اسلام کریں تو گو وہ حقیقی اسلام سے پھر بھی دُور ہوں گے مگر ہمارے نقطہ نگاہ سے وہ پہلے کی نسبت اسلام سے بہت زیادہ قریب ہو جائیں گے۔ آخر ہر جگہ ہم ہندوؤں میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ ہر جگہ ہم سکھوں میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ ہر جگہ ہم جینیوں میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ ہر جگہ ہم

زرتشتیوں میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ ہر جگہ ہم بدھوں میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ بلکہ سینکڑوں ایسے مقامات ہیں جہاں ایک بھی احمدی نہیں۔ پس اگر ہم ہی تبلیغ کریں تو ایک وسیع میدان تبلیغ سے خالی پڑا رہیگا لیکن اگر ہم ہر غیر احمدی کو سمجھانے کی کوشش کریں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جہاد سے منع کیا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاؤ۔ اور اسلام کی ترقی کے لئے کوئی کوشش نہ کرو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو بجائے تلوار کے ذریعہ پھیلانے کے دلائل و براہین اور تبلیغ کے ذریعہ پھیلاؤ۔ اور اس لحاظ سے اب تمہارا بھی فرض ہے کہ تم یہی ہتھیار لے کر گھر سے نکلو اور ہر غیر مسلم کو تبلیغ کے ذریعہ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کرو۔ تو اس کے بعد جو لوگ ان غیر احمدیوں کے ذریعہ اسلام میں داخل ہوں گے۔ . . . . وہ حقیقی اسلام کے پہلے کی نسبت بہت زیادہ قریب ہو جائیں گے۔ پس صرف خود ہی تبلیغ نہ کرو بلکہ ہر غیر احمدی کو جو تمہیں ملتا ہے، سمجھاؤ اور اُسے بتاؤ کہ آج اسلام کی ترقی کا صرف یہی ایک حربہ رہ گیا ہے اس کے سوا اور کوئی ذریعہ اسلام کی ترقی کا نہیں۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم میں سے جسے دین سے پیار ہے جسے دیانت سے پیار ہے جس کے اندر نُورِ ایمان اور نُورِ اخلاص پایا جاتا ہے اب اُس کا فرض ہے کہ وہ اپنے دل کو استوار کر کے

ع
لوگوں کو یہ بتائے کہ وقت مسیح ہے
اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے

اب اس کا یہی فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو تبلیغ کے لئے وقف کر دے اور لوگوں کو بتائے کہ یہ وقت مسیح ہے۔ جنگ وجدل کا زمانہ گذر گیا۔ اب تلوار کا زمانہ نہیں بلکہ تبلیغ کا زمانہ ہے پس ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ دن کو بھی تبلیغ کرے اور رات کو بھی تبلیغ کرے۔ صبح کو بھی تبلیغ کرے اور شام کو بھی تبلیغ کرے۔ اور جب عملی رنگ میں تبلیغ نہ کر رہا ہو تو دماغی رنگ میں تبلیغ کے ذرائع پر غور کرتا رہے۔ گویا اس کا کوئی وقت تبلیغ سے فارغ نہ ہو اور وہ رات اور دن اسی کام میں مصروف رہے" [1]

---

[1] "الفضل" قادیان ۱۲ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۶ - ۷ بحوالہ کتاب یعنی جہاد بالسیف دنا قل

اس ارشاد کے ساتھ ہی حضور نے بحث و مباحثہ کو پوری قوت سے کچل ڈالنے کی بھی ہدایت کی چنانچہ فرمایا:-

"یاد رکھو۔ تبلیغ وہی ہے جو حقیقی معنوں میں تبلیغ ہو۔ بحث مباحثہ کا نام تبلیغ نہیں۔ مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جس طرح تم اس سانپ کے مارنے کی فکر میں لگ جاتے ہو۔ جو تمہارے گھر میں نکلے۔ اسی طرح اگر تمہارے دلوں میں نورِ ایمان پایا جاتا ہے تو تم بحث مباحثہ کو اسی طرح کچل دو جس طرح سانپ کا سر کچلا جاتا ہے۔ جب تک تم میں بحث و مباحثہ رہے گا۔ اس وقت تک تمہاری تبلیغ بالکل محدود رہے گی اور تمہارا مشن ناکام رہے گا۔ اگر تم اپنی تبلیغ کو وسیع کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم اپنے مشن میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو تم بحث مباحثہ کو ترک کر دو۔ جس دن تبلیغ کے لئے صحیح معنوں میں نکلو گے اور اپنے دلوں میں لوگوں کے لئے درد اور سوز بھر کر اُن تک پہنچو گے وہی دن تمہاری کامیابی کا دن ہوگا اور اسی دن تم صحیح معنوں میں تبلیغ کرنے والے قرار پا سکو گے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تمہارے سامنے خدا تعالیٰ نے جو راستہ کھولا ہے اس پر چل پڑو اور اپنے دائیں بائیں مت دیکھو کہ مومن جب ایک صحیح راستہ پر چل پڑتا ہے تو اپنے ایمان اور اخلاص کے لحاظ سے وہ کسی اَور طرف دیکھنے سے اندھا ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میرا کام یہی ہے کہ مَیں اس راستہ پر چلتا چلا جاؤں اور درمیان میں آنے والی کسی روک کی پرواہ نہ کروں۔ وہ بہادر اور نڈر ہو کر سچائی دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اور بحث مباحثہ کو ترک کر دیتا ہے

میرے پاس ایک دفعہ ایک انگریز آیا اور مجھے کہنے لگا۔ آپ کس طرح کہتے ہیں کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ مَیں نے اُسے اسلام کی سچائی کے متعلق کئی دلائل بتائے۔ مگر ہر دلیل جب مَیں پیش کرتا وہ اس کے مقابلہ میں انجیل کی کوئی آیت پڑھ دیتا اور کہتا۔ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ انجیل میں تو یہ لکھا ہے۔ مَیں نے اُسے کئی دلائل دیئے۔ مگر جب بھی کوئی دلیل دوں وہ ایسے رحم کے ساتھ کہ گویا مَیں پاگل ہو گیا ہوں، میری طرف دیکھتا تھا اور کہتا تھا۔ آپ کو یہ غلطی لگی ہے انجیل میں تو یہ لکھا ہے۔ مَیں نے اس وقت اپنے دل میں کہا کہ گو یہ ایک غلط راستہ پر ہی ہے مگر اپنے غلط مذہب سے ایسا اخلاص رکھتا ہے جو قابلِ رشک ہے۔ اگر وہ عیسائی ایک منسوخ اور غلط کتاب پر اتنا یقین رکھتا تھا کہ اس کے مقابلہ میں وہ کسی دلیل کو سُننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ تو کیا ہم سچی کتاب اپنے پاس رکھتے ہوئے یہ پسند کر سکتے ہیں کہ ہم عقلی بحثوں میں پڑے رہیں اور اس

کے دلائل لوگوں کے سامنے پیش نہ کریں۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں سے بعض کی یہ حالت ہے کہ وہ سچی کتاب اپنے پاس رکھتے ہوئے عقلی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں۔ اور درد اور سوز کے ساتھ تبلیغ کرنے سے کتراتے ہیں۔ حالانکہ سچا دعویٰ خود اپنی ذات میں ایسا زبردست اثر رکھنے والا ہوتا ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی دلیل نہ ہو تو اس کا صرف تکرار ہی لوگوں پر اثر ڈالنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ تم اگر توحید کے دلائل پیش نہ کرو اور صرف اتنا ہی کہنا شروع کر دو کہ خدا ایک ہے۔ اس کی نافرمانی کرنا اور اس کے مقابلہ میں بُتوں کو کھڑا کرنا اچھی بات نہیں۔ تو گو اس دعویٰ کے ساتھ کوئی دلیل نہ ہو۔ چونکہ یہ ایک صداقت ہے اور صداقت خود اپنی ذات میں ایک شہادت رکھتی ہے۔ اس لئے یہی بات دل پر اثر کر جائے گی اور دوسرا شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔

پس بحث مباحثہ کو ترک کر دو کہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ بحث مباحثہ میں انسان کبھی مذاق کر بیٹھتا ہے۔ کبھی چبھتا ہوا کوئی فقرہ کہہ دیتا ہے۔ کبھی کسی بات پر اعتراض کر دیتا ہے۔ اور اس طرح بحث مباحثہ بجائے ہدایت دینے کے دوسرے کے دل کو اَور بھی زیادہ سخت کر دیتا ہے اور تمہارا اپنا ایمان بھی اس کے نتیجہ میں کمزور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب تم مذاق کرتے ہو یا کوئی چُبھتا ہوا فقرہ کہہ دیتے ہو تو تمہارے اپنے دل پر بھی زنگ لگ جاتا ہے اور تمہارا ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔ جب تک تم یہ تبدیلی اپنے اندر نہیں کرتے۔ اس وقت تک تم تبلیغ کے کبھی صحیح نتائج نہیں دیکھ سکتے۔ پس بحث مباحثہ کا سر کچلو اور تبلیغ کی تلوار لے کر کھڑے ہو جاؤ"[1]

حضرت امیر المومنینؓ کی خفگی ایک غیر اسلامی حرکت پر اور مجلس خدام الاحمدیہ کا ریزولیوشن

۲۴/اخاء/اکتوبر کو مجلس خدام الاحمدیہ کے پانچویں مرکزی سالانہ اجتماع کا تیسرا دن تھا۔ اس روز حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ مقام اجتماع (دارالشکر کے شمالی میدان) میں بارہ بج کر پانچ منٹ پر تشریف لائے۔ اور کبڈی کا فائنل میچ شروع ہوا۔ میچ کے دوران میں بعض ناتربیت یافتہ خدام اور اطفال نے تالیاں بجائیں۔ جس پر حضور نے میچ بند کرا دیا اور فرمایا۔ چونکہ اسلامی تعلیم کے خلاف عمل کیا گیا ہے اس لئے جلسہ برخواست کیا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر حضور اسی وقت واپس تشریف لے گئے۔ اور ساڑھے چار بجے

[1] "الفضل" قادیان ۱۲/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۸ کالم ۱-۲

پیغام بھیجا کہ خدام قصرِ خلافت میں آجائیں تو مَیں ملاقات کروں گا۔ پانچ بجے خدام تنظیم کے ساتھ قصرِ خلافت میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور نے شرفِ مصافحہ بخشا۔ خدام پھر اپنے کیمپ میں لوٹے اور آٹھ بجے کے قریب اجتماع کی بقیہ کارروائی اختتام پذیر ہوئی۔[۱]

چونکہ یہ نازیبا اور غیر اسلامی حرکت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی شدید خفگی کا موجب تھی اور اس کی اوّلین ذمہ داری مجلس عاملہ مرکزیہ اور قائدین و زعماء مجلس پر عائد ہوتی تھی۔ اس لئے مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے فوراً ایک اجلاس خصوصی منعقد کیا جس میں حسب ذیل قرارداد پاس کی :-

"ہم میں سے بعض ناتربیت یافتہ خدام و اطفال کی طرف سے ایک آداب اسلامی کے خلاف سرزد ہونے والی حرکت کے باعث سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز ہم سے ناراض ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے تاریخی حالات سے ثابت ہے کہ جب بعض اوقات حضورؐ کے بعض صحابہ کرامؓ کی طرف سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہو گئی جس کا نتیجہ حضور علیہ السلام کی ناراضگی ہوا تو اُن اصحاب رسولؐ نے اس لغزش کی پاداش میں اپنے پر کوئی سزا وارد کرلی۔ جو سزا اُن کی توبہ اور اصلاح کا موجب ہوئی۔ صحابہ کرامؓ کا اُسوۂ حسنہ ہم نوجوانانِ احمدیت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ چنانچہ اس اُسوہ کی روشنی میں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ چونکہ اس کی اوّلین ذمہ داری مجلس عاملہ مرکزیہ اور قائدین و زعماء پر ہے۔ اس لئے وہ سب پانچ روزے رکھیں۔ روزہ ہر اتوار کے روز رکھا جائے۔ دیگر اراکین تین روزے رکھیں اور اس حرکت کے قصوروار خدام کے لئے یہ اضافہ ہے کہ علاوہ تین روزوں کے وہ پہلے روزہ میں اعتکاف بیٹھیں اور ہفتہ کی مغرب (۳۰ اخاء) سے اتوار کی مغرب تک وقت مسجد میں گزاریں۔ روزوں میں سب خدام خدا تعالیٰ کے حضور پوری توجہ اور الحاح کے ساتھ استغفار کریں۔ یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ اس ریزولیشن کی تعمیل ہر مقام کی ہر مجلس کے ہر خادم کے لئے لازمی اور ضروری ہے اور جملہ قائدین، زعماء اور قصوروار خدام انفرادی طور پر تعمیل کے بعد دفتر مرکزیہ کو رپورٹ کریں۔

قرار پایا کہ اس قرارداد کی نقول حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز، صدر مجلس انصار اللہ اور "الفضل" کو بھجوائی جائیں"۔[۲]

---

[۱] "الفضل" ۲۶ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ ؛ [۲] "الفضل" ۲۹ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ ۔

فصل چہارم

حضرت امیر المومنین رضؓ کی ایک اہم نصیحت

کچھ عرصہ (خصوصاً ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے آغاز) سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کی صحت بےحد دماغی کام کرنے اور دوسری علمی مصروفیات میں دن رات منہمک رہنے کی وجہ سے گرتی جا رہی تھی اور حالت یہ ہو گئی تھی کہ مہینہ میں ایک دن ایسا آتا تھا جس میں حضور اپنے تئیں تندرست کہہ سکتے تھے اور پندرہ بیس دن ایسے ہوتے تھے کہ جو نیم بیماری اور نیم تندرستی کے دن کہلا سکتے تھے۔ اور یہ علالت دراصل تفسیر کبیر جلد سوم کے زمانہ کی محنت شاقہ کا طبعی ردّعمل تھی۔ جیسا کہ حضور نے ۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے خطبہ جمعہ میں خود بتایا کہ

"تفسیر کبیر کا جو کام ۱۹۴۰ء میں میں نے کیا اور جس میں راتوں کو بعض اوقات تین تین چار چار بجے تک کام کرنا پڑتا۔ اُس میں روزانہ ۱۷-۱۸ گھنٹے کام کرنے کا عمل میری جد و جہد والی زندگی کا آخری دور ثابت ہوا۔ اور اس کے بعد قویٰ مضمحل ہو گئے۔" ؂۱

پہلے نقرس کا عارضہ تھا۔ پھر ایگزیما، کھانسی اور نزلہ کے عوارض بھی لاحق ہو گئے۔ عمر مبارک بھی چوّن سال تک پہنچ گئی۔ مگر احمدی دوستوں خصوصاً قادیان کے احباب کو ابھی تک یہ احساس نہ ہو سکا کہ اعلاناتِ نکاح اور ولیمہ کی دعوتوں میں حضور کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ آخر بادلِ ناخواستہ حضور کو خود ہی اعلان کرنا پڑا۔ کہ میں ایک سال تک نہ کوئی نکاح پڑھاؤں گا اور نہ کسی دعوت میں شریک ہوں گا۔ مگر بعض دوستوں کی طرف سے کہا جانے لگا کہ ہم استثناء کے طور پر اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔ اور اعلان کے بعد استثنیٰ کے طور پر بیس پچیس نکاح پڑھانے اور دس پندرہ دعوتوں میں شریک ہونے کی درخواستیں آ گئیں۔ اور اس طرح بعض دوستوں نے بیماری میں بھی اپنے آقا پر زائد بوجھ ڈالنے سے گریز نہیں کیا۔ ؂۲

ان حالات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ پوری جماعت کے سامنے صورت حال رکھ دیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر حضور نے ۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو ایک خاص اور اہم خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ جس میں اپنی خرابی صحت کی کیفیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ

؂۱ "الفضل" ۱۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ ؂۲ ایضاً ایضاً صفحہ ۲-۳ (خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض)

"تم سے بہت زیادہ مخلص رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں گذرے ہیں اور مجھ سے بے انتہا شان کا زیادہ آدمی اُن میں موجود تھا۔ مگر اُن کے اخلاص کا یہ رنگ نہ تھا اور نہ وہ لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس قربانی کا مطالبہ کرتے تھے جس کا مجھ سے کیا جاتا ہے۔ مَیں اسے اخلاص نہیں بلکہ عدم علم اور دین کی ناواقفیت سمجھتا ہوں۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑھے ہوئے نکاح بہت ہی محدود ہیں۔ مگر اب مَیں دیکھتا ہوں کہ ذہنیت یہ ہو رہی ہے کہ اسلام زندہ رہے یا مرے، اسلامی علوم پہ کتابیں لکھی جاسکیں یا نہ لکھی جاسکیں مگر یہ ضروری ہے کہ ہمارا نکاح خلیفہ پڑھے . . . . خواہ کتنا ضروری کام کیوں نہ ہو، خلیفہ کی صحت اجازت دے یا نہ دے، خرابیٔ صحت کی وجہ سے اس کی عمر ۱۰ سال کم ہوتی ہے تو ہو جائے مگر یہ ضروری ہے کہ اُسے ولیمہ کی دعوت میں آنا چاہیئے۔ ایک وقت تک مَیں نے اس بات کو برداشت بھی کیا جبکہ میرا ایسا کرنا اسلام کی خدمت کے راستہ میں روک نہ بن سکتا تھا۔ مگر اب میری صحت ایسی نہیں رہی کہ سوائے اس کام کے جو خدمتِ اسلام کا میرے ذمّہ ہے یا کسی ایسے کام کے جو صحت کو درست کرنے والا ہو کوئی اَور کام کر سکوں۔ اگر مَیں ایسا کروں تو اس کے معنٰی یہ ہونگے کہ مَیں اس کے لئے اسلام کے کام کو قربان کروں اور اس کے لئے مَیں تیار نہیں ہوں۔ مجھ سے جب بھی صحت کے متعلق کوئی سوال کرتا ہے تو . . . . تین جواب ہی مَیں دے سکتا ہوں۔ یا کہوں گا اچھا ہوں یا بیمار ہوں اور یا یہ کہ نیم بیمار اور نیم تندرست ہوں۔ مگر جب مَیں کہتا ہوں کہ اچھا ہوں تو اس کے معنے یہی ہوتے ہیں جیسے چراغِ سحری ٹمٹماتا ہے۔ اگر ایک دن بیچ میں حالت اچھی ہو جاتی ہے تو اس کے معنٰی یہ نہیں کہ مَیں تندرست ہو گیا ہوں۔ مُردہ بھی تو مرنے سے پہلے سانس لے لیتا ہے اور تجربہ بتاتا ہے کہ اگر ایک دن طبیعت اچھی رہتی ہے تو دوسرے دن پھر خراب ہو جاتی ہے۔ مومن کا کام ہے کہ ایک دن کے لئے بھی تکلیف میں کمی ہو۔ تو کہے الحمد للہ اچھا ہوں۔ مگر حالت یہ ہے کہ ایک دوست آتے ہیں۔ پوچھتے ہیں۔ کیا حال ہے۔ مَیں کہہ دیتا ہوں الحمد للہ اچھا ہوں۔ تو وہ جھٹ کہہ دیں گے اچھا پھر شام کو دعوت ہمارے ہاں ہے۔ یا اگر میری حالت کچھ اچھی ہے تو مَیں کہتا ہوں۔ الحمد للہ پہلے سے اچھا ہوں۔ تو وہ کہیں گے۔ اللہ تعالےٰ فضل کرے گا کل تک بالکل صحت ہو جائے گی اور کل دوپہر ہمارے ہاں آپ دعوت قبول فرمائیں۔

ایک حصہ دوستوں کا بے شک ایسا ہے کہ اگر مَیں بیمار ہوں اور کہوں کہ بیمار ہوں تو افسردگی کا اظہار کر کے خاموش ہو جاتا ہے۔ مگر ایک حصہ تو ایسا ہے کہ جب مَیں کہوں، مَیں بیمار ہوں تو کہتے ہیں کہ کوئی ہرج نہیں ہم سواری کا انتظام کر کے لے چلیں گے اور آپ کو ہرگز کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ گویا وہ اپنی دعوت کو نماز سے بھی زیادہ ضروری سمجھتے ہیں۔ مَیں بعض اوقات کہتا ہوں کہ نماز تو مجھے ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے مسجد میں جا کر ادا کرنا معاف کر دیا ہے مگر آپ کی دعوت معاف نہیں ہو سکتی"[1]

یہ تمام تفصیلات بیان کرنے کے بعد فرمایا:۔

"پس مَیں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ ابھی اسلام کے بہت سے کام کرنے والے ہیں . . . . حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت سے صحابہ فوت ہو چکے ہیں۔ اب بہت تھوڑے باقی ہیں۔ اور اُن میں سے بھی وہ جن کو حضور علیہ السلام کی صحبت نصیب ہوئی اور جن کو حضور علیہ السلام کی دُعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم، حدیث اور اسلامی علوم عطا کئے وہ تو اب بہت ہی تھوڑے ہیں۔ مخالفین نے اسلام کے ہر پہلو پر اور نئے نئے رنگ میں اعتراضات کئے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ اسلام کے تمام پہلوؤں پر نئے سرے سے روشنی ڈالی جائے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ پھر وہی گمراہی دنیا میں نہ پھیل جائے جسے دُور کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دُنیا میں تشریف لائے۔ پس ان کاموں سے جو دوست مجھ سے ہی کروانا ضروری سمجھتے ہیں، بہت بڑا کام باقی ہے اور شاید اس کام کا ابھی چوتھا حصہ بھی مکمل نہیں ہوا۔ اور ضرورت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کریں کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم میں سے جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحبت یافتہ ہیں اور جنہوں نے حضور کی دُعاؤں سے حصۂ وافر پایا ہے یا جن پر آپ کا علم بذریعہ الہام اللہ تعالےٰ نے نازل کیا ہے، اُن کی موجودگی میں یہ کام مکمل کر سکیں تا آئندہ صدیاں اسلام سے قریب تر ہوں، دُور تر نہ ہوں۔ یہ اس کام کے کرنے کا زمانہ ہے۔ مگر موجودہ حالت یہ ہے کہ مَیں اِس سال کا اکثر حصہ بیمار رہا ہوں اور کوئی کام نہیں کر سکا۔ لیٹے لیٹے ڈاک دیکھ لی یا بعض خطوط کے جواب نوٹ کرا دیئے تو یہ کوئی کام نہیں ہے۔ اصل کام اسلام کی اس روشنی میں توضیح و تشریح

---

[1] "الفضل" ۱۴ر نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ +

ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ نازل فرمائی اور یہ مَیں اس سال خطبات میں بھی بیان نہیں کر سکا۔

سال میں چھ ماہ مَیں بیمار رہا ہوں اور چھ ماہ نیم بیمار۔ گویا آدھا وقت تو یُوں ضائع ہو گیا۔ اور اب تو صحت بھی ایسی ہوتی ہے کہ پورا کام نہیں ہو سکتا۔ پہلے جہاں ۱۷ - ۱۸ گھنٹے کام کر لیتا تھا۔ اب چھ سات گھنٹے بھی نہیں کر سکتا۔ اور اس طرح سال کے تین ماہ ہی رہ جاتے ہیں۔ اور وہ بھی نیم بیمار کے۔ اور اس قلیل وقت میں سے بھی اگر اَور ضائع ہو۔ تو کام کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اچھی طرح یاد رکھو کہ اسلام پر ایسا دَور آنے والا ہے جب اسلام کفر سے آخری ٹکر لے گا۔ اور یہ زمانہ ان سامانوں کے جمع کرنے کا ہے جن سے عیسائیت اور دوسرے مذاہب کو پاش پاش کر دیا جائے۔ اگر یہ سامان جمع نہ ہوئے تو لڑائی کا یہ پہلو نمایاں طور پر کمزور رہ جائیگا۔ گو اللہ تعالیٰ معجزانہ فتح دے دے تو اَور بات ہے۔ پس اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ جس جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی جتنی جتنی سمجھ دی ہے۔ اس کے مطابق اسلامی علوم کو محفوظ کر دیا جائے۔ ورنہ جو جو لغویات اسلام کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ ان سے بہت زیادہ گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہے اور آنے والی نسلیں اس صداقت سے محروم رہ جائیں گی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظاہر کی ہے۔ پس میں پھر ایک دفعہ احباب جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ اب یہ حالت ہے کہ میرا نصف سے زیادہ وقت بیماری میں ضائع ہو جاتا ہے اور جو نصف وقت رہتا ہے اس میں کمزوری کی وجہ سے زیادہ کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے دوستوں کو چاہیئے کہ ان باتوں میں عقل و خرد سے کام لیں اور اسلام سے محبت کا ثبوت دیں اور میرے وقت کو خواہ مخواہ ضائع ہونے سے بچائیں۔ ورنہ یہ مت سمجھیں کہ یہ باتیں برکت دینے والی ہیں۔ ایسی باتیں برکت دینے والی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو جایا کرتی ہیں۔ یہ میرے ساتھ محبت کا اظہار نہیں بلکہ تکلیف دینے والی باتیں ہیں" [1]

حضرت امیر المومنین کیطرف سے سلسلہ احمدیہ کی تاریخ محفوظ کرنے والے تین بزرگوں کو خراج تحسین

سلسلہ احمدیہ کے پہلے مؤرخ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے گو اخبار "الحکم" اور متعدد تالیفات کے ذریعہ سے تاریخ احمدیت محفوظ کرنے کا عظیم کارنامہ انجام دیا تو

[1] "الفضل" قادیان ۱۴ نبوت / نومبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ ۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کو اخبار "بدر" کے مدیر کی حیثیت سے اس عہد مقدس کے حالات محفوظ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحبؓ نے دسمبر ۱۹۳۶ء میں "ذکرِ حبیب" کے نام سے ۴۴۰ صفحات پر مشتمل ایک نہایت ایمان افروز کتاب شائع فرمائی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک زمانہ کے اہم واقعات درج کئے جو سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کا ذکر ہے کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کی خدمت میں یہ اطلاع پہنچی کہ کسی نوجوان سے ایک مجلس میں یہ سوال کیا گیا کہ کتاب "ذکرِ حبیب" کے بارہ میں اُن کی کیا رائے ہے، اور حضرت مفتی صاحبؓ کو ایک مؤرخ کی حیثیت سے وہ کیا سمجھتا ہے؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ میں حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو ایک مؤرخ کی حیثیت سے سند نہیں مانتا۔ اُن کا حافظہ اس قسم کا نہیں کہ کسی کے سوانح لکھنے کے وہ قابل ہوں۔[۵]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے ۱۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو ایک مفصل خطبہ جمعہ میں اس حرکت پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ اور حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی رضؓ کو اس عظیم خدمت پر خراجِ تحسین ادا کیا کہ انہوں نے سلسلہ احمدیہ کی تاریخ محفوظ کرکے جماعت احمدیہ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"اِس وقت صرف چند لوگ ایسے ہیں جن کے ذریعہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی باتیں مل سکتی ہیں۔ مفتی صاحبؓ ہیں، شیخ یعقوب علی صاحبؓ ہیں۔ بڑے بڑے تو یہی ہیں۔ جو ایڈیٹر بھی تھے اور جن کو کثرت سے آپ کی باتیں سُننے کا موقعہ ملا۔ تیسرے پیر سراج الحق صاحب مرحومؓ تھے۔ ان کو بھی خوب باتیں یاد تھیں۔ مفتی صاحبؓ اور شیخ یعقوب علی صاحبؓ بدر اور الحکم کے ایڈیٹر تھے۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُن پر بعض دفعہ ناراضگی کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ تو ہمارے لئے اس طرح ہیں جس طرح مُردہ کے لئے منکر نکیر ہوتے ہیں۔ ہم یونہی بات کرتے ہیں اور یہ چھاپ دیتے ہیں اور دشمن پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے آپ اُن کی بہت قدر کرتے تھے۔ مفتی صاحب رضؓ کو تو آپ اپنے خاص صحابہؓ میں شمار کیا کرتے تھے۔ اسی طرح شیخ یعقوب علی صاحبؓ بھی آپ کے بڑے مقرب اور پیارے تھے۔ پس ان لوگوں کے متعلق یہ کہنا کہ یہ غیر مستند ہیں علم تاریخ

---

[۵] "الفضل" ۲۴ ظہور/اگست ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔

سے ناواقفی کی بات ہے . . . . . بعض اوقات انسان بات کا مطلب غلط سمجھ لیتا ہے مگر اس وجہ سے اُسے غیر مستند نہیں کہا جا سکتا۔ غیر مستند اور ناقابلِ اعتبار اُسے کہا جاتا ہے جو غلط طریق اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل اور سمجھ دی ہے۔ اگر کوئی ایسی بات کسی روایت میں ہو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چلن اور کیریکٹر کے خلاف ہو، آپ کی عام تعلیم کے خلاف ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ راوی کو غلطی لگی ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ غیر مستند ہے۔

تو انسان کو اس علم کے بارے میں جسے وہ جانتا نہیں بات کرتے وقت بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ ایسی بات کرنے والا شخص علمِ تاریخ سے قطعاً ناواقف ہے۔ تاریخ کا علم بڑا پیچیدہ علم ہے۔ کسی تاریخی بات کو سمجھنے کے لئے اس زنجیر کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے جس سے وہ بات چلتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے علم میں دسترس رکھتا ہے تو اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ تاریخ کے علم کا بھی ماہر ہے۔ ایک بڑے سے بڑے فلاسفر کا ڈاکٹری کے علم میں ماہر ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح ایک بڑے سے بڑا ڈاکٹر لازماً فلاسفر نہیں ہو سکتا۔ اور جس علم سے واقفیت نہ ہو اس میں دخل دینا غلط طریق ہے اور ایسی باتیں کرنا آداب کے خلاف ہے۔ مَیں بھی یہ مانتا ہوں کہ مُفتی صاحب کی روایات میں غلطی ہو سکتی ہے۔ اور اگر کہنے والے کے علم میں ایک بات غلط ہے تو ممکن ہے میرے نزدیک دس باتیں غلط ہوں۔ لیکن اس کے باوجود ان لوگوں کی خدمات اور اُس احسان میں جو تاریخ لکھ کر اُنہوں نے جماعت پر کیا ہے، کوئی فرق نہیں آسکتا۔ غلطیاں شاید مَیں دوسروں سے زیادہ جانتا ہوں۔ مگر اُن کی بناء پر ان کو ناقابلِ اعتبار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس طرح مَیں نے بتایا ہے کہ پرانے مفسرین کی کسی غلط بات کی بنیاد پر اُن کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بعض نادان مجھ سے یہ بات سُن کر کہ پُرانے مفسرین نے فلاں بات لکھی ہے، کہہ دیا کرتے ہیں کہ ان تفسیروں میں کیا رکھا ہے۔ مگر مَیں جس سے کسی غلط بات کا علم حاصل کر کے وہ یہ الفاظ کہتے ہیں اُن کے احسان کو مانتا ہوں اور میری گردن ان کے بارِ احسان سے اُٹھ نہیں سکتی۔ اگر وہ لوگ لغوی، صرفی، نحوی بحثیں نہ کرتے اور وہ ذخائر جمع نہ کر جاتے، اگر وہ اس قدر وقت صرف نہ کرتے تو آج ان باتوں پر ہمیں وقت لگانا پڑتا۔ پھر اگر ہم اُن کے ممنون نہ ہوں تو یہ غداری اور ناشکری ہوگی۔ انہوں نے قرآن کریم کی ایسی خدمت کی ہے کہ اگر وہ آج ہوتے تو بے شک وہ اس احسان کی بھی قدر کرتے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے

ذریعہ کیا ہے۔ مگر اس حصہ میں جو خدمتِ قرآن میں اُن کا ہے ہم بھی ان کی شاگردی سے دریغ نہ کرتے۔

پس ہمارے نوجوانوں کو بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ کی عزت و احترام میں فرق نہ لانا چاہیئے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ وہ جو کچھ کہیں اُسے مان لیں مَیں خود بھی ہر بات کو نہیں مانتا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ اگر کوئی بات غلط ہے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے اس وقت راوی کی توجہ کسی اَور طرف ہو۔ ممکن ہے۔ اس نے ساری بات سُنی ہی نہ ہو۔ پھر یہ بھی ممکن ہے، ساری بات سُنی تو ہو مگر غلط سمجھی ہو۔ مگر اس کی وجہ سے اسے ناقابلِ اعتبار نہیں کہا جا سکتا۔ . . . . . جن لوگوں کو انبیاء کی صحبت حاصل ہوتی ہے اُن سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ مگر وہ اتفاقی ہوتی ہیں۔ اور غلطی کے امکان کے باوجود یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں۔ اُسے اگر کہا جائے کہ آپ کے زمانہ کی تاریخ لکھو تو وہ کیا لکھ سکتا ہے۔ وہ بھی لازماً ان لوگوں کے پاس ہی جانے پر مجبور ہو گا۔ پس کسی بات کی وجہ سے انہیں غیر مستند اور ناقابلِ اعتبار قرار دینا درست نہیں۔ غلطی کا ہونا اَور بات ہے اور غلط کار ہونا اَور بات ہے۔ ہم کسی بڑے سے بڑے موقع کے متعلق بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ کُفر کی بات ہے مگر اس کی وجہ سے اُسے کافر نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح کسی بات کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ واقعات اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں ہوتے کہ مصنف ناقابلِ اعتبار اور غیر مستند ہے" [1]

افتاء کمیٹی کا قیام اس سال کے آخر میں فقہ اسلامی کے مختلف مسائل پر غور و فکر کرنے کے لئے نظارت تعلیم و تربیت کی درخواست اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ارشاد پر "افتاء کمیٹی" کے نام سے ایک نیا ادارہ معرضِ وجود میں آیا۔ جس کے ابتداء میں حسب ذیل ممبران حضور کے حکم سے نامزد کئے گئے:۔

۱۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ (مفتی سلسلہ)

۲۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ

۳۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری [2]

---

[1] "الفضل" ۲۴ ظہور/اگست ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۳ تا ۵ ؛ [2] "الفضل" ۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲ ؛

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ اگلے سال ۱۷/امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو انتقال فرما گئے جس پر حضور نے ممبران افتاء کمیٹی میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ اور مولانا عبدالرحمن صاحب فاضل (جٹ) کا اضافہ فرما دیا۔ اور کمیٹی کے صدر حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ اور سیکرٹری مولانا ابو العطاء صاحب مقرر کئے گئے۔[1]

۳/احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ کا وصال ہو گیا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے حکم سے ملک سیف الرحمن صاحب واقف زندگی تحریک جدید اس اہم منصب پر ممتاز ہوئے اور اب تک مفتی سلسلہ کے فرائض بجا لا رہے ہیں۔

ملک سیف الرحمن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ کی رپورٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں افتاء کمیٹی کا از سرِ نو قیام "مجلس افتاء" کے نام سے فرمایا۔ جس کے ابتدائی فرائض و قواعد یہ قرار پائے:-

۱۔ فتویٰ کی غرض سے دفتر افتاء میں آمدہ اہم مسائل کے بارہ میں مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ کو مشورہ دینا۔

۲۔ فقہ اسلامیہ کے اہم اختلافی مسائل کے متعلق آئمہ فقہ کی آراء اور اُن کے دلائل سے واقفیت حاصل کرنا۔ اس سلسلہ میں ہر ممبر کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اپنے مطالعہ کے نتائج اور اس بارہ میں اپنی ذاتی رائے سے دفتر افتاء کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتا رہے۔

۳۔ سیاسی، تمدنی اور تاریخی حالات کی روشنی میں "علم الخلاف" کا مطالعہ خصوصی۔

۴۔ دفتر افتاء کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ہر اہم فتویٰ کے متعلق مجلس کے کم از کم تین ممبران کا مشورہ حاصل کرے لیکن مفتی سلسلہ اس مشورہ کو قبول کرنے پر مجبور نہیں ہونگے۔ البتہ اگر مجلس کے تمام ممبران متفق الرائے ہوں اور مفتی سلسلہ کو پھر بھی اس سے اختلاف ہو۔ تو اس صورت میں دفتر افتاء پر واجب ہوگا کہ وہ تمام حالات حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت اقدس میں تحریر کرکے اس کے متعلق آخری فیصلہ حاصل کرے۔[2]

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے مجلسِ افتاء کے اوّلین ممبر مندرجہ ذیل علماء سلسلہ کو مقرر فرمایا:-

۱۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس ناظر تالیف و تصنیف۔

---

[1] "الفضل" ۲۴/ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔ [2] "الفضل" ۷/نبوت/نومبر ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

۲۔ مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعہ احمدیہ احمد نگر

۳۔ مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب واقف زندگی تحریک جدید

۴۔ مولوی محمد احمد صاحب ثاقب واقف زندگی تحریک جدید

۵۔ مولوی خورشید احمد صاحب واقف زندگی تحریک جدید

۶۔ مولوی محمد احمد صاحب جلیل واقف زندگی تحریک جدید

بیماری کے باوجود حضرت امیرالمومنینؓ کی شاندار تقاریر سالانہ جلسہ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء

حضور پر ۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو دن کے ڈیڑھ بجے کے قریب گردے کے مقام پر شدید درد کا حملہ ہوا۔ اور متلی اور قے کی وجہ سے دل میں بھی بہت تکلیف شروع ہو گئی[1] اور پھر بخار بھی ہو گیا۔[2] ۷ فتح کو نقرس اور کھانسی کی تکلیف بڑھ گئی۔[3] مگر خدا کے فضل سے بعد کو بتدریج ان سب عوارض میں افاقہ ہونے لگا اور ۱۳ فتح کو نقرس سے بھی آرام آگیا۔ اور حضور چلنے پھرنے لگے[4] تاہم نقاہت بہت ہو گئی اور اسی بناء پر حضور نے احباب جماعت کو قبل از وقت آگاہ بھی فرما دیا کہ

"میری اپنی طبیعت بھی بہت کمزور ہے۔ پھر بڑے زور کا حملہ نزلہ اور کھانسی کا مجھ پر ہوا ہوا ہے۔ اور سینہ میں درد اور گلے میں سخت خراش ہے۔ متواتر بیماریوں کی وجہ سے مَیں بہت کمزور ہو چکا ہوں۔ اس لئے ملاقاتوں اور تقریروں کے وقت میں معتدبہ کمی کرنی ضروری ہو گی۔ اس لئے دوستوں کو چاہیئے کہ قربانی کر کے مجھے اس مالا یُطاق بوجھ سے بچائیں۔ غالباً اگر مجھے بولنے کی توفیق ملی تو گھنٹہ دو گھنٹہ سے زیادہ مَیں نہ بول سکوں گا۔ اور ملاقاتیں رات کے وقت اگر کلّی طور پر بند نہ کی گئیں تو بہت حد تک محدود ضرور ہوں گی۔"[5]

پھر حضور کی توجہ کو بٹانے والی اور بہت بڑی تشویش کا موجب حضرت سیدہ ام طاہر احمد کی تشویشناک علالت تھی جنہیں حضور بے حد نازک حالت میں علاج کے لئے ۷ ماہ فتح/دسمبر کو لاہور لے گئے تھے[6] اور وہاں لیڈی ولنگڈن ہسپتال میں داخل کرانے کے بعد محض سالانہ جلسہ پر آنے والے دوستوں کی خاطر ۲۲ ماہ فتح/دسمبر کو واپس قادیان تشریف

---

[1] "الفضل" ۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲؎ [2] "الفضل" ۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲؎
[3] " ۸ " " " " ؎ [4] " ۱۵ " " " " ؎
[5] " ۱۹ " " " " ؎ [6] " ۱۹ " " " " ؎
[7] " ۲۴ " " " " ؎

لے آئے۔ ۲۶ر فتح/دسمبر تک اُن کی حالت میں کوئی افاقہ نہیں ہوا تھا بلکہ اس دن حضور کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپریشن کے سوا علاج کی اور کوئی صورت نہیں اور بُدھ کے دن (۲۹ر ماہ فتح) اپریشن کرنا تجویز کیا گیا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے عاجز بندوں کی دردمندانہ التجائیں قبول فرماتے ہوئے ایک طرف حضرت سیدہ ام طاہر کو قدرے افاقہ بخشا اور اپریشن کی فوری ضرورت نہ رہی۔ دوسری طرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کو ان ایام میں غیر معمولی طور پر ایسی طاقت اور توانائی عطا فرمائی کہ حضور نے حسب معمول سالانہ جلسہ پر ملاقاتیں بھی کیں اور پانچ تقریریں بھی۔ جن میں سے ۲۷ر اور ۲۸ر فتح کی دو تقریریں لمبی تھیں۔[لے] مؤخر الذکر تقریر "اسوۂ حسنہ" کے موضوع پر تھی اور جو بعد کو کتابی شکل میں بھی شائع ہو گئی۔

حضرت امیر المومنین رض نے اپنی اس آخری معرکۃ الآراء تقریر میں بڑے دلنشیں انداز میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی کہ ہمیں اپنے ہر قول، ہر فعل اور ہر حرکت و سکون میں یہ امر مدّ نظر رکھنا چاہیئے کہ ہمارا یہ کام محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طریق عمل کے مطابق ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہماری نجات اسی میں ہے کہ ہم حضور کی کامل متابعت اختیار کر کے نقوش محمدی اپنے آئینہ قلب میں پیدا کر لیں۔

اسی تعلق میں حضور نے فرمایا :-

"لوگ کہتے ہیں۔ اسلام نے تصویر بنانا منع کر کے آرٹ کو نقصان پہنچایا ہے۔ وہ نادان یہ نہیں جانتے کہ اسلام تو ہر مسلمان کو آرٹسٹ بناتا ہے۔ وہ تصویر بنانے سے نہیں روکتا بلکہ ادنیٰ اور بے نفع تصویریں بنانے سے روکتا ہے اور وہ تصویر بنانے کا حکم دیتا ہے جو اس دُنیا میں بھی انسان کے کام آنے والی ہے اور آخرت میں بھی انسان کے کام آنے والی ہے۔

لوگ تصویریں بناتے ہیں تو کیا کرتے ہیں۔ وہ برش لے کر کبھی کُتّے کی تصویر بناتے ہیں۔ کبھی گدھے کی تصویر بناتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ انہوں نے کُتّے یا گدھے کی تصویر بنا لی۔ مگر اسلام کہتا ہے۔ اے مسلمانو! تم میں سے ہر شخص رات اور دن۔ صبح اور شام، بچپن اور جوانی اور بڑھاپے میں عقل اور فہم کا برش لیکر محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تصویر کھینچتا رہے جو ہماری تصویر ہے۔

پس اس تصویر کو کھینچو اور بار بار کھینچو یہانتک کہ تم بھی محمدؐ بن جاؤ اور چونکہ محمدؐ ہماری تصویر

لے "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱

ہے اس لئے جب تم محمد بنو گے تو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح تم بھی ہمارے قرب میں آجاؤ گے۔

پس ہر مسلمان آرٹسٹ ہے۔ ہر مسلمان مصوّر ہے۔ مگر وہ اس قیمتی چیز کی تصویر بناتا ہے جو دنیا کے لئے بھی مفید ہے اور آخرت کے لئے بھی مفید ہے۔ وہ لغو چیزیں نہیں بناتا جن سے بہتر تصویریں نیچر نے پہلے ہی تیار کی ہوئی ہیں۔ ورنہ اسلام ہر مسلمان کو حکم دیتا ہے کہ جلوۂ الٰہی قلبِ محمدؐ پر پڑ رہا ہے۔ اُس نے خدا تعالےٰ کا قُرب حاصل کر کے اس کی تصویر اپنے دل پر کھینچ لی ہے مگر تم میں سے ہر شخص کو خدا تعالیٰ سے اس قدر قریب ہونے کی توفیق نہیں ہے اس لئے تم محمّد رّسُولُ اللّٰہؐ کے دل کی تصویر اپنے دلوں پر کھینچو۔ اس طرح اصل کو دیکھ نہ سکو تو اس کی تصویر سے تم ایک اَور تصویر کھینچ سکو گے۔

غرض تمام انسان محمدی تصویر سے جمالِ الٰہی کی تصویر کھینچنے کے قابل ہیں۔ صرف ہمّت کی ضرورت ہے اور کوشش کی ضرورت ہے ورنہ راستہ کھُلا ہے اور ہمیشہ کھُلا رہے گا۔"[1]

فصل پنجم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

اس سال کئی مقتدر اور بلند پایہ صحابہ نے وفات پائی۔ ان کے مختصر کوائف درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ چودھری رکن الدین صاحب لدھیانوی (وفات: ۴؍ صلح / جنوری ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء)[2]

۲۔ عبد المغنی خاں صاحب سنوری

(بیعت: ۱۹۰۳ء وفات: ۶؍ صلح / جنوری ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء بعمر ۸۰ سال)[3]

بیعت سے پہلے آپ کے گھر میں محرم کی مجالس ہوا کرتی تھیں۔ مگر جب سے بیعت کی گھر کا رنگ ہی بدل گیا اور مجالسِ محرّم کی جگہ درثمین کے اشعار نے لے لی۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمات بجا لانے کا

---

[1] "اسوۂ حسنہ" صفحہ ۱۲۹ تا ۱۳۲ (لیکچر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)۔ [2] "الفضل" ۷؍ صلح / جنوری ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱۔
[3] "الفضل" ۹؍ صلح / جنوری ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

بہت شوق تھا۔ سالانہ جلسہ کے علاوہ بار بار نہ صرف خود قادیان حاضر ہوتے رہتے بلکہ اپنے عزیزوں کو بھی بھیجتے آپ نے اپنے اکلوتے بیٹے عبدالغفور خاں معہ اس کی والدہ کے، اسی طرح اپنے بھانجے سید علی احمد صاحب ساکن رجادلی (انبالہ) کو تحصیل علم کے لئے لڑکپن ہی میں قادیان بھجوا دیا تھا۔ اور اپنے بیٹے اور نواسے اور پوتی اور نواسی کے رشتے قادیان ہی میں کئے۔ یہیں زمین خریدی اور پانچ چھ سو روپیہ لگا کر کنواں لگوایا۔ حضرت قاضی ظہور الدین صاحب اکمل رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا کہ آپ اسے اتنا مستحکم کیوں کر رہے ہیں؟ جواب دیا کہ پشتوں تک کام دے۔ فالج کا حملہ ہوا تو بالاصرار قادیان میں آ گئے۔ مگر پھر کچھ عرصہ بعد واپس جانا پڑا اور پٹیالہ میں وفات پائی اور بہشتی مقبرہ قادیان کے قطعہ صحابہ میں دفن کئے گئے۔[1]

۳۔ حافظ غلام محمد صاحب رضی اللہ عنہ ساکن ڈھیر کے کلاں ضلع گجرات (برادر خورد ابو عبیداللہ حضرت حافظ مولوی غلام رسول صاحب وزیرآبادی رضی اللہ عنہ)

(وفات: ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء بعمر ۸۲ سال)[2]

۴۔ حضرت مولوی غلام حسن خاں صاحب پشاوری رضی اللہ عنہ (ولادت: ۱۲۶۸ھ یا ۱۸۵۲ء)[3]

بیعت: ۱۷ مئی ۱۸۹۰ء وفات: یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء)[4]

حضرت مولوی صاحب رضی اللہ عنہ کی سلسلہ احمدیہ سے وابستگی، فدائیت اور بیعت خلافت ثانیہ کی تفصیل ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں گذر چکی ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ نظام خلافت سے دوبارہ وابستہ ہونے کے بعد آپ نبوت/نومبر ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۲ء سے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں قیام پذیر تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے آپ کا جنازہ ۳ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو ایک بھاری مجمع کے ساتھ بہشتی مقبرہ سے متصل باغ میں پڑھایا۔ نعش کو کندھا دیا اور صحابہ کے قطعہ خاص میں تدفین کے بعد آپ کی قبر پر دعا کرائی۔[5]

آپ کی وفات پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے "ایک بزرگ صحابی کا وصال" کے عنوان سے ایک لطیف مضمون تحریر فرمایا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظر میں آپ کے مقام، آپ کی خدمات اور آپ کے خدا تعالیٰ کی تقدیر خاص سے بیعت خلافت سے مشرف ہونے اور خلافت ثانیہ کی تائید میں مضامین لکھنے اور بالآخر بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کئے جانے پر نہایت مؤثر اور پُرزور پیرایہ میں روشنی

---

[1] "الفضل" ۲۷ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴۔ [2] "الفضل" ۲۰ صلح/جنوری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ کالم ۲۔
[3] "الفضل" ۳ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۳ (مختصر سوانح مرتبہ حضرت قاضی محمد یوسف صاحب آف مردان)۔
[4] "الفضل" ۳ " " صفحہ ۲ کالم ۱۔ [5] "الفضل" ۵ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲۔

ڈالی اور اس کے آخر میں غیر مبائعین کے ایک معزز رکن مولوی محمد یعقوب خاں صاحب ایڈیٹر اخبار "لائٹ" کا ایک مبارک و مبشّر خواب بھی درج فرمایا جو یہ تھا:۔

"مَیں نے (حضرت مولانا مرحوم کی وفات سے چند دن قبل) رویاء میں دیکھا کہ آپ ہی کے مکان میں مولانا چارپائی پر پڑے ہیں اور بیماری کی حالت میں ہیں۔ اس چارپائی کے ساتھ ساتھ بڑے موٹے موٹے انار لگے ہوئے ہیں جیسے ایک درخت کے ساتھ۔ مگر ہر ایک انار کٹا کٹایا ہے اور اس کے موٹے موٹے دانے ایسی چمک اور کشش رکھتے تھے کہ کھانے کو دل للچاتا تھا۔ اور جب مَیں نے بھی ہاتھ بڑھا کر اس کے دو چار دانے کھائے تو خیال گذرا کہ یہ تو مولانا کی چیز ہے اور ساتھ ہی یہ سمجھ آئی کہ یہ جنّت کا وہ نقشہ ہے جو قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ میں کھینچا گیا ہے۔" [1]

یہ رویاء جہاں ایک طرف حضرت مولوی صاحب مرحوم کے نہایت نیک انجام کی طرف اشارہ کرتی تھی وہاں دوسری طرف ہمارے غیر مبائعین اصحاب کے لئے بھی ایک زبردست حجت تھی۔

۵۔ حضرت مفتی چراغ الدین صاحب بٹالویؓ سابق ملازم ریاست کپورتھلہ

(وفات: ۲۵ ہجرت/مئی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء بعمر قریباً سو سال) [2]

آپ کی بیان فرمودہ روایات الحکم ۱۴-۲۱ صلح/جنوری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء میں شائع شدہ ہیں۔

۶۔ گلاب خاں صاحب سب ڈویژنل آفیسر ملٹری ورکس سیالکوٹ۔

(وفات: ۲۹ احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء)

آپ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ کے خاص دوستوں میں سے تھے اور انہی کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں داخل ہوئے تھے۔ نمازوں اور دعاؤں کا خاص شغف تھا اور خاندانِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فدائی تھے۔ [3]

۷۔ حضرت چوہدری غلام احمد صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ کریام (تحصیل نوانشہر دوآبہ ضلع جالندھر)

(ولادت: ۱۸۷۵ء/۱۸۷۶ء ، بیعت: جنوری/فروری ۱۹۰۳ء ، وفات ۳ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت مخلص اور فدائی صحابہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ شب بیدار،

---

[1] "الفضل" ۱۸/تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ [2] "الفضل" ۱۴/وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۲۔
[3] "الفضل" ۲/وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۵۔

مستجاب الدعوات اور صاحب رویا و کشف بزرگ تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی بیعت لینے کے بعد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے جلد جماعت پیدا کر دے گا" چنانچہ یہ پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور چھ ماہ کے اندر کریام میں مضبوط جماعت بن گئی جو ۲۹ر نومبر ۱۹۳۷ء کو تین سو پندرہ نفوس تک اور ۱۹۴۷ء میں قریباً پانچسو تک پہنچ گئی۔[ا] آپ نے گردو نواح میں بھی تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ آپ کو قصبہ راہوں کے چودھری فیروز خاں صاحب اور کاٹھ گڑھ کے مولوی عبدالسلام صاحب جیسے پُرجوش رفقاء مل گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی کے مبارک زمانہ میں کریام، راہوں، کاٹھ گڑھ، سڑوعہ، لنگڑوعہ، کریم پور، بنگہ، پنام، مکند پور، بکھلولہ اور لنگیری وغیرہ مقامات پر مخلص احمدی جماعتیں قائم ہو گئیں۔[۲]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۶ پر اپنے ایک عظیم الشان نشان کے گواہوں میں آپ کا نام پچاسویں نمبر پر درج فرمایا ہے۔ آپ اُن سابقون الاولون میں سے تھے جنہوں نے حضور کے عہد مبارک میں (۲۹ر دسمبر ۱۹۰۸ء کو) وصیت کر کے اپنا حصہ جائداد بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان ہبہ کر کے قبضہ بھی دے دیا تھا۔[۳]

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے کئی بار اپنے خطوط میں آپ کو لکھا کہ "مجھے آپ سے بہت محبت ہے"۔ ایک بار موضع کریم پور (ضلع جالندھر) کے احباب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے اُن کو نصیحت فرمائی کہ آپ لوگ بار بار قادیان آتے رہیں تا ایمان تازہ رہے۔ انہوں نے اپنی مجبوریاں پیش کیں۔ اس پر فرمایا۔ "اچھا اگر قادیان نہ آسکو تو حاجی غلام احمد صاحب کے پاس کریام ہو آیا کرو"[۴]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ساتھ غایت درجہ محبت تھی اور حضور کی ہر تحریک پر ابتداء ہی میں پُرجوش رنگ میں شمولیت سے انہیں خاص رُوحانی سرور حاصل ہوتا تھا۔ فرض اور طوعی ہر قسم کے چندوں میں نمایاں حصہ لیتے۔ اور مالی اور جانی قربانیوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ اور اغراض سلسلہ کی تکمیل کے لئے شبانہ روز مصروف رہتے۔ تبلیغ میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ آپ نے جماعت کریام کو دس حصوں میں تقسیم کر کے ان کے امیر وفد مقرر کر رکھے تھے۔ ہر گروہ آپ کی زیر نگرانی تبلیغ کے لئے باہر جاتا تھا۔ حلقہ تبلیغ ارد گرد کا پانچ میل تک کا علاقہ ہوتا

[ا] "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۹۶ (مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے قادیان)۔ [۲] "الفضل" ۲۳ر جون ۱۹۲۸ء صفحہ ۷ (روایات حضرت حاجی صاحبؓ) [۳] "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۹۹ حاشیہ و صفحہ ۱۲۴۔
[۴] "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۱۲۷ (حاشیہ)۔

تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے ارشاد پر خود بھی سال بھر میں نئے احمدی بنانے کی تحریک میں حصہ لیتے اور دوسروں سے بھی وعدے لیتے۔[۱] آپ نے ضلع جالندھر اور ہوشیار پور میں مبلغین احمدیت کے ساتھ کئی بار طویل دورے کئے۔ ۱۹۲۳ء میں جن مجاہدوں نے علاقہ ارتداد ملکانہ میں تبلیغی جہاد کیا۔ اُن میں آپ بھی شامل تھے ۱۹۳۵ء میں علاقہ مکیریاں کی تبلیغی مہم میں شرکت کی اور ایک ایک ماہ وقف کر کے پہلے سال موضع عمراپور میں اور دوسرے سال خاص مکیریاں میں بطور امیر المجاہدین کام کیا۔ جس پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے خوشنودی کے سرٹیفکیٹ عطا فرمائے۔

ابتداء میں کریام اور کریہا[۲] کے احمدی آپ کے مکان کی بیٹھک میں نمازیں پڑھتے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں حضرت حاجی صاحبؓ نے ایک فراخ اور عمدہ مسجد تعمیر کرائی جس کے اکثر اخراجات آپ نے برداشت کئے۔ تعمیر مسجد کے بعد اگلے سال آپ نے ۳؍جون ۱۹۱۶ء سے ایک پرائمری سکول جاری فرمایا اور ابتداء میں اس کا پُورا خرچ اپنی گرہ سے ادا کیا۔ بعد کو اگرچہ حکومت اور مرکزِ سلسلہ کی طرف سے بھی امداد ملنے لگی۔ مگر جب بھی گرانٹ بند ہو جاتی۔ آپ مدرسہ کی مالی ضروریات از خود پوری کر دیتے۔ اس مدرسہ کے نگران اور مینیجر کے فرائض ہمیشہ خود انجام دیتے اور بعض اوقات طلبہ کو خود بھی پڑھاتے تھے۔[۳]

حضرت حاجی صاحبؓ کی دیانتداری اور راست بازی ہر دوست دشمن کو مسلّم تھی۔ ایک شخص (رام لال برہمن ساکن راہوں) نے پچاس گھماؤں اراضی آپ کے نام بغیر اطلاع دیئے کرا دی۔ عدالتیں آپ کو ثالث بناتیں اور کبھی کسی فریق کو اُن کے فیصلے پر اعتراض نہ ہوتا تھا۔[۴] کہتے ہیں ایک بار آپ کے گاؤں میں ایک مجسٹریٹ نے موقع دیکھتے وقت مدعی فریق سے کہا کہ اگر اس جگہ کوئی سچ بولنے والا ہو تو پیش کرو۔ اس نے حضرت حاجی صاحبؓ کا نام

---

[۱] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میاں عطاء اللہ صاحب پلیڈر امرتسر (حال کینیڈا) کا مفصل مضمون مطبوعہ "الفضل" مورخہ ۳۱؍وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴۔

[۲] کریام سے دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں جو مولانا ابو العطاء صاحب فاضل کا وطن مالوف ہے اور جہاں آپ کے والد ماجد حضرت منشی امام الدین صاحبؓ قیام فرما تھے اور جمعہ کی نماز کے لئے ہمیشہ بالالتزام کریام تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب نہ پہنچ سکتے تو حضرت حاجی صاحبؓ اور کریام کے دوسرے احمدی سمجھتے کہ آپ بیمار ہو گئے ہوں گے حضرت منشی صاحبؓ ۱۹۰۲ء کے قریب صحابہ کے زمرہ میں شامل ہوئے۔ اپنے گاؤں میں اکیلے احمدی تھے۔ قبولِ احمدیت پر آپ کے والد اور کریہا کے دوسرے لوگوں کی طرف سے سخت تکالیف دی گئیں اور ہر طرح ظلم وستم کا نشانہ بنائے گئے مگر آپ ثابت قدم رہے تبلیغ کا از حد شوق رکھتے تھے۔ استسقاء کی مرض سے بیمار ہوئے۔ علاج کیلئے قادیان آگئے مگر جانبر نہ ہو سکے۔ ۷؍دسمبر ۱۹۲۷ء کو انتقال کیا اور بہشتی مقبرہ میں دفن کئے گئے (الفضل ۱۳؍دسمبر ۱۹۲۷ء صا و الفضل ۶؍جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۰ کالم ۳ مضمون حضرت حاجی غلام احمد صاحبؓ)۔

[۳] "اصحاب احمد" جلد دہم صفحہ ۹۶۔

[۴] ایضاً صفحہ ۱۲۷۔

لیا۔ آپ کو طلب کیا گیا۔ حاکم نے عزت سے بٹھایا اور اصل حقیقت دریافت کی۔ آپ نے سچی بات کہہ دی۔ حاکم نے حاجی صاحبؓ کی شہادت کی بناء پر مدعی فریق کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ مدعا علیہ فریق احمدی تھا۔ اس نے مسجد میں آنا جانا بند کر دیا۔ حضرت حاجی صاحبؓ نے اپنے بعض دوستوں کی معیت میں جا کر اُسے سمجھایا کہ اگر ظالم مَیں تھا تو ترک نماز مجھے کرنا چاہیئے تھی۔ مگر آپ اپنے تئیں مظلوم سمجھ کر نماز چھوڑ بیٹھے۔ نیز کہا۔ مَیں نے تو خدا کے حکم کے مطابق سچی شہادت دی ہے۔ آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ الغرض منت سماجت کر کے اُسے مسجد میں لے آئے اور نماز شروع کرا دی۔[1] [2]

۸۔ مرزا غلام سرور صاحب ساکن کوٹلہ مغلاں ضلع ڈیرہ غازیخاں ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر ورنیکلر مڈل سکول۔

(وفات: ۲۱ ظہور/اگست ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء)[3]

اپنے خاندان میں اکیلے احمدی تھے مگر سب سے بہت مشفقانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتے۔ ان کی ہمدردی اور امداد کا دروازہ ہر قوم اور مذہب کے لوگوں کے لئے کھُلا رہتا تھا۔ طبیعت کے حلیم اور ملنسار تھے۔ اخوند محمد افضل خاں صاحبؓ سابق پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ڈیرہ غازیخاں کی اکلوتی بیٹی اُن کے عقد میں تھی۔[4]

۹۔ حضرت سید میر عنایت علیشاہ صاحب لدھیانویؓ (ولادت: ۱۸۵۸ء، بیعت: بموقعہ بیعتِ اولیٰ ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء نمبر ۹ پر، وفات: ۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء)[5]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب لدھیانہ میں بیعتِ اُولیٰ کا آغاز فرمایا تو اگرچہ اپنی باری کے اعتبار سے آپ کا تیسرا نمبر تھا۔ مگر آپ کو حضرت قاضی خواجہ علی صاحبؓ کو بُلانے کے لئے جانا پڑا۔ جس کے دوران پانچ احباب نے بیعت کر لی۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ آپ کی شادی اوائل عمری میں سید میر عباس علی شاہ صاحب کے ہاں ہوئی اور انہی کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعودؑ کی

---

[1] "الفضل" ۸ وفا/جولائی ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ [2] حضرت حاجی صاحبؓ کی پہلی شادی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ دوسری شادی میں خدا تعالیٰ نے ایک لڑکی اور تین لڑکے عطا کئے۔ لڑکی صغر سنی میں فوت ہو گئی۔ بڑا لڑکا ظہور الدین ۱۹۵۰ء میں ۲۶ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ منجھلے صاحبزادے احمد الدین صاحب بی۔ اے لائل پور میں بینک آفیسر ہیں اور مقامی جماعت کے سرگرم رُکن ہیں۔ تیسرے اور چھوٹے صاحبزادے نور الدین صاحب ایم۔ ایس۔ سی لاہور میں ریسرچ آفیسر کے عہدہ پہ فائز ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؓ کے مزید تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے کی تالیف "اصحاب احمد" جلد دہم۔ [3] "الفضل" ۲۱ ظہور/اگست ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴ کالم ۱۔

[4] "الفضل" ۲۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴۔ [5] "الفضل" ۸ تبوک ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴ کالم ۱۔

خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ مگر جب میر عباس علی صاحب کو ٹھوکر لگی تو مرحوم کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئی اور اپنے قابلِ تعظیم چچا اور خسر کی پروا نہ کرتے ہوئے سچائی کا ساتھ دیا۔ حضرت خان نواب محمد علی خانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ کے محاسب اور مصاحب کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ بڑے عبادت گذار تھے۔ جب سے ہوش سنبھالا، نماز روزہ تو درکنار تہجد بلکہ بہت کم قضا کی۔ ایمانداری، وفاداری اور صبر کی خوبیاں خاص طور پر نمایاں تھیں جن کی وجہ سے مرحوم مخالفین کی نظروں میں بھی عزیز تھے۔ دینی امور میں نہایت صفائی، صدق اور جوش سے کام کرتے تھے۔ لدھیانہ کی ایک خانقاہ کے ساتھ کافی زمین تھی اور آپ بھی اس کے وارثوں اور سجادہ نشینوں میں سے تھے مگر آپ کبھی وہاں جا کر کھڑے بھی نہ ہوتے یہانتک کہ جو لوگ وہاں جاروب کش تھے وہ مالک بن بیٹھے۔ پھر بھی کبھی خیال نہ کیا۔ مریدوں سے فرمایا کرتے کہ ہم تو اصلی سرکار کے خود مرید ہیں۔ رشتہ داروں نے ۱۹۲۶ء میں دعویٰ دخلیابی اُن کی طرف سے کر دیا اور عدالت نے بھی ان کا حق ملکیت تسلیم کر لیا۔ لیکن مخالف نے ایک سوال یہ اُٹھا دیا کہ یہ تو مرزائی ہیں اور خانقاہوں کو مانتے نہیں۔ انہوں نے سوائے بےحرمتی کے وہاں کیا کرنا ہے جس پر جج نے آپ سے سوال کیا کہ کیا آپ مرزائی ہیں؟ اس وقت جو لوگ عدالت میں موجود تھے بتاتے ہیں کہ جوش کی وجہ سے مرحوم کی آواز بلند ہو گئی۔ کھڑے ہو کر فرمایا کہ "ہاں مَیں احمدی ہوں" چنانچہ فیصلہ آپ کے خلاف ہو گیا۔ آپ کو دینی کتب کا بیحد شوق تھا۔ بہت سی پُرانی کتب و رسالہ جات آپ نے جمع کئے تھے۔ جوانی میں اُن کا مطالعہ آپ برابر جاری رکھتے۔ چندوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ تبلیغ کا شوق اتنا کہ لوگوں میں مشہور تھا کہ میر صاحب تو چھوڑتے نہیں۔ غیرت اور محبت اتنی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام، خلفاء اور احمدیت کی شان میں کوئی گستاخی برداشت نہ کر سکتے۔ اخیر میں نظر کمزور ہو گئی تو عینک کے استعمال کے باوجود لکھ پڑھ نہ سکتے۔ اس لئے بیٹھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظمیں پڑھتے اور تلاوتِ قرآن مجید کرتے رہتے۔ بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ حتیٰ کہ غیر احمدی دُعائیں کرواتے۔ صاحب کشف تھے۔ کثرت سے ایسی خوابیں دیکھتے جو اپنے وقت پر پُوری ہوتیں صحت شروع ہی سے بہت اچھی تھی۔ اور آخر وقت تک ہوش و حواس صحیح سالم رہے۔ ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کام کرتے۔ بازار سے سودا سلف خود لاتے۔ ایک ماہ پیشتر اپنے بڑے لڑکے سید محمد عبدالرحیم صاحب کے ہمراہ قادیان تشریف لائے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ سے ملاقات کر کے ہشاش بشاش واپس ہوئے۔ معمولی بخار ہوا۔ جو تیسرے دن اُتر گیا مگر کمزوری غالب آگئی۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ریٹائرڈ ڈی۔ ایم۔ او برما نے علاج میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ آخری بُلاوا آن پہنچا۔ مگر اس وقت بھی نہایت اطمینان سے لیٹے تھے۔ کوئی گھبراہٹ یا اضطراب نہ تھا۔

آہستہ آہستہ سانس میں کمی آنے لگی یہانتک کہ ۲ر رمضان المبارک (مطابق ۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء) کو بروز جمعہ ۳ بجکر ۴۵ منٹ پر آخری سانس لیا۔ جنازہ دوسرے دن قادیان پہنچایا گیا جس وقت گھر سے جنازہ اٹھا بیشمار خلقت موجود تھی۔ سٹیشن قادیان پر حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحبؓ آف مالیرکوٹلہ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے نے انتظام خاص سے اہتمام کیا۔ نماز جنازہ ایک جم غفیر نے باغ میں حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کے اقتدا میں پڑھی۔ صاحبزادگان خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اکثر بزرگوں نے کندھا دیا۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ڈلہوزی سے ٹیلیفون پر افسوس کا اظہار فرمایا اور آپ قطعہ خاص صحابہ میں دفن کئے گئے۔[1]

۱۰۔ سید محمد زاہد صاحبؓ سونگڑہ ضلع کٹک (وفات ۴ راخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء)

مرحوم اپنے خاندان میں اکیلے احمدی تھے۔ سلسلہ میں داخل ہوتے ہی آپ کے والد صاحب کی طرف سے سختی شروع کر دی گئی مگر بالآخر آپ کے نیک نمونہ سے وہ بہت متاثر ہوئے اور اکثر کہتے "زاہد زاہد ہی ہے" آپ ایک عرصہ تک جماعت سونگڑہ کے سکرٹری تعلیم و تربیت کے فرائض بجا لاتے رہے۔ ایک حلقہ کے محصل مقرر ہوئے تو آپ کا حلقہ چندہ کی ادائیگی میں سبقت لے گیا۔ نہایت خوش خصال، صوفی منش اور صاحب کشف بزرگ تھے۔[2]

۱۱۔ قاسم خاں صاحب گھٹیالیاں (وفات ۸ راخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء)[3]

دوسرے وفات یافتہ مخلصین

مندرجہ بالا صحابہ کے علاوہ مندرجہ ذیل احمدی مخلصین نے بھی اسی سال وفات پائی۔

۱۔ قاضی عبد المجید صاحبؓ[4] (برادر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے حال پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ)
۲۔ اخوندزادہ محمد شاہ صاحب ساکن دوبیاں تحصیل صوابی ضلع مردان[5]
۳۔ مرزا ناصر علی صاحب امیر جماعت احمدیہ فیروزپور[6]

---

[1] "الفضل" ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۳۔ [2] "الفضل" ۱۲ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴۔
[3] " ۱۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۲۔ [4] " ۱۳ صلح/جنوری ، صفحہ ۱
مرحوم محکمہ نمک کے معزز عہدوں پر کھیوڑہ اور کالا باغ میں ملازم رہے اور اپنے نیک نمونہ سے احمدیت کی خوبیاں نقش کر دیں۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے ساتھ ان کی موانست و محبت طالب علمی کے زمانہ سے تھی ("الفضل" ۲۰ اپریل/شہادت ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۳)۔
[5] وفات ۲۹ امان/مارچ ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء۔ ۱۹۲۱ء میں بیعت کی۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۳ء تک مسجد احمدیہ پشاور میں مقیم رہے اور سلسلہ احمدیہ کی خدمات بجا لاتے رہے ("الفضل" ۱۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۳)۔ [6] وفات ۲۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۲ ہش / ۱۹۴۳ء
میرزا اکبر علی صاحب ایم۔ایل۔اے کے فرزند اور مرزا ظفر علی صاحب ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ کے بھائی۔ ۱۹۱۰ء میں داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے۔ سالہا سال تک جماعت فیروزپور کے کامیاب امیر رہے۔ (الفضل ۴ صلح/جنوری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء، الفضل ۱۰ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۵)

۴۔ شیخ یوسف علی صاحب بی۔اے[1]

۵۔ خان بہادر چودھری نعمت اللہ خانصاحب آنریری مجسٹریٹ ساکن مدار ضلع جالندھر[2]

۶۔ بابو محمد عالم خانصاحب[3] پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ممباسہ (مشرقی افریقہ)

۷۔ خانصاحب نعمت اللہ خانصاحب برج انجنیئر (ریلوے) بیاس[4]

۸۔ بابو اکبر علی صاحب[5]

۹۔ عبدالقیوم خانصاحب بٹالوی[6]

---

[1] تاریخ وفات ۲۷/احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء بعمر ۵۴ سال۔ مرحوم سلسلہ کے ازحد مخلص اور انتھک کارکنوں میں سے تھے ۱۹۲۳ء سے لیکر ۱۹۲۵ء تک علاقہ ملکانہ میں مصروف جہاد رہے۔ ازاں بعد حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے آپ کو لاہور کے احمدیہ ہوسٹل کا سپرنٹنڈنٹ مقرر فرمایا۔ مارچ یا اپریل ۱۹۲۶ء تک آپ اسی کام پر مامور رہے۔ اسی اثنار میں حضرت امیرالمومنین رضؓ کی نگاہ انتخاب پرائیویٹ سکرٹری کے عہدہ کے لئے آپ پر پڑی (الفضل ۲۰/ظہور ۱۳۲۲ہش صہ) اور آپ کئی سال تک حضور کے ارشاد سے پرائیویٹ سکرٹری کے اہم فرائض بجا لاتے رہے۔ نیز ایک عرصہ تک پہلے نائب ناظر امور عامہ پھر نائب ناظر تعلیم و تربیت کی حیثیت سے کام کیا۔ غرضکہ پوری عمر خدمت سلسلہ میں گذاری ("الفضل" ۲۹/احسان/جون ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱)۔

[2] سیدنا المسیح الموعودؑ کے قدیم صحابی حضرت چودھری رستم علی صاحبؓ کورٹ انسپکٹر کے قریبی رشتہ دار! جو اپنے گاؤں میں اکیلے احمدی تھے اور نہایت سادہ مزاج، خوش خلق اور غریب پرور بزرگ تھے (تاریخ وفات ۳/وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء۔ (الفضل ۱۱/وفا ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صہ ک۱-۲)۔

[3] تاریخ وفات ۳۱/وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء ("الفضل" یکم ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ ک۱) جماعت احمدیہ ممباسہ کے ایک ستون اور احمدیت کا بہت ہی عمدہ نمونہ تھے۔ خدمت دین اور تبلیغ کا بیحد جوش رکھتے تھے۔ گفتگو نہایت مدلل اور پُراثر کرتے تھے جہیر الصوت تھے۔ ایسے جذبے سے کلام کرتے کہ معترض ساکت ہو کے رہ جاتا۔ تحریک جدید میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ نہایت متشرع اور تہجد گزار تھے۔ دین کے لئے بہت غیرتمند اور قرآن مجید کے عاشق صادق تھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کا ذکر آتے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے طبیعت میں ہمدردی اور خدمت خلق کا جذبہ کمال تک پہنچا ہوا تھا (الفضل یکم ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صہ ک۱)۔

[4] تاریخ وفات ۴/ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء ("الفضل" ۶/ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ ک۱)۔

[5] تاریخ وفات ۳۰/ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء ("الفضل" ۳۱/ظہور ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱ نیز "الفضل" یکم اخاء ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء) حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضؓ نے مرحوم کی وفات پر حسب ذیل نوٹ لکھا:- "بابو صاحب میرے پرانے دوستوں میں سے تھے جب میں اخبار بدر کی ایڈیٹری پر متعین تھا تو بابو صاحب جب قادیان آیا کرتے بمع اہل و عیال میرے ہی غریب خانہ پر قیام کرتے میرے سفر ولایت اور امریکہ کے زمانہ میں بھی ان کے ساتھ سلسلہ خط و کتابت جاری رہا۔ اور امریکہ سے واپسی پر جب میں عہدہ نظارت پر مامور ہوا۔ اور سلسلہ کی ضروریات کیلئے دہلی جانے کی ضرورت ہوئی تو اس وقت بابو صاحب دہلی میں ریلوے کے انسپکٹر تھے اور میں ان کے ہاں ہی عموماً قیام کرتا۔ بابو صاحب نہایت مہمان نواز دوستوں کے سچے خیرخواہ اور سلسلہ حقہ کے دلی خادم تھے۔ سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو کر انہوں نے قادیان میں مستقل رہائش اختیار کی۔ اپنا شاندار مکان بنوایا۔ گلاس فیکٹری اور موزری کا انتظام کیا اور سلسلہ کے محکمہ انجنیئری کے کئی کام سرانجام دیئے۔ غریبوں کی ہمیشہ امداد کرتے کبھی کسی سائل کو محروم نہ بھیجتے۔ نظام سلسلہ کی طرف سے قاضی مقرر ہو کر انہوں نے بہت سے مقدمات کا فیصلہ کیا اور بہتوں کی آپس میں مصالحت کرادی غرض بابو صاحب موصوف بہت سی خوبیوں کا مجموعہ تھے" ("الفضل" ۷/تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴)۔

[6] تاریخ وفات ۱۳/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء تبلیغ کا خاص ولولہ رکھتے تھے۔ ایک بار سفر میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری سے گفتگو کرنے کا موقعہ ملا اور اپنے مخصوص طرز کلام سے اُن کو لاجواب کر دیا۔ شاہ صاحب کہنے لگے کہ اگر ان جیسے سب احمدیوں کے اخلاق اور دماغ ہوں تو احمدیت کی اشاعت کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی (الفضل ۹/فتح/دسمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴)۔

فصل ششم

۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعودؑ میں خوشی کی تقاریب

۱۔ حضرت نواب محمد عبداللہ خانصاحب کے ہاں ۱۱/۱۰ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کی درمیانی شب میاں مصطفی احمد خاں صاحب پیدا ہوئے۔[1]

۲۔ صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب (خلف الرشید حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ) کے ہاں مورخہ ۲۶ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو صاحبزادی امۃ الصمد کی پیدائش ہوئی[2]

۳۔ میاں عبدالرحیم احمد صاحب کے ہاں ۵ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو صاحبزادی امۃ النور صاحبہ کی ولادت ہوئی۔[3]

مرکزی مبلغین کا تبلیغی وفد صوبہ یُو۔پی میں

مبلغین سلسلہ کے ایک وفد نے جو مہاشہ محمد عمر صاحب، گیانی عباد اللہ صاحب اور مولوی عبدالمالک خانصاحب پر مشتمل تھا ۶ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء سے لے کر ۱۲ احسان ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء تک صوبہ یُو۔پی کا نہایت کامیاب تبلیغی دورہ کیا۔ اور سہارنپور، دیوبند، میرٹھ، متھرا، بندرابن، ریاست الور، باندی کوئی، ساندھن، کانپور، لکھنؤ، ڈیرہ دُون، ایودھیا، مسکرا ہمیرپور، رائے بریلی، شاہجہانپور، بریلی اور کٹیا وغیرہ اہم مقامات میں پبلک جلسوں، پرائیویٹ مجالس اور لٹریچر کے ذریعہ مُسلم اور غیر مُسلم طبقوں تک پیغام اسلام و احمدیت پہنچایا۔[4]

سید ارشد علی صاحب لکھنوی نے (جو کئی شہروں میں شریک وفد تھے) اس وفد کی نسبت اپنے ذاتی تاثرات حسب ذیل الفاظ میں شائع کئے:۔

---

[1] "الفضل" ۱۳ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲۔ [2] "الفضل" ۲۸ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[3] "الفضل" ۷ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ [4] وفد کی تبلیغی رپورٹیں ۲۵ تبلیغ/فروری، ۱۰ امان/مارچ، ۲۴ امان/مارچ، ۱۰ شہادت/اپریل، ۲۵ شہادت/اپریل، ۵ ہجرت/مئی، ۲۸ ہجرت/مئی، ۶ احسان/جون، ۱۹ احسان/جون، ۱۳ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے "الفضل" میں شائع شدہ ہیں۔

"اس وفد کے ذریعہ خدا کے فضل سے یُو۔ پی میں دس نئے افراد نے بیعت کی۔ یُو۔ پی کے رؤسا کو سلسلہ کے حالات اور تحریک احمدیت اس رنگ میں پہنچائی گئی ہے کہ اس سے ایک خاص دلچسپی پیدا ہو گئی ہے عام طور پر ہمارے مخالفین نے جو غلط اور بے بنیاد باتیں ہماری جماعت کے متعلق پھیلا رکھی ہیں ایک حد تک خدا کے فضل سے اُن کا بھی ازالہ ہو گیا ہے۔ یُو۔ پی کے اہلِ علم طبقہ میں سلسلہ کا وقار قائم ہو گیا ہے مقامی جماعتوں میں بھی وفد نے بہت کچھ رُوحِ عمل پیدا کی۔ ڈیرہ دُون میں وفد نے جو کام کیا ہے انشاءاللہ وقت آنے پر اس کے اظہار پر مسرت ہو گی۔ اس مختصر تفصیل کے بعد بعض دلچسپ واقعات آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

بنارس میں ہمارا وفد جناب پنڈت مدن موہن صاحب مالوی سے ملنے گیا۔ پنڈت صاحب ہندوستان میں جس شخصیت کے مالک ہیں اس کے لحاظ سے ہمارا وفد کوئی ظاہری توجہ کے اسباب اپنے اندر نہیں رکھتا تھا۔ لیکن محض خدا کے فضل سے ہمارے وفد کے علمی معیار نے موصوف کو متحیر کر دیا۔ ارکانِ وفد کے امیر صاحب نے سلسلہ کے پُورے حالات سُنائے اور حضرت کرشن قادیانی کی آمد ثانی کے متعلق ہندو کتب سے سنسکرت میں جو حوالے پڑھ کر سُنائے اُس سے مسلوح کو تعجب ہوا۔ اور اُن کی سنسکرت دانی نے ان پر بہت اثر کیا۔ وہ وفد سے بڑی محبت اور عقیدت سے پیش آئے اور سلسلہ کی کتب پڑھنے کا وعدہ فرمایا۔

اجودھیا میں حضرت کرشن کی آمد کی خبر سُنانے ہوئے ہمارے دوست اسی مضمون کا ایک رسالہ ہندی میں تقسیم کرتے رہے کہ ایک ہندو خاتون جن کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی تھا۔ جب ایک تبلیغی رسالہ اس خاتون کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس بچے نے اپنی ماں کے ہاتھ سے وہ رسالہ لے لیا۔ اور سرورق پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام پڑھ کر اپنی ماں سے کہنے لگا کہ " ماتا یہ تو کسی مسلمان کا نام ہے۔ یہ اوتار کیسے ہو سکتا ہے؟" بچہ کے سوال کے جواب میں اس ہندو دیوی نے بڑی متانت سے کہا کہ " بیٹا اوتار کے لئے ہندو مسلمان کی کوئی قید نہیں " اس حیرت انگیز جواب سے قلب کو جو سرور حاصل ہوا وہ ظاہر ہے " [1]

بیرونی مشنوں کی تبلیغی سرگرمیاں

نائیجیریا مشن:۔ نائیجیریا مشن کی تاریخ میں ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کا دن بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس روز آنریبل

[1] "الفضل" یکم ہجرت/مئی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ •

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنے سفر امریکہ و انگلستان سے واپسی پر لیگوس کی پہلی احمدیہ مسجد کا سنگ بنیاد بعد نماز عصر رکھا۔[1] مبلغ نائیجیریا حکیم فضل الرحمٰن صاحب نے ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں چودھری صاحب نے روحانیت سے لبریز تقریر فرمائی۔[2] اس تقریب پر نائیجیریا کی سب مشہور جماعتوں نے اپنے نمائندے بھیجے۔ ہز ایکسیلنسی گورنر، چیف سکرٹری اور دوسرے معزز حکام اور غیر سرکاری یورپین اور افریقن نیز سر عزیز الحق صاحب اور بمبئی کے نامزد گورنر ہز ایکسیلنسی سر جان کالول بھی موجود تھے۔ اور غیر معمولی طور پر بہت بڑا مجمع تھا۔ سامعین حضرت چودھری صاحب کے خطاب سے بہت متاثر ہوئے اور پریس نے اس کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کی۔[3]

ہندوستان کے اخباروں میں سے اخبار "سٹیٹسمین" (کلکتہ)[4] نے اپنی ۱۴ مارچ ۱۹۴۳ء کی اشاعت میں حسب ذیل خبر دی:-

"جمعہ کے روز سر ظفر اللہ خاں صاحب نے لیگوس میں پہلی مرکزی احمدیہ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس تقریب پر گورنر نیز سر عزیز الحق صاحب ہائی کمشنر برائے ہند (لنڈن) بھی موجود تھے۔ نائیجیریا کے احمدی مسلمان اپنے مرکز کے ساتھ گہرا اور عقیدت مندانہ تعلق رکھتے ہیں۔ مرکز نے نئی مسجد کی تعمیر کے لئے پانچ ہزار روپیہ کی گرانقدر امداد دی ہے۔"[5] (ترجمہ)

لیگوس کی پہلی عالیشان مسجد قریباً ساڑھے پانچ ماہ میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس کا نام "مسجد فضل" رکھا اور فرمایا کہ لنڈن کی پہلی مسجد کا نام بھی "مسجد فضل" ہے۔ اس کا نام بھی "مسجد فضل" رکھا جائے۔ اس مسجد پر (جو حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلغ نائیجیریا کی نگرانی میں تعمیر ہوئی) قریباً ایک ہزار پونڈ خرچ ہوئے۔ لیگوس کے احمدیوں نے جن میں مرد، خواتین اور بچے بھی شامل تھے، مسجد کی زمین کا ملبہ اٹھانے، بنیادیں کھودنے، بنیادیں بھرنے اور فرش لگانے کا کام خود کیا۔

مسجد لیگوس کا افتتاح ۲۷ ظہور/اگست ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو جمعہ ہی کے دن ہوا جس کی خبر نائیجیریا پریس نے بھی شائع کی۔[6]

---

[1] رپورٹ سالانہ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ بابت ۱۳۲۱-۲۲ہش/۱۹۴۲-۴۳ء صفحہ ۱۶ ۔ [2] ایڈریس اور اس کا جواب "الفضل" ۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء میں شائع شدہ ہے ۔ [3] "الفضل" ۱۹ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۔ [4] اب یہ اخبار دہلی سے نکلتا ہے ۔ [5] بحوالہ اخبار "الفضل" ۱۸ امان/مارچ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلغ نائیجیریا نے اپنے ایڈریس میں بتایا "اس مسجد کے لئے پانچہزار روپیہ تو مرکزی بیت المال نے دیا ہے اور ایک ہزار پونڈ کے قریب نائیجیریا کے احمدیوں نے جمع کیا ہے۔ نائیجیریا کے اطراف و اکناف سے جو عطیے موصول ہوئے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں" ("الفضل" ۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۲ہش) ۔ [6] "الفضل" ۲۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۴ ۔

مشرقی افریقہ مشن :۔

مکرم شیخ مبارک احمد صاحب مبلغ مشرقی افریقہ ایک عرصہ سے قرآن مجید کا سواحیلی زبان میں ترجمہ کر رہے تھے جو ۳ ہجرت/مئی ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء کو خدا کے فضل سے مکمل ہوگیا۔[1]

فلسطین مشن :۔

فلسطین میں یہ قانون تھا کہ مسلمانوں کا نکاح عدالت شرعیہ کی اجازت کے بعد رجسٹرڈ نکاح خواں ہی پڑھ سکتا تھا۔ برسوں سے احمدیوں کے نکاح بھی اسی طرح پڑھے جاتے تھے۔ اس سال فتح/دسمبر ۱۳۲۱ھش/۱۹۴۲ء میں احمدی فریقین کی طرف سے سرکاری شرعی فارم پُر کرکے عدالتِ شرعیہ حیفا میں پیش کیا گیا۔ مگر عدالتِ شرعیہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک تم "مسلمان" نہ بن جاؤ تمہارا نکاح نہیں پڑھا جا سکتا۔

اس پر چودھری محمد شریف صاحب مبلغ بلادِ عربیہ نے ڈسٹرکٹ کمشنر حیفا سے ملاقات اور المجلس الاسلامی الاعلیٰ سے خط و کتابت کی۔ آخر آٹھ ماہ کی مراسلت اور ڈسٹرکٹ کمشنر سے دو تین ملاقاتوں کے بعد مسلم سپریم کونسل نے قاضی شرعی حیفا کا حکم کالعدم قرار دے دیا۔ اور یہ فیصلہ صادر کیا کہ احمدی مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ہیں۔ اس لئے حسب دستور سابق احمدیوں کے نکاح پڑھے جایا کریں۔ چنانچہ وہ نکاح جس کا انعقاد آٹھ ماہ سے رُکا ہوا تھا۔ اس فیصلہ کے بعد قاضی شرعی حیفا کے حکم سے پڑھا گیا۔[2]

اس سال فلسطین مشن کو ایک رنجدہ واقعہ بھی پیش آیا۔ اور وہ یہ کہ چودھری محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین کی اہلیہ صاحبہ ۲۷ تبلیغ/فروری ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء کو کبابیر میں وفات پاگئیں۔[3] مرحومہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر اپنے شوہر کے ہمراہ بلادِ عربیہ میں خدمتِ دین کے لئے گئیں اور وہیں خدمت کرتے کرتے حیفا کے قبرستان میں سپردِ خدا کر دی گئیں۔ دیارِ غیر میں وفات پانے والی یہ پہلی مہاجرہ احمدی خاتون تھیں۔ مرحومہ جب پہلے پہل اس ملک میں گئیں تو عربی زبان میں کلام نہ کر سکتی تھیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں مانگنا شروع کیں۔ آخر چند ماہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مرحومہ کی زبان کھول دی اور وہ عربی بولنے لگیں اور ڈیڑھ دو سال تک مدرسہ احمدیہ کبابیر میں بچیوں کی تین جماعتوں کو تعلیم دیتی رہیں۔ رسالہ البشریٰ کی تیاری اور ترسیل میں بھی خاص مدد کیا کرتی تھیں۔[4]

---

[1] "الفضل" ۲ وفا/جولائی ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ ۔ [2] "الفضل" ۲۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء ۔ [3] "الفضل" ۳ امان/مارچ ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ ۔ [4] "الفضل" ۲۱ شہادت/اپریل ۱۳۲۲ھش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ (ملخصاً از مضمون چودھری محمد شریف صاحب سابق مبلغ بلادِ عربیہ و حال مبلغ گیمبیا) ۔

انگلستان مشن :۔

ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء میں اتحادیوں کو افریقہ میں نمایاں فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ امام مسجد لنڈن نے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بعض اہم رویاء درج کئے جن میں برطانیہ کی ابتدائی کمزور حالت کے بعد چھ ماہ کے اندر اندر رفتہ رفتہ طاقت پکڑنے ، شاہ لیوپولڈ کی تخت سے دستبرداری اور پھر شمالی افریقہ میں جنگ کے تغیرات اور بالآخر دشمن کی شکست کے نظارے دکھائے گئے تھے اور جو حیرت انگیز رنگ میں پورے ہو گئے۔[1] صداقت اسلام اور احمدیت کے اس زندہ نشان کا انگلستان کے اہلِ علم طبقہ پر بہت گہرا اثر ہوا۔

ذیل میں اس کے متعلق بعض معزز اصحاب کی آراء اختصاراً درج کی جاتی ہیں :۔

۱۔ لارڈ برڈوڈ (سابق کمانڈر انچیف انڈیا) :۔ " بہت ہی دلچسپ رویاء جو ہوبہو پوری ہوئیں "

۲۔ مسٹر آئی۔ ایس۔ ایمری (وزیر ہند) " نہایت دلچسپ مطبوعہ ملفوف ہے جس سے امام جماعت احمدیہ کی روحانیت اور دُور بین نگاہ کا پتہ چلتا ہے "

۳۔ سر جیفرے ڈی۔ مونٹ مورنسی (سابق گورنر پنجاب) :۔ " مجھے رویاء کی تفصیل اور جس طرح وہ پوری ہوئیں اُن کے متعلق بہت دلچسپی ہے "

۴۔ سر لوئی ڈین :۔ " میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اُن کی پاکیزہ خواہشات کا ہم کو شکر گزار ہونا چاہیئے "

۵۔ مسٹر فرینک براؤن (آنریری سکرٹری آف ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن) :۔ " پمفلٹ کے ارسال کرنے پر بہت بہت شکریہ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی رویاء جو پیشگوئیوں پر مشتمل تھیں کس طرح لفظ بلفظ پُوری ہوئیں۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی پیشگوئی اتحادیوں کی فتح کی نسبت اس وقت کی گئی تھی جبکہ اتحادیوں کی حالت ۱۹۴۰ء کے موسم گرما میں بہت کمزور تھی اور سلطنتِ برطانیہ تنہا محوریوں کے مقابلہ میں کھڑی تھی۔ جب آپ حضرت کی خدمت میں تحریر کریں تو میری طرف سے بھی اسلام اور پیشگوئیوں کے پُورا ہونے پر مبارکباد دیں "

۶۔ کرنل جے۔ اے۔ سائیکس (کمانڈنگ انڈین کنٹنجنٹ) :۔ " یہ پمفلٹ بڑا ہی دلچسپ ہے اور رویاء بھی نہایت عجیب "

---

[1] اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو جنگ عظیم کے آغاز سے اختتام تک بہت سی غیبی خبریں بتائی گئیں جو پوری شان سے ظہور پذیر ہوئیں جن کا تذکرہ خاتمہ جنگ کے حالات میں کیا جائے گا۔

ان اصحاب کے علاوہ لارڈ سیموئیل، سرسٹیفورڈ کرپس وغیرہ نے بھی یہ پمفلٹ بہت دلچسپی سے پڑھا۔[1]
اسی سال انگلستان مشن نے مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کا ایک کتابچہ بعنوان "اسلام" دو ہزار کی تعداد میں شائع کیا۔[2]

جاوا، ہانگ کانگ، سنگاپور اور اٹلی کے مجاہدین کی نسبت اطلاعات

دوسری جنگ عظیم کے دوران مشرقِ بعید کے مجاہدینِ احمدیت کا رابطہ مرکز سے کٹ چکا تھا اور کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کس حال میں ہیں۔ یہ پہلا سال تھا جس میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُن کی خیریت کی اطلاعات مرکز میں پہنچیں۔

۱۔ چنانچہ ریڈکراس کمشنر شملہ کی طرف سے ۱۲ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو بذریعہ تار اطلاع ملی کہ دشمن کے ذرائع سے حاصل شدہ اطلاع مظہر ہے کہ مولوی رحمت علی صاحب (مبلغ جاوا) زندہ اور بخیریت ہیں۔[3]

۲۔ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کے پہلے عشرہ میں ریڈکراس شملہ نے دشمن کے ملک سے ریڈیو کا پیغام سنا اور اس کی اطلاع جماعت احمدیہ کو دی کہ مولوی غلام حسین صاحب ایاز مبلغ سنگاپور اور وہاں کے دوسرے احمدی صحیح سالم ہیں۔[4]

۳۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ۸ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو بذریعہ تار اطلاع دی کہ مولوی محمد شریف صاحب مبلغ اٹلی کے بخیریت ہونے کا خط موصول ہوا ہے۔[5]

۴۔ اس ماہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی کی خدمت میں انٹرنیشنل ریڈکراس سوسائٹی جنیوا کی طرف سے ہانگ کانگ کے احمدیوں محمد یوسف، غلام احمد، رحمت خاں، محمود کی خیریت کی خبر بھی پہنچی۔[6]

نئی مطبوعاتِ سلسلہ

۱۔ "گذشتہ و موجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئیاں" مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن کے اہم مضامین کا مجموعہ جو رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) کے بعض نمبروں میں شائع ہوئے اور مکتبہ احمدیہ قادیان نے انہیں یکجائی طور پر چھاپ دیا۔ ان مضامین میں نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے ظہور پذیر ہونے کی مستند معلومات فراہم کی گئیں جن کا تعلق پہلی عالمگیر

---

[1] "الفضل" ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱۔ [2] "الفضل" ۳۱ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۲ کالم ۱۔
[3] " ۱۵ وفا/جولائی " " [4] " ۱۳ وفا/جولائی " صفحہ ۱۔
[5] " ۱۱ تبوک/ستمبر " صفحہ ۴۔ [6] " ۱۱ تبوک/ستمبر " صفحہ ۲۔

جنگ سے تھا بلکہ دوسری جنگ کی نسبت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض کی پیشگوئیاں بھی درج کی گئیں اور جنگ کے بارہ میں سپر چولسٹوں اور نجومیوں کی پیشگوئیوں کا از روئے واقعات غلط ہونا بھی بالبداہت ثابت کیا گیا تھا۔

۲۔ "سیرت مسیح موعودؑ" حصہ پنجم۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل و اخلاق پر مشتمل ایک مفید اور مستند کتاب جو سلسلہ احمدیہ کے پہلے مؤرخ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے مرتب فرمائی۔

۳۔ "تاریخ اندلس" (مصنفہ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد سابق امام مسجد لنڈن) یہ ایک مختصر مگر عالمانہ کتاب تھی جس میں سپین کی اسلامی حکومت کے قیام اور اس کے عروج و زوال پر ٹھوس معلومات جمع کی گئیں۔ فاضل مصنف نے قیام انگلستان کے زمانہ میں سپین کا سفر کیا۔ اور پھر آکسفورڈ، کیمبرج اور لندن یونیورسٹیوں کی طرف سے "مسلم سپین" کے موضوع پر لیکچر دینے کی دعوت پر تاریخ اندلس کا گہرا مطالعہ کیا اور نوٹ لکھے۔ یہ کتاب ان سب معلومات کا نچوڑ اور خلاصہ تھی۔

۴۔ "سیرت حضرت ام المومنین" حصہ اول (مرتبہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی ایڈیٹر اخبار "الحکم" قادیان سابق مبلغ بلاد عربیہ) حضرت ام المومنین سیدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ عنہا کی یہ پہلی اور مستند سوانح عمری تھی جو خاص اہتمام سے مرتب ہوئی اور شائع کی گئی۔ فاضل مولف کئی سال سے مریض چلے آرہے تھے اور مختلف اوقات میں مرض کے خطرناک حملے ہوئے۔ کتاب کی تالیف کے دوران بھی ایک بار پھر بیماری کا حملہ ہوا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس نہایت قیمتی کتاب کے پہلے حصہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت عطا کی۔ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رض نے اس کے مسودہ پر نظر ثانی فرمائی۔ اور یہ رائے دی کہ "میری رائے میں یہ کتاب ایک اوریجنل (ORIGINAL) تصنیف ہے اور اکثر احباب تو اسے اوّل سے آخر تک بالکل نئی معلومات کا مجموعہ پائیں گے جو نہ صرف اُن کے لئے بلکہ اُن کی بیویوں اور لڑکیوں کے لئے سراسر رحمت اور برکت کا موجب ہوگی اور قرآن کریم، حدیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد یہ وہ کتاب ہوگی جسے احمدی آئندہ اپنی لڑکیوں کو التزاماً جہیز میں دیا کریں گے۔ . . . اللہ تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر دے۔ . . . مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا خیال بھی خدا کی طرف سے اُن کے دل میں ڈالا گیا ہے۔"[۵]

اس اہم تالیف سے جماعت کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم

---

[۵] "الفضل" ۲۱ فتح / دسمبر ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۵۔

سے اس کو یہ قبولیت بھی بخشی کہ طبع ہونے سے پہلے تین ہزار کتاب فروخت ہو گئی۔ کتاب کی اشاعت میں سب سے زیادہ نمایاں حصّہ الحاج حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحبؓ آف سکندر آباد نے لیا اور انہی کے نام نامی سے یہ کتاب مُعَنْوَنَ و مُنتَسب ہوئی

۵۔ **"قیامِ شریعت"** حِصّہ اوّل۔ (مؤلفہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشّر مولوی فاضل) یہ کتاب انسانی زندگی کے دورِ اوّل یعنی پیدائش سے لیکر بلوغت تک کے ضروری اسلامی مسائل پر مشتمل تھی۔

۶۔ **"انعاماتِ خداوندکریم"** (نہایت قیمتی نصائح کا مجموعہ جو حضرت پیر افتخار احمد صاحبؓ لدھیانوی نے مرتب فرمایا)[۱]

۷۔ **"شمائلِ احمد"** (مرتبہ چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی مہتمم شعبہ اطفال خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان) خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے شعبۂ اطفال کی طرف سے بچّوں کی تربیت کے سلسلہ میں پہلی کتاب "اخلاقِ احمد" چھپی تھی۔ اب دوسری کتاب "شمائلِ احمد" کے نام سے شائع کی گئی۔ اس تالیف کا نام حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے تجویز کیا اور اس کے تعارف میں لکھا:۔

"مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے ارکان ایک مجموعہ "شمائلِ احمد" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ اس مجموعہ کے مسوّدہ کو مَیں نے سرسری نظر سے دیکھا ہے اور کہیں کہیں مشورہ کے رنگ میں بعض اصلاحات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے غلطی کا تو ہر انسانی کام میں امکان ہوتا ہے۔ لیکن یہ مجموعہ زیادہ تر سلسلہ عالیہ احمدیہ کی شائع شدہ روایات پر مبنی ہے اور کارکنوں کی نیّت بھی خدا کے فضل سے صالح ہے۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ یہ مختصر مجموعہ جو بچّوں اور نوجوانوں کی تربیت کی غرض سے شائع کیا جا رہا ہے انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل کی تصویر صحیح طور پر پیش کی جائے تو وہ نیک اثر پیدا کرنے سے قاصر رہے۔ اس مجموعہ میں ایک اَور بھی خوبی ہے اور وہ یہ کہ بوجہ اس کے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں چشم دید حالات پر مبنی ہے جو روایات کے رنگ میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ نصیحت اور اُسوہ دونو کا کام دیتا ہے اور یہی دو چیزیں تربیت کی جان ہیں۔ یعنی یہ کہ اچھی نصیحت کے ساتھ ساتھ اچھا اسوہ بھی آنکھوں کے سامنے رہے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ دوست اس مجموعہ کی اشاعت سے پُورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے۔

خاکسار مرزا بشیر احمد ۱۱ دسمبر ۱۹۴۳ء مطابق ۱۱ فتح ۱۳۲۲ ہش"[۲]

---

[۱] کتاب کا یہ پہلا ایڈیشن نامکمل صورت میں تھا۔ [۲] "شمائل احمد" صفحہ ۱۔

THE
RIAZHIND

اخبار
ریاض ہند
امرتسر

شرح قیمت اخبار ہذا

تفصیل خریداران	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
حکام و رئیسان ملک	ے	عہ	۱۲	سہ	۱
عام شائقین سے	عہ	۱۴	ے	سہ	۲۹
عام شائقین شہر سے	۱۳	۰۲	سہ	۱	۲۳

بعد میعاد مقررہ کی دوگنی قیمت لیجائیگی

دستور العمل

یہہ اخبار ہفتہ میں ایکبار دوشنبہ کو شایع ہوتا ہے
خریداران شرح قیمت نقشہ سے معلوم کرین سال
کیواسطے ایک ماہ ششماہی کیواسطے دو ہفتہ سہ ماہی کیواسطے

درخواست کے ساتھ قیمت آنی چاہیئے خریداران
کو چاہیے کہ درخواست کے ساتھ قیمت بھیجدین
تحریر جوابی کیواسطے کارڈ جوابی بھیجین ورنہ
تعمیل ناممکن سمجھین اجرت اشتہارات مفید خاص
فی سطر ۲ مقرر ہے مفید عام مفت —
— خریداروں کی تبدیلی ہو تو وہ اپنا پرچہ
ہمارے پاس بھیجین تاکہ جس جگہ ہون
اخبار اوسی جگہہ پہنچے —
— اس مطبع مین ہر قسم کا کام نہایت
عمدگی اور صفائی سے کیا جاتا ہے —

نمبر ۱۸ | مطبوعہ یکم مارچ ۸۶ء بروز دوشنبہ | جلد ۱

چیدہ خبرین

رنگون سے دسمبر ۲۵ کو ۲ بجے چلے
شاہ تھوبا کی ایک خاص تلوار ہندوستان کو آئی ہے
اس مرتبہ پارلیمنٹ مین کم عمر لوگ بہت زیادہ ہین
۳۲ لاکھہ ۴۳ ہزار ایکڑ زمین چاول کی کاشت مین
برہما مین ہے۔
برہما مین ضلع تھیو کانک مین ۵ اسو حسین عورتین
اور لڑکے بھی شامل ہین ڈاکو برآمد ہوئی۔
مسٹر ولسن کی حیات کا اب بالکل اعتبار نہین ہے۔
مسٹر ملاباری کی جانب پر بنارس کی پنڈتون نے بھی منظور
کرلیا کہ ۱۲ سال کے اندر شادی کرنا شاسترون کے خلاف ہے۔
ابھی فرانس مین دو لیڈیون سے مقابلہ ہوا کہ کون
سب سے جلد گفتگو کرتی ہے ایک حضرت ثالث تھے انعام
ایک ہزار پونڈ تھا میعاد گفتگو تین گھنٹہ تھی کہ جس عرصہ
مین ایک نے ۲۳۵۰۰ الفاظ پڑہے اور دوسری نے
۲۹۶۲۱۱ الفاظ کہ جسکو انعام مقررہ ملا
جرمنی اپنے کتون کو بھی فوجی تعلیم دیا چاہتی ہے اونکی
تعلیم ہو رہی ہے کہ وہ پہرہ دے سکین۔
بہت سے ولایت سے کرکٹ کے کھلاڑی ہندوستان آنیوالے ہین
بنگلور مین ایک ہندو لیڈی نے اول مرتبہ انٹرنس
کا امتحان پاس کیا۔
ریلوے درمیان سکھر اور ببر کا تخمینہ ۸۶۵۲۲۹ کیا گیا ہے
چیف جسٹس ہائی کورٹ الہ آباد نے یہہ قرار دیا ہے
کہ اگر کوئی مجسٹریٹ یا حاکم اہانت اہل مقدمہ کرے
تو اوسپر نالش کرنے کے وقت مدعی کو ضرورت نہین ہے
کہ سرکار سے اجازت لے کیونکہ یہہ تو اوسکی ذاتی بیوقوفی ہے
سرکار سے کیا مطلب۔
راست گفتار کا بیان ہے کہ مسٹر ولشا مانک جی پٹیٹ سوداگر مشہور
بمبئی نے بمبئی بڑودہ ریلوے کا دفتر واقع فورٹ بمبئی ۲ لاکھہ روپیہ پر خرید کرلیا
اقرار نامجات مہر پر جو اسٹامپ لگایا جاتا تھا اوسکو
گورنمنٹ نے اب موقوف کردیا ہے۔

ریاض ہند

رسالہ سراج المنیر مصنفہ مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان

مرزا صاحب کے فضائل صوری اور کمالات معنوی اوس سے زیادہ ہین کہ ہم اپنے اس ناچیز پرچہ مین اونکی نسبت کچھہ لکھہ سکین۔ مذہب اسلام کے اثبات اور احقاق حق مین دلایل قاطع اور براہین ساطع کو جس خوبی اور اسلوبی سے بیان کیا ہے الحق کہ سلاست زبان اور عمدگی بیان مین علمائے ماتقدم اور ماتاخر کی تحریر و تقریر ایک گونہ خاص سبقت لیگئی ہین۔ چنانچہ جن صاحبون نے مرزا صاحب کی کتاب براہین احمدیہ کو ملاحظہ کیا ہے وہ بلا شبہہ ہماری ساتھہ اس معاملہ مین ہم صفیر ہونگے۔ باوجودیکہ کتاب مذکور کئی سال سے مشتہر ہوچکی اور اوسکے جواب لکھنے والے کیواسطے دس ہزار روپیہ کے انعامی اشتہارات بھی شایع ہوئے لیکن مخالفین اسلام اور مشککین فی النبوۃ کو یہہ جرات نہوئی کہ اس انعام کے حاصل کرنیکیواسطے سچائی کے میدان مین قدم رکہین۔ مرزا صاحب نے کاغذی سوال و جواب پر حصر نہ کرکے خاص اشتہارات اردو و انگریزی مین چھپوا کے اور ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہرون اور یورپ و امریکہ کی بلاد عظیمہ مین اونکو مشتہر کرایا کہ جس صاحب کو اسلام کے منجانب اللہ اور محمد صاحب کی نبی برحق ہونے مین شبہہ ہو اور کتابوں کو ورق گردانی سے اوسکا اطمینان نہوتا ہو ایک برس تک ہمارے پاس رہکر آسمانی نشانیان اپنی آنکھون سے ملاحظہ کرے اور اوسکے بعد مشرف باسلام ہو۔ بصورت معاینہ نہونے آسمانی نشانیون کے سال بھر کا خرچ خوراک اور کرایہ آمد و رفت بطور تاوان اپنی حیثیت کی موافق دو سو روپیہ ماہوار تک ہمسے وصول کرے لیکن جب اسپر بھی صدائے برنخاست کا معاملہ پایا اور انتظار کی مدت حد سے زیادہ گذر گئی تو یہہ رسالہ لکھنا شروع کیا

مختلف واقعات

جس سپاہی کا بغرض قتل کسی اپنے دشمن کے مقام ملگی سے فرار ہونا پچھلے ہفتہ مین لکھا گیا تہا اوسنے اپنے گانو موضع بہٹی والہ علاقہ فاضلکا ضلع فیروزپور مین جاکر ایک ذیلدار کے جوان لڑکے کو مار ڈالا۔ کہتے ہین وہ ذیلدار سے کسی دیوار کے مقدمہ کے سبب رنجیدہ تہا جب اوسنے مقتول پر بندوق کے فیر کیے اور گرا دیا۔ گانو کے تمام لوگ جمع ہوگئے۔ مگر ڈر کے مارے کوئی دست انداز نہوسکا آخرکار تہانہ دار ابوہر نے پہنچکر انتظام کیا۔ اوسنے اپنے آپکو معہ بندوق تہانہ دار کے حوالہ کیا۔ پولیس نے چالان مرتب کرکے عدالت ضلع مین بہیجدیا ہے۔ کہتے ہین کہ قاتل کے چہرہ سے کوئی پریشانی یا پشیمانی معلوم نہین ہوئی خوش خوش باتین کرتا ہے اوسکا نام شام سنگہ ہے اور عمر ۲۲ سال کی۔

جنوبی امریکہ مین سب سے مالدار عورت ایک گزری ہے اوسکا خاوند کئی کروڑ ایکڑ زمین اور کئی کروڑ روپیہ۔ بہیڑ بکریان اور کوئلہ تانبا اور چاندی کی کانین چھوڑ کر مرا۔ ایک بیڑہ آہنی جہازات کا اور کتنی ہی میل ریلوے سڑک اوسنے ورثہ مین پائی اور اوسکی سالانہ آمدنی کئی کروڑ روپیہ کی ہے صرف کوئلہ کی کانون کی آمدنی ۸۰ ہزار ڈالر کی ہے جس مکان مین وہ رہتی ہے اوسکی تیاری مین ایک کروڑ ڈالر صرف ہوا ہے

ضمیمہ اخبار ریاض ہند امرتسر مطبوعہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلے علیٰ رسولہ الکریم

جان و دلم فدای جمال محمدؐ است — خاکم نثار کوچہ آل محمدؐ است
دیدم بعین قلب و شنیدم بگوش ہوش — در ہر مکان ندائی جمال محمدؐ است
این چشمۂ روان کہ بخلق خدا دہم — یک قطرۂ ز بحر زلال محمدؐ است
این آتشم ز آتش مہر محمدیست — واین آب من ز آب زلال محمدؐ است

رسالہ سراج منیر مشتمل بر نشانہای رب قدیر

یہہ رسالہ اس احقر (مؤلف براہین احمدیہ) نے اس غرض سے تالیف کرنا چاہا ہی کہ تا منکرین حقیت اسلام و مکذبین رسالت حضرت خیر الانام علیہ و آلہ الف الف سلام کی آنکھون کے آگے ایک ایسا چمکتا ہوا چراغ رکہا جائے جسکی ہر ایک سمت سی گوہر آبدار کیطرح روشنی نکل رہی ہے اور بڑی بڑی پیشگوئیون پر جو ہنوز وقوع مین نہین آئین مشتمل ہے چنانچہ خود خداوند کریم جلشانہ و عز اسمہ نے جسکو پوشیدہ بہیدون کی خبر ہے اس ناکارہ کو بعض اسرار مخفیہ و اخبار غیبیہ پر مطلع کر کے بار عظیم سے سبکدوش فرمایا حقیقت مین آسیکا فضل ہے اور اسیکا کام جس نے چار طرفہ کشاکش مخالفون و موافقون سی اس ناچیز کو مخلصی بخشی ع قصہ کوتاہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود ؛ اب یہہ رسالہ قریب الاختتام ہی اور انشاء اللہ القدیر صرف چند ہفتون کا کام ہے اور اس رسالہ مین تین قسم کی پیشگوئیان ہین **اول** وہ پیشگوئیان کہ جو خود اس احقر کی ذات سی تعلق رکہتی ہین یعنی جو کچہہ راحت یا رنج یا حیات یا وفات اس ناچیز سے متعلق ہی یا جو کچہہ تفضلات و انعامات الہیہ کا وعدہ اس ناچیز کو دیا گیا ہے وہ ان پیشگوئیون مین مندرج ہے **دوسری** وہ پیشگوئیان جو بعض احباب یا عام طور پر کسی ایک شخص یا بنی نوع سی متعلق ہین اور انمین سی ابہی کچہہ کام باقی ہے اور اگر خدا تعالیٰ نے چاہا تو وہ بقیہ بہی طے ہو جائیگا **تیسری** وہ پیشگوئیان جو مذہب غیر کے پیشواؤن یا واعظون یا ممبرون سے تعلق رکہتی ہین اور اس قسم مین ہمنے صرف بطور نمونہ چند نامی **آریہ** صاحبون اور چند قادیان کے ہندوون کو لیا ہے جنکی نسبت مختلف قسم کی پیشگوئیان ہین کیونکہ انہین مین آجکل نئی نئی تیزی اور انکار اشد پایا جاتا ہی اور ہمین اس تقریب پر یہہ بہی خیال ہے کہ خداوند کریم ہماری محسن گورنمنٹ انگلشیہ کو جسکے احسانات سی ہمکو بتمامتر فراغت و آزادی گوشۂ خلوت میسر و کنج امن و آسائش حاصل ہے ظالمون کے ہاتہہ سے اپنی حفظ و حمایت مین رکہی اور روس منحوس کو اپنی سرگردانیون مین محبوس و معکوس و مبتلا کر کر ہماری گورنمنٹ کو فتح و نصرت نصیب کری تاہم وہ بشارتین بہی (اگر ملجائین) اس عمدہ موقعہ پر درج رسالہ کرین انشاء اللہ تعالیٰ اور چونکہ پیشگوئیان کوئی اختیاری بات نہین ہی تا ہمیشہ اور ہر حال مین خوشخبری پر دلالت کرین اسلئی ہم بانکسار تمام اپنی موافقین و مخالفین کی خدمت مین عرض کرتے ہین کہ اگر وہ کسی پیشگوئی کو اپنی نسبت ناگوار طبع (جیسی خبر موت فوت یا کسی اور مصیبت کے نسبت) پاوین تو اس بندہ ناچیز کو معذور تصور فرماوین بالخصوص وہ صاحب جو باعث مخالفت و مغایرت مذہب اور بوجہ نامحرم اسرار ہونیکی حسن ظن کیطرف بمشکل رجوع کر سکتے ہین جیسے منشی **اندرمن صاحب** مرادآبادی و پنڈت **لیکھرام** صاحب پشاوری وغیرہ جنکی قضا و قدر کے متعلق غالباً اس رسالہ مین بقید

وقت وتاریخ کچھہ تحریر ہوگا اُن صاحبون کی خدمت مین
دلی صدق سی ہم گذارش کرتے ہین جو ہمین فی الحقیقت کسی
کی بدخواہی دل مین نہین بلکہ ہمارا خداوند کریم خوب جانتا ہی
کہ ہم سب کی بہلائی چاہتے ہین اور بدی کی جگہہ نیکی کرنے کو
مستعد ہین اور بنی نوع کے ہمدردی سی ہمارا سینہ منور
ومعمور ہے اور سب کے لئی ہم راحت وعافیت کی خواستگار ہین
لیکن جو بات کسی موافق یا مخالف کی نسبت یا خود ہماری نسبت
کچھہ رنج دہ منکشف ہو تو ہم اسمین بکلی مجبور ومعذور ہین۔
ہان ایسی بات کی دروغ نکلنے کے بعد جو کسی دل کے دکھنے
کا موجب ٹہرے۔ ہم سخت لعن وطعن کے لائق بلکہ سزا
کے مستوجب ٹہرینگے۔ ہم قسمیہ بیان کرتے ہین اور عالم الغیب
کو گواہ رکہہ کر کہتے ہین کہ ہمارا سینہ سراسر نیک نیتی سی بہرا ہوا
ہے اور ہمین کسی فرد بشر سے عداوت نہین اور گو کوئی
بدظنی کی راہ سے کیسی ہی بدگوئی وبدزبانی کی مشق کر رہا
ہے اور ناخداترسی سے ہمین آزار دے رہا ہے ہم
پہر بہی اُس کے حق مین دعا ہی کرتے ہین کہ ای خدای
قادر توانا اسکو سمجھہ بخش اور ہم اسکو اُسکے ناپاک خیال اور
ناگفتنی باتون مین معذور سمجھتی ہین کیونکہ ہم جانتی ہین
کہ ابہی اسکا مادہ ہی ایسا ہے اور ہنوز اسکی سمجھہ اور نظر
اسیقدر ہے کہ جو حقایق عالیہ تک نہین پہنچ سکتی۔

زاہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست
در حق ما ہرچہ گوید جای ہیچ اکراہ نیست

اور باوجود اس رحمت عام کے کہ جو فطرتی طور پر خدای بزرگ
وبرتر نے ہماری وجود مین رکہی ہے اگر کسی کی نسبت
کوئی بات ناملایم یا کوئی پیشگوئی وحشت ناک بذریعہ الہام
ہم پر ظاہر ہو تو وہ عالم مجبوری ہے جسکو ہم غم سی بہری
ہوئی طبیعت کی ساتھ اپنی رسالہ مین تحریر کرینگی۔ چنانچہ ہم پر
خود اپنی نسبت اپنے بعض جسدی اقارب کی نسبت اپنے
بعض دوستون کی نسبت اور بعض اپنی فلاسفر قومی بہائیون
کی نسبت کہ گویا نجم الہند ہین اور ایک دیسی امیر نووارد پنجابی
الاصل کی نسبت بعض متوحش خبرین جو کسی کے ابتلا اور کسی
کے موت وفوت اعزہ اور کسی کے خود اپنی موت پر دلالت کرتی
ہین جو انشاء اللہ القدیر بعد تصفیہ لکہی جائینگی منجانب اللہ منکشف
ہوئی ہین اور ہر ایک کے لئے ہم دعا کرتے ہین کیونکہ
ہم جانتے ہین کہ اگر تقدیر معلق ہو تو دعاؤن سے
بفضلہ تعالی ٹل سکتی ہے اسی لئی رجوع کرنے والی مصیبتون
کے وقت مقبولون کیطرف رجوع کرتے ہین اور شوخیون
اور بیراہیون سے باز آجاتے ہین۔ باینہمہ اگر کسی صاحب
پر کوئی ایسی پیشگوئی شاق گذرے تو وہ مجاز ہین کہ یکم
مارچ ۱۸۸۶ء سے یا اُس تاریخ سے جو کسی اخبار مین پہلی دفعہ
یہ مضمون شائع ہو ٹہیک ٹہیک دو ہفتہ کے اندر اپنی دستخطی تحریر سے
مجھکو اطلاع دین تا وہ پیشگوئی جسکی ظہور سے وہ ڈرتے
ہین اندراج رسالہ سے علحدہ رکہی جاوے اور موجب
دلازاری سمجھہ کر کسی کو اسپر مطلع نہ کیا جاوے اور کسی کو
اُس کے وقت ظہور سے خبر نہ دیجاوے۔

اُن ہر سہ قسم کی پیشگوئیون مین سے جو انشاء اللہ رسالہ
مین بہ بسط تمام درج ہونگی پہلی پیشگوئی جو خود اس احقر سے
متعلق ہی آج ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء مین جو مطابق پندرہ
جمادی الاول ہے برعایت ایجاز واختصار کلمات الہامیہ
نمونہ کے طور پر لکہی جاتی ہے اور مفصل رسالہ مین مندرج

ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلی پیشگوئی بالہام اللہ تعالیٰ و اعلامہ عزّوجلّ

خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر یک چیز پر قادر ہے (جلّ شانہ و عزّ اسمہ) مجھکو اپنے الہام سے مخاطب کرکے فرمایا کہ مین تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہون اسی کے موافق جو تو نے مجھسے مانگا سو مینے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤن کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیارپور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہان ہین موت کے پنجہ سے نجات پاوین اور وہ جو قبرون مین دبے پڑے ہین باہر آوین اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگون پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتون کے ساتھہ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستون کے ساتھہ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھین کہ مین قادر ہون جو چاہتا ہون کرتا ہون اور تا وہ یقین لائین کہ مین تیرے ساتھہ ہون اور تا انہین جو خدا کے وجود پر ایمان نہین لاتے اور خدا کے دین اور اسکی کتاب اور اسکے پاک رسول محمد مصطفےٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہین ایک کھلی نشانی ملے اور مجرمون کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائیگا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملیگا وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے اسکا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اسکو مقدس روح دیگئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اسکے ساتھہ فضل ہے جو اسکے آنے کے ساتھہ آئیگا وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا وہ دنیا مین آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتون کو بیماریون سے صاف کریگا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائیگا اور وہ تین کو چار کرنیوالا ہوگا (اسکے معنے سمجھہ مین نہین آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول و الآخر مظہر الحق و العلاء کان اللہ نزل من السماء جسکا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جسکو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا ہم اسمین اپنی روح ڈالین گے اور خدا کا سایہ اسکے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھیگا اور اسیرون کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کنارون تک شہرت پائیگا اور قومین اس سے برکت پائینگی تب اپنی نفسی نقطہ آسمان کیطرف اٹھایا جائیگا وکان امرا مقضیا۔

پھر خدائے کریم نے مجھے بشارت دیکر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھریگا اور مین اپنی نعمتین تجھ پر پوری کرونگا اور خواتین مبارکہ سے جنمین سے تو بعض کو اسکے بعد پائیگا تیری نسل بہت ہوگی اور مین تیری ذریت کو

بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہونگے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائیگی اور ہر یک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جائیگی اور وہ جلد لاولد رہکر ختم ہوجائیگی۔ اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا ان پر بلا پر بلا نازل کرے گا یہانتک کہ وہ نابود ہوجائیں گے ان کے گھر بیواؤں سے بھر جائیں گے اور ان کی دیواروں پر غضب نازل ہوگا لیکن اگر وہ رجوع کرینگے تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کریگا۔ خدا تیری برکتیں ارد گرد پھیلائے گا اور ایک اجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کریگا۔ اور ایک ڈراتا گھر برکتوں سے بھر دے گا۔ تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہیگی۔ خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہوجائے عزت کے ساتھ قایم رکھیگا اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دیگا۔ میں تجھے اٹھاؤنگا اور اپنی طرف بلالونگا پر تیرا نام صفحہ زمین سے کبھی نہیں اٹھیگا اور ایسا ہوگا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود ناکام رہیں گے اور ناکامی اور نامرادی میں مریں گے لیکن خدا تجھے بکلی کامیاب کریگا اور تیری ساری مرادیں تجھے دیگا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا اور وہ مسلمانوں کے اس دوسرے گروہ پر تا بروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے خدا انہیں نہیں بھولیگا اور فراموش نہیں کریگا اور وہ علیٰ حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسے انبیاء بنی اسرائیل (یعنی ظلی طور پر ان سے مشابہت رکھتا ہے)* تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید۔ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالیگا یہانتک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اے منکرو اور حق کے مخالفو اگر تم میرے بندہ کی نسبت شک میں ہو اگر تمہیں اس فضل و احسان سے کچھ انکار ہے جو ہمنے اپنے بندہ پر کیا تو اس نشان رحمت کی مانند تم بھی اپنی نسبت کوئی سچا نشان پیش کرو اگر تم سچے ہو اور اگر تم پیش نہ کرسکو اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہ کرسکوگے تو اس آگ سے ڈرو کہ جو نافرمانوں اور جھوٹوں اور حد سے بڑھنے والوں کے لئے تیار ہے فقط

*حاشیہ۔ امتی کا کمال یہی ہے کہ اپنے نبی متبوع سے بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے مشابہت پیدا کرے یہی کامل اتباع کی حقیقت اور علت غائی ہے جس کے لئے سورہ فاتحہ میں دعا کرنے کیلئے ہم لوگ مامور ہیں بلکہ یہی انسان کی فطرت میں تقاضا پایا جاتا ہے اور اسی وجہ سے مسلمان لوگ اپنی اولاد کے نام بطور تفاؤل عیسیٰ داؤد موسیٰ یعقوب محمد وغیرہ انبیاء علیہم السلام کے نام پر رکھتے ہیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ تا وہی اخلاق و برکات بطور ظلی ان میں بھی پیدا ہوجائیں

راقم

خاکسار غلام احمد (مؤلف براہین احمدیہ) ازمقام ہوشیارپور

طویلہ شیخ مہر علی صاحب رئیس ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء

مباحثہ ہیزم

اس سال اندرونِ ملک میں مباحثہ ہیزم کے سوا کوئی قابلِ ذکر مناظرہ نہیں ہوا۔ ہیزم ہوشیارپور کے ضلع میں ایک قصبہ ہے جہاں ۲ ؍احسان / جون ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء کو غیر احمدیوں اور احمدیوں کے مابین مناظرہ کی شرائط طے ہو چکی تھیں۔ بموجب شرائط ہر فریق کے لئے لازم تھا کہ وہ سند یافتہ مولوی فاضل مناظر پیش کرے۔ بصورت دیگر مبلغ پچاس روپیہ جرمانہ فریق ثانی کو ادا کرنا ضروری تھا۔ غیر احمدی اصحاب چونکہ یہ شرط پوری نہ کر سکے اس لئے طویل بحث و تمحیص کے بعد انہوں نے پبلک میں اپنی معذوری پر ندامت کا اظہار کیا۔ جس پر "وفات و حیات مسیحؑ" اور مسئلہ "ختم نبوت" پر مناظرہ کا آغاز ہوا۔

پہلا مناظرہ ۱۱ بجے شروع ہوا۔ غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی عبداللہ صاحب معمار امرتسری اور جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی سید احمد علی صاحب مولوی فاضل مناظر تھے۔ جماعت احمدیہ کے مناظر نے قرآن مجید، احادیث اور بزرگانِ سلف کے اقوال کی رُو سے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی وفات پر بحث کی۔

دوسرا مناظرہ سوا چار بجے بعد دوپہر شروع ہوا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری مولوی فاضل اور غیر احمدیوں کی طرف سے مولوی عبداللہ صاحب مناظر تھے۔ جناب قاضی صاحب نے ازروئے قرآن مجید اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے کہ آپ کی اتباع کامل سے انسان نبوّت کے انعام سے بھی فیضیاب ہو سکتا ہے۔ غیر احمدی مناظر اس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکے اور اپنی عادت کے مطابق گالیوں اور بدزبانی کے اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئے۔ اس دوسرے مناظرہ کا ابھی نصف وقت بھی نہ گذرا تھا کہ پولیس نے مداخلت بیجا کر کے مناظرہ ختم کروا دیا۔ غیر احمدی علماء پولیس کی بات سنتے ہی سٹیج چھوڑ کر چلے گئے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے مناظرہ نہایت کامیاب رہا۔ پبلک نے نہایت اچھا اثر لیا۔ احمدی احباب مناظرہ سننے کے لئے دُور دُور سے آئے ہوئے تھے۔ لاہور سے جناب چودھری اسد اللہ خاں صاحب بار ایٹ لاء اور میاں غلام محمد صاحب اختر مع دیگر احباب پہنچ گئے تھے۔ اور قادیان سے بہت سے احباب نے سائیکلوں پر اور پیدل چل کر مناظرہ میں شمولیت کی۔[1]

---

[1] "الفضل" ۷ ؍احسان / جون ۱۳۲۲ہش / ۱۹۴۳ء صفحہ ۴

پانچواں باب

حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے

دعویٰ مصلح موعود سے لیکر مجلس علم و عرفان کے قیام تک

—— خلافتِ ثانیہ کا اکتیسواں [۳۱] سال ——

محرم ۱۳۶۳ھ مطابق صلح/جنوری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء تا محرم ۱۳۶۴ھ مطابق فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء

فصل اوّل

پیشگوئی متعلقہ مصلح موعود کے مصداق ہونے کا اعلان

اور

جماعت احمدیہ کیلئے ایک نئے اور مبارک دور کا آغاز

پیشگوئی مصلح موعود کا پسِ منظر

دنیا کی قدیم مذہبی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مصلح موعود کی آمد کی پیشگوئی اصولی اور بنیادی اعتبار سے سب سے پہلے بنی اسرائیل کے سامنے منکشف کی گئی اور بتایا گیا کہ مسیح موعود کے انتقال کے بعد اُس کا فرزند اور اس کا پوتا اس کی آسمانی بادشاہت کا وارث ہوگا۔ چنانچہ طالمود[1] میں لکھا ہے:۔

"IT IS ALSO SAID THAT HE SHALL DIE, AND HIS KINGDOM DESCEND TO HIS SON AND GRANDSON."

---

[1] طالمود باب پنجم صفحہ ۳۷ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۸ء (از جوزف بارکلے ایل۔ ایل۔ ڈی) ناشر ان جان مرے البیمرل سٹریٹ 1878

ترجمہ: "یہ بھی ایک روایت ہے کہ مسیح (موعود) کے وفات پانے کے بعد اُس کی بادشاہت (یعنی آسمانی بادشاہت) اُس کے فرزند اور پھر اُس کے پوتے کو ملیگی"

اس ابتدائی خبر کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیث "فَیَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَهٗ"[۱] میں اُمتِ مُسلمہ کو دوبارہ مُصلح موعود کی بشارت دی۔ اور پانچویں صدی ہجری کے شامی بزرگ حضرت امام یحیٰی بن عقب رحمۃ اللہ علیہ نے خدا سے اطلاع پا کر کھُلے لفظوں میں پسرِ موعود کے نام تک کی خبر دے دی چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

وَ مَحْمُوْدٌ سَیَظْهَرُ بَعْدَ هٰذَا
وَ یَمْلِكُ الشَّامَ بِلَا قِتَالٍ[۲]

یعنی مسیح موعود اور ایک عربی النسل انسان کے بعد محمود ظاہر ہوگا اور ملک شام کو کسی (مادّی) جنگ کے بغیر فتح کرے گا۔

اس شامی بزرگ کے علاوہ ہندوستان کے مشہور ولی حضرت شاہ نعمت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شہرۂ آفاق الہامی قصیدہ میں پیشگوئی فرمائی کہ

دورِ اُو چوں شود تمام بکام
پسرش یادگار مے بینم[۳]

یعنی "جب مسیح موعود کا زمانہ کامیابی کے ساتھ گذر جائے گا تو اس کے نمونہ پہ اس کا لڑکا یادگار رہ جائے گا۔ یعنی مقدر یوں ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کو ایک لڑکا پارسا دے گا جو اس کے نمونہ پر ہوگا اور اس کے رنگ میں رنگین ہو جائے گا اور وہ اس کے بعد اس کا یادگار ہوگا"[۴]

سفرِ ہوشیار پور

اب چونکہ ان خدائی نوشتوں کے ظہور کا وقت آپہنچا تھا اس لئے جنابِ الٰہی کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جنوری ۱۸۸۶ء میں حصولِ نشان کیلئے ہوشیار پور میں خلوت گزین ہو کر دُعائیں کرنے کا حکم ملا اور الہام ہوا کہ "تمہاری عقدہ کشائی ہوشیار پور میں ہوگی"[۵]

---

[۱] "مشکوٰۃ" مجتبائی باب نزول عیسیٰ بن مریم صفحہ ۴۸۰ باب نزول عیسیٰ علیہ السلام ۔ [۲] "شمس المعارف الکبریٰ" مصری صفحہ ۳۴۰ ۔ [۳] "اربعین فی احوال المہدیین" مؤلفہ حضرت سید اسمٰعیل شہیدؒ ۔ [۴] یہ ترجمہ سیدنا المسیح الموعودؑ کے قلم مبارک کا ہے (ملاحظہ ہو نشان آسمانی صفحہ ۱۲ طبع اوّل) ۔ [۵] سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۶۹ (مرتبہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ) ۔

جس پر حضور نے حضرت مولوی عبد اللہ صاحب سنوریؓ[1] کو قادیان بُلوا لیا اور شیخ مہر علیشاہ صاحب رئیس ہوشیار پور کے نام خط لکھا کہ مَیں دو ماہ کے لئے ہوشیار پور آنا چاہتا ہوں۔ کسی ایسے مکان کا انتظام کر دیں جو شہر کے کنارے پر ہو اور اس میں بالاخانہ بھی ہو۔ علاوہ ازیں ۱۳ جنوری ۱۸۸۶ء کو اپنے مخلص مُرید چودھری رستم علی صاحب (مدار ضلع جالندھر) کو اطلاع دی کہ:۔

"اس خاکسار نے حسب ایماء خداوند کریم . . . اس شرط سے سفر کا ارادہ کیا ہے کہ شب و روز تنہا ہی رہے اور کسی کی ملاقات نہ ہو اور خداوند کریم جلّ شانہٗ نے اس شہر کا نام بتا دیا ہے جس میں کچھ مدت بطور خلوت رہنا چاہیئے اور وہ ہوشیار پور ہے۔ آپ کسی پر ظاہر نہ کریں کہ بجز چند دوستوں کے اور کسی پر ظاہر نہیں کیا گیا ہے۔"

چنانچہ اس پروگرام کے مطابق سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بہلی میں بیٹھ کر دریائے بیاس کے رستے ۲۲ جنوری ۱۸۸۶ء (مطابق ۱۵ ربیع ثانی ۱۳۰۳ھ)[2] بروز جمعہ ہوشیار پور تشریف لے گئے۔ اس مقدس سفر میں حضرت اقدسؑ کے ساتھ حضور کے مخلص مُریدوں میں سے حضرت مولوی عبد اللہ صاحب سنوری اور حضرت شیخ حامد علی صاحبؓ کے علاوہ ایک صاحب فتح خاں (ساکن رسول پور متصل ٹانڈہ ضلع ہوشیار پور) بھی تھے۔

ہوشیار پور میں حضرت اقدس طویلہ شیخ مہر علی صاحب کے ایک بالاخانہ پر فروکش ہوئے اور پُوری خلوت نشینی اختیار فرماتے ہوئے چلّہ کشی کی چنانچہ حضرت مولوی عبد اللہ صاحب سنوریؓ کا بیان ہے کہ:۔

"ہم راستہ میں فتح خاں کے گاؤں میں قیام کرتے ہوئے دوسرے دن ہوشیار پور پہنچے۔ وہاں جاتے ہی حضرت صاحب نے طویلہ کے بالاخانہ میں قیام فرمایا اور اس غرض سے کہ ہمارا آپس میں کوئی جھگڑا نہ ہو، ہم تینوں کے الگ الگ کام مقرر فرما دیئے۔ چنانچہ میرے سپرد کھانا پکانے کا کام ہوا۔ فتح خاں کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ بازار سے سودا وغیرہ لایا کرے۔ شیخ حامد علی کا یہ کام مقرر ہوا کہ گھر کا بالائی کام اور آنے

---

[1] حضرت مولوی عبد اللہ صاحب سنوریؓ کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ ۱۸۸۵ء میں عالمگیر دعوت نشان نمائی کیلئے جو دو ہزار انگریزی اشتہار حضورؑ نے شائع فرمائے تھے ان کی چھپوائی اور قادیان میں لانے کا انتظام حضور نے انہی کے سپرد فرمایا تھا (ملاحظہ ہو مکتوب حضرت مسیح موعودؑ مورخہ ۹ فروری ۱۸۸۵ء مشمولہ مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر پنجم صفحہ ۱۵۲)۔

[2] ہوشیار پور پہنچنے کی اس تاریخ کی تعیین خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ اور تقویم شمسی کی روشنی میں بآسانی ہو سکتی ہے اور وہ اس طرح کہ حضور نے ۱۸ جنوری ۱۸۸۶ء کو حضرت چوہدری رستم علی صاحب مدار ضلع جالندھر کے نام خط لکھا کہ "اس وقت روانگی براہ راست ہوشیار پور تجویز ہو کر کل انشاء اللہ یہ عاجز روانہ ہو جاوے گا۔" بعد ازاں ۲۶ جنوری ۱۸۸۶ء کو بذریعہ مکتوب اطلاع دی کہ "یہ عاجز بروز جمعہ بخیر و عافیت ہوشیار پور پہنچ گیا ہے" (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر سوم صفحہ ۱۰-۱۱) اب اگر یہ حساب کیا جائے کہ ۱۸ اور ۲۶ جنوری کے درمیان جمعہ کا دن کس تاریخ کو آتا ہے تو وہ ٹھیک ۲۲ جنوری ۱۸۸۶ء ہی کی تاریخ بنتی ہے۔ حضرت المصلح الموعودؓ فرماتے ہیں:۔ "حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۱ جنوری ۱۸۸۶ء کو روانہ ہوئے اور ایک رات رسول پور ٹھہرتے ہوئے ۲۲ جنوری جمعہ کے دن وہاں پہنچ گئے" (الموعود صفحہ ۱۲)۔

جانے والے کی مہمان نوازی کرے۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے بذریعہ دستی اشتہارات اعلان کر دیا کہ چالیس دن تک مجھے کوئی صاحب ملنے نہ آویں اور نہ کوئی صاحب مجھے دعوت کے لئے بُلائیں۔ ان چالیس دن کے گذرنے کے بعد مَیں یہاں بیس دن اور ٹھہروں گا۔ ان بیس دنوں میں ملنے والے ملیں۔ دعوت کا ارادہ رکھنے والے دعوت کر سکتے ہیں اور سوال وجواب کرنے والے سوال جواب کر لیں اور حضرت صاحب نے ہم کو بھی حکم دے دیا کہ ڈیوڑھی کے اندر کی زنجیر ہر وقت لگی رہے اور گھر میں بھی کوئی شخص مجھے نہ بلائے۔ مَیں اگر کسی کو بُلاؤں تو وہ اسی حد تک میری بات کا جواب دے جس حد تک کہ ضروری ہے اور نہ اوپر بالاخانہ میں کوئی میرے پاس آوے۔ میرا کھانا اُوپر پہنچا دیا جاوے۔ مگر اس کا انتظار نہ کیا جاوے کہ مَیں کھانا کھاؤں۔ خالی برتن پھر دوسرے وقت لے جایا کریں۔ نماز مَیں اُوپر الگ پڑھا کروں گا۔ تم نیچے پڑھ لیا کرو۔ جمعہ کے لئے حضرت صاحب نے فرمایا کہ کوئی ویران سی مسجد تلاش کرو جو شہر کے ایک طرف ہو جہاں ہم علیحدگی میں نماز ادا کر سکیں۔ چنانچہ شہر کے باہر ایک باغ تھا۔ اس میں ایک چھوٹی سی ویران مسجد تھی۔ وہاں جمعہ کے دن حضور تشریف لے جایا کرتے تھے اور ہم کو نماز پڑھاتے تھے اور خطبہ بھی خود پڑھتے تھے۔"[1]

یہ چلّہ کشی اور ریاضت شاقہ اوّل سے آخر تک چونکہ خدائے عزّوجلّ و قادر و توانا کے خاص اذن اور اُسی کی راہ نمائی سے تھی اس لئے حضور نے اس کے دوران ۱۱ فروری ۱۸۸۶ء کو چودھری رستم علی صاحب کو خط لکھا کہ

"ابھی تک مجھ کو کچھ خبر نہیں کہ کب تک اس شہر میں رہوں اور کس راہ سے جاؤں۔ یہ سب باتیں جناب الٰہی کے اختیار میں ہیں۔ اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ ھُوَ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ"[2]

اس عظیم مجاہدہ کے دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور پر آسمانی افضال و انوار کے بے شمار دروازے کھولے گئے اور بار بار مکالمات و مخاطبات سے نوازا گیا چنانچہ حضرت مولوی عبد اللہ صاحب سنوریؓ کی روایت ہے کہ

"مَیں کھانا چھوڑنے اُوپر جایا کرتا تھا اور حضور سے کوئی بات نہیں کرتا تھا مگر کبھی حضور مجھ سے خود کوئی بات کرتے تھے تو جواب دے دیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا۔ میاں عبد اللہ! ان دنوں میں مجھ پر بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے فضل کے دروازے کھلے ہیں اور بعض اوقات دیر دیر تک خدا تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ اگر اُن کو لکھا جاوے تو کئی ورق ہو جاویں"[3]

---

[1] "سیرت المہدی" طبع دوم حصّہ اوّل صفحہ ۷۰ (مرتبہ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)۔ [2] "مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم نمبر سوم صفحہ ۱۳ (ناشر حضرت شیخ یعقوب علی صاحبؓ عرفانی الکبیر)۔ [3] "سیرت المہدی" طبع دوم حصّہ اوّل صفحہ ۷۰-۷۱۔

مصلح موعود کے عطا کئے جانے کی بشارت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چلہ کشی کے دوران اسلام کی آسمانی فتح کے لئے اپنے محبوب حقیقی کی بارگاہ میں ایک رحمت کے نشان کے لئے نہایت تضرع اور ابتہال کے ساتھ جو دُعائیں کیں وہ قبول ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ نے اس مجاہدۂ عظیمہ کے خاتمہ پر آپ کو بذریعہ الہامات نہ صرف خود حضورؑ کی ذات، حضورؑ کی ذریت طیبہ اور مستقبل میں پیدا ہونے والی حضور کی جماعت کی نسبت بھاری بشارتیں دیں بلکہ آپ کی ذریت و نسل اور تخم سے پیدا ہونے والے ایک پسر موعود اور مصلح موعود کی خبر دی۔ نیز بتایا گیا کہ اس کا وجود دُنیا بھر میں خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے منکروں اور مکذّبوں پر حجّتِ قاطعہ کی حیثیت رکھے گا جس کے ذریعہ سے دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہوگا۔

علاوہ ازیں بذریعہ وحی خفی یہ بھی خبر دی گئی کہ

"ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے بہرحال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا۔" [۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یہ صرف پیشگوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جلّشانہٗ نے ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا ہے اور درحقیقت یہ نشان ایک مُردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلیٰ و اولیٰ و اکمل و افضل و اتم ہے" [۲]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مصلح موعود سے متعلق عظیم الشان نشان رحمت کی الہامی تفصیل ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں درج فرمائی جو پہلی بار اخبار ریاض ہند امرتسر مورخہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء میں بطور ضمیمہ شائع ہوا۔ اور جس کا متن یہ تھا:۔

"پہلی پیشگوئی بالہام اللہ تعالیٰ و اعلامہٖ عزّ و جلّ خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر یک چیز پر قادر ہے (جلّ شانہٗ و عزّ اسمہٗ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے

---

[۱] اشتہار واجب الاظہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۷۲)، اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۷۶، و اشتہار محک اخیار و اشرار" (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۸۴)۔

[۲] اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء (تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۷۳-۷۴)۔

ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ اُسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے مانگا۔ سو مَیں نے تیری تضرّعات کو سُنا اور تیری دُعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لُدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفّر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا۔ تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ یہ سمجھیں کہ مَیں قادر ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ مَیں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسُول محمد مصطفیٰؐ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھُلی نشانی ملے اور مجرموں کا راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملیگا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذرّیت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اُس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدّس رُوح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے۔ وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اُسے اپنے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مظھر الاوّل و الاٰخر مظھر الحق و العلاء کانّ اللہ نزل من السّماء۔

جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا[1] الخ"

پنڈت لیکھرام کا اشتہار

اس پیشگوئی کی اشاعت پر پنڈت لیکھرام نے ۱۸ مارچ ۱۸۸۶ء کو اشتہار دیا کہ

"آپ کی ذریت بہت جلد منقطع ہو جائے گی۔ غایت درجہ تین سال تک شہرت رہے گی"

"ہمارا الہام یہ کہتا ہے کہ لڑکا کیا تین سال کے اندر اندر آپ کا خاتمہ ہو جائے گا اور آپ کی ذریت سے کوئی باقی نہ رہے گا۔"[2]

مصلح موعود کی نسبت مزید انکشافات

اس اشتہار کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مصلح موعود کے بارے میں مزید انکشافات کے لئے آستانہ احدیت کی طرف توجہ کی تو اللہ جلّ شانہٗ کی طرف سے ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کو یہ کھلا کہ:-

"ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والا ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں۔ لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔"[3]

بشیر اوّل پیشگوئی کے اس حصہ کے مطابق کہ "ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے" ۷ اگست ۱۸۸۶ء کو پیدا ہوئے اور ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء[4] والی پیشگوئی "خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے" کی آسمانی خبر کو پورا کرتے ہوئے ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو فوت ہو گئے جس پر مخالفین اسلام نے شور مچا دیا کہ مصلح موعود والی پیشگوئی جھوٹی نکلی حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں الہاماً کبھی پسر موعود قرار نہیں دیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نو سالہ میعاد میں ایک مزید تعیین کی تصریح ہو گئی۔ یعنی اطلاع دی گئی کہ اب بشیر ثانی یا مصلح موعود

۲؎ کلیات آریہ مسافر صفحہ ۴۹۳ ۔ ۵۰۱ شائع کردہ رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز مطبع مفید عام لاہور مطبوعہ ۱۹۰۴ء۔

۳؎ اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء "تبلیغ رسالت" جلد اوّل صفحہ ۷۶۔

۴؎ سبز اشتہار صفحہ ۱۔

بلاتوقف پیدا ہوگا۔ یہ تعیین اگرچہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے مندرجہ ذیل الہام میں موجود تھی کہ "اس (یعنی بشیر اوّل ناقل) کے ساتھ فضل (یعنی بشیر ثانی یا مصلح موعود۔ ناقل) ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئیگا" لیکن بشیر اوّل کی وفات سے جہاں دشمنانِ اسلام کی اندرونی کیفیت بے نقاب ہوگئی وہاں اللہ تعالےٰ کی طرف سے مزید تسلی کے طور پر دربارہ مصلح موعود صراحتاً بھی خبر دی گئی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بشیر اوّل کی وفات پر یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو سبز اشتہار شائع کیا کہ:۔

(الف) "بشیر اوّل جو فوت ہوگیا ہے بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا اس لئے دونوں کا ایک ہی پیشگوئی میں ذکر کیا گیا۔" [۱]

(ب) "ظلمت اور روشنی دونوں اس لڑکے (بشیر اوّل۔ ناقل) کے قدموں کے نیچے ہیں۔ یعنی اُس کے قدم اُٹھانے کے بعد جو موت سے مُراد ہے ان کا آنا ضرور ہے۔ سو اے وے لوگو جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا۔ حیرانی میں مت پڑو بلکہ خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی" [۲]

(ج) "دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائیگا جس کا دوسرا نام محمود ہے وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین۔ آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ نادان اس کے الہامات پر ہنستا ہے اور احمق اس کی پاک بشارتوں پر ٹھٹھا کرتا ہے کیونکہ آخری دن اس کی نظر سے پوشیدہ ہے اور انجام کار اس کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے" [۳]

سبز اشتہار کے موعود کی ولادت

سبز اشتہار کی اشاعت کے قریباً ڈیڑھ ماہ بعد ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو بشیر ثانی محمود المصلح الموعود کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی دن ایک اشتہار بعنوان "تکمیل تبلیغ" شائع فرمایا جس میں دس شرائط بیعت شائع کرتے ہوئے اطلاع دی کہ

"خدائے عزّوجلّ نے . . . . اپنے لطف و کرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اوّل کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہوگا . . . . سو آج ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء میں

---

[۱] سبز اشتہار (طبع اوّل) حاشیہ صفحہ ۲۱ ، [۲] ایضاً صفحہ ۱۷ ، [۳] ایضاً حاشیہ صفحہ ۷

مطابق ۹ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ روز شنبہ میں اس عاجز کے گھر میں بفضلہ تعالیٰ ایک لڑکا پیدا ہو گیا ہے۔ جس کا نام بالفعل محض تفاؤل کے طور پر بشیر اور محمود بھی رکھا گیا ہے اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائے گی" [۱]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس وعدہ کے مطابق بعد میں شائع ہونے والی متعدد تصانیف مثلاً سراج منیر[۲]، سر الخلافہ[۳]، ضمیمہ انجام آتھم[۴]، تریاق القلوب[۵] اور حقیقۃ الوحی[۶] میں پُرزور طریق سے دنیا بھر کو یہ اطلاع دے دی کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کا وہ موعود فرزند جسے وعدہ الٰہی کے مطابق نو سالہ میعاد کے اندر بشیر اوّل کے بعد بلا توقف پیدا ہونا تھا اور جس کو سبز اشتہار میں بشیر ثانی اور محمود اور مصلح موعود کے الہامی ناموں سے یاد کیا گیا تھا پیدا ہو چکا ہے۔ اور خدا کی پیشگوئی حرف بحرف صحیح نکلی ہے۔ چنانچہ حضور نے "حقیقۃ الوحی" میں تحریر فرمایا کہ:۔

"میرے سبز اشتہار کے ساتویں صفحہ میں اس دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے کے بارے میں یہ بشارت ہے۔ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ وہ اگرچہ اب تک جو یکم ستمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ یہ ہے عبارت اشتہار سبز کے صفحہ سات کی جس کے مطابق جنوری ۱۸۸۹ء میں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام محمود رکھا گیا اور اب تک بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہے اور سترھویں سال میں ہے" [۷]

بزرگانِ سلسلہ کا مسلک

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فیصلہ کن ارشاد کی وجہ سے سلسلہ احمدیہ کے مقتدر بزرگ شروع ہی سے حضرت سیدنا محمودؓ کو مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق یقین کرتے تھے چنانچہ حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہیؓ نے سالانہ جلسہ ۱۹۱۰ء کے موقعہ پر اپنی تقریر کے دوران واضح لفظوں میں اعلان کیا کہ

"ایک یہ بھی الہام تھا کہ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ الخ جو اس حدیث کی پیشگوئی کے مطابق تھا جو مسیح موعود کے بارے میں ہے يَتَزَوَّجُ وَ يُولَدُ لَهُ یعنی آپ کے ہاں

---

[۱] "تبلیغ رسالت" (طبع اوّل) جلد اوّل حاشیہ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸ ۔ [۲] ایضاً حاشیہ صفحہ ۳۴ ۔ [۳] ایضاً صفحہ ۵۳ ۔
[۴] ایضاً صفحہ ۱۵ ۔ [۵] ایضاً صفحہ ۴۲ ۔ [۶] ایضاً صفحہ ۳۶۰ ۔
[۷] "حقیقۃ الوحی" (طبع اوّل) صفحہ ۳۶۰ ۔

ولد صالح عظیم الشان پیدا ہوگا چنانچہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب موجود ہیں" [1]

اسی طرح حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس عقیدہ و مسلک کا برملا اظہار فرمایا کہ پسر موعود میاں صاحب (یعنی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد) ہی ہیں چنانچہ پیر منظور محمد صاحبؓ نے ۱۰ ستمبر ۱۹۱۳ء کو حضرت خلیفہ اولؓ سے عرض کیا کہ "مجھے آج حضرت اقدسؑ کے اشتہارات کو پڑھ کر پتہ مل گیا ہے کہ پسر موعود میاں صاحب ہی ہیں" اس پر حضور نے ارشاد فرمایا:-

"ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں"

حضرت پیر صاحب موصوفؓ نے یہی الفاظ لکھ کر تصدیق کے لئے پیش کئے تو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اپنے دست مبارک سے رقم فرمایا:-

یہ لفظ میں نے برادرم پیر منظور محمد سے کہے ہیں
نورالدین ۱۰ ستمبر ۱۳ء

یہ لفظ میں نے برادرم پیر منظور محمد سے کہے ہیں

نورالدین ۔ ۱۰ ستمبر ۱۳ء

حضرت پیر صاحبؓ نے خلافت ثانیہ کے ابتدائی ایام میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے مصلح موعود ہونے کے ثبوت میں "پسر موعود" کے نام سے ایک لاجواب رسالہ شائع کیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی اس تحریر کا چربہ بھی چھاپ دیا۔

غیر مبائع اصحاب کا مطالبہ

اس مرحلہ پر غیر مبائع اصحاب نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اگر حضرت صاحبزادہ صاحب الہامی دعویٰ اور حلفیہ بیان دے دیں تو وہ بلا تامل آپ کو مصلح موعود مان لیں گے۔ چنانچہ اخبار "پیغام صلح" نے لکھا:-

"ہمیں حضرت صاحبزادہ میرزا محمود احمد صاحب کے موعود لڑکا ماننے میں کوئی بھی عذر نہیں۔ اور نہ

[1] ضمیمہ اخبار "بدر" ۲۶ جنوری ۱۹۱۱ء صفحہ ۲

ہمیں مسیح موعود کے لڑکوں میں سے کسی لڑکے کی جانشینی کا کوئی سوال ہے۔ صرف اس موعود لڑکے کے متعلق حضرت مسیح موعود نے الوصیت میں یہ علامت بتلائی کہ وہ قرب اور وحی کے ساتھ مخصوص کیا جائے گا۔ سو وحی اور مامور ہونے کا ہمیں انتظار ہے کسی بات سے انکار نہیں"[1]

اسی طرح جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اپنے رسالہ "اندرونی اختلافاتِ سلسلہ احمدیہ کے اسباب" میں حلفیہ بیان کا مطالبہ کرتے ہوئے تحریر کیا:۔

"آخری التماس حضرت میاں صاحب کی خدمت میں یہ بھی کرتا ہوں . . . . اگر وہ الہاماً مامور ہیں تو بڑے حلف . . . . اعلان کریں کہ میں الہاماً کھڑا کیا گیا اور میں وہی ہوں جس کا وصیت میں ذکر ہے اور مجھے الہاماً اطلاع دی گئی ہے کہ قدرتِ ثانی کا میں مظہر ہوں۔ چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ کون چاہتا ہے کہ وہ دن قریب نہ آویں۔ کم از کم میں اپنے متعلق فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس حلف کے بعد مجھ پر حرام ہوگا کہ میں حضرت میاں صاحب کے عقائد کے خلاف کچھ لکھوں یا . . . . قبول کرلوں گا یا میں دعاؤں میں لگ جاؤں گا۔ بہرحال میں خاموش ہو جاؤں گا . . . . اگر وہ مصلح موعود ہیں تو پھر وہ حلفاً یہ بیان کریں کہ آیا الہاماً ان کو اطلاع ملی کہ وہ وہی فرزند ہیں جس کا اشارہ سبز اشتہار میں ہے۔ اگر وہ الہاماً نہیں تو پھر اپنے مریدوں کو روکیں کیونکہ وہ آپ کو مصلح موعود یا پسرِ موعود بنا رہے ہیں۔ آپ کیوں خاموش ہو رہے ہیں یا یہ خاموشی نہایت خطرناک ہے۔ آپ کے مبائعین میں سے ایک نے مصلح موعود آپ کو بنایا اور ایک رسالہ میں لکھا۔ الخ"[2]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کا موقف

اس مطالبہ کے جواب میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ میں مصلح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا نہ دعویٰ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ بطور نمونہ چند تحریرات ملاحظہ ہوں:۔

پہلی تحریر

حضور نے ۱۹۱۶ء میں فرمایا:۔

"مصلح موعود کے لئے نہ تو دعویٰ وحی سے ضروری ہے اور (نہ)[3] بلا وحی کے . . . . اور ہو سکتا ہے کہ وہ دعویٰ بھی نہ کرے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے کئی پیشگوئیاں اُمّت کے بڑے بڑے آدمیوں کی نسبت فرمائیں۔ بعض نے اُن کے مستحق ہونے کا دعویٰ بھی نہ کیا۔ ہاں لوگوں نے سمجھ کر ان پر چسپاں

---

[1] "الفضل" ۲۹ مارچ ۱۹۱۴ء صفحہ ۴ کالم ۱ ۔ [2] "اندرونی اختلافاتِ سلسلہ احمدیہ کے اسباب" صفحہ ۷۲ - ۷۳ (ناشر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور۔ دسمبر ۱۹۱۴ء) ۔ [3] یہ لفظ سہوِ کتابت کی وجہ سے رہ گیا ہے۔

کیں۔ مثلاً محمد مہدی فاتح قسطنطنیہ کی نسبت پیشگوئی موجود ہے اُس کا دعویٰ ثابت نہیں۔ اور بھی ہیں۔ پس
مَیں مصلح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر مَیں ہوں تو الحمدللہ۔ دعویٰ سے فائدہ نہیں۔ اگر مَیں نہیں تو اس
احتیاط سے مَیں ایک غلطی سے محفوظ ہو گیا۔ بعض لوگ مجھے وہ موعود سمجھتے ہیں۔ مَیں اُن کو بھی نہیں روکتا
ہر ایک شخص کا اپنا خیال و تحقیق ہے اور خلاف شریعت نہیں" ۵۱

دوسری تحریر پھر وسط جون ۱۹۳۷ء کی بات ہے کہ راولپنڈی میں غیر مبائعین سے ایک تحریری مناظرہ طے پایا۔
ایک موضوع "مصلح موعود" بھی مقرر تھا اور مناظر مولانا ابوالعطاء صاحب قرار پائے۔ آپ جب قادیان سے روانہ
ہونے لگے تو حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوریؓ نے فرمایا کہ اگر غیر مبائعین نے یہ کہا کہ حضرت خلیفۃ المسیح
الثانیؓ تو دعویٰ نہیں کرتے اور آپ لوگ اپنی طرف سے انہیں مصلح موعود کہے جا رہے ہیں تو کیا جواب ہو گا؟ مولانا
ابوالعطاء صاحب نے یہی سوال حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر حضور نے اپنے قلم سے حسب
ذیل تحریر لکھ دی:۔

مکرمی مولوی ابوالعطاء صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اول۔ میرے نزدیک
مصلح موعود بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا موعود ہے۔
اور ہمارا یہ ایک عقیدہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں آنیوالا
کوئی مرد۔

دوم میرے نزدیک جس حد تک میں نے ان پیشگوئیوں کا مطالعہ کیا ہے انکا کوئی بھی حصہ باقی نہیں رہتا جو مکمل طور کا مستقبل سے مطابق ہو

سوم - میں یہ کہ میں اسکو پیشگوئیوں کا موعود ہونے کے دعوے کو شرط مطلق قرار نہیں دیتا رکھتے میرے نزدیک میرے دعویٰ کا انحصار نہیں ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ان پیشگوئیوں کا جو حصہ ہے وہ بڑی حد تک خدا تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے پورا کر دیا ہے لیکن میں کسی تعجب کا باعث نہیں دیکھتا اگر میرے بعد آنے والے کسی دوسرے کے ذریعہ سے بھی ان کا کچھ حصہ پورا ہو یا ان سے بڑا حصہ

کام خدا تعالیٰ کروائے خاکسار

مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی 18/6/37

مکرمی مولوی ابوالعطاء صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اوّل۔ میرے نزدیک مصلح موعود بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودہ اولاد میں سے ایک لڑکا ہے نہ کہ آئندہ زمانہ میں آنے والا کوئی فرد۔

دوم۔ میرے نزدیک جس حد تک مَیں نے اس پیشگوئی کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کی نوّے فیصدی باتیں میرے زمانہ خلافت کے کاموں سے مطابق ہیں۔

سوم۔ چونکہ مَیں اس پیشگوئی کے موعود کے لئے دعویٰ کو شرط قرار نہیں دیتا۔ اس لئے میرے نزدیک میرے لئے دعویٰ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں مَیں سمجھتا ہوں کہ اس پیشگوئی کی جو غرض ہے وہ بڑی حد تک خدا تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے پوری کر دی ہے۔ لیکن مَیں اس میں تعجب کی بات نہیں دیکھتا۔ اگر میرے بھائیوں میں سے کسی دوسرے کے ذریعہ سے بھی اسی قسم کے کام یا ان سے بڑھ کر کام خدا تعالیٰ کروائے۔

خاکسار

مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی ۱۸/۶/۳۷

تیسری تحریر | اس تحریر کے تین برس بعد حضور نے ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء میں خطبہ جمعہ کے دوران ارشاد فرمایا:۔

"لوگوں نے کوشش بھی کی ہے کہ مجھ سے دعویٰ کرائیں کہ مَیں مصلح موعود ہوں۔ مگر مَیں نے کبھی اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ مخالف کہتے ہیں۔ آپ کے مُرید آپ کو مصلح موعود کہتے ہیں۔ مگر آپ خود دعویٰ نہیں کرتے۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ مجھے دعویٰ کی ضرورت کیا ہے؟ اگر مَیں مصلح موعود ہوں تو میرے دعویٰ نہ کرنے سے میری پوزیشن میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ جب میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو پیشگوئی غیر مامور کے متعلق ہو اس

کے لئے دعویٰ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ تو پھر دعوے کی مجھے کیا ضرورت ہے؟ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ریل کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی۔ کیا ضروری ہے کہ ریل دعویٰ کرے۔ . . . اُمّتِ مُسلمہ میں مجدّدین کی جو فہرست حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو دکھانے کے بعد شائع ہوئی ہے، ان میں سے کتنے ہیں جنہوں نے دعویٰ کیا ہو؟ میں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سُنا ہے کہ مجھے تو اورنگ زیب بھی اپنے زمانہ کا مجدّد نظر آتا ہے۔ مگر کیا اس نے کوئی دعویٰ کیا؟ عُمر بن عبدالعزیزؓ کو مجدّد کہا جاتا ہے کیا اُن کا کوئی دعویٰ ہے؟ پس غیر مامور کے لئے دعویٰ ضروری نہیں۔ دعویٰ صرف ماُمورین کے متعلق پیشگوئیوں میں ضروری ہے۔ غیر ماُمور کے صرف کام کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر کام پورا ہوتا نظر آجائے تو پھر اس کے دعویٰ کی کیا ضرورت ہے۔ اس صورت میں تو وہ انکار بھی کرتا جائے تو ہم کہیں گے کہ وہی اس پیشگوئی کا مصداق ہے۔ . . . پس میری طرف سے مصلح موعود ہونے کے دعوے کی کوئی ضرورت نہیں"[۱]

خدا تعالےٰ کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر انکشاف

الغرض حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت کے ابتدائی اٹھائیس اُنتیس برس تک مسلسل اور متواتر اسی موقف پر قائم رہے۔ اس عرصہ میں بڑے بڑے انقلابات آئے اور پیشگوئی مصلح موعود سے متعلق ایک ایک کرکے قریباً سب علامات آپ کے وجود مبارک میں نہایت خارق عادت طریق سے پُوری ہوگئیں۔ خدا تعالےٰ کی اس فعلی شہادت کے مدّنظر اگرچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے علیٰ وجہ البصیرت اپنی اس رائے کا اظہار فرما دیا کہ

"سبز اشتہار میں جو (مصلح موعود) کی پیشگوئی ہے اس میں مجھے کوئی شبہ نہیں کہ وہ میرے ہی متعلق ہے"[۲]

بایں ہمہ مصلح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا یہانتک کہ آپ کی عُمر مبارک پچپن سال کے لگ بھگ پہنچ گئی اور ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کا سال شروع ہوگیا۔

حضرت امیرالمومنینؓ کا جسم مبارک مسلسل بیماریوں اور دماغی محنتوں کی وجہ سے نڈھال ہوچکا تھا اور صحت روز بروز گرتی جارہی تھی اور بار بار بیماریوں میں مبتلا ہو رہے تھے۔ اسی حالت میں حضور نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء کو خطاب فرمایا۔ پھر جلدی ہی حضرت سیدہ ام طاہر کی تشویشناک علالت کے باعث لاہور تشریف لے آئے جہاں حضرت

---

[۱] "الفضل" ۲۳ امان/مارچ ۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء صفحہ ۷ کالم ۲-۳۔ [۲] "الفضل" ۲۷ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۶۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ لاہور کے صحابہ اور دوسرے احباب کے ساتھ اوائل ۱۳۲۳ ہش ۱۹۴۴ء

(ناموں کی تفصیل ضمیمہ میں درج ہے)

شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان کا وہ تاریخی کمرہ
جہاں حضرت المصلح الموعودؓ پر انکشاف ہوا سامنے وہ چارپائی ہے
جہاں حضور انور بوقت رؤیا سو رہے تھے۔

بائیں طرف شیخ بشیر احمد صاحب مصروف گفتگو ہیں۔

سیدہ موصوفہ لیڈی ولنگڈن ہسپتال میں داخل تھیں۔ اس سفر میں حضور کا قیام مکرم شیخ بشیر احمد صاحب بی۔اے، ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ کی کوٹھی واقع ۱۳ ٹمپل روڈ میں تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے قیام لاہور کے دوران (غالباً) ۵-۶ صلح/جنوری ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء کی درمیانی شب کو[1] ایک عظیم الشان رویاء کے ذریعہ آپ پر یہ انکشاف فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو جس موعود بیٹے کی پیدائش کا اعلان ہوشیار پور کی سرزمین سے فرمایا تھا اور جس کے متعلق یہ بتایا گیا تھا کہ وہ مسیحی نفس ہوگا، جلد جلد بڑھے گا، علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا اور وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی وغیرہ وغیرہ۔ اس پیشگوئی کے مصداق آپ ہی ہیں۔

عجیب مشابہتیں

عجیب بات یہ تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر سفر ہوشیار پور کے دوران مصلح موعود کے متعلق الہامات ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو بھی یہ کشف سفر میں ہی ہوا۔ مزید تحقیق کرنے پر یہ بھی علم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کے بالاخانہ میں ٹھہرے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ شیخ بشیر احمد صاحب کے جس مکان میں قیام فرما تھے وہ شیخ مہر علی صاحب ہوشیار پوری کی برادری ہی کے ایک فرد شیخ نیاز محمد مرحوم پلیڈر کا تھا۔[2]

سیدنا المصلح الموعود کا پُرشوکت دعویٰ کہ میں ہی پیشگوئی مصلح موعود کا مصداق ہوں

خدائے ذوالعرش کے اس انکشاف کے بعد حضور انور موٴرخہ ۲۷ ماہ صلح/جنوری قادیان تشریف لائے اور اگلے روز ۲۸ ماہ صلح/جنوری کو مسجد اقصیٰ قادیان کے منبر پر رونق افروز ہو کر ایک مفصل خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔[3] جس میں پہلے تو اپنی تازہ رویاء بالتفصیل بیان فرمائی اور پھر یہ پُرشوکت اعلان فرمایا کہ **میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں۔**

چنانچہ حضور نے سُورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"آج میں ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جس کا بیان کرنا میری طبیعت کے لحاظ سے مجھ پر گراں گذرتا ہے۔ لیکن چونکہ بعض نبوتیں اور الٰہی تقدیریں اس بات کے بیان کرنے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لئے میں اس کے بیان کرنے سے باوجود اپنی طبیعت کے انقباض کے رُک بھی نہیں سکتا۔

---

[1] "الفضل" یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء میں معین تاریخ کی بجائے بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات بتائی گئی ہے۔

[2] "الفضل" ۱۶ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۴۔ [3] "الفضل" ۲۹ صلح/جنوری ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

جنوری کے پہلے ہفتہ میں غالباً بُدھ اور جمعرات کی درمیانی رات کو (مَیں نے غالباً کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے کہ مَیں اندازہ سے کہہ رہا ہوں کہ وہ بُدھ اور جمعرات کی درمیانی رات تھی) مَیں نے ایک عجیب رؤیا دیکھا۔ مَیں نے جیسا کہ بارہا بیان کیا ہے۔ غیر ماموریں کا اپنے کسی رؤیا کو بیان کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اور مَیں خود تو سوائے پچھلے ایام کے جبکہ اس جنگ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بعض اہم خبریں مجھے دیں۔ بہت کم ہی رؤیا بتایا کرتا ہوں بلکہ (اللہ بہتر جانتا ہے۔ یہ طریق درست ہے یا نہیں) مَیں اپنے رؤیا و کشوف اور الہامات لکھتا بھی نہیں اور اس طرح وہ خود بھی کچھ عرصہ کے بعد میری نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ابھی لاہور میں مجھے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے ایک امر کے سلسلہ میں میرا ایک بیس پچیس سال کا پُرانا رؤیا یاد کرایا۔ پہلے تو وہ میرے ذہن میں ہی نہ آیا۔ مگر بعد میں جب انہوں نے اس کی بعض تفصیلات بیان کیں تو اس وقت مجھے یاد آگیا۔ تو میری یہ عادت نہیں ہے کہ مَیں رؤیا و کشوف بیان کروں۔ لیکن چونکہ اس رؤیا کا تعلق بعض اہم امور سے ہے، نہ صرف ایسے امور سے جو کہ میری ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ ایسے امور سے بھی جو بعض سابق انبیاء کی ذات اور ان کی پیشگوئیوں سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ صرف وہ بعض سابق انبیاء کی ذات اور ان کی پیشگوئیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ آئندہ رونما ہونے والے دُنیا کے اہم حالات سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے مَیں مجبور ہوں کہ اس رؤیا کا اعلان کروں اور مَیں نے اس کے اعلان سے پہلے خدا تعالیٰ سے اس بارہ میں دعا بھی کی ہے اور استخارہ بھی کیا ہے تاکہ اس معاملہ میں مجھ سے کوئی بات خدا تعالیٰ کے منشاء اور اس کی رضاء کے خلاف نہ ہو۔

وہ رؤیا یہ تھا کہ مَیں نے دیکھا۔ مَیں ایک مقام پر ہوں جہاں جنگ ہو رہی ہے۔ وہاں کچھ عمارتیں ہیں۔ نہ معلوم وہ گڑھیاں ہیں یا ٹرنچز ہیں۔ بہرحال وہ جنگ کے ساتھ تعلق رکھنے والی کچھ عمارتیں ہیں۔ وہاں کچھ لوگ ہیں جن کے متعلق مَیں نہیں جانتا کہ آیا وہ ہماری جماعت کے لوگ ہیں یا یونہی مجھے اُن سے تعلق ہے۔ مَیں ان کے پاس ہوں۔ اتنے میں مجھے یُوں معلوم ہوتا ہے جیسے جرمن فوج نے جو اس فوج سے جس کے پاس مَیں ہوں برسرِ پیکار ہے، یہ معلوم کر لیا ہے کہ مَیں وہاں ہوں اور اس نے اس مقام پر حملہ کر دیا ہے اور وہ حملہ اتنا شدید ہے کہ اس جگہ کی فوج نے پسپا ہونا شروع کر دیا۔ یہ کہ وہ انگریزی فوج تھی یا امریکن فوج یا کوئی اَور فوج تھی۔ اس کا مجھے اس وقت کوئی خیال نہیں آیا۔ بہرحال وہاں

جو فوج تھی اس کو جرمنوں سے دبنا پڑا۔ اور اس مقام کو چھوڑ کر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ جب وہ فوج پیچھے ہٹی تو جرمن اس عمارت میں داخل ہو گئے جس میں مَیں تھا۔ تب مَیں خواب میں کہتا ہوں۔ دشمن کی جگہ پر رہنا درست نہیں اور یہ مناسب نہیں کہ اب اس جگہ ٹھہرا جائے۔ یہاں سے ہمیں بھاگ چلنا چاہئیے۔ اس وقت مَیں رؤیا میں صرف یہی نہیں کہ تیزی سے چلتا ہوں بلکہ دوڑتا ہوں۔ میرے ساتھ کچھ اَور لوگ بھی ہیں اور وہ بھی میرے ساتھ ہی دوڑتے ہیں۔ اور جب مَیں نے دوڑنا شروع کیا تو رؤیا میں مجھے یوں معلوم ہوا۔ جیسے مَیں انسانی مقدرت سے زیادہ تیزی کے ساتھ دوڑ رہا ہوں۔ اور کوئی ایسی زبردست طاقت مجھے تیزی سے لے جا رہی ہے کہ میلوں میل مَیں ایک آن میں طے کرتا جا رہا ہوں۔ اس وقت میرے ساتھیوں کو بھی دوڑنے کی ایسی ہی طاقت دی گئی مگر پھر بھی وہ مجھ سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اور میرے پیچھے ہی جرمن فوج کے سپاہی میری گرفتاری کے لئے دوڑتے آ رہے ہیں۔ مگر شاید ایک منٹ بھی نہیں گذرا ہوگا کہ مجھے رؤیا میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ جرمن سپاہی بہت پیچھے رہ گئے ہیں مگر مَیں چلتا چلا جاتا ہوں اور یُوں معلوم ہوتا ہے کہ زمین میرے پیروں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ مَیں ایک ایسے علاقہ میں پہنچا جو دامنِ کوہ کہلانے کا مستحق ہے۔ ہاں جس وقت جرمن فوج نے حملہ کیا ہے رؤیا میں مجھے یاد آتا ہے کہ کسی سابق نبی کی کوئی پیشگوئی ہے یا خود میری کوئی پیشگوئی ہے۔ اس میں اس واقعہ کی خبر پہلے سے دی گئی تھی اور تمام نقشہ بھی بتایا گیا تھا کہ جب وہ موعود اس مقام سے دوڑے گا تو اس اس طرح دوڑے گا اور پھر فلاں جگہ جائے گا۔ چنانچہ رؤیا میں جہاں مَیں پہنچا ہوں وہ مقام اس پیشگوئی کے عین مطابق ہے اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ پیشگوئی میں اس امر کا بھی ذکر ہے کہ ایک خاص رستہ ہے جسے مَیں اختیار کروں گا اور اس راستہ کے اختیار کرنے کی وجہ سے دنیا میں بہت اہم تغیّرات ہوں گے اور دشمن مجھے گرفتار کرنے میں ناکام رہے گا۔ چنانچہ جب میں یہ خیال کرتا ہوں تو اس مقام پر مجھے کئی ایک پگ ڈنڈیاں نظر آتی ہیں جن میں سے کوئی کسی طرف جاتی ہے اور کوئی کسی طرف۔ مَیں ان پگ ڈنڈیوں کے بالمقابل دوڑتا چلا گیا ہوں تا معلوم کروں کہ پیشگوئی کے مطابق مجھے کس کس راستہ پر جانا چاہئیے اور مَیں اپنے دل میں یہ خیال کرتا ہوں کہ مجھے تو یہ معلوم نہیں کہ مَیں نے کس راستہ سے جانا ہے اور میرا کس راستہ سے جانا خدائی پیشگوئی کے مطابق ہے۔

ایسا نہ ہو میں غلطی سے کوئی ایسا راستہ اختیار کر لوں جس کا پیشگوئی میں ذکر نہیں۔ اس وقت میں اس سڑک کی طرف جا رہا ہوں جو سب کے آخر میں بائیں طرف ہے۔ اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ مجھ سے کچھ فاصلہ پر میرا ایک اور ساتھی ہے اور وہ مجھے آواز دے کر کہتا ہے کہ اس سڑک پر نہیں دوسری سڑک پر جائیں۔ اور میں اُس کے کہنے پر اس سڑک کی طرف جو بہت دُور ہٹ کر ہے واپس لوٹتا ہوں وہ جس سڑک کی طرف مجھے آوازیں دے رہا ہے انتہائی دائیں طرف ہے اور جس سڑک کو میں نے اختیار کیا تھا وہ انتہائی بائیں طرف تھی۔ پس چونکہ میں انتہائی بائیں طرف تھا اور جس طرف وہ مجھے بُلا رہا تھا وہ انتہائی دائیں طرف تھی۔ اس لئے میں لوٹ کر اس سڑک کی طرف چلا۔ مگر جس وقت میں پیچھے کی طرف واپس ہٹا۔ ایسا معلوم ہوا کہ میں کسی زبردست طاقت کے قبضہ میں ہوں اور اس زبردست طاقت نے مجھے پکڑ کر درمیان میں سے گذرنے والی ایک پگ ڈنڈی پر چلا دیا۔ میرا ساتھی مجھے آوازیں دیتا چلا جاتا ہے کہ اُس طرف نہیں اِس طرف، اُس طرف نہیں اِس طرف۔ مگر میں اپنے آپ کو بالکل بے بس پاتا ہوں اور درمیانی پگ ڈنڈی پر بھاگتا چلا جاتا ہوں (اس جگہ کی شکل رؤیا کے مطابق اس طرح بنتی ہے)

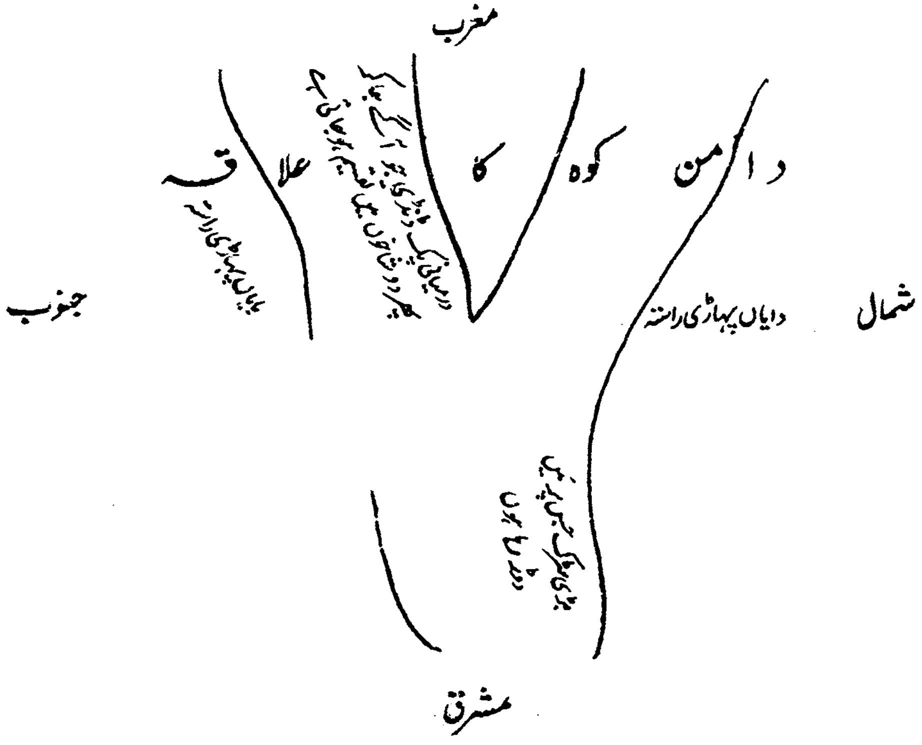

جب میں تھوڑی دُور چلا تو مجھے وہ نشانات نظر آنے لگے جو پیشگوئی میں بیان کئے گئے تھے۔ اور میں کہتا ہوں۔ مَیں اُسی راستہ پر آگیا جو خدا تعالیٰ نے پیشگوئی میں بیان فرمایا تھا۔ اُس وقت رؤیا میں مَیں اس کی کچھ توجیہہ بھی کرتا ہوں کہ مَیں درمیانی پگ ڈنڈی پر جو چلا ہوں تو اس کا کیا مطلب ہے۔ چنانچہ جس وقت میری آنکھ کھُلی۔ معاً مجھے خیال آیا کہ دایاں اور بایاں راستہ جو رؤیا میں دکھایا گیا ہے اُس میں بائیں راستہ سے مراد خالص دُنیوی کوششیں اور تدبیریں ہیں اور دائیں راستہ سے مراد خالص دینی طریق دُعا اور عبادتیں وغیرہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ ہماری جماعت کی ترقی درمیانی راستہ پر چلنے سے ہوگی۔ یعنی کچھ تدبیریں اور کوششیں ہوں گی اور کچھ دُعائیں اور تقدیریں ہوں گی اور پھر یہ بھی میرے ذہن میں آیا کہ دیکھو قرآن شریف نے امتِ محمدیہ کو اُمۃً وسطاً قرار دیا ہے۔ اس وسطی راستہ پر چلنے کے یہی معنے ہیں کہ یہ اُمت اسلام کا کامل نمونہ ہوگی اور چھوٹی پگ ڈنڈی کی یہ تعبیر ہے کہ راستہ گو درست راستہ ہے مگر اس میں مشکلات بھی ہوتی ہیں۔ غرض مَیں اُس راستہ پر چلنا شروع ہوا۔ اور مجھے یُوں معلوم ہوا کہ دشمن بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اتنی دُور کہ نہ اس کے قدموں کی آہٹ سُنائی دیتی ہے اور نہ اس کے آنے کا کوئی امکان پایا جاتا ہے مگر ساتھ ہی میرے ساتھیوں کے پیروں کی آہٹیں بھی کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور وہ بھی بہت پیچھے رہ گئے ہیں مگر مَیں دوڑتا چلا جاتا ہوں اور زمین میرے پاؤں کے نیچے سمٹتی چلی جارہی ہے۔ اس وقت مَیں کہتا ہوں کہ اس واقعہ کے متعلق جو پیشگوئی تھی اس میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس رستہ کے بعد پانی آئے گا اور اس پانی کو عبور کرنا بہت مشکل ہوگا۔ اس وقت مَیں رستے پر چلتا تو چلا جاتا ہوں مگر ساتھ ہی کہتا ہوں۔ وہ پانی کہاں ہے؟ جب مَیں نے یہ کہا۔ وہ پانی کہاں ہے۔ تو یکدم مَیں نے دیکھا کہ مَیں ایک بہت بڑی جھیل کے کنارے پر کھڑا ہوں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اس جھیل کے پار ہو جانا پیشگوئی کے مطابق ضروری ہے۔ مَیں نے اُس وقت دیکھا کہ جھیل پر کچھ چیزیں تیر رہی ہیں۔ وہ ایسی لمبی ہیں جیسے سانپ ہوتے ہیں اور ایسی باریک اور ہلکی چیزوں سے بنی ہوئی ہیں جیسے بئے وغیرہ کے گھونسلے نہایت باریک تنکوں کے ہوتے ہیں وہ اُوپر سے گول ہیں جیسے اژدھا کی پیٹھ ہوتی ہے اور رنگ ایسا ہے جیسے بئے کے گھونسلے سے سفیدی زردی اور خاکی رنگ ملا ہوا۔ وہ پانی پر تیر رہی ہیں اور اُن کے اُوپر کچھ لوگ سوار ہیں جو اُن کو چلا رہے ہیں۔ خواب میں مَیں سمجھتا ہوں۔ یہ بُت پرست قوم ہے۔ اور یہ چیزیں جن پر یہ لوگ سوار ہیں۔ اُن کے

بُت ہیں اور یہ سال میں ایک دفعہ اپنے بُتوں کو نہلاتے ہیں اور اب بھی یہ لوگ اپنے بُتوں کو نہلانے کی غرض سے مقررہ گھاٹ کی طرف لے جا رہے ہیں اور جب مجھے اَور کوئی چیز پار لے جانے کے لئے نظر نہ آئی تو مَیں نے زور سے چھلانگ لگائی اور ایک بُت پر سوار ہو گیا۔ تب مَیں نے سُنا۔ بُتوں کے پُجاری زور زور سے مشرکانہ عقائد کا اظہار منتروں اور گیتوں کے ذریعہ سے کرنے لگے۔ اس پر مَیں نے دل میں کہا کہ اس وقت خاموش رہنا غیرت کے خلاف ہے اور بڑے زور زور سے مَیں نے توحید کی دعوت اُن لوگوں کو دینی شروع کی اور شرک کی بُرائیاں بیان کرنے لگا۔ تقریر کرتے ہوئے مجھے یُوں معلوم ہوا کہ میری زبان اُردو نہیں بلکہ عربی ہے۔ چنانچہ مَیں عربی میں بول رہا ہوں اور بڑے زور سے تقریر کر رہا ہوں۔ رویا میں ہی مجھے خیال آتا ہے کہ ان لوگوں کی زبان تو عربی نہیں۔ یہ میری باتیں کس طرح سمجھیں گے۔ مگر مَیں محسوس کرتا ہوں کہ گو ان کی زبان کوئی اَور ہے مگر یہ میری باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مَیں اسی طرح ان کے سامنے عربی میں تقریر کر رہا ہوں اور تقریر کرتے کرتے بڑے زور سے اُن کو کہتا ہوں کہ تمہارے یہ بُت اس پانی میں غرق کئے جائیں گے اور خدائے واحد کی حکومت دنیا میں قائم کی جائے گی۔ ابھی مَیں یہ تقریر کر ہی رہا تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ اس کشتی نما بُت والا جس پر مَیں سوار ہوں یا اس کے ساتھ کے بُت والا بُت پرستی چھوڑ کر میری باتوں پر ایمان لے آیا ہے اور موحّد ہو گیا ہے۔ اس کے بعد اثر بڑھنا شروع ہوا۔ اور ایک کے بعد دوسرا، اور دوسرے کے بعد تیسرا، اور تیسرے کے بعد چوتھا اور چوتھے کے بعد پانچواں شخص میری باتوں پر ایمان لاتا، مشرکانہ باتوں کو ترک کرتا اور مسلمان ہوتا چلا جاتا ہے۔ اتنے میں ہم جھیل پار کر کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ جب ہم جھیل کے دوسری طرف پہنچ گئے تو مَیں حکم دیتا ہوں کہ ان بُتوں کو جیسا کہ پیشگوئی میں بیان کیا گیا تھا، پانی میں غرق کر دیا جائے۔ اس پر جو لوگ موحّد ہو چکے ہیں وہ بھی اور جو ابھی موحّد تو نہیں ہوئے مگر ڈھیلے پڑ گئے ہیں، میرے سامنے جاتے ہیں اور میرے حکم کی تعمیل میں اپنے بُتوں کو جھیل میں غرق کر دیتے ہیں اور مَیں خواب میں حیران ہوں کہ یہ تو کسی تیرنے والے مادے کے بنے ہوئے تھے یہ اِس آسانی سے جھیل کی تہہ میں کس طرح چلے گئے۔ صرف پُجاری پکڑ کر اُن کو پانی میں غوطہ دیتے ہیں اور وہ پانی کی گہرائی میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد مَیں کھڑا ہو گیا اور پھر انہیں تبلیغ کرنے لگ گیا۔ کچھ لوگ تو ایمان لا چکے تھے مگر باقی قوم جو ساحل پر تھی۔ ابھی ایمان نہیں لائی تھی۔ اس لئے مَیں نے اُن کو تبلیغ کرنی شروع

کر دی۔ یہ تبلیغ مَیں اُن کو عربی زبان میں ہی کرتا ہوں۔ جب مَیں اُنہیں تبلیغ کر رہا ہوں تا کہ باقی لوگ بھی اسلام لے آئیں تو یکدم میری حالت میں تغیر پیدا ہوتا ہے اور مجھے یُوں معلوم ہوتا ہے کہ اب مَیں نہیں بول رہا بلکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے الہامی طور پر میری زبان پر باتیں کی جا رہی ہیں، جیسے خطبہ الہامیہ تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے جاری ہوا۔ غرض میرا کلام اس وقت بند ہو جاتا ہے اور خدا تعالےٰ میری زبان سے بولنا شروع ہو جاتا ہے۔ بولتے بولتے مَیں بڑے زور سے ایک شخص کو جو غالباً سب سے پہلے ایمان لایا تھا۔ غالباً کا لفظ مَیں نے اس لئے کہا کہ مجھے یقین نہیں کہ وہی شخص پہلے ایمان لایا ہو۔ ہاں غالب گمان یہی ہے کہ وہی شخص پہلا ایمان لانے والا یا پہلے ایمان لانے والوں میں سے باثمر اور مفید وجود تھا۔ بہرحال مَیں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہے اور مَیں نے اس کا اسلامی نام عبدالشکور رکھا ہے۔ مَیں اُس کو مخاطب کر کے بڑے زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ پیشگوئیوں میں بیان کیا گیا ہے مَیں اب آگے جاؤں گا اس لئے اے عبدالشکور! تجھ کو مَیں اس قوم میں اپنا نائب مقرر کرتا ہوں۔ تیرا فرض ہوگا کہ میری واپسی تک اپنی قوم میں توحید کو قائم کرے اور شرک کو مٹا دے اور تیرا فرض ہوگا کہ اپنی قوم کو اسلام کی تعلیم پر عامل بنائے۔ مَیں واپس آکر تجھ سے حساب لوں گا اور دیکھوں گا کہ تجھے مَیں نے جن فرائض کی سرانجام دہی کے لئے مقرر کیا ہے ان کو تُو نے کہاں تک ادا کیا ہے۔ اس کے بعد وہی الہامی حالت جاری رہتی ہے اور مَیں اسلام کی تعلیم کے اہم امور کی طرف اُسے توجہ دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تیرا فرض ہوگا کہ ان لوگوں کو سکھائے کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اُس کے بندہ اور اُس کے رسُول ہیں اور کلمہ پڑھتا ہوں اور اس کے سکھانے کا اُسے حکم دیتا ہوں۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کی اور آپ کی تعلیم پر عمل کرنے اور سب لوگوں کو اس ایمان کی طرف بُلانے کی تلقین کرتا ہوں۔ جس وقت مَیں یہ تقریر کر رہا ہوں (جو خود الہامی ہے) یُوں معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ نے خود رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو میری زبان سے بولنے کی توفیق دی ہے اور آپؐ فرماتے ہیں اَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر پر بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور آپؑ فرماتے ہیں اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ اس کے بعد مَیں اُن کو اپنی طرف توجہ دلاتا ہوں چنانچہ اس وقت میری زبان پر جو فقرہ جاری ہوا۔ وہ یہ

ہے۔ وَ اَنَا الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ مَثِيْلُهٗ وَخَلِيْفَتُهٗ اور مَیں بھی مسیح موعود ہوں یعنی اُس کا مثیل اور اُس کا خلیفہ ہوں۔ تب خواب میں ہی مجھ پر ایک رعشہ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اور مَیں کہتا ہوں کہ میری زبان پر کیا جاری ہوا؟ اور اِس کا کیا مطلب ہے کہ مَیں مسیح موعود ہوں؟ اس وقت معاً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اِس کے آگے جو الفاظ ہیں کہ مَثِيْلُهٗ مَیں اس کا نظیر ہوں وَخَلِيْفَتُهٗ اور اُس کا خلیفہ ہوں۔ یہ الفاظ اِس سوال کو حل کر دیتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام کہ وہ حُسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا اس کے مطابق اور اُسے پُورا کرنے کے لئے یہ فقرہ میری زبان پر جاری ہوا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا مثیل ہونے اور اس کا خلیفہ ہونے کے لحاظ سے ایک رنگ میں مَیں بھی مسیح موعود ہی ہوں کیونکہ جو کسی کا نظیر ہوگا اور اس کے اخلاق کو اپنے اندر لے لیگا وہ ایک رنگ میں اس کا نام پانے کا مستحق بھی ہوگا۔ پھر مَیں تقریر کرتے ہوئے کہتا ہوں۔ وہ مَیں ہوں جس کے ظہور کے لئے اُنیس سَو سال سے کنواریاں منتظر بیٹھی ہیں۔ اور جب مَیں کہتا ہوں "مَیں وہ ہوں جس کے لئے اُنیس سَو سال سے کنواریاں اس سمندر کے کنارے پر انتظار کر رہی تھیں" تو مَیں نے دیکھا کہ کچھ نوجوان عورتیں اور جو سات یا نَو ہیں۔ جن کے لباس صاف سُتھرے ہیں۔ دوڑتی ہوئی میری طرف آتی ہیں۔ مجھے السلام علیکم کہتی اور اُن میں سے بعض برکت حاصل کرنے کے لئے میرے کپڑوں پر ہاتھ پھیرتی جاتی ہیں اور کہتی ہیں " ہاں ہاں ہم تصدیق کرتی ہیں کہ ہم انیس سَو سال سے آپ کا انتظار کر رہی تھیں" اس کے بعد مَیں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ مَیں وہ ہوں جسے عُلُومِ اسلام اور عُلُومِ عربی اور اس زبان کا فلسفہ ماں کی گود میں اُس کی دونوں چھاتیوں سے دُودھ کے ساتھ پلائے گئے تھے۔ رؤیا میں جو ایک سابق پیشگوئی کی طرف مجھے توجہ دلائی گئی تھی۔ اس میں یہ بھی خبر تھی کہ جب وہ موعُود بھاگے گا تو ایک ایسے علاقہ میں پہنچے گا جہاں ایک جھیل ہوگی اور جب وہ اس جھیل کو پار کر کے دوسری طرف جائے گا تو وہاں ایک قوم ہوگی جس کو وہ تبلیغ کرے گا اور وہ اس کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائے گی تب وہ دشمن جس سے وہ موعود بھاگے گا اس قوم سے مطالبہ کرے گا کہ اس شخص کو ہمارے حوالے کیا جائے مگر وہ قوم انکار کر دے گی اور کہے گی ہم لڑ کر مر جائیں گے مگر اسے تمہارے حوالے نہیں کریں گے چنانچہ خواب میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جرمن قوم کی طرف سے مطالبہ ہوتا ہے کہ تم اُن کو ہمارے حوالے

کردو۔ اُس وقت مَیں خواب میں کہتا ہوں۔ یہ تو بہت تھوڑے ہیں اور دشمن بہت زیادہ ہے۔ مگر وہ قوم باوجود اس کے کہ ابھی ایک حصہ اس کا ایمان نہیں لایا، بڑے زور سے اعلان کرتی ہے کہ ہم ہرگز ان کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم لڑ کر فنا ہو جائیں گے مگر تمہارے اس مطالبہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ تب مَیں کہتا ہوں دیکھو وہ پیشگوئی بھی پوری ہو گئی۔

اس کے بعد مَیں پھر ان کو ہدایتیں دے کر اور بار بار توحید قبول کرنے پر زور دے کر اور اسلامی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کر کے آگے کسی اَور مقام کی طرف روانہ ہو گیا ہوں۔ اس وقت مَیں سمجھتا ہوں کہ اس قوم میں سے اَور لوگ بھی جلدی جلدی ایمان لانے والے ہیں۔ چنانچہ اسی لئے مَیں اس شخص سے جسے مَیں نے اُس قوم میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے، کہتا ہوں۔ جب مَیں واپس آؤں گا تو اے عبدالشکور! مَیں دیکھوں گا کہ تیری قوم شرک چھوڑ چکی ہے، موحّد ہو چکی ہے اور اسلام کے تمام احکام پر کاربند ہو چکی ہے۔

یہ وہ رویاء ہے جو مَیں نے جنوری ۱۹۴۴ء مطابق صلح ۱۳۲۳ ہش[1] میں دیکھی اور جو غالباً پانچ اور چھ کی درمیانی شب بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات میں ظاہر کی گئی۔ جب میری آنکھ کھُلی تو میری نیند بالکل اُڑ گئی اور مجھے سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی کیونکہ آنکھ کھلنے پر مجھے یُوں محسوس ہوتا تھا گویا مَیں اُردو بالکل بھُول چکا ہوں اور صرف عربی ہی جانتا ہوں۔ چنانچہ کوئی گھنٹہ بھر تک میں اس رؤیا پر غور کرتا اور سوچتا رہا۔ مگر مَیں نے دیکھا کہ مَیں عربی میں ہی غور کرتا تھا اور اُسی میں سوال و جواب میرے دل میں آتے تھے۔[2]

اس رویاء میں تین پیشگوئیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایک پیشگوئی تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں نے ہی کی ہے یا کسی سابق غیر معروف نبی نے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کس نبی کی پیشگوئی ہے اور آیا دنیا کے سامنے اس رنگ میں یہ پیشگوئی پیش بھی ہو چکی ہے یا نہیں؟ لیکن اس کے

---

[1] "الفضل" میں سہوِ کتابت سے ۱۹۲۳ء چھپ گیا تھا۔

[2] سیّدنا المصلح الموعودؓ نے فرمایا:- "مجھ پر بھی جب یہ تازہ انکشاف ہوا۔ اور اس کے بعد میری آنکھ کھُلی تو ایک دو منٹ تو اس رویاء پر ہی مَیں غور کرتا رہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے معاً مجھے سمجھ دی کہ اتنا وقت مَیں نے ناحق ضائع کر دیا۔ اور مَیں نے فوراً اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یَا رَبِّ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ"
("الفضل" ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۲ کالم ۲)

علاوہ دو اور پیشگوئیوں کی طرف اس میں اشارہ کیا گیا ہے۔ پہلی پیشگوئی جس میں یہ ذکر ہے کہ انیس سو سال سے کنواریاں میرا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک پیشگوئی ہے جس کا انجیل میں ذکر آتا ہے حضرت مسیح فرماتے ہیں جب میں دوبارہ دنیا میں آؤں گا تو بعض قومیں مجھے مان لیں گی اور بعض قومیں انکار کریں گی۔ آپ ان اقوام کا تمثیلی رنگ میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کچھ کنواریاں اپنی اپنی مشعلیں لے کر دولہا کے استقبال کو نکلیں وہ دولہا کے انتظار میں بیٹھی رہیں، بیٹھی رہیں اور بیٹھی رہیں مگر دولہا نے آنے میں بہت دیر لگائی۔ جو عقلمند تھیں انہوں نے تو اپنی مشعلوں کے ساتھ تیل بھی لے لیا تھا مگر جو بیوقوف تھیں انہوں نے مشعلیں تو لے لیں مگر تیل اپنے ساتھ نہ لیا۔ جب دولہا نے بہت دیر لگائی تو سب اونگھنے لگیں۔ تب وہ جو بے احتیاط عورتیں تھیں انہوں نے معلوم کیا کہ ان کا تیل ختم ہو رہا ہے اور انہوں نے دوسری عورتوں سے کہا اپنے تیل میں سے کچھ ہمیں بھی دے دو کیونکہ ہماری مشعلیں بجھی جاتی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ہم تمہیں تیل نہیں دے سکتیں۔ اگر دے دیں تو شاید ہمارا تیل بھی ختم ہو جائے۔ تم بازار میں جاؤ شاید تمہیں وہاں سے تیل مل جائے۔ جب وہ مول لینے کے لئے بازار گئیں تو پیچھے سے دولہا آپہنچا اور وہ جو تیار تھیں اس کو ساتھ لے کر قلعہ میں چلی گئیں اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ بے احتیاط عورتیں بھی آئیں اور دروازے کو کھٹکھٹا کر کہنے لگیں ہمارے لئے بھی دروازہ کھولا جائے۔ ہم اندر آنا چاہتی ہیں۔ مگر دولہا نے جواب دیا۔ تم نے میرا انتظار نہ کیا۔ تم نے پوری طرح احتیاط نہ برتی۔ اس لئے اب صرف انہی کو حصہ ملے گا جو چوکس تھیں۔ تمہارے لئے دروازہ نہیں کھولا جا سکتا۔ یہ درحقیقت حضرت مسیح ناصری کی اپنی بعثت ثانیہ کے متعلق ایک پیشگوئی تھی جو انجیل میں پائی جاتی ہے۔ پس رویا میں میں نے جو یہ کہا کہ

"میں وہ ہوں جس کے لئے ۱۹ سو سال سے کنواریاں اس سمندر کے کنارے پر انتظار کر رہی تھیں"

اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے زمانہ میں یا میری تبلیغ سے یا اُن علوم کے ذریعہ سے جو اللہ تعالیٰ نے میری زبان اور قلم سے ظاہر فرمائے ہیں ان قوموں کو جن کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا مقدر ہے اور جو حضرت مسیح ناصری ؑ کی زبان میں کنواریاں قرار دی گئی

ہیں۔ ہدایت عطا فرمائے گا اور اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ میرے ہی ذریعہ سے ایمان لانے والی سمجھی جائیں گی اور یہ جو فرمایا کہ مَثِیْلُہٗ وَخَلِیْفَتُہٗ اس خدائی الہام نے وہ بات جو ہمیشہ میرے سامنے پیش کی جاتی تھی اور جس کا جواب دینے سے ہمیشہ میری طبیعت انقباض محسوس کیا کرتی تھی آج میرے لئے بالکل حل کر دی ہے۔ یعنی اس الہامِ الٰہی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیشگوئی جو مصلح موعود کے متعلق تھی خدا تعالیٰ نے میری ہی ذات کے لئے مقدر کی ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا اور بار بار کہا کہ آپ کی ان پیشگوئیوں کے بارہ میں کیا رائے ہے؟ مگر میری یہ حالت تھی کہ مَیں نے کبھی سنجیدگی سے ان پیشگوئیوں کو پڑھنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی اس خیال سے کہ میرا نفس مجھے کوئی دھوکا نہ دے اور مَیں اپنے متعلق کوئی ایسا خیال نہ کر لوں جو واقعہ کے خلاف ہو۔

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ مجھے ایک خط دیا اور فرمایا۔ میاں یہ خط جو تمہاری پیدائش کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے مجھے لکھا، اس خط کو "تشحیذ الاذہان" میں چھاپ دو۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے۔ مَیں نے اس وقت ان کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ خط لے لیا۔ اور ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اُسے تشحیذ میں شائع کرا دیا مگر اللہ بہتر جانتا ہے مَیں نے اس وقت بھی اس خط کو غور سے نہیں پڑھا۔ صرف سرسری طور پر پڑھا اور اشاعت کے لئے دے دیا۔ لوگوں نے اس وقت بھی کئی قسم کی باتیں کیں مگر میں خاموش رہا۔ اس کے بعد بھی بار بار یہ سوال میرے سامنے لایا گیا مگر ہمیشہ مَیں نے یہی جواب دیا کہ اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ جس شخص کے متعلق یہ خبریں ہیں اُسے بتایا بھی جائے کہ تمہارے متعلق خبریں ہیں۔ یا ہرگز یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کے متعلق یہ پیشگوئیاں ہیں وہ دعویٰ بھی کرے کہ مَیں ان پیشگوئیوں کا مصداق ہوں بلکہ مثال کے طور پر مَیں نے بعض دفعہ بیان کیا ہے کہ ریل کے متعلق رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ ماننے والے مانتے ہیں کہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ کیونکہ وہ واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اب یہ ضروری نہیں کہ ریل خود دعویٰ بھی کرے کہ مَیں رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فلاں پیشگوئی کی مصداق ہوں۔ ہماری جماعت کے دوستوں نے یہ اور اسی قسم کی دوسری پیشگوئیاں بارہا میرے سامنے رکھیں اور اصرار کیا کہ مَیں اُن کا اپنے آپ کو مصداق ظاہر کروں۔ مگر مَیں نے انہیں ہمیشہ یہی کہا کہ پیشگوئی اپنے مصداق کو آپ ظاہر کیا کرتی

ہے۔ اگر یہ پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں تو زمانہ خود بخود گواہی دے دیگا کہ ان پیشگوئیوں کا مَیں مصداق ہوں۔ اور اگر میرے متعلق نہیں تو زمانہ کی گواہی میرے خلاف ہوگی۔ دونوں صورتوں میں مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ پیشگوئیاں میرے متعلق نہیں تو مَیں یہ کہہ کر کیوں گنہگار بنوں کہ یہ پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں۔ اور اگر میرے ہی متعلق ہیں تو مجھے جلد بازی کی کیا ضرورت ہے۔ وقت خود بخود حقیقت ظاہر کردے گا۔ غرض جیسے الہامِ الٰہی میں کہا گیا تھا۔

"اُنہوں نے کہا کہ آنے والا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں"

(تذکرہ صفحہ ۱۴۶)

دُنیا نے یہ سوال اتنی دفعہ کیا۔ اتنی دفعہ کیا کہ اس پر ایک لمبا عرصہ گذر گیا۔ اس لمبے عرصہ کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں خبر موجود ہے۔ مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے یہ کہا تھا کہ تُو اسی طرح یُوسف کی باتیں کرتا رہے گا یہاں تک کہ قریب المرگ ہو جائے گا یا ہلاک ہو جائے گا اور یہی الہام حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو ہوُا۔ (تذکرہ صفحہ ۱۶۵) اسی طرح یہ الہام کہ یُوسف کی خوشبو مجھے آرہی ہے (تذکرہ صفحہ ۴۸۵) بتاتا تھا کہ خدا تعالیٰ کی مشیّت کے ماتحت یہ چیز ایک لمبے عرصہ کے بعد ظاہر ہوگی۔

مَیں اب بھی اس یقین پر قائم ہوں کہ اگر ان پیشگوئیوں کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے قریب وقت تک یہ علم نہ دیا جاتا کہ یہ میرے متعلق ہیں بلکہ موت تک مجھے علم نہ دیا جاتا اور واقعات خود بخود ظاہر کر دیتے کہ چونکہ یہ پیشگوئیاں میرے زمانہ میں اور میرے ہاتھ سے پُوری ہوئی ہیں اس لئے مَیں ہی ان کا مصداق ہوں تو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ کسی کشف یا الہام کا تائیدی طور پر ہونا ایک زائد امر ہوتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی مشیّت کے ماتحت آخر اس امر کو ظاہر کر دیا اور مجھے اپنی طرف سے علم بھی دے دیا کہ مصلح موعود سے تعلق رکھنے والی پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں چنانچہ آج مَیں نے پہلی دفعہ وہ تمام پیشگوئیاں منگوا کر اس نیّت کے ساتھ دیکھیں کہ مَیں ان پیشگوئیوں کی حقیقت سمجھوں اور دیکھوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں کیا کچھ بیان فرمایا ہے۔ ہماری جماعت کے دوست چونکہ میری طرف ان پیشگوئیوں کو منسوب کیا کرتے تھے اس لئے مَیں ہمیشہ ان پیشگوئیوں کو غور سے پڑھنے سے بچتا تھا اور ڈرتا تھا کہ کوئی غلط خیال قائم نہ ہو جائے۔ مگر آج پہلی دفعہ مَیں نے وہ تمام پیشگوئیاں

پڑھیں اور اب ان پیشگوئیوں کو پڑھنے کے بعد مَیں خدا تعالیٰ کے فضل سے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے یہ پیشگوئی میرے ذریعہ سے ہی پوری کی ہے

مَیں اس کے متعلق اس وقت تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر یہ جو آتا ہے کہ ”وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا“ اس کے متعلق ہمیشہ سوال کیا جاتا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ اسی طرح ”دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ“ کے متعلق سوال کیا جاتا ہے۔ سو یہ جو الہام ہے کہ ”وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا“ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذہن اس طرف گیا ہے کہ وہ تین بیٹوں کو چار کرنے والا ہوگا یعنی وہ چوتھا بیٹا ہوگا۔ اگر یہ مفہوم لے لیا جائے تو چوتھے بیٹے کے لحاظ سے بھی بات بالکل صاف ہے۔ مجھ سے پہلے مرزا سلطان احمد صاحب، مرزا فضل احمد صاحب اور مرزا بشیر احمد (اوّل) پیدا ہوئے اور چوتھا مَیں ہوا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مجھ سے پہلے ہماری والدہ سے تین بچے ہوئے۔ اس طرح بھی مَیں تین کو چار کرنے والا تھا۔ اسی طرح میرے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین بیٹے ہوئے۔ اس لحاظ سے بھی مَیں تین کو چار کرنے والا ہوا۔ پھر میری خلافت کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے مرزا سلطان احمد صاحب کو احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق دی۔ اس طرح بھی مَیں تین کو چار کرنے والا ہوا۔ گویا تین کو چار کرنے والا مَیں تین[1] طرح ہوں۔ اوّل و دوم اس طرح

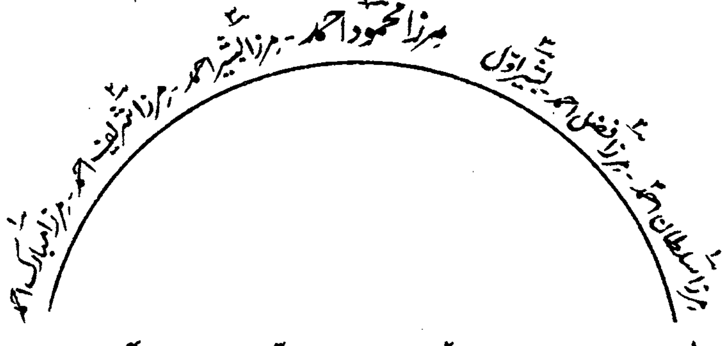

سوم۔ مرزا سلطان احمد۔ مرزا بشیر احمد۔ مرزا شریف احمد۔ مرزا محمود احمد۔ اس طرح مَیں نے تین کو چار کر دیا۔ لیکن میرا ذہن خدا تعالیٰ نے اس طرف بھی منتقل کیا ہے کہ الہامی طور پر یہ نہیں کہا گیا تھا کہ وہ تین بیٹوں کو چار کرنے والا ہوگا۔ الہام میں صرف یہ بتایا گیا تھا کہ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔

پس میرے نزدیک یہ اس کی پیدائش کی تاریخ بتائی گئی ہے۔ یہ پیشگوئی ابتداء ۱۸۸۶ء میں کی

---

[1] تصحیح کے لئے ملاحظہ ہو سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کا رقم فرمودہ نوٹ مطبوعہ ”الفضل“ ۲؍ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔

گئی تھی۔ پس ۱۸۸۶ - ۱۸۸۷ - ۱۸۸۸ تین سال ہوئے۔ ان تین سالوں کو چار کونسا سال کرتا ہے؟ ۱۸۸۹ء کرتا ہے اور یہی میری پیدائش کا سال ہے۔ پس تین کو چار کرنے والی پیشگوئی میں یہ خبر دی گئی تھی کہ اس کی پیدائش چوتھے سال میں ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اور یہ جو آتا ہے "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" اس کے اَور معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کی ایک واضح تشریح یہ ہے کہ دوشنبہ ہفتے کا تیسرا دن ہوتا ہے۔ شنبہ پہلا، یک شنبہ دوسرا اور دوشنبہ تیسرا۔ دوسری طرف رُوحانی سلسلوں میں انبیاء اور اُن کے خلفاء کا الگ الگ دَور ہوتا ہے اور جس طرح نبی کا زمانہ اپنی ذات میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح خلیفہ کا زمانہ اپنی ذات میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے غور کر کے دیکھو۔ پہلا دَور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ دوسرا دَور حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا تھا اور تیسرا دَور میرا ہے۔ ادھر اللہ تعالےٰ کا ایک اَور الہام اس تشریح کی تصدیق کر رہا ہے اور وہ الہام ہے "فضلِ عُمر" (تذکرہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱) حضرت عمرؓ بھی رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تیسرے مقام پر ہی خلیفہ تھے۔ پس "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" سے یہ مراد نہیں کہ کوئی خاص دن خاص برکات کا موجب ہوگا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کے زمانہ کی مثال احمدیت کے دَور میں ایسی ہی ہوگی جیسے دوشنبہ کی ہوتی ہے۔ یعنی اس سلسلہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے خدمتِ دین کے لئے جو آدمی کھڑے کئے جائیں گے اُن میں وہ تیسرے نمبر پر ہوگا۔ "فضلِ عمر" کے الہامی نام میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ گویا کلام اللہ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا کے مطابق "فضلِ عمر" کے لفظ نے "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" کی تفسیر کر دی۔

مگر اس الہام میں ایک اَور خبر بھی ہے اور خدا تعالیٰ مبارک دوشنبہ اب ایک ایسے ذریعہ سے بھی لانے والا ہے جو میرے اختیار میں نہیں تھا۔ اور کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ مَیں نے اپنے ارادہ سے اور جان بوجھ کر اس کا اجراء کیا۔

مَیں نے ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کو ایسے حالات میں جاری کیا جو ہرگز میرے اختیار میں نہیں تھے۔ گورنمنٹ کے ایک فعل اور احرار کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اس تحریک کا القاء فرمایا اور اس تحریک کے پہلے دَور کی تکمیل کے لئے مَیں نے دس سال میعاد

مقرر کی۔ ہر انسان جب کوئی قربانی کرتا ہے تو اس قربانی کے بعد اس پر ایک عید کا دن آتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ رمضان کے مہینہ میں لوگ روزے رکھتے اور تکلیف برداشت کرتے ہیں مگر جب رمضان گذر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے ایک عید کا دن لاتا ہے۔ اسی طرح ہماری دس سالہ تحریک جدید جب ختم ہوگی تو اس سے اگلا سال ہمارے لئے عید کا سال ہوگا۔ دوست جانتے ہیں تحریک جدید کا پہلا دس سالہ دَور اسی سال یعنی ۱۹۴۴ء میں ختم ہوتا ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ ۱۹۴۵ء جو ہمارے لئے عید کا سال ہے پیر کے دن سے شروع ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں یہ خبر بھی دی تھی کہ ایک زمانہ میں اسلام کی نہایت کمزور حالت میں اس کی اشاعت کے لئے ایک اہم تبلیغی ادارہ کی بنیاد رکھی جائے گی اور جب اس کا پہلا کامیابی سے دَور ختم ہوگا تو یہ جماعت کے لئے ایک مبارک وقت ہوگا۔ اس لئے وہ سال جب مومن اُس عہد و قربانی کو پُورا کر چکیں گے جو وہ اپنے ذمہ لیں گے تو ایک مبارک بنیاد ہوگی اور اس سے اگلے سال سے خدا تعالیٰ ان کے لئے برکت کا بیج بوئے گا اور خوشی کا دن اُن کو دکھائے گا اور جس سال میں یہ وقوع میں آئے گا اس کا پہلا دن پیر یا دوشنبہ ہوگا۔ پس وہ سال بھی مبارک اور وہ دن بھی مبارک۔ پس "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" مگر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اس کے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ مصلح موعود اس سلسلہ کی تیسری کڑی ہوگا۔ بعض دفعہ ایک چیز کی کسی اَور چیز سے مشابہت دے دی جاتی ہے۔ مگر ضروری نہیں ہوتا کہ اس سے مُراد وہی ہو۔ پس میرے نزدیک اس کے معنے بالکل واضح ہیں۔ اور "فضلِ عمر" جو الہامی نام ہے وہ ان معنوں کی تائید کرتا ہے۔

مَیں اس امر کا بھی ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ جب رؤیا کے بعد میری آنکھ کھُلی تو مَیں اس مسئلہ پر سوچتا رہا اور جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے۔ عربی میں ہی سوچتا رہا۔ سوچتے سوچتے میرے دماغ میں جو الفاظ آئے اور مَیں جس نتیجہ پر پہنچا۔ وہ یہ تھا کہ اب تو خدا نے بالکل فیصلہ کر دیا ہے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ آج جب مَیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اشتہار پڑھ رہا تھا تو اس میں مجھے یہی الفاظ نظر آئے کہ حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آگیا اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے میرے لئے، مَیں یہ نہیں کہتا کہ دوسروں کے لئے بھی، کیونکہ کوئی دوسرا شخص کسی غیر مامور کے کشف یا الہام

کو ماننے کا مکلف نہیں۔ لیکن بہرحال میرے لئے خدا تعالیٰ نے حقیقت کو کھول دیا ہے۔ اور اب میں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور خدا تعالیٰ نے ایک ایسی بنیاد تحریک جدید کے ذریعہ سے رکھ دی ہے جس کے نتیجہ میں حضرت مسیح ناصری ؑ کی وہ پیشگوئی کہ کنواریاں دولہا کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوں گی۔ ایک دن بہت بڑی شان اور عظمت کے ساتھ پوری ہوگی۔ مثیل مسیح ؑ ان کنواریوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور لے جائے گا۔ اور وہ قومیں جو اس سے برکت پائیں گی خوشی سے پکار اٹھیں گی کہ ہوشعنا۔ ہوشعنا۔ اس وقت انہیں محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانا نصیب ہوگا اور اسی وقت انہیں حقیقی رنگ میں مسیح اول ؑ پر سچا ایمان نصیب ہوگا۔ اب تو وہ قومیں انہیں خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دے کر درحقیقت گالیاں دے رہی ہیں۔ لیکن مقدر یہی ہے کہ میرے بوئے ہوئے بیج سے ایک دن ایسا درخت پیدا ہوگا کہ یہی عیسائی اقوام مثیل مسیح ؑ سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس کے نیچے بسیرا کریں گی اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت میں داخل ہو جائیں گی اور جیسے خدا کی بادشاہت آسمان پر ہے ویسے ہی زمین پر آجائے گی۔"[1][2]

قادیان میں جشن مسرت و شادمانی

حضور کی زبان مبارک سے یہ اعلان سن کر خطبہ میں موجود سب احمدیوں کے دل نہایت درجہ خوشی، مسرت اور شادمانی سے بھر گئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مصلح موعود کا مبارک دَور دیکھنے کی سعادت عطا فرمائی ہے اور انہوں نے نماز جمعہ کے بعد ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔[3] اگرچہ سب سامعین پر اس نشان کا اثر تھا مگر حضرت مفتی محمد صادق صاحب ؓ پر تو خطبہ جمعہ کے دوران ہی وجد کی ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی۔[4]

اگلے روز اس نئے اور مبارک دَور کے آغاز پر قادیان میں "یوم مصلح موعود" منایا گیا۔[5] اور تین بجے بعد نماز ظہر

---

[1] "الفضل" قادیان یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ تا ۸۔

[2] حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے ۲۸ صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں اپنی رویاء کی تفصیلات بیان کرکے اعلان فرمایا تھا کہ آپ ہی پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق ہیں۔ اس اعلان کے بعد حضور نے ۴ تبلیغ/فروری کو ایک نہایت لطیف و پُرمعارف اور مفصل خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس کے پہلے حصہ میں نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالی کہ مصلح موعود کی نسبت ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں جو علامات بتائی گئی تھیں وہ آپ کی رویاء میں آپ پر چسپاں کرکے بتائی گئی ہیں اور دوسرے حصہ میں اپنے متعدد سابقہ الہامات بتائے جن میں آپ کے منصب مصلح موعود کی طرف واضح اشارات موجود تھے۔ (خطبہ کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۱۶ تبلیغ/فروری نیز ۷ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء)۔

[3] "الفضل" ۳۰ صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ [4] "الفضل" ۱۶ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۸ کالم ۲۔

[5] "الفضل" یکم فروری/تبلیغ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے ناظر اعلیٰ کی زیر صدارت مسجد اقصیٰ میں نہایت تزک و احتشام سے ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا جس میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ، قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ، حضرت خانصاحب منشی برکت علی صاحبؓ، حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نومسلمؓ، حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ، مولوی ابوالعطاء صاحب اور مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ نے ایمان افروز تقریریں کیں۔ آخر میں حسب ذیل عرضداشت پاس کی گئی کہ

"ہم تمام افراد جماعت احمدیہ قادیان جو اس جلسہ میں شریک ہیں، حضور کی خدمت میں پیشگوئی مصلح موعود کے بارے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کامل انکشاف پر خادمانہ طور پر اجتماعی رنگ میں مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ ہم سب ناچیز خدام اس شاندار موقعہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے حضور کی خدمت میں اظہار عقیدت پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی جان، مال، عزت حضور کے حکم پر ہر وقت نثار کرنے کو تیار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے۔ ہم خادم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ حضور اپنی خاص قوت قدسیہ سے جو خدا تعالیٰ نے حضور کو عطا فرمائی ہے ہمارے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دُور فرمائے اور حضور کے ارشادات و ہدایات کے ماتحت خدمت دین کی توفیق دے۔"

اس عرضداشت کے بعد حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیالؓ نے تقریر فرمائی اور جلسہ ۶ بجے شام ختم ہوا۔[۵۰]

بیرونی جماعتوں کو اطلاع اور مبارکباد کے خطوط اور تاریں

حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے ۲۸ صلح/جنوری کو اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا تھا۔ اخبار "الفضل" نے پہلی بار ۳۰ صلح/جنوری کی اشاعت میں بیرونی جماعتوں کو خوشخبری پہنچائی کہ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے خدا تعالیٰ کے انکشاف کی بناء پر مُصلح موعود ہونے کا اعلان فرمادیا ہے۔ اس پرچہ میں خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر "الفضل" کے ادارتی نوٹ کے علاوہ جو "مبارک صد مبارک، جماعت احمدیہ کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری" کے دوہرے عنوان سے صفحہ اوّل و دوم پر چھپا۔ مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل" اور مولانا ابوالعطاء صاحب کے مضامین بھی شائع ہوئے۔

"الفضل" کے اس پرچہ کے معاً بعد اگلے شمارہ میں حضرت امیرالمومنین کا معرکۃ الآراء خطبہ جمعہ بھی شائع کر دیا گیا۔

جونہی یہ دونوں پرچے بیرونی جماعتوں میں پہنچے، دُنیا کے گوشہ گوشہ سے مبارکباد کے بکثرت خطوط اور تار حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خدمت اقدس میں پہنچنا شروع ہو گئے۔

---

۵۰ "الفضل" ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲

انکشاف کے متعلق مخلصینِ جماعت کی خوابیں

ان خطوط کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے ایک عجیب اور حیرت انگیز تصرف کا بھی پتہ چلا اور وہ یہ کہ احمدیوں کی طرف سے ایسی رویا بھی بڑی کثرت سے موصول ہوئیں جن میں انہیں قبل از وقت بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور پُرنور کو ایک نئے اور عالی منصب پر سرفراز کیا جا رہا ہے۔ سب سے عجیب رویا منصف خاں صاحب اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کا تھا جس میں حضرت مصلح موعودؓ کے خطبہ اور اس میں بیان فرمودہ خواب کا سارا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا تھا۔ اور جس کا ذکر خود حضرت مصلح موعودؓ نے ۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء کو خطبہ جمعہ میں اپنی زبان مبارک سے یُوں فرمایا کہ

"وہ لکھتے ہیں کہ ۳۰ اور ۳۱ کی درمیانی شب کو مَیں نے یہ رویاء دیکھا ہے خطبہ مَیں نے ۲۸ جنوری کو پڑھا تھا۔ اور یقیناً یہ خطبہ خواب دیکھنے کے وقت تک اُن کو نہیں ملا۔" "الفضل" میں اس بارہ میں پہلی خبر ۳۰ جنوری کے پرچہ میں شائع ہوئی ہے۔ اور "الفضل" کا یہ پرچہ ان کو ۳۱ جنوری کو مل سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے ۳۰ اور ۳۱ جنوری کی درمیانی رات کو یہ خواب دیکھا اور پھر اُن کے خط میں بھی اس امر کا کوئی ذکر نہیں کہ اخبار میں انہوں نے یہ خبر پڑھ لی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رویاء ان کو ایسے حالات میں ہوئی ہے جبکہ انہیں اس بات کا کوئی علم نہ تھا کہ مَیں نے اپنے خطبہ میں اس پیشگوئی کے مصداق ہونے کا اعلان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رویاء میں مَیں نے دیکھا کہ احمدیوں کا ایک بہت بڑا ہجوم ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کوئی عظیم الشان نشان ظاہر ہوا ہے جس پر وہ خدا تعالیٰ کی حمد اور اس کی تسبیح و تحمید کر رہے ہیں اور بڑے جوش سے ان کے مُنہ سے تسبیح کی آوازیں نکل رہی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔ رویاء میں مَیں نے دیکھا کہ اَور لوگوں پر بھی اس کا اثر ہے۔ لیکن مفتی محمد صادق صاحبؓ پر تو وجد کی حالت طاری ہے۔ اب دیکھو۔ پچھلے خطبہ میں تمام احمدیوں پر اللہ تعالیٰ کے اس نشان کا اثر تھا۔ مگر مفتی صاحب پر تو اس کا ایسا اثر ہوا کہ وہ خطبہ جمعہ میں ہی بول پڑے۔ وہ لکھتے ہیں۔ مَیں حیران ہوا کہ یہ کیا بات ہے۔ اس کے بعد مجھے ایک کمرہ نظر آیا جس میں شیشے کی تین چوکھٹیں لگی ہوئی ہیں اور ان پر نہایت اعلیٰ پالش کیا ہوا ہے تاکہ اُن پر تصویر آسکے۔ اس کے بعد مَیں کیا دیکھتا ہوں کہ اُن پر دو تصویریں نمودار ہو گئی ہیں۔ ایک تصویر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور ایک آپ کی ہے اور یہ دونوں تصویریں اکٹھی کمرہ کے اندر چکر کھا رہی ہیں اور اُن کو دیکھ کر لوگ خوش ہو رہے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کر رہے ہیں۔ انہوں نے تیسری تصویر کا ذکر نہیں کیا۔ یعنی

محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر کو انہوں نے نہیں دیکھا یا شاید دیکھا تو ہو مگر چونکہ رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شکل انہوں نے دیکھی ہوئی نہیں تھی اور آپ کی تصویر بھی دُنیا میں کوئی موجود نہیں۔ اس لئے وہ نہ سمجھ سکے ہوں کہ یہ کس کی تصویر ہے۔ بہرحال رویاء میں انہوں نے شیشے تین ہی دیکھے ہیں۔ اور میری رویاء میں بھی تین وجودوں کے بولنے کا ذکر آتا ہے۔ پہلے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم آئے۔ اور میری زبان سے بولے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے اور میری زبان سے بولے اور پھر مَیں خود بولا۔ پھر وہ لکھتے ہیں خواب میں عربی زبان میں کچھ باتیں ہو رہی ہیں جنہیں مَیں سمجھ نہیں سکا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نزول السماء۔ نزول السماء کہا جا رہا ہے۔ اس میں درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس الہام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو آنے والے موعود کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اشتہار میں پایا جاتا ہے کہ کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ چونکہ وہ عربی سے ناواقف ہیں۔ اس لئے کہتے ہیں۔ مجھے اور تو کچھ یاد نہیں رہا۔ صرف اتنا یاد رہا کہ عربی میں کچھ باتیں ہو رہی ہیں۔ جن میں نزول السماء کے الفاظ ہیں۔ تو دیکھو کس طرح خدا تعالیٰ نے انہیں رویاء میں خطبہ کے وقت کی کیفیت بتا دی اور کس طرح اس رویاء کا نقشہ بھی بتا دیا جو مَیں نے دیکھی تھی۔ حالانکہ اس وقت تک انہیں میرے اس اعلان کا کوئی علم نہیں تھا۔ اسی طرح اور لوگوں کو بھی ان ایّام میں ایسی خوابیں دکھائی گئی ہیں۔"[۱]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی رویاء مُصلح موعود سے متعلق

اُن سینکڑوں خوابوں میں سے جو جماعت کے کثیر التعداد دوستوں کو دعویٰ مصلح موعود سے قبل آئیں اور مومنوں کے ازدیادِ ایمان کا باعث بنیں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خواب بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب ہمیشہ اپنی خوابوں کے اظہار سے طبعاً گریز کرتے تھے۔ مگر اس موقعہ پر آپ نے خاموش رہنا گوارا نہ فرمایا اور مرکزِ احمدیت سے رُوٹھے ہوئے بھائیوں کی ہدایت کی غرض سے اُسے شائع بھی کر دیا۔ اس ایمان افروز خواب کی تفصیل حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کے قلم سے لکھی جاتی ہے۔ فرمایا:-

"قریباً دو سال یا شاید سوا دو سال کا عرصہ ہوا جبکہ ابھی حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی طرف سے مُصلح موعود کے بارے میں کوئی معیّن اعلان نہیں ہوا تھا اور نہ آپ پر اس بارے میں خدا کی طرف سے کوئی انکشاف ہی ہوا تھا اور میرے وہم و گمان میں بھی مصلح موعود والی پیشگوئی کا مضمون نہیں تھا کہ مَیں نے ایک

---

[۱] "الفضل" ۱۶ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۸۔

خواب دیکھی۔ مَیں نے دیکھا کہ مَیں اپنے مکان کے صحن میں کھڑا ہوں اور اسی صحن کے شرقی جانب جو مکان حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کا ہے جس میں آجکل حضور کی حرم اوّل سیّدہ امّ ناصر احمد صاحبہ رہتی ہیں اس کے سب سے بالائی حصہ میں جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک علیحدہ خانگی مسجد سی بنا رکھی تھی ایک خوبصورت نوجوان کھڑا ہوا ہمارے صحن کی طرف جھانک رہا ہے۔ اس نوجوان کا رنگ شفاف اور سفید تھا جو اپنی سفیدی کی وجہ سے گویا چمک رہا تھا۔ مَیں نے جب اُس نوجوان کی طرف نظر اُٹھائی تو اشارے کے ساتھ اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے اس کے جواب میں مجھے آہستہ سے کہا "خلیفہ . . . الدین" یعنی خلیفہ کے لفظ کے بعد کوئی لفظ بولا جو مَیں سمجھ نہ سکا اور آخری لفظ الدین تھا اس پر مَیں نے تصریح کے خیال سے سوالیہ رنگ میں کہا۔ "**خلیفہ ناصر الدین**؟" اس نے غالباً سر ہلا کر جواب دیا کہ نہیں۔ بلکہ میرا نام کچھ اور ہے۔ جس پر مَیں نے کہا "**خلیفہ صلاح الدین**؟" اس پر اس نے آہستگی کے ساتھ گویا اس بات کو مخفی رکھ کر بتا رہا ہے، عربی میں جواب دیا "نَعَمْ" پھر مَیں قدم بڑھا کر اپنے کمرہ کی طرف جانے لگا تو جب مَیں دروازہ کے قریب پہنچا تو یہ نوجوان نہایت آہستگی اور وقار کے ساتھ ہوا میں اُترتا ہوا میرے دائیں کندھے پر اس طرح آ بیٹھا کہ اس کی ایک ٹانگ میرے سامنے کی طرف آ گئی اور ایک پیچھے کی طرف پیٹھ کے ساتھ رہی اور مُنہ میری طرف تھا۔ جونہی کہ یہ نوجوان میرے کندھے پر اُترا۔ مَیں نے اس کی ٹانگوں کو سہارا دینے کے رنگ میں اپنے ہاتھوں کے ساتھ تھام لیا اور اُسے آہستگی کے ساتھ کہا "بڑی دیر سے آئے" اس کے بعد میری آنکھ کھُل گئی اور صبح اُٹھنے پر مجھے اُس کی کوئی تعبیر تو کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ البتہ مَیں نے اُسے ایک عجیب سی خواب سمجھ کر اس کا ذکر اپنے کئی عزیزوں کے ساتھ کیا۔ اور اس کے بعد مَیں اس خواب کو بھُول گیا اور دو سال تک بالکل بھُولا رہا۔ آخر جب حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ نے گذشتہ ایّام میں ایک رویاء کی بناء پر اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان کیا تو اس وقت مجھے میری لڑکی عزیزہ امۃ الحمید بیگم اور میری بھانجی عزیزہ محمودہ بیگم سلمہما اللہ نے یاد کرایا کہ دو سال ہوئے آپ نے یہ خواب دیکھی تھی اور ساتھ ہی کہا کہ ہمارے خیال میں یہ خواب حضرت صاحب کے دعویٔ مصلح موعود پر چسپاں ہوتی ہے۔ تب مَیں سمجھا کہ واقعی یہ خواب اسی امر کے متعلق تھی۔ چنانچہ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ اس خواب میں کئی باتیں خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) اُس نوجوان کا حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے مکان پر اور اُس کے بلند ترین حصہ میں نظر آنا جس میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے وجود کی طرف اشارہ تھا۔

(۲) اُس کا اپنا نام "خلیفہ صلاح الدین" ظاہر کرنا جو اِن الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے کہ وہ مصلح موعود جو حضرت مسیح موعود کا خلیفہ بھی ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا بعینہٖ یہی دعویٰ ہے۔

(۳) اُس کا آہستگی اور اخفار کے رنگ میں بولنا گویا کہ ابھی پورے انکشاف اور اعلان کا وقت نہیں آیا تھا

(۴) اُس کا میرے سوال کے جواب میں عربی زبان میں "نَعَمْ" کہنا جو عین حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کے اُس رویار کے مطابق ہے جس میں آپ نے اپنے آپ کو عربی میں گفتگو فرماتے دیکھا ہے۔

(۵) میرا اُسے یہ الفاظ کہنا کہ "بڑی دیر سے آئے" جو مصلح موعود کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان الہامی الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے کہ "دیر آمدہ"۔"

پس یہ ایک واضح خواب تھی جو خدا تعالےٰ نے مجھے آج سے قریباً دو سال قبل دکھائی اور اس خواب کی شہادت اس بات سے اور بھی زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ جب میں نے یہ خواب دیکھی اُس وقت نہ میرے خیال میں یہ آیا کہ یہ خواب مصلح موعود کے متعلق ہے اور نہ ہی ان لوگوں کا خیال اُس طرف گیا جنہیں میں نے یہ خواب سُنائی۔ بلکہ مجھے تو یہ خواب بھی بھولی ہوئی تھی جو دو سال بعد بعض عزیزوں کے یاد دلانے سے یاد آئی۔ مگر میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج سے دو یا سوا دو سال قبل یہ خواب دیکھی اور گو اس کا کوئی لفظ حافظہ کی غلطی سے بدل گیا ہو مگر مفہوم اور حقیقت بالکل یہی تھے اور اہم الفاظ بھی یہی تھے۔"[1]

اہلِ قلم بزرگوں کی خدمات

جماعتِ احمدیہ کے اہلِ قلم بزرگوں اور دوستوں نے اس نئے مرحلہ پر جبکہ جماعت احمدیہ ایک انقلابی دَور میں داخل ہو رہی تھی، پیشگوئی مصلح موعود کے مختلف پہلوؤں پر بہت قیمتی اور عمدہ اور سیر حاصل مضامین لکھے جو اخبار "الفضل"، رسالہ "فرقان" اور رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" میں شائع ہوئے۔ ان مضامین سے جماعت کے ہر طبقہ کو اس پیشگوئی کے پسِ منظر، اس کی عظمت و اہمیت اور مقاصد کے سمجھنے میں بھاری مدد ملی۔ بعض مضمون نگار بزرگوں اور دوستوں کے اسماء گرامی درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب۔ مولانا ابو العطاء صاحب، خواجہ

[1] رسالہ "فرقان" بابت ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۹-۱۰۔

غلام نبی صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ بی۔اے، حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خانصاحبؓ، چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب، مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ امام مسجد لنڈن، ملک عبدالرحمان صاحب خادمؓ، مولوی شریف احمد صاحب امینی مولویفاضل مدرس مدرسہ احمدیہ، مولوی محمد یعقوب صاحبؓ فاضل طاہر اسسٹنٹ ایڈیٹر "الفضل"، ملک محمد عبداللہ صاحب فاضل، پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب، حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ، چودھری علی محمد صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی، چودھری خلیل احمد صاحب ناصر، قاضی محمد نذیر صاحب، حضرت حکیم محمد حسین صاحبؓ مرہم عیسیٰ۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ، چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ، خواجہ خورشید احمد صاحب مجاہد سیالکوٹی، سید احمد علی صاحب، مرزا منور احمد صاحب واقفِ زندگی، مولوی محمد صدیق صاحب واقف زندگی۔ سید غلام حسین صاحب ویٹرنری آفیسر ریاست بھوپال۔ اخوند فیاض احمد صاحب،

علاوہ ازیں حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ، حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکملؓ، حضرت خانصاحب ذوالفقار علی خانصاحب گوہرؓ، شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ کپورتھلہ، مولوی برکت علی صاحب لائق لدھیانوی، جناب محمد صدیق صاحب ثاقب زیروی، شیخ روشن دین صاحب تنویر، جناب نسیم سیفی صاحب، عبدالمنان صاحب ناہید سیالکوٹی وغیرہ شعرائے احمدیت نے دورِ مصلح موعود کی آمد پر نہایت پُر زور نظمیں کہیں۔

رسالہ "فرقان" کا مصلح موعود نمبر

اگرچہ اس موقعہ پر پیشگوئی مصلح موعود کے پس منظر، اس کی تفصیلات اور اہمیت کے سلسلہ میں اخبار "الفضل" کا ایک خاص شمارہ ۲۰ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء کو شائع ہوا۔ مگر پیشگوئی پر مفصل روشنی ڈالنے کا حق صحیح معنوں میں رسالہ "فرقان" نے ادا کیا جس نے ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء میں ضخیم "مصلح موعود" نمبر نکالا۔ اس نمبر میں دیگر مشہور اور نامور بزرگان اور اہل قلم حضرات کے نہایت قیمتی اور بلند پایہ مضامین کے علاوہ (مدیر فرقان) مولانا ابوالعطاء صاحب کے قلم سے ایک مبسوط مقالہ بھی شامل اشاعت تھا۔

"فرقان" کے اس خصوصی شمارہ کو دو اَور اہم خصوصیات بھی حاصل تھیں:۔

اوّل۔ اس رسالہ میں پہلی بار ہوشیارپور کے جلسہ[1] مصلح موعود کی تصاویر کی اشاعت ہوئی۔

دوم۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے دعویٰ مصلح موعود کے بعد جو پہلی نظم کہی وہ اسی میں شائع ہوئی۔ حضورؓ کے اپنے دست مبارک سے تحریر شدہ اس نظم کا چربہ سامنے کے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

۱؎ اعلان مصلح موعود کے جلسوں کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے۔

سیدنا المصلح الموعود کے قلم مبارک سے لکھے ہوئے اشعار کا چربہ

۱ ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلا ہو — راضی ہیں ہم اسی میں جس میں [illegible] رضا ہو

۳ [illegible] — [illegible] حاصل کر دیں [illegible] ہو

۲ سینہ میں جوش غیرت اور آنکھ میں حیا ہو — لب پر ہو ذکر تیرا دل میں تری وفا ہو

۴ شیطاں کی حکومت مٹ جاوے اس جہاں سے — حاکم تمام دنیا پہ میرا مصطفیٰ ہو

۵ محمود عمر میری کٹ جائے کاش یونہی — ~~[illegible]~~ ہو روح میری سجدہ میں سامنے خدا ہو

15/6/62

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلاء ہو ✦ راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہو

سینہ میں جوشِ غیرت اور آنکھ میں حیا ہو ✦ لب پہ ہو ذکر تیرا دل میں تری وفا ہو

مٹ جاؤں میں تو اس کی پروا نہیں ہے کچھ بھی ✦ میری فنا سے حاصل گر دین کو بقا ہو

شیطان کی حکومت مٹ جائے اس جہاں سے ✦ حاکم تمام دنیا پہ میرا مصطفیٰ ہو

محمود عُمر میری کٹ جائے کاش یونہی ✦ ہو رُوح میری سجدہ میں سامنے خدا ہو

اس پُر معارف نظم کی تقریب یہ پیدا ہوئی کہ مکرم مولوی ابوالعطاء صاحب نے ۵ ارشہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت امیرالمؤمنینؓ کی خدمت میں مسجد مبارک کی سیڑھیوں کے پاس عرض کیا کہ حضور "فرقان" کے لئے کوئی تازہ نظم عطا فرمائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اندر گھر سے واپس تشریف لائے اور اپنے دستِ مبارک سے یہ تازہ کلام عنایت فرمایا۔

کتاب "ظہورِ مُصلح موعُود" اعلان مصلح موعود کے معاً بعد علمی اعتبار سے ایک اہم ترین ضرورت یہ محسوس کی گئی کہ مصلح موعود کے تازہ نشانِ رحمت کے متعلق مرکز کی طرف سے ضروری لٹریچر شائع کیا جائے۔ اس تعلق میں سب سے پہلی کتاب مولوی شریف احمد صاحب امینی[1] مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان نے "ظہور مصلح موعود" کے نام سے شائع کی جس کا دیباچہ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ نے لکھا اور نظر ثانی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے فرمائی۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کی ایک حیرت انگیز پیشگوئی کا انکشاف میاں عبدالمنان صاحب عمر کے ذریعے حضرت مصلح موعودؓ کے دعویٰ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی اس عظیم الشان پیشگوئی کا انکشاف ہوا کہ مصلح موعود یکم دسمبر ۱۹۱۲ء سے تیس سال بعد ظاہر ہو گا۔ یہ اہم شہادت سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں سب سے پہلے جناب میاں عبدالمنان صاحب عمر ایم۔ اے نے شائع کی چنانچہ انہوں نے رسالہ "فرقان" (ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) میں "نشانِ صداقت" کے عنوان سے ایک مفصل اداریہ سپرد قلم کیا جس میں لکھا:-

"حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے یکم دسمبر ۱۹۱۲ء کو بعد نماز عصر سورۃ اعراف کی آیت وَلَقَدْ اَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ ۔ ۔ ۔ الخ کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فتوحات کے وعدے کئے تھے لیکن قوم کی نافرمانی کی وجہ سے وہ چالیس برس پیچھے ڈال دیئے گئے اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی اللہ تعالیٰ نے وعدے کئے ہیں اور ضرور

---

[1] حال مبلغ سلسلہ احمدیہ بھارت۔

ہے کہ وہ پُورے ہوں۔ لیکن افسوس ہے کہ تم لوگوں کی گستاخیوں کی وجہ سے ان میں التوا ہو رہا ہے اور جس طرح حضرت موسیٰؑ کے وقت اُن وعدوں کے پُورا ہونے کا زمانہ چالیسؑ برس پیچھے ڈال دیا گیا۔ اسی طرح تمہاری گستاخیوں کی وجہ سے احمدیت کی فتوحات کا زمانہ بھی پیچھے ڈال دیا گیا ہے لیکن آج سے تیس سال بعد مظہر قدرت ثانیہ ظاہر ہوگا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ اس بندہ کے ذریعہ اس بند کئے ہوئے دروازہ کو کھولنے کا سامان کر دے گا۔ اس موقعہ پر حضورؓ کے جو الفاظ قلمبند کئے گئے وہ میں ذیل میں درج کرتا ہوں :-

ہم اور دوسروں میں فرق ۔	کسی محدث نے ۱۴ سو برس سے نہیں کہا۔ مجھے الہام ہوتا ہے۔ مجھے وحی ہوتی ہے۔ ہمارے مرزا صاحب کو وحی۔ الہام دونوں ہوتے تھے۔ پھر نبی کا لفظ اور کسی پر نہیں آیا۔ مجھے ایسی کامیابی باوجود اتنی مخالفت کے کسی کو نہیں ہوئی ۔
خطرہ عظیم الشان ۔	حضرت موسیٰؑ سے اللہ نے وعدہ کیا۔ کہ تیری قوم نے اس زمین کو فتح کرنا ہے۔ تم سب ساتھ جاؤ۔ لیکن قوم نے نافرمانی کی۔ کیا نتیجہ ہوا۔ ۴۰ برس ڈال دی گئی۔ اور انہیں حضرت موسیٰؑ بھی فوت ہو گئے۔

مجھے یہ ڈر ہے۔ کہ حضرت صاحب بھی اللہ تعالیٰ نہ
دیکھے گئے ہیں۔ تمہارے عملوں نے انکو مجھے دکھایا ہے

نوٹ۔ سنہ ۴۴ء یعنی بعد ان شاء اللہ مجھے امید ہے۔ کہ محمود یعنی
موعود۔۔ (قدرت ثانیہ) ظاہر ہوگا

نوٹ۔ انصار کی ذرا سی گستاخی سے حضور نبی کریمؐ
نے فرمایا۔ کہ قیامت تک تم پر سلطنت حرام
ہے۔ تم بھی گستاخ ہو رہے ہو۔

یہ الفاظ بالکل صاف اور ان کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ سے جو وعدے کئے تھے وہ ہم میں سے بعض لوگوں کی غلطی سے معرضِ التوا میں پڑ گئے ہیں اور اب سے تیس۳۰ سال بعد اللہ تعالیٰ کا ایک موعود بندہ جو قوم کی تجدید کرے گا اور مظہرِ قدرتِ ثانیہ ہوگا، ظاہر ہوگا اور پھر اس کے ہاتھ سے وہ وعدے پورے کئے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے مسیحؑ سے کئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے اِن الفاظ کے کہے جانے کی تاریخ سے تیس سال بعد ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مظہر قدرتِ ثانیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز پر پیشگوئی مصلح موعود کے مصداق ہونے کا انکشاف کر دیا۔ اور آپ نے الٰہی الہام کی بنا پر اپنے مصلح موعود ہونے کا دعویٰ فرما دیا۔

احادیث میں آتا ہے۔ ایک جنگ کے موقعہ پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور آپ کے بائیں بھی، آگے بھی

لڑیں گے اور پیچھے بھی اور جس طرح یہود نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا ہم آپ سے نہیں کہیں گے اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ - اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کس طرح گذری ہوئی اقوام کے ان واقعات سے جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں عبرت و بصیرت حاصل کرتے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کی جماعت کس طرح عبرت و موعظت حاصل کرتی ہے اور اب تو خدا کے ایک صدیق بندے نے ہمیں اس طرف متوجہ بھی کر دیا ہے۔ مبارک ہیں جو اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور مصلح موعود کے قدموں میں اپنے تئیں لا ڈالتے ہیں کہ وہ الٰہی خوشنودی کو حاصل کریں گے اور فتوحات کے ان وعدوں کی تکمیل میں شریک ہو کر دین و دنیا کی سرخروئی پانے والے بنیں گے۔

بنی اسرائیل کو جس قوم کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور جس سے انہوں نے انکار کر دیا وہ بُت پرست قوم تھی اور اُس رؤیا میں جو مصلح موعود کی پیشگوئی کا انکشاف کرنے والی ہے اُس میں بھی آپ ایک بُت پرست قوم ہی میں وعظ و تلقین فرماتے ہیں۔ گویا جس قوم کی سزا یا اصلاح کے فرض سے بنی اسرائیل نے پہلو تہی کی اور فتوحات سے محروم رہ گئے تھے۔ اب اس فرض کو مصلح موعود نے ادا کر کے فتوحات کے بند کئے ہوئے دروازہ کو کھولنے کے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے تیس سال کے بعد موعود مجدّد (قدرتِ ثانیہ) کے ظہور کی جس امید کا اظہار فرمایا ہے اس کی بنیاد دراصل باریک الٰہی اشارہ کے ماتحت اس واقعہ پر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی قوم سے بھی جو وعدے تھے وہ قوم کی گستاخیوں کی وجہ سے چالیس سال تک معرضِ التوا میں پڑ گئے۔ اسی طرح مسیح موعودؑ سے جو وعدے اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں اُن کی تکمیل بھی متاخر کر دی گئی اور اب قوم کو تیس سال مزید انتظار کرنا چاہیئے۔ اس پر میرے ذہن میں خلجان تھا کہ اصل بنیاد اربعین سنۃ یعنی چالیس سال کے الفاظ پر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حضرت خلیفہ اوّلؓ تعیین چالیس[۴۰] سال کی بجائے تیس سال کی فرماتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ جب مَیں نے یہ حوالہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کے سامنے پیش کیا تو حضور نے فرمایا "بہت لطیف حوالہ ہے" اور ساتھ ہی میری اس مشکل کو بھی حل فرما دیا کہ چالیس سال کی مدت اس طرح بنتی ہے کہ بعض لوگوں نے دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی

ہی میں لنگر خانہ وغیرہ کے انتظامات پر اعتراضات شروع کر دیئے تھے اور اس طرح اُس وقت سے لے کر پیشگوئی مصلح موعود کے الٰہی انکشاف کے وقت تک جو ۱۹۴۴ء میں ہوا پُورے چالیس سال بنتے ہیں۔"[1]

بعض سعید الفطرت غیر مبائعین کا قبولِ حق

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دعویٰ مصلح موعود سے جہاں اہلِ حق کے ہاتھ میں اسلام کی صداقت کے لئے ایک زبردست ہتھیار مل گیا وہاں غیر مبائعین پر خدا کی حجت مزید قائم ہو گئی۔ اور اب اُن کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا کہ یا تو وہ خدا ترسی کا ثبوت دیتے ہوئے خلافتِ ثانیہ کے ساتھ وابستہ ہو جائیں یا سیدنا المصلح الموعود کی ذات مبارک کے بارے میں کامل خاموشی اور سکوت اختیار کر لیں۔

چنانچہ غیر مبائعین میں سے جو طبقہ سنجیدہ اور سعید فطرت رکھتا تھا اور خدا کی جناب میں فی الفور ہدایت پا جانے کا مستحق قرار پا چکا تھا وہ آسمانی منادی کی آواز پر لبیک کہتا ہوا آگے بڑھا اور خلافتِ ثانیہ کی بیعت میں شامل ہو گیا۔

چنانچہ انجمن احمدیہ اشاعتِ اسلام لاہور کے حسبِ ذیل پانچ ممتاز ارکان کو دعویٰ مصلح موعود کے تھوڑے دنوں بعد نظامِ خلافت سے وابستہ ہونے کی توفیق ملی۔

۱۔ حضرت ماسٹر فقیر اللہ صاحب (احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے آڈیٹر اور مولوی محمد علی صاحب کے امام الصلوٰۃ)[2]

۲۔ خان بہادر میاں محمد صادق صاحب لاہور ریٹائرڈ ڈی۔ ایس۔ پی (آنریری جنرل سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)[3]

۳۔ سید امجد علی شاہ صاحب سیالکوٹ (آنریری جنرل سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)[4]

۴۔ کیپٹن سید محمد اسلم صاحب ایم بی بی ایس (زیر تجویز مبلغ سپین احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور)[5]

۵۔ ڈاکٹر محمد شریف خاں صاحب ریٹائرڈ سول سرجن بٹالہ[6]

۶۔ نعمت اللہ صاحب صدیقی (بمبئی) ابن ماسٹر فقیر اللہ صاحب[7]

مولوی محمد علی صاحب اور اُنکے بعض دوسرے رفقاء کا نارواطرزِ عمل

زندہ خدا کے زندہ کلام کا نزول، اس کی پیشگوئی کا پُورا ہونا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] "فرقان" قادیان بابت ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ تا ۶۔ [2] بیعت خلافت۔ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء (افسوس خان بہادر میاں محمد صادق صاحب اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے عہد بیعت پر قائم نہ رہے)۔ [3] بیعت خلافت شروع ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء۔ [4] بیعت خلافت، رسالہ "فرقان" ماہ ہجرت/احسان/مئی جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵۲۔ [5] بیعت خلافت احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء [6] "فرقان" ہجرت۔احسان/مئی جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵۳۔ [7] بیعت خلافت احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء ("الفضل" ۲۷ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء)۔

کی صداقت پر ایک عظیم الشان آسمانی نشان کا ظہور مومنوں کے لئے انتہائی مسرت و شادمانی کا موقعہ تھا اور یقیناً یہ رُوحانی عید تھی۔ چنانچہ اس انکشافِ الٰہی پر جماعت احمدیہ کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے حضور سجداتِ شکر بجا لایا۔ اس کا فضل دیکھ کر اُن کے دل خوشی سے بھر گئے اور وہ بیساختہ پکار اُٹھے مُبارک صد مُبارک۔ دُور کے اصحاب نے بذریعہ تار اس تہنیت میں شرکت کی۔ اور مبارک باد اور خوشیوں سے معمور یہ تقریب بھی ایک لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس واضح ارشاد کی تعمیل ہی میں تھی کہ

"اے وے لوگو جنہوں نے ظلمت کو دیکھ لیا حیرانی میں مت پڑو بلکہ **خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی**" [۱]

یہی نہیں خود اللہ تعالیٰ نے ایک موعود فرزند کے ملنے پر اپنے مسیح موعود کو الہام فرمایا:-

"ساقیا آمدنِ عید مبارک بادت" [۲]

یعنی اے ساقی! عید کا آنا تجھے مبارک ہو

لیکن مولوی محمد علی صاحب (امیر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور) نے **نشانِ رحمت** کے ایمان افزا اعلان کو "بے موسم کی عید" قرار دیتے ہوئے لکھا:-

"ان ایّام میں قادیان میں ایک بے موسم کی عید آگئی ہے۔ تاریں چل رہی ہیں، مبارکبادیں دی جا رہی ہیں سکول اور دفاتر بند ہو رہے ہیں اور جلسے منعقد ہو رہے ہیں . . . اگر کوئی مصلح موعود ہو بھی گیا تو یہ خوشی اور تاروں کا کونسا موقعہ ہے؟" [۳]

پھر لکھا:-

"حدیث میں وعدہ ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدّد آئے گا۔ اس کے علاوہ سب چیزوں کو فضول سمجھو۔[۴] اور صدی کے سر کا انتظار کرو۔ شاید اللہ تعالیٰ کسی کو کھڑا کر دے۔ ابھی بڑا وقت

---

[۱] اشتہار یکم دسمبر ۱۸۹۰ء تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ ۱۲۷۔ [۲] "بدر" ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۴۔

[۳] "پیغامِ صلح" ۹ر فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ و ۲۔ مولوی صاحب کی بیگم صاحبہ نے لکھا۔ "ہمیں قادیان والوں کی اس اندھا دھند عقیدت سے مرعوب ہونا چاہیئے بلکہ یہ ایک ابتلاء کا وقت ہے ہمیں اس میں ثابت قدم رہنا چاہیئے" (پیغامِ صلح ۲۹ر مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۳) بحوالہ "فرقان" شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲۰۔

[۴] عجیب بات ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے حضرت مصلح موعودؓ کا انکار اس لئے کیا کہ آپ کا دعویٰ صدی کے سر پر نہیں مگر اُن کے رفقاء نے اُن کی وفات کے بعد خود انہی کو احمدیت کا پہلا مجدد قرار دے لیا چنانچہ شیخ میاں محمد صاحب نے لکھا۔ "میرا ایمان ہے کہ جس طرح اسلامی دور میں فتنوں کو دُور کرنے کے لئے ہر صدی میں مجدد آتے رہے اسی طرح احمدیت کے دَور میں پیدا ہونیوالے فتنوں کو دُور کرنے کے لئے سب

باقی ہے۔ چالیس سال باقی ہیں۔"[1]

مولوی صاحب موصوف کا یہ موقف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات کی روشنی میں کہانتک حق بجانب قرار دیا جاسکتا تھا۔ اس کا قطعی فیصلہ کرنے کے لئے صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء اور اور سبز اشتہار میں مصلح موعود کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صلبی اولاد میں سے اور بشیر اوّل کے بعد بلا توقف پیدا ہونے والا فرزند قرار دیا گیا تھا نہ کہ آئندہ کسی اور صدی کے سر پر ظاہر ہونے والا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ وضاحت بھی موجود تھی کہ

"یہ امام جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود کہلاتا ہے وہ مجدّد صدی بھی ہے اور مجدّد الف آخر بھی"[2]

پھر فرمایا :-

"یہ بھی اہلسنت میں متفق علیہ امر ہے کہ آخری مجدّد اس امت کا مسیح موعود ہے"[3]

جناب مولوی صاحب موصوف نے دعویٰ مصلح موعود کا مذاق اڑاتے ہوئے اور بھی بہت کچھ خامہ فرسائی کی چنانچہ لکھا :-

۱۔ "اگر اس فساد کی اصلاح کی ضرورت ہے تو مَیں سمجھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ لاہور کا ایک آدمی مصلح موعود ہے اور وہ ایسا دعویٰ کریں تو حق بجانب ہیں"[4]

۲۔ "اس (رویاء) میں موعود کا لفظ کہیں نہیں نہ مصلح موعود نہ پسر موعود۔ رہا یہ کہ مثیل اور خلیفہ کہا ہے . . . . تو خلیفے سینکڑوں اور ہزاروں ہو سکتے ہیں۔"[5]

---

[1] "پیغام صلح" ۹ فروری ۱۹۴۵ء بحوالہ "فرقان" تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء۔ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ مولوی محمد علی صاحب سے قبل ازیں سوال کیا گیا کہ آیا گذشتہ مجددین کی طرح اس صدی کے آخر پر سلسلہ کا انجام بھی ہوگا؟ مولوی محمد علی صاحب نے جواب دیا کہ "آنحضرت صلعم کے بعد جو مجدّدین کا سلسلہ چلتا ہے وہی قیامت تک چلے گا مگر چونکہ اس صدی کے مجدد کا کام محض وقتی تجدید نہیں بلکہ اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی بنیاد اس کے ظہور کے ساتھ رکھی گئی ہے اور یہ غلبہ قیامت تک ہوتا چلا جائے گا اور ہمیشہ رہے گا۔ اس لئے اس سلسلہ کا انجام بھی کوئی نہیں لیکن ہر مجدد اپنے وقت کا امام ہوگا اور غلبہ اسلام کی جن راہوں پر وہ چلائے۔ انہی پر چلنا ہوگا۔ خواہ وہ وہی ہوں جن پر اس صدی کے مجدّد نے چلنے کے لئے بُلایا ہے اور خواہ کوئی اور ہو" ("پیغام صلح" ۲۱ جنوری ۱۹۴۳ء صفحہ ۶ کالم ۱)۔

[2] "لیکچر سیالکوٹ" صفحہ ۷ (لیکچر فرمودہ ۲ نومبر ۱۹۰۴ء بمقام سیالکوٹ)۔ [3] "حقیقۃ الوحی" صفحہ ۱۹۳ طبع اوّل۔

[4] "پیغام صلح" ۹ فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔

[5] ایضاً ایضاً ایضاً۔

۳ - "اس زمانہ میں خوابیں بھی لمبی آتی ہیں جبکہ لکھنے اور پراپیگنڈا کے سامان بہتر ہیں" [1]

۴ - "ان خوابوں کی بناء پر خلافت بنی - اب خوابوں کی بناء پر مصلح موعود بن رہے ہیں" [2]

۵ - "مریدوں نے گواہی دے دی کہ کچھ ہو گیا ہے اور اوپر سے اللہ تعالیٰ نے بھی ایک ناواقف بادشاہ کی طرح ایک خطاب دے دیا۔" [3]

جناب مولوی محمد علی صاحب کے علاوہ ان کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب نے اخبار "پیغام صلح" (۲۹ فروری ۱۹۴۴ء) میں ایک طویل مضمون شائع کرایا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی رؤیا کے اس حصہ سے جس میں آپ کے دائیں اور بائیں راستہ کی بجائے وسطی راستہ پر چلنے کا ذکر ہے، یہ نتیجہ نکالا کہ مولوی محمد علی صاحب اصحاب الیمین میں سے ہیں اور (معاذ اللہ) حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اصحاب الشمال میں سے۔ حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درمیانی راہ ہی کو صراط مستقیم قرار دیا ہے چنانچہ مسند احمد، نسائی اور دارمی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث ہے کہ

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَالَ هٰذِهٖ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِّنْهَا شَيْطَانٌ يَّدْعُوْا اِلَيْهِ وَقَرَءَ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ اَلْاٰيَةَ " [4]

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار ہمارے سامنے ایک خط کھینچا اور ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کی راہ ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس خط کے دائیں اور بائیں بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ ایسے راستے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک راستہ پر شیطان بیٹھا ہوا لوگوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ یہ فرما کر حضورؐ نے آیت وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا کی تلاوت فرمائی۔

مولوی عزیز بخش صاحب کی چٹھی اور حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کا رُوح پرور جواب

قصہ مختصر "پیغام صلح" میں یہ لمبا چوڑا مضمون شائع ہوا تو مولوی محمد علی صاحب کے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب نے اُسے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ

[1] "پیغام صلح" ۹ فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ • [2] "پیغام صلح" ۲۳ فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ • [3] "پیغام صلح" ۸ مارچ ۱۹۴۴ء • [4] "مشکوٰۃ المصابیح" باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ صفحہ ۳۰ •

کو رجسٹری کرکے بھیجدیا اور ساتھ ہی حسب ذیل مکتوب لکھا:۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

مکرم و معظم صاحبزادہ میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب قادیانی ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آج بذریعہ رجسٹرڈ بک پوسٹ ایک پرچہ اخبار پیغام صلح ۹ فروری ۱۹۴۴ء آپ کی خدمت میں ارسال ہے۔ اس کے صفحہ ۹۔ ۱۰ پر آپ کے خواب کی صحیح تعبیر دی گئی ہے۔ للّٰہ اسے غور سے پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے آپ کو دائیں طرف والے رستہ پر آجانے کی توفیق عطا فرمائے جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا مسلک ہے۔ ہم بھی دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین۔ والسلام۔

خاکسار عزیز بخش خادم مسیح موعود آنریری جائنٹ سکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ۱۲/۲/۴۴ "

اس کے جواب میں حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے لفافہ کی پُشت پر ہی تحریر فرمایا:۔

" پرچہ مل گیا۔ مَیں نے جو اعلان کیا ہے۔ بڑی دُعاؤں کے بعد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولا باقی آپ جو مولوی عبدالرحمٰن صاحب مصری کی تعبیر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اس کا جواب رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں موجود ہے جب شائع ہوگا۔[۱] آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ درمیانی راستہ پر جانے والا غلطی پر ہے یا ان تعبیروں کے مرتکب اور خدا تعالیٰ کے دین پر ہنسی کرنے والے! آپ کی دُعاؤں کا بہت بہت شکریہ۔ مگر یہ سمجھ میں نہ آیا کہ آپ کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عُمر بھر کی دُعائیں آپ کی اولاد کے حق میں ردّ گئیں تو آپ کی ایک دُعا سے کیا بنے گا؟ آپ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعاؤں کو جس امر کے بارہ میں بیکار قرار دیتے ہیں تو اپنی دُعاؤں کو اس بارے میں کیا اور کیوں وقعت دیتے ہیں؟ "[۲]

---

[۱] اس حدیث کا متن جلد ہی اخبار " الفضل " اور " فرقان " میں شائع کر دیا گیا تھا۔

[۲] رسالہ " فرقان " بابت ماہ شہادت / اپریل ۱۹۴۴ء صفحہ ۴۔

فصل دوم

حضرت امّ طاہر سیدہ مریم بیگم رضؓ اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی المناک وفات

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مصلح موعود کی نسبت یہ پُر اسرار اور ذوالوجوہ الہام ہوا کہ

"اِنَّا اَرْسَلْنٰهُ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا - كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ - كُلُّ شَيْءٍ تَحْتَ قَدَمَيْهِ" [1]

"یعنی ہم نے اس بچہ کو شاہد اور مبشر اور نذیر ہونے کی حالت میں بھیجا ہے اور یہ اس بڑے مینہ کی مانند ہے جس میں طرح طرح کی تاریکیاں ہوں اور رعد اور برق بھی ہو۔ یہ سب چیزیں اُس کے دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔" [2]

اس الہام کے عین مطابق مصلح موعود سے متعلق انکشاف کے ساتھ ہی جہاں اسلام اور احمدیت کی شاندار ترقیات اور عظیم الشان فتوحات کے نئے سے نئے دروازے کھول دیئے گئے وہاں حوصلہ شکن حوادث اور صبر آزما ابتلاؤں کا ایک متوازی سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔

اس تعلق میں انکشاف مصلح موعود کے معاً بعد جماعت احمدیہ کو حضرت سیدہ مریم بیگمؓ (اُمّ طاہر) اور حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی مفارقت کے پے در پے اور انتہائی تکلیف دہ اور زہرہ گداز صدمات سہنے پڑے۔ ان مقدس اور مبارک اور محسن وجودوں کی وفات جماعت احمدیہ کے ہر طبقہ کے لئے ایک قیامت صغریٰ اور حشر کا نمونہ تھی۔ ہر آنکھ اشکبار تھی اور ہر دل غمزدہ اور زخم رسیدہ!

حضرت امّ طاہرؓ کے انتقال نے اگر جماعت کے غریبوں یتیموں اور مسکینوں کو محسوس کرا دیا کہ اُن کی ایک شفیق اور مہربان ماں کا سایہ اُٹھ گیا تو حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کی جُدائی پر وہ فرطِ غم سے کہہ اُٹھے کہ ہمارا باپ بھی آج رخصت ہوا۔

حضرت سیدہ اُمّ طاہرؓ کے جنازہ اور تجہیز و تکفین کے رقت انگیز حالات

حضرت سیدہ اُمّ طاہرؓ گنگارام ہسپتال لاہور میں زیر علاج تھیں کہ آپ کی مبارک و مطہر رُوح ۵ امان / مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء [3] کو بارگاہِ الٰہی میں پہنچ گئی۔ اس حادثہ عظمیٰ کی دردناک اطلاع اسی روز

---

[1] [2] تاریخ الہام ۷ اگست ۱۸۸۶ء "سبز اشتہار" مورخہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء صفحہ ۱۵-۱۶۔ "تذکرہ" (طبع دوم) صفحہ ۱۵۴-۱۵۵۔ [3] "الفضل" ۷ امان / مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء۔

تین بجے بعد دوپہر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی طرف سے بذریعہ فون امیر مقامی حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کے نام ان الفاظ میں پہنچی کہ

"ہمشیرہ سیدہ امّ طاہر احمد صاحبہ کو اڑھائی بجے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بُلا لیا۔ انّا للہ وانا الیہ راجعون"[۱]

ازاں بعد گیارہ بجے شب کے قریب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ اور دیگر افراد خاندان حضرت سیدہؓ کی نعش مبارک لے کر قادیان پہنچ گئے۔ اس وقت ایک بہت بڑا مجمع دو میل سے زیادہ لمبی سڑک پر بٹالہ کے موڑ سے لے کر مسجد مبارک تک پھیلا ہوا تھا اور حدِ نگاہ تک خلقت ہی خلقت نظر آتی تھی۔ لاری احمدیہ چوک میں پہنچی تو نعش چارپائی پر رکھ کر اُن کے مکان میں لے جائی گئی۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ بھی چارپائی اُٹھانے والوں میں شامل تھے۔

حضرت سیّدہ مرحومہؓ کو وفات کے بعد لاہور ہی میں غسل دے دیا گیا تھا اور جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی کوٹھی (واقع ٹمپل روڈ لاہور) کے زنانہ صحن میں روانگی سے قبل حضور نے لاہور کی جماعت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ قادیان پہنچ کر رات کو احتیاطاً مرحومہ مغفورہ کی چارپائی کے نیچے اور ساتھ برف رکھ دی گئی۔ اور رات کو مستورات کے ذریعہ پہرہ کا بھی انتظام کرا دیا گیا۔

دن چڑھتے ہی مستورات زیارت کے لئے آنا شروع ہو گئیں اور دس بجے سے لے کر تین بجے بعد دوپہر تک نہ صرف قادیان اور بیرونجات سے آئی ہوئی خواتین بلکہ ارد گرد کے دُور دُور کے دیہات تک کی ہزاروں خواتین نے لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے زیر انتظام نہایت ہی اخلاص اور محبت سے اپنی بزرگ خاتون کی آخری زیارت کی۔ اس وقت تک لاہور، لدھیانہ، فیروزپور، کپورتھلہ، امرتسر، سیالکوٹ، گورداسپور وغیرہ مقامات کے بہت سے احباب بھی جنازہ میں شرکت کے لئے پہنچ چکے تھے۔ اور مسجد مبارک کے چوک سے لے کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے باغ تک ہزارہا افراد کا اجتماع ہو چکا تھا۔

۵ بجے کے قریب حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد نیز حضرت سیدہ مرحومہ مغفورہ کے برادران حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ و حضرت میجر سید حبیب اللہ شاہ صاحب نے جنازہ اُٹھایا۔ نماز جنازہ کا انتظام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باغ میں جانب مغرب کیا گیا تھا جہاں سیدھی صفیں باندھنے کے لئے زمین پر سفیدی سے خط کھینچ دیئے گئے تھے۔ احمدیہ چوک میں جنازہ

---

[۱] "الفضل" ۷ رامان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء

کے پہنچنے پر جماعت کے دوسرے احباب کو اُٹھانے کا موقعہ دیا گیا اور جنازہ گاہ تک ہزاروں افراد نے چارپائی کو کندھا دینے یا کم از کم درد بھری دُعاؤں کے ساتھ ہاتھ لگانے کا ثواب حاصل کیا۔ صفیں کھڑی ہونے کے بعد اندازہ لگایا گیا تو سات اور آٹھ ہزار کے درمیان صرف مَردوں کی تعداد تھی۔ جو خواتین از خود باغ میں پہنچ گئی تھیں وہ اس کے علاوہ تھیں۔ ان کی تعداد بھی دو ڈیڑھ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ نماز جنازہ میں شامل ہونے والوں کی اتنی بڑی تعداد یہاں پہلے نہیں دیکھی گئی۔

نماز جنازہ شروع کرنے سے قبل حضرت امیر المومنینؓ نے حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا۔ پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد میّت کے لئے دُعا کی جاتی ہے۔ چونکہ یہ آخری امداد ہے جو ایک بھائی اپنے بھائی کی یا ایک بھائی اپنی بہن کی کرتا ہے سوائے قریبی تعلق والوں کے کہ وہ فوت ہونے والوں کو پھر بھی یاد رکھتے اور اُن کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ آج جو اس قسم کی دُعاؤں کا خاص موقعہ ہے خشوع و خضوع کے ساتھ دُعائیں کی جائیں۔ اس کے بعد حضور نے نماز جنازہ پڑھائی اور نماز کے بعض حصّوں میں کسی قدر اُونچی آواز سے جسے صرف قریب کے چند افراد سُن سکتے تھے، نہایت تضرع اور رقت کے ساتھ مسنون دُعائیں کیں جنہیں سُننے والوں کی چیخیں نکل گئیں۔ یوں بھی تمام مجمع نے نہایت خشیت اور رقت کے ساتھ مرحومہ مغفورہ کے واسطے دُعائیں کیں۔

نماز جنازہ کے بعد جنازہ مقبرہ بہشتی کے اس خاص احاطہ میں لے جایا گیا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار ہے۔ قبر کی جگہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے صبح ہی حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو بہشتی مقبرہ میں بھجوا کر معیّن فرما دی تھی جو حضرت سیّدہ امۃ الحی صاحبہ مرحومہ مغفورہ اور حضرت سیّدہ سارہ بیگم مرحومہ مغفورہ کی قبروں کے ساتھ جانبِ مشرق اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریباً قدموں میں تھی۔ میّت کو لحد میں اُتارنے کے لئے حضرت سیّدنا المصلح الموعودؓ، جناب میجر سیّد حبیب اللہ شاہ صاحب، صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (حضرت سیّدہ مرحومہ کے اکلوتے بیٹے) اور صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب اُترے۔ اور چارپائی پر سے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے صاحبزادگان نے میّت کو اُٹھایا۔ لحد میں رکھنے اور لحد پر اینٹیں چُننے کے دَوران میں حضرت امیر المومنینؓ نہایت ہی درد بھری آواز سے (جو بعض دفعہ شدّت رقت و غم کی وجہ سے بالکل مدھم ہو جاتی تھی) مسنون دعائیں کرتے رہے۔ جب لحد تیار ہو چکی تو حضور نے دُعائیں کرتے ہوئے قبر میں تین دفعہ مٹی ڈالی۔ پھر دوسرے احباب کو مٹی ڈالنے کا موقعہ دیا گیا۔ اس کے بعد حضور نے سیّدہ مرحومہ مغفورہ کی قبر پر تمام مجمع سمیت نہایت رقت کے ساتھ کسی قدر اونچی آواز میں دعا فرمائی اور اپنی پیاری رفیقۂ حیات کو اپنے آسمانی بادشاہ کی سپردگی میں دے دیا۔

چونکہ سُورج غروب ہونے میں تھوڑا ہی وقت تھا اس لئے حضور نے باغ میں اسی جگہ جہاں جنازہ پڑھا گیا تھا عصر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضور پھر سیّدہ مرحومہ کی قبر پر تشریف لائے اور السلام علیکم کہہ کر اور پھر اُسے دوہرا کر واپس تشریف لے آئے۔[۵]

سیّدنا المصلح الموعودؓ کی طرف سے جماعت کو رضا بالقضاء کی تلقین

سیّدہ اُمّ طاہر رضی اللہ عنہا کی وفات اگرچہ پُوری جماعت کے لئے المیہ کی حیثیت رکھتی تھی مگر طبعی طور پر اس کا سب سے زیادہ صدمہ خود سیّدنا المصلح الموعودؓ کو پہنچا۔ لیکن حضور نے اس موقعہ پر نہ صرف بیمثال رضا بالقضاء کا نمونہ دکھایا بلکہ پُوری زخم رسیدہ جماعت کو صبر کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ ۱۰ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا :-

"اس ہفتے جو میرے گھر میں ایک واقعہ ہوا ہے یعنی میری بیوی امّ طاہر فوت ہوئی ہیں اس کے متعلق مَیں دیکھتا ہوں کہ جماعت میں بہت بڑا درد پایا جاتا ہے خصوصاً عورتیں اور غریب عورتیں بہت زیادہ اس درد کو محسوس کرتی ہیں کیونکہ میری یہ بیوی جو فوت ہوئی ہیں ان کے دل میں غرباء کا خیال رکھنے کا مادہ بہت زیادہ پایا جاتا تھا۔ ان کی بیماری کے لمبے عرصہ میں جماعت نے جس قسم کی محبت اور ہمدردی کا اظہار کیا ہے وہ ایک ایسی ایمان بڑھانے والی بات ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ مومن واقعہ میں ایک ہی جسم کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ . . . جو لوگ ہمارے گھر کے حالات جانتے ہیں اُن کو معلوم ہے کہ مجھے اُن سے شدید محبت تھی لیکن باوجود اس کے جو خدا تعالیٰ کا فعل ہے اس پر کسی قسم کے شکوہ کا ہمارے دل میں پیدا ہونا ایمان کے بالکل منافی ہوگا۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے ہمیں رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی تعلیم دی ہے جب کوئی شخص وفات پا جائے ہمارا اصل کام یہی ہوتا ہے کہ ہم کہہ دیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ کیسی لطیف تعزیت ہے ہمارے ربّ کی طرف سے! اِس سے بڑھ کر بندہ بھلا کیا تعزیت کر سکتا ہے؟"

اس کے بعد اس خدائی تعزیت کی نہایت لطیف تشریح کی اور فرمایا :-

"یہ زمانہ اسلام کی فتوحات کا ہے۔ بادشاہ کا کوئی نوکر یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ جس وقت اس کا بادشاہ کامیابی حاصل کر کے واپس آرہا ہو اور فتح کا جشن منا رہا ہو تو وہ اس کے سامنے کسی قسم کے غم کا اظہار کرے خواہ

---

[۵] "الفضل" ۸ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲۔

اُس دن اُس کا باپ مر گیا ہو ۔ اُس کا بیٹا مر گیا ہو ۔ اُس کی بہن مر گئی ہو ۔ اُس کی بیوی مر گئی ہو ۔ وہ اپنی آنکھوں کو پونچھتا اور اپنی کمر کو سیدھی رکھتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ آج میرے آقا کی خوشی کا دن ہے ۔ آج میرے لئے غم کا اظہار کرنا جائز نہیں ۔ اسی طرح آج ہمارے لئے خوشی کا دن ہے ۔ آج ہمارے لئے مسرّت و شادمانی کا دن ہے کہ ۱۳۰۰ سال کے لمبے عرصہ اور ہزار سال فیج اعوج کے بعد خدا نے پھر چاہا کہ اس کے بندے اس کی طرف واپس آئیں ۔ خدا نے پھر چاہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نام دنیا میں پھیلے خدا نے پھر چاہا کہ توحید کو دُنیا میں قائم کرے ۔ خدا نے پھر چاہا کہ شیطان کو آخری شکست دے کر دین کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دے ۔ پس آج جبکہ ہمارے ربّ کے لئے خوشی کا دن ہے ہمارے رنج اس کی خوشی پر قربان ۔ ہم اس کی خوشی کے دن منحوس باتیں کرنے والے کون ہیں ۔ جتنے احسانات اللہ تعالیٰ نے ہم پر کئے ہیں واقعہ یہ ہے کہ اگر ہمارے جسم کا ذرّہ ذرّہ اور اگر ہماری بیویوں اور ہمارے بچّوں کا ذرّہ ذرّہ آروں سے چیر دیا جائے تب بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اس کے احسانوں کا کوئی بھی شکریہ ادا کیا ہے ۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ مَیں یا تم میں سے سارے اس مقام پر ہیں ۔ مجھ میں بھی کمزوریاں ہیں اور تم میں بھی ۔ لیکن سچّی بات یہی ہے اور جتنی بات اس کے خلاف ہے وہ یقیناً ہمارے نفس کا دھوکا ہے ۔ آج آسمان پر خدا کی فوجوں کی فتح کے نقارے بج رہے ہیں ۔ آج دنیا کو خدا کی طرف لانے کے سامان کئے جا رہے ہیں ۔ آج خدا کے فرشتے اُس کی حمد کے گیت گا رہے ہیں اور ہم بھی اس گیت میں ان فرشتوں کے ہمنوا اور شریک ہیں ۔ اگر ہم جسمانی طور پر غمزدہ ہیں اور ہمارے دل زخم خوردہ ہیں تب بھی مومنانہ طور پر ہمارا یہی فرض ہے کہ ہم اپنے ربّ کی فتح اور اس کے نام کی بلندی کی خوشی میں شریک ہوں تا اس کی بخشش کے مستحق ہوں ۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور ہمارے غموں کو خود ہلکا کرے کہ رُوح اُس کے آستانہ پر جھکی ہوئی مگر گوشت پوست کا دل دُکھ محسوس کرتا ہے “ [1]

حضرت مصلح موعودؓ کے قلم مبارک سے
حضرت سیّدہ اُمِّ طاہر رضی اللہ عنہا کا ذکرِ خیر

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے قریباً ساڑھے تین ماہ تک حضرت سیّدہ اُمِّ طاہرؓ کی نسبت کچھ نہیں لکھا ۔ ازاں بعد ارشاد نبوی اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ [2] کے مطابق ایک مضمون

[1] ” الفضل “ ۱۴ امان / مارچ ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء

[2] (ترجمہ) ” اپنے مُردوں کے محاسن کا تذکرہ کیا کرو “ (” نضرۃ النور “ شرح مختارات الاحادیث النبویہ جزء اوّل صفحہ ۵۹) ناشر مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۔

رقم فرمایا جس میں حضور نے بڑی تفصیل سے حضرت سیدہ کے سوانح، ان کی خصائل و عادات، ان کے کارناموں اور بالآخر آخری بیماری کے الم انگیز حالات بیان فرمائے۔ اس اہم مضمون کے بعض جستہ جستہ مقامات درج ذیل کئے جاتے ہیں:

"۳۶ سال کے قریب ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب کی لڑکی مریم بیگم کا نکاح ہمارے مرحوم بھائی مبارک احمد صاحب سے پڑھا دیا۔ اس نکاح کے پڑھوانے کا موجب غالباً بعض خوابیں تھیں جن کو ظاہری شکل میں پورا کرنے سے ان کے انذاری پہلو کو بدلنا مقصود تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی اور مبارک احمد مرحوم اللہ تعالیٰ سے جاملا اور وہ لڑکی جو ابھی شادی اور بیاہ کی حقیقت سے ناواقف تھی بیوہ کہلانے لگی۔ اس وقت مریم کی عمر دو اڑھائی سال کی تھی اور وہ اور اُن کی ہمشیرہ زادی عزیزہ نصیرہ اکٹھی گول کمرہ سے جس میں اس وقت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحبؓ مرحوم ٹھہرے ہوئے تھے، کھیلنے کے لئے اُوپر آجایا کرتی تھیں اور کبھی کبھی گھبرا کر جب منہ بسورنے لگتیں تو میں کبھی مریم کو اٹھا کر کبھی نصیرہ کو اُٹھا کر گول کمرے میں چھوڑ آیا کرتا تھا۔ اُس وقت مجھے یہ خیال بھی نہ آسکتا تھا کہ وہ بچی جسے میں اُٹھا کر نیچے لے جایا کرتا ہوں، کبھی میری بیوی بننے والی ہے۔ اور یہ خیال تو اَور بھی بعید از قیاس تھا کہ کبھی وہ وقت بھی آئے گا کہ میں پھر اُس کو اُٹھا کر نیچے لے جاؤں گا۔ مگر گول کمرہ کی طرف نہیں بلکہ قبر کی لحد کی طرف۔ اس خیال سے نہیں کہ کل پھر اس کا چہرہ دیکھوں گا۔ بلکہ اس یقین کے ساتھ کہ قبر کے اس کنارہ پر پھر اس کی شکل کو جسمانی آنکھوں سے دیکھنا یا اس سے بات کرنا میرے نصیب میں نہ ہوگا۔

عزیز مبارک احمد فوت ہوگیا اور ڈاکٹر صاحب کی رخصت ختم ہوگئی۔ وہ بھی واپس اپنی ملازمت پر رعیہ ضلع سیالکوٹ چلے گئے۔ سید ولی اللہ شاہ صاحب اور ڈاکٹر سید حبیب اللہ شاہ صاحب اس وقت سکول میں پڑھا کرتے تھے۔ دونو میرے دوست تھے مگر ڈاکٹر حبیب عام دوستوں سے زیادہ تھے۔ ہم یک جان و دو قالب تھے۔ مگر اس وقت کبھی وہم بھی نہ آتا تھا کہ ان کی بہن پھر کبھی ہمارے گھر میں آئے گی۔ اُن کی دوستی خود اُن کی وجہ سے تھی۔ اس کا باعث یہ نہ تھا کہ اُن کی ایک بہن ہمارے ایک بھائی سے چند دن کے لئے بیاہی گئی تھی۔ دن کے بعد دن اور سالوں کے بعد سال گزر گئے اور مریم کا نام بھی ہمارے دماغوں سے مٹ گیا مگر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وفات کے بعد ایک دن شاید سنہ ۱۷ء یا سنہ ۱۸ء تھا کہ میں امۃ الحی مرحومہ کے گھر میں بیت الخلاء سے نکل کر کمرہ کی طرف آرہا تھا۔ راستہ میں ایک چھوٹا سا صحن تھا۔ اس کے ایک طرف لکڑی کی دیوار تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک دُبلی پتلی سفید کپڑوں میں ملبوس لڑکی مجھے دیکھ کر اس لکڑی کی دیوار سے چمٹ گئی اور اپنا سارا لباس سمٹا لیا۔ میں نے کمرہ میں جا کر امۃ الحی مرحومہ سے پوچھا۔ امۃ الحی! یہ لڑکی باہر کون کھڑی ہے؟ انہوں نے کہا۔ آپ نے پہچانا نہیں۔

ڈاکٹر عبدالستار شاہ صاحب کی لڑکی مریم ہے۔ مَیں نے کہا۔ اُس نے تو پردہ کیا تھا۔ اگر سامنے بھی ہوتی تو مَیں اُسے کب پہچان سکتا تھا۔ ۱۹۰۷ء کے بعد اس طرح مریم دوبارہ میرے ذہن میں آئی۔

اب مَیں نے دریافت کرنا شروع کیا کہ کیا مریم کی شادی کی بھی کہیں تجویز ہے۔ جس کا جواب مجھے یہ ملا کہ ہم سادات ہیں ہمارے ہاں بیوہ کا نکاح نہیں ہوتا۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں کسی جگہ شادی ہوگئی تو کردیں گے ورنہ لڑکی اسی طرح بیٹھی رہے گی۔ میرے لئے یہ سخت صدمہ کی بات تھی۔ مَیں نے بہت کوشش کی کہ مریم کا نکاح کسی اَور جگہ ہو جائے مگر ناکامی کے سوا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ آخر مَیں نے مختلف ذرائع سے اپنے بھائیوں سے تحریک کی کہ اس طرح اس کی عمر ضائع نہ ہونی چاہیئے ان میں سے کوئی مریم سے نکاح کرلے۔ لیکن اس کا جواب بھی نفی میں ملا۔ تب مَیں نے اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فعل کسی جان کی تباہی کا موجب نہ ہونا چاہیئے اور اس وجہ سے کہ ان کے دو بھائیوں سید حبیب اللہ شاہ صاحب اور سید محمود اللہ شاہ صاحب سے مجھے بہت محبت تھی۔ مَیں نے فیصلہ کرلیا کہ مَیں مریم سے خود نکاح کرلوں گا۔ اور ۱۹۲۰ء میں ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب مرحوم سے مَیں نے درخواست کردی۔ جو انہوں نے منظور کرلی اور ۷ فروری ۱۹۲۱ء کو ہمارا نکاح مسجد مبارک کے قدیم حصّہ میں ہوگیا۔ وہ نکاح کیا تھا ایک ماتم کدہ تھا۔ دعاؤں میں سب کی چیخیں نکل رہی تھیں اور گریہ وزاری سے سب کے رخسار تر تھے۔ آخر ۲۱ فروری ۱۹۲۱ء کو نہایت سادگی سے جاکر مَیں مریم کو اپنے گھر لے آیا اور حضرت ام المومنین کے گھر میں ان کو اُتارا جنہوں نے ایک کمرہ اُن کو دے دیا جس میں اُن کی باری میں ہم رہتے تھے۔ وہی کمرہ جس میں اب مریم صدیقہ رہتی ہیں۔ وہاں پانچ سال تک رہیں اور وہیں اُن کے ہاں پہلا بچہ پیدا ہوا یعنی طاہر احمد (اوّل) مرحوم۔ اور اس کے چلّے میں وہ سخت بیمار ہوئیں جو بیماری بڑھتے بڑھتے ایک دن ان کی موت کا موجب ثابت ہوئی"۔

"مریم کو احمدیت پر سچا ایمان حاصل تھا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر قربان تھیں۔ ان کو قرآن کریم سے محبت تھی اور اس کی تلاوت نہایت خوش الحانی سے کرتی تھیں۔ انہوں نے قرآن کریم ایک حافظ سے پڑھا تھا۔ اس لئے ط۔ ق خوب بٹکلف ادا کرتی تھیں۔ علمی باتیں نہ کرسکتی تھیں مگر علمی باتوں کا مزہ خوب لیتی تھیں۔ جمعہ کے دن اگر کسی خاص مضمون پر خطبہ کا موقعہ ہوتا تھا تو واپسی میں اس یقین سے گھر میں گھستا کہ مریم کا چہرہ چمک رہا ہوگا اور وہ جاتے ہی تعریفوں کے پُل باندھ دیں گی اور کہیں گی کہ آج بہت مزہ آیا اور یہ میرا قیاس شاذ ہی غلط ہوتا تھا۔ مَیں دروازے پر انہیں منتظر پاتا۔ خوشی سے اُن کے جسم کے اندر ایک تھرتھراہٹ پیدا ہورہی ہوتی تھی۔

مریم ایک بہادر دل کی عورت تھیں جب کوئی نازک موقعہ آتا میں یقین کے ساتھ اُن پر اعتبار کر سکتا تھا۔ اُن کی نسوانی کمزوری اس وقت دب جاتی۔ چہرہ پر استقلال اور عزم کے آثار پائے جاتے اور دیکھنے والا کہہ سکتا تھا کہ اب موت یا کامیابی کے سوا اس عورت کے سامنے کوئی تیسری چیز نہیں ہے۔ یہ مرجائے گی مگر کام سے پیچھے نہ ہٹے گی ضرورت کے وقت دِلّتوں اس میری محبوبہ نے میرے ساتھ کام کیا ہے اور تھکان کی شکایت نہیں کی۔ انہیں صرف اتنا کہنا کافی ہوتا تھا کہ یہ سلسلہ کا کام ہے یا سلسلہ کے لئے کوئی خطرہ یا بدنامی ہے اور وہ شیرنی کی طرح لپک کر کھڑی ہو جاتیں اور بھول جاتیں اپنے آپ کو، بھول جاتیں کھانے پینے کو، بھول جاتیں اپنے بچوں کو بلکہ بھول جاتی تھیں مجھ کو بھی، اور انہیں صرف وہ کام ہی یاد رہ جاتا تھا۔ اور اس کے بعد جب کام ختم ہو جاتا۔ تو وہ ہوتیں یا گرم پانی کی بوتلیں ٹب میں لیٹی ہوئی وہ اس طرح اپنے درد کرنے والے جسم اور متورم پیٹ کو چاروں طرف سے ڈھانپے ہوئے لیٹ جاتیں کہ دیکھنے والا سمجھتا تھا یہ عورت ابھی کوئی بڑا اپریشن کروا کر ہسپتال سے آئی ہے اور وہ کام ان کے بیمار جسم کے لئے واقعہ میں بڑا اپریشن ہی ہوتا تھا۔"

"مہمان نواز انتہا درجہ کی تھیں۔ ہر ایک کو اپنے گھر میں جگہ دینے کی کوشش کرتیں اور حتی الوسع جلسہ کے موقعہ پر بھی گھر میں ٹھہرنے والے مہمانوں کا لنگر سے کھانا نہ منگواتیں۔ خود تکلیف اُٹھاتیں، بچوں کو تکلیف دیتیں لیکن مہمان کو خوش کرنے کی کوشش کرتیں۔ بعض دفعہ اپنے پر اس قدر بوجھ لاد لیتیں کہ میں بھی خفا ہوتا کہ آخر لنگر خانہ کا عملہ اسی غرض کے لئے ہے تم کیوں اس قدر تکلیف میں اپنے آپ کو ... ڈال کر اپنی صحت برباد کرتی ہو۔ آخر تمہاری بیماری کی تکلیف مجھے ہی اُٹھانی پڑتی ہے۔ مگر اس بارہ میں کسی نصیحت کا ان پر اثر نہ ہوتا۔ کاش اب جبکہ وہ اپنے رب کی مہمان ہیں اُن کی یہ مہمان نوازیاں ان کے کام آجائیں اور وہ کریم میزبان اس وادیٔ غربت میں بھٹکنے والی رُوح کو اپنی جنت الفردوس میں مہمان کر کے لے جائے۔

امۃ الحی مرحومہ کی وفات پر لڑکیوں میں تعلیم کا رواج پیدا کرنے کے لئے میں نے ایک تعلیمی کلاس جاری کی۔ اس میں مریم بھی داخل ہو گئیں مگر ان کا دل کتاب میں نہیں کام میں تھا۔ وہ اس بوجھ کو اُٹھا نہ سکیں اور کسی نہ کسی بہانہ سے چند ماہ بعد تعلیم کو چھوڑ دیا مگر حافظہ اس بلا کا تھا کہ اس وقت کی پڑھی ہوئی بعض عربی کی نظمیں اب تک انہیں یاد تھیں۔ ابھی چند ماہ ہوئے نہایت خوش الحانی سے ایک عربی نظم مجھے سُنائی تھی۔

جب میں نے تعلیم نسواں کے خیال سے سارہ بیگم مرحومہ سے شادی کی تو مرحومہ نے خوشی سے اُن کو اپنے ساتھ رکھنے کا وعدہ کیا مگر اس وعدہ کو نباہ نہ سکیں اور آخر الگ الگ انتظام کرنا پڑا۔ یہ باہمی رقابت سارہ بیگم کی وفات تک رہی مگر بعد میں ان کے بچوں سے ایسا پیار کیا کہ وہ بچے ان کو اپنی ماں کی طرح عزیز سمجھتے تھے "

"مریم بیگم کو پہلے بچہ کی پیدائش پر ہی اندرونی بیماری لگ گئی تھی جو ہر بچہ کی پیدائش پر بڑھ جاتی تھی اور جب بھی کوئی محنت کا کام کرنا پڑتا تو اس سے اَور بھی بڑھ جاتی تھی۔ مَیں نے اس کے لئے ہر چند علاج کروایا مگر فائدہ نہ ہوا۔ دو دفعہ ایچی سن ہاسپٹل میں داخل کروا کر علاج کروایا۔ ایک دفعہ لاہور چھاؤنی میں رکھ کر علاج کروایا۔ کرنل نلسن، کرنل ہیز، کرنل کاکس وغیرہ چوٹی کے ڈاکٹروں سے مشورے بھی لئے، علاج بھی کروائے۔ مگر مرض میں ایسی کمی نہیں آئی کہ صحت عود کر آئے۔ بلکہ صرف عارضی افاقہ ہوتا تھا۔ چونکہ طبیعت حسّاس تھی کسی بات کی برداشت نہ تھی۔ کئی دفعہ ناراضگی میں بیہوشی کے دَورے ہو جاتے تھے اور ان میں اندرونی اعضاء کو اور صدمہ پہنچ جاتا تھا۔ آخر مَیں نے دل پر پتھر رکھ کر اُن سے کہہ دیا کہ پھر دَورہ ہوا تو مَیں علاج کے لئے پاس نہ آؤں گا۔ چونکہ دَورے ہسٹیریا کے تھے مَیں جانتا تھا کہ اس سے فائدہ ہوگا۔ اس کے بعد صرف ایک دَورہ ہوا۔ اور مَیں ڈاکٹر صاحب کو بُلا کر فوراً چلا گیا۔ اس وجہ سے آئندہ اُنہوں نے اپنے نفس کو روکنا شروع کر دیا۔ اور عمر کے آخری تین چار سالوں میں دَورہ نہیں ہوا۔

مَیں نے اُوپر لکھا ہے کہ ان کا دل کام میں تھا کتاب میں نہیں۔ جب سارہ بیگم فوت ہوئیں تو مریم کے کام کی رُوح اُبھری اور انہوں نے لجنہ کے کام کو خود سنبھالا*۔ انہوں نے لجنہ میں جان ڈال دی۔ آج کی لجنہ وہ لجنہ نہیں جو امۃ الحی مرحومہ یا سارہ بیگم مرحومہ کے زمانہ کی تھی۔ آج وہ ایک منظّم جماعت ہے جس میں ترقی کرنے کی بے انتہاء قابلیت موجود ہے انہوں نے کئی کو ناراض بھی کیا مگر بہتوں کو خوش کیا۔ بیواؤں کی خبرگیری، یتامیٰ کی پرورش، کمزوروں کی پرسش، جلسہ کا انتظام، باہر سے آنے والی مستورات کی مہماں نوازی اور خاطر مدارات غرض ہر بات میں انتظام کو آگے سے بہت ترقی دی۔ اور جب یہ دیکھا جائے کہ اس انتظام کا اکثر حصہ گرم پانی سے بھری ہوئی ربڑ کی بوتلوں کے درمیان چارپائی پر لیٹے ہوئے کیا جاتا تھا تو احسان شناس کا دل اس کمزور ہستی کی محبت اور قدر سے بھر جاتا ہے۔

اے میرے ربّ! تُو اُس پر رحم کر اور مجھ پر بھی۔

۱۹۴۲ء میں مَیں سندھ میں تھا کہ مرحومہ سخت بیمار ہوئیں اور دل کی حالت خراب ہو گئی۔ مجھے تار گئی کہ دل کی حالت خراب ہے۔ مَیں نے پوچھا کہ کیا مَیں آجاؤں تو جواب گیا کہ نہیں۔ اب طبیعت سنبھل گئی ہے۔ یہ دَورہ مہینوں تک چلا اور کہیں جُون جولائی میں جا کر افاقہ ہوا۔ اس سال انہی دنوں میں امّ ناصر احمد کو بھی دل کے دَورے ہوئے۔ نہ معلوم اس کا کیا سبب تھا۔ ۱۹۴۳ء کے مئی میں مَیں اُن کو دہلی لے گیا کہ اُن کا علاج حکیموں سے کرواؤں۔ حکیم محمود احمد خانصاحب کے صاحبزادے کو دکھایا اور علاج تجویز کروایا۔ مگر مرحومہ علاج صرف اپنی مرضی کا کروا سکتی تھیں۔ چنانچہ وہ علاج انہیں پسند نہ آیا۔ اور انہوں نے پُوری طرح کیا نہیں۔ دہلی بھی چھوٹا سا ایک دَورہ اندرونی تکلیف کا ہوا۔

* [illegible]

مگر جلدی آرام آگیا۔ اس بیماری میں بھی جاتے آتے آپ ریل میں فرش پر لیٹتیں اور میری دوسری بیویوں کے بچوں کو سیٹوں پر لٹوایا۔

دہلی سے واپسی کے معاً بعد مجھے سخت دورہ کھانسی بخار کا ہوا۔ جس میں مرحومہ نے حد سے زیادہ خدمت کی۔ ان گرمی کے ایام میں رات اور دن میرے پاس رہتیں اور اکثر پاخانہ کے برتن خود اُٹھاتیں اور خود صاف کرتیں۔ کھانا بھی پکاتی تھیں کہ پاؤں کے تلوے ان کے گھس گئے۔ مَیں جاگتا تو ساری ساری رات جاگتیں۔ سو جاتا اور کھانسی اٹھتی تو سب سے پہلے وہ میرے پاس پہنچ چکی ہوتی تھیں۔ جب کچھ افاقہ ہوا اور ہم ڈلہوزی آئے تو وہاں بھی باورچیخانہ کا انتظام پہلے انہوں نے لیا اور کوٹھی کو باقرینہ سجایا۔ یہاں اُن کو پھر شدید دورہ بیماری کا ہوا۔ مگر میری بیماری کی وجہ سے زیادہ تکلیف کا اظہار نہ کیا۔

جب مجھے ذرا اور افاقہ ہوا اور مَیں چنبہ گیا تو باوجود بیمار ہونے کے اصرار کے ساتھ وہاں گئیں اور گھوڑے کی سواری کی کیونکہ کچھ عرصہ سفر میں ڈانڈی نہ ملی تھی۔ مَیں نے سمجھایا کہ اس طرح جانا مناسب نہیں۔ مگر حسب دستور یہی جواب دیا کہ آپ چاہتے ہیں کہ مَیں سیر نہ کروں۔ مَیں ضرور جاؤں گی۔ آخر اُن کی بیماری کی وجہ سے مَیں نے دوسروں کو روکا اور اُن کو ساتھ لے گیا۔

اس کے بعد رمضان آگیا اور ہندوستانی عادت کے ماتحت قافلہ کے لوگوں نے غذا کے بارہ میں شکایات شروع کیں۔ اور ملازم آخر ملازم ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مرحومہ نے اس جان لیوا بیماری میں رات کو اُٹھ اُٹھ کر تین تین چار چار سیر کے پراٹھے سحری کے وقت پکا کر لوگوں کے لئے بھیجے جس سے بیماری کے مقابلہ کی طاقت جسم سے بالکل جاتی رہی۔ مَیں تو کمزور تھا۔ روزے نہ رکھتا تھا۔ جب مجھے علم ہوا مَیں نے اُن کو روکا۔ مگر اس کا جواب انہوں نے یہی دیا کہ کیا معلوم پھر ثواب کمانے کا موقعہ ملے یا نہ ملے اور اس عمل سے نہ رکیں۔

ہم واپس آئے تو اُن کی صحت ابھی کمزور ہی تھی۔ تین چار ہفتوں کے بعد ہی پھر شدید دَورہ ہو گیا۔ مَیں اس وقت گردے کے درد سے بیمار پڑا ہوا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ دَورہ ایسا سخت ہے کہ بچنے کی امید نہیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مریم کی موت میری آنکھوں کے سامنے آئی۔ مَیں ہل تو نہ سکتا تھا۔ اس لئے جب میرا کمرہ خالی ہوا چارپائی پر اوندھا گر کر مَیں نے اپنے رب سے عاجزی اور انکسار کے ساتھ اُن کے لئے دُعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور اس وقت موت ٹل گئی اور مَیں اچھا ہو کر وہاں جانے لگ گیا۔

کچھ دنوں بعد مجھے پھر نقرس کا دَورہ ہوا۔ اور پھر وہاں جانا چھُٹ گیا۔ اس وقت ڈاکٹروں کی غلطی سے ایک ایسا

ٹیکہ لگایا گیا جس کے خلاف مریم بیگم نے بہت شور کیا کہ یہ ٹیکہ مجھے موافق نہیں ہوتا۔ اس کے بعد اس ٹیکہ کے متعلق مجھے لاہور کے قیام میں بڑے بڑے ڈاکٹروں سے معلوم ہوا کہ مرحومہ کے مخصوص حالات میں وہ ٹیکہ واقعہ میں مضر تھا۔ اس ٹیکہ کا یہ اثر ہوا کہ ان کا پیٹ یکدم پھول گیا۔ اور اتنا پھولا کہ موٹے سے موٹے آدمی کا اتنا پیٹ نہیں ہوتا۔ میں بیماری میں لنگڑاتا ہوا وہاں پہنچا اور اُن کی حالت زیادہ خطرناک پا کر لاہور سے کرنل ہیز کو اور امرتسر سے لیڈی ڈاکٹر وائن کو بُلایا۔ دوسرے دن یہ لوگ پہنچے اور مشورہ ہوا کہ انہیں لاہور پہنچایا جائے جہاں سترہ دسمبر ۱۹۴۳ء کو موٹر کے ذریعہ انہیں پہنچایا گیا۔ کرنل کی رائے تھی کہ کچھ علاج کر کے کوشش کروں گا کہ دواؤں سے ہی فائدہ ہو جائے چنانچہ ۱۷ دسمبر سے آٹھ نو جنوری تک وہ اس کی کوشش کرتے رہے۔

مگر آخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اپریشن کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی رائے اس کے خلاف تھی۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا اس لئے میں نے مرحومہ سے ہی پوچھا کہ یہ حالات ہیں۔ تمہارا جو منشاء ہو اس پر عمل کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اپریشن کروا ہی لیں۔ گو مجھے اس طرح محفوظ الفاظ میں مشورہ دیا مگر اُن کے ساتھ رہنے والی خاتون نے بعد میں مجھ سے ذکر کیا کہ وہ مجھ سے کہتی رہتی تھیں کہ دُعا کرو کہ کہیں وقت پر حضرت صاحب کا دِل اپریشن سے ڈر نہ جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نزدیک اپریشن کو ضروری سمجھتی تھیں۔ بہرحال چودہ جنوری کو ان کا اپریشن ہوا۔ اس وقت ان کی طاقت کا پُورا خیال نہ رکھا گیا اور پندرہ جنوری کو ان کے دل کی حالت خراب ہونی شروع ہو گئی۔ اس وقت ڈاکٹروں نے توجہ کی اور انسانی خون بھی جسم میں پہنچایا گیا اور حالت اچھی ہو گئی اور اچھی ہوتی گئی۔

یہانتک کہ ۲۵ تاریخ کو مجھے کہا گیا کہ اب چند دن تک ان کو ہسپتال سے رخصت کر دیا جائے گا اور اجازت لے کر چند دن کے لئے قادیان آ گیا۔ میرے قادیان جانے کے بعد ہی ان کی حالت خراب ہو گئی اور زخم جسے مندمل بتایا جاتا تھا پھر دوبارہ پُورا کا پُورا کھول دیا گیا مگر مجھے اس سے غافل رکھا گیا اور اس وجہ سے میں متواتر ہفتہ بھر قادیان ٹھہرا رہا۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ جنہوں نے اُن کی بیماری میں بہت خدمت کی جزاہم اللہ احسن الجزاء انہوں نے متواتر تاروں اور فون سے تسلی دلائی اور کہا کہ مجھے جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جمعرات کی رات کو شیخ بشیر احمد صاحب کا فون ملا کہ برادرم سید حبیب اللہ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ ہمشیرہ مریم کی حالت خراب ہے آپ کو فوراً آنا چاہیئے۔ جس پر میں جمعہ کو واپس لاہور گیا اور اُن کو سخت کمزور پایا۔ یہ کمزوری ایسی تھی کہ اس کے بعد تندرستی کی حالت اُن پر پھر نہیں آئی۔

دو نرسیں ان پر رات اور دن پہرہ کے لئے رکھی جاتی تھیں اور چونکہ اُن کا خرچ پچاس ساٹھ روپے روزانہ ہوتا تھا مجھے معلوم ہوا کہ اس کا اُن کے دل پر بہت بوجھ ہے اور وہ بعض سہیلیوں سے کہتی ہیں کہ میری وجہ سے ان پر اس قدر بوجھ پڑا ہوا ہے۔ مجھے کسی طرح یہ بات معلوم ہوئی تو مَیں نے اُن کو تسلّی دلائی کہ مریم اس کی بالکل فکر نہ کرو۔ مَیں یہ خرچ تمہارے آرام کے لئے کر رہا ہوں تم کو تکلیف دینے کے لئے نہیں۔ اور اُن کی بعض سہیلیوں سے بھی کہا کہ ان کو سمجھاؤ کہ یہ خرچ میرے لئے عین خوشی کا موجب ہے اور میرا خدا جانتا ہے کہ ایسا ہی تھا۔ یہانتک کہ ان کی بیماری کے لمبا ہونے پر میرے دل میں خیال آیا کہ خرچ بہت ہو رہا ہے روپیہ کا انتظام کس طرح ہوگا تو دل میں بغیر ادنیٰ انقباض محسوس کئے مَیں نے فیصلہ کر لیا کہ مَیں کوٹھی دارالحمد اور اس کا ملحقہ باغ فروخت کر دوں گا۔ مَیں نے دل میں کہا کہ اس کی موجودہ قیمت تو بہت زیادہ ہے لیکن ضرورت کے وقت اگر اسے اونے پونے بھی فروخت کیا جائے تو پچھتر ہزار کو وہ ضرور فروخت ہو جائے گی اور اس طرح اگر ایک سال بھی مریم کے لئے خرچ کرنا پڑا تو چھ ہزار روپیہ ماہوار کے حساب سے ایک سال تک ان کے خرچ کی طرف سے بے فکری ہو جائے گی۔ اور یہی نہیں، میرا نفس مریم بیگم کے لئے اپنی جائداد کا ہر حصہ فروخت کرنے کے لئے تیار تھا تاکہ کسی طرح وہ زندہ رہیں خواہ بیماری ہی کی حالت میں۔

مگر کچھ دنوں کے بعد مَیں نے محسوس کیا کہ وہ بیماری سے سخت اذیّت محسوس کر رہی ہیں جو زخم کے درد کی وجہ سے ناقابل برداشت ہے۔ تب مَیں نے اپنے ربّ سے درخواست کرنی شروع کی۔ اے میرے ربّ! تیرے پاس صحت بھی ہے پس تجھ سے میری پہلی درخواست تو یہ ہے کہ تُو مریم بیگم کو صحت دے۔ لیکن اگر کسی وجہ سے تُو سمجھتا ہے کہ اب مریم بیگم کا اس دُنیا میں رہنا اس کے اور میرے دین و دنیا کے لئے بہتر نہیں تو اے میرے ربّ پھر اسے اس تکلیف سے بچا لے جو اس کے دین کو صدمہ پہنچائے۔

اس دُعا کے بعد جو اُن کی وفات سے کوئی آٹھ نَو دن پہلے کی گئی تھی مَیں نے دیکھا کہ اُن کی درد کی تکلیف کم ہونی شروع ہو گئی مگر اُن کے ضعف اور دل کے دَوروں کی تکلیف بڑھنے لگی۔ ظاہری سبب یہی پیدا ہوا کہ ڈاکٹر بڑوچہ نے جن کے علاج کے لئے اب ہم انہیں سر گنگارام ہسپتال میں لے آئے تھے انہیں افیون بھی دینی شروع کر دی تھی۔

بہرحال اب انجام قریب آرہا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ پر امید قائم تھی، میری بھی اور اُن کی بھی۔ وفات سے پہلے دن ان کی حالت نازک دیکھ کر اقبال بیگم (جو اُن کی خدمت کے لئے ہسپتال میں اڑھائی ماہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ

انہیں دونوں جہان میں بڑے مدارج عطا فرمائے) رونے لگیں۔ ان کا بیان ہے کہ مجھے روتے دیکھ کر مریم بیگم محبت سے بولیں۔ پگلی روتی کیوں ہو۔ اللہ تعالےٰ میں سب طاقت ہے۔ دُعا کرو وہ مجھے شفا دے سکتا ہے۔ چار مارچ کی رات کو میر محمد اسمٰعیل صاحب اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے مجھے بتایا کہ اب دل کی حالت بہت نازک ہو چکی ہے۔ اب وہ دوائی کا اثر ذرا بھی قبول نہیں کرتا اس لئے میں دیر تک وہاں رہا۔ پھر جب انہیں کچھ سکون ہوا تو شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر پر سونے کے لئے چلا گیا۔ کوئی چار بجے آدمی دوڑا ہوا آیا کہ جلد چلیں حالت نازک ہے۔ اس وقت میرے دل میں یہ یقین پیدا ہو گیا کہ اب میری پیاری مجھ سے رخصت ہونے کو ہے اور میں نے خدا تعالیٰ سے اپنے اور اس کے ایمان کے لئے دُعا کرنی شروع کر دی۔ اب دل کی حرکت کمزور سے کمزور تر ہوتی جا رہی تھی اور میرے دل کی ٹھنڈک دارالآخرت کی طرف اُڑنے کے لئے پَر تول رہی تھی۔

کوئی دس بجے کے قریب میں پھر ایک دفعہ جب پاس کے کمرہ میں سے جہاں میں معالجین کے پاس بیٹھا ہوا تھا اُن کے پاس گیا تو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ اور شدید ضعف کے آثار ظاہر ہو رہے تھے مگر ابھی بول سکتی تھیں۔ کوئی بات انہوں نے کی جس پر میں نے انہیں نصیحت کی۔ انہوں نے اس سے سمجھا کہ گویا میں نے یہ کہا ہے کہ تم نے روحانی کمزوری دکھائی ہے۔ رحم کو اُبھارنے والی نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا کہ میرے پیارے آقا! مجھے کافر کر کے نہ ماریں۔ یعنی اگر میں نے غلطی کی ہے تو مجھ پر ناراض نہ ہوں مجھے صحیح بات بتا دیں۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ موت تیزی سے اُن کی طرف آ رہی ہے۔ میرا احساس دل اب میرے قابو سے نکلا جا رہا تھا۔ میری طاقت مجھے جواب دے رہی تھی۔ مگر میں سمجھتا تھا کہ خدا تعالےٰ اور مرحومہ سے وفاداری چاہتی ہے کہ اس وقت میں انہیں ذکرِ الٰہی کی تلقین کرتا جاؤں اور اپنی تکلیف کو بھول جاؤں۔ میں نے اپنے دل کو سنبھالا اور ٹانگوں کو زور سے قائم کیا اور مریم کے پہلو میں جھک کر کہا۔ تم خدا تعالےٰ پر بدظنی نہ کرو۔ وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نواسی (وہ سیّد تھیں) اور مسیح موعودؑ کی بہو کو کافر کر کے نہیں مارے گا۔

اس وقت میرا دل چاہتا تھا کہ ابھی چونکہ زبان اور کان کام کرتے ہیں میں ان سے کچھ محبت کی باتیں کر لوں مگر میں نے فیصلہ کیا کہ اب یہ اس جہان کی رُوح نہیں اُس جہان کی ہے۔ اب ہمارا تعلق اس سے ختم ہے۔ اب صرف اپنے رب سے اس کا واسطہ ہے۔ اس واسطہ میں خلل ڈالنا اس کے تقدس میں خلل ڈالنا ہے۔ اور میں نے چاہا کہ انہیں بھی آخری وقت کی طرف توجہ دلاؤں تا کہ وہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جائیں۔ مگر صاف طور پر کہنے سے بھی ڈرتا تھا کہ ان کا کمزور دل کہیں ذکرِ الٰہی کا موقعہ پانے سے پہلے ہی بیٹھ نہ جائے۔ آخر سوچ کر میں نے

اُن سے اس طرح کہا کہ مریم مرنا تو ہر ایک نے ہے دیکھو اگر مَیں پہلے مر جاؤں تو مَیں اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں گا کہ وہ کبھی کبھی مجھ کو تمہاری ملاقات کے لئے اجازت دیا کرے اور اگر تم پہلے فوت ہو گئیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا کہ وہ تمہاری رُوح کو کبھی کبھی مجھ سے ملنے کی اجازت دے دیا کرے اور مریم اس صورت میں تم میرا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سلام کہنا۔

اس کے بعد مَیں نے کہا۔ مریم تم بیماری کی وجہ سے قرآن کریم نہیں پڑھ سکتیں۔ آؤ مَیں تم کو قرآن کریم پڑھ کر سُناؤں۔ پھر مَیں نے سورۃ الرحمٰن جو اُن کو بہت پیاری تھی پڑھ کر سُنانی شروع کی (مجھے اس کا علم نہ تھا بعد میں اُن کی بعض سہیلیوں نے بتلایا کہ ایسا تھا) اور ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ بھی سُنانا شروع کیا جب مَیں سورۃ پڑھ چکا تو انہوں نے آہستہ آواز میں کہا کہ اَور پڑھیں۔ تب مَیں نے سمجھ لیا کہ وہ اپنے آخری وقت کا احساس کر چکی ہیں اور اب مَیں نے سورۃ یٰسین پڑھنی شروع کر دی۔

اس کے بعد چونکہ اب اپنے آخری وقت کا انکشاف ہو چکا تھا۔ کسی بات پر جو انہوں نے مجھ سے کہا کہ میرے پیارے۔ تو مَیں نے اُن سے کہا۔ اب وہ وقت ہے کہ تم کو میرا پیار بھی بھول جانا چاہیئے۔ اب صرف اسی کو یاد کرو جو میرا بھی اور تمہارا بھی پیارا ہے۔ مریم! اسی پیارے کو یاد کرنے کا یہ وقت ہے۔ اور مَیں نے کبھی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اور کبھی رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ اور کبھی بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ پڑھنا شروع کیا۔ اور اُن سے کہا کہ وہ اُسے دہراتی جائیں۔ کچھ عرصہ کے بعد مَیں نے دیکھا کہ ان کی زبان اب خود بخود اذکار پر چل پڑی ہے۔ چہرہ پر عجیب قسم کی ملائمت پیدا ہو گئی اور علامات سے ظاہر ہونے لگا جیسے کہ خدا تعالیٰ کو سامنے دیکھ کر ناز سے اس کے رحم کی درخواست کر رہی ہیں۔ نہایت میٹھی اور پیاری اور نرم آواز سے انہوں نے بار بار یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ کہنا شروع کیا۔ یہ الفاظ وہ اس انداز سے کہتیں اور اَسْتَغِيْثُ کہتے وقت اُن کے ہونٹ اس طرح گول ہو جاتے کہ معلوم ہوتا تھا اپنے ربّ پر پُورا یقین رکھتے ہوئے اس سے ناز کر رہی ہیں اور صرف عبادت کے طور پر یہ الفاظ کہہ رہی ہیں ورنہ اُن کی رُوح اس سے کہہ رہی ہے کہ میرے ربّ مجھے معلوم ہے تُو مجھے معاف کر ہی دے گا۔ اس کے بعد مَیں نے ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کو بُلوایا کہ اب مجھ میں برداشت نہیں آپ تلقین کرتے رہیں۔ چنانچہ انہوں نے کچھ دیر تلاوت اور اذکار کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد کچھ دیر کے لئے پھر مَیں آ گیا۔ پھر میر صاحب تشریف لے آئے۔ باری باری ہم تلقین کرتے رہے۔ اب اُن کی آواز رُک گئی تھی مگر ہونٹ ہل رہے تھے اور زبان بھی حرکت کر رہی تھی۔ اس وقت

ڈاکٹر لطیف صاحب دہلی سے تشریف لے آئے اور انہوں نے کہا کہ بیماری کی وجہ سے سانس پہ دباؤ ہے۔ اور ڈر ہے کہ جانکندن کی تکلیف زیادہ سخت نہ ہو اس لئے آکسیجن گیس سُنگھانی چاہیئے۔ چنانچہ وہ لائی گئی اور اُس کے سُنگھانے سے سانس آرام سے چلنے لگ گیا مگر آہستہ ہوتا گیا لیکن ہونٹوں میں اب تک ذکر کی حرکت تھی۔

آخر دو بجکر دس منٹ پر جبکہ مَیں گھبرا کر باہر نکل گیا تھا عزیزم میاں بشیر احمد صاحب نے باہر نکل کر مجھے اشارہ کیا کہ آپ اندر چلے جائیں۔ اس اشارہ کے معنی یہ تھے کہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ مَیں اندر گیا اور مریم کو بے حس و حرکت پڑا ہوا پایا۔ مگر چہرہ پر خوشی اور اطمینان کے آثار تھے۔ ان کی لمبی تکلیف اور طبیعت کے چڑچڑاپن کی وجہ سے ڈر تھا کہ وفات کے وقت کہیں کسی بے صبری کا اظہار نہ کر بیٹھیں۔ اس لئے ان کے شاندار اور مومنانہ انجام پر میرے مُنہ سے بے اختیار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نکلا۔ اور مَیں اُن کی چارپائی کے پاس قبلہ رُخ ہو کر سجدہ میں گر گیا۔ اور دیر تک خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہا۔ کہ اُس نے اُن کو ابتلاء سے بچایا اور شکر گزاری کی حالت میں اُن کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد ہم نے اُن کے قادیان لے جانے کی تیاری کی اور شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر لا کر انہیں غسل دیا گیا۔ پھر موٹروں اور لاریوں کا انتظام کر کے قادیان خدا کے مسیح کے گھر اُن کو لے آئے۔ ایک دن اُن کو انہی کے مکان کی نچلی منزل میں رکھا اور دوسرے دن عصر کے بعد بہشتی مقبرہ میں اُن کو خدا کے مسیح کے قدموں میں ہمیشہ کی جسمانی آرامگاہ میں خود مَیں نے سر کے پاس سہارا دے کر اُتارا اور لحد میں لٹا دیا۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْھَا وَارْحَمْنِیْ۔

مرحومہ کی اولاد چار بچے ہیں۔ تین لڑکیاں اور ایک لڑکا۔ یعنی امۃ الحکیم۔ امۃ الباسط۔ طاہر احمد اور امۃ الجمیل۔ سلّمہم اللہ تعالیٰ وَکَانَ مَعَھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ جب مرحومہ کو لے کر ہم شیخ بشیر احمد صاحب کے گھر پہنچے تو چھوٹی لڑکی امۃ الجمیل جو اُن کی اور میری بہت لاڈلی تھی اور کُل سات برس کی عمر کی ہے۔ اُسے مَیں نے دیکھا کہ ہائے امی ہائے امی کہہ کر چیخیں مار کر رو رہی ہے۔ مَیں اُس بچّی کے پاس گیا اور اُسے کہا جمّی (ہم اُسے جمّی کہتے ہیں) اُمّی اللہ میاں کے گھر گئی ہیں۔ وہاں اُن کو زیادہ آرام ملے گا۔ اور اللہ میاں کی یہی مرضی تھی کہ اب وہ وہاں چلی جائیں۔ دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے، تمہارے دادا جان فوت ہو گئے۔ کیا تمہاری امی ان سے بڑھ کر تھی؟ میرے خدا کا سایہ اس بچّی سے ایک منٹ کے لئے بھی جُدا نہ ہو۔ میرے اس فقرہ کے بعد اس نے ماں کے لئے آجتک کوئی چیخ نہیں ماری اور یہ فقرہ سُنتے ہی بالکل خاموش ہو گئی بلکہ دوسرے دن جنازہ کے وقت جب اس کی بڑی بہن جو کچھ بیمار ہے صدمہ سے چیخ مار کر بیہوش ہو گئی تو میری چھوٹی بیوی مریم صدیقہ کے پاس جا کر میری جمّی اُن سے کہنے لگی۔ چھوٹی آپا (انہیں بچے چھوٹی آپا کہتے ہیں) باجی کتنی پاگل ہے۔ اباجان کہتے ہیں۔ اُمّی کے مرنے

میں اللہ کی مرضی تھی۔ یہ پھر بھی روتی ہے۔ اے میرے رب! اے میرے رب!! جس کی چھوٹی بچی نے تیری رضا کے لئے اپنی ماں کی موت پر غم نہ کیا۔ کیا تو اُسے اگلے جہان میں ہر غم سے محفوظ نہ رکھے گا۔ اے میرے رحیم خدا! تجھ سے ایسی امید رکھنا تیرے بندوں کا حق ہے اور اس امید کو پورا کرنا تیرے شایانِ شان ہے۔"

اس درد بھرے مضمون کے آخر میں حضور نے تیمارداری کرنے والوں کا ذکر کر کے اُن کے لئے جنابِ الٰہی میں دُعائیں کیں۔ چنانچہ فرمایا :-

"مریم بیگم کی بیماری میں سب سے زیادہ شیر محمد خانصاحب آسٹریلیا والوں کی بیوی اقبال بیگم نے خدمت کی۔ اڑھائی مہینہ اس نیک بخت عورت نے اپنے بچوں کو اور گھر کو بھلا کر رات اور دن اس طرح خدمت کی کہ مجھے وہم ہونے لگ گیا تھا کہ کہیں یہ پاگل نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اور اُن کے سارے خاندان پر اپنے فضل کا سایہ رکھے۔ پھر ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ہیں جن کو ان کی بہت لمبی اور متواتر خدمت کا موقعہ ملا۔ شیخ بشیر احمد صاحب نے کئی ماہ تک ہماری مہمان نوازی کی اور دوسرے کاموں میں امداد کی۔ میاں احسان اللہ صاحب[1] لاہوری نے دن رات خدمت کی یہانتک کہ میرے دل سے دُعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ ان کا خاتمہ بالخیر کرے۔ حکیم سراج دین صاحب بھاٹی دروازہ والوں نے برابر ان کی ہمراہی عورت کا اڑھائی ماہ تک کھانا پہنچایا اور خود بھی اکثر ہسپتال میں آتے رہے۔ ڈاکٹر معراج دین صاحب کو رعشہ کا مرض ہے اور بوڑھے آدمی ہیں۔ اس حالت میں کانپتے اور ہانپتے اور لرزتے ہوئے جب ہسپتال میں آکر کھڑے ہو جاتے کہ میں نکلوں تو مجھ سے مریضہ کا حال پوچھیں تو کئی دفعہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو دیکھ کر کہ مجھ ناکارہ کی محبت اس نے کس طرح لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دی ہے میری آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ لاہور کے اور بہت سے احباب نے نہایت اخلاص کا نمونہ دکھایا اور بہت سی خدمات ادا کیں۔ سیٹھ محمد غوث صاحب حیدرآبادی کے خاندان نے اخلاص کا ایسا بے نظیر نمونہ دکھایا کہ حقیقی بھائیوں میں بھی اس کی مثال کم ملتی ہے۔ حیدرآباد ایسے دور دراز مقام سے پہلے اُن کی بہو اور بیٹیاں دیر تک قادیان رہیں اور بار بار لاہور جا کر خبر پوچھتی رہیں۔ آخر جب وہ وطن واپس گئیں تو عزیزم سیٹھ محمد اعظم اپنا کاروبار چھوڑ کر حیدرآباد سے لاہور آبیٹھے اور مرحومہ کی وفات کے عرصہ بعد واپس گئے۔ ڈاکٹر لطیف صاحب کئی دفعہ دہلی سے دیکھنے آئے۔ میرے خاندان کے بہت سے افراد نے بھی محبت سے قربانیاں کیں۔ مگر اُن پر تو حق تھا۔ میں ان لوگوں کو سوائے دُعا کے اور کیا بدلہ دے سکتا ہوں۔ اے میرے رب! تُو ان سب پر اور ان سب پر جن کے نام میں نہیں لکھ سکا یا جن کا مجھے علم بھی نہیں اپنی برکتیں اور فضل نازل کر۔

---

[1] ملک احسان اللہ صاحب (سابق مبلغ مغربی افریقہ) مراد ہیں۔

مریم بیگم کی وفات پر جس اخلاص کا اظہار جماعت نے کیا وہ ایمان کو نہایت ہی بڑھانے والا تھا۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود علیہ السلام کی برکت ہی ہے جس نے جماعت میں ایسا اخلاص پیدا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اخلاص کو قبول کرے۔ ان کی غلطیوں کو دُور کرے اور نیکیوں کو بڑھائے اور ان کی آئندہ نسلوں کی اپنے ہاتھوں سے تربیت فرمائے۔ اللّٰھم آمین"[1]

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کا المناک وصال

حضرت امِ طاہر رضی اللہ عنہا کی دردناک موت کے زخم ابھی تازہ ہی تھے کہ صرف بارہ روز بعد ۱۷ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو جماعتِ احمدیہ کے فقید المثال محدث اور عظیم المرتبت عالم و منتظم حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ بھی رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت میر صاحبؓ کے خود نوشت سوانح حیات

قبل اس کے کہ اس انتہائی المناک سانحہ پر روشنی ڈالی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے ابتدائی سوانح حیات کا تذکرہ آپ کے اپنے مبارک الفاظ میں کر دیا جائے۔ حضرت میر صاحب نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں تحریر فرمایا کہ

"میری پیدائش ۸ ستمبر ۱۸۹۰ء کو بمقام لدھیانہ ہوئی۔ جہاں حضرت والد صاحبؓ[2] مرحوم سرکاری ملازم تھے۔ غالباً ۱۸۹۴ء کے بعد سے مستقل سکونت قادیان میں ہے۔ قیام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کے دار میں تھا۔ بچپن سے ۱۸ سال کی عمر تک حضرت مسیح موعودؑ کے روز و شب کے حالات مشاہدہ میں آئے اور اب تک قریباً اسی طرح ذہن میں محفوظ ہیں۔ گورداسپور، بٹالہ، لاہور، سیالکوٹ اور دہلی کے سفروں میں ہمرکاب ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آخری بیماری کی ابتداء سے وصال تک حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کے پاس رہا۔ حضور نے متعدد مرتبہ مجھ سے لوگوں کو خطوط کے جوابات لکھوائے۔ حقیقۃ الوحی کا مسودہ مختلف جگہ سے فرماتے گئے اور میں لکھتا گیا۔ روزانہ سیر میں آپ کے ساتھ جاتا اور جانے کے اہتمام مثلاً قضاء حاجت و وضو کا انصرام اور ہاتھ میں رکھنے کی چھڑی تلاش کر کے دینے سے سینکڑوں دفعہ مشرف ہوا۔ آپ کی کتابوں میں بیسیوں جگہ میرا ذکر ہے۔ آپ کے بہت سے نشانوں کا عینی گواہ ہوں اور بہت سے نشانوں کا مورد بھی ہوں۔ جن دنوں حضور باہر مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتے

---

[1] "الفضل" ۱۲ وفا/جولائی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء
[2] حضرت میر ناصر نواب صاحب دہلویؓ (نبیرہ حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ)۔

تھے دونوں وقت مَیں بھی شریک ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے ہم عربی میں اَسْقِنِی الْمَاءَ کہہ کر پانی مانگا کرتے تھے بچپن میں بیسیوں دفعہ ایسا ہوا کہ حضور نے مغرب و عشاء اندر عورتوں کو جماعت سے پڑھائیں اور مَیں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہوتا۔ عورتیں پیچھے کھڑی ہوتیں۔ غالباً مَیں پیدائشی احمدی ہوں۔ نہایت چھوٹی عمر سے اب تک حضورؑ کے دعاوی پر ایمان ہے۔ آپ کے وصال کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کو دل سے صدیق اکبر اور سچا خلیفہ تسلیم کیا۔ حضرت خلیفہ اوّل سے بچپن سے نہایت بے تکلفی اور محبت و پیار کا تعلق تھا۔ اُن کی وفات پر سچے دل سے صاحبزادہ محمود احمد صاحب کو خلیفہ ثانی سمجھا اور سمجھتا ہوں باقاعدہ اور بے قاعدہ مولوی عبدالکریم صاحب، حافظ روشن علی صاحب، مولوی سرور شاہ صاحب، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت خلیفہ اولؓ سے عربی علوم کے پڑھنے کی کوشش کی۔ ۱۹۱۰ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۲ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کی ملازمت میں داخل ہوا۔ جامعہ احمدیہ کے قیام سے قبل مدرسہ احمدیہ میں مدرّس تھا۔ اب جامعہ احمدیہ میں پڑھاتا ہوں۔ اس ملازمت کے علاوہ بعض اور کام بھی خلافتِ ثانیہ میں سلسلہ کے سرانجام دینے کی کوشش کرتا رہتا ہوں حضرت مسیح موعودؑ کے وجود سے جو شرف حاصل ہوئے وہ اس لئے لکھے ہیں کہ ابتداء ایسی اچھی ہے۔ پڑھنے والے دعا کریں کہ انتہاء بھی ایسی ہی اچھی ہو کہ

عروسی بود نوبت ماتمت   اگر بر نکوئی بود خاتمت "[1]

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی ۱۳۱۹ھش/۱۹۴۰ء میں علالت اور وصیت

حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ ۱۹۳۲ء کے نصفِ اوّل تک جامعہ احمدیہ کے پروفیسر کی حیثیت سے اپنے فرائض بجا لاتے رہے۔ بعدازاں آپ کو مدرسہ احمدیہ جیسی مرکزی درسگاہ کی قیادت سپرد ہوئی۔ اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے علاوہ نظارت ضیافت، دارالشیوخ اور دوسرے جماعتی شعبوں کو جماعت میں مقبول اور محبوب بنانے میں آپ نے دن رات ایک کر دیا۔ حضرت میر صاحب نہایت قلیل گذارہ پر نہایت تنگی کی حالت میں بسر اوقات کرتے تھے۔ اور آپ کی زندگی سرتاپا جہاد تھی۔

۸-۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۱۹ھش/۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے کہ حضرت میر صاحبؓ یکایک بیمار ہو گئے اور ناک کے دائیں نتھنے سے نیلے پانی کے قطرے گرنے لگے اور آنکھوں میں سخت آشوب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ دماغ کھوکھلا معلوم ہونے

[1] رسالہ "جامعہ احمدیہ" (سالنامہ) قادیان صفحہ ۷۴۔

مدرسہ احمدیہ کے قدیم اساتذہ وطلبہ کا ایک نایاب فوٹو حضرت میر محمد اسحاق صاحب دائیں سے بائیں آٹھویں کرسی پر بیٹھے ہیں

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ)

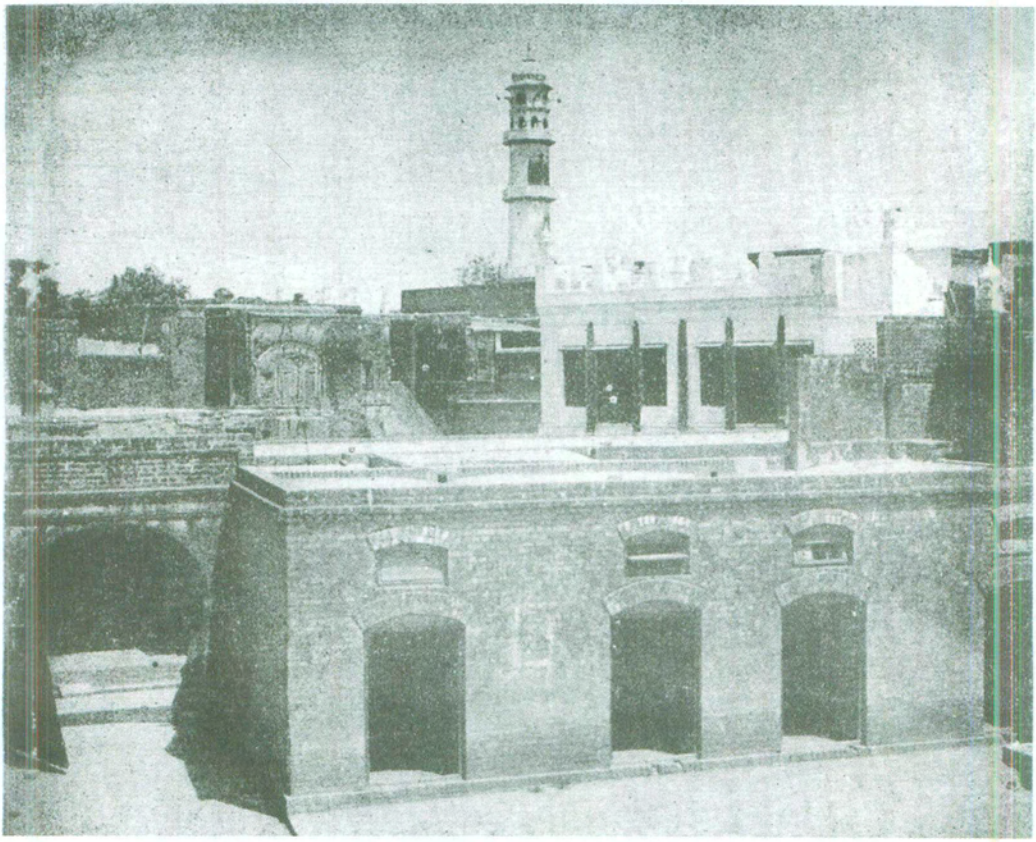

مدرسہ احمدیہ قادیان

پھاٹک سے متصل کمرہ میں حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ تشریف فرما ہوتے تھے

لگا۔ اور نظر میں زبردست کمی آنے لگی۔[1]

بیماری جب شدت اختیار کر گئی تو لاہور تشریف لے گئے اور ۵ / ماہ ہجرت / مئی کو خان بہادر ڈاکٹر محمد بشیر صاحب سے معائنہ کرایا۔[2] اور گو علاج تجویز ہوا مگر بیماری کی کوئی خاص تشخیص بھی نہ ہو سکی۔ لہٰذا قیام لاہور کے دوران آپ نے ۱۰ / ماہ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ھش / ۱۹۴۰ء کو اپنے قلم سے حسب ذیل وصیت لکھی:-

(وصیت) الحمد للہ اس وقت میرے ہوش و حواس قائم ہیں

اشہد ان لا (الٰہ الا) اللہ وحدہ لا شریک لہ

و

اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ

مجھے دلی یقین کے ساتھ زبان سے اس امر کا اقرار

ہے کہ اس وقت صرف مذہب اسلام ہی موجب نجات ہے

---

[1] بیماری کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آپ کا رقم فرمودہ مضمون مطبوعہ "الفضل" ۷ / ماہ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ھش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۵، ایضاً مراسلہ حضرت میر صاحب بنام حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب مطبوعہ رسالہ "الفرقان" تبوک / ستمبر، اخاء / اکتوبر ۱۳۴۱ھش / ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۳۔

[2] "الفضل" ۱۲ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ھش / ۱۹۴۰ء۔

میں جمیع ارکان پر ایمان رکھتا ہوں اور انبیاء علیہم السلام کا
قائل ہوں میں سنی ہوں شیعہ یا خوارج میں سے نہیں غیر
مقلد ہوں ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد نہیں گو خاکپا ان کا
خاک پا ہوں اول قرآن پھر تواتر پھر حدیث کو حجت سمجھتا
ہوں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کے تمام
دعاوی پر ایمان رکھتا ہوں مبایع میں ہوں مگر جمال الدین لدر ایم
کو اور حضرت کا اور حضرت امام جماعت احمدیہ کو عمر رضہ کا مثیل
سمجھتا ہوں مجھے یقین ہے کہ ہماری جماعت تبھی صحیح معنوں
میں احمدی رہ سکتی ہے جبکہ وہ ایک واجب الاطاعت
امام کے ہاتھ پر بیعت کرے ... خلیفہ
وقت کے ہاتھ ایک ...
... ۱ ... مالی

معاملات کے لیے ہونی چاہیے تا کہ خدا و رسول

کا حامی تمت اور احمدیت کا ابدی محور یقین

کرتا ہوں بہشتی مقبرہ کو وہ مدینہ بغیر کسی آدمی

تقیہ بہشتیوں کا مدفن سمجھتا ہوں یہی وجہ ہے تمام

صاحب حافظہ عزیز مجھ کو مدینہ سے مسند

احمدیہ کے وسیلہ سے جمع ہوئے آخر میں [illegible]

کا ہوں میں مقبرہ ضرور دیکھا ہے مقام جو ربانی ہے

بہشتی مقبرہ کہتے ہیں اس جگہ میری وہ دعا ہے کہ اللہ

میرا انجام بخیر ہوگا سلسلہ کا خادم مسافر ہوں

"(وصیّت) الحمد للہ اس وقت میرے ہوش و حواس قائم ہیں۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مجھے دلی یقین کے ساتھ زبان سے اس امر کا اقرار ہے کہ اس وقت صرف مذہب اسلام موجب نجات ہے۔ مَیں چھ ارکان پر ایمان رکھتا ہوں۔ پانچ بنا ر اسلام کا قائل ہوں۔ مَیں سُنّی ہوں۔ شیعہ یا خوارج میں سے نہیں۔ غیر مقلد ہوں۔ آئمہ اربعہ میں سے کسی کا مقلد نہیں گو چاروں کا خاکپا ہوں۔ اوّل قرآن پھر تواتر پھر حدیث کو حجّت سمجھتا ہوں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السّلام کے تمام دعاوی پر ایمان رکھتا ہوں۔ مبائع ہوں۔ غیر مبائع نہیں۔ نورالدین کو ابوبکرؓ کا اور موجودہ امام جماعت احمدیہ کو عمرؓ کا مثیل سمجھتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری جماعت تبھی صحیح معنوں میں احمدی رہ سکتی ہے جبکہ وہ ایک واجب الاطاعت امام کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ خلیفہ وقت کے ماتحت ایک انجمن ضرور انتظامی اور مالی معاملات کے لئے ہونی چاہئیے۔ قادیان کو خدا کے رسُول کا پایۂ تخت اور احمدیت کا ابدی مرکز یقین کرتا ہوں بہشتی مقبرہ کو واقع میں بغیر کسی تاویل کے یقینی بہشتیوں کا مدفن سمجھتا ہوں۔ مَیں موصی ہوں۔ تمام حساب صاف ہے۔ میرے پچھتر روپے سپرنٹنڈنٹ احمدیہ ہوسٹل کے پاس جمع ہیں۔ اگر مَیں یہاں فوت ہو جاؤں میری نعش ضرور اس پاک مقام پر پہنچا دی جائے جسے بہشتی مقبرہ کہتے ہیں اور یہی میری واحد خواہش ہے اے میرے اللہ تو میرا انجام بخیر فرما۔

سید محمد اسحٰق مسافر لاہور ۱۰/۵/۴۰

نوٹ:۔ اگر مَیں فوت ہو جاؤں تو حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ اور حضرت ام المومنین سلمہا اللہ کو میرا سلام پہنچا دیں۔"[1]

حضرت میر صاحبؓ لاہور میں چند روزہ قیام کے بعد ۱۴ ماہ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء کو واپس قادیان تشریف لے آئے[2]

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نہایت ہی قیمتی اور گرانمایہ وجود تھے جو نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے مقدّس خاندان سے نہایت ہی قریبی تعلق رکھنے کی وجہ سے بلکہ اپنی ذاتی صفات کے لحاظ سے ایک نہایت ممتاز شخصیت اور دینی علوم و معارف کا بحر بیکراں تھے۔ ایسے بلند پایہ بزرگ کی بیماری سے جماعت کے ہر فرد کا مشوش ہونا طبعی امر تھا۔ جماعتوں تک جونہی آپ کی علالت کی خبر پہنچی انہوں نے اجتماعی دعائیں شروع کر دیں۔ بیمار پُرسی کے بکثرت

---

[1] "الفضل" ۲۰ احسان / جون ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۸۔ [2] "الفضل" ۱۶ ہجرت / مئی ۱۳۱۹ ہش / ۱۹۴۰ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

خطوط لکھے۔ کثیر التعداد افراد نے آپ کی خدمت میں خود حاضر ہو کر اظہارِ محبت کیا۔ بعض نے نسخے تجویز کئے اور بعض نے بذریعہ پارسل ادویہ بھی ارسال کر دیں۔ اسی طرح بعض نے صدقے بھی دیئے۔

آپ قادیان میں حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ کے زیر علاج تھے اور اُن کی ہدایت کے ماتحت تمام کاموں سے فارغ ہو کر ہر وقت بستر پر لیٹے رہتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیماری اپنی جگہ رُک گئی اور ٹیکوں کی وجہ سے بدن اور سر میں آہستہ آہستہ طاقت محسوس ہونے لگی[1]۔ جب اس عارضہ سے ذرا افاقہ ہوا تو آپ دوبارہ مفوّضہ خدمات بجا لانے لگے۔

درس حدیث کا دوبارہ اجراء

جس طرح عشقِ قرآن میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ ضرب المثل تھے۔ اسی طرح عشقِ رسولؐ کے باب میں حضرت میر صاحبؓ کا مقام تھا۔ یہی وجہ ہے حضرت میر صاحبؓ نے بیماری سے اُٹھنے کے معاً بعد سب سے پہلا کام یہی کیا کہ مسجد اقصیٰ میں بخاری کا درس دوبارہ شروع کر دیا۔ جو آپ کی زندگی کا محبوب اور مقدس ترین مشغلہ تھا۔ چنانچہ خود ہی فرماتے ہیں:۔

"مجھے خدا کی بزرگ کتاب قرآن مجید کے بعد حضور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے عشق ہے اور سرور کائناتؐ کا کلام میرے لئے بطور غذا کے ہے کہ جس طرح روزانہ اچھی غذا ملنے کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح بغیر سیّد کونینؐ کے کلام کو ایک دو دفعہ پڑھنے کے میری طبیعت بےچین رہتی ہے۔ جب کبھی میری طبیعت گھبراتی ہے تو بجائے اس کے کہ میں باہر سیر کے لئے کسی باغ کی طرف نکل جاؤں۔ میں بخاری یا حدیث کی کوئی اور کتاب نکال کر پڑھنے لگتا ہوں اور مجھے اپنے پیارے آقاؐ کے کلام کو پڑھ کر خدا کی قسم وہی تفریح حاصل ہوتی ہے۔ جو ایک غمزدہ گھر میں بند رہنے والے کو کسی خوشبودار پھولوں والے باغ میں سیر کرکے ہو سکتی ہے اور میری تو یہ حالت ہے کہ ؎

باغ احمدؐ سے ہم نے پھل کھایا
میرا بُستان کلامِ احمدؐ ہے

اور واقعہ میں میرے آقاؐ کا کلام ایسا پاکیزہ، ایسا پیارا، ایسا دلفریب اور ایسا دلربا ہے کہ کاش دُنیا اسے پڑھے اور پھر اسے معلوم ہو کہ میرے بادشاہ کا مُنہ ایسے پھول برساتا تھا کہ جن کی خوشبو اگر ایک دفعہ کوئی سونگھ لے۔ پھر اُسے دنیا کی کوئی خوشبو، کوئی عطر اور کوئی پھول اپنی طرف مائل نہیں کر سکتا۔ اور میری ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ لوگ میرے آقا کا کلام پڑھیں اور سُنیں۔ اسی لئے میں بخاری شریف کی حدیثیں لوگوں

---

[1] "الفضل" ۲۴ ہجرت ۱۳۱۹ ہش /مئی ۱۹۴۰ء صفحہ ۵ (مضمون حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ)

کو سُناتا رہتا ہوں۔" [1]

بیماری کا آخری شدید حملہ اور وفات

۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء کے بعد آپ کئی بار پہلی بیماری میں مبتلا ہوئے مگر برابر خدمت دین میں مصروف رہے یہانتک کہ وسط امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو اس کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ جانبر نہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ فرماتے ہیں:-

"میر صاحب رضی اللہ عنہ کو کئی سال سے ایک بیماری تھی جو عَود کر کر کے آتی تھی یعنی ان کے دماغ کا مصفّا پانی ناک کے راستے ٹپکنا شروع ہو جاتا اور پھر خود ہی بند ہو جایا کرتا تھا۔ یہ ایک بہت شاذ بیماری ہے جس کا کوئی علاج اب تک معلوم نہیں ہوا۔ ہر حملہ کے بعد مرحوم بہت کمزور ہو جاتے تھے اور اہل خانہ سے اسے چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ تاکہ وہ گھبرا نہ جائیں۔ لاہور کے جلسہ مصلح موعود [2] سے واپس تشریف لائے تو نزلہ ہو گیا بُخار آنے لگا اور ناک میں سے پانی گرنا پھر شروع ہو گیا۔ ۱۴؍ مارچ کو مجھے بُلایا۔ مَیں نے نسخہ تجویز کیا۔ اشارہ سے کہا کہ والدہ داؤد کو اس پانی کے گرنے کی خبر نہ ہو۔ ۱۶؍ مارچ کی شام کو ۵ بجے شیخ احسان علی صاحب کی دوکان کے آگے ملے۔ فرمایا کہ سر میں شدید درد ہے۔ کئی ٹکیاں اسپرین کی کھا چکا ہوں۔ اب گھر جا رہا ہوں۔ (گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھے) مَیں یہ سُنکر مسجد مبارک میں عصر کی نماز پڑھنے چلا گیا۔ نماز سے فارغ ہوا تھا کہ کسی نے کہا کہ میر صاحب دارالشیوخ میں بڑ کے درخت کے نیچے پڑے ہیں اور گِر کر بیہوش ہو گئے ہیں۔ جب مَیں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ لڑکے انہیں دبا رہے تھے اور پیر جھس رہے تھے۔ میاں عبدالمنان صاحب بھی پاس تھے۔ فرمایا کہ ناقابلِ برداشت درد میرے سر میں ہے اور بغیر مارفیا کے کسی چیز سے فائدہ نہ ہوگا۔ مَیں نے شیخ احسان علی صاحب کے ہاں سے مارفیا انجکشن تیار کرا کے منگائی اور لگا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد قدرے سکون ہو گیا۔ اتنے میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے گیسٹ ہاؤس تک جانے کے لئے اپنی موٹر بھیج دی۔ تھوڑی دیر میں لیٹے لیٹے چارپائی پر بیٹھ گئے اور نہایت جوش سے کہا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں (یا تم گواہ رہو) کہ اللہ تعالےٰ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ ہے۔ اس کے بعد ہم نے کہا کہ موٹر احاطہ سے باہر کھڑی ہے اس پر سوار ہو جائیں۔ فرمانے لگے۔ میرے لئے اب یہ بھی ناممکن ہے اس پر کئی لڑکوں نے ان کی چارپائی اُٹھالی اور باہر موٹر کے پاس لے گئے۔ فرمانے لگے یونہی گھر لے چلو مجھے اور مولوی عبدالمنان صاحب کو فرمایا کہ گھر تک ہمراہ رہیں۔ گھر میں لٹایا گیا۔ بیوی سامنے آئیں تو ہاتھ اُٹھا

---

[1] "الفضل" ۲۰ فتح/دسمبر ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء ۔ [2] منعقدہ ۱۲؍ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء۔ تفصیل آگے آئیگی انشاء اللہ۔

کر فرمانے لگے۔ بالکل فکر نہ کرو۔ مَیں اچھا ہوں۔ مجھے کچھ تکلیف نہیں ہے۔ اور اس طرح ان کی تسلّی کی۔ اتنے میں انیما تیار کیا گیا اور کئی دفعہ کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ بعدہٗ دن کے کھانے کی قے آئی۔ پھر جلد جلد غنودگی بڑھنے لگی مگر قے جاری رہی۔ سخت درد سر قے اور غفلت کی وجہ سے نصف شب کے قریب خیال ہوا کہ یہ یوریمیا (UREMIA) ہے۔ پیشاب ربڑ کی نلکی سے نکالا گیا تو اس میں کافی البیومن (ALBUMIN) تھا۔ مگر بعض اَور علامات سے رات کے دو بجے یہ فیصلہ کیا گیا کہ دماغ کا پانی یعنی (CEREBRO - SPINAL FLUID) کمر میں سوراخ کر کے نکالا جائے۔ وہ نکالا گیا تو بہت زور سے دھار باندھ کر اور دودھ کی طرح سفید یعنی پیپ سے ملا ہوا نکلا جس میں خوردبینی امتحان کرنے پر ہر قسم کے پیپ کے جراثیم پائے گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ پانی جو ہمیشہ ناک سے نکلا کرتا تھا اور دماغ کے اندر اور پردوں میں اس کا منبع تھا وہ سپٹک (SEPTIC) ہو گیا ہے اور سرسامی کیفیت، غفلت، تشنّج، قے اور آنکھوں کا ایک طرف کو پھر جانا اور پتلیوں کا سُکڑ جانا سب اسی وجہ سے ہے۔ اور صورت ورم دماغ (MENINGITIS) کی قائم ہو گئی ہے۔ ایک دفعہ بیہوش ہو کر پھر ہوش نہیں آیا۔ تیز بخار اس دوران میں برابر چڑھا رہا۔ ان چوبیس گھنٹوں میں انسان دُعا اور دوا سے کوشش اور جدوجہد کرتے رہے مگر تقدیر الٰہی انکار کرتی رہی" [۱]

حضرت میر صاحبؓ کے آخری لمحات

۱۶ امان/مارچ کی شب اور ۱۷ امان/مارچ کا دن نہایت تشویش میں گذرا۔ اعلان عام کے ذریعہ سب احمدیوں تک آپ کی علالت کی اطلاع پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ سب نے نہایت ہی درد اور کرب کے ساتھ دعا کی۔ علاج معالجہ میں بھی ہر ممکن کوشش کی گئی مگر چھ بجے شام کے بعد نبض بہت زیادہ کمزور ہو گئی اور خطرہ بہت بڑھ گیا۔ حافظ محمد رمضان صاحب بلند آواز سے قرآن کریم کی دُعائیں پڑھنے لگے۔ نیز سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے رہے۔ حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ بھی دوسرے صحن میں قرآن کریم پڑھتے رہے۔ پھر حضور اس کمرہ میں تشریف لے آئے جہاں حضرت میر صاحبؓ تھے اور اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بہت دیر تک رقّت بھری آواز میں قرآن کریم کی دُعائیں فرماتے رہے۔ یہ نظارہ نہایت ہی رقّت انگیز تھا۔ کمرہ کے اندر اور باہر لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ اس وقت حضور نے فرمایا۔ اگر تو یہ رونا دعا کا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ گناہ ہے۔ حضور پھر باہر تشریف لے آئے چونکہ نماز مغرب کا وقت ہو چکا تھا حضور نے نماز کی تیاری کرنے کا ارشاد فرمایا۔ ابھی نماز شروع نہ ہوئی تھی [۲] کہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ پر عالم نزع طاری ہو گیا۔ حافظ محمد رمضان

---

[۱] "الفضل" یکم اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴۔ [۲] "الفضل" ۳۰ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

صاحب حضرت میر صاحبؓ کی چارپائی کے پاس بیٹھے پہلے دوسری قرآنی دُعائیں پڑھ چکے تھے اور اب سورۂ یٰسین کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب حافظ صاحب موصوف سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یٰسٓ آیت ۵۸) پر پہنچے تو حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ نے زور سے یہ آیت دہرائی۔ اور ساتھ ہی حافظ صاحب سے کہا کہ یہ آیت پھر پڑھئے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اور دوسرے احباب نے بھی چار پانچ بار یہ آیت رقت بھری آواز میں دوہرائی۔

حافظ محمد رمضان صاحب سورۂ یٰسین اور قرآن کریم کے اَور حصّوں اور دعاؤں کی تلاوت ختم کر چکے تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حافظ قدرت اللہ صاحب کو بُلوایا۔ جنہوں نے پھر سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کی جب آپ آیت سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ پر پہنچے تو انہوں نے بھی یہ آیت بار بار پڑھی۔ اسی دوران میں حضرت میر صاحبؓ نے آخری سانس لیا۔ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ اس وقت برآمدہ میں تشریف فرما تھے اور نماز مغرب پڑھانے کے لئے کھڑے ہونے والے ہی تھے کہ حضور کو حضرت میر صاحبؓ کے المناک انتقال کی اطلاع دی گئی جس پر حضور فوراً اُس کمرہ میں تشریف لائے جہاں احمدیت کے اس بطلِ جلیل کی نعش رکھی تھی۔ جس کی زندگی کا ایک ایک سانس اسلام اور احمدیت کی خدمت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے مقدّس کلمات کو پُرنم آنکھوں سے پہنچانے کے لئے وقف رہا۔ جس کا وجود شوکتِ اسلام کا نشان اور جس کی زبان شمشیرِ برّاں تھی اور جس کے دل و دماغ سے عشقِ رسُول کے دریا رواں تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ حضرت میر صاحبؓ کی نعش مبارک دیکھ کر رقت سے بھر گئے اور پُرنم آنکھوں سے باہر تشریف لائے اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔[۵۱]

حضرت امیر المومنینؓ کی دردانگیز تقریر

نماز کے بعد حضرت امیر المومنینؓ نے ایک درد انگیز تقریر کی جس میں فرمایا:-

"جب رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کا وصال ہوا تو صحابہ کرامؓ کے لئے وہ ایک موت کا دن تھا۔ مگر جب حضرت ابوبکرؓ فوت ہوئے تو وہ تابعین جنہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کو نہ دیکھا تھا اور اسلام حضرت ابوبکرؓ سے ہی سیکھا تھا ان کو اس وفات کا شدید ترین صدمہ ہوا۔ ویسا ہی صدمہ جیسا کہ صحابہؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی وفات کا ہوا تھا۔ اسی طرح ایک کے بعد ایک زمانہ کے لوگ گذرتے چلے گئے۔ اور جب سارے گذر گئے تو کسی وقت عالمِ اسلامی کیلئے حسن بصریؒ یا جنید بغدادیؒ کی وفات ایسے ہی صدمہ کا باعث تھی جیسی صحابہ کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی وفات۔ مگر یہ احساس نتیجہ تھا اس بات کا کہ حسن بصریؒ اور جنید بغدادیؒ جیسے لوگ مسلمانوں میں بہت شاذ پیدا ہوتے تھے۔

---

[۵۱] "الفضل" ۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۴

اگر ساری اُمّت ہی حسنؒ اور جنیدؒ ہوتی تو وہ درد اور وہ چیخیں جو ان بزرگوں کی وفات پر بلند ہوئیں یُوں بلند نہ ہوتیں۔ بد قسمتی سے اکثر لوگ رونا بھی جانتے ہیں۔ اظہارِ غم کرنا بھی جانتے ہیں مگر اکثر لوگ خدا تعالیٰ کیلئے زندگی وقف کرنا اور کام کرنا نہیں جانتے۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا پر حُزن وغم کی چادر پڑی رہتی ہے۔ اگر سب کے سب لوگ دین کی خدمت کرتے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں لگے ہوتے تو دنیا کا عرفان اور علم ایسے بلند معیار پر آجاتا کہ کسی قابلِ قدر خادمِ اسلام کی وفات پر جو یہ احساس پیدا ہوتا ہے اور یہ فکر لاحق ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کرینگے یہ کبھی نہ ہوتا۔

میر محمد اسحاق صاحبؓ خدماتِ سلسلہ کے لحاظ سے غیر معمولی وجود تھے۔ درحقیقت میرے بعد علمی لحاظ سے جماعت کا فکر اگر کسی کو تھا تو اُن کو۔ رات دن قرآن و حدیث لوگوں کو پڑھانا اُن کا مشغلہ تھا وہ زندگی کے آخری دَور میں کئی بار موت کے مُنہ سے بچے۔ جلسہ سالانہ پر وہ ایسا اندھا دھند کام کرتے۔ کہ کئی بار اُن پر نمونیہ کا حملہ ہوا۔ ایسے شخص کی وفات پر طبعًا لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں گے؟ لیکن اگر ہماری جماعت کا ہر شخص ویسا ہی بننے کی کوشش کرتا تو آج یہ احساس نہ پیدا ہوتا۔ جب ہر شخص اپنی ذمہ داری کو سمجھتا ہو تو کسی کا کن کی وفات پر یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اب ہم کیا کریں گے؟ بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ ہم سب یہی کر رہے ہیں۔ عزیز اور دوست کی جدائی کا غم تو ضرور ہوتا ہے مگر یہ احساس نہیں ہوتا کہ اب اس کا کام کون سنبھالے گا۔ موت کا رنج تو لازمی بات ہے مگر یہ رنج مایوسی پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ ہر شخص ایسے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے وقت پر چاروں کونوں کو سنبھال لیا تھا۔ احباب کی اس غلطی کی وجہ سے کہ ہر ایک نے وقت پر اپنے آپ کو سلسلہ کا واحد نمائندہ تصور نہ کیا اور اس کے لئے کوشش نہ کی۔ آج میر صاحب کی وفات ایسا بڑا نقصان ہے کہ نظر آرہا ہے کہ اس نقصان کو پورا کرنا آسان نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مولوی عبد الکریم صاحب مرحومؓ اس طرز کے آدمی تھے۔ ان کے بعد حافظ روشن علی صاحب مرحوم تھے اور تیسرے اس رنگ میں میر صاحبؓ رنگین تھے اور اُن کی وفات کا بڑا صدمہ اس وجہ سے بھی ہے کہ اُن جیسے اور لوگ جماعت میں موجود نہیں ہیں۔ اگر اَور لوگ بھی ایسے ہوتے تو بیشک اُن کی وفات کا صدمہ ہوتا۔ ویسا ہی صدمہ جیسا ایک عزیز کی وفات ہوتا ہے مگر جماعتی پہلو محفوظ ہوتا۔ اور یہ دیکھ کر کہ اگر ایک آدمی فوت ہوگیا ہے تو خواہ وہ کسی رنگ کا تھا اس کی جگہ لینے والے کئی اَور موجود ہیں۔ جماعت کے

لوگ مایوس نہ ہوتے اور وہ سمجھتے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیئت نے ایک آدمی ہم سے لے لیا ہے تو اس کے کئی قائم مقام موجود ہیں۔ مگر قحط الرجال ایسی چیز ہے کہ جو لوگوں کے دلوں میں مایوسی پیدا کر دیتی ہے اور جب کام کا ایک آدمی فوت ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ اب کیا ہوگا اور دشمن بھی کہتا ہے کہ اب یہ جماعت تباہ ہو جائے گی۔ اب اس کا کام چلانے والا کوئی نہیں۔ لیکن اگر ایک کے بعد کام کرنے والے کئی موجود ہوں تو پھر نہ اپنوں میں کوئی مایوسی پیدا ہوتی ہے اور نہ دشمن کو خوش ہونے کا موقعہ مل سکتا ہے۔ پس اگر جماعت کے دوست اپنی اپنی ذمہ داری کو سمجھتے تو آج جو یہ گھبراہٹ پائی جاتی ہے نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بروقت سمجھ دی اور میں نے نوجوانوں کو زندگیاں وقف کرنے کی تحریک کی جس کے ماتحت آج نوجوان تعلیم حاصل کر رہے ہیں لیکن ہمارا کام بہت وسیع ہے۔ ہم نے دنیا کو صحیح علوم سے آگاہ کرنا ہے اور اس کے لئے ہزارہا علماء درکار ہیں۔ . . . . حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت تھی کہ جب کبھی سلسلہ کے لئے غم کا کوئی موقعہ ہوتا۔ آپ دوستوں سے فرماتے کہ دعائیں کرو اور استخارے کرو۔ تا اللہ تعالیٰ دلوں سے گھبراہٹ دور کر دے اور بشارات دے کر دلوں کو مضبوط کر دے۔ پس آپ لوگ بھی آئندہ چند دنوں تک متواتر دعائیں کریں۔ خصوصاً آج کی رات بہت دعائیں کی جائیں کہ اگر جماعت کے لئے کوئی اور ابتلاء مقدر ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں ٹال دے اور اگر تمہارا خیال غلط ہو تو دلوں سے دہشت کو دور کر دے اور اپنے فضل سے ایسی سچی بشارتیں عطا کرے کہ جن سے دل مضبوط ہوں اور کمزور لوگ ٹھوکر سے بچ جائیں۔ پس خوب دعائیں کرو اور اگر کسی کو خواب آئے تو بتائے خصوصاً صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افراد بہت دعائیں کریں۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ پایا اور انہیں موقعہ ملا کہ وہ حضور علیہ السلام کی پاک صحبت میں رہے، خاص طور پر میرے مخاطب ہیں۔ وہ آج رات بھی اور آئندہ بھی بہت دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو ایسے واقعات اور ابتلاؤں سے بچائے جو کمزوروں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہو سکتے ہیں اور جن سے افسردگی پیدا ہوتی ہے کہ یہ دین کی فتح کے دن ہیں اور ان دنوں میں افسردگی نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ دلوں میں ایسا عزم صمیم ہونا چاہیئے کہ جس کے ماتحت دوست بڑھ بڑھ کر قربانیاں کر سکیں" [1]

---

[1] "الفضل" یکم شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے یہ تقریر اس رقّت اور سوز سے فرمائی کہ حضور کی آواز رُک رُک جاتی تھی۔ اور سُننے والوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ تقریر کے بعد حضور نے نہایت خشوع وخضوع سے دُعا کرائی۔ اس تقریر کے بعد حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کو غسل دینے کا انتظام کیا گیا۔ غسل دینے اور کفن پہنانے کے بعد گیسٹ ہاؤس کے بیرونی حصہ میں جنازہ لایا گیا اور رات بھر کے لئے پہرہ دار مقرر کر دیئے گئے اور حضور رات ۱۲ بجے کے قریب واپس تشریف لائے۔

بیرونی جماعتوں کو حادثہ کی اطلاع

اس حادثہ کی اطلاع جماعتہائے احمدیہ لاہور، امرتسر، جالندھر، لدھیانہ، گوجرانوالہ، لائل پور، منٹگمری، سیالکوٹ، گجرات وغیرہ کو بذریعہ تار راتوں رات دے دی گئی۔ ؎۱

تدفین کا رُوح فرسا اور دلخراش منظر

اگلے روز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ پانچ بجے کے قریب نمازِ عصر مسجد مبارک میں پڑھا کر گیسٹ ہاؤس میں تشریف لائے جہاں حضرت میر صاحبؓ کی نعش مبارک رکھی تھی۔ اس وقت آخری بار اس مقدس اور خدا نما انسان کی زیارت کرائی گئی۔ چہرہ دیکھنے سے یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ فوت ہو چکے ہیں بلکہ اس طرح نظر آتا تھا کہ نہایت آرام اور اطمینان کی نیند سو رہے ہیں۔ ہلکی سی مسکراہٹ، جو ہر وقت آپ کے چہرہ مبارک پر رہتی تھی اس وقت بھی موجود تھی۔ آخر حضرت امیرالمومنینؓ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے ارکان نے جنازہ اُٹھایا اور تھوڑی دُور لے جانے کے بعد باغ تک احباب جماعت نہایت اخلاص و محبت کے جذبات کے ساتھ کندھا دیتے اور باری باری ثواب حاصل کرتے گئے۔ نمازِ جنازہ حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کے باغ میں اسی جگہ پڑھائی جہاں چند روز قبل حضرت سیدہ امّ طاہر احمد صاحبہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی تھی اور جہاں ابھی سفیدی کے وہ خطوط موجود تھے جو خود حضرت میر صاحبؓ نے ہی صفیں سیدھی باندھنے کے لئے لگوائے تھے۔ صفیں کھڑی ہونے کے بعد تعداد کا اندازہ لگایا گیا تو مَردوں کی تعداد ساڑھے چار ہزار معلوم ہوئی۔ نماز جنازہ نہایت رقّت اور سوز کے ساتھ پڑھی گئی اور پھر جنازہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کے احاطہ میں شرقی سڑک کی جانب سے لے جایا گیا۔ قبر حضرت نانی اماں صاحبہؓ (والدہ ماجدہ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ) اور حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحبؓ (والد ماجد حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ) کے پہلو میں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں کھودی گئی۔ میّت کو لحد میں رکھنے کے لئے حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ، حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ، حضرت مرزا عزیز احمد صاحب، سیّد داؤد احمد صاحب (حضرت میر صاحبؓ کے سب سے بڑے فرزند) اُترے۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دُوسرے افراد نے

؎۱ "الفضل" ۱۹ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱

میّت اُٹھا کر اُن کے ہاتھوں پر رکھ دی اور جب وہ مقام پر پہنچا کر باہر آ گئے تو لحد پر اینٹیں چُنی گئیں۔ اس کام میں مولوی عبدالمنان صاحب عمرؔ خلف حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ شریک رہے۔ لحد میں رکھنے کے وقت سے مٹی ڈالنے تک حضرت امیرالمومنینؓ نہایت رقت سے مسنون دعائیں فرماتے رہے اور دعائیں کرتے ہوئے حضور نے* تمام مجمع سمیت دعا فرمائی۔

لاہور، امرتسر، گورداسپور، جالندھر، کپورتھلہ، فیروزپور وغیرہ کے بہت سے احباب نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لئے پہنچ چکے تھے۔ نیز ارد گرد کی جماعتوں کے احباب بھی بکثرت شریک ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار کے احاطہ میں جنازہ کے ساتھ داخل ہونے پر اوّل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار پر حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے دُعا فرمائی اور پھر حضرت سیدہ ام طاہر احمد صاحبہؓ کے مزار پر۔ آخر واپسی سے قبل ایک بار پھر تمام مجمع سمیت مزار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دُعا فرمائی اور واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے سب لوگ بھی اس محبوب اور خادم اسلام کو جس نے ساری عمر اور اپنی ساری طاقتیں سلسلہ کی خدمت میں صرف کر دیں، سپردِ خاک اور حوالہ بخدا کر کے واپس آ گئے۔[1]

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کے شمائل و اخلاق

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ بے شمار خوبیوں کے حامل، خدا نما شخصیت اور خدمت دین میں محویت کا ایک کامل نمونہ تھے دن رات خدا اور اس کے پاک رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر اُن کا شغل تھا صدر انجمن احمدیہ کے نہایت اہم صیغہ ضیافت کے ناظر اور دارالشیوخ کے ناظم اعلیٰ، جماعت احمدیہ کے قاضی، مجلس افتاء کے رُکن، مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر، مجلس تعلیم کے ممبر، مجلس ارشاد کے صدر کے فرائض باحسن وجوہ ادا کرنے کے علاوہ مسجد اقصیٰ میں روزانہ بخاری شریف کا درس دیتے تھے جس میں ایسی محبت اور رقت سے رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے کہ دل گداز ہو جاتے۔ تبلیغی اجتماعات اور جلسوں کے رُوحِ رواں ہوتے تھے۔ اور نوجوانوں کو دین کے سیکھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی دلکش اور نہایت مؤثر پیرایہ میں تلقین فرماتے تھے۔ باطل کے خلاف حق کی شمشیر برہنہ تھے مگر حلیمی و فروتنی، عجز و انکسار اور مروت و ملنساری میں بھی آپ عدیم المثال وجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قوتِ افہام و تفہیم اور بیان میں ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ بدترین معاند بھی قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ اخلاق ایسے اعلیٰ کہ دشمن بھی تعریف میں رطب اللّسان تھے۔

حضرت میر صاحبؓ کی بلند پایہ اور انقلاب انگیز تصانیف و تالیفات

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل لٹریچر بطور یادگار چھوڑا ہے۔

---

[1] "الفضل" ۲۱ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ و ۲۔

* تین مٹھی مٹی ڈالی۔ پھر دوسرے احباب کو اس کا موقع دیا گیا۔ قبر مکمل ہو جانے کے بعد حضور نے

خصوصیاتِ اسلام۔ ادعیۃ القرآن۔ چہل حدیث۔ اسلامی اخلاق۔ ندائے حق۔ رسالہ کسر صلیب۔ رسالۃ النحو۔ خلاصۃ النحو۔ ختم نبوت۔ گوشت خوری۔ ردّ تناسخ۔ نقشہ وفات مسیح۔ خمسین احادیث مترجم۔ دلائل ہستی باریتعالےٰ۔ انسانِ کامل۔ مباحثہ سرگودھا۔ انّدواج۔ مباحثہ بمبئی۔ اسلام اور بُدھ مذہب۔ حدوث رُوح و مادہ۔[1]

حضرت میر صاحبؓ کے بعد بعض متبادل انتظامات

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی وفات سے جماعت میں ایک زبردست خلا پیدا ہوگیا تھا۔ اس قومی نقصان کی تلافی تو ممکن نہ تھی البتہ جو بھی وقتی یا متبادل انتظامات ممکن تھے[۲۲۳] وہ کردیئے گئے۔ درس الحدیث کی اہم خدمت مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل کے سپرد ہوئی۔ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب قائم مقام ناظر ضیافت تجویز ہوئے۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل جٹ مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر بنادیئے گئے۔ دارالشیوخ چلانے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اسی طرح دوسرے شعبوں میں بھی حضرت میر صاحب کی بجائے دوسرے ممبروں کی نامزدگی ہوگئی۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ حضرت میر صاحبؓ جس سرفروشی للّٰہیت اور فدائیت کے ساتھ تنہا یہ تمام خدمات بجالاتے تھے۔ اس کا رنگ نہ اجتماعی نہ انفرادی صورت میں کسی سے پھر پیدا نہ ہوسکا (لعل اللّٰہ یحدث بعد ذٰلک امرًا)

فصل سوم

سیدنا المصلح الموعود کی جاری فرمودہ مبارک تحریکیں

حضرت امیر المومنینؓ کے وجود میں حیرت انگیز تغیر

"مصلح موعود" کی آسمانی خلعت سے مفتخر ہوتے ہی سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے وجود مبارک میں یکایک ایک انقلاب عظیم برپا ہوگیا۔ تقریر میں جلال و جمال اور تحریر میں جذب و تاثیر کے رنگ ہی بدل گئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بیماریوں سے نڈھال اور بڑھاپے میں مضمحل ہونے کے باوجود خدائے قادر و توانا کی طرف سے آپ پر سچ مچ انوارِ شباب پلٹ آئے اور پھر سے عزم جواں عطا ہوا۔ اور آپ اس یقین سے لبریز ہوگئے کہ اس نئے منصب پر فائز ہونے کے بعد خدا تعالےٰ کی طرف سے احیاء اسلام اور اشاعت دین کی اہم ذمہ داری اب براہ راست

---

۲۲۳ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی کی منظوری سے فی الفور

[1] "دِاذَا الصُّحُفُ نُشِرَت" صفحہ ۳۳ (از میاں عبدالعظیم صاحب پروپرائٹر احمدیہ بکڈپو قادیان دارالامان)۔

آپ کو سپرد کر دی گئی ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ جماعت کو اپنے سب جذبات و احساسات بکلّی ترک کر کے صرف انہی راہوں پر چلنا ہوگا جو خدا تعالٰے کی طرف سے آپ پر کھولی جائیں گی۔ چنانچہ حضور نے اس دورِ جدید کی پہلی مجلس مشاورت[1] کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔

"مَیں نے ایک عرصہ تک جماعت کے جذبات اور اس کے احساسات کا خیال رکھا اور باوجود دوستوں کی ناتجربہ کاری، ان کی سیاست سے ناواقفیت اور دینی جماعتوں کے اصول سے لاعلم ہونے کے ہمیشہ ان کے مشوروں کو قبول کیا۔ اور اگر اپنی کوتاہ نظری سے گرد وپیش کے حالات سے غلط طور پر متاثر ہو کر انہوں نے بعض مشورے دیئے تو مَیں نے اُن کو بھی ردّ نہیں کیا۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ مَیں ایسے مشوروں کو قبول نہ کروں اور دوستوں کے جذبات اور ان کے احساسات کا خیال رکھے بغیر اُن کو کھُلے طور پر ردّ کر دوں۔ مَیں جانتا ہوں کہ درحقیقت بات یہی ہے کہ اب جو کچھ مَیں کہوں گا اسی پر جماعت کا چلنا مفید اور بابرکت ہوگا نہ اس راہ پر چلنا جس کو وہ خود اپنے لئے تجویز کرے۔ اگر خدا نے مجھ پر یہ انکشاف کیا ہے کہ مَیں حُسن و احسان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نظیر ہوں تو درحقیقت اس کے یہی معنے ہیں کہ اب تمہاری ذمّہ داری بحیثیت ایک شخص کے ہے۔ بحیثیت جماعت جو ذمّہ داری سمجھی جاتی تھی وہ ختم ہو گئی ہے۔ اب مَیں خدا تعالیٰ کے سامنے اس کے دین کی اشاعت اور اسلام کے احیاء کے لئے ذاتی طور پر ذمّہ دار ہوں اس لئے اب مجھے جماعت کے مشوروں کی زیادہ پروا نہیں ہوگی۔ اگر کسی معاملہ میں جماعت کی شدید رائے کو بھی ردّ کرنا پڑا تو مَیں اُسے کھُلے طور پر ردّ کر دوں گا۔ اور اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کروں گا کہ یہ وہ مشورہ ہے جو جماعت نے متفقہ طور پر دیا ہے۔ اب خدا کے سامنے مَیں صرف اپنے آپ کو ذمہ وار سمجھتا ہوں اور مَیں اللہ تعالیٰ کے الہامات اور اس کی تائید کی روشنی میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا منشاء تھا؟ یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کس تعلیم کو لے کر دنیا میں مبعوث ہوئے۔ پس آئندہ مَیں صرف اُس آواز کو سُنوں گا جو خدا تعالٰے کی ہوگی۔ دوسرا کوئی لفظ میرے کان برداشت نہیں کر سکتے۔ میرا فرض ہے کہ اب مَیں اس کی طرف بڑھتا چلا جاؤں اور خواہ میرے سامنے کوئی بات کیسی ہی خوبصورت شکل میں پیش کی جائے اس کی پروا نہ کروں جبکہ میرا دل یہ گواہی دے رہا ہو کہ مَیں وہی کام کر رہا ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام تھا اور مَیں وہی کام کر رہا ہوں جو رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

[1] منعقدہ ۷-۸-۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء

کا کام تھا۔ درحقیقت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میری زبان پر تصرّف دینے کے معنی ہی یہی تھے کہ تم اس آواز کو سُنو جو براہ راست رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں کہیں۔ اور تم اس آواز کو سُنو جو براہ راست حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں کہیں۔

کوئی شخص اس کے یہ معنی نہ سمجھے کہ باوجود خدا تعالیٰ کے کلام اور اس کی نصوصِ صریحہ کے مَیں کوئی ایسا کام بھی کرسکتا ہوں جو اس کی تعلیم کے خلاف ہو۔ میرے اس بیان کے یہ معنی نہیں ہیں بلکہ میرے قول کا مفہوم یہ ہے کہ تمام نصوصِ صریحہ سچائی کی طرف جاتی ہیں اور غلطی کی طرف وہ بات جاتی ہے جو خدا اور اس کے رسُول کے احکام کے خلاف ہوتی ہے۔ پس یہ نہیں کہ جو کچھ مَیں کہوں گا وہ خدا اور اُس کے رسُول کے منشاء کے خلاف ہوسکتا ہے بلکہ جو کچھ مَیں کہوں گا وہی خدا اور اس کے رسُول کے منشاء کے مطابق ہوگا اور میرے مقابلہ میں جو کچھ دوسرا سمجھے گا وہ خدا اور اس کے رسُول کے منشاء کے خلاف ہوگا مگر یہ چیزیں ساری کی ساری قیاسی اور وہمی ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنی پاک جماعت کو ہمیشہ ایسی ٹھوکروں سے بچالیتا ہے جو اس کے ایمان کو ضائع کرنے والی ہوں۔ جب مَیں یقین رکھتا ہوں کہ آپ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل ہیں اور اس زمانہ کے لوگ ہیں جن کو خدا تباہ نہیں کیا کرتا۔ اور جبکہ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ باوجود اپنی ساری کمزوریوں اور نالائقیوں کے محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی تعلیم کی اشاعت کی ذمہ داری میرے کمزور کندھوں پر ڈالی گئی ہے تو مَیں یہ بھی یقین رکھتا ہوں کہ وہ مجھ سے کوئی بات ایسی نہیں کہلوائے گا جو خدا اور اس کے رسُول کے منشاء کے خلاف ہو۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تم سے بھی کبھی اس بات کا انکار نہیں کرائے گا جو خدا اور اس کے رسُول کے حکم کے مطابق ہو۔ آخر مَیں بھی اس کے قبضہ میں ہوں اور آپ لوگ بھی اسی کے قبضہ میں ہیں“ [1]

جماعت کو عظیم الشان قربانیوں کیلئے تیار ہوجانے کا ارشاد

خدائی سلسلوں پر ہونے والا ہر انعام خداوندی اپنے ساتھ نئی ذمہ داریاں لاتا اور نئی قربانیوں کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی دائمی سُنت کے مطابق سیدنا المصلح الموعود نے جماعت کو شروع ہی سے متنبہ فرما دیا کہ اب احمدیوں کو عظیم الشان قربانیوں کے لئے تیار ہوجانا چاہیئے چنانچہ حضور نے ارشاد فرمایا:۔

[1] رپورٹ مجلس مشاورت جماعت احمدیہ منعقدہ ۷-۸-۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲۰-۲۱۔

"جلد جلد ترقی کی طرف اپنے قدموں کو بڑھاؤ" مَیں نہیں جانتا کہ جب خدا نے میرے متعلق یہ کہا ہے کہ مَیں جلد جلد بڑھوں گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میری موت جلد آنے والی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ مَیں جلد جلد ترقی کی منازل طے کرتا چلا جاؤں گا۔ تم ان دو میں سے کوئی بھی پہلو لے لو۔ بہرحال اس امر کو اچھی طرح یاد رکھو کہ اب جماعت میں سے وہی شخص اپنے ایمان کو سلامت رکھ سکے گا اور وہی شخص با ایمان مر سکے گا جو خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت اور اس کے سلسلہ کی ترقی کے لئے جلد جلد قدم اُٹھائے گا۔ اگر تمہارا جرنیل دشمن کی فوج پر حملہ کر دے اور تم آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہو تو کون تمہیں وفادار کہہ سکتا ہے؟ کون تمہاری اطاعت کا قائل ہو سکتا ہے؟ کون تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے؟ جب خدا نے مجھے کہا کہ مَیں جلد جلد قدم اُٹھاؤں گا۔ اور جب خدا نے مجھے یہ نظارہ دکھایا کہ مَیں بھاگتا چلا جا رہا ہوں اور زمین میرے پاؤں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے تو درحقیقت خدا نے تم کو کہا کہ تم جلد جلد بڑھو اور جلد زمینوں کو طے کرتے چلو۔ جب ایک شخص کو افسر مقرر کیا جاتا ہے تو اس افسر کو حکم دینے کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ ماتحتوں کو اس کے واسطہ سے حکم دیا جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ آدم کو سجدہ کرو اور ڈانٹتا شیطان کو ہے کہ تم نے کیوں سجدہ نہ کیا؟ شیطان میں نفسانیت سہی، ہزاروں گناہ سہی، مگر اس میں اتنی عقل ضرور تھی کہ اس نے یہ نہیں کہا کہ اے خدا تو نے مجھے کب حکم دیا تھا؟ تُو نے تو فرشتوں کو حکم دیا تھا۔ مجھے تو حکم دیا ہی نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فرشتوں کو جب حکم دیا گیا تو اس کے معنے یہی تھے کہ مَیں بھی اتباع کروں۔ پس وہ نادان جو کہتا ہے کہ یہ تو مصلح موعود کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ میرے متعلق نہیں کہا گیا کہ مَیں جلد جلد بڑھوں۔ وہ شیطان سے بھی اپنے آپ کو زیادہ احمق قرار دیتا ہے۔ شیطان نے تو تسلیم کر لیا تھا کہ جب فرشتوں کو حکم دیا گیا تو درحقیقت اُن کے واسطہ سے مجھے بھی حکم دیا گیا۔ مگر یہ تسلیم نہیں کرتا کہ مصلح موعود کو جو حکم دیا گیا ہے اس کے ماتحت وہ خود بھی آتا ہے۔

پس ہر احمدی کو سمجھ لینا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے الہام پا کر میرے متعلق جو یہ خبر دی ہے کہ مَیں جلد جلد بڑھوں گا اس کے معنے یہ نہ تھے کہ دشمنوں کی صفوں کے بالمقابل مَیں اکیلا کھڑا ہوں گا۔ بلکہ یہ تھے کہ کام کی اہمیت کے پیش نظر میرا فرض ہو گا کہ مَیں تیزی اور سرعت کے ساتھ اپنے قدم کو بڑھاتا چلا جاؤں اور جب مَیں دشمن کے مقابلہ میں جلد جلد قدم

بڑھاؤں گا تو خدا تعالیٰ اُن لوگوں کو بھی جو مجھ پر ایمان لائیں گے اس بات کی توفیق عطا فرما دے گا کہ وہ جلد جلد اپنے قدم بڑھائیں۔ اسی طرح جب خدا نے مجھے خبر دی کہ زمین میرے پاؤں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے اور مَیں تیزی کے ساتھ بھاگتا چلا جا رہا ہوں تو اس کے معنے بھی درحقیقت یہی تھے کہ جب مَیں تیزی کے ساتھ بھاگوں گا اور زمین میرے قدموں کے نیچے سمٹنی شروع ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان سچے مخلصوں کو بھی جنہیں میرے ساتھ وابستگی حاصل ہو گی اس امر کی توفیق عطا فرما دے گا کہ وہ زمین کو جلد جلد طے کریں اور آناً فاناً دور دراز فاصلوں کو طے کرتے ہوئے دُنیا کے کناروں تک پہنچ جائیں۔ پس اپنے اندر ایک غیر معمولی تغیر پیدا کرو اور جلد سے جلد عظیم الشّان قربانیوں کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب تم زیادہ انتظار مت کرو۔ پیشگوئیوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ وقت اب آ گیا ہے جب زیادہ انتظار نہیں کیا جائے گا جب تمہیں دیر تک منتظر نہیں رہنا پڑے گا۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں اور قیامت اس طرح اکٹھے ہیں جس طرح انگشتِ شہادت کے ساتھ دوسری اُنگلی ملی ہوئی ہوتی ہے۔ پس بہت بڑے تغیرات ہیں جو دُنیا میں رونما ہونے والے ہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ تغیرات بہت بھاری اہمیت رکھتے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اب کیا ہو جائے گا مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کسی عظیم الشّان تغیر یا بہت بڑے عظیم الشّان تغیرات کی بنیادیں جلد سے جلد رکھ دی جائیں گی اور وہ شخص جو ان مہمات میں میرا ساتھ نہیں دے گا، وہ شخص جو جلد جلد اپنے قدم کو نہیں بڑھائے گا اس کے دِل پر زنگ لگ جائے گا اور وہ اس خطرہ میں ہو گا کہ اپنے پہلے ایمان کو بھی کھو بیٹھے۔"[1]

الغرض حضرت سیّدنا المصلح الموعودؓ نے ایک آسمانی جرنیل کی حیثیت سے جماعت کو اطلاع دی کہ اسلام کی فتح اور اس کی کامیابی کے لئے جو جنگ ہونے والی ہے وہ اب قریب آ رہی ہے اور ہمیں اس کی خاطر قربانیاں کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور اسی تیاری کے جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنے دعویٰ مصلح موعود کے بعد اپنی مقدّس زندگی میں بہت سی تحریکیں فرمائیں جن پر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اسی کی دی ہوئی توفیق سے جماعتِ احمدیہ نے اپنی گذشتہ روایات کے مطابق نہایت شاندار طریق سے لبیک کہا اور اس کا قدم المصلح الموعودؓ کی قیادت میں نہایت تیزی سے آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔

ان سب تحریکات کا ذکر اپنے اپنے موقعہ پر آئے گا۔ مگر اس فصل میں اُن سولہ[16] نہایت اہم اور بنیادی تحریکوں

[1] اختتامی تقریر حضرت مصلح موعودؓ (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۷۸-۱۷۹)۔

کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو حضور نے دعویٰ مصلح موعود کے پہلے سال جاری فرمائیں اور جو اپنے اندر مستقل افادیت کی دائمی شان رکھتی ہیں

خاندانِ مسیح موعودؑ کو خدمتِ دین کیلئے وقف ہو جانے کی تحریک

۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی قربانیوں کے مطالبات کے سلسلہ میں نئے اور مبارک دَور کی پہلی تحریک خاندانِ مسیح موعودؑ سے متعلق تھی اور وہ یہ کہ اَبناء فارس اپنی تمام زندگی خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دیں۔ چنانچہ حضور نے ۱۰ امان / مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"دیکھو ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کے اس قدر احسانات ہیں کہ اگر سجدوں میں ہمارے ناک گھس جائیں، ہمارے ہاتھوں کی ہڈیاں گھس جائیں تب بھی ہم اس کے احسانات کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری موعود کی نسل میں ہمیں پیدا کیا ہے اور اس فخر کے لئے اس نے اپنے فضل سے ہمیں چن لیا ہے۔ پس ہم پہ ایک بہت بڑی ذمہ واری عائد ہے۔ دُنیا کے لوگوں کے لئے دُنیا کے اَور بہت سے کام پڑے ہوئے ہیں مگر ہماری زندگی تو کلیتہً دین کی خدمت اور اسلام کے احیاء کے لئے وقف ہونی چاہیئے۔"[۱]

اس تحریکِ وقف پر سب سے پہلے حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے لبیک کہا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے انہی دنوں فرمایا:۔

"سب سے پہلے ہمارے خاندان میں سے عزیزم مرزا ناصر احمد نے اپنے آپ کو وقف کیا تھا"[۲]

تحریک وقفِ جائیداد

۲۔ دوسری تحریک حضرت سیدنا المصلح الموعود نے اسی تاریخ کو یہ فرمائی کہ

"ہم میں سے کچھ لوگ جن کو خدا تعالےٰ توفیق دے اپنی جائیدادوں کو اس صورت میں دین کے لئے وقف کر دیں کہ جب سلسلہ کی طرف سے اُن سے مطالبہ کیا جائے گا۔ انہیں وہ جائیداد اسلام کی اشاعت کے لئے پیش کرنے میں قطعاً کوئی عذر نہیں ہوگا"

اس تحریک کے اعلان سے قبل پہلے خود حضور نے پھر چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنی جائیدادیں اسلام و احمدیت کے لئے پیش کر دی تھیں۔ ازاں بعد جب حضور نے اپنی زبانِ مبارک سے پہلی بار خطبہ جمعہ میں تحریک فرمائی تو قادیان کے دوسرے دوستوں نے بھی چند گھنٹوں کے اندر اندر قریباً چالیس لاکھ روپے کی جائیدادیں وقف کر دیں۔[۳] جس

[۱] "الفضل" ۱۴ / امان / مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۱ کالم ۲ ÷ [۲] "الفضل" ۱۲ / صلح / جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۲ ÷
[۳] " " " صفحہ ۱۴ کالم ۴ ÷ [۴] "الفضل" ۱۴ / امان / مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۳ کالم ۴ ۰

پر حضرت نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا :-

"مَیں نے جائیداد وقف کرنے کی تحریک کی تھی۔ قادیان کے دوستوں نے اس کے جواب میں شاندار نمونہ دکھایا ہے اور اس تحریک کا استقبال کیا ہے۔ بہت سے دوستوں نے اپنی جائیدادیں وقف کر دی ہیں" [1]

قادیان کے بعد بیرونی مخلص جماعتوں نے بھی اس قربانی میں گوئے سبقت لے جانے کی مخلصانہ جدوجہد کی نتیجہ یہ نکلا کہ وقف ہونے والی جائیدادوں کی مالیت چند دنوں کے اندر اندر کروڑ تک جا پہنچی[2] اُن دنوں جوش کا یہ عالم تھا کہ جو احمدی ذاتی جائیدادیں نہ رکھتے تھے وہ اپنی ماہوار یا سال بھر کی آمدنیاں وقف کر کے دیوانہ وار اس مالی جہاد میں شامل ہو گئے۔

تحریک وقفِ زندگی

۳۔ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے ۲۴ر امان / مارچ ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو تیسری اہم تحریک یہ فرمائی کہ ہر قابلیت کے نوجوان خدمتِ دین کے لئے زندگیاں وقف کریں۔ چنانچہ فرمایا :-

"جسمانی کام ایک ایک آدمی سے بھی چل سکتے ہیں کیونکہ جسم کا فتح کرنا آسان ہے مگر رُوحانی کاموں کے لئے بہت آدمیوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے کیونکہ دلوں کا فتح کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہمارے پاس اتنے معلّم ہوں کہ ہم انہیں تمام جماعت میں پھیلا سکیں . . . . ضروری ہے کہ ہماری جماعت کا ہر زمیندار، تاجر، پیشہ ور، وکیل، بیرسٹر، ڈاکٹر، انجنیئر ایک خاص حد تک قرآن، حدیث اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم رکھتا ہو مگر یہ نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے پاس علماء کی کثرت نہ ہو . . . . اسلام کے نزدیک ہر شخص اگر خدمت دین کرے تو وہ معزز اور سردار ہے مگر اُن قوموں کے لئے جو سیاسی طور پر معزز سمجھی جاتی ہیں، بہت شرم کی بات ہو گی اگر وہ قربانیوں میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے گر جائیں اور سیاسی طور پر ادنیٰ سمجھی جانے والی قومیں آگے آ جائیں۔ پس مَیں تحریک کرتا ہوں کہ سیاسی طور پر معزز سمجھی جانے والی اقوام کے لوگ اپنے کو اور اپنی اولادوں کو دین کے لئے وقف کریں۔ . . . . کام کی وسعت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر سال

---

[1] "الفضل" ۳۱ر امان / مارچ ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۲

[2] جائیدادیں وقف کرنے والے مخلصین کی متعدد فہرستیں "الفضل" (۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء - ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء) میں شائع شدہ ہیں۔ اس سلسلہ میں چوبیسویں فہرست ۲۴ر شہادت / اپریل ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۵-۶ کے پرچہ میں بھی چھپی جس کے مطابق اس وقت تک کے وقف کنندگان کی تعداد

ایک سَو نہیں بلکہ دو سَو مبلغ رکھے جائیں۔

پس مَیں ایک تحریک تو یہ کرتا ہوں کہ دوست مدرسہ احمدیہ میں اپنے بچوں کو بھیجیں تا انہیں خدمتِ دین کے لئے تیار کیا جا سکے۔ اور دوسری تحریک انجمن کو یہ کرتا ہوں کہ پڑھائی کی سکیم ایسی ہو کہ تھوڑے سے تھوڑے عرصہ میں زیادہ سے زیادہ دینی تعلیم حاصل ہو سکے اور اس رستہ میں جو چیز بھی حائل ہو اُسے نکال دیا جائے۔ مولوی فاضل بنانا ضروری نہیں جس نے ڈگری حاصل کرنی ہو وہ باہر چلا جائے۔ اس دوغلا پن کو دُور کرنا ضروری ہے۔ دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے والا کبھی ساحل پر نہیں پہنچا کرتا۔ پس تعلیم کا انتظام ایسے رنگ میں کیا جائے کہ جلد سے جلد مکمل علماء ہمیں مل سکیں۔ فقہ، تفسیر، حدیث، تصوّف اور کلام وغیرہ علوم میں ایسی دسترس حاصل کر سکیں کہ چوٹی کے علماء میں ان کا شمار ہو بلکہ دنیا میں صرف وہی علماء سمجھے جائیں۔ اور اسلام کے ہر فرقہ اور ہر ملک کے لوگ اختلافِ عقائد کے باوجود یہ تسلیم کریں کہ اگر ہم نے ان علوم کو سیکھنا ہے تو احمدی علماء سے ہی سیکھنا چاہئے . . . . ایسے نوجوان بھی اپنی زندگیاں وقف کریں جنہوں نے سائنس میں میٹرک پاس کیا ہو یا اس سال پاس ہونے کی امید ہو۔ اسی طرح گریجوایٹ وغیرہ۔ تا جو ڈاکٹری کے لئے مناسب ہوں انہیں ڈاکٹری تعلیم دلوا کر ادنیٰ اقوام میں جن تک ابھی اسلام کا نُور نہیں پہنچا، تبلیغ کے لئے بھیجا جا سکے۔ اور جو دوسرے کاموں کے لئے مناسب ہوں انہیں دوسرے کاموں کے لئے تعلیم دلائی جائے۔ ہندو ان لوگوں کو ابھی تک ذلیل سمجھتے ہیں۔ ان سے چھوت چھات کرتے ہیں۔ ان غریبوں کو غلام قرار دے رکھا ہے۔ اس لئے جب ہمدردی سے ان کی خدمت کی جائے اور احسن رنگ میں اسلامی تعلیم اُن کے سامنے پیش کی جائے تو عیسائیوں کی نسبت کئی گُنا زیادہ کامیابی ہو سکتی ہے۔ پس یہ راستہ بھی بند نہیں دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے نوجوان بھی اپنے آپ کو وقف کر سکتے ہیں اور اُن سے فائدہ بھی اُٹھایا جا سکتا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ تعلیم اور کام کے متعلق ان کا کوئی دخل نہ ہوگا۔ یہ کام ہمارا ہوگا کہ ہم فیصلہ کریں کہ کس سے کیا کام لیا جائے گا؟ بعض لوگ حماقت سے سمجھتے ہیں کہ جو تقریر اور تحریر کرے وہی مبلغ ہے۔ حالانکہ اسلام تو ایک محیطِ کُل مذہب ہے۔ اس کے احکام کی تکمیل کے لئے ہمیں ہر قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ وہی مبلّغ نہیں جو تبلیغ کے لئے باہر جاتا ہے۔ جو سلسلہ کی جائیدادوں کا انتظام تندہی اور اخلاص سے کرتا ہے اور باہر جانے والے مبلّغوں کے لئے اور سلسلہ کے لٹریچر کے لئے روپیہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں کماتا ہے وہ اس

سے کم نہیں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک مبلغوں میں شامل ہے۔ جو سلسلہ کی عمارتوں کی اخلاص سے نگرانی کرتا ہے وہ بھی مبلغ ہے جو سلسلہ کے لئے تجارت کرتا ہے وہ بھی مبلغ ہے۔ جو سلسلہ کا کارخانہ چلاتا ہے وہ بھی مبلغ ہے۔ جو زندگی وقف کرتا ہے اور اُسے سلسلہ کے خزانہ کا پہریدار مقرر کیا جاتا ہے وہ بھی مبلغ ہے۔ کسی کام کی نوعیت کا خیال دل سے نکال دو اور اپنے آپ کو سلسلہ کے ہاتھ میں دے دو۔ پھر جہاں تم کو مقرر کیا جائے گا وہی مقام تمہاری نجات اور برکت کا مقام ہوگا۔"[1]

اس عظیم الشان تحریک پر بھی مخلصین جماعت نے شاندار جوش و خروش کا مظاہرہ کیا اور ڈیڑھ ماہ کے اندر اندر قادیان اور بیرونی مقامات کے ۲۳۵ مخلصین نے (جن میں ہر طبقہ، ہر عمر اور ہر قابلیت کے افراد شامل تھے) اپنے آقا کے حضور وقف زندگی کی درخواستیں پیش کر دیں۔[2] علاوہ ازیں حضور کے ارشاد مبارک کی تعمیل میں مدرسہ احمدیہ کے نصاب میں بھی مناسب تبدیلی کر دی گئی۔

تعلیم الاسلام کالج کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ چندہ کی تحریک

۴۔ دعویٰ مصلح موعود کے بعد چوتھی تحریک تعلیم الاسلام کالج جیسے اہم ادارہ کے قیام و احیاء کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ چندہ کی تھی جو حضور نے ۲۴ امان/مارچ کو جماعت کے سامنے رکھی۔[3] کالج فنڈ میں سب سے پہلے نمبر پر خدا کے موعود خلیفہ سیدنا المصلح الموعودؓ نے حصہ لیا اور گیارہ ہزار روپیہ کی رقم کالج فنڈ میں مرحمت فرمائی جس میں سے پانچ ہزار روپیہ اپنی طرف سے اور ایک ایک ہزار حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہؓ، حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہؓ، حضرت سیدہ ام طاہر احمد صاحبہؓ، حضرت سیدہ ام وسیمؓ اور حضرت سیدہ ام متینؓ کی طرف سے تھا۔ علاوہ ازیں حضرت سیدہ ام وسیمؓ نے بیس روپے اور حضرت سیدہ ام متین صاحبہ نے اپنی طرف سے از خود پچاس روپے چندہ بھی دیا تھا۔ علاوہ ازیں حضور نے اپنی دو صاحبزادیوں (سیدہ امۃ الحکیم صاحبہ اور سیدہ امۃ الباسط صاحبہ) کی طرف سے بھی دس دس روپے عطا فرمائے۔[4]

حضرت مصلح موعودؓ اور حضور کے اہلبیت کے علاوہ خاندان مسیح موعودؑ اور جماعت کے دوسرے بہت سے مخلص اور مخیر دوستوں نے بھی نہایت فیاضی سے چندہ دیا۔[5][6]

جماعت کو ماہرین علوم پیدا کرنے کی تحریک

حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی المناک وفات کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے سیدنا المصلح الموعودؓ کی توجہ اس

---

[1] "الفضل" ۳۱ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲-۵ [2] "الفضل" ۱۱ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ [3] "الفضل" ۳۱ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶-۷ [4] "الفضل" ۲۳ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۳ [5] چندہ دہندگان کے اسماء گرامی "الفضل" ۱۲ ہجرت/مئی ۱۹۴۴ء صفحہ ۵، ۲۲ اخاء/اکتوبر صفحہ ۵-۶، ۲۵ اخاء/اکتوبر صفحہ ۶، ۱۶ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ میں شائع شدہ ہیں۔ [6] تعلیم الاسلام کالج کے تفصیلی (حالات کے لئے ملاحظہ ہو) ۷ جولائی ۱۹۴۴ء

طرف مبذول فرمائی کہ جماعت میں جلد سے جلد علماء اور علوم اسلامیہ کے ماہرین پیدا کرنے ضروری ہیں تا پہلے بزرگوں کے قائم مقام ہو سکیں اور جماعت کے لئے من حیث الجماعت اپنے علمی مقام سے گرنے کا امکان باقی نہ رہے۔

چنانچہ حضور نے مجلس مشاورت ۱۳۲۳ھ/۱۹۴۴ء ہش کے دوران فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی اور میر صاحبؒ وفات پا گئے۔ اُن کے انتقال سے جماعت کو اس لحاظ سے شدید صدمہ پہنچا ہے کہ وہ سلسلہ کے لئے ایک نہایت مفید وجود تھے۔ مگر یاد رکھو مومن بہادر ہوتا ہے اور بہادر انسان کا یہ کام نہیں ہوتا کہ جب کوئی ابتلاء آئے تو وہ رونے لگ جائے یا اس پر افسوس کرنے بیٹھ جائے۔ بہادر آدمی کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ فوراً اپنی غلطی کو درست کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور نقصان کو پورا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ وہ شخص جو رونے لگ جاتا ہے مگر اپنی غلطی کی اصلاح نہیں کرتا وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کامیاب ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو ابتلاء کے بعد اپنے آپ کو ایسے رنگ میں تیار کرنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ مضبوط اور باہمت ہو جاتا ہے۔ ہمارے لئے جو ابتلاء آتے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا تازیانہ ہیں کہ تم کیوں ایسی حالت میں بیٹھے ہوئے ہو کہ جب کوئی شخص چلا جاتا ہے تو تم کہتے ہو اب کیا ہوگا؟ تم کیوں اپنے آپ کو اس حالت میں تبدیل نہیں کر لیتے کہ جب کوئی شخص مشیتِ ایزدی کے ماتحت فوت ہو جائے تو تمہیں ذرا بھی یہ فکر محسوس نہ ہو کہ اب سلسلہ کا کام کس طرح چلے گا بلکہ تم میں سینکڑوں لوگ اس جیسا کام کرنے والے موجود ہوں۔ ایک غریب شخص جس کے پاس ایک ہی کوٹ ہو۔ اگر اس کا کوٹ ضائع ہو جائے تو اُسے سخت صدمہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر ایک امیر شخص جس کے پاس پچاس کوٹ ہوں۔ اس کا اگر ایک کوٹ ضائع بھی ہو جائے تو اُسے خاص صدمہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے میرے پاس انچاس ۴۹ کوٹ اور موجود ہیں۔ اسی طرح ہماری جماعت اگر رُوحانی طور پر نہایت مالدار بن جائے تو اُسے کسی شخص کی موت پر کوئی گھبراہٹ لاحق نہیں ہو سکتی۔ تم اپنے آپ کو رُوحانی لحاظ سے مالدار بنانے کی کوشش کرو۔ تم میں سینکڑوں فقیہہ ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں محدث ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں مفسر ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں علم کلام کے ماہر ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں علم اخلاق کے ماہر ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں علم تصوف کے ماہر ہونے چاہئیں۔ تم میں سینکڑوں منطق اور فلسفہ اور فقہ اور لغت کے ماہر ہونے چاہئیں تم میں سینکڑوں دُنیا کے ہر علم کے ماہر ہونے چاہئیں۔ تاکہ جب اُن سینکڑوں میں سے کوئی شخص فوت

ہو جائے تو تمہارے پاس ہر علم اور ہر فن کے ۹۹ ہم عالم موجود ہوں اور تمہاری توجہ اس طرف پھرنے ہی نہ پائے کہ اب کیا ہو گا جو چیز ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مل سکتی ہو اس کے کسی حصہ کے ضائع ہونے پر انسان کو صدمہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایسی سینکڑوں چیزیں میرے پاس موجود ہیں۔ اسی طرح اگر ہم میں سے ہر شخص علوم و فنون کا ماہر ہو تو کسی کو خیال بھی نہیں آسکتا کہ فلاں عالم تو مر گیا۔ اب کیا ہو گا۔ یہ خیال اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے وجودوں کو نادر بننے دیتے ہیں اور اُن جیسے سینکڑوں نہیں ہزاروں وجود اور پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر ان کے نادر ہونے کا احساس جاتا رہے جس کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ ان کے قائم مقام ہزاروں کی تعداد میں ہمارے اندر موجود ہوں تو کبھی بھی جماعت کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ فلاں شخص تو فوت ہو گیا۔ اب کیا ہو گا؟

دیکھو۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ۔ تم نیکی کے میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اگر ہم قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق یہ اشتیاق رکھتے کہ ہم دوسروں سے آگے بڑھ کر رہیں۔ اگر ہم میں سے ہر شخص اشتیاق کی رُوح کو اپنے اندر قائم رکھتا تو آج ہم میں سے ہر شخص بڑے سے بڑا محدّث ہوتا۔ بڑے سے بڑا مفسّر قرآن ہوتا۔ بڑے سے بڑا عالم دین ہوتا۔ اور کسی کے دل میں یہ احساس تک پیدا نہ ہوتا کہ اب جماعت کا کیا بنے گا؟ . . . . ہمارے لئے یہ خطرہ کی بات نہیں ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا مولوی عبدالکریم صاحب رضی بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا مولوی برہان الدین صاحب رضی بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا حافظ روشن علی صاحب رضی بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا قاضی امیر حسین صاحب رضی بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے یا میر محمد اسحاق صاحب رضی بہت بڑے عالم تھے جو فوت ہو گئے۔ بلکہ ہمارے لئے خطرہ کی بات یہ ہے کہ جماعت کسی وقت بحیثیت جماعت مر جائے اور ایک عالم کی جگہ دوسرا عالم ہمیں اپنی جماعت میں دکھائی نہ دے۔"[1]

اس پانچویں تحریک کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصی توجہ سے نئے اور نوجوان علماء کی ایک کثیر تعداد پیدا ہو گئی۔ جس کے نتیجہ میں سلسلہ میں پیدا شدہ خلاء کو پُر کرنے میں بھاری مدد ملی۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۷۴ تا ۱۷۸

حفاظ پیدا کرنے کی تحریک

۶-۲۴ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے چھٹی تحریک جماعت میں حفاظ پیدا کرنے کی فرمائی[1] جس کا اثر یہ ہوا کہ جماعت کے اندر اس مقدس فریضہ کی تکمیل کیلئے پہلے سے زیادہ توجہ پیدا ہو گئی۔

رضاکارانہ تبلیغ کرنے کی ولولہ انگیز تحریک

سیدنا المصلح الموعودؓ نے یکم ہجرت/مئی ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء کو جماعت کے سامنے ساتویں اہم تحریک یہ فرمائی کہ دنیا میں تبلیغ اسلام کے لئے ہزاروں مبلغوں کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت صرف اس طرح پوری ہو سکتی ہے کہ احمدی بدھ بھکشوؤں اور حضرت مسیحؑ کے حواریوں کی طرح قریہ قریہ، بستی بستی میں نکل کھڑے ہوں۔ چنانچہ فرمایا:-

"دنیا میں تبلیغ کرنے کے لئے ہمیں ہزاروں مبلغوں کی ضرورت ہے مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مبلغ کہاں سے آئیں اور اُن کے اخراجات کون برداشت کرے۔ مَیں نے بہت سوچا ہے۔ مگر بڑے غور و فکر کے بعد سوائے اس کے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچا کہ جب تک وہی طریق اختیار نہیں کیا جائے گا جو پہلے زمانوں میں اختیار کیا گیا تھا اس وقت تک ہم کامیاب نہیں ہو سکتے . . . . حضرت مسیح ناصری نے اپنے حواریوں سے کہا کہ تم دُنیا میں نکل جاؤ اور تبلیغ کرو۔ جب رات کا وقت آئے تو جس بستی میں تمہیں ٹھہرنا پڑے اس بستی کے رہنے والوں سے کھانا کھاؤ اور پھر آگے چل دو۔

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑی حکمت سے یہ بات اُمت کو سکھائی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہر بستی پر باہر سے آنے والے کی مہمان نوازی تین دن فرض ہے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا۔ یا رسُولَ اللہ اگر بستی والے کھانا نہ کھلائیں تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا۔ تم زبردستی اُن سے لے لو۔ گویا ہمارا حق ہے کہ ہم تین دن ٹھہریں اور بستی والوں کا فرض ہے کہ وہ تین دن کھانا کھلائیں۔ مَیں سمجھتا ہوں اس میں رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تبلیغ کے طریق کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے۔ اگر تم کسی بستی سے تین دن کھانا کھاتے ہو تو یہ بھیک نہیں۔ ہاں اگر تین دن سے زائد ٹھہر کر تم اُن سے کھانا مانگتے ہو تو یہ بھیک ہوگی۔

اگر ہماری جماعت کے دوست بھی اسی طرح کریں کہ وہ گھروں سے تبلیغ کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ ایک ایک گاؤں اور ایک ایک بستی اور ایک ایک شہر میں تین تین دن ٹھہرتے جائیں اور تبلیغ کرتے جائیں۔ اگر کسی گاؤں والے لڑیں تو جیسے حضرت مسیح ناصریؑ نے کہا تھا وہ اپنے پاؤں سے خاک

---

[1] "الفضل" ۲۶ وفا/جولائی ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۴۔

جہاز کو آگے نکل جائیں تو مَیں سمجھتا ہوں تبلیغ کا سوال ایک دن میں حل ہو جائے۔"[1]

تسبیح و تحمید اور دُرود شریف پڑھنے کی اہم تحریک

۸۔ مالی تحریکوں کے ساتھ ساتھ جماعت میں رُوحانی انقلاب برپا کرنے کے لئے حضور نے بعض اخلاقی اور رُوحانی رنگ کی تحریکیں بھی فرمائیں مثلاً ۱۲ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو یہ آٹھویں تحریک فرمائی کہ احمدی نمازیں سنوار کر اور باجماعت پڑھیں اور روزانہ کم از کم بارہ دفعہ تسبیح و تحمید اور درود شریف پڑھنے کا التزام کریں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ فرماتے ہیں۔ دو کلمے ایسے ہیں کہ رحمٰن کو بہت پیارے ہیں۔ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ۔ زبان پر بڑے ہلکے ہیں۔ عالم، جاہل، عورت، مرد، بُوڑھا، بچہ، ہر شخص ان کلمات کو آسانی سے ادا کر سکتا ہے . . . . جہاں رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسبیح و تحمید اور تکبیر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہاں تسبیحوں میں سے یہ تسبیح آپ نے بڑی اہم قرار دی ہے۔ پس مَیں جماعت میں تحریک کرتا ہوں کہ ہر احمدی کم سے کم بارہ دفعہ دن میں یہ تسبیح روزانہ پڑھ لیا کرے۔ وہ چاہے تو سوتے وقت پڑھ لے۔ چاہے تو ظہر کے وقت پڑھ لے۔ چاہے تو عصر کے وقت پڑھ لے۔ چاہے تو مغرب کے وقت پڑھ لے۔ چاہے تو عشاء کے وقت پڑھ لے۔ چاہے تو فجر کے وقت پڑھ لے۔ بہرحال ہر احمدی یہ عہد کرے کہ وہ روزانہ بارہ دفعہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ پڑھ لیا کرے گا۔ اسی طرح دوسری چیز جو اسلام کی ترقی کے لئے ضروری ہے وہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات اور آپ کے فیوض کا دنیا میں وسیع ہونا ہے اور ان برکات اور فیوض کو پھیلانے کا بڑا ذریعہ درُود ہے۔ بیشک ہر نماز کے وقت تشہد کے وقت درُود پڑھا جاتا ہے مگر وہ جبری درُود ہے اور جبری درود اتنا فائدہ نہیں دیتا جتنا اپنی مرضی سے پڑھا ہوا درود انسان کو فائدہ دیتا ہے۔ وہ درُود بیشک نفس کی ابتدائی صفائی کے لئے ضروری ہے۔ لیکن تقرب الی اللہ کے حصول کے لئے اس کے علاوہ بھی درُود پڑھنا چاہیئے۔ پس مَیں دوسری تحریک یہ کرتا ہوں کہ ہر شخص کم از کم بارہ دفعہ روزانہ درُود پڑھنا اپنے اوپر فرض قرار دے لے . . . . . پس جو لوگ محبت اور اخلاص کے ساتھ درُود پڑھیں گے وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے اللہ تعالےٰ کی برکات سے

[1] "الفضل" ۱۲ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۴-۵۔

حصہ پائیں گے۔ اُن کے گھر رحمتوں سے بھر دیئے جائیں گے۔ اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے انوار کا جلوہ گاہ ہو جائیں گے اور نہ صرف ان رُوحانی نعماء سے وہ لذّت اندوز ہوں گے بلکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے چونکہ اُن کی خواہش ہوگی کہ اسلام پھیلے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اکناف عالم تک پہنچے اس لئے وہ اپنے اس ایمانی جوش اور دردمندانہ دُعاؤں کے نتیجہ میں اسلام کے غلبہ کا دن بھی دیکھ لیں گے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ دعائیں ہی ہیں جن سے یہ عظیم الشان کام ہو سکتا ہے۔ دنیوی کوششیں تو محض ہمارے اور ہمارے اخلاص کے امتحان کا ذریعہ ہیں ورنہ قلوب کا تغیر محض خدا کے فضل سے ہوگا اور اس فضل کے نازل ہونے میں ہماری وہ دعائیں ممد ہوں گی جو ہم عاجزانہ طور پر اس سے کرتے رہیں گے"[1]

اصلاحِ نسواں کیلئے الہامی تحریک

۹۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کو الہاماً یہ بھی بتایا گیا:۔

"اگر تم پچاس فیصدی عورتوں کی اصلاح کر لو تو اسلام کو ترقی حاصل ہو جائے گی"[2]

اس الہام پر حضور نے جماعت کو اور خصوصاً لجنات کو توجہ دلائی کہ وہ اصلاح کریں۔ یہ اس مبارک دَور کی نویں اہم تحریک تھی۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے کی تحریک

۱۰۔ ۳۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے جماعت احمدیہ کو عموماً اور اہلِ قادیان کو خصوصاً یہ اہم دسویں تحریک فرمائی:۔

"ہر شخص کو اپنے اپنے محلّہ میں اپنے ہمسائیوں کے متعلق اس امر کی نگرانی رکھنی چاہیئے کہ کوئی شخص بھُوکا تو نہیں۔ اور اگر کسی ہمسایہ کے متعلق اُسے معلوم ہو کہ وہ بھُوکا ہے تو اس وقت تک اُسے روٹی نہیں کھانی چاہیئے جب تک وہ اُس بھُوکے کو کھانا نہ کھلا لے"[3]

تحریک حِلفُ الفضُول

۱۱۔ "حِلفُ[4] الفضُول" ایک معاہدہ تھا جو حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعثت سے قبل ہوا جس میں زیادہ جوش کے ساتھ حصہ لینے

---

[1] "الفضل" ۲۳ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵-۶ [2] "الفضل" ۲۴ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲

[3] "الفضل" ۱۱ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۲ [4] عربی میں حِلف کا لفظ معاہدہ کے لئے بھی مستعمل ہے

والے تین فضل[۱] نام کے آدمی تھے۔ اور اسی لئے اس کو حِلفُ الفُضول کہتے ہیں۔ یہ معاہدہ عبداللہ بن جدعان کے مکان میں ہوا۔ اس کے اوّلین اور پرجوش داعی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سربراہ زبیر بن مطلب تھے۔ اور طے پایا کہ ہم مظلوموں کو ان کے حقوق دلوانے میں مدد کیا کریں گے[۴۴] اور اس بات میں ایک دوسرے کی تائید کریں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حمایتِ مظلوم کی اس تحریک میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ حضور عہدِ نبوت میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ مَیں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک ہوا تھا کہ اگر آج اسلام کے زمانہ میں بھی مجھے کوئی اس کی طرف بُلائے تو مَیں اس پر لبیک کہوں[۲]۔ سیدنا المصلح الموعودؓ کے قلبِ مبارک پر القاء کیا گیا کہ اگر اسی قسم کا ایک معاہدہ آپ کی اولاد بھی کرے اور پھر اس کو پُورا کرنے کی کوشش کرے تو خدا تعالےٰ اُن کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ اُن پر اپنا فضل نازل فرمائے گا[۳]۔ اس الہامِ ربانی کی بناء پر حضور نے ۲۴ ماہ وفا/جولائی کے خطبہ جمعہ میں تحریک فرمائی کہ جماعت احمدیہ کے بعض افراد معاملات کی صفائی اور مظلوم کی امداد اور دیانت وامانت اور عدل وانصاف کے قیام کے لئے باقاعدہ عہد کریں۔

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے "حِلفُ الفُضول" کی مبارک تحریک میں شمولیت کے لئے یہ شرائط تجویز فرمائیں کہ

"جو لوگ اس میں شامل ہونا چاہیں اُن کے لئے لازمی ہے کہ سات دن تک متواتر اور بلا ناغہ استخارہ کریں۔ عشاء کی نماز میں یا نماز کے بعد دو نفل الگ پڑھ کر دُعا کریں کہ اے خدا اگر مَیں اس کو نباہ سکونگا تو مجھے اس میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما۔ ایک اور شرط یہ ہوگی کہ ایسا شخص خواہ امام الصلوٰۃ کے ساتھ اُسے ذاتی طور پر کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو مرکز کا حکم کے بغیر اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک نہیں کرے گا اور اپنے کسی بھائی سے خواہ اُسے شدید تکلیف بھی کیوں نہ پہنچی ہو اس سے بات چیت کرنا ترک نہ کرے گا اور اگر وہ دعوت کرے تو اُسے ردّ نہ کرے گا۔ ایک اور شرط یہ ہے کہ سلسلہ کی طرف سے

۴۴ اور اگر کوئی ظلم کرے گا تو اس کو روکیں گے۔

---

[۱] الفضل بن فضالہ، الفضل بن وداعہ، الفضل بن الحرث (سیرت حلبیہ صفحہ ۱۵۶ تالیف حضرت علامہ علی بن برہان الدین الحلبی الشافعیؒ)

[۲] شاید یہ اسی خیال کا اثر تھا کہ جب ایک دفعہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ان کے بھتیجے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان (امیر مدینہ) نے حضرت سیدنا حسینؓ بن علیؓ ابن ابی طالب کا کوئی حق دبا لیا تو حضرت امام حسینؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم! اگر ولید نے میرا حق نہ دیا تو مَیں تلوار نکال کر مسجد نبوی میں کھڑا ہو جاؤں گا اور حِلفُ الفضول کی طرف لوگوں کو بُلاؤں گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے سُنا تو فرمانے لگے کہ اگر حضرت حسینؓ نے اس قسم کی طرف بُلایا تو مَیں اس پر ضرور لبیک کہوں گا اور ہم یا تو اُن کا حق دلوائیں گے اور یا اس کوشش میں سب مارے جائیں گے بعض اَور لوگوں نے بھی اسی قسم کے الفاظ کہے جس پر ولید دب گیا اور اس نے حضرت حسین علیہ السلام کا حق ادا کر دیا۔ (ابن ہشام بحوالہ "سیرت خاتم النبیین" حصہ اوّل صفحہ ۱۳۵-۱۳۶ طبع دوم دسمبر ۱۹۳۵ء۔ مؤلفہ قمر الانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ)

[۳] "الفضل" ۲۳ وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳ +

اُسے جو سزا دی جائے گی اُسے بخوشی برداشت کرے گا اور ایک یہ کہ اس کام میں نفسانیت اور ذاتی نفع نقصان کے خیالات کو نظر انداز کر دیگا "[1]

اس دعوت پر وسط ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء تک جو دوست شریک معاہدہ ہوئے ان کی تعداد ۱۷۷ تھی۔[2]

نوجوانانِ احمدیت کو بالالتزام نماز تہجد پڑھنے کی تحریک

۱۲۔ سیدنا المصلح الموعودؓ نے ۲۳ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں بارھویں تحریک یہ فرمائی کہ

" خدام کا فرض ہے کہ کوشش کریں سَو فیصدی نوجوان نماز تہجد کے عادی ہوں یہ ان کا اصل کام ہوگا جس سے سمجھا جائے گا کہ دینی رُوح ہمارے نوجوانوں میں پیدا ہو گئی ہے۔ قرآن کریم نے تہجد کے بارے میں اَشَدُّ وَطْأً فرمایا ہے یعنی یہ نفس کو مارنے کا بڑا کارگر حربہ ہے . . . . باقاعدہ تہجد پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ سَو فیصدی تہجد گزار ہوں الاماشاءاللہ سوائے ایسی کسی صورت کے کہ وہ مجبوری کی وجہ سے ادا نہ کر سکیں اور خدا تعالیٰ کے حضور ایسے معذور ہوں کہ اگر فرض نماز بھی جماعت کے ساتھ ادا نہ کر سکیں تو قابلِ معافی ہوں گے "[3]

ہندوستان میں سات مراکز بنانے کی تحریک

۱۳۔ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے ملک میں تبلیغ اسلام کو وسیع پیمانے پر شروع کرنے کے لئے ۲۱ وفا (جولائی) کو تحریک فرمائی کہ ہندوستان کے سات مقامات یعنی پشاور، کراچی، مدراس، بمبئی، کلکتہ، دہلی اور لاہور میں تبلیغی مراکز قائم کئے جائیں۔[4] اس تحریک کے مطابق چند ماہ کے اندر اندر بمبئی، کلکتہ اور کراچی میں باقاعدہ مشن کھول دیئے گئے۔

حضور نے ان مقامات پر قیام مساجد کی تحریک بھی فرمائی۔ کراچی میں عرصہ ہوا کہ حضور پہلے ہی چار کنال زمین خرید چکے تھے۔ اس تحریک کے مطابق پہلے ہی سال دہلی کی جماعت نے تیس ہزار کے وعدے پیش کئے۔[5]

بیویوں میں عدل و انصاف کرنے کی تحریک

۱۴۔ حضرت امیر المومنینؓ کو رؤیا میں دکھایا گیا کہ کسی احمدی کی دو بیویاں ہیں مگر وہ ان میں سے ایک کے ساتھ اچھا

---

[1] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲۔ [2] "الفضل" ۱۱ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ (اس شمارہ میں معاہدہ کرنیوالوں کی تیسری فہرست موجود ہے)۔ [3] "الفضل" ۲۰ وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۱۔ [4] "الفضل" ۱۳ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔ [5] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳۔

سلوک نہیں کرتا۔ اس پر آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے "آؤ اس ظلم کو مٹا دیں"

حضور نے ۸ ظہور/اگست کو مجلس علم و عرفان کے دوران یہ رویا سُنائی اور پھر تحریک فرمائی کہ

"ہماری جماعت کے دوستوں کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ جہاں انہیں کوئی ایسا واقعہ نظر آئے اور دیکھیں کہ ظلم ہو رہا ہے تو اس آدمی کو مجبور کریں کہ وہ انصاف کرے یا جائز طور پر ایک کو طلاق دے دے اور یا پھر اُسے جماعت کا عضوِ معطّل سمجھا جائے۔ جو شخص احکامِ شریعت کی اس طرح علانیہ خلاف ورزی کرتا ہے وہ قیامت کے دن آدھا اُٹھایا جائے گا۔ وہ جماعت کو کیا فائدہ دے سکتا ہے؟" [۱]

دُنیا کی مشہور زبانوں میں تراجم قرآن اور دُوسرا تبلیغی لٹریچر شائع کرنے کی تحریک

۱۵۔ جُوں جُوں دوسری جنگِ عظیم کے خاتمہ کا وقت قریب آرہا تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی توجہ دُنیا بھر میں دینی جنگ کے آغاز کی مختلف سکیموں پر بڑھتی جا رہی تھی۔ اس سلسلہ میں حضور نے ۲۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو دُنیا کی سات مشہور زبانوں انگریزی، روسی، جرمن، فرانسیسی، اطالوی، ڈچ، ہسپانوی اور پرتگیزی زبان میں قرآن مجید کے تراجم کی عظیم الشان تحریک کی۔[۲] اور پھر اپنے عہدِ خلافت میں اس کی تکمیل کے لئے کامیاب جدوجہد فرمائی جیسا کہ "تاریخ احمدیت" جلد ہشتم (صفحہ ۱۶۱) میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس اہم اور اس دَور کی **پندرھویں تحریک** کو عملی جامہ پہنانے اور ضروری اخراجات مہیّا کرنے کے لئے حضور نے شروع میں یہ اعلان فرمایا کہ "اطالوی زبان میں قرآن مجید کے ترجمہ کا خرچ میں ادا کروں گا۔"

یہ انتخاب خدا تعالیٰ کے القاء کے تحت تھا۔ چنانچہ خود ہی فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ چونکہ پہلے مسیح کا خلیفہ کہلانے والا اٹلی میں رہتا ہے۔ اس مناسبت سے قرآن مجید کا جو ترجمہ اطالوی زبان میں شائع ہو وہ مسیح محمدی کے خلیفہ کی طرف سے ہونا چاہیئے" [۳]

اس اعلان کے ساتھ ہی حضور نے جرمن ترجمہ کا خرچ ہندوستان کی لجنہ اماء اللہ کے ذمہ اور ایک ترجمہ قرآن

---

[۱] "الفضل" ۱۳ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۱۔ [۲] انگریزی زبان میں ترجمہ کا کام پہلے ہی سے جاری تھا اس لئے عملاً سات تراجم کا معاملہ زیرِ غور تھا۔ "الفضل" ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲-۳۔

[۳] "الفضل" ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

کی رقم جماعت احمدیہ قادیان کے ذمہ ڈالی اور باقی چار تراجم قرآن کے متعلق فیصلہ فرمایا کہ اُن کے اخراجات چار شہروں کی جماعتیں یا افراد پیش کریں۔

تراجم قرآن مجید کے علاوہ غیر ملکی آٹھ[1] زبانوں میں حضور نے تبلیغی لٹریچر کی اشاعت کا پروگرام بھی رکھا اور وہ یہ کہ

۱۔ اسلامی اصول کی فلاسفی، مسیح ہندوستان میں، احمدیت یعنی حقیقی اسلام، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سوانح عمری، رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئیاں، ترجمہ احادیث، پرانے اور نئے عہدنامہ کی روشنی میں توحید، نظام نو اور تین اور اہم مضامین پر مشتمل بارہ کتب کا سیٹ شائع کیا جائے۔

عربی ممالک کے لئے کتابوں کا الگ سیٹ تجویز ہونا چاہیئے۔

۲۔ عربی سمیت دُنیا کی مشہور نو زبانوں میں چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ اور اشتہار چھپوائے جائیں جو چار چار صفحے سے لیکر سولہ سولہ صفحے تک کے ہوں تاکہ کثرت کے ساتھ ان کی اشاعت ہو سکے اور ہر آدمی کے ہاتھ میں پہنچائے جا سکیں۔[2]

خطبہ کے بعد چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور آپ کے چند اور رفقاء نے ایک ترجمہ کا خرچ اپنے ذمہ لیا اب باقی صرف تین تراجم رہ گئے جو حضور نے پوری جماعت پر چھوڑ دیئے اور فرمایا:-

"جو فرد اکیلا ایک ترجمہ کی رقم اُٹھانا چاہے وہ اکیلا اُٹھالے۔ جو چند دوستوں کے ساتھ مل کر یہ بوجھ اُٹھانا چاہتا ہو وہ ایسا کرلے۔ جو جماعت مل کر ایک ترجمہ کی رقم دینا چاہے وہ جماعت اس کا وعدہ کرلے۔ جو صوبہ ایک ترجمہ کی رقم دینا چاہے وہ صوبہ اس کا وعدہ کرلے"[3]

اس تحریک کو اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز اور خارق عادت رنگ میں قبولیت بخشی اور تحریک کی اشاعت کے چھ دن کے اندر اندر تین کی بجائے پانچ تراجم کے وعدہ جات حضرت اقدس کے حضور پہنچ گئے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

"یہ خدا تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل ہے کہ ادھر بات مُنہ سے نکلتی ہے اور اُدھر پُوری ہو جاتی ہے۔ باوجود خطبہ کے دیر سے شائع ہونے کے ۶ دن کے اندر سات زبانوں کے تراجم کے اخراجات کے وعدے آگئے۔ خطبہ کے باہر پہنچنے کے چند گھنٹے کے اندر اندر اختر صاحب[4] نے دہلی سے بذریعہ تار اطلاع دی کہ ایک ترجمہ کے اخراجات وہ مع اپنے دوستوں کے دیں گے۔ ایک تار لاہور سے آیا۔ کلکتہ کی

---

[1] بشمول انگریزی زبان ۔ [2] "الفضل" ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴-۵ ۔ [3] "الفضل" ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۲ ۔ [4] میاں غلام محمد صاحب اختر مراد ہیں جو ان دنوں راستنگ آفیسر تھے۔

جماعت نے یہ اطلاع دی ہے کہ ایک زبان کے ترجمہ کی اشاعت کے اخراجات وہ دے گی۔ ایک تار قصور سے ملک عبدالرحمٰن صاحب کا آیا۔ تو ۹ تراجم کے اخراجات کے وعدے آچکے ہیں۔ گویا جتنی زبانوں میں شائع کرنے کا ارادہ ہے اُن سے دو کے زائد۔ زائد کے لئے چندہ تو نہیں لیا جائیگا مگر یہ خدا کا کتنا بڑا فضل اور انعام ہے کہ جماعت کے ایک تھوڑے سے حصہ نے نہایت قلیل عرصہ میں مطالبہ سے بھی بڑھ کر وعدے پیش کر دیئے۔ خاص کر قادیان کی غریب جماعت نے اس تحریک میں بہت بڑا حصّہ لیا۔" [۵]

خدا تعالیٰ نے سیدنا المصلح الموعودؓ کو فدائیوں، شیدائیوں اور سرفروشوں کی بے مثال جماعت بخشی تھی۔ جس نے اس موقعہ پر رُوحِ مسابقت اور جذبۂ اخلاص کے اس نمونہ پر قانع و مطمئن ہونا گوارا نہیں کیا بلکہ نُو تراجم کے وعدوں کے بعد مزید درخواستوں کا تانتا بندھ گیا اور یہ نیا مسئلہ پیدا ہو گیا کہ اب تراجم کی تقسیم کی صورت کیا ہو؟ چنانچہ سیدنا المصلح الموعودؓ نے ۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مَیں نے پچھلے خطبہ سے پہلے خطبہ میں (۲۰ اکتوبر کو) قرآن مجید کے سات تراجم کے متعلق تحریک کی تھی۔ جہانتک اس کی کامیابی کا سوال تھا مجھے اس میں کسی قسم کا شُبہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس وقت تک خدا تعالیٰ کا میرے ساتھ ہمیشہ یہ معاملہ رہا ہے کہ وہ جب کبھی میرے مُنہ سے کوئی بات نکلواتا ہے تو اس کی کامیابی کے سامان بھی کر دیتا ہے۔ لیکن اس میں ایک نئی بات پیدا ہو گئی ہے کہ اس تحریک کے بعد جو درخواستیں آئی ہیں وہ ہمارے مطالبہ سے بہت زیادہ ہیں۔ ہمارا مطالبہ تھا سات تراجم کے اخراجات کا اور درخواستیں آئی ہیں بارہ تراجم کے اخراجات کے لئے۔ اور ابھی بیرونجات سے چٹھیاں آرہی ہیں کہ وہ اس چندہ میں حصّہ لینا چاہتے ہیں جہانتک وسیع علاقوں کا تعلق ہے اور جہاں جماعتیں پھیلی ہوئی ہیں وہ علاقے چونکہ سب کے مشورہ کے بغیر کوئی ذمہ واری نہیں اُٹھا سکتے اس لئے ان درخواستوں میں وہ شامل نہیں کیونکہ وہ جلدی مشورہ کر کے اتنے وقت کے اندر اطلاع نہیں دے سکتی تھیں۔ یہ درخواستیں صرف ان جماعتوں کی طرف سے ہیں جو اپنی ذمہ داری پر اس بوجھ کو اُٹھا سکتی تھیں یا افراد کی طرف سے ہیں۔ مثلاً چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب اور اُن کے بعض دوستوں کی طرف سے، میاں غلام محمد صاحب اختر اور اُن کے دوستوں کی طرف سے، لاہور کی جماعت کی طرف سے، کلکتہ کی

[۵] "الفضل" ۲ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

جماعت کی طرف سے اور میاں محمد صدیق اور محمد یوسف صاحبان تاجران کلکتہ کی طرف سے، ملک عبدالرحمن صاحب بل اونر قصور کی طرف سے اور سیٹھ عبداللہ بھائی سکندرآباد کی طرف سے۔ یہ سب درخواستیں ان جماعتوں کی ہیں جہاں یا افراد زیادہ ہیں اور وہ اس ذمہ داری کا بوجھ بغیر دوسری جماعتوں سے مشورہ کرنے کے خود اُٹھا سکتی ہیں۔ یا اُن افراد کی طرف سے ہیں جو صاحب توفیق ہیں اور یہ بوجھ اُٹھا سکتے ہیں۔ قادیان کی جماعت کے متعلق مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ ایک ترجمہ کی جگہ وہ دو۲ کا خرچ اپنے ذمہ لے گی اور لجنہ کا بھی جس رنگ میں چندہ ہو رہا ہے اس رنگ میں دو۲ کا بھی سوال نہیں۔ بلکہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کا چندہ دو۲ سے بھی بہت زیادہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت تک لجنہ قادیان کی طرف سے چھ ہزار تین سو کے وعدے آچکے ہیں اور ابھی ہزار بارہ سو روپیہ کے وعدوں کی اَور امید ہے (خطبہ صاف کرتے وقت آٹھ ہزار سے زائد کے وعدے ہو چکے ہیں) گو مَیں نے سارے ہندوستان کی لجنہ کے ذمہ جو ایک ترجمہ کا خرچ لگایا تھا۔ اس سے زیادہ کے وعدے قادیان سے ہی ہو چکے ہیں اور ابھی باہر کی ساری لجنائیں باقی ہیں۔ اسی طرح قادیان کی جماعت کے علاوہ صدر انجمن کے کارکنوں نے بھی ایک ترجمہ کا خرچ اپنے ذمہ لیا ہے۔ کارکنوں کے علاوہ دوسروں کے چندہ کا وعدہ ایک ترجمہ سے زیادہ کا ہو چکا ہے اور ابھی ہو رہا ہے۔ اب ان جماعتوں یا افراد کی طرف سے جن کا حصہ نہیں لیا جا سکا، الحاح کی چٹھیاں آ رہی ہیں اور وہ اصرار کے ساتھ لکھ رہی ہیں کہ ہمیں بھی اس چندہ میں حصہ لینے کا موقع دیجئے۔"[۱]

حضور کو مخلصینِ جماعت کی بیتابی دیکھ کر سات تراجم اور بارہ بارہ کتابوں کے مکمل سیٹ کی از سرِ نو تقسیم کا اعلان کرنا پڑا۔ جس کے مطابق ایک ایک ترجمہ قرآن اور ایک ایک کتاب کی اشاعت کا خرچ طوعی اور اختیاری رنگ میں مندرجہ ذیل سات حلقوں پر تقسیم کر دیا گیا۔

(۱) لجنہ اماء اللہ ہندوستان (۲) قادیان (۳) جماعتہائے لاہور، امرتسر، شیخوپورہ، گوجرانوالہ، فیروزپور (۴) جماعتہائے دہلی، بہار، یوپی، لدھیانہ، ضلع انبالہ، ریاست پٹیالہ۔ (۵) کلکتہ (۶) حیدرآباد دکن، میسور، بمبئی، مدراس اور اس کے ساتھ ملحقہ ریاستیں (۷) صوبہ سرحد و صوبہ سندھ[۲]

---

[۱] "الفضل" ۸ / نبوت / نومبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۱ تا ۴۔
[۲] " " " صفحہ ۴ کالم ۱۔

اس نئی تقسیم کے اعلان پر جماعت کے ان مخلصین کی طرف سے بھی جنہوں نے پُورے ترجمہ کے اخراجات کی پیشکش کی تھی اور اُن افراد اور جماعتوں کی طرف[1] بھی جو اس چندہ میں شمولیت کا ارادہ رکھتی تھیں اور ان کو اس میں شامل ہونے سے محروم کر دیا گیا، اپنے آقا کے حضور التجاؤں اور درخواستوں کے پے در پے خطوط بھیجے گئے جن میں حد درجہ اضطراب اور انتہائی گھبراہٹ کا اظہار کیا گیا کہ ہمیں اس ثواب میں شامل ہونے کا موقعہ نہیں دیا۔ اور یہ امر اُن کے لئے انتہائی کرب اور دُکھ کا موجب ہے۔[52]

حضرت امیرالمومنینؓ کی خدمت میں جب اس نوعیت کے مسلسل اور پے در پے خطوط پہنچے تو حضورؓ نے (۱۰ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو) مخلصین جماعت کی التجاؤں پر اپنی تجویز فرمودہ پہلی تقسیم بھی کالعدم قرار دے دی اور اس کی بجائے نئی تقسیم کا اعلان فرما دیا جس سے پُوری جماعت کے لئے ثواب میں شریک ہونے کا موقعہ فراہم ہو گیا۔[53] حضور نے سالانہ جلسہ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء پر اس تحریک کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

"جو حلقے مَیں نے مقرر کئے تھے انہوں نے بہت اچھا نمونہ دکھایا ہے"[54]

اسی طرح لجنہ اماء اللہ کی مساعی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا کہ

"ہماری جماعت کی عورتوں نے اپنی قدیم روایتوں کو قائم رکھا ہے اور اس وقت تک چونتیس ہزار روپے کے وعدے ہو چکے ہیں"[55]

کمیونسٹ تحریک کا مطالعہ کرنے اور اس کا رد سوچنے کی تحریک

۱۶ - ۲۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے ۲۱-۱۹۲۰ء کی اپنی ایک رویار کی بناء پر اس سال کی آخری اور سولھویں تحریک یہ فرمائی کہ جماعت کے علماء، فقہاء، اساتذہ، پروفیسر، واقفین زندگی، طلبہ مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ سب کمیونسٹ تحریک کا خوب اچھی طرح ناقدانہ نظر سے مطالعہ کریں کیونکہ مستقبل میں اسلام کے خلاف سب سے بڑی جنگ اشتراکیت ہی سے لڑی جانے والی ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

---

[1] مثلاً فوج میں بھرتی احمدی۔ جن کی نسبت حضور نے خود بیان فرمایا کہ "ہماری جماعت کے وہ دوست جو فوج میں بھرتی ہو کر گئے ہیں۔ اُن میں سے بعض کے مجھے خطوط آئے ہیں کہ ہمیں کسی گروہ میں بھی شامل نہیں کیا گیا حالانکہ ہم بھی اس تحریک میں شامل ہونا چاہتے ہیں" (الفضل ۱۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۳)۔

[52] "الفضل" ۱۴ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

[53] "الفضل" ۱۴ نبوت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں حضور کے الفاظ میں اس تقسیم جدید کی تفصیل موجود ہے۔

[54] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۴۔

[55] "الازہار لذوات الخمار" حصہ اوّل صفحہ ۱۰۰ (مرتبہ حضرت سیدہ ام متین مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ) ناشر دفتر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ۔ طبع دوم ۱۳۴۶ہش/۱۹۶۷ء۔

"جماعت کے علماء اور واقفین اور مدرسہ اور جامعہ کے طلبہ بھی اچھی طرح کمیونسٹ تحریک کا مطالعہ کریں اور اُن کے جوابات سوچ چھوڑیں اور اگر کسی امر کے متعلق تسلی نہ ہو تو میرے ساتھ بات کرلیں۔ اسی طرح کالجوں کے پروفیسروں اور سکولوں کے اساتذہ کو چاہیئے کہ کمیونسٹ تحریک کے متعلق اپنا مطالعہ وسیع کریں اور اگر کوئی کمی رہ جائے تو مجھ سے مل کر ہدایات لے لیں اور اس رنگ میں اس تحریک کے متعلق جوابات سوچ رکھیں کہ ان کا پوری طرح سے ردّ کرسکیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ زیادہ مقابلہ ہمارا کمیونسٹوں سے ہی ہے۔ انہوں نے دہریت کو مذہب کے طور پر بنا لیا ہے۔ خدا تعالیٰ سے یہاں تک ہنسی اور تمسخر کیا جاتا ہے اور ایسے ڈرامے کھیلے جاتے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کو نعوذ باللہ مجرم کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے نعوذ باللہ دُنیا میں سب فساد اور خرابی پیدا ہوئی اور پھر کمیونسٹ جج خدا تعالیٰ کو نعوذ باللہ پھانسی کی سزا دیتا ہے کہ مَیں اس پُتلے کو پھانسی کی سزا دیتا ہوں کیونکہ اس کے وجود کے خیال کی وجہ سے دُنیا میں تمام خرابی پیدا ہوئی ہے۔

پس یہ ایسی تحریک ہے جس نے دہریت کو . . . . مذہب کے طور پر پیش کیا ہے اور جو اندر ہی اندر فتنہ اور فساد پیدا کرنے والی اور امن کو برباد کرنے والی تحریک ہے۔ اور اس کی تمام کامیابی عارضی اور سطحی ہے۔ موجودہ جنگ کے بعد اس تحریک کا کُلّی طور پر دُنیا کو مقابلہ کرنا ہوگا اور یہی وہ آخری لڑائی ہوگی۔ جو ظاہری لحاظ سے سیاسی وجوہ کی بناء پر لڑی جائے گی۔ مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ لڑائی مذہب کی تائید کے لئے ہوگی۔ پس کمیونسٹوں کا بعض دوسری حکومتوں کے ساتھ جو اتحاد ہے یہ ہمیشہ کے لئے نہیں چل سکتا۔ اس جنگ کے بعد جلد یا بدیر اس تحریک کے ساتھ گو بظاہر سیاسی وجوہ کی بناء پر لڑائی ہوگی مگر وہ لڑائی ایسی ہوگی کہ خدا تعالیٰ دوسروں کو آگے کرکے مذہب کے لئے راستہ کھول دے گا۔

غرض یہ جنگ تو بہرحال ہونی ہی ہے مگر اس وقت تک کہ خدا تعالیٰ کوئی ایسی صورت پیدا کرے ہمیں ہوشیار ہو جانا چاہیئے۔ جو لوگ مسائل سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے یا نئے اور کچے ہوتے ہیں اس قسم کے دھوکہ میں آجاتے ہیں۔ پس جماعت کے علماء، فقہاء، اساتذہ اور پروفیسروں کو چاہیئے کہ اس قسم کی تحریکات کی تفصیلات سے پُوری طرح واقف ہوں تا کہ نوجوانوں کی صحیح راہنمائی کرسکیں"۔[1]

---

[1] "الفضل" ۲۵ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۴

خدا تعالیٰ کا پیغام جماعت احمدیہ کے نام
"روزِ جزا قریب ہے اور رَہ بعید ہے"

اگرچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ تازہ انکشاف کے بعد جماعت کو عظیم الشان قربانیوں کے لئے تیار کرنے کے لئے نہایت اہم تحریکات فرما رہے تھے اور جماعت ان پر دیوانہ وار لبیک بھی کہہ رہی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کا منشاء مبارک یہ تھا کہ احمدی اپنا قدم اور زیادہ تیز اور اپنی قربانیوں کے معیار کو اور زیادہ بلند کر دیں تا اسلام کی فتوحات کا زمانہ قریب سے قریب تر آ جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا:۔

"روزِ جزا قریب ہے اور رَہ بعید ہے"

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے ۱۴ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں خدا تعالیٰ کا یہ پیغام سناتے ہوئے فرمایا:۔

"مجھ پر ایک الہام نازل ہوا جس نے میرے ہوش اڑا دیئے۔ وہ الہام یہ تھا جو خود ایک مصرعہ کی شکل میں ہے کہ ؎

"روزِ جزا قریب ہے اور رَہ بعید ہے"

بڑے زور سے یہ الہام مجھ پر نازل ہوا اور بار بار اس کو دہرایا گیا۔ اس الہام کے اور معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر میں نے اس وقت جو الہام کے معنے سمجھے وہ یہ ہیں کہ وہ تغیراتِ عظیمہ جن کا پیشگوئیوں میں ذکر کیا گیا تھا اور وہ اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے ایام جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی تھی بالکل قریب آ پہنچے ہیں۔ روزِ جزا اب سر پر کھڑا ہے۔ قدرت کا زبردست ہاتھ اس دن کو اب قریب تر لا رہا ہے مگر رَہ بعید ہے۔ جماعت نے اس آنے والے دن کے لئے ابھی وہ تیاری نہیں کی جو اُسے کرنی چاہیئے تھی۔ اور ابھی اس نے وہ مقام حاصل نہیں کیا جو اس عظیم الشان یومِ جزا کے انعامات کا اسے مستحق بنانے والا ہو۔ اس کے لئے ابھی بہت بڑا لمبا راستہ پڑا ہے جسے اُسے طے کرنا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزِ جزا قریب ہے یعنی وہ جو ہمارا کام تھا ہم نے اُسے پورا کر دیا اور ہم نے اس دن کو تمہارے سامنے لا کر رکھ دیا جو تمہاری کامیابی اور تمہاری فتح اور تمہارے غلبہ کا دن ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس الہام کے ذریعہ جماعت احمدیہ کو مخاطب کرتا اور اُسے فرماتا ہے کہ اے احمدی جماعت! جو ہمارا حصہ تھا ہم نے اُسے پورا کر دیا جتنے سامان

یومِ جزا کو قریب تر لانے کے لئے ضروری تھے وہ ہم نے سب مہیا کر دیئے اور اسلام اور احمدیت کی فتح کے سامان ہم نے جمع کر لئے۔ پس اب قریب ترین زمانہ میں اس فتح کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے۔ قریب ترین زمانہ میں اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے راستے دُنیا میں کھُل جائیں گے مگر رہ بعید ہے۔ وہ راستہ جو ابھی تم نے طے کرنا ہے اور جس پر چل کر تم نے اس روزِ جزا سے فائدہ اُٹھانا ہے وہ ابھی بہت بعید ہے۔ تم میں سے کئی ہیں جنہوں نے ابھی اس راستہ پر چلنا بھی شروع نہیں کیا اور کئی ایسے ہیں جو اس راستہ پر چل تو پڑے ہیں مگر انہوں نے سفر ابھی بہت کم طے کیا ہے۔ گویا ہم نے تو اپنا حصہ پُورا کر دیا مگر تم نے اپنے حصہ کو پورا نہیں کیا۔ اب دیکھو یہ ایسی ہی بات ہے جیسے دو شخص آپس میں ٹھیکہ کریں اور ایک شخص دوسرے سے سمجھوتہ کرے کہ تم امرتسر سے دس میل کے فاصلہ پر اتنے لاکھ من سونا پہنچا دو۔ وہاں تک سونا پہنچانا تمہارا کام ہے۔ اس کے بعد میرا کام شروع ہوگا۔ اور مَیں اس سونے کو اُٹھا کر اپنے گھر لے آؤں گا۔ اب اگر دوسرا شخص اس معاہدہ کے مطابق ٹھیک مقررہ تاریخ کو امرتسر سے دس میل کے فاصلے پر سونا لا کر رکھ دے مگر یہ شخص ابھی قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ہی ہو تو جانتے ہو۔ اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ یہی ہوگا کہ چور آئیں گے اور اس سونے کو اُٹھا کر لے جائیں گے۔ ڈاکو آئیں گے اور اس سونے پر قبضہ کر لیں گے۔ اور جب یہ شخص وہاں سونا لینے کے لئے پہنچے گا تو اس جگہ کو بالکل خالی پائے گا۔

اللہ تعالےٰ بھی اس الہام میں اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم نے ابھی اس راستہ کو طے ہی نہیں کیا جس پر چل کر ان انعامات کے تم مستحق بن سکتے ہو۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اس دن کو جو تمہاری فتح اور کامیابی کا دن ہے، تمہارے قریب لا چکے ہیں۔ پس "روزِ جزا قریب ہے اور رہ بعید ہے" میری طرف سے جو کچھ ظاہر ہونا تھا اس کی تیاریاں آسمان پر مکمل ہو چکی ہیں۔ مگر تم نے جو کچھ کرنا تھا اس کے لئے ابھی کئی منزلیں طے کرنی باقی ہیں۔

مجھے جب یہ الہام ہوا تو مَیں نے اس وقت سوچا کہ گو میں جماعت کو جلدی جلدی آگے کی طرف اپنا قدم بڑھانے کی تحریکات کر رہا ہوں جس سے بعض لوگ ابھی سے گھبرا اُٹھے ہیں کہ کتنی جلدی جلدی نئی سے نئی تحریکیں کی جا رہی ہیں۔ کبھی وقفِ جائیداد کی تحریک کی جاتی ہے، کبھی وقفِ زندگی کی تحریک

کی جاتی ہے، کبھی کالج کی تعمیر کے لئے چندہ کی تحریک کی جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کو بھی ناکافی قرار دیتا ہے اور فرماتا ہے تمہارا رہ بعید ہے۔ یعنی ابھی تم نے کچھ بھی نہیں کیا سفر ابھی بہت باقی ہے اور تمہارا قدم خطرناک طور پر سست ہے۔ حالانکہ میں نے جو کام کرنا تھا وہ کر لیا۔ میرا ٹھیکہ پورا ہوگیا۔ اور جو چیز میں نے تم کو دینی تھی وہ دے دی۔ مگر تم ابھی اپنے کام کے لئے تیار نظر نہیں آتے۔

اس مفہوم کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اس الہام کا ایک اَور امر کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے گو نزولِ الہام کے وقت میں نے اس کے وہی معنی سمجھے جو میں نے ابھی بیان کئے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس الہام کا ایک اَور مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ بھی اپنی ذات میں کوئی خوشکن نہیں یعنی اس الہام کا ایک یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہر شخص جو تم میں سے اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے کوشش کر رہا ہے اُس کی یہ کوشش اتنی تھوڑی اور اس قدر کم ہے کہ اس کی اس کوشش اور جدّوجہد کے مقابلہ میں اس کی زندگی کے جس قدر ایام ہیں ان میں ان کوششوں کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ گویا تم میں سے ہر شخص جو کوشش آج اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے لئے کر رہا ہے اگر مرتے دم تک وہ اسی رنگ میں کوشش اور جدّوجہد کرتا رہے اور اپنا قدم تیز نہ کرے تو یہ کوششیں اس قدر کم ہیں کہ تمہارا یہ خیال کرنا کہ ان کوششوں کے نتیجہ میں تم اسلام کا غلبہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو گے یہ ناممکن ہے۔ اگر تمہاری کوشش اور جدّوجہد کی یہی رفتار رہی تو تم اپنی زندگی میں یومِ جزاء کو نہیں دیکھ سکو گے۔ یہ معنی اگر لئے جائیں تو یہ بھی کوئی خوشکن معنے نہیں۔ مگر جو معنے اس وقت میں نے سمجھے وہ یہی تھے کہ "روزِ جزا قریب ہے" کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تم سے اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے متعلق جو وعدے فرمائے ہیں ان کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ آسمان پر فرشتوں کی فوجیں اس دن کو لانے کے لئے تیار کھڑی ہیں۔ مگر جو کوشش تم کر رہے ہو وہ بہت ہی حقیر اور بہت ادنیٰ اور معمولی ہے۔ جب ہم نے اپنے فضل کا دروازہ کھول دیا۔ جب آسمان سے فرشتوں کی فوجیں زمین میں تغیّر پیدا کرنے کے لئے نازل ہوگئیں۔ جب کفر کی بربادی کا وقت آ پہنچا جب اسلام کے غلبہ کی گھڑی قریب آگئی تو اس وقت تم اگر پوری طرح تیار نہیں ہوگے، تم نے اپنے اندر کامل تغیّر پیدا نہیں کیا ہوگا، تم نے اپنی اصلاح کی طرف پوری توجہ

نہیں کی ہوگی تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اُس دن سے فائدہ اُٹھانے سے محروم رہ جاؤ گے اور اسلام کی دائمی ترقی میں روک بن جاؤ گے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس پانی کو سنبھالا نہ جائے وہ بجائے فائدہ پہنچانے کے لوگوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ جس دُودھ کو محفوظ نہ رکھا جائے وہ پھٹ جاتا ہے۔ وہی پانی فائدہ پہنچاتا ہے جس کو سنبھالا جائے اور وہی دودھ انسان کو طاقت بخشتا ہے جس کو پھٹنے سے محفوظ رکھا جائے۔ پھٹا ہوا دُودھ کس کام آسکتا ہے؟ گرا ہوا سالن کون استعمال کرتا ہے؟ کُتے کے آگے پڑی ہوئی روٹی کون کھا سکتا ہے؟ اسی طرح اگر ہم نے اس دودھ کو محفوظ نہ رکھا جو خدا نے ہمارے لئے نازل کیا ہے، اگر ہم نے اس کھانے کی حفاظت نہ کی جو خدا نے ہمیں دیا ہے۔ اگر ہم نے اس پانی کو نہ سنبھالا جو خدا نے آسمان سے اُتارا ہے تو یہ پانی اور یہ دُودھ اور یہ کھانا ہمارے لئے ایک طعنہ کا موجب بن جائے گا۔ کیونکہ ہمیں چیز تو ملی مگر ہم نے اس کی قدر نہ کی۔

پس مَیں آج پھر خدا تعالیٰ کے اس پیغام کو جماعت تک پہنچاتا ہوں۔ پہلے میری طرف سے ہی گھبراہٹ تھی اور مَیں جماعت کو بار بار کہتا تھا کہ جلد جلد بڑھو۔ جلد جلد اپنا قدم آگے کی طرف بڑھاؤ۔ مگر اب خدا تعالےٰ کی طرف سے بھی یہ گھبرا دینے والا پیغام آگیا ہے کہ

"روزِ جزاء قریب ہے اور رَہ بعید ہے"

جزاء کا دن بہت قریب ہے مگر تمہاری رَہ بہت بعید ہے۔"[1]

فصل چہارم

ہوشیارپور، لاہور، لدھیانہ اور دہلی میں عظیم الشّان جلسوں کا انعقاد

مُصلح موعود کا ظہور مذہبی دُنیا میں زبردست تہلکہ مچا دینے والا واقعہ تھا۔ اس نشانِ رحمت کی یہ عظمت و اہمیت تقاضا کرتی تھی کہ بیرونی دنیا میں عموماً اور سرزمین ہند کے اکناف میں خصوصاً پُورے زور سے یہ آواز بلند کر دی جائے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر ۲۰؍فروری ۱۸۸۶ء

[1] "الفضل" ۲۷؍شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶-۷۔

کو جس پسرِ موعود کی بشارت دی تھی۔ وہ ظاہر ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کے شروع میں ہوشیارپور، لاہور، لدھیانہ اور دہلی میں پبلک جلسے منعقد کئے گئے

یہ چاروں جلسے الگ الگ شان کے حامل اور نہایت درجہ رُوح پرور، ایمان افروز اور کامیاب جلسے تھے جن میں خود حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی اور اپنی پُرشوکت تقریروں میں اپنے دعویٰ مصلحِ موعود کا حلفیہ اور پُرجلال اعلان فرمایا اور اہلِ ہند پر حجّت تمام کر دی۔

جلسہ ہوشیارپور

اعلانِ مصلحِ موعود کے سلسلہ میں پہلا جلسہ عام ۲۰ فروری ۱۹۴۴ء (۲۰ تبلیغ ۱۳۲۳ہش) کو ہوشیارپور میں منعقد ہوا۔ جلسوں کا یہ سلسلہ چونکہ خالص اعلائے کلمۃ اللہ اور خدا کے ایک زندہ و تابندہ نشان کے لئے جاری کیا جا رہا تھا اس لئے حضرت مصلح موعودؓ نے ۱۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو جماعت کے نام حسبِ ذیل پیغام دیا[1]:۔

"برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ ہوشیارپور کے جلسہ کی نسبت اعلان پڑھ چکے ہیں۔ اس جلسہ کی غرض صرف یہ ہے کہ جس جگہ دُنیوی حالات کے خلاف ہوتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک رحمت کے نشان کی خبر دی تھی جس کے ذریعہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام دُنیا کے کناروں تک پہنچیگا اسی جگہ آج یہ اعلان کیا جائے کہ وہ پیشگوئی نہایت شان کے ساتھ پُوری ہو گئی ہے۔

پس یہ موقعہ خشیت اور تقوٰے اللہ کے اظہار کا ہے نہ کہ دُنیوی تقریبوں پر جس طرح مظاہرے کئے جاتے ہیں، اس کا۔ پس میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ صرف وہی لوگ اس جلسہ میں شامل ہوں جو دُعائیں کرنے والے، استغفار کرنے والے، حمد کرنے والے اور ذکر کرنے والے ہیں اور اُس جگہ پر جب تک رہیں اِس امر کا تعہد کریں کہ نہ بلا وجہ بات کریں، نہ ہنسی مذاق کریں، نہ ہنسی تمسخر سے کام لیں بلکہ تمام وقت سنجیدہ رہیں اور دُعاؤں اور استغفار میں مشغول رہیں۔

پس اس بات کا خیال رہے کہ لڑکے اور چھوٹی عمر کے نوجوان وہاں نہ جائیں نہ وہ جو اپنی طبیعتوں پر قابو نہیں رکھ سکتے، نہ وہ جو تھوڑی دیر خاموش بیٹھنا پڑے تو گھبرا جاتے ہیں۔ بلکہ وہ جائیں جو اس ارادہ کے ساتھ گھر سے نکلیں کہ کُلّی طور پر خاموشی سے شمولیت کریں گے اور سب وقت اللہ تعالیٰ

[1] یہ پیغام حضرت اقدسؓ نے لاہور سے عنایت فرمایا جہاں حضور ان دنوں حضرت امّ طاہرؓ کی علالت کے باعث مقیم تھے۔

کے ذکر میں گذاریں گے یا ایسے کاموں میں جو اُن کے سپرد کئے جائیں گے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ میں ام طاہر احمد کی بیماری کی وجہ سے خود شامل ہو سکوں گا یا نہیں۔ مگر ممکن ہوا تو شامل ہوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ پس جو شامل ہونے والے ہیں۔ انہیں میں ابھی سے نصیحت کرتا ہوں کہ اگر آپ نے میری نصیحت پر عمل کیا تو یہ عمل آپ کا مقبولِ بارگاہ الٰہی ہوگا۔ ورنہ آپ اپنے عمل کو ضائع کر لیں گے اور شاید بعض غضبِ الٰہی کو بھڑکا لیں۔

خاکسار

مرزا محمود احمد از لاہور"[۵۱]

پیغام کا غیر معمولی اثر

اس پیغام نے جلسہ ہوشیار پور میں شامل ہونے والوں پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ قریباً دو اڑھائی ہزار احمدی[۵۲] جو اس تقریب پر دوسرے مقامات سے ہوشیار پور پہنچے، ان کی ہر حرکت و سکون سے خاص وقار اور خشیت اللہ کا اظہار ہوتا تھا۔ تسبیح و تحمید اُن کی زبانوں پر تھی اور وہ متانت و سنجیدگی کے پیکر معلوم ہوتے تھے۔ اس رُوحانی کیفیت کا حال پڑھ کر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر "اہلحدیث" نے لکھا:۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا صحابہ کرام کی فوج مکہ فتح کرنے جا رہی ہے"[۵۳]

قادیان سے ہوشیار پور جانیوالوں کا پہلا قافلہ

قادیان سے ہوشیار پور جانے والوں کا پہلا قافلہ ۱۹ تبلیغ (فروری) کو شام کی گاڑی سے حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کی زیر امارت روانہ ہوا۔ اس قافلہ کے لئے بڑی کوشش سے صرف ایک تیسرے درجہ کی بوگی مخصوص کرائی جاسکی جو مسافروں کی تعداد کے لحاظ سے بالکل ناکافی تھی اور اس میں صرف ان اصحاب کو بمشکل جگہ مل سکی جو آمد و رفت کا کرایہ منتظمین کے پاس پیشگی جمع کرا چکے تھے۔ باقی اصحاب دوسرے ڈبوں میں سوار ہوئے۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے روانگی سے قبل "چند معروضات" کے نام سے ایک ہینڈ بل چھپوا کر جانے والوں میں تقسیم کرا دیا جس میں لکھا تھا:۔

"اگر خدائے بزرگ و توانا کی مرضی مبارک ہوئی تو قادیان دارالامان سے بروز ہفتہ مؤرخہ ۱۹/۲/۴۴ کو شام ۶½ بجے گاڑی سے جلسہ ہوشیار پور میں شمولیت کے لئے ایک احمدی قافلہ روانہ ہوگا۔ جناب

---

۵۱ "الفضل" ۱۹ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱
۵۲ " ۲۴ " " صفحہ ۳ کالم ۱
۵۳ "اہلحدیث" ۱۰ مارچ ۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۳

ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ[1] نے جو اس مہم کے افسرِ اعلیٰ ہیں۔ خاکسار کو قافلہ کا خادم مقرر فرمایا ہے اس لئے یہ خادم اہلِ قافلہ کی خدمت میں چند ضروری امور پیش کرنا چاہتا ہے جو یہ ہیں :-

(۱) اگر خدا تعالیٰ کے فضل سے ریزرو گاڑی کا انتظام ہو گیا تو ہر ڈبہ میں صرف اتنے مسافر بٹھائے جائیں گے جتنے ریلوے قوانین کے مطابق بٹھائے جا سکتے ہیں ورنہ وقت پر مناسب طریق اختیار کیا جائے گا۔

(۲) ریزرو ہونے کی صورت میں ہر مسافر ہر ڈبے میں نہیں بیٹھ سکتا۔ بلکہ میرے مقرر کردہ منتظمین کی ہدایات کے ماتحت بیٹھنا ہوگا۔

(۳) جیسا کہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کا ارشاد "الفضل" میں شائع ہو چکا ہے نہایت ضروری ہوگا کہ قادیان سے روانگی کے وقت سے ہی تمام اہلِ قافلہ کو خاموشی، متانت، خشوع و خضوع اور دُعاؤں میں لگے رہنے کی عادت سے متصف ہو جانا ضروری ہے۔ قادیان سے روانہ ہو کر صرف امرتسر پہنچنے پر گاڑی سے باہر نکلا جا سکتا ہے۔ امرتسر انشاء اللہ مغرب و عشاء کی نماز باجماعت ہوگی۔ اگر کوئی شخص نماز باجماعت سے غیر حاضر رہا تو اُسے امرتسر سے آگے جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اسی طرح نماز تہجد کا بھی انتظام ہوگا اور نماز فجر باجماعت کا بھی۔ راستہ میں کسی شخص کو نعرہ لگانے یا اشعار پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ ہر ڈبہ میں ایک ایک شخص امیر ہوگا۔ اس کی اطاعت ضروری ہوگی۔ کھانا کھا کر دوست قادیان سے روانہ ہوں یا اپنے ہمراہ کھانا لے جائیں۔ کھانے کا انتظام مرکز کی طرف سے نہ ہوگا۔ چونکہ گاڑی میں ہی غالباً ساری رات بسر ہوگی۔ اس لئے گاڑی میں بستر بچھانے کی گنجائش نہ ہوگی۔ بدیں وجہ دوست کافی گرم کپڑا اوڑھ کر بیٹھیں۔ جو شخص کسی قسم کی ناشائستہ حرکت کا مرتکب ہوگا، علاوہ اس کے کہ وہ گاڑی سے فوراً کسی اسٹیشن پر اُتار دیا جائے گا، اس کا معاملہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے حضور پیش کیا جائیگا۔

غرض یہ سفر نہایت تہذیب، متانت، شرافت، تقویٰ اور خشوع و خضوع کے ساتھ ہونا چاہیئے اس موقعہ پر میں دُعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادرِ مطلق خدا! تو ہمیں دُنیاداروں، فیشن پرستوں اور ظاہر پرستوں کی طرح تمام خرابیوں سے بچا کر اس طرح اس سفر پہ لے جا کہ تیری نظر میں عام لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ہم فرشتوں کی ایک جماعت ہوں جو محض تیری تسبیح و تہلیل کا پانی پیتے ہوئے اور تیری تحمید و تقدیس کی غذا کھاتے ہوئے اور تیری تحمید و تکبیر کی ہوا میں سانس لیتے ہوئے قادیان سے ہوشیارپور اور

[1] یعنی حضرت مولوی عبد المغنی خانصاحبؓ (مرتب)۔

ہوشیار پور سے قادیان کا سفر کریں۔ آمین یا ربّ العالمین۔

سید محمد اسحٰق خادم قافلہ ہوشیار پور"

قادیان سے جالندھر

اس قافلہ میں جو قریباً اڑھائی سو افراد پر مشتمل تھا حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ اور خانصاحب حضرت مولوی فرزند علی صاحبؓ بھی شامل تھے۔ جب گاڑی روانہ ہوئی تو سب نے مل کر دعا کی۔ امرتسر کے اسٹیشن پر اور بھی بہت سے اصحاب شریک قافلہ ہو گئے۔ مغرب اور عشاء کی نمازوں کے لئے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر اذان کہی گئی اور دونوں نمازیں جمع کر کے حضرت میر صاحبؓ نے پڑھائیں۔ گیارہ بجے کے قریب ڈیڑہ دون پسنجر کے ساتھ ریزرو بوگی لگائی گئی۔ اور دوسرے اصحاب نے گاڑی میں سوار ہونے کی کوشش کی لیکن باوجود انتہائی کوشش کے اُن میں سے بہت سے رہ گئے اور وہ دوسری گاڑی سے جالندھر پہنچے۔ جالندھر شہر کے اسٹیشن پر گاڑی ڈیڑھ بجے کے قریب پہنچی اور بقیہ رات اسٹیشن پر گاڑیوں میں اور پلیٹ فارم پر گذاری گئی۔ عمر رسیدہ اور بزرگ اصحاب کا سخت سردی میں زمین پر یا گاڑیوں کے تنگ تختوں پر رات گذارنا اگرچہ کٹھن بات تھی۔ لیکن ہر خورد و کلاں اور ہر بوڑھا اور جوان کچھ ایسے رُوحانی سرور اور لذّت میں مست تھا کہ کسی کو تکلیف کا خیال تک نہ رہا۔ سحری کے وقت اکثر لوگ خود بخود تہجد کی نماز کے لئے اُٹھے اور جو نہ اُٹھ سکے وہ جگائے گئے۔ صبح کی اذان پلیٹ فارم پر دی گئی اور نماز فجر حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ نے پڑھائی۔

جالندھر سے ہوشیار پور

گاڑی سات بجے کے قریب ہوشیار پور کے لئے روانہ ہوئی۔ اس وقت تک وہ اصحاب بھی پہنچ چکے تھے جو امرتسر کے اسٹیشن پر قافلہ کے ساتھ آنے سے رہ گئے تھے بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اصحاب شامل ہو گئے جو لاہور یا دہلی کی طرف سے آئے تھے۔ نو بجے کے قریب گاڑی ہوشیار پور کے اسٹیشن پر پہنچی۔ جہاں حضرت مولوی عبد المغنی خاں صاحبؓ ناظر دعوۃ و تبلیغ کی قیادت میں بعض اصحاب پہلے سے موجود تھے۔ اسٹیشن پر سے پانچ پانچ کی قطار میں قافلہ روانہ ہوا۔ اور جائے قیام تک جو شہر کے درمیان گرلز سکول کی عمارت تھی، اسی ترتیب سے گیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی طرف سے جلسہ گاہ کے انتظامات کی نگرانی

وہاں پہنچ کر حضرت میر صاحبؓ نے موقعہ کے لحاظ سے مختصر تقریر فرمائی۔ اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ انتظامات جلسہ اور مقام دعا کا ملاحظہ فرمانے کے لئے تشریف لے گئے۔ چونکہ ایک روز قبل بارش ہو چکی تھی اس لئے ککڑ منڈی کے وسیع احاطہ میں (جسے جلسہ کیلئے

حضرت سیدنا المصلح الموعود ہوشیار پور میں جلسہ سے قبل نماز پڑھا رہے ہیں

(قیام)

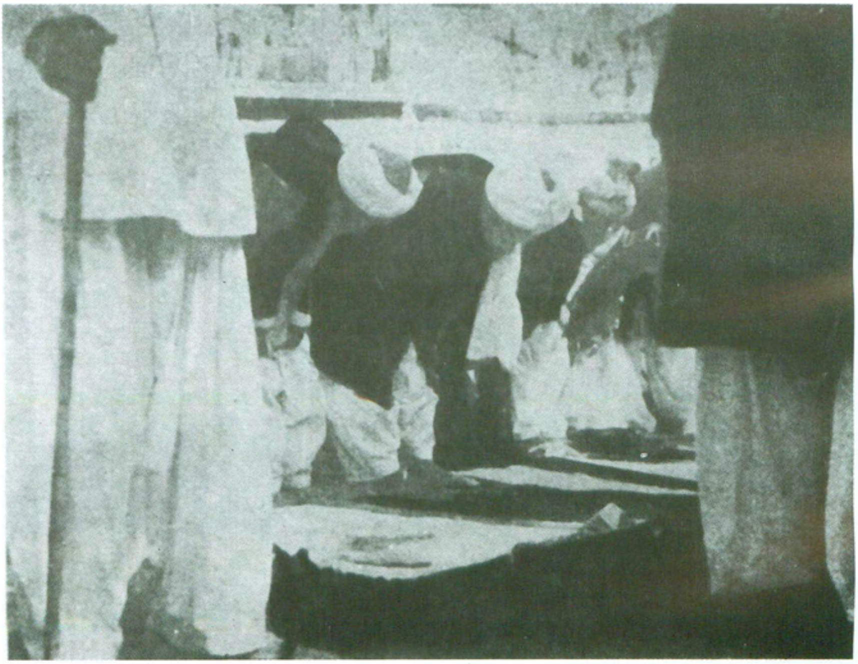

(رکوع)

سیدنا حضرت مصلح موعود کے دائیں ہاتھ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب اور ان کے ساتھ
حضرت میر محمد اسحاق صاحب التحیات میں بیٹھے ہیں

تجویز کیا گیا تھا اور جو اس مکان کے قرب کی وجہ سے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چلّہ کشی فرمائی تھی بہترین جگہ تھی) کیچڑ تھا اور اس پر مٹی ڈالی جارہی تھی۔ لیکن جس رفتار سے کام ہو رہا تھا اُسے کافی نہ خیال کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے زیادہ سرگرمی سے کام کرنے کا ارشاد فرمایا اور امداد دینے کے لئے جتنے آدمیوں کی ضرورت کام کرنے والوں نے سمجھی وہ قادیان سے آنے والے قافلے میں سے بھجوادیئے میونسپلٹی کے ملازمین کے علاوہ ملک نادر خاں صاحب افسر مال لُدھیانہ اور میجر حبیب اللہ خانصاحب نے بھی ہر قسم کا انتظام مکمل کرنے میں پوری مستعدی دکھائی۔ اور حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی تشریف آوری سے قبل خدا تعالیٰ کے فضل سے سب انتظامات مکمل ہوگئے۔

دُوسرا قافلہ

ایک بجے کی گاڑی سے قادیان کا دوسرا قافلہ جو مولانا ابوالعطاء صاحب کی قیادت میں ۲۰ تبلیغ/ فروری کی صبح کو قادیان سے روانہ ہوا تھا، پہنچ گیا اور بآسانی جلسہ میں شریک ہوگیا۔[لہ]

حضرت مصلح موعود کی ہوشیار پور میں تشریف آوری

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ پونے دو بجے کے قریب لاہور سے بذریعہ کار ہوشیار پور پہنچ گئے۔ حضور کے ہمراہ کار میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحبؓ، شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ اور سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی بھی تھے۔[ٹہ] حضور موٹر سے اُترتے ہی جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور ظہر و عصر کی نمازیں نہایت خشوع خضوع سے جمع کر کے پڑھائیں۔

جلسہ گاہ میں یہ الہامی فقرے موٹے حروف میں لکھ کر نمایاں جگہ پر آویزاں کر دیئے گئے تھے:۔

"خدا تیری دعوت کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا"

"وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی"

کارروائی کا آغاز

نماز کے بعد تین بجے جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ سب سے قبل حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے تلاوتِ قرآن کریم فرمائی اور سورۃ بنی اسرائیل کا رکوع ۹ پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ یہ آیاتِ قرآنیہ چونکہ موقع کے عین مطابق تھیں اس لئے مومنین کے قلوب ان آیاتِ قرآنیہ کے سُننے سے خاص طور پر متاثر ہوئے۔ تلاوتِ قرآن کریم کے بعد حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد (سابق امام مسجد لنڈن) پرائیویٹ سکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے ایک مختصر سی تقریر کی۔[ٹہ]

لہ "الفضل" ۲۴ تبلیغ/ فروری ۱۳۲۳ہش/ ۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲۔ ٹہ "الفضل" ۲۴ تبلیغ/ فروری ۱۳۲۳ہش/ ۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲۔ ٹہ درد صاحب کی مکمل تقریر "الفضل" ۱۰،۹ شہادت ۱۳۲۳ہش/ اپریل ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ پر شائع ہوئی۔

حضرت سیّدنا المصلح الموعودؓ کی تقریر

درد صاحب کے بعد سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور تشہّد و تعوّذ کے بعد حضور نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرمائی۔ حضور جب "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کے قرآنی الفاظ پر پہنچے تو حضور نے دوبارہ انہی بابرکت الفاظ کو نہایت سوز، تضرّع اور ابتہال کے ساتھ "اَللّٰهُمَّ يَا رَبِّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کہہ کر دوہرایا۔ ان الفاظ میں اور حضور کی آواز میں جو اس وقت الٰہی تصرّف کے ماتحت معلوم ہوتی تھی ایسا درد بھرا ہوا تھا کہ سُننے والوں کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ اُن کے قلوب درد سے بھر گئے، رقّت غالب آگئی اور گریہ و زاری کا عالَم طاری ہوگیا۔ اور انہوں نے بھی اپنے دل میں انہی الفاظ کو نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دہرایا۔

ازاں بعد حضور نے مندرجہ ذیل ادعیۂ ماثورہ پڑھیں۔ جنہیں جماعت کے احباب نے بھی حضور کی آواز کے ساتھ ساتھ نہایت رقّت اور سوز سے دُہرایا:-

۱- رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (بقرہ رکوع ۴۰)

۲- رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (آل عمران ع ۵)

۳- رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (آل عمران ع ۱۵)

۴- رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ (آل عمران ع ۲۰)

۵- رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (آل عمران ع ۱)

یہ دُعائیں حضور کی زبانِ مبارک سے کچھ ایسے درد اور سوز کے ساتھ بلند ہوئیں کہ تمام مجمع کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہوگئیں۔ دل اللہ تعالےٰ کی خشیت اور اس کی محبت سے بھر گئے اور آہ و بکا کی آواز ہر طرف سُنائی دینے لگی۔

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود جلسہ ہوشیار پور کو خطاب فرما رہے ہیں

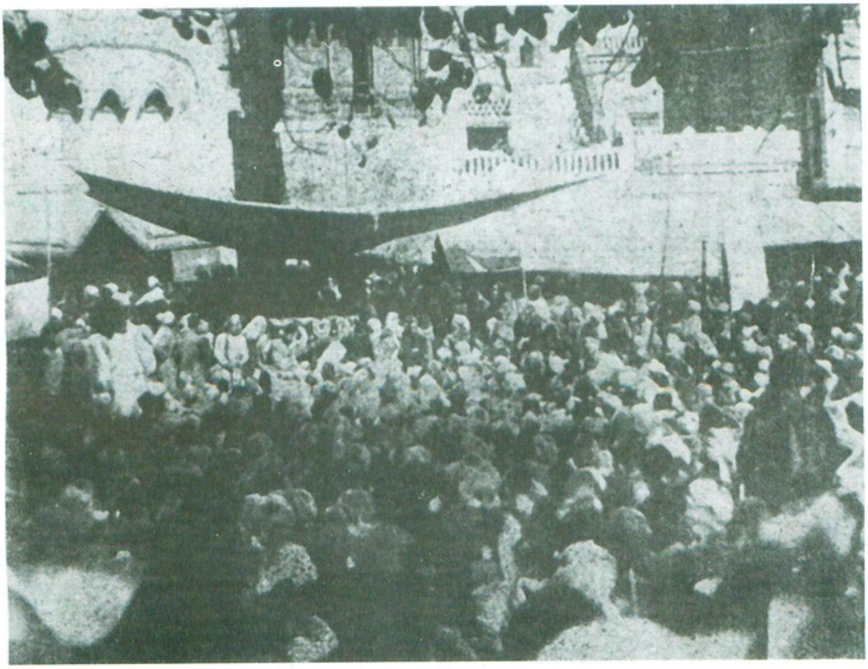

حضور نے دُعائیں پڑھنے کے بعد فرمایا :-

" یہ اللہ تعالیٰ کی وہ دعائیں ہیں جن میں انبیاء اور اُن کی ابتدائی جماعتوں کے لئے خدا نے ایک طریق راہ بیان فرمایا ہے ۔ اس کے بعد میں قرآنی الفاظ میں ہی اپنے رب کو مخاطب کر کے اس کے حضور نذرِ عقیدت پیش کرتا ہوں ۔ دوست بھی ان الفاظ کو دُہراتے جائیں "

چنانچہ حضور نے مندرجہ ذیل الفاظ اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے :-

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران ع ۹)

تمام مجمع نے ایک بار پھر اشکبار آنکھوں اور دردمند قلوب کے ساتھ ان الفاظ کو دہرایا اور اس وقت یُوں محسوس ہوا کہ آسمان سے انوار الٰہیہ کا نزول ہو رہا ہے اور فرشتے دلوں کو ہر قسم کی مَیل کچیل سے صاف کر کے انہیں پاکیزہ و مطہر بنا رہے ہیں۔[1]

سیدنا المصلح الموعود کا پُرشوکت خطاب اہلِ ہوشیارپور کو

ان دعاؤں اور جناب باری تعالیٰ کے حضور اظہارِ عقیدت کے بعد سیدنا المصلح الموعودؓ نے ایک نہایت وجد آفرین اور پُرشوکت تقریر فرمائی جس میں پیشگوئی مصلح موعود کے پسِ منظر پر روشنی ڈالنے کے بعد بتایا کہ یہ پیشگوئی کس طرح نہایت مخالف حالات کے باوجود خارق عادت رنگ میں ظہور پذیر ہو چکی ہے۔ اس سلسلہ میں حضور نے اس انکشاف سے متعلق اپنی تازہ رؤیا بھی بڑی شرح و بسط سے بیان کی اور پھر فرمایا :-

" مَیں آج اسی واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ و تصرف میں میری جان ہے کہ مَیں نے جو رویا بتائی ہے وہ مجھے اسی طرح آئی ہے ۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ ۔ کوئی خفیف سا فرق بیان کرنے میں ہو گیا ہو تو علیحدہ بات ہے ۔ مَیں خدا کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ مَیں نے کشفی حالت میں کہا اَنَا الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ مَثِيْلُهٗ وَخَلِيْفَتُهٗ ۔ اور مَیں نے اس کشف میں خدا کے حکم سے یہ کہا کہ مَیں وُہ ہوں جس کے ظہور کے لئے اُنیس سَو سال سے کنواریاں منتظر بیٹھی تھیں ۔ پس مَیں خدا کے حکم کے ماتحت قسم کھا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ خدا نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے مطابق آپ کا وہ موعود بیٹا قرار

[1] " الفضل " ۱۹ تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ - ۶ ۔

دیا ہے جس نے زمین کے کناروں تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچایا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ میں ہی موعود ہوں اور کوئی موعود قیامت تک نہیں آئے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اور موعود بھی آئیں گے اور بعض ایسے موعود بھی ہوں گے جو صدیوں کے بعد پیدا ہوں گے۔ بلکہ خدا نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ایک زمانہ میں خود مجھ کو دوبارہ دُنیا میں بھیجے گا اور میں پھر کسی شرک کے زمانہ میں دُنیا کی اصلاح کے لئے آؤں گا جس کے معنے یہ ہیں کہ میری رُوح ایک زمانہ میں کسی اور شخص پر جو میرے جیسی طاقتیں رکھتا ہوگا، نازل ہوگی اور وہ میرے نقشِ قدم پر چل کر دُنیا کی اصلاح کرے گا پس آنے والے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق اپنے اپنے وقت پر آئیں گے۔

میں جو کچھ کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اس شہر ہوشیارپور میں سامنے والے مکان میں نازل ہوئی۔ جس کا اعلان آپ نے اس شہر سے فرمایا۔ اور جس کے متعلق فرمایا کہ وہ نو سال کے عرصہ میں پیدا ہوگا۔ وہ پیشگوئی میرے ذریعہ سے پُوری ہو چکی ہے اور اب کوئی نہیں جو اس پیشگوئی کا مصداق ہو سکے"[1]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی اس پہلی پُر معارف تقریر کے بعد مبلغین سلسلہ کی باری باری مختصر تقریریں[2] ہوئیں جن میں اس امر پہ روشنی ڈالی گئی کہ ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی میں جو یہ بشارت دی گئی تھی کہ

" خدا تیری دعوت کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا دیگا"

سیدنا امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے ذریعہ وہ بڑی شان و عظمت کے ساتھ پُوری ہو چکی ہے

اس تقریب پر جن اصحاب نے تقریریں کیں، اُن کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحبؓ سیال ایم۔ اے (انگلستان)

۲۔ حضرت ملک غلام فرید صاحبؓ ایم۔ اے (جرمنی)

۳۔ جناب محمد ابراہیم صاحب ناصر بی۔ اے۔ بی۔ ٹی (ہنگری)

۴۔ حضرت مولوی محمد دین صاحب (شمالی امریکہ)

---

[1] "الفضل" ۱۹ر تبلیغ/فروری ۱۳۳۵ہش/۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰ کالم ۲ تا ۴۔

[2] یہ تقریریں "الفضل" ۲۵ر تبلیغ/فروری تا ۲ر امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں چھپ گئی تھیں۔

مبلغین احمدیت کی تقاریر ہوشیارپور کے جلسہ مصلح موعود میں

مولانا ابوالعطاء صاحب فلسطین مشن کے واقعات بیان کر رہے ہیں۔

اوپر ۱۔ حضرت مولوی عبدالمغنی خان صاحب ناظر دعوت و تبلیغ مائیکروفون کے سامنے کھڑے ہیں

نیچے ۲۔۔۔؟

۵۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور (انچارج تحریک جدید) (برائے مولوی محمد شریف صاحب ارجنٹائن جنوبی امریکہ، ملک عزیز احمد صاحب سروبایا، سید شاہ محمد صاحب جاوا، مولوی غلام حسین صاحب ایاز ملایا)

۶۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر رضی اللہ عنہ (سیرالیون۔ گولڈکوسٹ۔ نائیجیریا)

۷۔ مولوی محمد سلیم صاحب مولوی فاضل (مصر)

۸۔ حضرت مولوی عبدالمغنی صاحب رضی اللہ عنہ (برائے شیخ مبارک احمد صاحب مولوی فاضل مشرقی افریقہ، مولوی رحمت علی صاحب، مولوی محمد صادق صاحب، مولوی عبدالواحد صاحب مبلغین جاوا سماٹرا)

۹۔ حضرت صوفی حافظ غلام محمد صاحب رضی اللہ عنہ بی۔ اے (ماریشس)

۱۰۔ مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری[1] (فلسطین)

۱۱۔ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب رضی اللہ عنہ (شام)

۱۲۔ مولوی ظہور حسین صاحب (روس)

۱۳۔ حکیم مولوی عبداللطیف صاحب (برائے محمد رفیق صاحب مرحوم مجاہد تحریک جدید کاشغر)

۱۴۔ حضرت بابو فقیر علی صاحب رضی اللہ عنہ (برائے حضرت شہزادہ عبدالمجید صاحب رضی اللہ عنہ شہید (ایران)

۱۵۔ جناب عبدالاحد خاں صاحب افغان (کابل)

۱۶۔ جناب محمد زہدی صاحب (سٹریٹ سٹلمنٹ)

۱۷۔ مولوی عبدالواحد صاحب (چین)

۱۸۔ صوفی عبدالقدیر صاحب (جاپان)

ان تقریروں کے دوران جب کسی ملک میں تبلیغ اسلام اور اشاعت احمدیت کے واقعات بیان کئے جاتے تو ساتھ ہی اس ملک کا نام بھی جلی حروف میں احباب کے سامنے لٹکا دیا جاتا۔[2]

حضرت سیدنا المصلح الموعود کی تقریر کا تتمہ

ان تقریروں کے بعد حضرت سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے آخری خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس وقت مختلف ممالک کے مبلغین نے آپ لوگوں کو بتایا ہے کہ کس طرح دنیا کے کناروں تک میرے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور احمدیت کا نام پہنچایا۔ مغرب کے انتہائی کناروں یعنی شمالی امریکہ

---

[1] آپ نے مولوی محمد دین صاحب مبلغ یوگوسلاویہ و البانیہ کی نمائندگی میں بھی تقریر کی۔
[2] "الفضل" ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ھش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۲-۴۔

وغیرہ سے لے کر مشرق کے انتہائی کناروں یعنی چین اور جاپان وغیرہ تک اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کا نام اور اس کی تعلیم پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔ اسی طرح ایشیا اور یورپ کے مختلف علاقوں میں اللہ تعالیٰ نے میرے بھیجے ہوئے مبلّغین کے ذریعہ لوگوں کو اسلام اور احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی اور اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ "مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا" اور ساتھ ہی آپ کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ میرا ایک لڑکا ہوگا جو زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا جس کے معنے یہ تھے کہ وہ پہلی پیشگوئی جو زمین کے کناروں تک تبلیغ پہنچنے کے ساتھ تعلق رکھتی ہے وہ میرے اس لڑکے کے ذریعہ پوری ہوگی جس نے زمین کے کناروں تک شہرت حاصل کرنی ہے۔ اب ہر شخص غور کر کے دیکھ لے کہ وہ کونسا ہاتھ تھا جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کا فیصلہ کیا؟ وہ کونسا ہاتھ تھا جس نے اس تبلیغ کو اس وقت تک دُنیا کے کناروں تک پہنچنے سے روکے رکھا جب تک وہ لڑکا ظاہر نہ ہوگیا؟ اور پھر وہ کونسا ہاتھ تھا جس نے میرے مبلّغوں کے ذریعہ جاپان سے لے کر شمالی امریکہ تک تمام دُنیا میں اس سلسلہ کو پھیلانا شروع کر دیا۔ بلکہ ہر ملک کے افراد کو اس میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ ان میں ہزاروں ایسے لوگ ہیں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا نام سُننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے مگر اب وہ آپؐ پر درود اور سلام بھیجتے ہیں اور صبح شام آپؐ کے مدارج کی بلندی کے لئے دعائیں کرتے ہیں ہزاروں ایسے ہیں جو خدا تعالیٰ کے نام تک سے ناآشنا تھے مگر خدا تعالےٰ میرے ذریعہ سے ان لوگوں کو اپنے آستانہ پر لے آیا۔ صرف خدا کا ہی ہاتھ تھا جس نے تمام روکوں کو دُور کیا اور صرف خدا کا ہی ہاتھ تھا جس نے اپنے کلام کو پُورا کرنے کے لئے زمین کے کناروں تک اسلام اور احمدیت کا نام میرے ذریعہ سے پہنچایا۔ پس یہ پیشگوئی جس مقام سے کی گئی تھی اسی مقام کے سامنے کھڑے ہو کر یہ اعلان آپ لوگوں کے سامنے کر دیا گیا ہے تاکہ آپ لوگ گواہ رہیں کہ خدا کی یہ پیشگوئی پُوری ہوگئی"[1]

نیز فرمایا:۔

مَیں اُن لوگوں کو جو ابھی جماعت میں شامل نہیں توجّہ دلاتا ہوں کہ مغرب کے کناروں سے مشرق کے

[1] "الفضل" ۱۹ تبلیغ/فروری ۱۳۲۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲

انتہائی کناروں تک ہم اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ ہم لوگ چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس سلسلہ کی حقیقت پر غور کریں اور خدا تعالیٰ کے ان نشانات سے فائدہ اُٹھائیں جو دُنیا میں ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور اگر آپ لوگ ابھی اس سلسلہ کی صداقت پر غور نہیں کر سکتے تو کم سے کم خدا تعالےٰ کا اتنا خوف اپنے دِل میں ضرور پیدا کریں کہ جب اس جماعت کے افراد اسلام کی تبلیغ کے لئے نکلیں تو اُس وقت اُن کی مخالفت کرنے سے احتراز کریں اور سمجھ لیں کہ یہ وار اُن پر نہیں بلکہ خدا کے دین پر ہوگا اور اس کا نقصان افراد کو نہیں بلکہ مذہب اور اسلام کو ہوگا۔ اسی طرح مَیں اُن لوگوں سے بھی جو ابھی اسلام کی صداقت کے قائل نہیں، کہتا ہوں کہ ہم مبلّغ ہیں تبلیغ ہمارا کام ہے اور یہ کام ہم نے ہمیشہ کرنا ہے خواہ کوئی ہندو ہو سِکھ ہو عیسائی ہو۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اُسے تبلیغ کریں اور اسلام کی تعلیم اس کے کانوں تک پہنچائیں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ تبلیغ کرنا صرف ہمارا حق ہے۔ اُن کا بھی حق ہے کہ وہ ہمیں تبلیغ کریں۔ ہمیں اس پر کوئی گِلہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ہماری تبلیغ پر چڑیں نہیں۔ ہم مجبور ہیں کہ ہم نرمی اور پیار اور محبّت سے اُن کو تبلیغ کریں۔ اور جب ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی مرضی یہی ہے کہ لوگ اس دین کو اختیار کریں تو پھر چاہے لوگ ہمیں ماریں پیٹیں گالیاں دیں ہم مجبور ہیں کہ اُن کو اسلام کی تبلیغ کرتے چلے جائیں۔ کسی کا بچّہ کنوئیں میں گر رہا ہو تو دوسرا شخص اُسے دیکھ کر چُپ نہیں رہ سکتا۔ کسی جگہ آگ لگ رہی ہو تو کوئی شخص اُس آگ کو دیکھ کر آرام سے بیٹھ نہیں سکتا۔ پھر جبکہ ہم کو بھی اُن سے ویسی ہی محبّت ہے جیسے ایک باپ کو اپنے بیٹوں سے ہوتی ہے یا بھائی کو اپنے بھائی سے ہوتی ہے۔ اور جبکہ ہم سمجھتے ہیں کہ جو لوگ اسلام میں داخل نہیں وہ ایک آگ میں گرے ہوئے ہیں تو پھر ہم پُورا زور لگائیں گے کہ وہ اس آگ سے بچ جائیں۔ خواہ اس جد وجہد میں ہماری اپنی جان بھی کیوں نہ چلی جائے۔

پس تبلیغ کے لئے کوشش کرنا ہمارا فرض ہے اور ہم اپنے اس فرض کو ہمیشہ ادا کرتے رہیں گے لیکن آپ لوگ مت سمجھیں کہ آپ خدا کی تقدیر کو پُورا ہونے سے روک سکتے ہیں۔ خدا کی تقدیر ایک دن پُوری ہو کر رہے گی اور یہ سلسلہ تمام زمین پر پھیل جائے گا۔ کوئی نہیں جو اس سلسلہ کو پھیلنے سے روک سکے۔ مَیں آسمان کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں۔ مَیں زمین کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں۔ مَیں ہوشیارپور کی ایک ایک اینٹ کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ دُنیا میں پھیل کر رہے گا۔ اگر لوگوں کے دِل

سخت ہوں گے تو فرشتے اُن کو اپنے ہاتھ سے ملیں گے یہانتک کہ وہ نرم ہو جائیں گے اور اُن کے لئے احمدیت میں داخل ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔"[1]

مقدس کمرہ میں اجتماعی دُعا

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ اس پُر اثر خطاب کے بعد چلہ کشی والے مقدس و مبارک کمرہ میں تشریف لے گئے جو اُن دنوں ایک معزز ہندو سیٹھ ہرکشن داس کی ملکیت تھا جنہوں نے اُسے شیخ مہر علی صاحب سے خرید کر اس پر ایک مکان تعمیر کر کے اس کے بالائی حصّہ پر سبز رنگ کر دیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چلہ کشی والا بالاخانہ اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں تھا۔ لیکن اسی موقعہ اور انہی بنیادوں پر ایک کمرہ تعمیر شدہ تھا جہاں سیٹھ صاحب نے بڑی خوشی سے دُعا کرنے کی اجازت دی۔ بلکہ حضرت مولوی عبد المغنی خاں صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ کے ذریعہ خواہش کی کہ اگر حضرت مرزا صاحب یہاں تشریف لائیں تو میری بڑی خوش قسمتی ہوگی۔ چنانچہ جب حضور مکان پر تشریف لے گئے تو جناب سیٹھ صاحب اور اُن کے خاندان کے دوسرے افراد نے نہایت عزت و احترام کے ساتھ استقبال کیا اور ایک بڑے آراستہ کمرہ میں جو مکان کے دوسرے کونے میں واقعہ تھا حضور کو بٹھایا اور حضور کی خدمت میں پھل پیش کئے اور اپنے خاندان کے افراد کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد حضور مقدس کمرہ میں تشریف لے گئے اور قبلہ رُخ دو زانو بیٹھ کر تسبیح و تحمید کرنے لگے اس کمرہ میں اُس وقت کے لئے فرش کا انتظام جماعت کی طرف سے کیا گیا تھا۔

جگہ کی تنگی کی وجہ سے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کے علاوہ حسب ذیل پینتیس احباب اس کمرہ میں تشریف لے گئے جنہیں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایک ایک کر کے انتظام کے ساتھ اندر بھجوایا۔

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ	۹۔ صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب
۲۔ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب	۱۰۔ صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب
۳۔ صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب	۱۱۔ صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب
۴۔ صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب	۱۲۔ حضرت خان محمد عبد اللہ خاں صاحبؓ
۵۔ صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب	۱۳۔ صاحبزادہ مسعود احمد خاں صاحب
۶۔ صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب	۱۴۔ صاحبزادہ عباس احمد خاں صاحب
۷۔ صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب	۱۵۔ حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ
۸۔ صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب	۱۶۔ حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحبؓ

[1] "الفضل" ۱۹ تبلیغ/فروری ۱۳۲۹ ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۴ کالم ۱-۲۔

۱۷۔ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضؓ
۱۸۔ حضرت حافظ محمد ابراہیم صاحب قادیانی رضؓ
۱۹۔ حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری
۲۰۔ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی رضؓ
۲۱۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد رضؓ
۲۲۔ جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور
۲۳۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب رضؓ
۲۴۔ مولوی عبدالمنان صاحب عمر ایم۔ اے
۲۵۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحب رضؓ ایم۔ اے
۲۶۔ حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب رضؓ
۲۷۔ حضرت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب رضؓ
۲۸۔ حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث شاہ صاحبؓ قادیان
۲۹۔ میاں فیروز دین صاحب سیالکوٹ
۳۰۔ حضرت حافظ نور محمد صاحبؓ فیض اللہ چک
۳۱۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی رضؓ
۳۲۔ حضرت منشی محمد الدین صاحبؓ کھاریاں
۳۳۔ حضرت مولوی عبدالرحمان صاحب جٹ
۳۴۔ جناب صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے

ان احباب کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضؓ بھی کمرے میں تشریف فرما رہے۔[لہ]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

"دراصل شروع میں جب مکان کے اندر جا کر دُعا کرنے والوں کی فہرست بنائی گئی تو اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تھا کہ مندرجہ ذیل چار اقسام کے احباب کمرہ کے اندر جائیں۔

(۱) ۱۹۰۱ء سے پہلے بیعت کرنے والے صحابہ

(۲) جملہ ناظر صاحبان

(۳) افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴) ایسے احباب جن کا پیشگوئی مصلح موعود کے ساتھ خاص تعلق ہے، یعنی صوفی عبدالقدیر صاحب جو حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوری مرحومؓ کے لڑکے ہیں جو سفر ہوشیارپور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھے۔ اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ جو شیخ حامد علی صاحب مرحوم کے داماد ہیں اور وہ بھی سفر ہوشیارپور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور مکرمی شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور جن کے مکان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے اپنے مصلح موعود ہونے کے متعلق رویا دیکھا۔ اس طرح یہ فہرست قریباً ساٹھ ستر اصحاب کی بن گئی تھی۔

لہ "الفضل" ۲۴/۲۵ تبلیغ فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴

اور خیال تھا کہ کمرہ کے علاوہ جو مکان کی دوسری منزل پہ واقع تھا کچھ دوست اس کے ساتھ کے برآمدہ میں بھی کھڑے ہو جائیں گے اور باقی دوست باہر کی پبلک گلی اور ساتھ کے میدان میں کھڑے رہیں گے۔ مگر تقریر کے اختتام کے قریب مالکِ مکان کی طرف سے حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعود کو پیغام آیا کہ چونکہ کمرہ چھوٹا ہے اس لئے اگر حضور کے ساتھ صرف چھ سات احباب اندر آئیں تو مناسب ہوگا۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعود نے مجھے ارشاد فرمایا کہ شاید مالکِ مکان لوگوں کی کثرت سے گھبراتے ہیں اس لئے تم جلدی سے جا کر مکان کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور پہلی فہرست کو منسوخ سمجھو اور صرف چند دوستوں کو اندر بھجوا دو اور فرمایا کہ تم خود بھی آجانا اور میاں شریف احمد صاحب بھی آجائیں۔ اور ناظروں میں سے ناظر اعلیٰ آجائیں اور تین چار دوست پُرانے صحابہ میں سے آجائیں جنہیں تم دیکھ کر اندر بھجوا دینا۔ چنانچہ مَیں نے دروازہ پر جا کر اعلان کر دیا کہ اب سابقہ فہرست کے مطابق کوئی دوست از خود اندر نہ تشریف لے جائیں بلکہ میرے بُلانے پر اندر آئیں۔ اور اس کے بعد مَیں نے مجمع پر نظر ڈال کر ایک ایک دوست کو آواز دے کر اندر بھجوانا شروع کیا اور خدا کا فضل ایسا ہوا کہ مجھے مالکِ مکان کی عملی رضامندی کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعود کے علاوہ ۳۵ اصحاب کو اندر بھجوانے کا موقعہ مل گیا۔ گو بعد میں مجھے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ بعض ایسے اصحاب باہر رہ گئے جو اگر اس وقت میری نظر کے سامنے آجاتے تو مَیں انہیں بھی ضرور اندر لے جانے کی کوشش کرتا۔ مگر وہ اس وقت میری نظر سے اوجھل رہے۔" [۵۱]

المختصر جب کمرہ بالکل بھر گیا اور کسی اَور کے داخل ہونے کی گنجائش نہ رہی تو حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ارشاد فرمایا کہ **" اس موقع پر کسی ذاتی غرض کے لئے دُعا نہ کی جائے بلکہ صرف اسلام کی ترقی و شوکت کے لئے دُعا کی جائے "** اس کے بعد حضور نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی جس میں وہ تمام احمدی احباب بھی شریک ہوئے جو مکان کے نیچے گلی اور میدان میں کھڑے تھے۔ دعا نہایت گریہ و زاری سے قریباً دس منٹ ہوئی۔

دُعا سے فراغت کے بعد حضور نیچے تشریف لائے اور اسی وقت موٹر میں سوار ہو کر لاہور کے لئے روانہ ہو گئے۔ [۵۲]

---

۵۱ " الفضل " ۲۵ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔

۵۲ " الفضل " ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء۔

شیخ مہر علی صاحب کے مکان سے ملحق گلی میں دعا کا منظر

جلسہ لاہور اعلانِ ظہور مصلح موعود کے لئے دوسرا پُرشکوہ جلسہ ۱۲ امان / مارچ ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو لاہور میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ کے مہمانوں کے کھانے کا انتظام چوہدری اسداللہ خاں صاحب کے مکان (واقع ٹمبر روڈ) پر تھا۔[ا] اور جلسہ گاہ ہوسٹل میڈیکل کالج سے متصل پٹیالہ ہاؤس کی گراؤنڈ میں تھی جہاں ایک وسیع شامیانہ لگایا گیا تھا۔

اس جلسہ لاہور میں نہ صرف احمدیہ جماعت کے افراد شامل تھے بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ہندو سکھ عیسائی اور دوسرے مذاہب کے افراد بھی شامل تھے جنہوں نے پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ آخر وقت تک تمام جلسہ کی کارروائی سُنی اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق فائدہ اُٹھایا۔

حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود سوا دو بجے کے قریب جلسہ گاہ میں رونق افروز ہوئے حضور کی تشریف آوری سے قبل شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ[۲] نے حضور کا یہ ارشاد مبارک تمام لوگوں کو سُنایا جو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دہرایا جاتا رہا کہ

"درود اور ذکرِ الٰہی میں وقت گذاریں۔ لغو بات کوئی نہ کرے نہ آتے نہ جاتے۔
دُعائیں کثرت سے کریں۔ نعرہ کوئی نہ لگائے"

کچھ وقفہ کے بعد حضور جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے اور حضور نے جلسہ گاہ میں ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرکے پڑھائیں۔

جلسہ گاہ کا عام منظر جلسہ گاہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ الہام کہ "خدا تیری دعوت کو دُنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا" اور المصلح الموعود کے متعلق یہ الہام کہ "وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی" موٹے حروف میں لکھوا کر سٹیج کے قریب لگا دیا گیا تھا۔ اس انتظام میں مجلس خدام الاحمدیہ لاہور نے نمایاں حصہ لیا۔ جماعت احمدیہ لاہور کے دیگر افراد بھی اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر کمربستہ تھے۔ لاؤڈ سپیکر کا نہایت عمدہ انتظام تھا اور عورتوں کے لئے بھی بر رعایت پردہ جلسہ سُننے کا اہتمام تھا۔ قادیان سے بہت سے دوست ایک روز قبل لاہور پہنچ چکے تھے۔ باقی احباب جو سینکڑوں کی تعداد میں تھے، ۱۲ امان / مارچ کی صبح کو روانہ ہوئے۔ اس غرض کے لئے بعض ڈبے ریزرو کرائے گئے تھے جن کی وجہ سے بہت سہولت رہی۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضی اللہ عنہ امیر قافلہ تھے۔ قادیان کی بہت سی خواتین بھی

[ا] "الفضل" ۱۲ امان / مارچ ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۴۔
[۲] آپ اُن دنوں امیر جماعت لاہور تھے۔

اس جلسہ میں شریک ہونے کے لئے تشریف لے گئیں جن کے لئے لاہور اسٹیشن پر جماعت احمدیہ لاہور کی طرف سے لاریوں کا انتظام تھا

جلسہ کا آغاز ظہر و عصر کی نمازیں ادا کرنے کے بعد یہ تاریخی جلسہ شروع ہوا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے تلاوتِ قرآن کریم فرمائی اور مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر ہوشیار پور اور چلہ کے حالات بیان کئے اور المصلح الموعود کے متعلق اس مقام پر خدا کا جو کلام نازل ہوا اُسے نہایت مؤثر اور جذب رکھنے والے انداز میں بیان فرمایا۔

حضرت امیر المومنینؓ کی ابتدائی تقریر اس کے بعد حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کھڑے ہوئے اور حضور نے وہ پُرجلال تقریر فرمائی جس کا ایک ایک لفظ دل میں اُترتا جا رہا تھا۔ قلوب ڈھل رہے تھے۔ آسمان سے انوار کا نزول ہر شخص مشاہدہ کر رہا تھا۔ "المصلح الموعود" کے متعلق خدا نے جو کلام نازل فرمایا۔ اس میں خدائے عزّ وجل نے مصلح موعود کی ایک علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کا نزول ایسا ہوگا۔ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ گویا خدا آسمان سے اُتر آیا۔ اور وہ لوگ جو اس جلسہ میں شریک ہوئے ان میں سے ہر شخص اس بات کی شہادت دے سکتا ہے کہ ایسا ہی نظارہ وہ اپنی رُوحانی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ بلکہ ایک مقام پر تو حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے یہ کلمات بلند ہوئے جو ہزاروں انسانوں نے اپنے کانوں سے سُنے کہ

"اس وقت مَیں نہیں بول رہا بلکہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے"

حضور نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد عجز و انکسار کے ساتھ وہ قرآنی دُعائیں پڑھنا شروع کیں جو قبل ازیں جلسہ ہوشیار پور کے موقعہ پر بھی پڑھی تھیں۔ تمام مجمع حضور کی آواز کے ساتھ ساتھ آہستگی مگر رقت، تضرع اور خشوع کے ساتھ وہ دُعائیں پڑھتا گیا۔ دلوں میں درد تھا اور آنکھوں میں نمی، اور ہر شخص آستانۂ ایزدی پر گرا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ لوگ جو ہماری جماعت میں شامل نہیں تھے اور جنہوں نے ابتک اسلام کے ایسے جانثار خدام اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے تھے وہ تو تصویرِ حیرت بنے کھڑے ہی تھے، خود جماعت احمدیہ کے افراد اپنے ایمانوں میں ایک نمایاں تازگی محسوس کر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس انکشافِ عظیم کے معاً بعد آسمان کے دروازے کھُل گئے ہیں۔

. . . . ۔۔اور اسلام کی رُوحانی زندگی کا آغاز ہوگیا ہے۔ اب کوئی نہیں جو اس فتح کو روک سکے اور کوئی نہیں جو ان دروازوں کو بند کر سکے۔

دعاؤں کے بعد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جلسہ ہوشیارپور کی طرح ایک مفصل تقریر فرمائی جو قریباً سوا گھنٹہ جاری رہی۔ یہ تقریر اہلِ لاہور کے لئے حجت تھی۔ یہ تقریر غیر مبائع اصحاب کے لئے حجت تھی۔ یہ تقریر ہر مخالفِ اسلام کے لئے حجت تھی۔ حضور نے بڑی تحدی کے ساتھ اسلام اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت اور اپنے دعویٰ مصلح موعود کو پیش فرمایا۔[۵۱]

سیدنا المصلح الموعودؓ نے اپنی تقریر کے پہلے حصہ میں اپنے خاندانی حالات اور پھر ۱۹۱۴ء کے اختلافات سلسلہ کی تاریخ پر تفصیلی روشنی ڈالی اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مصلح موعود سے متعلق بشارت اور اس کے ظہور پذیر ہونے کا تذکرہ نہایت دلکش انداز میں کرنے کے بعد فرمایا:۔

"دُنیا میں کون کہہ سکتا ہے کہ میرے ہاں ضرور بیٹا پیدا ہوگا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ بیٹا زندہ رہے گا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ایک جماعت کا امام بنے گا۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا . . . . یقیناً کوئی انسان ایسی باتیں اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا . . . . غرض خدا تعالےٰ کی تازہ تائیدات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ سلسلہ خدا تعالےٰ کا قائم کردہ سلسلہ ہے اور اس کی نصرت اور تائید اس کے شامل حال ہے۔ اس طرح وہ پیشگوئی جو آج سے انسٹھ[۵۹ء] سال پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ کی گئی تھی کہ مَیں تجھے ایک بیٹا عطا کروں گا جو خدا تعالےٰ کی رحمت کا نشان ہوگا جو خدا تعالےٰ کی قدرت کا نشان ہوگا۔ جو خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان کا نشان ہوگا۔ اس کے ذریعہ اسلام اور احمدیت کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا۔ وہ پیشگوئی بڑی شان اور جاہ و جلال کے ساتھ پُوری ہوگئی۔ آج سینکڑوں ممالک زبانِ حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ میرے زمانۂ خلافت میں ہی اسلام کا نام ان کو پہنچا۔ میرے زمانۂ خلافت میں ہی احمدیت کے نام سے وہاں کے رہنے والوں کے کان آشنا ہوئے"[۵۲]

مبلّغین کی تقریریں

اس پہلی تقریر کے بعد مبلّغین سلسلہ نے اختصار کے ساتھ وہ تبلیغی کارنامے پیش کئے جو المصلح الموعود کے زمانہ میں حضور کی زیرِ ہدایت انہوں نے انجام دیئے اور جن کی وجہ سے نہ صرف المصلح الموعود نے زمین کے کناروں تک شہرت پائی بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام بھی دُنیا کے کناروں تک پہنچا۔ چنانچہ انگلستان کے متعلق حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیالؓ ایم اے ناظر اعلیٰ نے، سپین، اٹلی، ہنگری، البانیہ، یوگوسلاویہ، پولینڈ، زیکوسلوویکیہ اور جنوبی امریکہ کے متعلق مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور انچارج

---

۵۱ "الفضل" ۱۵ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲ ۔ ۵۲ "الفضل" ۱۸ تبلیغ/فروری ۱۳۳۷ ہش/۱۹۵۸ء صفحہ ۱۵-۱۶ ۔

تحریک جدید نے، جرمنی کے متعلق ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے نے، شمالی امریکہ کے متعلق حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے، البانیہ کے متعلق جناب مولوی محمد دین صاحب شہید کی بجائے جناب ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؓ نے، سیرالیون، گولڈ کوسٹ، نائیجیریا کے متعلق حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ نے، مصر کے متعلق مولوی محمد سلیم صاحب نے، کینیا کالونی، یوگنڈا اور ٹانگانیکا کے متعلق حضرت مولوی عبدالمغنی خانصاحبؓ ناظر دعوۃ و تبلیغ نے، سیلون اور ماریشس کے متعلق حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ نے، فلسطین کے متعلق مولوی ابوالعطاء صاحب نے، شام کے متعلق حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ نے اور روس کے متعلق مولوی ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا و روس نے مختصر تقریریں کیں۔[1]

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کا حلفیہ اعلان

آخر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ دوبارہ کھڑے ہوئے اور اہلِ لاہور کو مخاطب کرتے ہوئے ایک نہایت پُرجلال تقریر فرمائی جس میں حضور نے خدائے واحد و قہار کی قسم کھا کر نہایت درجہ پُرشوکت الفاظ میں اعلان عام فرمایا کہ

"آج میں اس جلسہ میں اسی واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے اور جس پر افتراء کرنے والا اس کے عذاب سے کبھی بچ نہیں سکتا کہ خدا نے مجھے اسی شہر لاہور میں ۱۳ ٹمپل روڈ پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان میں یہ خبر دی کہ میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں اور میں ہی وہ مصلح موعود ہوں جس کے ذریعہ اسلام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا اور توحید دنیا میں قائم ہوگی۔"

جماعت احمدیہ کی عظیم الشان مالی قربانیوں کا تذکرہ

اس دل ہلا دینے والے حلفیہ اعلان کے بعد حضور نے جماعت احمدیہ کی عظیم الشان مالی اور جانی قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:-

"ایک طرف اگر خدا نے یہ خبر دی کہ وہ میرے ذریعہ دنیا میں اسلام کا نام روشن کرے گا تو دوسری طرف اُس نے ایک غریب جماعت میں اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے لئے وہ ایمان پیدا کر دیا جس کی مثال آج روئے زمین پر اور کوئی جماعت پیش نہیں کر سکتی۔ ابھی ایک خطبہ جمعہ میں مَیں نے جماعت کے سامنے اعلان کیا کہ اسلام اس وقت تم سے خاص قربانی کا مطالبہ کر رہا ہے۔ تم اگر خدا کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی تمام جائیدادیں اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دو تاکہ جب بھی اسلام پر کفر کا حملہ ہو ہمیں اس کے مقابلہ کے لئے پریشانی نہ ہو کہ ہم روپیہ کہاں سے لائیں بلکہ ہر وقت ہمارے

---

[1] "الفضل" ۱۵ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲

پاس جائیدادیں موجود ہوں جن کو فروخت کرکے یا گرو رکھ کر ہم اسلام کی تبلیغ آسانی سے کرسکیں۔ ہماری جماعت ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ ہماری جماعت ایک غریب جماعت ہے۔ مگر جمعہ کے دن ۲ دو بجے مَیں نے یہ اعلان کیا اور ابھی رات کے ۱۰ دس نہیں بجے تھے کہ چالیس لاکھ روپیہ سے زیادہ کی جائیدادیں انہوں نے میری آواز پر خدمتِ اسلام کے لئے وقف کردیں۔ جن میں پانچ سَو سے زیادہ مربّعہ زمین ہے اور ایک سَو سے زیادہ مکان ہیں اور لاکھوں روپیہ کے وعدے ہیں۔ یہ وہ اللہ تعالیٰ کی تائید اور اُس کی نصرت کے نشانات ہیں جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جن کے بعد کوئی ازلی شقی ہی خدا تعالیٰ کے اس نُور کو قبول کرنے سے انکار کرسکتا ہے۔ مَیں نے اس سے پہلے جس قدر مبلّغ دُنیا میں بھجوائے وہ قریباً سب کے سب اناڑی تھے۔ کوئی کالج سے نکلا تو مَیں نے اُس سے کہا کہ خدا کے دین کے لئے آج مبلّغوں کی ضرورت ہے۔ کیا تم اس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرسکتے ہو؟ اور میرے کہنے پر وہ تبلیغ کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ یہی مولوی ظہور حسین صاحب جنہوں نے ابھی رُوس کے حالات بیان کئے ہیں جب انہوں نے مولوی فاضل پاس کیا تو اس وقت لڑکے ہی تھے۔ مَیں نے اُن سے کہا کیا تم رُوس جاؤ گے؟ انہوں نے کہا میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ مَیں نے کہا جاؤ گے تو پاسپورٹ نہیں ملیگا۔ کہنے لگے بیشک نہ ملے۔ مَیں بغیر پاسپورٹ کے ہی اس ملک میں تبلیغ کے لئے جاؤں گا۔ آخر وہ گئے اور ۲ دو سال جیل میں رہ کر انہوں نے بتا دیا کہ خدا نے کیسے کام کرنے والے وجود مجھے دیئے ہیں۔
خدا نے مجھے وہ تلواریں بخشی ہیں جو کُفر کو ایک لحظہ میں کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔ خدا نے مجھے وہ دل بخشے ہیں جو میری آواز پر ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔ مَیں انہیں سمندر کی گہرائیوں میں چھلانگ لگانے کے لئے کہوں تو وہ سمندر میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہیں۔ مَیں انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرانے کے لئے کہوں تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرا دیں۔ مَیں انہیں جلتے ہوئے تنوروں میں کُود جانے کا حکم دوں تو وہ جلتے ہوئے تنوروں میں کُود کر دکھا دیں۔ اگر خودکشی حرام نہ ہوتی، اگر خودکشی اسلام میں ناجائز نہ ہوتی تو مَیں اس وقت تمہیں یہ نمونہ دکھا سکتا تھا کہ جماعت کے سَو آدمیوں کو مَیں اپنے پیٹ میں خنجر مار کر ہلاک ہو جانے کا حکم دیتا اور وہ سَو آدمی اسی وقت اپنے پیٹ میں خنجر مار کر مر جاتا۔ خدا نے ہمیں اسلام کی تائید کیلئے کھڑا کیا ہے۔ خدا نے ہمیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کرنے کے لئے کھڑا کیا ہے۔[1]

[1] "الفضل" مصلح موعود نمبر ۱۸ تبلیغ / فروری ۱۹۵۶ء / ۱۳۳۵ ہش صفحہ ۱۷-۱۸

اختتامی کلمات سیدنا المصلح الموعودؓ کی دوسری اور اختتامی معرکۃ الآراء تقریر مندرجہ ذیل الفاظ پر ختم ہوئی۔

"اے اہلِ لاہور! میں تم کو خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ مَیں تمہیں اُس ازلی ابدی خدا کی طرف بُلاتا ہوں جس نے تم سب کو پیدا کیا۔ تم مت سمجھو کہ اس وقت مَیں بول رہا ہوں اس وقت مَیں نہیں بول رہا بلکہ خدا میری زبان سے بول رہا ہے۔ میرے سامنے دینِ اسلام کے خلاف جو شخص بھی اپنی آواز بلند کرے گا اس کی آواز کو دبا دیا جائے گا۔ جو شخص میرے مقابلہ میں کھڑا ہو گا وہ ذلیل کیا جائے گا، وہ رُسوا کیا جائے گا، وہ تباہ اور برباد کیا جائے گا۔ مگر خدا بڑی عزّت کے ساتھ میرے ذریعہ اسلام کی ترقی اور اس کی تائید کے لئے ایک عظیم الشّان بنیاد قائم کر دے گا۔ مَیں ایک انسان ہوں۔ مَیں آج بھی مَر سکتا ہوں اور کل بھی مَر سکتا ہوں۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ مَیں اس مقصد میں ناکام رہوں جس کے لئے خدا نے مجھے کھڑا کیا ہے . . . .

. . . اگر دُنیا کسی وقت دیکھ لے کہ اسلام مغلوب ہو گیا۔ اگر دُنیا کسی وقت دیکھ لے کہ میرے ماننے والوں پر میرے انکار کرنے والے غالب آ گئے تو بے شک تم سمجھ لو کہ مَیں ایک مفتری تھا لیکن اگر یہ خبر سچّی نکلی تو تم خود سوچ لو۔ تمہارا کیا انجام ہو گا کہ تم نے خدا کی آواز میری زبان سے سُنی اور پھر بھی اُسے قبول نہ کیا۔"[۱]

حضور نے یہ آخری تقریر صرف چند منٹ فرمائی۔ مگر ایسے پُرجلال الفاظ میں کہ اگر کُفر کو ایک پہاڑ سے تشبیہ دی جائے تو بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور کی اس تقریر نے اس کو پاش پاش کر دیا۔ حق ظاہر ہو گیا اور باطل بھاگ گیا۔

چھ بجے کے قریب نئے دَور کا یہ دوسرا مبارک جلسہ دُعا پر ختم ہوا۔ اور سب دوست اللہ تعالیٰ کے اس تازہ نشان پر حمد و ثناء اور تسبیح و تحمید کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس لَوٹے۔ یہ جلسہ صرف تین گھنٹے رہا۔ مگر قلوب میں اُس نے ایسے انمٹ نقوش چھوڑے جو مدتوں تک تازہ رہیں گے۔[۲]

جلسہ کے بعد جلسہ کے اختتام کے بعد سیدنا المصلح الموعود اپنی قیامگاہ یعنی شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہیں مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔ ازاں بعد بعض احباب کے ساتھ اس کمرہ میں تشریف لے گئے جس میں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ رویا یہ انکشاف فرمایا تھا کہ آپ ہی مصلح موعود ہیں۔ حضور نے دوستوں کو وہ چارپائی بھی دکھائی جس پر اس رویاء کے وقت حضور آرام فرما رہے تھے۔[۳]

۱؎ الفضل ۱۰ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ تا ۲ ۲؎ الفضل ۱۵ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱ ۳؎ الفضل ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۱ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۴۔

اخبار "ٹربیون" میں جلسہ کی خبر

اخبار "ٹربیون" (۱۴ر مارچ ۱۹۴۴ء) نے اپنے نمائندہ خصوصی کے قلم سے اس جلسہ کی رپورٹ "ہم سب کے دوست ہیں کسی کے دشمن نہیں" اور "جماعتِ احمدیہ" کے دوہرے عنوان سے شائع کی۔ اِس خبر کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:-

"لاہور ۱۲ر مارچ - حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ نے اپنی جماعت کے ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے پٹیالہ گراؤنڈز میں شامیانہ کے نیچے آج سہ پہر کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ "ہندو، سکھ، عیسائی اور ہندوستان کی اقوام کے دیگر لوگ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ہم ان سب کے دوست ہیں۔ اور کسی کے دشمن نہیں۔ اگرچہ ہم اسلام کا پیغام ہر جگہ پہنچانا چاہتے ہیں"

احمدیہ جماعت کے بہت سے افراد صوبہ کی مختلف اطراف اور شمال مغربی سرحدی صوبہ سے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے مذہبی امام کی تقریر مکمل خاموشی کے ساتھ دو گھنٹہ تک سُنی۔ مُہرِ خاموشی صرف اسی وقت ٹوٹتی تھی جبکہ گاہے بگاہے حاضرین میں سے بہت سے افراد کے آنسو بہنے لگتے تھے۔ جبکہ امام جماعت احمدیہ قرآن سے بعض آیات کی تلاوت فرماتے تھے۔

پولیس کے بہت سے سپاہی جہتہ ایشور داس صاحب انسپکٹر اور سردار ہردیپ سنگھ صاحب سب انسپکٹر گوالمنڈی کی قیادت میں موجود تھے۔

امام جماعت نے اپنے خاندان کی تاریخ تفصیل سے پیش کی اور آپ نے بیان فرمایا کہ ان کا خاندان تیمور کی اولاد میں سے ہے۔ اپنی پیدائش اور پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے جو اُن کے والد ماجد بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے شائع فرمائی تھیں۔ حضرت مرزا صاحب امام جماعت احمدیہ نے بیان فرمایا کہ آپ ہی موعود "امن کے شہزادے" ہیں جن کے متعلق بانیٔ سلسلہ نے خدا سے الہام پا کر پیشگوئی فرمائی تھی۔

اُن حالات کا ذکر فرماتے ہوئے جن میں امام جماعت احمدیہ جماعت کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ نے فرمایا جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے تو اُن کے پاس خزانہ میں صرف چودہ آنے تھے اور کئی ہزار کا جماعت کے خزانہ پر بار تھا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کی راہبری کرنے اور قرآن کریم (خدا تعالیٰ کے پیغام) کی تفسیر کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔

حضرت مرزا صاحب نے تفصیلاً بیان فرمایا کہ کس طرح اُن کو کشف میں بتلایا گیا کہ سلطنت برطانیہ فرانس کی حکومت کے سامنے یہ پیش کش کرے گی کہ دونوں حکومتیں اس وقت جبکہ حالات نازک ہو جائیں گے متحد

ہو جائیں اس طور پر کہ شہریت کے حقوق مشترک ہو جائیں۔ آپ کو یہ بھی بتلایا گیا کہ یہ حالت صرف چھ ماہ کے لئے رہیگی۔ اس کشف کا امام جماعت نے سر ظفر اللہ خانصاحب سے ذکر کیا جنہوں نے یہی بات لارڈ لنلتھگو تک پہنچائی اور یہ پیشگوئی سچی ثابت ہوئی۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے سر محمد ظفر اللہ خانصاحب اور بعض دیگر اصحاب کو اس واقعہ سے بہت عرصہ پہلے یہ بتلا دیا تھا کہ امریکہ برطانیہ کو ۲۸۰۰ ہوائی جہاز دے گا۔ اس کے متعلق بھی سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنے حکومت میں رفقاء کار سے ذکر فرمایا تھا اور یہ پیشگوئی بھی حرف بحرف پوری ہوئی تھی" [1]

جلسہ لدھیانہ دعویٰ مصلح موعود کے سلسلہ میں تیسرا مبارک جلسہ لدھیانہ میں ۲۳ ر مارچ ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو قرار پایا تھا۔ اس جلسہ کا اعلان ۸ ا رامان (مارچ) کو کیا گیا جس کے معاً بعد لدھیانہ میں جلسہ کو رُکوانے کے لئے زبردست مظاہرے شروع ہو گئے۔ شہر میں مخالفت کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ نیز ۲۰ ر امان (مارچ) کے ہندو اخبار "پرتاپ" اور "پربھات" نے یہ خبر شائع کی :-

"شہر کے علماء نے ڈپٹی کمشنر سے درخواست کی ہے کہ وہ مداخلت کر کے احمدیوں کی اس کانفرنس کو بند کر دیں"

آخر جب جلسہ روکنے میں ناکامی ہوئی تو ۲۳ ر امان / مارچ کو ہلڑ بازی اور ہنگامہ خیزی کی حد کر دی گئی۔ چنانچہ اخبار "پرتاپ" نے لکھا :-

"آج صبح سے ہی شہر کے مسلمان مختلف گروہوں میں پھرتے نظر آ رہے تھے۔ چند ایک جلوس بھی نکالے گئے ایک جلوس میں ایک لڑکے کا مُنہ کالا کر کے اُسے گدھے پر بٹھایا ہوا تھا"

اسی طرح "ویر بھارت" نے لکھا کہ

"احمدیہ کانفرنس شروع ہے۔ احراریوں نے اس سلسلہ میں مظاہرے کئے اور جلوس نکالے۔ ایک لڑکے کا مُنہ کالا کر کے اُسے گدھے پر سوار کرایا گیا اور ایک جنازہ بھی نکالا جس میں مرزا قادیان کے خلاف نعرے لگائے جا رہے تھے۔ کچھ احمدیوں پر ڈاکخانہ کے قریب جُوتے بھی پھینکے گئے۔" [2]

ان سراسر ناموافق حالات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا المصلح الموعودؓ کو جلسہ سے قبل ہی اس جلسہ کی کامیابی اور

---

[1] "الفضل" ۸ ر امان / مارچ ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ ک ۲-۱ ۔ [2] بحوالہ "الفضل" ۲۸ ر امان / مارچ ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ ک ۲-۱ ۔ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ جن لوگوں نے اس جلسہ مصلح موعود کے وقت جنازہ نکالا جس نے چارپائی دی اور جنہوں نے جنازہ اُٹھایا نیز جس نے مُنہ کالا کر کے مصنوعی میت کا پارٹ ادا کیا۔ سب کے سب چند ماہ کے بعد بدکاری وغیرہ کے مقدمات میں ماخوذ ہو کر سزایاب ہوئے ("الفضل" ۱۰ ر ہجرت / مئی ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱) ۔

موجب برکات ہونے کی بشارت دی۔ چنانچہ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ خود فرماتے ہیں:۔

"جب ہم لُدھیانہ جا رہے تھے تو اس روز بارش ہو رہی تھی۔ رستے خراب تھے۔ نہر والوں نے بھی انکار کر دیا کہ ہم دروازہ نہیں کھول سکتے۔ غرض ایسی حالت ہوگئی کہ مَیں ڈرتا تھا کہ شائد ہمارا جلسہ بھی ہوسکے یا نہ ہوسکے۔ مگر اسی حالت میں مجھے الہام ہوا "بہت سی برکتوں کے سامان کروں گا" آخری لفظ کے متعلق مجھے صحیح طور پر یاد نہیں رہا کہ "کرونگا" تھا یا "ہونگے" تھا۔ بہرحال الفاظ یہ تھے کہ "بہت سی برکتوں کے سامان کرونگا" یا "بہت سی برکتوں کے سامان ہوں گے"

مَیں حیران ہوا کہ حالت تو یہ ہے کہ بارش ہو رہی ہے اور نہر والے بھی راستہ نہیں دے رہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ بہت سی برکتوں کے سامان کروں گا۔ یہ الہام لدھیانہ جاتے ہوئے راستہ میں ہی مجھے ہوا۔" [۱]

حضرت المصلح الموعود کا لُدھیانہ میں ورُود

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ جلسہ میں شمولیت کیلئے قادیان سے بذریعہ کار لُدھیانہ پہنچے اور دارالبیعت میں دُعا کرنے کے بعد ساڑھے تین بجے کے قریب جلسہ گاہ میں تشریف لائے جو بھدوڑ ہاؤس کے وسیع میدان میں شامیانوں کے نیچے تھی۔ اُس وقت عوام کا ایک بہت بڑا جھگٹا جو سارا دن اِدھر اُدھر منڈلاتا رہا تھا جلسہ گاہ کے پاس ہی کھڑا شور مچا رہا تھا۔ حضور کے جلسہ گاہ میں پہنچتے ہی تقاطر شروع ہوگیا اور جب حضور نے ظہر کی نماز پڑھانا شروع کی تو موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ اسی حالت میں حضور نے ظہر و عصر کی نمازیں پڑھائیں جو نہایت خشوع خضوع اور اطمینان کے ساتھ ادا کی گئیں۔ اس وقت خوب زور کی بارش ہو رہی تھی اور شور و شر کرنے والوں کا ہجوم بالکل منتشر ہوچکا تھا۔ نمازوں کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا۔ دوست اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں۔ اب جلسہ شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی حالت میں جبکہ زور کا مینہ برس رہا تھا اور نیچے کہیں تھوڑا کہیں زیادہ پانی بہہ رہا تھا اور کپڑے بھیگ رہے تھے نہ صرف تمام احمدیوں نے نہایت درجہ اخلاص و عقیدت کے ساتھ کارروائی سُنی بلکہ بہت سے معزز غیر احمدی مسلمان حتیٰ کہ غیر مسلم شرفاء بھی نہایت صبر و سکون اور دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ جلسہ کے آخر تک بیٹھے رہے۔

حضرت امیر المومنینؓ کا زندگی بخش خطاب

جلسہ کا افتتاح تلاوتِ قرآن کریم سے کیا گیا جو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے فرمائی اس کے بعد حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے مختصر تقریر کی اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے حسبِ سابق سُورۃ فاتحہ اور

---

[۱] "الفضل" ۲۵ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳

بعض قرآنی دعاؤں کی تلاوت کے بعد اپنا رُوح پرور خطاب مندرجہ ذیل الفاظ سے شروع فرمایا[له]:۔

"مَیں آج اس جگہ اس لئے کھڑا ہوا ہوں کہ آج سے ۵۵ سال پہلے خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی خبروں اور اس کے ارشاد فرمائے ہوئے حکم کے ماتحت اس شہر لدھیانہ میں ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے بیعت لی تھی اور اس بیعت کے وقت صرف چالیس آدمی آپ پر ایمان لانے والے تھے یہ ساری کی ساری پُونجی تھی جسے لے کر حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام اسلام کی فتح کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ باقی تمام دُنیا ہندو، عیسائی، سِکھ، ہندوستانی، ایرانی اور برطانی سب کے سب آپ کے مخالف تھے اور آپ کو مٹا دینے پر تُلے ہوئے تھے۔ مگر ان مخالفتوں کے باوجود آپ نے اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر دُنیا کو بتایا کہ "دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کر دے گا" اس اعلان کے بعد باوجود شدید مخالفتوں کے اللہ تعالیٰ نے آپ کے سلسلہ کو بڑھانا شروع کیا"

ان تمہیدی کلمات کے بعد حضور نے پیشگوئی مصلح موعود کا تذکرہ کیا۔ اور پھر اہلِ لدھیانہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"ہم نے ہوشیار پور میں بھی ایسا ہی جلسہ کیا تھا مگر وہاں کسی نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ پھر لاہور میں پندرہ ہزار کے مجمع میں مَیں نے تقریر کی۔ وہاں بھی کسی نے کوئی مخالفت نہیں کی۔ مجھے کئی دفعہ یہ خیال آتا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جن باتوں کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اُن کی مخالفت لوگ ضرور کرتے ہیں۔ معلوم نہیں میرے اس اعلان کے بعد کہ یہ پیشگوئی پُوری ہو چکی ہے اب تک کسی نے مخالفت کیوں نہیں کی۔ سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج لدھیانہ میں یہ مخالفت بھی ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کے قانون اور انبیاء کی سُنّت کے مطابق لدھیانہ کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی باتوں پر استہزاء کیا۔ وہ ایک دائمی حیات پانے والے انسان کے متعلق کہہ رہے تھے کہ مَر گیا۔ مگر ہم ان لوگوں سے ناراض نہیں ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی باتوں سے استہزاء کیا۔ ہم اُن کے لئے بھی دُعا ہی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے

له مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر (انچارج صیغہ زود نویسی) نے نہ صرف ہوشیار پور اور لاہور کی پوری تقاریر قلمبند کرلیں بلکہ لدھیانہ کی یہ تقریر عین بارش کے دوران نوٹ کی اور بعد ازاں دوسری تقریروں کے علاوہ اس تقریر کا متن بھی "الفضل" میں شائع کرا کے ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

خدا! ان لوگوں نے جو کچھ کیا، نادانی سے کیا، ناواقفی سے کیا۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو بھلانے کی وجہ سے استہزاء کیا۔ مگر اے خدا! تو اِن کو معاف کر اور ان کو ہدایت دے اور اُن کے قلوب کو سچ کے قبول کرنے کے لئے کھول دے اور جس طرح آج میں نے اُن کو دین کے ساتھ استہزاء کرتے دیکھا۔ مَیں اپنی آنکھوں سے اُن کو دین کے لئے قربانیاں کرنے کی غرض سے آگے بڑھتا ہوا دیکھوں۔ انہوں نے آج اس بات پر استہزاء کیا ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے اور جس پر استہزاء کا اب تک نہ ہونا مجھے حیران کر رہا تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے آج میری یہ خواہش بھی ان لوگوں کے ذریعہ پُوری کر دی۔ کیونکہ انہوں نے خوب مخالفت کی اور ہنسی اُڑائی۔ اس قسم کا سلوک اب تک کسی اَور شہر میں ہمارے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ سو مَیں ان لوگوں کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ جنہوں نے میری اس خواہش کو پورا کیا کہ اللہ تعالےٰ ان کو اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے ان کو ہدایت دے اور ایمان بخشے۔

اِس وقت اِس جلسہ میں لُدھیانہ کے لوگ غالباً بہت کم ہوں گے۔ زیادہ تر بیرُونی لوگ ہیں لیکن اگر یہاں ایک بھی لُدھیانہ کا شخص ہے تو مَیں اس کے ذریعہ اہلِ لُدھیانہ کو یہ پیغام دیتا ہوں کہ اے لُدھیانہ کے لوگو! تم نے میری مخالفت کی اور مَیں تمہارے لئے دُعا کرتا ہوں۔ تم نے میری موت کی خواہش کی مگر مَیں تمہاری زندگی کا خواہاں ہوں۔ کیونکہ میرے سامنے میرے آقا محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی مثال ہے۔ آپؐ جب طائف میں تبلیغ کے لئے گئے تو شہر کے لوگوں نے آپؐ کو پتھر مارے اور لہولہان کر کے شہر سے نکال دیا۔ آپؐ زخمی ہو کر واپس آر ہے تھے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے فرشتہ آپؐ کے پاس آیا اور اس نے کہا۔ اگر آپؐ فرمائیں تو اس شہر کو اُلٹا کر رکھ دُوں۔ مگر میرے آقا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے، میرے ماں باپ میری جان میرے جسم اور میری رُوح کا ذرّہ ذرّہ آپؐ پر قربان ہو، فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ لوگ ناواقف تھے، نادان تھے، اس لئے انہوں نے مجھے تکلیف دی۔ اگر یہ لوگ تباہ کر دیئے گئے تو ایمان کون لائے گا؟

سو اے اہلِ لُدھیانہ! جنہوں نے میری موت کی تمنّا کی۔ مَیں تمہارے لئے زندگی کا پیغام لایا ہوں۔ ابدی زندگی اور دائمی زندگی کا پیغام ایسی ابدی زندگی کا پیغام جس کے بعد فنا نہیں اور کوئی موت نہیں۔ مَیں تمہارے لئے خدا تعالےٰ کی رضا کا پیغام لایا ہوں جسے

حاصل کرنے کے بعد انسان کے لئے کوئی دُکھ نہیں رہتا۔ اور مجھے یقین ہے کہ آج کی مخالفت کل دلوں کو ضرور کھولے گی۔ اور دُنیا دیکھے گی کہ یہ شہر انشاء اللہ خدا تعالیٰ کے نُور سے منوّر ہوگا اور میرے کام میں میرا ممد و معاون بنے گا۔ مَیں خدا تعالیٰ سے یہی دُعا کرتا ہوں اور اُس کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ ضرور ایسا ہو کر رہے گا" [۱]

نیز فرمایا:۔

" آج مَیں اہلِ لُدھیانہ کو خبر دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی طرف سے خبر پا کر قُدرت اور فضل اور رحمت کے جس نشان کی خبر دی تھی وہ ظاہر ہو چکا۔ جن لوگوں کے کان میں یہ آواز پہنچے وہ اُن لوگوں تک اُسے پہنچا دیں جو نہیں سُن رہے۔ اور مَیں لُدھیانہ والوں کو یہ پیغام دیکر بری الذمہ ہوتا ہوں اور اُن کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ انکار کرکے نقصان نہ اُٹھائیں۔ یہ عظیم الشان پیشگوئی غیر معمولی حالات میں پُوری ہو چکی ہے۔ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عمر اور غلبہ عطا کیا۔ پھر جیسا کہ نعمت اللہ صاحب ولیؒ کی پیشگوئی میں بھی چار پانچ سو سال قبل بتایا گیا تھا کہ

پسرش یادگار مے بینم

اور جیسا کہ پہلے انبیاء کی پیشگوئیوں میں بھی بتایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد دی اور پھر ایسا بیٹا عطا کیا جو اِن پیشگوئیوں کا مصداق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے نشانوں کے ساتھ کھڑا کیا۔ مَیں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کس رنگ میں اور کس طریق سے اپنے کام کو پُورا کرے گا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ کام ہو کر رہے گا۔ میرے ذریعہ یا مجھ سے دین سیکھنے والے کسی اَور کے ذریعہ اور جہاں آج دُنیا میں ہر طرف محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم کا انکار کرنے والے موجود ہیں، وہاں گھر گھر سے درُود کی آوازیں آئیں گی اور خدا تعالیٰ کا وعدہ پُورا ہو کر رہے گا۔" [۲]

چودھری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی مختصر تقریر

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کی اس ایمان افروز تقریر کے بعد آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے بعایت وقت حسب ذیل تقریر فرمائی:۔

" اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے یہ توفیق بخشی اور اس کے لئے مواقع بہم پہنچائے کہ دُنیا کے مختلف ممالک میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچا ہوا اور آپ کی تعلیم کو دکھ وہ حقیقی اسلام ہے اور

---

[۱] "الفضل" ۱۸ تبلیغ/فروری ۱۳۳۸ ہش / ۱۹۵۹ء صفحہ ۵ کالم ۱ تا ۴ ۔ [۲] "الفضل" ۱۸ تبلیغ/فروری ۱۳۳۸ ہش / ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۱ کالم ۱-۲

اسی کو پھیلانے کے لئے خدا تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا) پھیلے ہوئے دیکھا چین کے مغربی علاقہ میں جہاں آجکل چینیوں کی حکومت ہے، احمدیت کی اشاعت کو دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا۔ گو خدا تعالیٰ کے فضل سے وہاں احمدیت پھیلانے والا میں ہی تھا۔ وہاں ایک واقعہ پیش آیا۔ جب مجھے پہلی دفعہ اسلام پر تقریر کرنے کا موقعہ ملا تو ایک صاحب جو ہمارے ہی عملہ میں سے تھے اور احمدیت کے سخت مخالف تھے انہوں نے کہا کہ اگر اسلام یہ ہے اور یہی احمدیت ہے تو میں احمدیت میں داخل ہوتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے احمدیت قبول کر لی۔

دوسرا ملک جہاں میں اپنے احمدی دوستوں سے ملا وہ عراق ہے۔ وہاں مجھے احمدی مبلّغین کا کام دیکھنے کا موقع تو نہیں ملا مگر وہاں کے احمدی دوستوں سے ملا اور حالات سُنے۔ پھر مصر میں قاہرہ کے مقام پر دو دفعہ مصری اور شامی احمدی دوستوں سے ملا۔ اپنے احساسات پیش کئے اور اُن سے حالات سُنے۔

مغربی افریقہ کے مُلک نائیجیریا میں دو بار گیا۔ وہاں کے احمدی مبلّغ سے حالات سُنے، مشورہ بھی دیا۔ دوسری دفعہ جب میں گیا تو وہاں کے مرکزی شہر لیگوس میں مسجد احمدیہ کی تعمیر کے لئے سنگِ بنیاد رکھنے کا شرف مجھے دیا گیا۔ گولڈ کوسٹ میں احمدی مبلّغ سے ملنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا۔ میں گورنر کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا اور ہمارے مبلّغ علاقہ میں تھے۔ البتہ ٹیلیفون پر ان سے گفتگو کی اور اس میں تبلیغِ احمدیت کا ذکر آیا۔ جنوبی امریکہ میں برازیل اور گی آنا میں جہاں میں نے رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر دُرود بھیجنے والے لوگ دیکھے وہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دُرود بھیجنے والے بھی موجود تھے۔

۱۹۳۳ء اور پھر ۱۹۴۲ء میں مجھے شمالی امریکہ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ شکاگو میں میں نے احمدی مبلّغ کا کام بھی دیکھا۔ خود بھی تقریریں کیں۔ شکاگو اور دوسرے مقامات پر وہاں کے احمدی دوستوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ شکاگو میں احمدیہ مسجد ہے۔ وہاں امریکنوں کو تبلیغ بھی کی۔

انگلستان میں کئی بار خدا تعالیٰ نے احمدیت کی اشاعت کے دیکھنے کا موقعہ دیا۔ وہاں خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت کا کامیاب مشن ہے۔ مشن ہاؤس ہے۔ مسجد ہے۔ مجھے بھی جب میں وہاں جاتا ہوں کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ پولینڈ میں ۱۹۳۷ء میں احمدی مبلّغ سے ملاقات کی۔ وہاں کے حالات کا مشاہدہ کیا اور تقریر کی۔ ہنگری کے بوڈاپسٹ شہر میں اور اٹلی میں بھی اپنے مبلّغوں سے ملنے اور جن

لوگوں کو وہ اپنے ساتھ لائے اُن کو تبلیغ کرنے کا موقع ملا۔

اس لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے دُنیا کے چاروں براعظموں میں مَیں نے اپنی آنکھوں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے نام اور آپ کی تعلیم کو پھیلتے ہوئے دیکھا اور ان ممالک کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے پایا۔ جس کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ "[۱]

المصلح الموعودؓ کی آخری تقریر

حضرت چودھری صاحب کی اس مختصر مگر پُرمغز تقریر کے بعد مبلغینِ احمدیت کی مختلف ممالک میں تبلیغ احمدیت سے متعلق تقریریں ہوئیں جن کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے فرمایا:۔

"اب آپ لوگوں نے وہ حالات سُن لئے ہیں جو تبلیغِ اسلام کے متعلق میرے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے علم پاکر یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ خدا تعالیٰ آپ کی تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچائے گا۔ نیز ایک پیشگوئی یہ فرمائی تھی کہ وہ موعود لڑکا دُنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا اور اس طرح یہ دونوں پیشگوئیاں پُوری ہوئی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ بھی دُنیا کے کناروں تک پہنچی اور میرا نام بھی جو اس پیشگوئی کا مصداق ہوا دُنیا کے کناروں تک پھیلا۔ پھر آج جو بارش ہوئی ہے یہ بھی ایک پیشگوئی کو پُورا کرتی ہے جو اس موعود لڑکے کے بارہ میں ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہوشیارپور میں جو ہمارا جلسہ ہوا تو وہاں پیشگوئی کا یہ حصہ پُورا ہوا کہ "نُور آتا ہے نُور" ۲۰ر فروری ۱۹۴۴ء کو وہاں ہمارا جلسہ ہوا۔ اس سے کئی روز قبل بارش ہو رہی تھی۔ ۱۹ر فروری کو عشاء کے وقت مجھے بذریعہ فون اطلاع دی گئی کہ بارش ہو رہی ہے۔ مگر مَیں نے کہا کہ ہم انشاء اللہ پہنچ جائیں گے۔ ۲۰ر فروری کو اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ بارش بالکل بند رہی۔ اور خوب دھوپ نکل آئی۔ اور جب ہم وہاں سے آگئے تو پھر بارش ہونے لگی۔ گویا پہلے بھی بارش اور بعد میں بھی بارش اور بیچ میں دھوپ، اور اس طرح اس پیشگوئی کا یہ حصہ پُورا ہوا کہ "نُور آتا ہے نُور" آج کے جلسہ میں بھی اس موعود لڑکے کے متعلق پیشگوئی کا ایک دوسرا حصہ پُورا ہوا ہے۔ الہامِ الٰہی میں اس کے متعلق کہا گیا تھا کہ اِنَّآ اَرْسَلْنٰهُ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ

[۱] "الفضل" ۲۸ر امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۱ تا ۴۔

ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ یعنی اس کی مثال اس بارش کی سی ہو گی جس میں ظلمت اور گرج اور چمک ہو۔ یہ الہام ظاہری رنگ میں آج پُورا ہو گیا۔ آج بارش میں ہی ہم نے نماز پڑھی اور بارش ہی میں (مَیں) نے تقریر کی۔ ہمارے مخالف خوش ہوتے ہوں گے کہ بارش شروع ہو گئی ہے اور یہ اُن کے جلسہ کو روک دے گی۔ لیکن میرا دل اس بارش کو دیکھ کر خوشی سے لبریز ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور نشان پُورا ہو رہا ہے اور لُدھیانہ کے لوگ اس نشان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے جس کا اعلان یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں کیا گیا تھا۔

اب مَیں لُدھیانہ کے لوگوں کو اور ان لوگوں کو بھی جو باہر سے آئے ہوئے ہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ آسمان کی آواز ہے جو اللہ تعالیٰ نے بلند کی ہے۔ اِسے بند کرنا آسان نہیں۔ یہ جماعت شروع میں صرف چالیس افراد پر مشتمل تھی مگر اب خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے . . .

. . . . . اس سلسلہ کی تائید کے لئے خدا تعالیٰ کے فرشتے آسمان سے اُتریں گے اور روز بروز یہ سلسلہ پھیلتا چلا جائے گا اور رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ پیغام اُن ممالک تک جو آپ پر ایمان نہیں رکھتے ضرور پہنچے گا۔ اور جس طرح پہاڑوں سے دریا نکلتے ہیں اور پھر اُن سے نہریں نکلتی ہیں۔ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی نہریں میرے ذریعہ ساری دُنیا میں جاری ہوں گی۔ اسلام دُنیا میں جیتے گا اور ضرور جیت کر رہے گا۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم ان لوگوں کے دشمن ہیں جو ابھی تک ایمان نہیں لائے۔ ہم ان کے حقیقی خیر خواہ ہیں اور ان کی خیر خواہی سے مجبور ہو کر ہی اُن کو سمجھاتے ہیں۔ جس طرح ایک ماں جب دیکھتی ہے کہ اس کا بچہ کنوئیں میں گرنے لگا ہے تو وہ پُوری کوشش کر کے اُس کو بچاتی ہے۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کو ہلاکت سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب ہم اسلام کو سچا سمجھتے ہیں تو پھر ہم یہ بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ سچائی کو دُنیا میں پھیلائیں ہمارے مخالف اگر ایمان نہ بھی لائیں تو بھی اُن کو چاہیئے کہ ہماری خیر خواہی کے قائل ہوں اور اس بات کو مانیں کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اُن کی ہمدردی کے لئے کہتے ہیں اور کہتے چلے جائیں گے۔ چاہے وہ ہم کو کتنے دُکھ کیوں نہ دیں، کتنی تکالیف کیوں نہ پہنچائیں، خواہ وہ ہمیں آروں سے چیر دیں، خواہ شیروں کے آگے ڈالیں، پتھروں سے سنگسار کریں، پہاڑوں سے گرا کر ہلاک کریں، سمندر میں پھینک دیں۔ ہم خدا کا نام لے کر کھڑے ہوئے ہیں اور اپنی ذمہ واریوں کو ادا کرنے سے رہ نہیں

سکتے جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم یہ آواز بلند کرتے چلے جائینگے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہ تعلیم ضرور پھیل کر رہے گی اور زبردست سے زبردست قومیں بھی ہمارے رستہ میں اگر کھڑی ہوں گی تو وہ ناکام ہوں گی۔ بیشک ہمارے جسموں کو وہ مٹا سکتی ہیں مگر ہماری رُوحیں بلند ہوں گی اور یہ پیغام بند نہ ہوگا۔ پس بہتری اسی میں ہے کہ ہماری آواز کو سُنو۔ اپنی عاقبت کی بہتری کے لئے سُنو! اور اس آواز کو جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے بلند ہو رہی ہے۔ غور سے سُنو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔

اے خدا! مَیں تجھ سے دُعا کرتا ہوں کہ تو ان لوگوں کے دلوں کو کھول دے اور ساری دُنیا کے کانوں تک اس آواز کے پہنچنے کے سامان پیدا کر دے جس طرح ہم تیرے بندے ہیں اسی طرح وہ بھی ہیں جنہوں نے ابھی تیرے پیارے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانا تو اُن کو ہدایت دے اور سب کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر دے۔ دُنیا سے فساد، بدامنی، بیدینی، ظلم، فسق و فجور، ایک دوسرے کے مال کو کھانے اور آپس میں لڑنے کی رُوح کو دُنیا سے مٹا دے اور امن و آشتی کی رُوح پیدا کر دے۔

اب مَیں دُعا کرتا ہوں احباب دوست بھی دُعا کریں تا اللہ تعالیٰ دلوں کو کھول دے اور دُنیا کی بدحالی کو خوشحالی میں تبدیل کر دے۔"[1]

تقریر کے خاتمہ پر حضرت المصلح الموعود نے دُعا کرائی اور سات بجے شام کے قریب یہ مبارک جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ اور حضور معہ چند اصحاب کے اسی وقت بذریعہ کار قادیان کے لئے روانہ ہوگئے۔[2]

دیگر کوائف

اس جلسہ میں قادیان سے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چھوٹے بڑے قریباً تمام افراد نے شرکت فرمائی نیز حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ، حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ اور حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ اور بہت سے دوسرے عمر رسیدہ اور قدیم صحابی بھی شامل ہوئے۔ قادیان سے جانے والوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہوگی۔ پہلا قافلہ دو ریزرو بوگیوں اور عام گاڑی میں ۲۲ امان/مارچ

---

[1] "الفضل" ۱۸ تبلیغ/فروری ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء صفحہ ۱۱،۱۲ کالم ۲-۳-۴ اور ۱ تا ۴۔

[2] جناب سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آبادی کا بیان ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے مصلح موعود ہونے کے اعلان کے وقت پہلے قادیان میں اور بعد میں لدھیانہ اور لاہور میں جو گرم کوٹ زیب تن فرمایا تھا وہ حضور نے خاکسار کی درخواست پہ ازراہ ذرہ نوازی خاکسار کو مرحمت فرما دیا تھا۔ یہ کوٹ اب میں نے اپنے لڑکے محمد اکرم (ڈپٹی چیف انجنیئر۔ داؤدخیل) کو اس کے اصرار پر دے دیا ہے جو اس کے ہاں محفوظ ہے۔

کی شام کو اور دوسرا قافلہ ۲۳ امان / مارچ کی صبح کو قادیان سے روانہ ہوا پہلے قافلہ کے امیر سفر حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور دوسرے قافلہ کے حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ تھے۔ قافلہ میں شریک احباب آتے جاتے پورے التزام سے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے اور دعائیں مانگنے میں مصروف رہے[1]۔

جلسہ دہلی

مصلح موعود کے زندہ نشان کے اعلان اور اہل ہند پر اتمام حجت کرنے کے لئے چوتھا اور آخری جلسۂ عام ہندوستان کے دارالسلطنت ـــــ دہلی ـــــ میں ۱۶ / ماہ شہادت / اپریل ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو منعقد کیا گیا۔ جلسہ گاہ ہارڈنگ لائبریری کے متصل ملکہ کے باغ میں تھی۔ پنجاب، یوپی، نواح دہلی اور حیدرآباد دکن تک سے قریباً چار پانچ ہزار احمدی اس مقدس اجتماع میں شامل ہوئے[2]۔

جماعت احمدیہ دہلی نے بیرونی مہمانوں کے طعام و قیام کا انتظام احمدیہ فرنیچر ہاؤس کشمیری گیٹ کے وسیع احاطہ میں کر رکھا تھا[3]۔ بعض دوسرے احباب کے ہاں بھی مہمانوں کے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ مہمانوں کے استقبال کی ذمہ داری جناب میاں غلام محمد صاحب اختر کے سپرد تھی جن کے ساتھ تین نائب اور بیس معاون سرگرم عمل رہے۔ جماعت دہلی نے مستورات کو قیام گاہ تک پہنچانے کے لئے تانگوں کا انتظام کر رکھا تھا۔

جلسہ کا اعلان مختلف طریقوں سے کیا گیا۔ پچاس ہزار پوسٹر اور اشتہارات اردو، انگریزی اور ہندی میں شائع کئے گئے جو تقسیم کرنے کے علاوہ ٹریم گاڑیوں پر بھی چسپاں کر دیئے گئے۔ نیز دہلی کے قریباً تمام اخبارات میں بھی اعلان چھپے۔ اسی طرح لجنہ اماء اللہ نے بذریعہ اشتہار خواتین سے جلسہ میں شمولیت کی درخواست کی۔

جلسہ مصلح موعود کی خبر ملتے ہی دہلی میں اشتعال انگیز تقاریر اور اشتہارات کا ایک باقاعدہ سلسلہ جاری کر دیا گیا اور عوام کو ہر طرح سے مشتعل کر کے بہر صورت جلسہ درہم برہم کرنے کی تلقین کی گئی اور جگہ جگہ کھلے لفظوں میں اعلان کیا گیا کہ ہم خون کی ندیاں بہا دیں گے مگر قادیانیوں کا جلسہ نہیں ہونے دیں گے۔

ان حالات کے باوجود جماعت احمدیہ دہلی نے پوری دلجمعی اور استقلال سے جلسہ کی تیاریاں نہایت تیزی سے مکمل کر لیں جلسہ گاہ نہایت سلیقہ سے آراستہ کی گئی۔ داخلہ کے لئے بہت خوبصورت اور بڑا گیٹ نصب کیا جس کے دونوں طرف اسلامی نشان چاند اور ستارہ کے نیچے لکھا گیا کہ "خدا تعالیٰ کے ایک عظیم الشان نشان کے اعلان کیلئے جماعت احمدیہ دہلی کا جلسہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" زنانہ جلسہ گاہ علیحدہ بنائی گئی تھی۔ مردانہ جلسہ گاہ میں

---

[1] "الفضل" ۲۶ / امان / مارچ ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲-۳ ۔ [2] "الفضل" ۲۰ / اپریل / شہادت ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۶ ۔

[3] یہ جگہ ریلوے اسٹیشن دہلی کے دوسری طرف بالکل قریب ہی واقع تھی اور پیدل چلنے والے ریلوے کا پل (جو کاٹھ کا پل کہلاتا ہے) عبور کرنے کے بعد بآسانی دس منٹ میں پہنچ سکتے تھے۔

سٹیج کے دونوں طرف کرسیاں اور باقی جگہ پہ دریاں بچھائی گئیں

حضرت امیر المومنین کی دہلی میں آمد

امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ جلسہ میں شمولیت فرمانے کیلئے ۱۲ شہادت/اپریل کی صبح کو نو بجے فرنٹیر میل سے دہلی پہنچے۔ اسٹیشن پر ایک بہت بڑا مجمع حضور کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ دہلی کے امیر جماعت بابو نذیر احمد صاحب کی طرف سے ہدایت تھی کہ کوئی صاحب اس موقعہ پر مصافحہ نہ کریں اور اس ہدایت کی خود انہوں نے بھی پابندی کی۔ حضرت امیر المومنینؓ خدام کے بہت بڑے ہجوم میں اسٹیشن سے باہر تشریف لائے اور نئی دہلی کی کوٹھی ۱۹/۱۵ ونڈسر پلیس میں قیام فرما ہوئے۔ جہاں حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اپنی بیگم صاحبہ کے علاج کے لئے پہلے سے فروکش تھے۔ حضرت امیر المومنین چار بجے کے قریب جلسہ گاہ میں رونق افروز ہوئے۔ اور ظہر و عصر کی نمازیں قصر کرکے پڑھائیں۔ اس وقت تک ہر مذہب و ملت کے بہت سے لوگ جلسہ گاہ میں پہنچ چکے تھے۔[۵۱]

جلسہ کا آغاز

ٹھیک ساڑھے چار بجے جلسہ کی کارروائی کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے حسب سابق حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب سورۃ بنی اسرائیل کے نویں رکوع کی تلاوت کے لئے کھڑے ہوئے۔ ابھی آپ نے قرآن مجید کی تلاوت شروع ہی فرمائی تھی کہ ایک شورش پسند طبقہ نے جو جلسہ کو درہم برہم کرنے کی غرض سے آیا تھا اور بڑے دروازہ کے سامنے کھڑا تھا گالیاں دیتے اور شور مچاتے ہوئے مداخلت شروع کر دی۔[۵۲] جب ان لوگوں کو جلسہ گاہ سے باہر نکال دیا گیا تو سات آٹھ ہزار کا ایک بہت بڑا ہجوم جلسہ گاہ کے اردگرد جمع ہو گیا۔ عین اس وقت جب شور و غوغا بلند ہو رہا تھا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ہدایت فرمائی کہ ہماری جماعت کے سب دوست بیٹھ جائیں اور اگر کوئی باہر گئے ہوں تو واپس آجائیں خواہ اُن کو کوئی مارے اور پیٹے وہ کوئی جواب نہ دیں۔

اس کے بعد کچھ دیر تک پنڈال میں خاموشی طاری رہی۔ اس دوران میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ نے مصلح موعود کی پیشگوئی سے متعلق مختصر تقریر کی۔ پھر حضرت امیر المومنینؓ نے اپنی نہایت ایمان افروز تقریر شروع فرمائی جس پر شور و شر پیدا کرنے والے ہجوم کا ایک حصہ دوبارہ گالیاں دیتا اور شور کرتا ہوا سٹیج پر حملہ کرنے کی نیت سے آگے بڑھا۔ جسے احمدیوں نے روک دیا اور حضور کی تقریر جاری رہی۔ اس پر پنڈال سے باہر مشتعل ہجوم نے جلسہ گاہ پر مسلسل پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ اور پھر شور کرتا ہوا مستورات کی جلسہ گاہ کی طرف بڑھنے لگا۔ جسے روکنے کے لئے احمدی نوجوان قناتوں سے باہر صف باندھ کر

---

۵۱ "الفضل" ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵-۶۔

۵۲ اس ہنگامہ کی نسبت دہلی کے اخبار "انصاری" نے بیان دیا:-

"جونہی مرزا بشیر الدین محمود بولنے کے لئے کھڑے ہوئے بہت سے لوگوں نے انہیں بولنے سے روکا اور مختلف اقسام کے نعرے بلند کئے" بالفاظ دیگر کوئی فقرہ سُنے بغیر ہی شورش برپا کر دی گئی۔ مگر اصل حقیقت یہی تھی کہ فتنہ کی ابتدا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تقریر کے وقت نہیں بلکہ اس سے قبل تلاوت قرآن مجید کے شروع میں کی گئی تھی جس کے لئے کوئی وجہ جواز نہ تھی۔

کھڑے ہوگئے جس پر ہجوم نے جلسہ گاہ کے زنانہ حصّہ پر پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ اس عرصہ میں ہجوم اس قدر زیادہ ہو گیا کہ جلسہ گاہ چاروں طرف سے لوگوں سے گھر گئی۔ آخر جب یہ فتنہ پرداز گروہ خواتین کے مجمع کی طرف بڑھا اور سخت خطرہ پیدا ہو گیا کہ حملہ کر دے گا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کی حفاظت کے لئے ایک سو آدمی چلے جائیں باقی سب بیٹھے رہیں۔ اگر تم میں سے کوئی کمزور دل ہو تو وہ نہ جائے اس کی بجائے میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ اس پر ایک معمّر دوست ملک حسن محمد صاحب نے جوش سے کانپتے ہوئے عرض کیا۔ حضور جب تک ہم زندہ ہیں حضور کس طرح جا سکتے ہیں۔ دشمن جب ہماری ہڈیاں پیس کر رکھ دے تب حضور جا سکیں گے۔[۵۱]

حضرت امیر المومنینؓ کی ایمان افروز تقریر

اس موقعہ پر حضور نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ لوگ جو شور مچا رہے ہیں اور گالیاں دے رہے ہیں یہ بھی میری صداقت کی ایک دلیل پیش کر رہے ہیں۔ بھلا جھوٹ سے بھی کوئی ڈرتا ہے اور جھوٹ کبھی غالب آسکتا ہے؟ لوگ ڈرتے اسی سے ہیں جس کے متعلق سمجھتے ہیں کہ حقیقی طاقت اس کے پاس ہے اور وہ غالب آجائے گا ہم وہ باتیں سننے کے لئے تیار ہیں جو یہ لوگ تہذیب اور شرافت سے سنائیں۔ یہ ہماری باتیں سننے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ مگر میں ان مولویوں سے کہتا ہوں کہ وہ ہمارے ہاں قادیان میں آئیں اور ہمیں اپنی باتیں تہذیب کو مدّنظر رکھتے ہوئے سنائیں۔ ہم اُن کی باتیں سننے سے لوگوں کو منع نہیں کریں گے بلکہ انہیں جمع کر دیں گے۔ اور ان علماء کا سب خرچ بھی دیں گے۔"

اس کے بعد حضور نے ہنگامہ بپا کرنے والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

"اس شور و شر سے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ آپ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کے دلوں میں اسلام کا درد ہے اور آپ اپنے زعم میں ہمیں دشمنِ اسلام تصور کرتے ہوئے ہمارے مٹانے کے درپے ہیں۔ انسان نے بہرحال ایک دن مرنا ہے کوئی پہلے مر جائے گا اور کوئی پیچھے مریگا۔ اس لئے آؤ! میں ایک مفید اور صحیح طریق فیصلہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو بتا دے گا کہ ہم میں سے کونسا فریق اپنے دلوں میں اسلام سے سچی محبت اور اس کے لئے سچا درد رکھتا ہے اور اس سے تبلیغ اسلام کو بھی بہت بڑا فائدہ پہنچے گا۔ اور وہ طریق فیصلہ یہ ہے کہ آپ لوگ اپنی اپنی جماعت اور اپنے اپنے ہمخیال لوگوں میں سے اسلام کی اشاعت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے والے نوجوانوں اور تبلیغ دین کیلئے اپنی جائیدادیں اور اموال راہِ خدا میں دینے والے اشخاص کا مطالبہ کریں تا کہ اس ذریعہ سے بلادِ عربیہ اور اطراف و کناف

[۵۱] "الفضل" ۲۳ شہادت / اپریل ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۱

عالم میں تبلیغ اسلام ہو سکے۔ مَیں بھی اپنی چھوٹی اور غریب جماعت سے یہی مطالبہ کروں گا۔ اس کے نتیجہ سے دُنیا پر واضح ہو جائے گا کہ کن کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کا ہاتھ ہے اور کونسا فریق اسلام کا حقیقی خیر خواہ اور دلوں میں اس کا سچّا درد رکھتا ہے۔ میری تازہ تحریک پر جو مَیں نے اپنی جماعت میں ابھی حال ہی میں کی ہے اس وقت تک ڈیڑھ سَو اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان اپنی زندگیاں اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر چکے ہیں۔ اور ایک کروڑ روپیہ کی جائیداد اِس وقت تک وقف ہو چکی ہے۔ پس گالیاں دینے، اینٹ اور پتھر برسانے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ اگر آپ لوگ سچّے ہیں تو مَیں دعوت دیتا ہوں کہ میدان میں نکلیں اور اس طریقِ فیصلہ کو قبول کر کے اپنے دعویٰ کی صداقت کو ثابت کریں۔" [۵۱]

اس کے بعد حضور نے فرمایا:-

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی جس پیشگوئی کے پُورا ہونے کا ذکر میں اس وقت کرنا چاہتا ہوں اور جو مُصلح موعود کے متعلق ہے، اس میں ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی علوم سے پُر کیا جائے گا اور یہ ایسی واضح علامت ہے کہ اسے بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ میں جسے خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی کا مصداق قرار دیا ہے تمام علماء کو چیلنج دیتا ہوں کہ میرے مقابلہ میں قرآن کریم کے کسی مقام کی تفسیر لکھیں اور جتنے لوگوں سے اور جتنی تفسیروں سے چاہیں مدد لے لیں۔ مگر خدا کے فضل سے پھر بھی مجھے فتح حاصل ہوگی۔ [۵۲]

نیز فرمایا:- مَیں یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ بیشک ہزار عالم بیٹھ جائیں اور قرآن مجید کے کسی حصہ کی تفسیر میں میرا مقابلہ کریں۔ مگر دنیا تسلیم کرے گی کہ میری تفسیر ہی حقائق و معارف اور رُوحانیت کے لحاظ سے بےنظیر ہے۔ اس کے بعد فرمایا:-

"مَیں خدا سے خبر پا کر اعلان کرتا ہوں کہ وہ پیشگوئی جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں فرمایا تھا، پُوری ہو گئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے رویاء میں مجھے اطلاع دی کہ مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق مَیں ہی ہوں۔ مَیں اس خدائے واحد لاشریک لہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ یہ رؤیا جس کا ذکر مَیں نے کیا ہے۔ خدا نے مجھے بتایا ہے مَیں نے خود نہیں بنایا۔ اگر مَیں اس بیان میں سچّا ہوں اور آسمان و زمین کا خدا شاہد ہے کہ مَیں سچّا ہوں تو یاد رکھنا چاہیئے کہ آخر ایک دن میرے اور میرے شاگردوں کے ذریعہ

---

[۵۱] "الفضل" ۶ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۲۔ [۵۲] "الفضل" ۲۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

سے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ساری دُنیا پڑھے گی اور ایک دن آئے گا جب ساری دُنیا پر اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ شان کے ساتھ اسلام کی حکومت قائم ہو جائے گی جیسا کہ پہلی صدیوں میں ہوئی تھی۔"[1]

مبلغین کی تقریریں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی پُرمعارف تقریر قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی۔[2] جس کے بعد حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ قادیان نے اعلان کیا کہ اب اُن مبلّغین کی مختصر تقریریں پیش کی جائیں گی جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے عہد میں دُنیا کے کناروں تک اسلام کی تبلیغ کی۔ چنانچہ اس کے بعد بیرُونِ ہند کے مبلّغین نے اپنے اپنے مُلک کے تبلیغی حالات سُنائے۔

احمدیوں کی طرف سے صبر و تحمل کا مظاہرہ

اس دوران میں شور و شر برپا کرنے والے لوگ خواتین کی جلسہ گاہ سے ہٹ کر پچھلی طرف آ گئے۔ اور وہاں جو احمدی نوجوان پہرہ پر اس لئے کھڑے تھے کہ مُفسد لوگ جلسہ گاہ میں داخل ہو کر فساد نہ کر سکیں ان پر پتھر برسانا شروع کر دیئے۔ اس موقعہ پر فساد کرنیوالوں کی طرف سے بارش کی طرح پتھر برسائے گئے اور کئی ایک احمدی نوجوان سخت زخمی اور لہولُہان ہو گئے۔ جن میں حضور کے داماد میاں عبدالرحیم احمد صاحب بھی تھے جنہیں سخت چوٹیں آئیں۔ اور وہ بیہوش ہو کر گِر گئے۔ انہیں اُٹھانے اور سٹیج کی طرف لانے کے وقت فتنہ پردازوں نے اور زیادہ شدّت کے ساتھ سنگباری کی جس سے زخمیوں کی تعداد میں اور اضافہ ہو گیا۔ ان سب کو فوراً احمدی ڈاکٹروں کی طرف سے فرسٹ ایڈ بہم پہنچائی گئی اور زخموں پر ڈاکٹر صاحبان نے پٹیاں باندھ دیں۔ اس وقت ایک طرف تو زخمیوں کو پٹیاں باندھی جا رہی تھیں اور ان کے سروں اور چہروں سے بہتا ہوا خون دھویا جا رہا تھا اور دوسری طرف جلسہ کی کارروائی باقاعدہ جاری تھی اور احمدی مبلّغین بے گناہوں اور دین کے خادموں کا خون بہانے والوں کو یہ بتا رہے تھے کہ دُنیا کے کناروں تک خدا تعالےٰ کی وحدانیت قائم کرنے اسلام کی تعلیم پھیلانے اور رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بلند کرنے کے لئے وہ حضرت امیرالمومنینؓ کی ہدایت کے ماتحت کس قدر جد و جہد کر رہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ نے پھر تقریر فرمائی اور جلسہ دُعا پر ختم ہوا۔

فتنہ پردازوں نے پہلے ہی ستم توڑنے میں کوئی کمی نہ کی تھی لیکن اس وقت تو انہوں نے اُسے انتہا تک پہنچا دیا جب خواتین کو جلسہ گاہ سے گھروں کو بھیجا گیا۔ انہوں نے راستہ میں کھڑے ہو کر لاریوں پر حملے کئے۔

---

[1] رسالہ "فرقان" قادیان شمارہ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۹۹۔

[2] "الفضل" ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

مگر خدا تعالیٰ نے مستورات کو شریروں کی گزند سے ہر طرح محفوظ رکھا۔ البتہ ان احمدی نوجوانوں میں سے بعض کو سخت چوٹیں آئیں جو لاریوں کے ساتھ حفاظت کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ مگر باوجود ان لوگوں کی ان حرکات کے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے اُن کے لئے دُعا کی کہ خدا تعالیٰ ان کی آنکھیں کھولے اور انہیں حق کو دیکھنے اور ہدایت کو قبول کرنے کی توفیق بخشے"۔[۱]

دہلی کی بعض سعید رُوحیں احمدیت کی آغوش میں

اس جلسہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تین روز تک نئی دہلی میں تشریف فرما رہے۔ اس عرصہ میں غیر احمدی اور ہندو سکھ معززین کی ایک بڑی تعداد نیز ایک عرب صاحب نے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ حضور روزانہ بعد نماز مغرب رات کے گیارہ بجے تک احمدی و غیر احمدی احباب کے مختلف مذہبی و سیاسی سوالات کے جواب دیتے تھے۔[۲]

اس اثناء میں حسب ذیل احباب حضور کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے داخلِ احمدیت ہوئے۔

۱۔ محمد حسین صاحب (چیف انجنیئر آفس) نئی دہلی

۲۔ آفتاب احمد صاحب (چیف انجنیئر آفس) نئی دہلی

۳۔ فیاض بیگ صاحب دریا گنج دہلی (معہ اہلیہ صاحبہ و پسران و دختران)[۳]

سیدنا مصلح موعودؓ کی دُعا حضرت خواجہ میر دردؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ کے مزار پر

آخری روز یعنی ۲۰ شہادت/اپریل کو حضور تین بجے کے قریب پہلے حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے مرقد مبارک پر اور پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر دُعا کے لئے تشریف لے گئے اور کافی دیر تک دُعا فرماتے رہے۔ ان ایام میں دہلی کے اطراف و جوانب سے آنے والے احمدی دوست بھی حضور کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ الغرض حضور کے ایام انتہائی مصروفیت میں گذرے۔[۴] ازاں بعد حضور ۲۰ شہادت/اپریل کو گیارہ بجے شب دہلی سے روانہ ہوئے۔ اگلے روز ۲۱ شہادت/اپریل کو پونے بارہ بجے بخیریت قادیان تشریف لے آئے۔[۵]

جلسہ دہلی کے تفصیلی حالات سیدنا المصلح الموعودؓ کی زبانِ مبارک سے

سیدنا المصلح الموعودؓ نے قادیان پہنچتے ہی خطبہ جمعہ دیا جس میں اپنی زبان مبارک سے

---

[۱] "الفضل" ۲۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲۔ [۲] "الفضل" ۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۳۔ [۳] "الفضل" ۲۸ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ [۴] "الفضل" ۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۳۔ [۵] "الفضل" ۲۲ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

جلسہ دہلی کے مفصّل حالات پر روشنی ڈالی۔ چنانچہ فرمایا:-

"دہلی میں ہمارے جلسہ کے اعلان کے بعد کئی دن وہاں مختلف مقامات پر ایسے جلسے ہوتے رہے کہ احمدیوں کا یہ جلسہ نہ ہونے دیا جائے اور اشتہار بھی شائع کئے گئے بلکہ حکومت کو بھی توجہ دلائی گئی کہ چونکہ اس جلسہ میں ہمارے عقائد کے خلاف باتیں ہوں گی اس لئے اشتعال پیدا ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بہرحال وہ لوگ پہلے سے ہی ہمارے جلسہ کے خلاف جوش پیدا کر رہے تھے اور اسے خراب کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی نیت اور ارادہ سے مخالفین جلسہ میں آئے ۔ ۔ ۔ ۔ عزیزم مرزا ناصر احمد صاحب نے تلاوتِ قرآن کریم شروع کی تو ایک لفظ میں زبر کی جگہ زیر ان کے مُنہ سے نکل گئی۔ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کی بجائے قُرْاٰنِ الْفَجْرِ کہہ دیا۔ بس یہ الفاظ اُن کے مُنہ سے نکلنے تھے کہ یہ لوگ جو منتظر ہی تھے کہ شور وغیرہ کرنے کا کوئی موقعہ مل سکے فوراً کھڑے ہوگئے اور شور مچانے لگے کہ قرآن کریم غلط پڑھا جا رہا ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ ان کے مُنہ سے زبر کی بجائے زیر نکل گئی مگر اس پر اتنا شور مچانے کی تو کوئی وجہ نہ تھی۔ اتنا کافی تھا کہ ان میں سے کوئی صاحب کھڑے ہوتے اور کہہ دیتے کہ قاری صاحب قُرْاٰن کے لفظ پر زیر نہیں بلکہ زبر ہے تو ہم لوگ ان کے ممنون ہوتے۔ کیونکہ قرآن کریم کے پڑھنے میں اگر کوئی غلطی کرے تو اس کی اصلاح کر دینا ایک نیکی ہے۔ تمام عالَمِ اسلامی میں یہ طریق ہے کہ رمضان میں تراویح پڑھانے کے لئے جہاں حفّاظ مقرر کئے جاتے ہیں وہاں سامع بھی مقرر کئے جاتے ہیں تا اگر حافظ کوئی غلطی کر جائے تو اس کی اصلاح کی جا سکے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر جونہی عزیزم ناصر احمد صاحب کے مُنہ سے یہ لفظ نکلا یہ لوگ شور مچانے لگ گئے اور کسی طرح چُپ ہونے میں نہ آتے تھے۔ آخر چند نوجوان مجبور ہو گئے کہ ان کو جلسہ گاہ سے باہر نکال دیں۔ مگر ان کی بات سُننے کی بجائے ان شور مچانے والوں نے اُن پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑائی شروع ہو گئی۔ دوسری چیز یہ پیدا ہوئی کہ چونکہ اللہ تعالےٰ دہلی والوں کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ لاؤڈ سپیکر خراب ہو گیا۔ جب ہمارے بعض نوجوان ان لوگوں کو باہر نکالنے لگے اور ان شورش پسندوں نے اُن میں سے بعض کو مارنا شروع کر دیا اور ان کا جواب بھی بعض احمدیوں نے دینا شروع کر دیا تو مَیں نے کہنا شروع کیا کہ ان سے تعرّض نہ کرو۔ واپس آ جاؤ۔ اور اگر مار پڑے تو برداشت کرو۔ اور مَیں حیران تھا کہ میری تاکید کے باوجود احمدی واپس کیوں نہیں آ رہے۔ اس پر ایک شخص نے بتایا کہ لاؤڈ سپیکر خراب ہو گیا ہے اور آپ کی آواز ان لوگوں تک نہیں پہنچ رہی۔ تب

مَیں نے آدمی مقرر کئے کہ میری آواز کو دُہراتے جائیں۔ پھر کہیں جاکر دوستوں کو میری ہدایات کا علم ہوا۔ اور وہ واپس آئے۔ تو یہ دوسرا ذریعہ ہوگیا اس فتنہ کو بڑھانے کا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے نہایت ہی ناروا اور نامناسب طریق اختیار کیا اور ایسی گندی گالیاں دیں کہ جنہیں انسان برداشت نہیں کرسکتا۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان تھا کہ اس نے احمدیوں کو اُن کے برداشت کرنے کی توفیق دی۔ مَیں جب جلسہ گاہ میں داخل ہوا تو ایک آدمی سٹیج کے پاس ہی کھڑا تھا۔ مَیں جب اس کے پاس سے گذرا تو اس نے زور سے کہا۔ لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَے الْکَاذِبِیْنَ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کاذب ہو اور تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ مگر ایک احمدی نے زور سے کہا۔ آمین۔

پس ان لوگوں کا شروع سے ہی طریق اشتعال انگیز تھا۔ ہم نے پہلے جلسہ گاہ میں نماز پڑھی۔ پھر قرآن کریم کی تلاوت شروع ہوئی۔ مگر ان سب باتوں سے بھی پہلے سے یہ لوگ آوازے کس رہے تھے۔ اس جھگڑے کے بعد ان لوگوں نے سارے شہر میں یہ اعلان کیا کہ احمدیوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے اور لوگوں کو وہاں چلنا چاہیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف سے لوگ اکٹھے ہوگئے اور سات آٹھ ہزار کی تعداد میں جلسہ گاہ کے ارد گرد جمع ہوگئے۔ لاؤڈ سپیکر تو خراب ہی تھا۔ اس لئے ان لوگوں کا شور و شر جلسہ کی کارروائی کو خراب کر رہا تھا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کا ایسا فضل ہوا کہ میری تقریر کے دوران میں وہ کوئی ایسی بات نہ کر سکے کہ تقریر رُک جائے۔ لیکن جب مبلّغین نے تقریریں شروع کیں اور انہوں نے سمجھا کہ شاید اب ہماری تعداد اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ ہم حملہ کر سکتے ہیں تو انہوں نے اَور بھی زور سے نعرے لگانا اور آگے بڑھنا شروع کیا۔ پولیس نے ان کو روکا مگر وہ رُکے نہیں۔ اتنے میں مجھے ہاؤں ہاؤں کی آوازیں زور سے آنی شروع ہوئیں اور مَیں نے کھڑے ہوکر دیکھا تو سینکڑوں لوگوں کا ایک گروہ عورتوں کی جلسہ گاہ کی طرف حملہ کرنے کے لئے بھاگا جا رہا تھا۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جسے کوئی شریف قوم برداشت نہیں کر سکتی۔ پولیس بھی اُن کو روکنے کے لئے دوڑی وہ لوگ پولیس کے پہلو بہ پہلو دوڑ رہے تھے مگر پہلے وہاں پہنچ گئے۔ زنانہ جلسہ گاہ کے ارد گرد دو قناتیں تھیں ایک قنات کے اندر صحن تھا اور پھر آگے جاکر دوسری قنات تھی اور اس کے اندر عورتیں بیٹھی تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جلسہ گاہ کا ایسا خطرناک انجام ہوتا کہ ممکن ہے بہت زیادہ خون خرابہ ہو جاتا۔ ان لوگوں نے پہلی قناتوں کو پھاڑ دیا اور گرا دیا۔ اتنے میں پولیس بھی پہنچ گئی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ باہر کے پردہ کے اندر جب انہوں نے دیکھا کہ عورتیں نہیں ہیں تو غالباً یہ سمجھا کہ یہاں سے چلی گئی ہیں اور اگلی قناتوں تک وہ نہ گئے۔

اور اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس بڑے خطرہ سے ہمیں بچا لیا۔ ورنہ اگر عورتوں کی بے حرمتی تک نوبت پہنچتی تو پھر کوئی شریف آدمی صبر سے کام نہ لے سکتا تھا۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو جاتا تو دہلی وہ نظارہ دیکھتی جو اس نے گذشتہ اسی سال میں نہیں دیکھا۔ جب انہوں نے عورتوں پر حملہ کا ارادہ کیا تو میں نے حکم دیا کہ ایک سو مضبوط نوجوان جاکر عورتوں کی جلسہ گاہ کے باہر کھڑے ہو کر پہرہ دیں۔ عورتوں کا احترام نہایت ضروری اور لابدی ہے۔ اس لئے وہی کھڑا ہو جو مرنا جانتا ہے۔ بلکہ میں نے یہانتک کہا کہ اگر تم میں سے کوئی مرنا نہیں جانتا تو وہ ہرگز نہ جائے۔ وہ واپس آجائے اس کی جگہ میں خود جانے کو تیار ہوں کیونکہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے مرنا جانتا ہوں۔ اس وقت جو غیر مسلم اور غیر احمدی خواتین وہاں تھیں اُن کے رشتہ داروں نے کہلا بھیجا کہ ہمیں اپنی مستورات کی نسبت بہت گھبراہٹ ہے۔ خطرہ بہت ہے کوئی انتظام کیا جائے۔ اس پر میں نے ان کی تسلّی کے لئے اعلان کیا کہ آپ فکر نہ کریں۔ اپنی عورتوں سے پہلے ہم آپ کی عورتوں کی حفاظت کریں گے۔ چنانچہ وہ اس امر کے شاہد ہیں کہ ہم نے وہ وعدہ پُورا کر دیا۔ بعض غیر احمدی مستورات کے ساتھ میری بیٹیاں گئیں اور اُن کو گھر پہنچا کر پھر اپنے گھر آئیں۔

جب وہ ہجوم وہاں سے ہٹا تو پھر مختلف جہات سے سنگباری شروع ہو گئی اور وہ لوگ آگے بڑھنے لگے حتیٰ کہ ایک دفعہ اتنے قریب آگئے کہ سٹیج کے پاس پتھر پڑنے لگے۔ یہ وہی موقع تھا جب میرے داماد میاں عبدالرحیم احمد صاحب کے سر پر چوٹ آئی۔ بعد میں ایکسرے سے معلوم ہوا ہے کہ اُن کے سر کی ہڈیاں تین جگہ سے ٹوٹ چکی ہیں اور حالت خطرناک ہے۔ اسی طرح اَور بھی بہت سے احمدی زخمی ہوئے۔ پہلے تو خیال تھا کہ زخمیوں کی تعداد ۲۴-۲۵ ہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ چالیس کے قریب ہے۔ ان میں سے بعض کی ضربات شدید ہیں جیسے میاں عبدالرحیم احمد صاحب کی۔ اور میاں فضل کریم صاحب پراچہ کی۔ اُن کے ہاتھ کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔اے۔ ایل ایل بی واقفِ تحریکِ جدید کے بھی سخت چوٹ آئی ہے۔ اور شبہ ہے کہ اُن کی آنکھ کے پاس کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اب تک وہ سر نہیں اُٹھا سکتے۔ مگر میں اس تمام عرصہ میں متواتر اپنے تمام آدمیوں کو یہ نصیحت کر رہا تھا کہ اپنی جگہ پہ بیٹھے رہیں۔ ماریں کھائیں مگر جواب نہ دیں۔ اور اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ دشمن کی جو غرض تھی کہ جلسہ نہ ہو اور میں تقریر نہ کر سکوں، وہ پُوری نہ ہو سکی۔ اور ہم نے دُعا اور تقریر کے بعد جلسہ ختم کیا۔

جب خطرہ بڑھا تو ہم نے فیصلہ کیا کہ عورتوں کو وہاں سے پہرہ کے اندر محفوظ مقامات پر پہنچا دیا جائے پہلے

غیر مسلم اور غیر احمدی خواتین کو پہنچائیں اور پھر احمدی خواتین کو۔ اس کے لئے لاریاں منگوائی گئیں اور جس جس جگہ کو عورتوں نے اپنے لئے محفوظ سمجھا وہاں اُن کو پہنچا دیا گیا۔ مثلاً سکھ عورتوں نے کہا ہمیں گوردوارہ میں پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ اُن کو گوردوارہ میں پہنچا دیا گیا۔ اور عورتوں کو محفوظ مقامات پر پہنچانے کی وجہ سے ایک لمبے عرصہ تک ہمیں جلسگاہ میں انتظار کرنا پڑا۔ مگر ان لوگوں کی شرافت کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اُن لاریوں پر بھی حملہ کیا جو عورتوں کو لے جا رہی تھیں۔ چنانچہ ایک لاری جس میں عورتیں تھیں انہوں نے اس کے آگے لاٹھیاں وغیرہ رکھ کر روک لی۔ مگر مَیں چونکہ جانتا تھا کہ یہ لوگ ایسے اخلاق کے مالک ہیں۔ اس لئے مَیں نے ہر لاری کے ساتھ محافظ بھجوانے کا حکم دیا تھا۔ جب لاری رُک گئی تو انہوں نے بے تحاشا پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ ان حملوں میں بھی ہمارے بعض نوجوان زخمی ہوئے۔ اور بعض تو جب واپس آئے تو سر سے پاؤں تک خون میں نہائے ہوئے تھے۔ مگر اس موقعہ پر بھی اللہ تعالیٰ نے دشمن کو یہ بتا دیا کہ گو احمدی صبر کرتے ہیں مگر جب اُن پر خواہ مخواہ حملہ کیا جائے خصوصاً جب عورتوں کی حفاظت کا سوال ہو تو وہ ڈرتے نہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک ہندو ورکر نے ڈاکٹر لطیف صاحب کو سُنایا کہ مَیں سڑک پر جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک لاری آتی دیکھی جس میں عورتیں تھیں۔ کئی سَو آدمیوں کا ایک ہجوم آگے بڑھا اور لاری کو روک لیا۔ لاری کے ساتھ چند ایک نوجوان تھے۔ جب ہجوم نے لاری کو روکا تو مَیں نے خیال کیا کہ اب ان عورتوں کی خیر نہیں۔ ہجوم نے پتھر برسانے شروع کئے۔ مگر میرے دیکھتے دیکھتے پانچ سات نوجوان آگے آئے اور انہوں نے سینکڑوں لوگوں کا مقابلہ کیا۔ مَیں یہ دیکھ کر حیران تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ نوجوان مارے جائیں گے۔ مگر ابھی دو تین منٹ بھی نہ گذرے تھے کہ مَیں نے دیکھا وہ ہجوم بھیڑوں بکریوں کی طرح بے تحاشا بھاگا جا رہا تھا اور لاری اور اُس کے محافظ سائیکلسٹ آرام سے اپنی منزلِ مقصود کی طرف جا رہے تھے۔

بات یہ ہے کہ ہم امن کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں اور گورنمنٹ کا کام اپنے ہاتھ میں لینا نہیں چاہتے ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ انبیاء کی جماعتیں جہاں صبر کرنا جانتی ہیں وہاں مرنا بھی جانتی ہیں۔ اور جو قوم مرنے کے لئے تیار ہو اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔ مَیں خدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہہ سکتا ہوں کہ یہ سات آٹھ ہزار آدمی نہیں اگر دہلی کے تمام لوگ بھی ہم پر حملہ کرتے تو بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم اُن کو بھگا دیتے۔ مگر ہم نے پولیس کے کام میں دخل دینا پسند نہ کیا۔ جب عورتوں کی لاریوں پر انہوں نے

حملہ کیا تو وہاں احمدیوں نے مقابلہ کیا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے چند آدمی سینکڑوں کو بھگا کر لے گئے۔ غیر مسلم اور غیر احمدی خواتین کو خطرہ کا بہت احساس تھا۔ بعض تو گھبراہٹ میں کانپنے لگیں۔ مگر اُس وقت احمدی عورتوں نے بھی بہادری دکھائی اور ان کے ارد گرد قطار باندھ کر کھڑی ہو گئیں اور کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ اگر کوئی اندر آیا بھی تو ہم مقابلہ کریں گی۔

حکومتِ ہند کے ایک سیکرٹری صاحب کی اہلیہ صاحبہ بھی جلسہ میں تھیں۔ اُن کو جب موٹر میں بٹھایا گیا تو اُن کے ایک طرف میری لڑکی بیٹھ گئی اور دوسری طرف ایک اور غیر احمدی خاتون جو بہادر دل کی تھیں تا اگر باہر سے پتھر وغیرہ آئیں تو ان کو نہ لگیں اور اس طرح موٹر میں بٹھا کر اُن کو گھر پہنچایا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس موقعہ پر عورتوں نے بھی ثابت کر دیا کہ اگر موقعہ آئے تو وہ جان دینے سے دریغ نہیں کرتیں۔ بہرحال رات تک یہ شور و شر ہوتا رہا۔ آخر جب عورتیں چلی گئیں۔ تب مَیں نے افسروں سے کہلا بھیجا کہ اب ہم نے جانا ہے کیا آپ لوگ ہمارے لئے رستہ بنا دیں گے یا ہم خود بنا لیں؟ اُنہوں نے کہا کہ ہم خود آپ لوگوں کو بحفاظت پہنچائیں گے چنانچہ پولیس گارد ہمارے آدمیوں کے آگے پیچھے ہو کر انہیں محفوظ جگہ پہنچا آئی۔ . . . "

جلسہ کی کامیابی سے متعلق تین آسمانی بشارتیں

سیدنا المصلح الموعودؓ نے مندرجہ بالا واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ "ابھی اس شورش اور مخالفت کا کوئی وجود بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے راحت اور ایمان میں ترقی کا سامان مہیا فرما دیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "رؤیا میں دیکھا کہ دہلی گئے ہیں اور بخیریت واپس آئے ہیں" پھر الہاماً یہ الفاظ زبان پر جاری ہوئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَوْصَلَنِیْ صَحِیْحًا" (تذکرہ صفحہ ۵۳۶) یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو فساد اور دشمن کے حملے سے صحیح وسالم بچا کر واپس لے آیا۔ اس الہام کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام دہلی تشریف لے ہی نہیں گئے آخری سفر جو آپ نے دہلی کی طرف کیا وہ ۱۹۰۵ء کا ہے۔ تو یہ ایک پیشگوئی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کا مثیل دہلی جائے گا۔ لوگ اس پر پتھراؤ کریں گے یہ جو سنگباری کی گئی، یہ دراصل مجھ پر تھی جسے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کی مسند پر بٹھایا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ آپ کو یعنی آپ کے مظہر کو صحیح وسالم واپس قادیان لے آئیگا۔ پس جو کچھ ہوا اس میں اس لحاظ سے بھی ہماری فتح اور کامیابی ہے۔ سلسلہ کی صداقت کا ایک ثبوت ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مامور من اللہ اور خدا تعالیٰ کا پیارا ہونے کا ایک ثبوت ہے۔ ہر پتھر جو وہ لوگ ہم پر مار رہے تھے وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَوْصَلَنِیْ صَحِیْحًا کی صداقت کی گواہی دے رہا تھا اور ہر پتھر شاہد تھا اس امر کا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے اور خدا تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوتا تھا۔ یہ جو کہا گیا کہ مجھے صحیح وسالم واپس پہنچا دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض دوسروں کو نقصان پہنچے گا۔ مگر ان لوگوں کی اصل غرض تو مجھے نقصان پہنچانا تھی۔ لیکن جہاں سیالکوٹ کے پتھراؤ میں تین پتھر مجھے بھی آ لگے وہاں دہلی میں خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے ایک بھی نہیں لگا۔

غرض یہ ایک پیشگوئی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک مثیل دہلی جائیگا اور دشمن اس کو ضرر پہنچانے

کی پُوری کوشش کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اُسے بخیر و عافیت قادیان پہنچا دے گا۔ اور یہ پیشگوئی قریباً ۳۷ سال کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے پوری ہوئی۔ ہر انصاف پسند کو سوچنا چاہیئے کہ کیا ۳۷ سال قبل ایسی بات بیان کر دینا جو اپنے وقت پر صحیح ثابت ہو کسی انسان کی طاقت میں ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے بھی قابلِ غور بات ہے جو پیغامی کہلاتے ہیں۔ وہ بتائیں کہ اس پیشگوئی کے مطابق کون ہے جو دہلی گیا۔ مخالفین نے اُسے ضرر پہنچانے کی پُوری کوشش کی اور اللہ تعالیٰ اُسے صحیح و سالم واپس قادیان لے آیا۔

یہ لوگ تو اب قادیان آتے ہی نہیں۔ بلکہ بہشتی مقبرہ کے لئے جو وصیتیں کر رکھی تھیں وہ بھی منسوخ کرالیں اُن میں سے اگر کوئی قادیان آئے تو اُس کی نگرانی کرتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ دیکھا کہ دہلی گئے اور خیریت سے واپس آ گئے ہیں۔ اور یہ رؤیا بتاتا ہے کہ قادیان میں ہی ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مثیل ہوں گے اور جن کا دہلی جانا اور بہ سلامت واپس پہنچنا خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جانا اور صحیح و سالم واپس پہنچنا ہوگا۔

پھر رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْمُؤْمِنُ یَرٰی اَوْ یُرٰی لَہٗ۔ جس روز مَیں نے دہلی جانا تھا، اسی روز یا اس سے ایک روز قبل خلیفہ صلاح الدین صاحب کا خط مجھے دہلی سے ملا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ قادیان سے خبر آئی ہے کہ خلیفۃ المسیح نگینہ سے بخیریت واپس قادیان پہنچ گئے ہیں۔ نگینہ انگوٹھی کے مرکز میں ہوتا ہے اور دہلی ہندوستان کا مرکزی شہر ہے۔ دہلی کو ہندوستان میں وہی حیثیت حاصل ہے جو نگینہ کو انگوٹھی میں۔ گویا اس خواب میں بتا دیا گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو رؤیا ۱۳ جنوری ۱۹۰۶ء کو دیکھا تھا وہ اسی سفر کے متعلق تھا۔ وہی بات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۳۷ سال قبل دکھائی گئی تھی جلسہ سے چند روز قبل آپ کے ایک مُرید کو دکھائی گئی۔ یہ گویا ایک اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ اس پیشگوئی کے پُورا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ تو ہمارے لئے ہر حال میں خوشی ہی خوشی ہے۔ ؎

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند ✦ زیرِ آں گنجِ کرم بنہادہ اند

اسی طرح اس فساد کے ذریعہ سے میرا ایک الہام بھی پورا ہوا جو دہلی کے جلسے سے چند دن پہلے ہوا تھا۔ جو یہ ہے یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ۔ خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر۔ اس الہام میں خبر دی گئی تھی کہ جلسہ کے فساد کے موقعہ پر چند احمدی سینکڑوں پر بھاری ثابت ہوں گے اور ہر جگہ ان کو فتح نصیب ہوگی فالحمد للہ علیٰ ذالک "[1]

[1] "الفضل" ۳ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ تا ۵ ✦

فصل پنجم

مجلسِ علم و عرفان کا آغاز ـــــ مسجد مبارک کی توسیع

ـــــ اور ـــــ

غلبۂ اسلام کیلئے چالیس روزہ دعا کا سلسلۂ خاص

مجلسِ علم و عرفان دعویٰ مصلح موعود کے بعد جماعت احمدیہ پر جن بے شمار آسمانی برکات و انوار کا نزول ہوا اُن میں سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی مجلسِ علم و عرفان کو ایک نمایاں اور امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔

یہ مجلس دینی حقائق اور قرآنی معارف کی ایک بیمثال درسگاہ تھی جو قادیان[1] میں ماہ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء سے شروع ہوئی اور (وقفہ وقفہ کے ساتھ) ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء تک جاری رہی۔ اس مجلس کا پس منظر خود سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ نے ۹ امان ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو بعد نماز عصر مسجد مبارک میں بیان فرمایا جو حضور ہی کے الفاظ میں درج کیا جاتا ہے۔ فرمایا:-

"جب خدا تعالیٰ نے مجھے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اب اسلام کے غلبہ کا وقت آپہنچا ہے تو وہ مختلف پہلو میرے ذہن میں آنے شروع ہوئے جو اس غلبہ کے لئے ضروری ہیں وہ بیسیوں پہلو ہیں اور کسی ایک خطبہ یا تقریر میں ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ میرا ارادہ ہے کہ لاہور یا لدھیانہ کے جلسہ کے بعد روزانہ مغرب اور عشاء کے درمیان مسجد میں بیٹھا کروں اور دوستوں کو اُن باتوں میں سے کچھ نہ کچھ سُنایا کروں تاکہ وہ آگے کی طرف قدم بڑھا سکیں"[2]

اس موقعہ پر حضور پر نور نے احباب قادیان کو خاص طور پر تحریک فرمائی کہ وہ کم از کم ایک نماز مسجد مبارک میں

---

[1] قبل ازیں سیدنا المصلح الموعودؓ اپنے زمانہ قیام لاہور میں بھی نماز مغرب کے بعد مجلس میں تشریف فرما ہوتے اور اہم ارشادات فرماتے تھے حضور کا منشاء مبارک تھا کہ اس دوران کے ملفوظات "تفہیمات لاہوریہ" کے نام سے خود جماعت لاہور شائع کرے اور اپنی قومی اور انفرادی زندگی اس کے مطابق استوار کرنے کیلئے دیوانہ وار سرگرم عمل ہو جائے۔ ("الفضل" ۱۶ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء)

[2] "الفضل" ۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۰

ضرور ادا کیا کریں۔[۱] حضور کے اس ارشادِ مبارک کے بعد مسجد مبارک میں نماز ادا کرنے والوں کا غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ خصوصاً نماز مغرب کے وقت تو نمازیوں کی خوب چہل پہل اور رونق ہونے لگی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نماز مغرب کے بعد رونق افروز ہوتے اور جماعت کے سامنے ایسے ایمان افروز رنگ میں مذہبی، اخلاقی اور رُوحانی مسائل پر روشنی ڈالتے کہ رُوح وجد کرتی اور قلب و دماغ معطّر ہو جاتے۔ اس ضمن میں حضور وہ تربیتی اور اخلاقی امور خاص طور پر بیان فرماتے جو غلبۂ اسلام کو قریب تر لانے کے لئے ضروری تھے۔

شروع شروع میں حضور مسجد مبارک کے محراب ہی میں تشریف فرما ہوتے اور اپنے قیمتی ارشادات سے نوازتے تھے مگر ۸/امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ نے عرض کیا کہ حضور لوگ زیارت کے بھی خواہش مند ہوتے ہیں اس لئے اگر اجازت ہو تو یہاں محراب میں کوئی اُونچی سی جگہ بنا دی جائے۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا:-

"ایک بینچ بنوا لیا جائے تاکہ اس پر مَیں بھی بیٹھ جاؤں اور کچھ اَور آدمی بھی بیٹھ جائیں" [۲]

چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں دیار (عمارتی لکڑی) کی سات مسندیں سی بنوائی گئیں اور ساتھ ہی ایک چھوٹا سا گدیلا بھی[۳]! یہ مسندیں بوقت ضرورت نماز مغرب کے بعد مسجد مبارک کے نچلے یا بالائی محراب کے سامنے بچھا دی جاتی تھیں۔ وسطی مسند پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ تشریف فرما ہوتے اور دائیں بائیں حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ، حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحبؓ یا بعض اور احباب[۴]!! اس طرح مشتاقانِ زیارت کو اپنے محبوب آقا کے دیدارِ عام کا شرف بھی نصیب ہونے لگا۔ تاہم ابھی ایک ضرورت باقی تھی یعنی آلۂ نشر الصوت کا انتظام۔ سو یہ اہم ضرورت سلسلہ کے ایک نہایت مخلص، ایثار پیشہ اور مخیر دوست سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی (آف کلکتہ) نے پُوری کر دی اور ۱۶/احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء سے مجلس علم و عرفان میں لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام ہو گیا[۵] جس پر حضور نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے دُعا فرمائی کہ

"جس طرح انہوں نے ہماری آواز لوگوں تک پہنچانے کا انتظام کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بھی توفیق دے کہ وہ خدا تعالیٰ کی آواز سُن کر اس پر مزید عمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں"

---

[۱] "الفضل" ۹/شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ ÷ [۲] "الفضل" ۹/شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۱ ÷

[۳] جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے نے "اصحاب احمد" جلد پنجم حصہ سوم حاشیہ صفحہ ۱۲۶ میں ذکر کیا ہے یہ سب مسندیں اور گدیلا مسجد مبارک قادیان میں اب تک محفوظ ہے اور قریشی فضل حق صاحب درویش مؤذن کی تحویل میں ہیں۔ محترم ملک صاحب نے اپنی اس کتاب میں ان کے معیّن طول و عرض کے ساتھ ایک مفصّل خاکہ بھی درج کیا ہے ÷ [۴] ان چوکیوں پر بزرگوں کے علاوہ بعض دفعہ مہمان بھی بیٹھ جاتے تھے۔ چنانچہ ۷/ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کا واقعہ ہے کہ بعض سکھ اور ہندو دوست مجلس میں حاضر ہوئے جس پر حضور نے نوجوانوں سے ارشاد فرمایا کہ وہ آنے والے مہمانوں کو جگہ دیں۔ چنانچہ نوجوان اُٹھ گئے اور ان کی بجائے چوکیوں پر یہ غیر مسلم اصحاب بیٹھ گئے ("الفضل" ۱۲/ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۳)÷ [۵] "الفضل" 19/احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۱ ÷

اس پاکیزہ اور خدا نما مجلس سے سیدنا المسیح الموعودؑ کے دربارِ شام کی یاد اکثر تازہ ہو جاتی تھی اور اس میں نہ صرف احمدی دوست ہی نہایت بیتابی اور ذوق و شوق سے حاضر ہوتے تھے بلکہ غیر احمدی حتٰی کہ غیر مسلم بھی آتے اور استفادہ کرتے تھے۔

حضور کا معمول مبارک تھا کہ اکثر ہوقادت خود ہی بعض اہم موضوعات پر خطاب شروع فرما دیتے۔ مگر گاہے گاہے مجلس میں پیش ہونے والے بعض اہم اور ضروری سوالات پر بھی اطمینان بخش روشنی ڈالتے تھے۔ ان ہر دو صورتوں میں حضور نے اپنی زبان مبارک سے جو قیمتی نکات بیان فرمائے وہ جماعت احمدیہ کے علم کلام اور دستور العمل کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے مجلس علم و عرفان میں جن جن مسائل و حقائق پر روشنی ڈالی ان کا شمار کرنا تو مشکل ہے البتہ بطور نمونہ صرف پانچ نکاتِ معرفت کا تذکرہ کیا جاتا ہے تا موجودہ اور آئندہ نسلیں اس رُوحانی محفل سے کسی قدر لُطف اندوز ہو سکیں۔

پہلا نکتہ | ۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے کہ ایک دوست نے مختلف سوالات کئے جن میں ایک یہ سوال بھی تھا کہ کیا خلیفہ راشد کی موجودگی میں کوئی الگ مجدّد بھی آسکتا ہے؟ اس استفسار کے جواب میں سیدنا المصلح الموعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ

"خلیفہ تو خود مجدّد سے بڑا ہوتا ہے اور اس کا کام ہی احکام شریعت کو نافذ کرنا اور دین کو قائم کرنا ہوتا ہے۔ پھر اس کی موجودگی میں مجدّد کس طرح آسکتا ہے؟ مجدّد تو اس وقت آیا کرتا ہے جب دین میں بگاڑ پیدا ہو جائے" ؎۱

دوسرا نکتہ | ایک شخص نے مجلس میں عرض کیا کہ سجدہ میں قرآنی دُعاؤں کا پڑھنا کیوں ناجائز ہے جبکہ سجدہ انتہائی تذلّل کا مقام ہے؟ اس کے جواب میں حضور نے فرمایا:-

"سجدہ بیشک تذلّل کا مقام ہے مگر قرآن عزّت کی چیز ہے۔ اس کی دُعائیں سجدہ کی حالت میں نہیں پڑھنی چاہئیں۔ دُعا انسان کو نیچے کی طرف لے جاتی ہے اور قرآن انسان کو اُوپر کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لئے قرآنی دُعاؤں کا سجدہ کی حالت میں مانگنا ناجائز ہے" ؎۲

تیسرا نکتہ | ایک بار آیت لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی لطیف تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:-

"اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کی برتری جزئیات کے لحاظ سے بھی ہمیشہ کے لئے ظاہر ہو جائے گی۔ یہ نہیں ہوگا کہ کہا جائے اسلام میں چونکہ توحید کا بیان ہے اور فلاں

؎۱ "الفضل" ۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۴ ؎۲ "الفضل" ۱۶ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۳

فلاں مذہب شرک کی تعلیم دیتے ہیں اس لئے اسلام افضل ہے۔ یا صرف رسالت کے لحاظ سے اسلامی تعلیم کو افضل ثابت نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جزئیات کا ذکر کر کے اُن کے لحاظ سے بھی اسلام کو سب پر غالب کیا جائے گا۔ گویا اقتصادی، تمدّنی، سیاسی جس قدر احکام ہیں ان تمام میں اسلام کا کفر سے ٹکراؤ ہوگا اور پھر اسلام کو فتح حاصل ہوگی۔ یہ حکمت ہے کہ اس آیت میں دِین کو مفرد رکھ کر اس کی طرف کُلِّہٖ کی ضمیر پھیری گئی ہے۔ اگر اسلام کے مخالف دِین کے سب حصّے مراد نہ ہوتے بلکہ سب دین بحیثیت اجمالی دین کے مراد ہوتے . . . . . تو عَلَی الْاَدْیَانِ کُلِّھَا آتا" [۱]

چوتھا نکتہ عرض کیا گیا کہ رؤیا وکشوف میں اللہ تعالےٰ کی رؤیت زیادہ تر انسانی شکل میں کیوں ہوتی ہے؟ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا :-

"اوّل اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوق بنایا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ رؤیتِ باری کے نظارہ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ بندے کا خدا کے ساتھ لگاؤ پیدا ہو جائے اور انسان کو انسان کی صورت سے ہی لگاؤ ہو سکتا ہے۔ اگر ایک اچھی بھینس کی شکل میں کوئی ایسا نظارہ دکھایا جائے تو اس سے اللہ تعالےٰ کی محبت پیدا نہیں ہوگی۔ پھر یہ بھی صحیح نہیں کہ زیادہ تر انسانی شکل میں ہی رؤیت باری تعالےٰ ہوتی ہے۔ مَیں نے زیادہ تر خدا تعالےٰ کو نُور کی صورت میں دیکھا ہے۔ کبھی خدا تعالےٰ کی تجلّی بجلی کی تیز روشنی کی طرح مجھے دکھائی دی ہے۔ مگر اس میں اس قسم کی تیزی اور حدّت نہیں ہوتی جیسے بجلی کی روشنی میں ہوتی ہے بلکہ وہ روشنی اپنے اندر ایک سکون اور راحت رکھتی ہے" [۲]

پانچواں نکتہ سیّدنا المصلح الموعودؓ نے امام کی مجلس سے فیضان حاصل کرنے کے طریق پر وضاحت کرتے ہوئے فرمایا :-

"امام اگر باہر مجلس میں آکر بیٹھتا ہے تو صرف اس لئے آکر نہیں بیٹھتا کہ وہ سوالوں کا جواب دیتا رہے۔ بلکہ اگر مجلس میں بیٹھ کر لوگ ذکرِ الٰہی کریں۔ اپنے قلوب کی صفائی کا خیال رکھیں اور اللہ تعالےٰ کی تسبیح وتحمید بجالائیں تو یہ چیز سوالات سے بہت زیادہ اہم اور بہت زیادہ مفید نتائج پیدا کرنے والی ہوتی ہے۔ مجلس کو ڈیبیٹنگ کلب بنا دینا ہرگز مومنوں کا شیوہ نہیں۔ خدا تعالیٰ کے ماموروں اور اُن کے خلفاء اور مصلحین کا کام ڈیبیٹنگ کلب میں بیٹھنا نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کو اللہ تعالےٰ کی

[۱] "الفضل" ۲۰ شہادت اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲ ۔ [۲] "الفضل" ۳۱ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳ ۔

محبّت کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے۔ اس لئے وہی شخص ان سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو مجلس میں خاموشی کیساتھ بیٹھے۔ اپنے قلب کو ہر قسم کے دنیوی مالوفات سے پاک کر دے اور اُسے اس طرح خالی کرے کہ جب اللہ تعالےٰ کی طرف سے نُور نازل ہو تو اُس کا دل اس نُور کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو ضمنی طور پر کوئی سوال پُوچھ لینا منع نہیں۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی لوگ سوالات پُوچھ لیتے تھے۔ قرآن کریم نے بھی سوالات کرنے سے کُلیۃً نہیں روکا۔ صرف یہ فرمایا ہے کہ اس رنگ میں جو ناپسندیدہ ہو سوال نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ اگر امام لوگوں کے سوالات کا جواب ہی دیتا رہے تو یہ صورت بن جاتی ہے کہ گویا مقتدی امام کے اختیارات چھین رہے ہیں۔ . . . یہ تو امام کے دل میں خدا تعالیٰ نے ڈالنا ہے کہ کونسی باتیں قلب کی صفائی کے لئے ضروری ہیں۔ اگر اس کو موقعہ ہی نہ ملے گا اور لوگ اپنے مشغلہ میں مشغول رہیں گے تو وہ خاموش رہے گا یہانتک کہ وہ وقت آجائے گا جو اعمال کے نتائج ظاہر ہونے کا ہوتا ہے اور چونکہ لوگوں نے محض باتوں میں اپنے وقت کو ضائع کر دیا ہوگا۔ عملی رنگ میں اصلاح اور تربیت اور تزکیہ کے طور پر کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا ہوگا۔ اس لئے نتائج اُن کے خلاف نکلیں گے اور وہ کفِ افسوس ملتے رہیں گے۔" [1]

یہ تو بطور نمونہ معرفت و طریقت کے چند علمی اور رُوحانی نکات بیان کئے گئے ہیں ورنہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے لئے دُعا[2]، نبی اور رسُول[3]، سپرچوئلزم[4]، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی طرف منسوب تین جھوٹ[5]، آداب نماز[6]، دُعا اور مسمریزم[7]، ستاروں کی تاثیرات[8]، قرآن سے فال[9]، ظہر و عصر میں قرأت مخفی رکھنے کی وجہ[10]، نماز میں جہراً بسم اللہ نہ پڑھنے کی حکمت[11]، نمازوں کے مستحسن اوقات[12]، احمدی بادشاہ اور اسلامی شریعت[13]، حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی عمر ہجرت کے وقت[14]، وغیرہ بلا مبالغہ سینکڑوں ایسے اہم مسائل ہیں جن پر حضور نے اس اہم مجلس میں بالوضاحت روشنی ڈالی جن کی تفصیل مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر مرحوم مولوی فاضل کی محنت و کاوش سے "الفضل" میں محفوظ ہو چکی ہے۔

---

[1] "الفضل" ۷ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ۱ ؛ [2] "الفضل" ۴ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ۱ ؛ [3] "الفضل" ۹ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ۳
[4] " ۲۹ " " " ؛ [5] " ۲۸ اخاء/اکتوبر " صفحہ۱ ؛ [6] " ۳۱ اخاء/اکتوبر " صفحہ۵ ؛
[7] " یکم نبوت/نومبر " صفحہ۱ ؛ [8] " ۲ فتح/دسمبر " " ؛ [9] " ۱۹ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ۱ ؛ [10]
" ۱۹ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش صفحہ۲ ؛ [11] " ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ۱ ؛ [12] " ۳۰ " " صفحہ۱ ؛ [13]
" ۱۰ تبلیغ/فروری " صفحہ۱ ؛ [14]

مسجد مبارک کی توسیع اور نو تعمیر حصّہ کا افتتاح

حضرت مصلح موعودؓ نے ۹؍امان/مارچ کو جہاں مجلس علم و عرفان کے آغاز کا اعلان فرمایا۔ وہاں ساتھ ہی مسجد مبارک کی توسیع کا بھی فیصلہ کیا۔ چنانچہ فرمایا :-

" اب اس کثرت سے لوگ یہاں نمازیں پڑھنے آ رہے ہیں کہ کل سے مَیں بھی سوچ رہا ہوں اور بعض دوسرے دوست بھی کہ اب یہ مسجد اس قابل نہیں رہی کہ سب لوگ اس میں سما سکیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے بڑھا دیا جائے۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں پہلی برکت تو یہ نازل ہوئی ہے کہ آج ہی مَیں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس مسجد کو پہلو کی طرف بڑھا دیا جائے۔ اس سے انشاء اللہ یہ مسجد موجودہ مسجد سے دوگنی ہو جائے گی۔ مسجد کے لئے یہ جگہ سالہا سال سے خریدی جا چکی تھی . . . . اب انشاء اللہ اس مسجد کو بڑھا دیا جائے گا۔ مَیں اپنے قلب میں ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ انکشاف ہوتا ہے۔ گو کسی الہام یا رؤیا کی بناء پر مَیں یہ نہیں کہہ رہا۔ مگر میرا قلب یہ محسوس کرتا ہے کہ ہر شخص جو یہاں نماز پڑھنے کیلئے آتا ہے وہ سلسلہ کی ترقی کے لئے ایک نیا باب کھولتا ہے۔"[1]

اس فیصلہ کے مطابق بہت جلد مسجد مبارک کی توسیع عمل میں آئی جس سے مسجد کی عمارت نہایت شاندار اور پہلے کی نسبت دوگنی سے بھی زیادہ ہو گئی۔ ۲؍ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے نئے محراب میں نماز ظہر پڑھا کر اس کا افتتاح فرمایا۔[2]

اس حصّہ کی توسیع کے لئے روپیہ حضرت سیدنا المصلح الموعود کی ذاتی اپیل پر دوستوں نے پُرجوش طوعی چندوں کی صورت میں پیش کیا جس میں ایک معقول حصّہ خود حضور کے ذاتی چندہ کا تھا۔ اس تعمیر کی نگرانی کا کام حضور کی خاص ہدایت کے تحت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے انجام دیا اور عملی نگرانی سید سردار حسین شاہ صاحبؓ اوورسیر نے کی۔ مسجد مبارک کی نئی توسیع عملاً فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء ہی میں مکمل ہو چکی تھی اور اسی لئے حضور نے اس جدید حصہ میں نماز کا آغاز فرما دیا۔ مگر اس کی تکمیل کی بعض ضمنی تعمیرات ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے شروع تک جاری رہیں۔[3]

اس آخری توسیع کے بعد مسجد مبارک کی شکل یہ ہو گئی :-

(نقشہ سامنے کے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

---

[1] " الفضل " ۷؍شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲ ۔

[2] " الفضل " ۴؍فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ مسجد کے نئے حصّہ کی تعمیر کا آغاز ماہ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے شروع میں ہوا (" الفضل " ۷؍احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲-۴)

[3] " الفضل " ۲۶؍امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ ۔

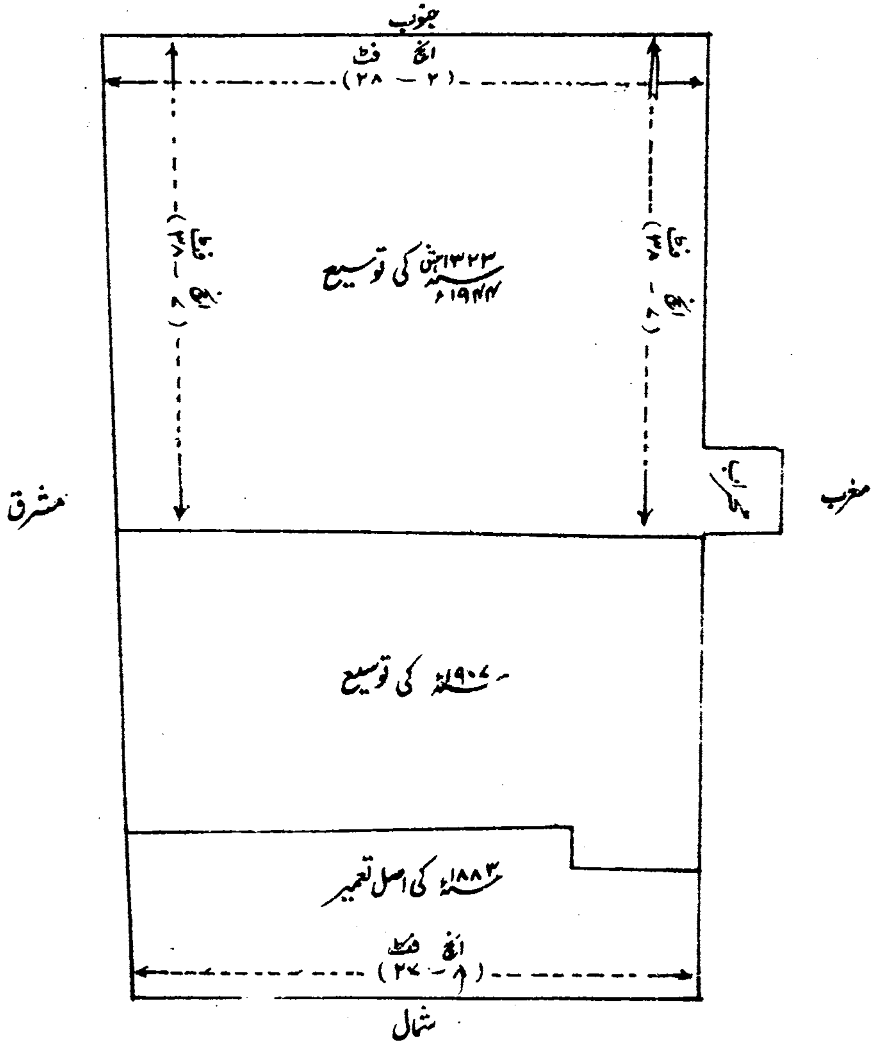

غلبۂ اسلام کیلئے چالیس روزہ دُعاؤں کا خاص سلسلہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ۷ اماں/مارچ ۱۳۲۳ ہش ۱۹۴۴ء کو مسجد مبارک میں نماز مغرب پڑھانے کے بعد محراب میں کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:-

"ایک تجویز ذہن میں آئی ہے جو بیان کرنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ چالیس دن متواتر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار پر جا کر اسلام کے غلبہ کے لئے دُعا کی جائے بعض خاص وجودوں کے ساتھ دُعا کی قبولیت کو خاص تعلق ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس پر دُرود بھیجتے ہیں۔ پس جب ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے لئے دُعا کرتے ہیں تو وہی دُعا ہمارے حق میں بھی قبول ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ہم وہاں جا کر دعا کریں جہاں وہ شخص مدفون ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے غلبے کے وعدے کئے ہیں اور ہم کہیں کہ اے خدا یہ وہ شخص ہے جس کے ساتھ تُو نے اسلام کے غلبے کے وعدے کئے اور اب تُو ان وعدوں کو پُورا کر۔ تو یہ دُعا بہت جلد قبولیت حاصل کرے گی۔ جماعت میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اُس جگہ پر جا کر دُعا کریں تا اللہ تعالیٰ کی غیرت کو بھڑکایا جائے اور تا اسلام کو ایسی فوج میسّر آجائے جو اپنے آپ کو خدا کے آگے ڈال دے۔

اللہ تعالیٰ کے ارادے تو بہت وسیع ہیں مگر مَیں کہتا ہوں کہ جس حد تک میرے ارادے ہیں اگر جماعت میں اتنی ہی تبدیلی پیدا ہو جائے تو موجودہ دو لاکھ سے ہی ہم نہ صرف رُوحانی طور پر بلکہ جسمانی طور پر بھی دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔ اگرچہ ہمارا مقصد رُوحانی فتح ہے جسمانی نہیں۔ لیکن جہانتک طاقت کا سوال ہے مَیں سمجھتا ہوں جسمانی فتح کے لئے بھی جس قدر ضرورت اخلاص اور عزم کی ہے اس قدر مقدار افراد کی نہیں ہے۔ پس ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ جتنے لوگ ہم کو مل چکے ہیں پہلے ہم اُن کے دلوں کو دوبارہ فتح کریں۔ پس جو دوست جا سکتے ہوں وہ عصر کے بعد میرے ساتھ جا کر دُعا میں شامل ہو سکتے ہیں اور جو قادیان سے باہر ہیں وہ بامر مجبوری چالیس دن تک اس دُعا میں عصر کے بعد اپنی اپنی جگہ شامل ہو سکتے ہیں خواہ مسجد میں، خواہ اپنے گھروں میں، خواہ دفتروں میں، خواہ بازار یا گذرگاہوں میں۔

ام طاہر احمد کے لئے مَیں نے چند دن جانا ہی تھا کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی کی وفات ہو جاتی ہے تو کچھ عرصہ کے لئے اس کی رُوح میں کچھ توحش سا پیدا ہو جاتا ہے۔ پس اس توحش کو دُور کرنے کے لئے اگر میّت کے اعزہ اور اقرباء قبر پر جا کر دُعا کرتے ہیں۔ تو مَیں سمجھتا ہوں اس سے مُردہ کو اس دوسری زندگی میں سہولت میسّر ہو سکتی ہے۔ پس مَیں نے سوچا کہ جب اس غرض سے میں کچھ دن متواتر مقبرہ میں جاؤں گا تو ساتھ ہی یہ دوسرا کام بھی شروع کر دیا جائے اور اسلام اور سلسلہ کی فتوحات کے لئے دُعا کرنے کے لئے چالیس دن مقرر کر لئے جائیں تا خدا تعالیٰ کا فضل بھی نازل ہو اور ہمارے دلوں میں بھی تبدیلی ہو۔

پچھلے دنوں مجھ پر بہت بوجھ رہا۔ لیکن مجھے خدا تعالیٰ نے توفیق دی کہ مَیں اس بوجھ کو اُٹھا سکوں۔ لیکن اُمّ طاہر احمد کی وفات کے بعد میری طبیعت ناساز ہو گئی ہے۔ . . . پس اگر مَیں باہر ہوں یا بیمار ہوں تو جو مقامی امام ہو یا جس کو مَیں مقرر کر دوں میری جگہ جا کر دُعا کرائے۔ جتنے دن مَیں دعا نہ کر سکوں گا ان کی کمی بعد میں پُوری کر دوں گا۔ اس طرح چالیس دن تواتر کے ساتھ ہم دُعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے

ناچیز وجودوں کو اس کی درگاہ کی بھینٹ چڑھادیں۔ جماعت اللہ ہی سنبھالتا ہے۔ اللہ ہی دلوں کو فتح کرتا ہے۔ لیکن انسان جب اپنی قربانی پیش کر دیتا ہے تو باقی کام اللہ تعالیٰ خود کر دیتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ جماعت کا ہر فرد اپنی قربانی اس طرح سے پیش کر دے جس طرح ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو پیش کر دیا تھا جس کے نتیجے میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسا وجود پیدا ہوا۔ آج بھی اگر ہم میں سے ہر شخص اسمٰعیلؑ بن جائے تو جلد ہی ناممکن بات ممکن ہو جائے گی۔ دُنیا میں آج اس قدر غفلت ہے، اتنی دہریت ہے۔ اس قدر مادیت ہے۔ مذہب سے اس قدر بے اعتنائی ہے کہ ایک منٹ کے لئے بھی کوئی خیال نہیں کر سکتا کہ کوئی زبردست تبدیلی دُنیا میں پیدا ہو جائے گی۔ پس آؤ! ہم اپنی گردنوں کو خدا تعالیٰ کے دروازہ پر جُھکا کر خود اپنے ہاتھوں سے اُن پر چھری پھیر دیں تاکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت پھر دُنیا میں قائم ہو جائے"[1]

اسلام کی فتح رُوحانی کے لئے ان دردمندانہ دُعاؤں کا سلسلہ دوسرے دن ۸ راماں/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے شروع ہو گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس روز نماز عصر کے بعد خدام کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ بہشتی مقبرہ تشریف لے گئے[2] اگلے روز حضور نے دُعا کرنے سے قبل چاردیواری کے دروازہ میں کھڑے ہو کر یہ وضاحت فرمائی کہ

"ہماری غرض یہاں آکر دعائیں کرنے سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کو دیکھ کر ہمارے اندر رقّت پیدا ہو اور ہم خدا تعالیٰ سے عرض کریں کہ اے خدا! یہ وہ شخص ہے جس نے اسلام کی خاطر اپنی تمام زندگی وقف کر دی۔ یہ وہ شخص ہے جس پر تُو نے الہامات نازل کئے کہ اس کے ہاتھوں سے اسلام کا احیاء ہوگا اور دُنیا ایک نئے رنگ میں پلٹا کھائے گی۔ اب یہ شخص فوت ہو چکا ہے اور ہمارے سامنے زمین میں دفن ہے۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اس کے ساتھ محبت رکھتے اور اس کے غلاموں میں شامل ہیں۔ اس لئے اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اس ذمہ داری کو ادا کریں اور ان وعدوں کو جو تُو نے کئے پُورا کرنے کیلئے اپنی جدوجہد اور کوشش کو کمال تک پہنچا دیں۔ مگر ہم کمزور ہیں۔ ہمارے اندر کئی قسم کی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں تُو آپ اپنے فضل سے ہمارے کمزور کندھوں کو طاقت دے ہمارے ناتواں ہاتھوں کو مضبوط بنا اور ہماری کوششوں میں ایسی برکت پیدا فرما کہ تیرے وعدے پُورے ہوں اور تیرا دین دُنیا پر غالب آجائے۔"[3]

---

[1] "الفضل" ۱۱ راماں/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ تا ۴۔ [2] "الفضل" ۱۰ راماں/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔ "الفضل" ہجرت ۱۳۲۳ہش/مئی ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔ [3] "الفضل" ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲۔

خلافت ثانیہ کے اکتیسویں[31] سال اور دعویٰ مصلح موعود کے سالِ اوّل کی پہلی سہ ماہی کے ایمان افروز واقعات اِس جلد پر ختم ہوئے۔

(فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاھِرًا وَّبَاطِنًا وَّعَلَیْہِ التُّکْلَانِ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ)

طالبِ دُعا خاکسار شاہ محمد شاہد خوشنویس دار الہجرت ربوہ

ضمیمہ

کتاب "تاریخ احمدیت" جلد نہم

۱- فوٹو جلسہ مصلح موعود دہلی (صفحہ ۱)

نمایاں طور پر شناخت ہونے والے اصحاب کے نام یہ ہیں :-

سٹیج پر کھڑے ہونے والے دائیں سے بائیں ۱- ۴- سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ (حضور کے قدموں میں صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب) ۵- صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب

سٹیج پر بیٹھنے والے پہلی قطار دائیں سے بائیں :-

۱- پگڑی و عینک والے مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز اسسٹنٹ پرائیویٹ سکرٹری ۲- سیٹھ محمد غوث صاحبؓ حیدر آبادی (آپ کے دائیں ہاتھ پچھلی جانب سفید ریش حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندر آباد دکن) ۶- حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب ۹- مکرم نور احمد صاحب سنوری ۱۰- میاں عبداللہ صاحب (برادر مولانا ابوالبشارت عبدالغفور صاحبؓ)

سٹیج کے نیچے بیٹھنے والے پہلی قطار میں :-

سفید بالوں والے حضرت حکیم محمد حسین صاحبؓ المعروف مرہم عیسیٰ اور چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کے قدموں میں بیٹھنے والے چوہدری سلطان احمد صاحب (ابن چوہدری علی محمد صاحب آف گوکھووال ضلع لائلپور)

۲- فوٹو سالانہ اجتماع انصار اللہ (صفحہ ۹۹)

سٹیج پر کھڑے دائیں سے بائیں :-

۱- حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ۲- مولوی ظہور حسین صاحب ۳- مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور ۴- مولوی احمد خاں صاحب نسیم ۵- چوہدری ظہور احمد صاحب آڈیٹر ۶- حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے ساتھ حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ بیٹھے ہیں۔

۳۔ فوٹو مبلغین سلسلہ احمدیہ (صفحہ ۲۲۰)

(دائیں سے بائیں) کرسیوں پر :- ۱۔ مولوی محمد سلیم صاحب ۲۔ قریشی محمد نذیر صاحب ملتانی۔
۳۔ مولوی محمد یار صاحب عارف سابق مبلغ انگلستان ۴۔ مولوی ظل الرحمٰن صاحب بنگالی۔
۵۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ ۶۔ مولانا عبداللہ صاحب مالاباریؓ ۷۔ مولانا رحمت علی صاحبؓ ۸۔ مولانا ابوالعطاء صاحب ۹۔ مولانا ابوالبشارت عبدالغفور صاحبؓ

(دائیں سے بائیں) پچھلی قطار :- ۱۔ مہاشہ محمد عمر صاحبؓ نومسلم (سابق یوگندرپال) ۲۔ مولوی محمد حسین صاحب مبلغ کشمیر ۳۔ مولوی عبدالواحد صاحب کشمیری ۴۔ مولوی غلام احمد صاحب فرخ ۵۔ شیخ عبدالقادر صاحبؓ نومسلم (سابق سوداگرمل) ۶۔ چوہدری مظفرالدین صاحب بنگالی۔

(دائیں سے بائیں) دوسری قطار :- ۱۔ مولوی محمد اعظم صاحب بوتالوی ۲۔ گیانی واحد حسین صاحب (سابق شیر سنگھ) ۳۔ مولوی عبدالمالک خانصاحب ۴۔ مولوی احمد خاں صاحب نسیم ۵۔ مولوی دل محمد صاحب ۶۔ گیانی عباداللہ صاحب ۷۔ مولوی غلام احمد صاحب ارشد

۴۔ حضرت مصلح موعودؓ کا گروپ فوٹو جماعت احمدیہ لاہور کے ساتھ (اوائل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء) (صفحہ ۴۹۰)

نیچے بیٹھے ہوئے (دائیں سے بائیں) :- ۱۔ قاضی محبوب عالم صاحب، مالک راجپوت سائیکل ورکس نیلہ گنبد ۲۔ ملک خدابخش صاحب جنرل سکرٹری ۳۔ قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے ۴۔ شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ ۵۔ شیخ مشتاق حسین صاحب ۶۔ میاں احمد دین صاحب۔
۷۔ بابو عبدالحمید صاحب ریلوے آڈیٹر ۸۔ میاں تاج دین صاحب ۹۔ پہلوان معراج الدین صاحب ۱۰۔ قریشی محمود احمد صاحب

کرسیوں پر (دائیں سے بائیں) ۱۔ محمد اقبال صاحب زرگر ۲۔ چوہدری عبدالرحیم صاحب ۳۔ میاں عبدالمجید صاحب ۴۔ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ ۵۔ میاں محمد یوسف صاحب۔
۶۔ ... ۷۔ پہلوان کریم بخش صاحب

کھڑے (دائیں سے بائیں) ۱۔ ڈاکٹر معراج الدین صاحب (جن کے آگے ایک بچہ کھڑا ہے)
۳۔ شیخ محب الرحمٰن صاحب ۴۔ حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰؓ ۵۔ بابو فضل الدین صاحب
۶۔ چوہدری اسداللہ خانصاحب ۷۔ مولوی عبدالرحیم صاحب دردؓ ۸۔ مستری نور محمد صاحب

۹۔ مستری جان محمد صاحب ۱۰۔ ملک عبدالکریم صاحب ۱۱۔ ڈاکٹر حافظ عبدالجلیل صاحب ۱۲۔ میاں فیروزالدین صاحب سیالکوٹی ۱۳۔ بھیرہ کے ایک دوست ۱۴۔ مستری حسن دین صاحب۔

۱۵۔ . . . . ۱۶۔ ڈپٹی میاں محمد شریف صاحب۔ (تصویر کی تاریخ ۷ ارجولائی بمطابق ۱۳۲۳ھ ۱۹۴۴ء)

۵۔ **مدرسہ احمدیہ کے قدیم اساتذہ اور طلبہ کا فوٹو** (صفحہ ۵۴۰)

<u>کرسیوں پر (دائیں سے بائیں)</u>:۔ ۱۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل (جٹ) ۲۔ حضرت ماسٹر محمد طفیل صاحب رضؓ ۳۔ حضرت مولوی غلام نبی صاحبؓ (مصری) ۴۔ حضرت قاری غلام یٰسین صاحب رضی اللہ عنہ ۵۔ نعمت اللہ خاں صاحبؓ انور بدایونی کلرک بورڈنگ مدرسہ ۶۔ قاضی عطاء اللہ صاحب انگریزی ٹیچر۔ ۷۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ ہیڈ ماسٹر مدرسہ ۸۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب رضؓ ۹۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری ۱۰۔ حضرت مولانا مولوی ارجمند خاں صاحب ۱۱۔ حضرت قاضی سید امیر حسین صاحبؓ ۱۲۔ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل حلالپوریؓ ۱۳۔ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحوم مبشر بلاد اسلامیہ۔

<u>پیچھے کھڑے ہونے والے (دائیں سے بائیں)</u>:۔ ۱۔ سید محمد ہاشم صاحب بخاری (قاضی عطاء اللہ صاحب کے بائیں کندھے پر ہاتھ رکھنے والے) ۲۔ پیر حبیب احمد صاحب ۳۔ مولوی عزیز بخش صاحب ۴۔ مولوی ناصرالدین صاحب ۵۔ حمید اللہ خاں صاحب (برادر حضرت خان ارجمند خاں صاحب) ۶۔ میاں شیخ محمد صاحب پوسٹ مین قادیان ۷۔ مولوی عنایت اللہ صاحب قادیانی ۸۔ مولوی قمرالدین صاحب سیکھوانی ۹۔ مولوی تاج الدین صاحب ۱۰۔ مولوی عبداللہ صاحب بدوملہی ۱۱۔ مولوی علی احمد صاحب بھاگوالوی